

بزمِ خرویش... سلسلہ اول

قلعہ کے گھر ہونے کے

روحِ موسویؑ کے گھر ہونے کا حقیقی معنی

اسرارِ روحانیت

اساتذہ کرام و ائمہ کرام

پروفیسر محمد عابد اللہ مدظلہ العالی



بزمِ درویش..... سلسلہ اول

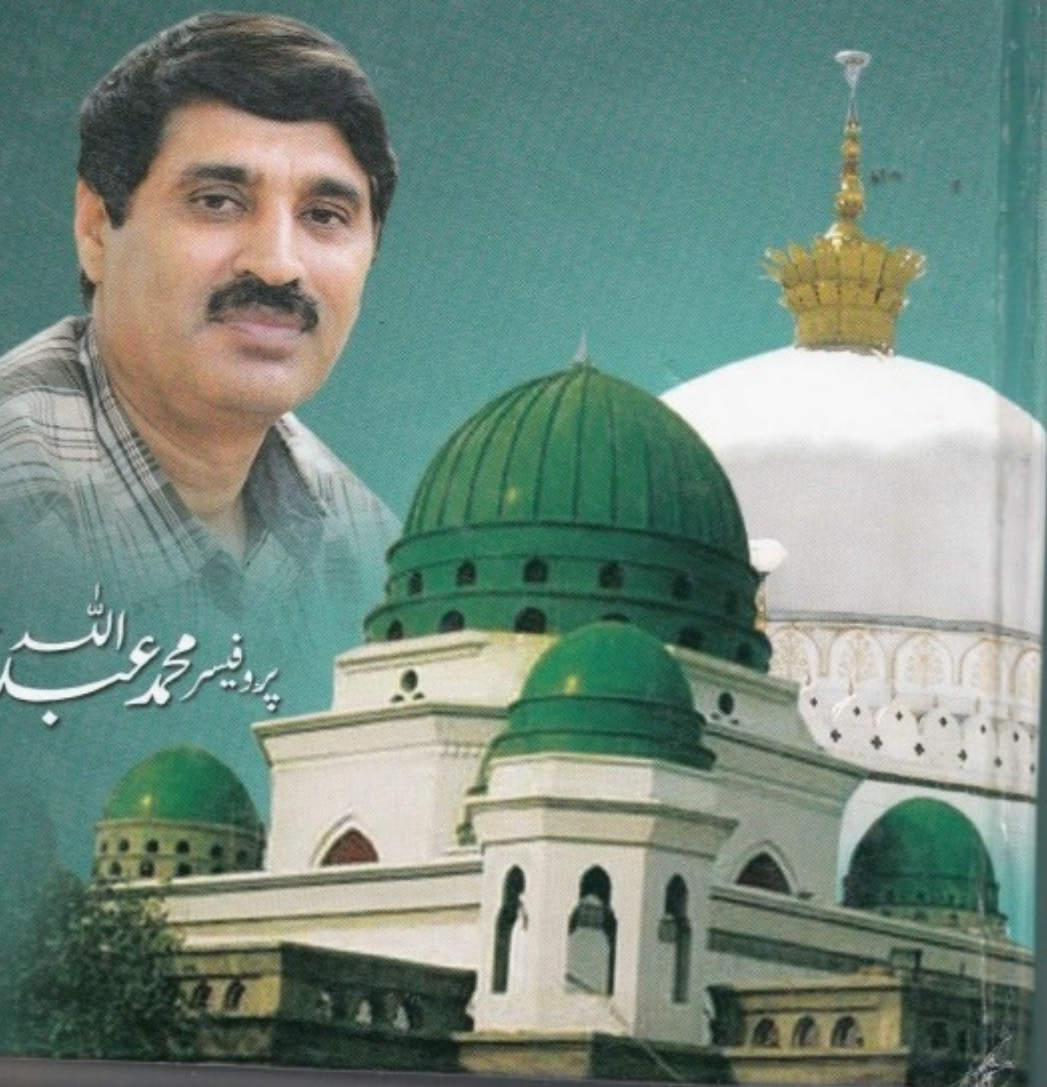
قطرے سے گہر ہونے تک کے

روحانی اسرار کا کشف کرنے والی دل گیر و دل چاہی تہ تحریر

اسرارِ روحانیت

انسان شدہ ایڈیشن

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی



بزم درویش سلسلہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا هَيُّ يَا قَيُّوْمُ يَا ذَوَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

اسرار روحانیت

The Secrets of Spiritualism

راہِ فقرِ تلاشِ حق و قربِ الہی کے پُر اسرار اور کشن سفر پر نکلے مسافر کے ہوشربا
چونکا دینے والے تخریز واقعات ایک درویشِ خدا مست کی زبانی

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی

نگ میل پبلی کیشنز، لاہور

سرورِ کونین کی فعلین پاک کے نام

گر قبول افتد زہے عز و شرف

297.4 Muhammad Abdullah Bhati, Prof.
Asrar-e-Roohaniat/ Prof. Muhammad
Abdullah Bhati.- Lahore : Sang-e-Meel
Publications, 2014.
549pp.
I. Islam - Sufism - Spiritualism.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگ میل پبلی کیشنز/ مصنف سے باقاعدہ
تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا۔ اگر اس قسم کی
کوئی بھی صورت حال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

2014ء

افضال احمد نے

سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

سے شائع کی۔

ISBN-10: 969-35-2735-6

ISBN-13: 978-969-35-2735-3

Sang-e-Meel Publications

25 Shahr-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore 54000 PAKISTAN

Phones: 92-423-722-0100 / 92-423-722-8143 Fax: 92-423-724-5101

http://www.sang-e-meel.com e-mail: sm@sang-e-meel.com

حاجی صنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

پہ فسازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جہیں تو نے بختا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

پڑھنے دا مت مان کریں
 نہ آکھیں پڑھیا پڑھیا
 اوہ جبار قہار کھاوے
 متاں روڑہ دیوی دودہ کڑھیا

میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

فہرست

48	مفتی محمد راغب حسین نعیمی	17	عرض ناشر
50	مفتی رمضان سیالوی صاحب		منقبت در حضور جناب پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب
52	سید انتظار حسین شاہ زمجانی	18	(محمد عالم چشتی)
54	شہر یار احمد خان	19	حرب آغاز
57	زمر ذوقی		بے لاگ تبصرے
59	اسلم کھوکھر		
61	پیر صوفی غلام سرور شباب قادری	23	عطاء الحق قاسمی
65	تلاش حق	26	محب الرحمن شای
68	روحانیت کی طرف	29	محمد ہیر
71	اسم اعظم کی تلاش	32	للہ اقبال
72	درویش شریف کی کثرت	35	بالقہ سہ
72	عمل حصار	38	اکبر اہل نیازی
73	اسم اعظم کا ورد	40	طارق اسماعیل ساگر
74	اکبر اہل نیازی	43	ہادیہ ہودہری

251	189	ایک کے بجائے دو پیو یاں
253	190	دیوانی ماں کو بیٹا مل گیا
255	194	ایک لمحے میں فقیری پا گیا
257	198	فقیری یعنی پہنکی پڑی
262	203	روحانی کرنٹ یا توجہ کا کمال
262	203	روحانیت سے توبہ
264	204	روحانی خلافتوں کا شوق
265	206	فیض یا روحانیت کا خاتمہ
265	210	حافظ صاحب کا لالچ
268	211	روحانی آپریشن کا خاتمہ
269	213	مفسر نے فقیری مانگی
273	216	کیا نیلی میتھی سچ ہے؟
275	218	توجہ یا نیلی میتھی کا غلط استعمال
278	220	جسمانی پرداز
280	221	روحانی گورنر سے ملاقات
284	223	سچے اور پردازی خواب
287	224	پاگل پن یا مجذوبیت
290	225	من کی اداسی
294	226	مرشد کے درشن
300	231	حضرت بری امام سرکار کے روحانی فیضان کا آغاز
303	235	روحانی مسافر متوجہ ہوں
	238	
	240	
	242	روحانیت کیا ہے؟
307	244	روحانیت اور عصر حاضر
321	246	روحانیت کی افادیت
331	247	روحانیت کی آخری افادیت
332		

باب اول

127	75	بزرگوں سے فیض کیسے ملتا ہے؟
131	76	بابا جی کو ترس آئی گیا
132	76	بابا اللہ دتہ اور گورو نانک جی
134	77	مرشد کی ناراضی
137	78	مرشد کی انوکھی سزا
139	78	حبیب کبریا سرکار رسالت مآب کی زیارت
140	79	حضرت علی حیدر کرار کی زیارت
141	80	روحانی کیفیات شروع
141	82	No Body خالی ذہن
142	84	قبض اور رملط
142	89	روشنیاں اور جھٹکے
145	95	عشق الہی
146	100	قرآن مجید سرچشمہ فیض
153	102	صوفیانہ شاعری
158	102	خدا کے ہونے کا احساس
160	106	پہلا روحانی علاج یا دم
162	106	اندھا بچہ ٹھیک ہوا
163	107	معذور کھڑا ہو گیا
165	110	زنجیروں میں جکڑا مریض
167	112	کینسر کی مریضہ کا یقین
168	112	غریب باپ کی کینسر زدہ بیٹی
172	114	سکھ ڈاکٹر کا یقین
174	115	کشفی صلاحیتوں کی بیداری
174	115	صدر پاکستان کا ڈائریکٹو
175	118	بیس سالہ رفاقت کا خاتمہ
177	120	بیوی کا عاشق خاوند
181	124	ایک دن کی دلہن

ارٹکار توجہ

ترک حیوانات

”جس دم“ سانس ہی زندگی ہے

مختلف مزارات پر حاضری

دائنامتھ حضور کے در پر

ریلوے اسٹیشن راولپنڈی کا مزدور درویش

کراچی کے صوفی بہادر دین کا داتا حضور کو سلام

گستاخ چری مانگ

بدکردار زانی بابا

کبوتر کی آہ

خدا کی تلاش

بنگالی بابا کی پٹائی

پیر کی گدی خطرے میں

شہنشاہ لاہور داتا حضور کے در پر

قلندری دھمال اور مولوی صاحب

بابا بلھے شاہ کے در پر

گستاخ میتھی بابا

ماڈرن چری، فنکشن اور ڈانس

آگ (سچ) کا پجاری بابا

بابا لال شاہ مری کے در پر

بابا لال شاہ کا مرید بابا

چری گروپ کا مقابلہ

پاک تپن بابا فرید کے در پر

مجذوب بابا یوسف کے چائے رس

مجذوب بابا شیر کا قبوہ اور بلاوا

مجذوب کی سزا

مجذوب کی تلاش

شمس الدین محمد لاہی نور بخش
نور الدین عبدالرحمن جانی

روحانی سلسلے

سلسلہ زیدیہ

سلسلہ عیاضیہ

سلسلہ ادھمیہ

سلسلہ جمیریہ

سلسلہ چشتیہ

سلسلہ عجمیہ

سلسلہ طیفوریہ

سلسلہ کرنجیہ

سلسلہ سقطیہ

سلسلہ جنیدیہ

سلسلہ گاذرونیہ

سلسلہ طوسیہ

سلسلہ سہروردیہ

سلسلہ فردوسیہ

سلسلہ قادریہ غوثیہ

سلسلہ یوسیہ

سلسلہ نقشبندیہ

سلسلہ نوریہ

سلسلہ خضرویہ

سلسلہ شطاریہ عشقیہ

سلسلہ سادات کرام

سلسلہ زاہدیہ

سلسلہ انصاریہ

سلسلہ صوفیہ

398 سلسلہ اوروپیہ

398 سلسلہ قلندریہ

399

399

399 فقیر کی اصل شان

399 اللہ تعالیٰ فقیر پر قدرت و حکمت کے

399 دروازے کھول دیتا ہے

399 معرفت نفس

400 ضروریات ارکان ثلاثہ

400 ضروریات بدن میں مداخلت

400 ضروریات روح میں مداخلت

400 ترجیحات نفس

401 ہوائے نفس

401 محاسبہ نفس

401 مہلکات

401 تکبر

401 تکبر خدا کے مد مقابل

402 لفظ عالین کی تشریح

402 تکبر انبیاء و اولیاء کے مد مقابل

402 تکبر لوگوں کے مد مقابل

403 عبرتناک واقعہ

403 ”تکبر“ قرآن کی نظر میں

403 حسد

403 حسد کی تعریف

404 تکبر سے بچو

404 لالچ سے بچو

404 حسد سے بچو

باب ششم

404

405

406

406

408

410

412

414

416

419

419

419

419

420

420

421

421

421

421

421

423

423

425

425

425

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

اور اقوال صوفیہ

425

427

427

427

428

430

430

431

431

432

433

433

434

436

436

436

437

437

438

438

439

439

440

441

442

442

تین باتوں میں غلوں کی شدید ضرورت

وضاحت اخلاص میں حدیث قدسی

علامات اخلاص

اخلاص اور اقوال صوفیہ

صدق (سچائی)

صدق کی تعریف

صدق قرآن کی نظر میں

صدق اور کذاب کون؟

صدق اور اقوال صوفیہ

زہد فی الدنیا

مفہوم زہد میں اقوال صوفیہ

حسن خلق

حسن خلق اور اقوال صوفیہ

خوف خدا

خوف خدا اور فرامین خداوندی

خوف خدا اور احادیث نبویؐ

خوف کی اقسام

شکر

حقیقت شکر کیا ہے؟

اقسام شکر

رجا

رجا کا مطلب

رجا اور تمنا میں فرق

رجا کی اقسام

صبر

اقسام صبر

442

443

443

443

444

444

444

445

445

445

446

447

448

448

448

449

449

450

450

450

450

451

452

452

452

454

455

مشکل صبر

قناعت

قناعت اور احادیث نبویؐ

قناعت اور اقوال صوفیا

باب ہفتم

سرچشمہ روحانیت

یقین کامل

کامیابی

اعتماد

یقین

توکل علی اللہ

درد و غم

تجربہ

عزالت

خاموشی

مثبت سوچنا

مطمئن اور پرسکون رہنا

باب ہشتم

روحانیت اور ذکر الہی

ذکر الہی، احادیث نبویؐ کی روشنی میں

ذکر الہی اور روحانی طاقت

اسم اعظم کا بیان

حروف ابجد کے اعداد

اسماء الحسنیٰ

455

باب نہم

456

روحانیت اور عشق الہی

عشق الہی اور ذکر الہی

فعلیہ

صفاتیہ

ذاتیہ

عشق الہی قرب خدا کا تیز ترین ذریعہ

حاصل عشق الہی کی کیفیات

عشق الہی اور مرشد کامل

زاهدوں اور عاشقوں کے مقام میں فرق

زاهد خشک و اصلاہ حق کی خاک پا

باب دہم

مرشد کامل

روحانیت اور مرشد کامل

ایک دلچسپ وضاحتی مثال

باب یازدہم

روحانیت اور ارتکاز

ارتکاز

علم العملیات

علم التعمیدات

بلورینی (CRYSTALLO MANEY)

پتی بنی (TASSO GRAFHRY)

نہ اسرار علوم

ماورائے نفسیات (بیر اسائی کالوجی)

488

489

491

491

491

491

493

494

496

498

500

500

503

505

506

507

508

508

508

508

509

تاریکی (Third Eye)

الہام

الہام

الہام اور الہامیہ

نہر

(REMEMBRANCE) تکرار

(RESPIRATION) تنفس

(ASTHMA) کس

باب دوازدہم

روحانیت اور اسرار

اسرار

روحانیت اور اسرار

اسرار اور اسرار

اسرار اور اسرار

اسرار اور اسرار

باب سیزدہم

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

روحانیت اور اسرار

509

509

510

511

512

512

512

513

514

521

521

521

522

523

525

525

525

525

525

525

525

525

525

526

526

526

527

باب چہار دہم

روحانی پرواز

کرہ ظلمانی

اعمال ظلمانی

کرہ نار

کرہ روحی

کرہ نور

نکرات اسرار

ماخذ

پروفیسر عبداللہ بھٹی سے ملاقات

پروفیسر عبداللہ بھٹی کی آنے والی کتابیں

سرمایہ درویش

فکر درویش

بزم درویش

ثمرات اسم اعظم

مراقبہ سیکھیں

سفر نامہ درویش

کرشمہ نام

529

529

530

531

532

534

534

535

537

539

540

541

542

544

546

548

عرض ناشر

ناہضہ روزگار مرشد سرکار پروفیسر عبداللہ صاحب مدظلہ عالی و دامت برکاتہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کا وجود مسعود اس عہد کر بناک میں روحانیت کا وہ روشن آفتاب ہے کہ جس کی تمازت و حرارت مر جھائی ہوئی رُوحوں کو شاداب اور نڈھال جسموں کو حیات کامیاب کی راہ پر لانے کے لیے ہم تن مصروف عمل ہے۔

بے لوث خدمتِ خلق جہاں آپ کا منشور حیات ہے وہاں علمِ روحانیت کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کے لیے بھی آپ بھرپور طریقے سے سرگرم عمل ہیں۔

”اسرارِ روحانیت“ آپ کی روحانی آپ بیتی، لیکچرز اور دروس پر مشتمل ایک ایسا گنجینہ نایاب ہے جو ہر خاص و عام کو روحانیت کی ”عظیم منازل“ سے روشناس کرانے کا اثاثہ اپنے دامن میں محفوظ رکھتی ہے۔

تصوف اور روحانیت پر پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی اس مساعی جلیلہ کا ہدف روحانی تعلیمات کو آسان، سادہ اور عام فہم بنا کر پیش کرنا ہے تاہم موضوع کی مناسبت سے جو دقیق معارف کتاب میں آئے ہیں ان کو بھی حتی الوسع بھرپور سلاست سے بیان کیا گیا ہے۔

فروغِ روحانیت کے حوالے سے ہماری یہ کاوش کس حد تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ ہمارے قارئین کریں گے۔

آپ کی تجاویز و آراء کا منتظر

سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

منقبت در حضور جناب پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب

حرف آغاز

ام سر اہل فکر ہیں اس ذات بے نیاز کے کہ جس نے صرف "مُن" کہہ کر کُل کائنات کو خلق کیا اور پھر اپنی کُل
خلقت میں انسان کو احسن تقویم کہہ کر اپنی نیابت عدا کرتے ہوئے خلافت ارضی کا تاج اس کے سر پر سجایا۔ لیکن یہ انسان
کہ بارگاہ اعلیٰ میں جس کی روح سے اطاعت امر ربی کا اقرار لیا گیا تھا اس دنیا میں آ کر اس کی مادی رنگینیوں میں کھو
ہوا۔ یہ کہ وہ ہے کہ یہ اپنی قوت عقل اور فہم و فراست کو بروئے کار لا کر مادی آسائشات و تعیشات میں تو ہرگز نہ رہنے
والے بلکہ اللہ کے ساتھ ترقی کرتا جا رہا ہے لیکن اس کے برعکس دوسری طرف بری طرح روحانی انحطاط کا شکار ہے۔

از شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی صاحب مدظلہ العالی حضور حاضر کے انسان کو اس روحانی ضعف سے نجات دلانے کی ایک کوشش ہے۔
کتاب کے پہلے حصے میں میں نے اپنی آپ بیتی کو بیان کرتے ہوئے روحانی پرواز کے دوران اور اس کے بعد پیش آنے والے
واقعات میں سے چند ایک کو آشکار کیا ہے تاکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی منت خیز دریافتوں کے حصار میں جکڑے ہوئے انسان کو روحانی
دلائل مل سکیں۔ ہاں اگر کسی کو میرے اندر کوئی کمال نظر آتا ہے تو اس کی وجہ وہ روحانی پروسس ہے کہ جس سے میں گزرا ہوں
کتاب کے دوسرے حصے میں اس روحانی پروسس سے آشنائی کروانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اچھا سوئے رب کے فضل و کرم سے مجھے یہ پورا یقین اور اعتماد ہے کہ اگر آپ کتاب کے دوسرے حصے
میں اللہ اور مہربانی الصبر سمجھ گئے تو یقیناً اس حقیقت سے آشنائی آپ کا مقدر بن جائے گی جس کی طرف اشارہ علامہ اقبال
رحمۃ اللہ علیہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ

”ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں“

میں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہوں علم تصوف و عرفان کے حوالے سے جب میں امت مسلمہ کے اکابرین
کو ملتا ہوں تو مجھے اپنا علم سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف نظر آتا ہے تاہم دوستوں اور اپنے ارادتمندوں کے پرزور
اعتراف پر یہ کاوش کی گئی۔ اس کا منبع بھی قرآن مجید فرقان حمید میں موجود ”حکم تذکر“ ہے جس کے مطابق خالق بے نیاز نے
اچھا بندوں کو امور معروفہ کی بار بار یاد دہانی کروائی ہے۔ اس لیے میں اپنی علمی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اعتراف کرتے
ہوئے اس طرح لکھتا ہوں کہ میں اس کتاب میں کوئی نئی بات نہیں کر رہا بلکہ اکابرین علم

عشق و وفا کی انتہا عبداللہ بھٹی خلوص کا پیکر وہ راہنما عبداللہ بھٹی
سب سے جدا انوکھا پیشوا عبداللہ بھٹی وہ حق پرست وہ حق نوا عبداللہ بھٹی
واقف سر دغا، شرح تسلیم و رضا عبداللہ بھٹی کیا تجھے بتاؤں ہے کیا عبداللہ بھٹی
وہ مکرّم، وہ محتشم، وہ فقر کا پیکر وہ عابد، وہ پاکباز، وہ دلربا عبداللہ بھٹی
شرافت میں، رفاقت میں، سخاوت میں مرجع اہل صدق و صفا عبداللہ بھٹی
وہی سر حقیقت، وہی راز طریقت رشد و ہدایت کی جلا عبداللہ بھٹی
وہ ایک اپنی مثال آپ زمانے میں جنے گی نہ مادر گیتی دوسرا عبداللہ بھٹی
چاہنے والوں کے دل میں، آنکھ میں جلوہ فرما وہ جا بجا عبداللہ بھٹی
جس کی صورت دیکھنے سے یاد آجائے خدا ایسا وہ عبد حق ثما عبداللہ بھٹی
نہ حسب جا نہ منصب کی چاہت ہر عمل میں سب سے جدا عبداللہ بھٹی
دکھ درد کے ماروں کا ایک ہی نعرہ ہے میرے درد کی دوا عبداللہ بھٹی
دل نے پوچھا کون اتنے رتبے والا غیب سے آئی ندا عبداللہ بھٹی

عالم لیکر آیا ہے گلدستہ عقیدت کا

بہ صد خلوص سن لے التجا عبداللہ بھٹی

محمد عالم چشتی



تصوف کے بتائے ہوئے اسباق کو ایک نئی جہت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایک عاجز، مسکین، فقیر نمائے کا قلم نا تو اس حق کو کس حد تک ادا کر سکا ہے اس حوالے سے میں آپ کی آراء کا منتظر ہوں۔ اس التماس کے ساتھ کہ اگر اس کتاب میں آپ کو کوئی مثبت بات نظر آئے تو اسے میرے ذاتی کمال کے بجائے عطیہ پروردگار سمجھا جائے اور اگر کوئی سہو، خامی یا عیب نظر آئے تو اسے تقصیر یا کسرا سمجھ کر درگزر فرمایا جائے کہ معاف کر دینا شیوہ اعلیٰ ظرفی ہے۔

اس سے قبل کہ میں رشتہ قلم و قراطاس کے ذریعے اپنے فہم و ادراک سے شاہ مدینہ کی نعلین پاک کے صدقے میں عطا ہونے والے اسرار و معارف کے موتی یکجا کر کے ہدیہ قارئین کروں، میں اپنے ان محسنوں کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کی دعائیں اور محبتیں شاہراہ حیات کے ہر گام پر میرے لیے رحمتوں، برکتوں کے بے شمار ثمرات لیے موجود ہیں۔ ان محسنوں میں سب سے پہلے میری ماں جی اور بہنیں ہیں اور ان کے بعد برادران بزرگ و ارشد سعید احمد اور چوہدری ریاض احمد صاحب ہیں کہ جنہوں نے عہدِ یتیمی میں مجھے شفقت پداری کا بحر پورسا نبان دیا اور زندگی کے کسی بھی موڑ پر والد صاحب کی کی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ میں اپنے مرحوم بھائی حافظ جلیل احمد کو بھی فراموش نہیں کر سکتا کہ جن کی قربت میں مجھے روحانی حلاوتوں اور سعادتوں کی شیرینی ملی۔ کتاب لکھنے کے ارادے پر مجھے اپنے والد مرحوم بھی بڑی شدت سے یاد آئے کاش! آج وہ ہوتے تو وہ دیکھتے کہ انہوں نے جو مجھے روحانیت کا سبق بچپن میں دیا تھا آج اس کے نتیجے میں کیسا شجر سایہ دار وجود میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔ اس کے ساتھ ساتھ میں اپنی رفیقہء حیات کا ذکر بھی ضروری سمجھوں گا کہ جس نے میری روحانی ریاضت کے ایام میں وفاداری اور مونس و غم خواری کی اس شاندار روایت کو زندہ کیا جس کا مظاہرہ جناب سیدہ خدیجہ الکبریٰ نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے ساتھ عہد اسلام کے ابتدائی ایام میں کیا تھا۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال اسے ہر حوالے سے اُم المؤمنینؓ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے اور بروزِ حشر اسے شافعیہ محشر کی کیزی میں محشر فرمائے۔ آمین۔ میری بے شمار دعاؤں کے مستحق سبک میل جن کا تعاون اس کتاب کی اشاعت میں شامل حال رہا اور میں ممنون و مشکور ہوں اپنے تمام دوستوں اور ارادہ مندوں کا کہ جن کی محبتیں میری زندگی کا اثاثہ ہیں۔

عاجز مسکین فقیر نمائے

محمد عبداللہ بھٹی

سرائے درویش

234 پاک بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

0333-9999156 0300-4352956

Email: help@noorekhuda.org

www.noorekhuda.org



ممتاز دانشور و کالم نگار و جید علمائے کرام

جن کی نظروں سے ”اسرارِ روحانیت“ گزری

مظاہرہ کتاب کے بعد کس نے کیا محسوس کیا.....؟

بے لاگ تبصرے.....

کیا دیوار کے پیچھے بھی کچھ ہے؟

عطاء الحق قاسمی (روزنامہ جنگ)

یہ دو تین سال پہلے کی بات ہے اسلام آباد یا لاہور میں میری ملاقات حامد میر سے ہوئی۔ انھوں نے باتوں باتوں میں ایک روحانی شخصیت عبداللہ بھٹی صاحب کا ذکر کیا اور کہا کبھی موقع ملے تو ان سے ملاقات کریں۔ مجھے یہ زعم کہ **خوش جیوے سرفراز شاہ و سچا مافیہ** میں ہوا تو خود بخود ان سے ملاقات ہو جائے گی۔ پھر ایک دفعہ ہمارے دوسرے اسی ان صاحب کا ذکر کیا بلکہ ان کا فون نمبر بھی دیا اور کہا کہ اگر ملنے کا موقع نہ بھی ملے تو آپ ان سے فون پر بات کریں۔ چنانچہ میں نے انہیں ایک دن فون کیا لیکن دوسری طرف سے کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اور اب یہ ایک اور پہلے کی بات ہے ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے اور ایک کتاب کا مسودہ میرے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کے تالیف کردہ کتاب ہے عبداللہ بھٹی صاحب مدظلہ العالی کی تصنیف ہے اور ان کی خواہش ہے کہ آپ اس کتاب کا دیباچہ لکھیں۔ میں نے سوچا کہ قدرت ان صاحب سے میرے رابطے پر لگی ہوئی ہے چنانچہ میں نے مسودہ رکھ لیا اور آہستہ آہستہ دواخانوں پر مشتمل یہ کتاب پڑھنا شروع کر دی اور میں حیرتوں میں گم ہوتا چلا گیا۔ ایک دن مجھے ایک فون آیا میں عبداللہ بھٹی صاحب کو بلوا رہا ہوں آپ اس وقت کہاں ہیں؟ میں چونکا اور انہیں بتایا کہ انہر میں اپنے دفتر میں ہوں۔ بولے ”میں پڑھنا شروع کر رہا ہوں“ میں نے کہا ”بہر چشم تشریف لائیں“ میں بے حد خوش تھا کہ دریا خود ایک پیاسے کے پاس چل کر آ رہا ہے۔ میں نے نائب قاصد سے کہا کہ ابھی ایک بزرگ تشریف لائیں گے۔ انہیں بہت ادب و احترام کے ساتھ بلوئے اس میں میں اس بزرگ کی جو تصویر بن رہی تھی اس کے مطابق ان کی عمر کوئی ساٹھ ستر برس کے لگ بھگ تھی۔ میرے پرے پر گھنٹی ٹوکے اور سفید داڑھی، جسم پر درویشی چوندا اور ہاتھ میں عصا ہوگا اور وہ اپنے مریدوں کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ میں نے سگریٹ بجھا دیا اور کمرے کا ایگزاسٹ آن کر دیا تاکہ ان کی آمد سے پہلے گھر میں دھواں نہیں سے پاک ہو جائے۔ تاہم اس دوران دروازہ کھلا اور ایک بہت پینڈم جوان قیص اور پتلون میں داخل ہوئے میں داخل ہوا اور مصافحہ کے لیے میری طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا ”میں عبداللہ بھٹی ہوں“ مجھے

ایک جھلکا سا لگا کر اس خیال کے آتے ہی میں سنبھل گیا کہ پروفیسر رفیق اختر "سید سرفراز شاہ اور واصف علی واصف ایسی روحانی شخصیات بھی تو بے ریش و نبوت ہیں۔ بس ایک اپنے بابائیکہ خان ہیں جو سیاہ لباس، گھنی داڑھی اور عصا کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد ہم بہت دیر تک چائے کے کپ پر گپ شپ کرتے رہے اور مجھے بالکل احساس نہیں ہوا کہ میں پراسرار قوتوں کے حامل کسی شخص سے محو کلام ہوں بلکہ یہی لگا کہ ایک بہت پرانے اور بے تکلف دوست کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ اس دوران اچانک "باباجی" نے پوچھا "آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟" میں نے کہا "یکم فروری" اور پھر انھوں نے اپنا "کیمرا" آن کر کے میرے ماضی کے بارے میں مجھے ایسی ایسی باتیں بتائیں جو میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ انھوں نے میرے ہاتھ کی لکیریں بھی پڑھیں اور میری نبض بھی دیکھی اور پھر میرے جسمانی عوارض، ماضی کے اہم واقعات اور مستقبل کی صورتحال کے بارے میں بھی بتانا شروع کر دیا۔ میں حیرت سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ اس دوران میرے ایک دوست تشریف لائے، میں نے ان کو جوان "باباجی" سے گزارش کی کہ وہ میرے دوست کے بارے میں کچھ بتائیں۔ وہ انہیں دوسرے کمرے میں لے گئے اور واپس آئے تو میرے یہ دوست سخت حیران تھے۔ ان سے کہا گیا کہ "کیا یہ درست ہے کہ آپ کی اپنی بیوی سے علیحدگی ہو چکی ہے؟" انھوں نے پریشانی کے عالم میں کہا "ہاں" اور کیا یہ بھی درست ہے کہ یہ علیحدگی 2003ء میں ہوئی تھی؟" دوست نے کہا "نہیں 2005ء میں ہوئی تھی" کہا گیا "آپ دوبارہ سوچیں یہ علیحدگی 2003ء میں ہوئی تھی؟" دوعت نے یاد کرتے ہوئے کہا، "آپ ٹھیک کہتے ہیں علیحدگی 2003ء میں ہوئی تھی۔ 2005ء میں میں نے مکان چھوڑا تھا۔"

تاہم یہ سب کچھ علم الاعداذ پامسٹری اور دوسرے پراسرار علوم کی دین تھا جس کی طرف روحانیت کے سفر کی ابتدا میں پروفیسر عبداللہ بھٹی راغب رہے البتہ اس میں اس روحانی ریاضت کا فیض بھی شامل تھا جس کی تفصیل پروفیسر صاحب نے اپنی تصنیف میں بیان کی ہے۔ پروفیسر صاحب سے اس ملاقات کے بعد میری دلچسپی ان کی تصنیف میں اور زیادہ بڑھ گئی تھی چنانچہ میں نے جم کر اس کا مسودہ پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ ایک عالمانہ کاوش ہے جو ان کی رہائش گاہ میں قائم ادارہ ترقیات روحانیت 234- پاک بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور کے زیر اہتمام شائع ہوگی۔ کتاب کا نام "اسرار روحانیت" تجویز کیا گیا اور واقعی یہ کتاب اسرار سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں روحانیت کے اس طویل سفر کی روداد ہے جو پروفیسر صاحب کو طے کرنا پڑا۔ روحانیت کیا ہے؟ عصر حاضر میں اس کی کیا اہمیت ہے؟ مذہب عالم اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ دانشور کیا سوچتے ہیں؟ اسلام میں تصوف کی ابتدا کب ہوئی؟ روحانی سلسلے، تذکرہ صوفیائے کرام، کون سے عوامل روحانیت میں کمی کرتے ہیں؟ اسم اعظم کا بیان اور بے شمار دوسرے موضوعات پر اس کتاب میں تفصیلی اظہار کیا گیا ہے۔ یہ ایک ریسرچ پیپر ہے اور اس کے ساتھ اس عملی ریاضت اور اس عملی ریاضت کے نتیجے میں حیران کردینے والے واقعات بھی جن سے پروفیسر عبداللہ بھٹی گزرے کتاب کا حصہ ہیں۔

پروفیسر صاحب مراقبوں کے دوران جن کیفیات سے گزرے وہ مجھ جیسے انسان کو خوفزدہ کرنے والی ہیں۔ چنانچہ میں نے یہ احوال درمیان میں ہی چھوڑ دیا البتہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ عطا کیا وہ بہت چشم کشا تھا۔ مری میں

پروفیسر صاحب کے دوران ایک طالب علم کی پراسرار کیفیت اور اس عالم میں اس کا پروفیسر صاحب کو پکارنا اور فیسی آوازوں کے ساتھ اس طالب علم کا نازل ہونا یا ایک اندھے بچے کی بینائی کا واپس آنا اور اسی طرح کے دوسرے واقعات مجھے ایسے تشکیک کے بارے میں انسان کو بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں چنانچہ کتاب کے مطالعہ کے دوران میں نے ایک Psychiatric دوست کو فون کیا اور پوچھا کہ وہ اس حوالے سے کیا کہتے ہیں؟ اس نے کہا کہ حقیقت صرف وہ نہیں جو نظر آتی ہے بلکہ اس کے ماوراء بھی ہے۔ انسانی ذہن فی الحال ان اسرار کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا۔ مغرب میں اس پر ریسرچ جاری ہے تاہم اسرار تک رسائی اسرار ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کتاب میں جو بات سب سے زیادہ پسند آئی وہ یہ کہ اس کا مطلق اس امر کی "تصوف کونسل" کے منشور سے نہیں جس کے تحت میں بھی صوفی کہلانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ یہ اصول وہ نہیں جس کے بارے میں میں نے ایک بار لکھا تھا کہ مذہب کے موڈ بانہ انکار کی ایک شکل ہے بلکہ پروفیسر صاحب نے اپنی اس تحقیقاتی اور ریاضتی تجربوں کی حامل کتاب میں ثابت کیا ہے کہ تصوف مذہب کی مثبت اقدار کا ایک ذخیرہ ہے۔ روحانیت کے مدارج طے کرنے کے علاوہ پروفیسر صاحب نے چار پانچ مضامین میں ماسٹر بھی کیا ہے اور اس علم کی جھلکیاں بھی اس کتاب میں ملتی ہیں۔

میرے نزدیک علم صرف وہ ہے جو نافع بھی ہے چنانچہ پروفیسر صاحب کا علم نافع بھی ہے۔ جمعہ کا دن پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب "اسرار روحانیت" کے لیے وقت نکال دیا ہے جہاں ہزاروں پریشان حال لوگ ان کے علامہ اقبال والے گھر میں حاضر ہوتے ہیں اور ان سے فیض پاتے ہیں۔ ان کا فون نمبر 0300-4352956 ہے میری خواہش ہے کہ میرے دوست بھی ان سے رابطہ کریں جو ان اسرار کا قطعی طور پر انکار کرتے ہیں جن کے خیال میں جو دیوار نظر آ رہی ہے وہی سب کچھ ہے اس کے پیچھے کچھ نہیں وہ پروفیسر صاحب سے سوال کریں یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کے جواب سے مطمئن ہو جائیں بلکہ ان کو اسرار کا کچھ ہے یا نہیں ہے اس پر گفتگو کا دروازہ تو کھلے گا۔

عطاء الحق قاسمی

کالم: 28 جولائی 2012ء

روزنامہ جنگ لاہور



الہی محسوس کا تجربہ دوسرے کا مشاہدہ تو ہو سکتا ہے، تجربہ کم ہی بن پاتا ہے۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں

ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

پروفیسر عبداللہ بھٹی نے افادۂ عام کے لیے اپنے تجربات اور مشاہدات عام کر دیے ہیں اور لوگوں کو اس راستے پر گامزن کرنے کی طرف اس کا ہاتھ بھی ہے جس پر چل کر وہ کیا سے کیا بن گئے ہیں۔ اقبال کا شاگرد یا بیٹا، اقبال تو نہیں ہو سکتا لیکن اقبال اللہ ہر حال بن سکتا ہے۔

بھٹی صاحب کے معنوی فرزند نور را نجھا، ڈاکٹر فیاض را نجھا آف میوہپتال لاہور حال مقیم اسلام آباد کے ہیں۔ نور میاں، بھٹی صاحب کی محبت کو حاصل زندگی کیا، حاصل ایمان سمجھتے ہیں۔ فیاض را نجھا اس حوالے سے بہت بلیک واقع ہوئے ہیں۔ وہ مولانا طارق جمیل کے اسیر ہیں۔ شرک اور بدعت کے اپنے پیٹا نے رکھتے ہیں۔ نور را نجھا اپنے پیر صاحب کی کرامات کے معنی شاہد ہیں، بعض اوقات ان کا حصہ بھی بن جاتے ہیں کہ ان کی وجہ سے الہی ہو جاتی ہے۔ ان کے والد اسے ”شعبہ بازی“ قرار دیتے ہیں اور مجھ سے بھی اچھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ”میں نے پیر مسلم بھی دکھا سکتے ہیں لیکن ان کے پاس اس جوابی سوال کا کوئی جواب نہیں ہوتا کہ جو کام غیر مسلم کر لیتے ہیں وہ اسلام کا کیا ہے؟“ میں وہی فرق ہے جو فرعون کے دربار کے جادو سالک اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصائی اثر دہا میں تھا۔ جب فرعون کے ساحروں نے رسیاں پھینک کر انہیں مارا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا زمین پر ڈال دیں۔ وہ اثر دہا بن کر ان سالکوں کو لگ گیا۔ روحانی علوم کی کئی اقسام ہیں۔ بعض پر غیر مسلم بھی قدرت رکھ سکتے ہیں جیسا کہ ایم بی بی ایس کا ایمان اللہ و سکھ، مسیحی، ہندو سب پاس کر سکتے ہیں اور علم طب میں نقطہ نکال کو پاسکتے ہیں۔ انجینئرنگ میں بھی ایسا ہو سکتا ہے (اور ہوتا ہے) سوشل سائنسز کا بھی یہی معاملہ ہے۔ اسی طرح سپرچوکل سائنسز کے بعض شعبوں میں غیر مسلم بھی کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ اور بات کہ بقول اقبال:

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا جہاں ہر کہیں ہے

نور را نجھا اپنے پیر ”صاحب“ کے ساتھ اجیر شریف گئے، دہلی پہنچے تھے کہ پاکستان سے کسی کا فون آیا اور اسل صاحب کے بارے میں دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ وہ تو اجیر کے راستے میں ہیں۔ فون کرنے والے نے سلام عرض کیا اور بھارت میں اپنے کسی دوست کو بھی فون کر دیا اور وہ اتفاق سے گورنر تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھٹی صاحب ”ای آئی بی“ قرار پا گئے۔ انہوں نے خدا معلوم کس لہر میں نور را نجھا سے پوچھا کہ کوئی خواہش ہے؟ (جس کے لیے دعا کی جائے) انہوں نے عرض کیا (مشہور بھارتی ہیروئن) پاشا باسو سے ملاقات کرادیجیے۔ اس پر بھٹی صاحب نے اقل کا اظہار کیا کہ اجیر شریف کا قصد ہے، درود و سلام زبان پہ ہے، اس طرح کی خواہش دل میں کیسے داخل ہوگی؟

خدا کو ”مضبوط“ بنانے کی کوشش

مجیب الرحمن شامی (روزنامہ پاکستان)

پروفیسر عبداللہ بھٹی کو ہزاروں کیا لاکھوں میں ایک کہا جاسکتا ہے۔ ان جیسا دوسرا ڈھونڈنا آسان نہیں ہے۔ دیکھنے میں وہ ایک عام سے انسان ہیں۔ پتلے، دبیلے، دھان پان۔ ان کی باتیں بھی ویسی ہیں جو اس طرح کے آدمیوں کی ہوتی ہیں۔ تحریر میں شکوہ الفاظ ہے نہ تقریر میں۔ لباس بھی عام سا پہنتے ہیں، یونیورسٹی تو کیا کالج کے پروفیسر بھی معلوم نہیں ہوتے۔ ان کا رعب طاری نہیں ہوتا۔ بٹھانا پڑتا ہے۔ کسی مجلس میں موجود ہوں تو نمایاں نہیں رہتے کہ یہ شوق انہوں نے نہیں پالا، خود کو بچا بچا کر رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ”مرجع خلافت“ ہیں۔ ان کی شہرت خوشبو کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ جس جس کو جب جہاں جہاں ان کے بارے میں پتہ چلتا ہے، وہ ان سے بات کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔

ہم میں سے بہت سوں نے تصوف کے بارے میں جو کچھ پڑھ رکھا اور صوفیا کے بارے میں جو کچھ (نسل در نسل) سن رکھا ہے، عبداللہ بھٹی اس پر زندہ شہادت ہیں۔ ان کی تصنیف ”اسرار روحانیت“ پڑھنے والوں کو چونکا بلکہ چکر ادیتی ہے۔ یہ آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی۔ اس میں تاریخ سمٹ آئی ہے۔ روحانی علوم کے کمالات بھی اور خود ان کے تجربات بھی۔ وہ کن کن مرحلوں اور مشاہدوں سے گزرے، اسم اعظم تک رسائی کیسے ہوئی اور پھر اس کے سہارے کہاں کہاں کی سیر کی، کیا کچھ دیکھنے کی صلاحیت حاصل کی اور کیا کچھ کر دکھانے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو قدرت عطا کر دی۔ یہ بظاہر الف لیلہ کی کہانی معلوم ہوتی ہے لیکن ان سے استفادہ کرنے والوں کی طرف دیکھیں اور ان کے دستِ شفا کی طرف متوجہ ہوں تو کچھ سمجھ میں نہ آنے کے باوجود سب کچھ سمجھ میں آ جاتا ہے اور سب کچھ سمجھ میں آنے کے باوجود کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

روحانی علوم یعنی سپرچوکل سائنسز کا معاملہ مادی یعنی فزیکل سائنسز سے بہت مختلف ہے۔ ثانی الذکر کے حقائق 2+2 کی طرح ہوتے ہیں کہ ہر شخص ان کو جمع کر کے چار بنا سکتا یا چار بجھ سکتا ہے لیکن روحانی علوم کی دنیا الگ ہے۔ وہاں

نور را بھٹا چل گئے، آپ نے خواہش کا پوچھا تھا، یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ یہ خواہش مومنانہ ہونی چاہیے۔ اب تو وعدہ پورا کیجیے۔ اس پر پیر صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔ شام کو گورنر صاحب نے عشائیے پر یاد کیا، وہاں پہنچے تو بھارت کے سکھ وزیر ثقافت بھی موجود تھے۔ نور را بھٹا کی خواہش زیر بحث آئی تو سردار جی نے اپنے سیکرٹری سے کہا کہ معلوم کرو پاشا جی کہاں ہیں، اگر دہلی میں ہوں تو صبح ناشتے پر بلا لو..... چند لمحوں بعد معلوم ہوا کہ وہ دہلی ہی میں ہیں اور صبح ناشتے پر آ رہی ہیں۔ عبداللہ بھی اپنے ساتھی کے ہمراہ مدعو کر لیے گئے، یوں نور را بھٹا کی ”پُر از شباب“ خواہش پوری ہو گئی۔ اس طرح کے کئی واقعات ان پر (یا ان کے سامنے) گزر چکے ہیں۔ انہیں آپ ”اتفاق“ قرار دینا چاہیں تو دے لیں لیکن اگر اسے کوئی دوسرا معاملہ قرار دے دیں تو اس میں بھی کیا مضائقہ ہے؟

مجیب الرحمن شامی



غلاموں کے غلام

حامد میر (روزنامہ جنگ، جیو ٹی وی)

ایک درویش سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی، بادشاہ نے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگو، درویش نے کہا کہ میں اپنے غلاموں کے غلام سے کچھ مانگنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آ گیا اور اس نے درویش سے پوچھا کہ جناب اگر تم میرے غلام اور امید کے غلام ہو۔ بادشاہ اور درویش کا یہ مکالمہ حضرت سید علی ہجویری کی شہرہ آفاق کتاب ”کشف المحجوب“ میں ملتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویری نے تصوف اور فقر کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ فقیر وہ ہے جس کی ملکیت کسی کوئی چیز نہ ہو اور کسی چیز کے حاصل ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑے۔ وہ اسباب دنیا کے موجود ہونے سے اپنے آپ کوئی فرقہ اور ان کے نہ ہونے سے اپنے آپ کو محتاج نہ جانے اور اس کی نظر میں اسباب کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ حضرت علی ہجویری نے ”کشف المحجوب“ کئی سو سال پہلے لکھی تھی۔ اس کتاب کا علمی و ادبی معیار اتنا بلند ہے کہ مجھ جیسے کم علم کو یہ کتاب لکھنے کے لیے کئی بار پڑھنی پڑی۔ میں نے یہ کتاب تصوف کو سمجھنے کے لیے پڑھی۔ حضرت سید علی ہجویری اور دیگر اولیاء کے ساتھ میرا اگلی لگاؤ بچپن سے ہے۔ میں اپنی والدہ اور والد صاحب کے ساتھ ان صوفیاء کے مزارات پر جاتا رہا۔ مجھے میرے والدین نے ہمیشہ یہی بتایا کہ یہ صوفی اللہ کے نیک بندے تھے۔ انہوں نے برصغیر پاک و ہند میں اپنی ”غلامانہ“ کے اور بچے اسلام پھیلایا۔ ان کے مزار پر جا کر فاتحہ خوانی کرنا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا نیک عمل ہے۔ مجھے یہ کبھی ایسا نہ ہوا کہ ان صوفیاء کے اسلام اور میرے اسلام میں کوئی فرق ہے۔

۱۱ ستمبر 2001ء کو نیو یارک اور واشنگٹن میں القاعدہ کے حملوں کے بعد امریکہ نے دہشت گردی کے خلاف ایک عالمی جنگ کا آغاز کیا تو بہت سے مغربی دانشوروں نے ہمیں یہ بتانا شروع کیا کہ ایک رجعت پسند اسلام ہے اور ایک نول اسلام ہے۔ ایک جہادی اسلام ہے، ایک صوفی اسلام ہے۔ ایک دہابی اسلام ہے، ایک بریلوی اسلام ہے۔ ایک فقہ اسلامی ہے۔ ایک دیوبندی اسلام ہے۔ فرقہ واریت دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں موجود ہے اور اسلام میں بھی

خوش جیوے سرفراز شاہ و سچ ماننے والے درویش

موجود ہے لیکن جنرل مشرف کے دور میں گانے بجانے اور پیٹنے پانے کے لیے مشہور کچھ شخصیات نے اچانک صوفی ازم راگ الاپنا شروع کر دیا۔ یہ لوگ کچھ ایسا تاثر دے رہے تھے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔ نماز اور روزہ مولویت ہے جبکہ نماز اور روزے سے آزار دہ کر اللہ ہو کے نعرے لگانا اور دھمالیں ڈالنا صوفی ازم ہے۔ اس قسم کی باتیں سن کر میں نے بار بار ”کشف المحجوب“ سے رجوع کیا جس میں حضرت سید علی ہجویری نے واضح طور پر لکھا ہے کہ شریعت کے بنیادی اصولوں پر عمل کیے بغیر طریقت کی منزلیں طے نہیں کی جاسکتیں۔

صوفیائے کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ بزرگوں نے پیار محبت، امن و سلامتی اور برابری و مساوات کی تعلیمات کے ذریعے اسلام پھیلایا اور اپنے زمانے کے مسلمان بادشاہوں کے عتاب کا نشانہ بھی بن گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاء اور سلطان غیاث الدین تغلق کے مابین چپقلش نے تو حضرت امیر خسرو کو بھی پریشان کر دیا۔ کشمیر کے ایک حکمران سلطان سکندر نے ہندوؤں پر ظلم و ستم شروع کیا اور ان کے مندر تباہ کیے تو حضرت میر سید محمد ہمدانی نے سکندر کے ان ظالمانہ اقدامات کی مذمت کی اور اسے بتایا کہ دین میں جبر کی کوئی گنجائش نہیں۔ دوسری طرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے جو صوفی بھی تھے اور مجاہد بھی تھے۔ انہوں نے امیر کے ہندو حکمران پر تھوڑی راج چوبان کے ظلم و ستم سے نجات کے لیے سلطان شہاب الدین غوری کا ساتھ دیا اور ان کے بہت سے مرید پر تھوڑی کے خلاف لڑائیوں میں شہید ہوتے رہے۔ مجھے بغداد میں حضرت عبدالقادر جیلانی سے ملنے کی سہولت ملی اور انہوں نے امیر اور امیر میں خواجہ معین الدین چشتی سمیت کئی بزرگوں کے مزارات پر حاضری اور ان کی تعلیمات کے مطالعے کا موقع ملا۔ ان بزرگوں کا اسلام وہی ہے جو قرآن میں موجود ہے اور جو ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں موجود ہے۔ اسلام صرف اسلام ہے۔ اسلام نہ لبرل ہے نہ رجعت پسند ہے۔ مشکل صرف یہ تھی کہ عام لوگوں کے لیے ”کشف المحجوب“ کو پڑھنا اور سمجھنا خاصا مشکل ہے لیکن اس مشکل کو پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی نے آسان کر دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب ”اسرار روحانیت“ میں کئی صوفیاء کی تعلیمات کو انتہائی سادہ زبان میں اکٹھا کر دیا ہے۔

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی نے حضرت جنید بغدادی کے الفاظ میں تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا تصوف ہے۔ بھٹی صاحب نے ایک اور صوفی بزرگ شیخ عبداللہ تسسری کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے سات اصول ہیں کتاب اللہ سے مضبوط تعلق، پیروی رسول، رزق حلال، ایذا رسانی سے پرہیز، گناہ سے نفرت، توبہ اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی۔ صوفیاء کی تعلیمات دراصل تعلیمات نبوی کا تسلسل ہیں لیکن 11 ستمبر 2001ء کے بعد مغربی دانشوروں نے صوفی ازم کے نام پر مسلمانوں کو کنفیوڈ کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ صوفیاء کے مزاروں پر جانے والے اچھے مسلمان ہوتے ہیں اور صوفیاء کو نہ ماننے والے برے مسلمان ہوتے ہیں۔ پھر صوفیاء کے مزاروں پر حملے شروع ہو گئے۔ حملے کرنے والوں کا دعویٰ تھا کہ صوفیاء کے مزاروں پر بدعت ہوتی ہے۔ لوگ اللہ سے نہیں مانگتے قبر سے مانگتے ہیں۔ یہ صرف جہالت اور کم علمی تھی۔ اصلی صوفی وہی ہے جو حضرت علی ہجویری اور شیخ جنید بغدادی کی طرح شریعت کے راستے پر چلتا ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی نے ان صوفیاء اور عام

حامد میر



ان کا اور اہم پہلو یہ ہے کہ اسے ولی مان لیا لیکن پروفیسر صاحب کا کہنا نہ صرف دیواریں مانتی ہیں بلکہ ظالم اور جاہل قسم کے لوگ بھی ان کے سامنے ہاتھ دھرتے ہیں۔ مگر ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ جنہوں نے خلق خدا کا جینا حرام کر رکھا ہوتا ہے۔ ناجائز دیکھنے اور نہ جاننے کیلئے لگتے ہیں اور یہ صرف ان کی روحانی قوت کا کرشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور ان کے مرشد کی ہدایت سے ان کی دلالت کی گئی ہے۔ وہ بیماروں کو شفا دیتے اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں بھلے چنگے ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اللہ کے دروازے پر لے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں کے ٹھٹھے علامہ اقبال ٹاؤن میں ان کی رہائش گاہ پر لگے رہتے ہیں۔ ان کے لیے وہ اللہ کا کوئی معاوضہ طلب یا قبول نہیں کرتے۔

ان اسرار و حقائق کی رسائی کی پوری داستان انہوں نے اپنی کتاب ”اسرار روحانیت“ میں تفصیل سے بیان کی ہے۔ ان کے بارے میں ایک دعوت نامہ ہے کہ کس طرح آپ اپنی زندگی کو قرآنی احکامات کے مطابق گزار سکتے ہیں اور ان کے بارے میں مطالعات کی جگہیں چھ سکتے ہیں اور کس طرح وہ عظیم قوت حاصل کر سکتے ہیں جو بظاہر انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ ان کی اس کتاب اور اس کا واحد مقدمہ بھی خلق خدا کی خدمت اور ان کے دکھ درد بانٹنا ہے۔

کتاب کے آغاز میں عطاء الحق قاسمی، ڈاکٹر اجمل نیازی، طارق اسماعیل ساگر، بانو قدسیہ اور دیگران نے اس کتاب کے بارے میں اپنی ملاقات کا احوال بیان کیا ہے بلکہ اس تحفہ کتاب پر اپنے اپنے انداز میں سیر حاصل تبصرہ بھی لکھا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اس کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کیے ہیں جبکہ یہ کتاب اس سے پہلے چھپ چکی تھی ورنہ ان کی وہ انتہائی قیمتی اور اعلیٰ مطالعاتی تحریک اس تصنیف لطیف میں شامل ہوتی۔ تاہم، یہ ایک صدقہ جاریہ ہے اور ابھی بے شمار اہل قلم و ادب اس کتاب سے سعادت حاصل کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ!

یہ ایک عجیب و غریب کتاب ہے جس کے اوصاف حیدرہ کا احاطہ کسی مختصر تحریر میں نہیں کیا جاسکتا اور جس کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ صرف آدمی خود یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ محض اپنی کوتاہی کے باعث اتنی بڑی نعمت سے محروم رہا بلکہ اس کی اس کتاب کے مطالعہ سے خود اس کے اندر اس بیش بہا سفر کی تمنا پیدا ہوتی ہے جس کے مراحل اس میں نہایت خوبی سے بیان کیے گئے ہیں حتیٰ کہ اگر وہ پختہ ارادے اور تھوڑی سی ہمت سے بھی کام لے تو وہ خود سفر کا آغاز کر کے اپنی اس سفر کی حقیقت کو محسوس کر سکتا ہے، آخر اس سے بڑا کرشمہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

یہ ایک دلچسپ تعلیم ہے۔ پروفیسر صاحب کے اس مبارک روحانی سفر کی ابتدا علم الاعداد اور پامسٹری وغیرہ سے شروع ہوتی ہے، اگر آپ چاہیں تو وہ آپ سے تاریخ پیداؤں پوچھ کر نہ صرف آپ کی عمر گزشتہ کھول کر بیان کر دیں گے بلکہ آپ کو اپنے اپنے دل کے دیکر واقعات سے بھی پردہ اٹھا دیں گے اور جن میں کچھ ایسے واقعات بھی شامل ہوں گے جنہیں آپ نے اپنے دل سے محسوس نہیں کیا۔ اس لیے آپ کے ماضی کا اس تفصیل کے ساتھ کھدائی جائے گا اور اس طرح آپ کی زندگی کا وہ حقیقی رخ دکھائی دے گا جو آپ کے لیے بھی پشیمانی اور ندامت کا باعث ہو، اسی لیے اکثر حضرات درمیان میں ہی حوصلہ

”آئیے پیدا ہو جائیں“

ظفر اقبال (نامور شاعر)

ہمارے عہد کے اقوال و ذریں میں سے ایک یہ ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا، وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔ تاہم اس میں ایک مزید قول ذریں کا اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ جس نے (لاہور میں رہتے ہوئے بھی) پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی زیارت نہیں کی، اس کا بھی ابھی تک پیدا ہونا مشکوک ہی ہے اور جن میں، خود میں بھی شامل ہوں، لہذا ہم سب لوگوں کو اس صحیح معنوں میں پیدا ہونے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ خوش جیوے سرشار شاہ و بیچ صاحب کے اس کتاب کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ ولی راوی می شناسد، اس لیے کہ وہ ولی حتی الامکان پردہ اخفا میں رہتا ہے اور کسی پر ظاہر نہیں ہوتا اور اس سے روشناس ہونے کے لیے خود ولی ہونا ضروری ہے، لیکن ہمارا پروفیسر ایک دکھری ٹائپ کا ولی ہے جو دوسروں کو ولی الاعلان و دعوت فیض دیتا ہے ورنہ جن ”اولیائے کرام“ سے اب تک ہمیں رسائی حاصل رہی ہے، ان میں شاعر ولی دکنی اور اسفندیار ولی ہی ہمیں دستیاب ہو سکے ہیں۔ ولی دکنی نے اردو شاعری کی بنیاد رکھی اور اسفندیار ولی اپنے علاقہ کے لوگوں کو سیاسی رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

کچھ مثالیں اور بھی ہیں مثلاً جولاہوں کے ایک گاؤں میں (جولاہے حضرات سے معذرت کے ساتھ کہ آج کل ٹیکسٹائل مل مالکان کو بھی ماڈرن جولاہے ہی قرار دیا جاتا ہے) ایک شخص نے صبح سویرے چوک میں ساری آبادی کو جمع کیا اور کہا میں ولی ہو گیا ہوں، اس لیے مجھ پر ”ایمان لاؤ“ لوگوں نے کہا کہ تم اپنی کوئی کرامت دکھاؤ تاکہ تمہیں ولی مانا جاسکے۔ اس پر موصوف نے کہا کہ یہ جو سامنے دیوار ہے، اگر میں اسے کہوں کہ چل کر میرے پاس آئے اور اگر وہ واقعی چل کر میرے پاس آجائے تو کیا تم مجھے ولی مان لو گے؟ جس پر لوگوں نے کہا کہ یقیناً مان لیں گے۔ چنانچہ اس نے دیوار کو حکم دیا کہ وہ چل کر اس کے پاس آئے لیکن دیوار اس سے مس نہ ہوئی۔ اس نے دوسری بار حکم دیا تو پھر بھی دیوار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب تیسری بار حکم دینے پر بھی دیوار چل کر اس کے پاس نہ آئی تو وہ بولا کہ جو سچا ولی ہوتا ہے، اس میں غصہ نہیں ہوتا۔ اگر دیوار چل کر میرے پاس نہیں آئی تو کوئی بات نہیں، میں خود اس کے پاس چل کر چلا جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ چل کر دیوار کے

چھوڑ جاتے ہیں اور یہ سلسلہ بند کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ ہم اب تک ایک جعلی زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں جبکہ اصلی زندگی کا آغاز کرنے کا طریقہ اس میں کمالی صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ نیز یہ احساس ہوتا ہے کہ اب بھی صحیح معنوں میں جینے کا آغاز کیا جاسکتا ہے اور جس کے لیے کسی طرح کی رہبانیت اور ترک دنیا کی بھی ضرورت نہیں اور دنیا میں رہ کر بھی اس راستے پر شروعات کی جاسکتی ہیں۔ اس سفر کے مراحل میں نے کھول کر بیان اس لیے نہیں کیے کہ آپ اس گلزارِ نجات میں خود داخل ہو کر اس کے فیوض و برکات کا اندازہ لگائیں اور دیکھیں کہ یہ آپ کے ذوق و شوق کو ہمیز کس طرح سے لگاتی ہے۔ پروفیسر صاحب نے یہ کتاب تصنیف کر کے راہ سے بھٹکی ہوئی قوم کی رہنمائی کس خوبصورت انداز میں کی ہے۔

مجھے بھی رزق مل جاتا ہے اکثر میرے حصے کا
وہ کیڑا ہوں ظفر، جو پیار کے پتھر میں رہتا ہے

ظفر اقبال

◆◆◆◆◆

خوش جیوے سرفر

35

روحانیت اور میرا تجربہ

بأنوقدسیہ

روحانیت کے بارے میں میرا علم کتابی نہیں ہے تھوڑا بہت اکتسابی ہے۔ اس لیے اس بات سے متعلق میرا علم
کافی حد تک محدود ہے۔ میں یہ نکتوں کچھ یوں بنتی ہے۔ سالک، مرشد اور خالق۔ پھر لاکھوں اور کروڑوں سالکوں
شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ بیان ہے جو اس مقام تک پہنچتا ہے جہاں سالک اور خالق کے درمیان مرشد کی ذات بھی حاصل
نہیں رہتی۔ میرے علم کا پہلا پڑاؤ اشفاق صاحب دوسرا پڑاؤ بابا جی نور والوں کا ڈیرہ پاک اور جو کچھ وہاں دیکھا اور سیکھا
اس کی وضاحت کیلئے مجھے پھر سے اشفاق صاحب ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا کیونکہ عورت عارف دنیا ہوتی ہے۔
اس لیے جب میں نے بابا جی نور والوں کے ڈیرے پر یہ منظر دیکھا کہ بابا جی لنگر پکاتے ہیں اور آنے والے معزز مہمانوں
کی خدمت کرتے ہیں تو میرے دل و دماغ پر روحانیت کی جو سادہ سی تصویر بنی وہ کچھ ایسی ہی تھی اور میں سمجھا کرتی تھی کہ
شاہ ولی اللہ کی حد کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے کوئی روحانیت کہتے ہیں۔ جب میں نے خاں صاحب سے پوچھا تو
وہ اس کی تصدیق کرتے ہوئے کہنے لگے قدسیہ مخلوق کی تواضع بھی خالق کی رضا کے حصول کا ایک بہترین شارٹ کٹ
ہے۔ بابا جی نور والوں کے ڈیرے پر تصوف کا جو رنگ ہمیں نظر آیا وہ یہ تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے سب مریدین نماز کے
لیے کھڑے ہیں اور مرشد کا انتظار کر رہے ہیں اور مرشد ایک مہمان کو کھانا کھلانے میں مشغول ہیں اور اپنے مریدین سے
کہہ رہے ہیں کہ آگے آؤ۔ آپ لوگ نماز پڑھو میں مہمان کو کھانا کھلا رہا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ مہمان کھانا کھا رہا ہے اور بابا جی
بہت اہل رہے ہیں مہمان بولا بابا جی آپ جائیں نماز پڑھیں میں خود کھانا کھا لوں گا تو آپ فرماتے ہیں نہیں بیٹا! آپ
آرام سے کھانا کھاؤ نماز کی قضا تو ہے خدمت کی کوئی قضا نہیں ہوتی۔ درس تصوف کے سلسلے میں جو اہم ترین نقطہ میری
تعمیرات کا مادہ بن گیا اس طرح ہے ایک بار اشفاق صاحب نے بابا جی نور والوں سے پوچھا بابا جی اگر آپ اجازت دیں تو
میں ایک مدرسہ بنانا چاہتا ہوں بابا جی نے پوچھا وہاں آپ کیا کریں گے؟ خاں صاحب بولے بابا جی ہم نے جو اچھی
ادائیگی آپ سے سنی اور سیکھی ہیں وہ تمام باتیں مدرسے کے بچوں کو بتائیں گے اور ان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔

ابن کرباجی فرمانے لگے نہ پچاس کی ضرورت نہیں۔
 خاں صاحب نے پوچھا وہ کیوں باباجی؟ بابا سرکار بولے بیٹا دوسروں کو کچھ نہیں بتانا خود کو بتانا ہے کسی کو نہیں سکھانا بلکہ خود سیکھنا ہے۔ جب میں نے خاں صاحب سے باباجی کی اس بات کی وضاحت چاہی تو انہوں نے کہا قدسیہ باباجی کی اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان دوسروں کو بتانے اور سکھانے میں مصروف ہو جاتا ہے تو ہر اپنی ذات پر سے اس کی توجہ بالکل ہٹ جاتی ہے اور وہ لاشعوری طور پر یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں سیکھ گیا ہوں اب مجھے دوسروں کو سکھانا چاہیے۔

جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ سیکھنے کا عمل تو ساری زندگی جاری رہتا ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی کتاب ”اسرار روحانیت“ کے پہلے حصہ میں پروفیسر صاحب نے اپنے روحانی سفر کو بیان کیا ہے۔ اس سفر میں جو اہم بات ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کو روحانی سفر میں کامیابی حاصل کرنے کے سلسلے میں بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کا سب سے بڑا سبب خود انہوں نے ہی بیان کر دیا ہے کہ انہیں باوجود کوشش کے کوئی مرشد نہیں مل سکا جو ان کی سلوک کے راستے میں مشکل مقامات پر راہنمائی کرتا۔ وہ کئی مواقع پر مرشد کی کمی محسوس کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کاش میرا کوئی مرشد ہوتا جس کو میں اپنے حال سے آگاہ کرتا اور وہ میری راہنمائی کرتا۔ اس مشکل سفر میں یقیناً اللہ کی ذات ان کی راہنمائی کر رہی تھی جس کی وجہ سے پروفیسر صاحب ہر اور استقامت سے اپنے روحانی سفر پر آگے بڑھتے رہے لیکن پروفیسر صاحب کی اس بات سے مرشد کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی ہے کہ انہیں ہر سالک صوفی اور کتاب مرشد مرشد پکارتی نظر آتی ہے۔

گزارش یہ ہے کہ روحانیت کو جاننے اور سمجھنے والے اور مستقل پڑھنے والوں کیلئے ان باتوں میں کوئی ابہام نہیں ہے لیکن وہ قاری جو پہلی بار روحانیت پر کوئی کتاب پڑھے گا وہ جب اس مقام پر پہنچے گا جہاں پروفیسر صاحب فرماتے ہیں میں اس سلسلے میں بہت سارے بزرگوں سے ملا اور ملک کے دور دراز علاقوں میں بزرگوں سے ملاقاتیں بھی کیں لیکن دو چار ملاقاتوں کے بعد دل بھر جاتا مطمئن نہ ہوتا جو تصور میرے دل میں مرشد کا تھا کوئی بھی ویسا نہ تھا۔ بے شمار بزرگوں اور گدی نشینوں سے ملا لالچ اور جھوٹ ہی نظر آیا۔ اس مقام پر پہنچ کر قاری کو ایک استاد کی ضرورت محسوس ہوگی جس سے وہ سمجھ سکے اور پوچھنے کی جسارت کر سکے کہ یہ دنیا واقعی اللہ کے دوستوں سے خالی ہوگئی ہے اور کیا اب ہر طرف لالچ اور جھوٹ ہی رہ گیا ہے۔ پھر استاد اسے جواب دے گا ایسا نہیں ہے یہ دنیا کبھی بھی اللہ کے دوستوں سے خالی نہیں ہوتی ہر دور میں اللہ کے پیارے موجود ہوتے ہیں اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر موجود ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ سالک اگر اپنے دل میں صدق پیدا کر لے تو مرشد خود چل کر اس کے دروازے پر پہنچ جائے گا۔ گویا سالک کا صدق اس کو تلاش کی دشواریوں سے بچائے گا۔

اس کتاب میں سالکوں کے لیے بہت کچھ ہے جیسے روحانیت اور عصر حاضر کے باب میں آج کے انسان کی دین سے دوری کے اسباب بڑے مفصل انداز میں بیان کر دیے گئے جو ہمارے لیے فکر کا کافی سامان مہیا کرتے ہیں۔

یہاں پر ایک خوبصورت مثال بھی ہے آگ اور پانی کی کہ جب ہم پانی کو گرم کرنا چاہتے ہیں تو کسی برتن میں

باناقدسیہ

داستان سرائے ماڈل ٹاؤن لاہور



از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

میرے اندر شدید خواہش بیدار ہو چکی تھی کہ فوری طور پر قبلہ پروفیسر صاحب سے ملاقات ہو لہذا میں نے مجتبیٰ شاہ سے فون پر درخواست کی کہ میں پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ دو دن بعد مجتبیٰ شاہ کا فون آیا کہ میں پروفیسر صاحب کو لے کر آ رہا ہوں۔

میں شدت سے قبلہ بھٹی صاحب کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر کار انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور شاہ صاحب ایک ٹرانسپورٹ میں ملبوس تھا میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں ان کے پیچھے دیکھ رہا تھا کہ وہ بارش بزرگ عبداللہ بھٹی صاحب کدھر ہیں؟ میرے سامنے کھڑے نوجوان بولے ساگر صاحب! جن کو آپ ڈھونڈ رہے ہیں وہ عبداللہ بھٹی ہیں ہوں! اکثر لوگوں کو مجھ سے مل کہ حیرت اور مایوسی ہوتی ہے۔ میں حیرت سے یہی سب سن رہا تھا کیونکہ میں کسی بارش بزرگ کے انتظار میں تھا۔

ہم بیٹھ گئے پروفیسر صاحب نے کہا ساگر صاحب آپ سے الگ ملنا چاہتا ہوں لہذا شاہ صاحب کو دوسرے کمرے میں بیٹھا دیا گیا۔ بھٹی صاحب نے میرا نام تاریخ پیدائش اور والدہ کا نام پوچھا۔ چند لمحے خاموشی کے بعد جب بھٹی صاحب بولے تو میری حیرت تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔

بھٹی صاحب نے میرے جسمانی عوارض، مالی معاملات، اولاد، ماضی اور حال کو اس طرح بیان کیا جیسے میرے بارش بزرگ عبداللہ بھٹی صاحب سے ملنے والے ہوں۔ ان کی ہر بات میں ایک ایسی سیکڑی تھی کہ میں شروع میں حیرت زدہ تھا۔

کیونکہ بھٹی صاحب نے وہ باتیں بھی کیں جو صرف میں جانتا تھا۔ یہ ہماری پہلی ملاقات تھی اس کے بعد اب کئی ملاقات ہو چکی ہے اور میں کئی بار پروفیسر صاحب کے اقبال ٹاؤن میں گھر کے اوپر آستانہ پر بھی جا چکا ہوں جہاں پر جمعہ کے روز پورے پاکستان بلکہ بیرون ملک سے سیکڑوں لوگ اپنے روحانی اور جسمانی مسائل کے سلسلے میں آتے ہیں اور اپنی ہولناکیوں کی طرف سے بھر کر واپس جاتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ بھٹی صاحب کو اور توفیق دے خدمت کی کیونکہ ایسے لوگوں کی ہمارے معاشرے کو سخت ضرورت ہے۔

عبداللہ بھٹی صاحب کے حکم پر یہ عرضداشت پیش خدمت ہے۔ میرے ناقص مطالعے کے مطابق خواہشات اور شیطانی راہ سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے قرب، وصال کی راہ تلاش کرنا اصطلاح تصوف میں طریقت کہلاتا ہے چنانچہ لوگ میں سا لک سب سے پہلے مرشد کامل تلاش کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا راز دان اور امانت حق کا تحمل ہوتا ہے وہ سلوک و طریقت میں ماہر اسرار و موزن طریقت سے واقف اور عارف ہوتا ہے۔

ابوبکر الکتانی (233ھ) نے فرمایا:

تصوف خلق کا نام ہے جو خلق میں تجھ سے بہتر ہوگا وہ صفا میں بھی تجھ سے بڑھا ہوگا۔

ابو محمد الجریری (311ھ) نے فرمایا:

ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر ذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔ ابوالحسنین النوری فرماتے ہیں:

خوبصورت ملاقات

طارق اسماعیل ساگر

تصوف کیا ہے؟ روحانیت کسے کہتے ہیں؟ دین سے ان کا کیا تعلق ہے؟ اسلام میں تصوف کی حدود کیا ہیں؟ اور کیا تصوف کو صرف اسلام تک محدود کیا جاسکتا ہے؟ دیگر مذاہب میں کیا اس کا تصور موجود نہیں؟ یہ اور ایسے بہت سارے سوالات کبھی کبھی میرے دل و دماغ میں بھی جنم لیتے ہیں لیکن میں خود کو یہ چھٹک دے کہ سلا دیتا ہوں کہ میرا خدا باقوں سے کیا لینا دینا، حقوق اللہ اپنی ہمت کے مطابق پورے کرو، حقوق العباد کو خرچ جان بناؤ اللہ اللہ خیری سلا۔ کبھی کسی اللہ والے کی صحبت نصیب ہو جائے تو اپنی مراد کے لئے ہاتھ پھیلاؤ۔ قسمت میں ہوا تو وسیلہ کار گر ہو جائے گا ورنہ جیسے تیسے زندگی چل رہی ہے۔

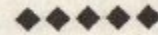
نظمیرے ہوئے پانی میں ایک روز زور کا چھٹکا ہوا جب مجتبیٰ شاہ صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ ٹائپ شدہ کاغذات کا پلندہ میرے حوالے کیا اور اپنے مرشد جناب پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا حکم سنایا کہ ان کی اس کتاب ”اسرار روحانیت“ پر تبصرہ لکھوں۔ میں زندگی میں اس سے پہلے کبھی مجتبیٰ شاہ یا پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب سے نہیں ملا۔ میرا روحانیت سے دور دور تک کوئی علاقہ نہیں رہا لیکن یہ ”ڈیوٹی“ لگانے والے نابغہ روزگار اور صاحب امر ہوں تو مجھ ایسے نالائق کا چونکنا لازم تھا۔ اللہ والوں کی کوئی بات اور حرکت حکمت سے خالی نہیں ہوتی لہذا میں نے عبداللہ بھٹی صاحب کی کتاب کا مطالعہ شروع کیا میں نے پورا الرٹ ہو کر مطالعہ شروع کیا۔ کتاب کا پہلا حصہ ”تلاش حق“ عبداللہ بھٹی صاحب کی روحانی آپ بیتی پر مشتمل ہے۔ میں جیسے جیسے قبلہ بھٹی صاحب کا روحانی سفر نامہ پڑھتا گیا ایک سحر میں مبتلا ہوتا گیا قبلہ بھٹی صاحب جن حالات و کیفیات اور مشاہدات سے گزر رہے ہیں وہ قابل حیرت ہیں۔ آپ کی روحانی کیفیات اور مشاہدات ایسے تھے کہ میں بری طرح سحر میں مبتلا ہو گیا۔ آگے باقی کتاب کا مطالعہ کیا تو قبلہ بھٹی صاحب کے مطالعہ علم، روحانیت اور تصوف کا نہ صرف میں قائل ہو چکا تھا بلکہ قبلہ بھٹی صاحب کے سحر اور عشق میں مبتلا ہو چکا تھا کیونکہ ”اسرار روحانیت“ معلومات کا ایک انمول خزانہ ہے۔

تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ خلق کا نام ہے پھر فرمایا۔ تصوف دراصل حریت کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا نام ہے۔
ابوبکر الکتانی کا یہ قول تصوف کی تعریف اور جامعیت کا شاہکار ہے آپ نے فرمایا ہے:
تصوف صفا یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

اس قول فیصل میں پہلی بات (صفا) سبب ہے اور دوسری بات (مشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ بڑی جانِ تعریف ہے جس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستے کا بھی جو سالک کو منزل تک لے جاتا ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا۔ اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے صفات مذمومہ کو مٹائے تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حل کا متولی بن جاتا ہے اور علم کے انوار سے اس کو منور کر دیتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تصوف دراصل معرفت کی چابی ہے۔ عرفان، باطنی کشف اور الہام کے ذریعے حقیقت تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ یہ وہ کوشش اور جستجو ہے جو تمام اقوام عالم، مذاہب اور تمام انسانی نسلوں میں قدیم ترین زمانہ سے چلی آرہی ہے۔ تصوف ایک عظیم باطنی لہر کی طرح تمام مذاہب میں جاری و ساری ہے۔ وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے ہم اسے حقیقتِ مطلق کے شعور سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں البتہ اگر چاہیں تو ہم اسے دانش، نور یا عشق قرار دیں یا کوئی اور نام دیں۔ آج کے انسان کو جس شدت سے اپنی باطنی اصلاح درکار ہے شاید ماضی میں کبھی نہ تھی۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی یہ تصنیف بلاشبہ تصوف اور روحانی علم پر انسا نیکو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے اور انہوں نے جدید دور میں اس حوالے سے ہونے والی تبدیلیوں اور قہا حوتوں کا بھرپور محاسبہ کیا ہے۔ روحانی مسافروں کو عبداللہ بھٹی صاحب سے ضرور ملنا چاہیے یا پروفیسر صاحب کی کتاب (اسرار روحانیت) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی تلاش میں روحانی مسافر رہتے ہیں۔
پروفیسر صاحب کی یہ مساعی جلیلہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور اس سے سالکین تصوف کو راہنمائی نصیب ہو۔

طارق اسماعیل ساگر

ممتاز دانشور، مصنف، ناول نگار و کالم نگار



جاوید چوہدری

نور محمد علی شاہ

نور محمد علی شاہ

نامور کالم نگار، ٹی وی اسکریپٹر

عبداللہ بھٹی صاحب سے میری ملاقات میرے عزیز ترین دوست عرفان جاوید کے ذریعے ہوئی۔ عرفان صاحب پامٹری اور اسٹرا لوجی میں خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں چنانچہ اسے جہاں بھی کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہیے وہاں پہنچ جاتا ہے اور اس کی ولایت کا اشتہار بن جاتا ہے۔ عرفان نے عبداللہ بھٹی صاحب کی بھی اسی جذبے اور ولولے کے ساتھ تعریف کی جیسے یہ ماضی کے اولیائے کرام کی کیا کرتا تھا میں ان دنوں ٹینشن کے دور سے گزر رہا تھا مجھے کوئی جھوٹا سچا سہارا چاہیے تھا میں اس سہارے کی تلاش میں عبداللہ بھٹی صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ مدت مجھے اس وقت ہوئی جب عبداللہ بھٹی صاحب نے چند سینکڑوں میں میرا مرض بتا دیا میں ان کی ریڈنگ پر حیران رہ گیا۔ پہلی ملاقات اتنی بھرپور اور شاندار تھی کہ میرا ان کے ساتھ تعلق استوار ہو گیا۔ عبداللہ بھٹی صاحب صوفی ہیں یا نہیں میں اس کا فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ ایمان کی طرح تصوف بھی بندے اور خدا کا سیکرٹ ہوتا ہے اور کسی شخص کو اس سیکرٹ میں نہ لگایا جائے اور رائے دینے کا حق نہیں لہذا میں بھی اس سیکرٹ کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔ لیکن جہاں تک تصوف کا تعلق ہے روحانیت اور تصوف کے طالب علم کے لئے یہ یقیناً مفید اور معاون ثابت ہوگی کہ ایک علمی کتاب ہے۔

تصوف ایک راز ہے اور اس راز کا راز دان اسے عام لوگوں کے سامنے نہیں کھول سکتا۔ خاموشی صوفیائے کرام کا آواز آواز ہے اور جو صوفی اس ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ بھاری سزا کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے لیکن تصوف راز کے ساتھ ساتھ علم بھی ہے اور عالم کے لیے علم چھپانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا عورت کے لئے آٹھ نواہ کا حمل کا بندھ رکھنا چھپنا تو صوفی تصوف میں جوں جوں ترقی کرتا جاتا ہے یہ صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں جیسی کہ ان کا فکر ہو جاتا ہے۔ بولنا اس کی علمی مجبوری بن جاتا ہے اور خاموش رہنا ضابطہ اخلاق کے لوگ مجبوری کے اس دور

روحانی مسائل کا حل باطنی علوم سے

غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، یہ حساب انسانی کاوش ہے

علامہ عظیم جی (روزنامہ جنگ، لندن)

تمام حمد و ثناء رب العالمین مالک یوم الدین قادر و قدیر کے لیے ہیں۔ شایان شان درود سلام حبیب کبیر یا

خوش جیوے سرفراز شاہ ولی اللہ علیہ السلام

میرے قارئین کرام کی ایک بڑی تعداد نے روحانیت کے سلسلے میں اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کے اقوال اور ان کے تصرفات کے بارے میں سوال کیا ہے اور بعض اولیائے کرام خصوصاً حضرت عبدالقادر جیلانی سے اسلوب روایات پر تبصرہ کرنے اور دور حاضر کے اولیائے کرام پر روشنی کے لیے پوچھا ہے۔ ہم آخر میں اپنے محترم قارئین کے نام درج کریں گے۔ جواباً عرض ہے کہ جیسا کہ کئی کالموں میں روحانیت اور روح کے بارے میں تفصیلات بیان کی جاتی رہی ہیں کہ روح کیا ہے اور روحانیت سے کیا مراد لی جاتی ہے۔ چونکہ علم ایک نہایت گہرے سمندر کی طرح ہے اس میں غوطہ لگانے والے اپنے تجربات اور علمی معلومات اور پھر اپنی عقل و دانش کے دائرے کے اندر رہ کر لکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ اس سے کسی ایک پوائنٹ پر متفق ہونا بعید از قیاس ہے۔ اسی طرح مختلف ادوار کے اولیائے کرام کے علمی و عرفی الہامی تک رسائی کا پیمانہ مختلف ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی ابتدائی زندگی سچائی اور علم کے حصول کی لگن میں طے ہمارے اور مشاہدات میں گزری اور آپ نے چالیس برس تک قرآن و حدیث، فقہ اور طریقت کے علوم سے سیرابی حاصل کی اور اعلیٰ درجہ کے پاکیزہ اور بلند ترین بزرگی اور روحانی فیض کے حاملان سے فیض روحانی کو ظاہر باطنی علوم کی اصلاح ملے کیں۔ آپ کرامات کے بجائے تمام عمر شریعت مطہرہ قرآن و سنت کے سخت پابند رہے حتیٰ کہ تارکِ صلوٰۃ (نماز) کو درجہ کفر میں تصور فرماتے رہے۔ تاہم سخت سے سخت اور بڑے سے بڑے گنہگار نے جیسے ہی دامن تھما اور توجہ کے لیے ہدایت کا اسے اسفل سافلین سے اٹھا کر ”حسن تقویٰ“ اور یقین کی منزل پر لا کھڑا کیا۔ اسی سلسلہ میں الگ مضامین سے افادہ کریں۔ تاہم قارئین نے دور حاضر میں اولیائے کرام کی ڈیوٹیوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ خاص طور پر کئی

میں واقعات کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ علم ہائے کیلئے قصے کہانیوں اور ضرب الامثال کی مدد لیتے ہیں۔ یہ تصوف کے گہرے راز کو واقعات میں چھپاتے ہیں اور یہ واقعات لوگوں کے سامنے رکھ دیتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں اور نا سمجھ اسے کہانی سمجھ کر پڑھیں اور بھول جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی 99 فیصد کتابیں، قصوں، کہانیوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ عبداللہ بھٹی صاحب کی کتاب واقعاتی ہے لیکن ان واقعات میں انتہائی گہرے راز چھپے ہیں۔ آپ میں سے کون ان رازوں تک پہنچتا ہے اور کون اس کتاب کی سطح پر تیر کر گھر واپس چلا جاتا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا یا پھر آپ لوگ۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ جو لوگ خدمتِ خلق اور دیکھی لوگوں کا دکھ کم کر دیتے ہیں وہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور یہ کام عبداللہ بھٹی صاحب عرصہ دراز سے کر رہے ہیں اور روزانہ درجنوں پریشان لوگوں کو ان کے دکھوں اور غمشوں سے نکالتے ہیں۔

جاوید چوہدری

اسٹنکر پرسن ایکسپریس چینل

کالم نگار روزنامہ ایکسپریس

دوست جن میں چوہدری الال حسین لندن، محمد اسلم لندن، محمد معروف لکنا شائر، دوست محمد فرید فورڈ، آمنہ سعید برکات، چوہدری محمد شریف برکات، اور چند علی خان برکات میاں مشتاق احمد مانچسٹر نے پوچھا ہے کہ لاہور میں آج کل پروفیسر عبداللہ بھٹی کی شہرت عام ہے اور ان کے بارے میں معروف کالم نگار عطاء الحق قاسمی اور سینئر صحافی ٹی وی اینکر حامد میر نے اس کالم میں اہم انکشافات کیے ہیں اور اسی طرح ارض وطن کے ممتاز دانشوروں اور کالم نگاروں، علمائے کرام نے بڑی قیمتی اور خوبصورت آراء کا اظہار کیا ہے۔ پھر مجھ ناچیز سے رائے طلب کی ہے۔ اگرچہ خود کو اس قابل تصور نہیں کرتا کہ میں عطاء الحق قاسمی، بانو قدسیہ، مفتی سیالوی، مفتی راغب حسین نعیمی، پروفیسر صوفی غلام سرور، میاں قادری جیسے قابل احترام صاحبانِ علم و دانش کی رائے کے بعد اپنی حقیر رائے دوں۔ انگلینڈ میں بے شمار لوگوں کی زبان پر عبداللہ بھٹی صاحب کا ذکر تھا لہذا میرے دل میں بھی بہت زیادہ اشتیاق پیدا ہوا اور میں پاکستان جا کر ان سے ملا بھی، ان سے ملاقات کے بعد اب میں بھی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ عبداللہ بھٹی صاحب واقعی ایک درویش انسان ہیں جو خدمتِ خلق کے عظیم مشن پر شب و روز دکھی، بیمار لوگوں کی خدمت اپنا نہایت فریضہ سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔ میں جب بھی پاکستان جاتا ہوں تو انہیں خدمتِ خلق میں ہی مصروف پاتا ہوں۔ یہی خدمتِ خلق ہی ان کے روحانی مقام کا اظہار کرتی ہے کہ وہ موجودہ دور کے ولی کامل درویش ہیں۔ تاہم اتنا ضرور عرض کروں گا کہ قرآن وحدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے رب کو کیم کا ہو جاتا ہے، اس کا اظہار بیٹھنا، پڑھنا لکھنا، سونا جانا قرآنی احکامات پر چل کر ایسا ہو جائے کہ وہ خود کو فنا کر دے اور اپنے رب کو کیم کا ہو جائے تو لفظ نہیں علماء اور منزل یقین سے تسلیم کرے تو پھر اس کی آنکھ اس کا ہاتھ کان ناک زبان نفاذہ خدا کے عزوجل بن جاتا ہے جس سے پھر وہ دیکھتا یا بولتا ہے۔ جو کہتا ہے وہ اللہ ہی کی مرضی بن جاتی ہے جیسا کہ تاجدار انبیاء خیر المرسل ختم المرسلین کو قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں، گویا کہ انسان کامل جو اللہ کی بات اور احکامات سنائے مگر وہی کہے جو کہ وحی الہی کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا، اس کی روشنی میں اگر کوئی اللہ کا بندہ قرآن کریم پر اتنا بڑا یقین پیدا کرے کہ آگ کا کام جلاتا ہے لیکن اللہ کے حکم کے بغیر نہیں اور جب زمین و آسمان تک پھیلی ہوئی آگ کو اللہ کے ظلیل کے لیے حکم مل جائے، وہ پھر آگ نہیں سلامتی بن جاتی ہے۔ بس اسی طرح عبداللہ بھٹی صاحب کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کی شہرہ آفاق کتاب ”اسرار روحانیت“ کا مطالعہ کیا، وہ اللہ پاک کے نام یا جی یا قیوم میں ٹپ ہوئے اور پھر انہیں روحانیت کا گوہر کیمیا نصیب ہو گیا جس کی وجہ سے جلتے ہوئے سرخ لوہے کا تیز دھارا لدان کے ہاتھ میں آکر ”سلامتی“ بن جاتا ہے۔ بے نور آنکھ روشن و تاباں ہو جاتی ہے اور اپانچ، مجبور معذور و صحت مند و توانا ہو کر چلنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وقت روحانی کافض خدمتِ خلق کے لیے پروفیسر عبداللہ بھٹی کو نصیب ہو چکا ہے اور وہ اس فیض و کرم رب ذوالجلال کو اپنی ذات کے بجائے مخلوق خدا کی خدمت کے لیے وقف کر کے نقشب اولیائے کرام بزرگان دین کے طریق و داتا کی نگری شہر لاہور میں دن رات لاعلاج مریضوں کا مداوا فرما رہے ہیں۔ دورِ حاضر میں اسلامی روحانیت کے ٹکڑے ہوئے چہرے کی مانند ہیں اور فی زمانہ بدعمل پیروں اور عاملوں نے خود ساختہ رسم و رواج پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ان سے نجات دلاتے ہیں اور پھر خاص وعام چھوٹے بڑے امیر غریب کو نگاہ شفقت سے دیکھتے ہیں اور روحانی بیمار یوں

علامہ عظیم جی

روزنامہ جنگ، لندن



دوست جن میں چوہدری الال حسین لندن، محمد اسلم لندن، محمد معروف لکنا شائر، دوست محمد فرید فورڈ، آمنہ سعید برکات، چوہدری محمد شریف برکات، اور چند علی خان برکات میاں مشتاق احمد مانچسٹر نے پوچھا ہے کہ لاہور میں آج کل پروفیسر عبداللہ بھٹی کی شہرت عام ہے اور ان کے بارے میں معروف کالم نگار عطاء الحق قاسمی اور سینئر صحافی ٹی وی اینکر حامد میر نے اس کالم میں اہم انکشافات کیے ہیں اور اسی طرح ارض وطن کے ممتاز دانشوروں اور کالم نگاروں، علمائے کرام نے بڑی قیمتی اور خوبصورت آراء کا اظہار کیا ہے۔ پھر مجھ ناچیز سے رائے طلب کی ہے۔ اگرچہ خود کو اس قابل تصور نہیں کرتا کہ میں عطاء الحق قاسمی، بانو قدسیہ، مفتی سیالوی، مفتی راغب حسین نعیمی، پروفیسر صوفی غلام سرور، میاں قادری جیسے قابل احترام صاحبانِ علم و دانش کی رائے کے بعد اپنی حقیر رائے دوں۔ انگلینڈ میں بے شمار لوگوں کی زبان پر عبداللہ بھٹی صاحب کا ذکر تھا لہذا میرے دل میں بھی بہت زیادہ اشتیاق پیدا ہوا اور میں پاکستان جا کر ان سے ملا بھی، ان سے ملاقات کے بعد اب میں بھی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ عبداللہ بھٹی صاحب واقعی ایک درویش انسان ہیں جو خدمتِ خلق کے عظیم مشن پر شب و روز دکھی، بیمار لوگوں کی خدمت اپنا نہایت فریضہ سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔ میں جب بھی پاکستان جاتا ہوں تو انہیں خدمتِ خلق میں ہی مصروف پاتا ہوں۔ یہی خدمتِ خلق ہی ان کے روحانی مقام کا اظہار کرتی ہے کہ وہ موجودہ دور کے ولی کامل درویش ہیں۔ تاہم اتنا ضرور عرض کروں گا کہ قرآن وحدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ اپنے رب کو کیم کا ہو جاتا ہے، اس کا اظہار بیٹھنا، پڑھنا لکھنا، سونا جانا قرآنی احکامات پر چل کر ایسا ہو جائے کہ وہ خود کو فنا کر دے اور اپنے رب کو کیم کا ہو جائے تو لفظ نہیں علماء اور منزل یقین سے تسلیم کرے تو پھر اس کی آنکھ اس کا ہاتھ کان ناک زبان نفاذہ خدا کے عزوجل بن جاتا ہے جس سے پھر وہ دیکھتا یا بولتا ہے۔ جو کہتا ہے وہ اللہ ہی کی مرضی بن جاتی ہے جیسا کہ تاجدار انبیاء خیر المرسل ختم المرسلین کو قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ میں بھی بشر ہوں، گویا کہ انسان کامل جو اللہ کی بات اور احکامات سنائے مگر وہی کہے جو کہ وحی الہی کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہتا، اس کی روشنی میں اگر کوئی اللہ کا بندہ قرآن کریم پر اتنا بڑا یقین پیدا کرے کہ آگ کا کام جلاتا ہے لیکن اللہ کے حکم کے بغیر نہیں اور جب زمین و آسمان تک پھیلی ہوئی آگ کو اللہ کے ظلیل کے لیے حکم مل جائے، وہ پھر آگ نہیں سلامتی بن جاتی ہے۔ بس اسی طرح عبداللہ بھٹی صاحب کے بارے میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کی شہرہ آفاق کتاب ”اسرار روحانیت“ کا مطالعہ کیا، وہ اللہ پاک کے نام یا جی یا قیوم میں ٹپ ہوئے اور پھر انہیں روحانیت کا گوہر کیمیا نصیب ہو گیا جس کی وجہ سے جلتے ہوئے سرخ لوہے کا تیز دھارا لدان کے ہاتھ میں آکر ”سلامتی“ بن جاتا ہے۔ بے نور آنکھ روشن و تاباں ہو جاتی ہے اور اپانچ، مجبور معذور و صحت مند و توانا ہو کر چلنے لگ جاتے ہیں۔ یہی وقت روحانی کافض خدمتِ خلق کے لیے پروفیسر عبداللہ بھٹی کو نصیب ہو چکا ہے اور وہ اس فیض و کرم رب ذوالجلال کو اپنی ذات کے بجائے مخلوق خدا کی خدمت کے لیے وقف کر کے نقشب اولیائے کرام بزرگان دین کے طریق و داتا کی نگری شہر لاہور میں دن رات لاعلاج مریضوں کا مداوا فرما رہے ہیں۔ دورِ حاضر میں اسلامی روحانیت کے ٹکڑے ہوئے چہرے کی مانند ہیں اور فی زمانہ بدعمل پیروں اور عاملوں نے خود ساختہ رسم و رواج پیدا کر کے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ان سے نجات دلاتے ہیں اور پھر خاص وعام چھوٹے بڑے امیر غریب کو نگاہ شفقت سے دیکھتے ہیں اور روحانی بیمار یوں

احوال اوجھاتا ہے۔ میرے خیال میں حقیقتاً اس روحانی سفر کے مختلف پڑاؤ ہمیں اس کتاب میں نظر آتے ہیں جو مسافر عشق
اللہ بھٹی صاحب نے اپنی روح کی پیاس بجھانے کے لیے اختیار کی۔ پروفیسر صاحب کے روحانی مشاہدات،
کیا کہ روحانی مسافروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ پروفیسر صاحب شب و روز دیکھی انسانیت کی خدمت بلا معاوضہ کرتے
ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ کا ان پر خاص کرم و فضل ہے۔ آج کل کا مادی دور جس میں ہر نفس ظاہری آسائش اور
لذات حاصل کرنے کے حصول میں نفس امارہ کا تابع نظر آتا ہے اور اس کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو ظلماً ہٹانے سے
راہی بھی نہیں کرتا بلکہ انسان بری طرح شیطانی جال میں پھنس چکا ہے لہذا ان حالات میں خانقاہی نظام ہی اس اصلاح کی
ملاکت رکھتا ہے۔ مگر خانقاہی نظام چلانے والے خود غلط نفس کا شکار ہو کر مادی آسائشات اور لذات میں پڑ گئے ہیں۔ لہذا
اللہ بھٹی صاحب جیسے لوگ اس مادیت سے دور ہیں اندھیرے میں روشنی کی کرن کی مانند ہیں جو بیمار، لاچار اور دیکھی لوگوں
کی ہلاکت و خدمت عبادت سمجھ کر کر رہے ہیں۔ اللہ پروفیسر صاحب کو مزید ہمت اور استقامت دے اور وہ لوگوں کی زیادہ
سے زیادہ خدمت کرتے رہیں۔ یقیناً پروفیسر صاحب کی یہ کتاب راہ حق کے مسافروں اور متلاشیوں کے لیے مینار و نور
بانتا ہوگی۔

فخر اہلسنت، عکس شہید پاکستان

محمد راغب حسین نعیمی

ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ لاہور



روحانی کتب میں خوبصورت اضافہ

مفتی محمد راغب حسین نعیمی

کتاب مستطاب "اسرار روحانیت" جناب پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی خوبصورت کتاب ہے جو کہ پروفیسر
عبداللہ بھٹی صاحب کی روحانی آب و ہوا اور مختلف روحانی محافل میں روحانی دروس پر مشتمل ہے۔

پروفیسر صاحب نے روحانیت کے اسرار و رموز کو اس کتاب میں خوبصورت اور آسان پیرائے میں بیان کیا ہے،
روحانیت کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر قارئین کی نگاہوں اور سوچ کو ایک نئے طرز فکر سے روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔
اس کتاب میں روحانیت کی حقیقت اور تعریف بھی ہے تو روحانیت اسلام کا دیگر مذاہب میں موجود نظریات سے تقابل بھی
ہے۔ پروفیسر صاحب نے کتاب میں اسلام میں موجود مختلف صوفی اور ان کے سلاسل کا ذکر لطیف بھی کیا ہے۔ پروفیسر
عبداللہ بھٹی صاحب سے میری پہلی ملاقات عزیزم نور انجمن صاحب کے ساتھ ہوئی۔ میں نے عام کتاب سمجھ کر رکھ لی لیکن
جیسے جیسے میں اس کو پڑھتا گیا مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ یہ کتاب انتہائی جامع، معلومات سے بھرپور اور اردو میں روحانیت
اور تصوف پر اپنی نوعیت کی خاص کتاب ہے جو روحانی مسافروں کیلئے مشعل راہ ہوگی۔ اس میں پروفیسر صاحب نے
روحانیت کے حصول میں کئے جانے والے دشوار سفر کے مختلف مراحل کو بیان کیا ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ رسول
کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کے جن بنیادی مسائل کو حل کرنے کا پیغام دیا ہے اس کی ابتدا بھی
احوال نفس کی اصلاح سے ہوتی ہے۔ نفس کی اس اصلاح کا طریقہ کار اور انسانی ذات میں موجود مادے جو انسان کے وجود
کو تشکیل بنا دیتے ہیں کی تفصیل بھی بیاں کی گئی۔ ہر مشائخ، بغیر، ظلم، بخل، غصہ، حسد، جھوٹ، لالچ، ریا کاری، عجلت پسندی
ایسے مادے اندازاً کیا شخصیت کو دن و رات کھینچتے ہیں۔ جبکہ اس کے مقابل اخلاص، صدق، صبر، حسن خلق، خوف خدا، زہد،
بھوک و ترک خواہش اور قناعت ایسی صفات انسان کی شخصیت کو لازوال بنا دیتی ہیں جو کہ منشاء سفر روحانیت ہے۔ سفر
روحانیت کسی مرشد کے بغیر کیا جائے تو ایسے ہے کہ صحرا میں کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستے کی تلاش میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو
روحانیت کا یہ سفر اگر کسی مرشد کے زیر سایہ اس کے ارشادات اور نگاہ پر تاثیر کے زیر اثر ہو تو یقیناً مراد سفر ذات الوہیت کا

روحانیت اور مذاہب عالم کے ذکر کے ساتھ اسلام اور روحانیت کے ضمن میں صحیح اسلامی روحانیت کا نگہ تہا و چہرہ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس پرانی زمانہ بد عمل بیروں اور عالموں نے خود ساختہ رسوم و رواج کی دبیز تہ جہادی ہے۔ فقر، تصوف، صوفی، معرفت کی ان احداث ہوں یا پہلی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کے صوفیاء کے تذکرے پر و فیسر صاحب نے معلومات کے مجموعہ کرنے کے ساتھ ساتھ کالمین کے تذکروں اور سلاسل تصوف کی خوبصورت لڑی نے کتاب کو مزید باہر کرتے ہوئے ایک تاریخی دستاویز بھی بنا دیا ہے۔ نفس اور اس کی ترجیحات کیا ہیں؟ ہوائے نفس سے کیا مراد ہے؟ محاسبہ نفس کیوں کر ممکن ہے؟ نیز مہلکات نفس افعال اور صفات کے ذکر میں تکبر، ظلم، غیبت، بخل، غصہ، حسد، جھوٹ، لالچ، ریا کاری، غفلت، ہلاکتی روائل و باطنی امراض اور افعال سے بچنا جہاں انسان کو خود اپنے اندر جھانکنے اور اپنی اصلاح کی دعوت دیتے ہیں تو اس کی طرف ان پر گفتگو کر کے پروفیسر صاحب نے ایک مدبر اور حکیم کا کردار ادا کرتے ہوئے ایک مصلح کی ذمہ داری کو بھی خوب ادا کیا ہے۔ کالمین اور مخلصین کی صفات کے تذکرے مثلاً صدق، صبر، رجا، حسن خلق، خوف خدا، زہد فی الدنیا، قناعت، توکل علی اللہ، اہل طاعت، قلت النوم، عزالت، ذکر الہی، اسم اعظم، روضہ، ریت اور عشق الہی اور مرشد کامل کے بیان نے عصر حاضر میں اس میدان کا دار کے لیے اطاعت خدا اور اتباع مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں چمکتے دکتے روشن چراغوں کا تعین کیا ہے۔

کتاب کی جان اور روح وہ جدید عنوانات اور اباحت ہیں جن سے اردو میں تصوف اور روحانیت پر لکھی جانی والی کتاب یا تو بالکل خالی ہیں یا وہ معلومات الگ الگ فنون اور علوم کی صورت میں مختلف کتابوں میں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کے احوال کو جاننے کا ایک عام ذریعہ ضرور ہیں مثلاً ارتکاز، علم جفر، علم العمیلات، علم التوحیدات، بلور بینی، ٹیلی پتھی اور دیگر مقبول الہامی مراقبہ اور اس کے مدارج و فوائد کے بیان کے بعد جس دم اور روحانی پرواز کے مراحل کا بیان اس راہ کے سالاروں کے مختلف نشان ہائے منزل کو ظاہر کرتا ہے۔

کتاب "اسرار روحانیت" کے مطالعہ کے بعد میں نے اپنے فکر و شعور کو مجتمع کر کے جب اس کتاب کے بارے میں رائے قائم کرنا چاہی تو وہ کچھ اس طرح بنی کہ یہ کتاب نہ صرف یہ کہ علم روحانیت کے حوالے سے معلومات کا ایک عظیم مجموعہ ہے بلکہ اصلاح نفس، اصلاح احوال اور اصلاح اُمت کے لیے جس درد و سوز، جدوجہد اور اخلاص کی ضرورت ہے اس کتاب کا ہر جملہ اس جذبہ دروں کو پیدا کرنے کے لیے اپنے اندر معنی و معارف کا عظیم خزانہ سموئے ہوئے ہے۔

رب کریم اس کتاب کو متلاشیانِ راہ حقیقت کے لیے زور و راہ اور حقیقی راہنما بنا کر پروفیسر صاحب کے لیے داعیِ حقیقی ہمارے فرمادے۔ آمین ثم آمین۔

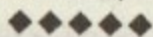
محقق دوران، سلطان العلماء

مفتی محمد رمضان سیالوی

خطیب جامع مسجد و اتادہ بار لاہور

ممبر اتحاد دین المسلمین کمیٹی پنجاب

پرنسپل جامعہ نور الاسلام آمنہ پارک ملتان روڈ لاہور



اسرار روحانیت ایک عظیم کتاب

مفتی رمضان سیالوی صاحب

دبلے پتلے جسم کے حامل مگر چست و توانا، حسب موقع مختصر مگر جامع اور مدلل گفتگو، بے لاگ تبصرہ، دیکھی دلوں کا محرم راز، مجسمہ اخلاص و وفا، حالات حاضرہ پر گہری نظر رکھنے والا مگر کلین شیو پیٹ شرٹ میں ملبوس سنجیدہ لیکن ہر وقت مسکراتا چہرہ رکھنے والے کسی شخص کے بارے میں سوچنے پر ایک سوشل اور متحرک فرد کا خاکہ تو ذہن میں ابھر سکتا ہے لیکن جب ملاقات ہو جائے اور یہ تمام صفات اس میں نظر بھی آجائیں اور یہ ملاقات پہلی ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان صفات کا حامل عملیات، روحانیت اور تصوف پر اتنی گہری نظر اور تحقیق بھی رکھتا ہے۔ اور جب آپ اپنا نام اور تاریخ پیدائش بتائیں تو وہ آپ کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں انتہائی ٹھیک معلومات اور آپ کے جسمانی عوارض کی نشاندہی بھی کرے تو ملنے والا شدید حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اس بندہ خدا پر اللہ کا کتنا احسان ہے؟ انسانی جسم، لطائف اور روحانی کیفیات اور مشاہدات پر گفتگو سن کے یا کر کے مزید خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔ عبد اللہ بھٹی صاحب سے میری پہلی ملاقات میرے قریبی دوست نور رانجھا صاحب کے دفتر میں ہوئی۔ پہلی ملاقات کے بعد اب بے شمار ملاقاتیں ہو چکی ہیں، ہر بار روحانیت اور تصوف پر انتہائی معلومات سے بھرپور گفتگو ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان سے جو بھی ملا جس نے بھی ان کو دیکھا اور ان کے بارے میں سنا اسے اس بات کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہ رہا کہ ہاں پروفیسر عبد اللہ بھٹی صاحب ان صفات کے حامل ایک سحر انگیز فرد ہی نہیں متعدد اسماء الہی کے حامل، تصوف اور روحانیت کا گہرا مطالعہ رکھنے والی ایک عبقری شخصیت کا نام ہے۔ جو دن رات دیکھی اور پریشان حال لوگوں کے جسمانی امراض کا علاج فی سبیل اللہ کر رہے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اس میدان کے عام لوگ پرانے حکیموں اور سنیا سیوں کی طرح اپنے تجربات اور عملیات کو عام کرنے میں بالخصوص انہیں تحریری صورت میں منظر عام پر لانے سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں، مگر یہ سوائے اخلاص اور مخلوق خدا کی خدمت کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ "اسرار روحانیت" کی تحریر اور اشاعت نے پروفیسر عبد اللہ بھٹی کو بخیل نہیں بلکہ سخی اور علم کی خیرات بانٹنے والا بھی ثابت کر دیا ہے۔ پروفیسر صاحب کے روحانی سفر کے مشاہدات اور کیفیات روحانی مسافروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔

اسرار روحانیت کیا ہے؟ علم روحانیت، روح، جسم لطیف، عالم مثال کے اسرار سے پردہ کشائی کی عظیم تحریر ہے۔

”روحانیت کے اسرار و رموز اسرار روحانیت میں“

سید انتظار حسین شاہ زنجانی

میں اپنی خوش بختی پر جتنا بھی ناز کروں وہ کم ہے کہ مجھے یہ سعادت نصیب ہو رہی ہے کہ میں نابغہ روزگار پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی کتاب ”اسرار روحانیت“ پر اپنی کم علمی کے ساتھ الفاظ لکھوں۔

جیسے رب العالمین ہے ایسے ہی روح اور روحانیت کا بھی ہر شعبہ و ملت سے تعلق ہے۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہر قوم کی راہنمائی کیلئے انبیاء مبعوث کئے گئے اور ہمارے لئے سردار الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ

”میں علم کا شہر ہوں اور علی علیہ السلام اس کا دروازہ ہے۔“

یہی سبب و حقیقت ہے کہ زیادہ تر روحانی سلاسل دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے درمولاتک جا پہنچے ہیں۔ جو روحانی سلسلہ راستے میں ہی کھو جائے وہ سلسلہ، سلسلہ روحانیت نہیں کہلاتا ”اسرار روحانیت“ پر ایسی ہی کاوش عبداللہ بھٹی نے کی ہے اور ”اسرار روحانیت“ میں روحانیت کے اسرار و رموز آسان الفاظ میں افشا کئے گئے ہیں۔

یقیناً پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب موجودہ دور کے ایک معروف روحانی سکالر اور معالج ہیں جو شب و روز دینی انسانیت کی خدمت کر رہے ہیں۔

فاضل اساتذہ سے لے کر مکتب روحانیت کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی پروفیسر صاحب کی کتابی شکل میں موجود روحانی اسرار و معارف کے اس گلدستہ ہائے عبرت سے اپنی روح کو معطر کر کے تشریف دے سکتا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اس کتاب میں ایک اور کمال کیا ہے کہ اس میں روحانیت اور مذاہب عالم کو شامل کر کے اس کتاب کو بین الاقوامی بنادیا ہے۔ یوں بھی روحانیت کا دائرہ اختیار مکاں سے لامکاں تک ہے۔ اسلام میں تصوف اور روحانیت کے تمام سلاسل کا ذکر اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ کر رہا ہے۔ پہلی صدی سے عصر حاضر تک کے روحانی سلاسل نہایت خوبصورتی سے بیان کیے گئے ہیں جو پروفیسر صاحب کے علمی مقام کو بھی بیان کرتے ہیں۔

عشق ہی معراج روحانیت ہے اب یہ عشق حقیقی کیسے پایا جائے۔ اسرار روحانیت اس سلسلے میں مبتدی کی راہنمائی کرنے کے لیے موجود ہے آج کل زمانے کے انداز بدل رہے ہیں انٹرنیٹ اور سی ڈی سسٹم نے کتب بین الاقوامی کو ہلکا کر دیا ہے۔ شیخ روحانیت نور اللہ نور نے جب اپنے پوشیدہ خزانہ کے راز آشکار کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے اپنے لئے ”پاک کو طلق“ کیا۔ سبھی صاحب شریعت انبیاء کو انسانی فلاح و ہدایت کیلئے کتب دی گئیں۔ کتب ہی دراصل راہنمائی کا اصل ہیں ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی ذات مبارکہ روحانی طالبین کے لئے اللہ کا انعام ہے ”اسرار روحانیت“ پڑھ کر ہر فرد اپنی روحانی پیاس بجھا سکتا ہے اور اپنی روحانیت بڑھا سکتا ہے۔ روح کی لگاؤ الہی ہے بے شک ذکر الہی سے ہی دل آرام پاتے ہیں۔

در نظر کتاب اس شیخ کی مانند ہے جس سے لاکھوں چراغ روشن کیے جاسکتے ہیں۔

ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ”اسرار روحانیت“ اپنے مواد کے لحاظ سے منفرد نوعیت کی کتاب ہے اور روحانی کتب

الہامی و نورانی اضافہ ہے۔

میری دعا ہے کہ صاحب کتاب کی کاوش نور و ولایت علیٰ منبع روحانیت سے ہوتی ہوئی آپ کو عشق رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق الہی کی معراج پر پہنچا دے۔ آمین۔

شہزادہ سید انتظار حسین شاہ زنجانی

شہزادہ سید انتظار حسین شاہ زنجانی

ایڈیٹر ماہنامہ آئینہ قسمت و زنجانی، جنتری



یہ ایک ایسا صوفی ہیں۔ ہمارے محبوب اشفاق احمد خان کہا کرتے تھے کہ ایک سچی روحانی شخصیت وہ ہوتی ہے جو دنیا سے دور رہے اور دنیا سے دور رہے یعنی اس کا دل دنیا کی محبت سے خالی رہے۔ قبلہ پروفیسر صاحب اشفاق صاحب کے خیال میں یہ ممکن ہے۔

پروفیسر صاحب گزشتہ کئی برسوں سے ایک طرف تو دیکھی انسانیت میں اپنا فیض بانٹ رہے ہیں تو دوسری طرف علم کے میدان میں راہ سلوک کے مسافروں کی راہنمائی و ہدایت کے لیے کئی کتابیں بھی تحریر فرما رہے ہیں۔ غلط فہمی اور الزامات کی وجہ سے جس تصوف کو عوام الناس کے لیے ایک معمہ بنا دیا گیا ہے اس معے کے حل کے لیے پروفیسر صاحب اس شاندار طریقے سے قلمی جہاد میں مصروف ہیں، اس کا تازہ نمونہ ان کی معرکتہ الآراء کتاب ”اسرار روحانیت“ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ انہوں نے تصوف کے بارے میں پائے جانے والے فرسودہ تصورات، غلط فہمیاں، اطل نظریات و قیاسات کو رد کرتے ہوئے نہایت منطقی اور خوبصورت انداز میں تصوف کی اہمیت اور انسانی زندگی میں اس کے اثرات پر جو سیر حاصل بحث کی ہے اس سے یقیناً راہ سلوک کے مسافر اور طالبان حق ہمیشہ مستفید ہوں گے۔ آپ نے اپنی تعلیمات اور اپنی اس تصنیف کے ذریعے قاری کو اور عوام الناس کو دلائل و براہین کی قوت سے یہ بات دلالت کی ہے کہ تصوف کی تعلیمات اور شریعت کوئی الگ الگ چیز نہیں بلکہ یہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ گویا روحانیت اور شریعت کا تعلق ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کریں لیکن تصوف یا روحانیت یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات کا مشاہدہ بھی کریں اس میں ہماری عبادات کو سند قبولیت عطا ہو۔

کہا جاتا ہے کہ تصنیف کے پردے میں ہم مصنف کی شخصیت کا عکس بخوبی دیکھ سکتے ہیں کیونکہ درحقیقت مصنف اپنے مصنف کی سیرت، اس کی خوبیوں، اس کے نظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس قول کی روشنی میں قبلہ پروفیسر صاحب اپنی کتاب ”اسرار روحانیت“ اور اپنی تعلیمات کے پردے میں ہمیں فکر و دانش کے امین بھی دکھائی دیتے ہیں اور ایک ایسا صوفی ہیں، ایک عاشق صادق بھی اور ایک نہایت مہربان انسان بھی، میدان تصوف کے ایک حقیقت پسند مجدد بھی اور ایک اعلیٰ انشاء پرداز بھی، ایک محقق بھی اور ایک ادیب و شاعر بھی کہ ان کی نثر کہیں کہیں شاعری کا آہنگ لیے لکھی ہوئی ہے۔ پروفیسر صاحب اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ ”میں کوئی شاعر یا ادیب نہیں کہ اپنی کیفیات کو بیان کر سکوں“ لیکن جس خوبصورت اور سادہ پراثر انداز میں انہوں نے زیارت رسول اکرمؐ اور زیارت حضرت علیؑ کا حال بیان کیا ہے وہ بڑے سے بڑا ادیب بھی اتنے مختصر الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ جب زیارت رسول پاکؐ کا احوال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”اس میری ساری محنتوں اور کوششوں کا صلہ مجھے اس رات مل گیا۔ میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان بن گیا۔ ہرے ہماگ ہماگ گئے، میں امر ہو گیا۔“ تو وہ ایک بہت بڑے عاشق رسولؐ کے طور پر سامنے آتے ہیں جو رسولؐ کی ایک جھلک کو اپنے لیے سرمایہ حیات تصور کرتا ہو۔ پروفیسر صاحب اپنی اس کتاب میں جب راہ سلوک کی منازل

فنا و بقا

شہر یار احمد خان

یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ جب کوئی قوم زوال کا شکار ہو تو اس کے تمام ادارے زوال پذیر ہو جاتے ہیں۔ قوم کا ایک بڑا حصہ اخلاقی اقدار سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ مکاری، عیاری، ریا کاری لوگوں کا وطیرہ بن جاتا ہے۔ مسلم معاشرہ گزشتہ کئی عشروں سے جس زوال کا شکار چلا آ رہا ہے اس سے تصوف جیسا خوبصورت ادارہ بھی نہ بچ سکا۔ تصوف دراصل نام ہے اپنی ہستی کم مایہ کو اس ذات بیکراں کے ساتھ ملانے کا جواز سے ہے اور تابدار رہے گا۔ اس ذات اعلیٰ کی قربت اس کی رضا پھر اس کی ذات میں گم ہو کر اپنی ہستی کو بظاہر مٹاتے ہوئے قطرے سے سمندر بن جانے کا۔ روح کی سر بلندی کا، اپنے باطن کی گہرائیوں کے مشاہدے کا۔ اگرچہ تصوف کو ہر دور میں قبول عام کی سند حاصل رہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسئلہ تصوف ہر عہد میں متنازعہ بھی رہا ہے جس کی بڑی وجہ تصوف کے بارے میں پائے جانے والے غیر حقیقی تصورات کی بھرمار اور نام نہاد صوفیوں اور بہرہ و پیوں کا وہ گروہ ہے جو تصوف کا خرچہ پہن کر عوام الناس کو بے وقوف بنانے میں مصروف ہیں۔

راقم کو اپنی زندگی میں اب تک بے شمار بزرگوں سے ملاقات کا شرف حاصل ہو چکا ہے لیکن گزشتہ دنوں ہماری ملاقات ایک ایسے مرد قلندر سے ہوئی جسے دیکھ کر بے اختیار برٹرینڈ رسل کا وہ قول یاد آ گیا کہ بہترین انسانی خوبیوں کا اظہار صرف تصوف ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ پروفیسر عبد اللہ بھٹی صاحب کے روحانی مرتبے کا اندازہ لگانے کے لیے میں اس واقعے کا سہارا لوں گا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی نے ایک سو بیس بزرگوں کی خدمت کی لیکن وہ لذت آشنائی سے محروم رہے۔ آخر کار حضرت امام جعفر صادقؑ کی نگاہ کرم نے انہیں وہ بلند مرتبہ عطا کر دیا جس کی بدولت حضرت بایزید بسطامی سلطان العارفین کہلاتے ہیں۔ بچہ اسی طرح پروفیسر صاحب کو مل کر یہ احساس ہوا کہ ان کی صحبت میں بیٹھ کر لذت آشنائی کی وہ دولت لازم حاصل کی جاسکتی ہے جس کی اب تک تلاش تھی۔ یوں تو پروفیسر صاحب اپنی وضع قطع اور اپنے لباس کے لحاظ سے ایک دنیا دار انسان دکھائی دیتے ہیں لیکن درحقیقت اپنی تعلیمات کی روشنی میں اور اپنی عملی زندگی میں اس

روحانیت کا گلدستہ

زمرہ نقوی

زندگی شاید اتفاقات ہی کا نام ہے۔ آج سے بیس سال پہلے ایسا ہی اتفاق میری زندگی میں ہوا کہ جب مجھ پر اقبال ہوا کہ غیب المطلق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے لیکن اُس نے اُس کا کچھ تھوڑا سا حصہ اپنے بندوں میں بھی رکھا ہے تاکہ اُس کی مخلوق کی رہنمائی ہو سکی۔ جس طرح اس مادی دنیا میں ہر کوئی نہ ڈاکٹر بن سکتا ہے نہ انجینئر اور شے میں جاسکتا ہے جب تک پیدا ہونے کی صورت پر وہ مخصوص رجحانات کا حامل (جنینک کوڈ) نہ ہو۔ اسی طرح روحانیت بھی ایسا ہی شعبہ ہے جس میں کوئی اُس وقت تک دسترس حاصل نہیں کر سکتا جب تک پیدا ہونے کی صورت پر ان رجحانات کا حامل نہ ہو۔ کوئلے کی کان میں ہیرا پیدا نہیں ہوتا۔ جوہری ہیرے کو تراش کر اُس کی خوبصورتی میں تو اضافہ کر سکتا ہے لیکن ہیرا تخلیق نہیں کر سکتا۔ ہیرا تو لاکھوں کروڑوں سال کا نوں میں قدرتی عمل سے گزر کر وجود میں آتا ہے۔

دوسرا اتفاق زندگی میں روحانیت کے حوالے سے ہوا۔ کیوں کہ اس شعبے کے حوالے سے بدگمانیاں تھیں جو شاید اب بھی ہیں۔ اس شعبے میں بھی مادی فائدے کے لیے بے تحاشہ لوگ بھی گھس آئے ہیں جن کا روحانیت سے دور دور کا تعلق تھا لیکن پروفیسر عبداللہ بھٹی سے ملنے کے بعد یہ تمام بدگمانیاں دور ہو گئیں۔

ان سے ملاقات کے بعد میرے دل میں آپ کی ذات کے حوالے سے ایک ارادت کی فضا نے جنم لیا چنانچہ اسی ارادت مند کیساتھ میں نے ”اسرار روحانیت“ کا مطالعہ کیا تو مجھے ایسا لگا کہ یہ کتاب علوم روحانیت کا وہ گلدستہ ہے کہ اس میں روحانی معلومات کے وہ تمام پھول اور کلیاں اکٹھی کر دی گئی ہیں جس سے ہر کوئی بقدر ظرف اپنے مشام جاں کو معطر کر سکتا ہے۔ مادیت کے حصار میں جکڑے ہوئے انسان کو یہ کتاب علوم و روحانیت کے اندر پائے جانے والے سکون و طمانیت کے منبع عظیم سے آشنا کرواتی ہے۔

آج کے انسان کے تمام مسائل کا حل جس چیز میں پنہاں ہے یہ اُس کا تعارف کراتی ہے۔ یہ اپنے قاری کے اندر طلب پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنے من کی دنیا کو بیدار کر کے قطرے سے گہر بننے کا سفر طے کرے۔ روحانی معارف کے

طے کرنے کے دوران خود کو درپیش واقعات کا ذکر کرتے ہیں تو ماحول پر ایک سحر طاری ہو جاتا ہے جو قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ قاری پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور وہ خود کو اس ماحول کا حصہ سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔

قبلہ پروفیسر صاحب کی ایک خوبی اور ان کے ایک سچا صوفی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ کتاب میں درج مختلف واقعات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ ہر جگہ اپنے فیض پر اللہ تعالیٰ کا نہایت بزرگوں کے ساتھ شکر ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ نابینا لڑکے کی بینائی واپس آنے کا ذکر ہو یا پاگل لڑکے کے ٹھیک ہونے کا واقعہ زیارت رسول پاک کا ذکر ہو یا زیارت علیؑ کا، پروفیسر صاحب ہر جگہ اس انعام پر بارگاہِ ایزدی میں اپنا سر جھکائے اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عشق الہی کا پرچار کرتی یہ کتاب درحقیقت مکالمات سے لامکاں تک کا سفر ہے۔ پروفیسر صاحب کی تعلیمات میں ہمیں جا بجا یہ درس ملتا ہے کہ کس طرح ہم اپنے نفس کو خود غرضی، کینہ، ہوس، لالچ، طمع، لیس، پرستی، شہوت، تکبر، جھوٹ، حسد، تعصب، نفرت، حقارت، خیانت اور تنگ نظری کی غلامی سے نجات دلا سکتے ہیں۔ کس طرح ہم قرب الہی، صبر، شکر، توکل، رضا، عفو و درگزر، عجز و انکسار، ایثار، نرمی، تقویٰ، پاکیزگی، حسن سیرت، احسان اور یقین محکم جیسی اوصافِ حمیدہ سے اپنی ذات کو متصف کر سکتے ہیں۔

محترم قارئین! اگر کوئی راہِ حق کا مسافر سلوک کی منازل تیزی سے طے کرنے کا طلبگار ہے اگر کوئی علم و عرفان کی منزل سر کرنے کا خواہش مند ہے، اگر کوئی ابدی و سرمدی حقیقتوں سے آشنائی کا طلبگار ہے، اگر کوئی دنیا کے جھمبیلوں میں رہتے ہوئے بھی اسرارِ روحانیت کو اپنے دل پر منکشف کرنے کا خواہش مند ہے اگر کوئی راہِ حق جاننے کا متمنی ہے اگر کوئی زہد و تقویٰ کا حقیقی مفہوم سمجھ کر اسے اپنی زندگی میں نافذ کرنے کا خواہش مند ہے اگر کوئی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی محبت سے اپنے قلب و ذہن کو معطر کرنا چاہتا ہے اگر ایک عاشق صادق کی طرح اپنے رب سے ہم کلام ہونا چاہتا ہے اگر اپنی روح کو عشقِ سرمدی کی شیرینی میں گوند کر اسے امر کرنے کا خواہش مند ہے اگر عشقِ سرمدی کی بے پاک و توانا لہروں میں ڈوب کر سراغِ زندگی پانے کا متمنی ہے اگر فقر و مستی کی دولتِ لازوال اور عشقِ حقیقی کی لذتِ بے مثال میں ڈوب کر بقا کی منزل کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے پروفیسر صاحب سے ملاقات اور ان کی کتاب ”اسرارِ روحانیت“ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

کوئی لمحہ ہو تیرے ساتھ کا جو میری عمر بھر کو سمیٹ لے
میں فنا و بقا کے سبھی سفر اسی ایک پل میں گزار دوں

شہر یار احمد خان
ممتاز کالم نگار (روزنامہ پاکستان)



یہ زمین شیطان صفت طاقتوں، غاصبوں، ظالموں، بے رحم سنگدل لوگوں نے جہنم بنا رکھی ہے۔ شیطان
 بیروکاروں، شر، غرور، شداو کے وفاداروں نے اس زمین کو آتش فشاں بنا رکھا ہے۔ اسے گہوارہ امن و آشتی
 سا بنان دینے والے ہی دراصل اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات، صحابہ کرامؓ کے طریقہ اور
 بیت اور اولیائے کرام کے اس نقش قدم کے پیروکار ہیں کہ جس پر چل کر ہی دنیا اور آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل
 سکتی ہے۔ اور اس کام میں محترم و مکرم عبد اللہ بھٹی صاحب اپنے تئیں مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں۔ جب سے اللہ
 اس مقام سے نوازا ہے روزانہ سیکڑوں لوگ چشمہ روحانیت سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔ علم الاسرار اور روحانیت
 حاصل کرنے کے لیے پروفیسر صاحب نے مری میں طویل عرصہ محنت کی۔ روحانی سفر میں کتنے کشت کاٹے، جنگ
 چھاننے کے بعد روحانی مقام پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد کئی سال مری میں ہزاروں مسائل زدہ بیمار و لاچار اور دیگر
 روحانی مسائل کے شکار خواتین و حضرات روزانہ پروفیسر صاحب کے پاس آتے اور فیض حاصل کرتے۔ روحانی
 منازل طے کرنے اور اس قدر مخلوق خدا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے بھٹی صاحب نے بہت کم وقت اپنی
 بچوں کو دیا۔ میں سمجھتا ہوں عرفان الہی اور خدمت خلق کا اجر ہماری بہن بھٹی صاحب کی اہلیہ کو بھی ملے گا۔ اب جب
 صاحب لاہور شفٹ ہو چکے ہیں ہم اہل مری رات کا سفر کر کے صبح جب سرکار کے آستانہ پر آتے ہیں تو سب کو
 کھانا ہماری بہن نے ہمیشہ شوق اور خدمت سمجھ کے ہمیشہ خندہ پیشانی سے دیا جس کیلئے ہم سب اہل مری ان کے
 اب بھٹی صاحب جب بھی مری آتے ہیں تو ان کے چاہنے والے سیکڑوں کی تعداد میں ان کے پاس حاضر ہوتے ہیں
 حاصل کرتے ہیں۔

بھٹی صاحب سے جو بھی ملا اور مستقبل میں ملے گا اس کو پختہ یقین ہو جائے گا کہ تاریخ میں ایک بھٹی تھا جس
 شر اور کفر کی حکومت کو لگا رہا تھا اور یہ آج کے روحانیت اور اسرار روحانی کے عبد اللہ بھٹی ہیں جو اس دور میں جبکہ شر انگیز
 لادینیت شیطان کی اولاد کی طرح پھیلتی جا رہی ہے پروفیسر صاحب ان شیطانی طاقتوں کا روحانی ہتھیار کے ذریعے
 کر رہے ہیں۔
 کسی بھی معاشرے کیلئے ایسے لوگ اللہ کا انعام ہوتے ہیں جو کہ دھکی دلوں کو سینے سے لگاتے ہیں ان کی
 جوئی کرتے ہیں۔ بلا امتیاز امیر غریب، فرقہ بندی سے آزاد سب کی خدمت مسکراہٹ کے ساتھ کرتے ہیں۔
 دعا ہے کہ روحانی مسافر عبد اللہ بھٹی صاحب کی کتاب اسرار روحانیت سے بھرپور استفادہ حاصل کریں اور
 روحانی پیاس بجھائیں۔

اسلم کھوکھر
 ممتاز دانشور و کالم نگار



تلاش حق کا مسافر

پروفیسر غلام سرور شہاب قادری

"اسرار روحانیت" جناب محترم پروفیسر عبد اللہ بھٹی صاحب کے لیکچرر اور مختلف محافل میں خصوصی نشستوں میں
 کی گئی روحانی گفت و شنید کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔ پروفیسر عبد اللہ صاحب ایک تابغہ روزگار و حال
 ہے۔

امام احمد علیؒ اور شیخ ابوہریرہؓ کی روایت سے ایک عشرے پر محیط ہے۔ جب بھی ان کی صحبت میسر آئی ان کے ارشادات و لطائف
 ان کی روحانیت کے دقیق معارف سے آشنائی کا موقع ملتا۔ یہ بات میرے لیے باعثِ فخر ہے کہ دیکھی انسانی

اگر غلاب بھی اور جذبہ صادق ہوں تو آخر ایک دن منزل مل ہی جاتی ہے۔ ہمارے روحانی بھائی پروفیسر
 صاحب بھی ایک ایسی ہی شخصیت ہیں جنہوں نے کوہساروں کی ملکہ مری کے اندر طویل روحانی ریاضتیں کیں،
 ان کی مثال اور اس کے سلسلہ کو ہماری رکھا اور ملک کے طول و عرض میں طویل سفر کئے۔ صوفی ساکلوں، درویشوں، فقیروں
 کے ساتھ رہا۔ ان سے ملاقاتیں کیں۔ اولیائے کرام کے حزارات پر حاضریاں دیں، طلب حقیقی اور صادق جذبوں کے
 پیرائے میں ان کی اور ہمارے اپنی منزل کو پا کر خود کو در یافت کر لیا۔

آپ کو کثرت اولیائے عظام سے باطریق اور یہ روحانی فیض حاصل ہوا، جن میں خاص طور پر حضرت بری امام
 احمد علیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، جمیریؒ سے موصوف باطنی طور پر فیض یاب ہوئے ہیں۔ اس کے
 علاوہ ان کے کرام کی باطنی سرپرستی کا فیضان بھی حاصل ہوا۔

قدرت کاملہ نے آپ کی راہنمائی فرمائی۔ دراصل اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے
 اس کے لئے اس کے لئے گزرتا ہے اور جب منتخب شدہ بندہ ان تمام مراحل کو طے کر لیتا ہے تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اس بندے
 کی خدمت کا عظیم کام سونپ دیتا ہے۔ ایسا ہی ہمارے بھائی پروفیسر عبد اللہ صاحب کے ساتھ ہوا۔

در اصل صوفیائے کرام کا مشن بھی یہی رہا ہے اور صوفیائے کرام سے عقیدت و محبت رکھنے والوں کا مشن بھی یہی رہا ہے۔ آج موصوف بھی جذبہ خدمتِ خلق سے سرشار ہیں اور ایک زمانہ آپ کی روحانی خدمات سے یاد ہو رہا ہے۔

یہ سچ بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب قطرہ سمندر میں مل جاتا ہے تو وہ سمندر بن جاتا ہے اور جب محدود عقل و علم رکھنے والا انسان لامحدود ہستی سے واصل ہو جاتا ہے تو اس کے اندر بھی لامحدود صفات پیدا ہو کر ظاہر شروع ہو جاتی ہیں۔ میری اس تحریر کی صداقت کے لیے آپ پروفیسر صاحب کا مضمون ”تلاشِ حق“ ضرور پڑھیں۔ یہ کتاب کے پہلے حصے میں دیا گیا ہے۔ جس میں موصوف نے اپنے روحانی سفر کی تمام تر روداد تفصیلاً تحریر فرمائی ہے۔ سفر میں وہ کن کن مشکلات سے گزرے اور کون کون سے مراحل طے کئے، مکمل تفصیل درج ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ تصوف اور روحانیت کے اسرار و رموز کا خزانہ نظر آتا ہے۔ پہلے باب میں روحانیت اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرے باب میں حقیقتِ روح اور اس کے قرآنی مصادیق اور عالمِ مثال کی تفصیل دی گئی ہے۔ جبکہ تیسرے باب میں دینِ اسلام سمیت مذاہبِ عالم کی روحانیت کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے اور چوتھے باب فقر و تصوف کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں پہلی صدی ہجری سے دسویں صدی ہجری تک کے صوفیائے کرام کا مختصر سا تعارف اور صوفیائے کرام کے تقریباً تمام روحانی سلسلے کا مختصر سا تذکرہ پیش کیا گیا ہے۔ چھٹا باب معرفت اور تعلیمِ تصوف پر مرتب کیا گیا ہے۔ ساتویں باب میں صوفیائے کرام کی اصل تعلیمات علمِ الیقین، عینِ الیقین، حقِ الیقین اور توکل جیسے عنوانات کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے۔ اور آٹھویں باب میں ذکرِ الہی کی روحانی طاقت اور اسمِ اعظم کی موضوعات پر تفصیل دی گئی ہے۔ نویں باب میں روحانیت اور عشقِ الہی، عشقِ الہی اور ذکرِ الہی، عشقِ الہی اور فقرِ خداوندی جیسے جامع مضامین درج کیے گئے ہیں۔ دسویں باب میں مرشدِ کامل کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ گیارہویں باب میں روحانیت کے قواعد و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔ بارہواں باب روحانیت کی پہلی سیڑھی مراقبہ پر ترتیب دیا گیا ہے۔ تیرہویں باب میں لطائفِ سنیہ اور جس دم پر مشتاقین کو آگاہی دی گئی ہے اور چودھواں باب روحانی پرواز پر مشتمل ہے۔ ”اسرارِ روحانیت“ کا مختصر سا تعارف تھا، مگر اصل کتاب پڑھنے اور پڑھ کر عمل کرنے سے تعلق رکھتی ہے۔ تصوف روحانیت پر ایک اہم دستاویز ہے۔

پیر صوفی غلام سرور شباب قادری

حکیم، روحانی معالج اور کالم نگار



حصہ اول

از شاہ وچ مانچسٹر

تلاشِ حق

قائم ہے۔ اس خالقِ لم یزل کے لیے کہ جو لائقِ حمد ہے اور کروڑوں درود و سلام ہوں حبیبِ کبریا پر کہ جن کا

اگر وہاں کسار، عاجز مسکین فقیر نما نا اپنی جنبشِ قلم سے با تو فیق الہی ان حقیقتوں کا اظہار کرنے کی کوشش کرنے جا

اگر وہاں کے بارے میں میرے دوست احباب اور ارادتمند اکثر استفسار کرتے ہیں وہ سوالات جو اکثر مجھ سے پوچھے

کی مثال کہہ سکتے ہیں؟ اور اس طرح کے بہت سے سوالات میرے احباب اکثر مجھ سے پوچھتے رہتے ہیں جن کا

کامیابی کا نام لگتا ہوں کہ مجھے جو بھی مقام ملا اور میں جس منزل پر بھی ہوں یہ اللہ کے فضل اور کنیزِ خضرئی کے توسل

سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن حقیقت اصل سچائی تو یہی ہے۔

لیکن یہ تو انسانِ فطرتِ مجسم ہے اس لیے محض ایک جملے کا جواب اسے مطمئن کرنے کے لیے ناکافی ہے کھوج

کے لئے اس کی تہ تک پہنچنا انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ سر شیعہ قلم و قریطاس کے ذریعے برسہا برس

سے لکھنے والے دوستوں اور ارادتمندوں کو اپنی زندگی کی وہ ”کٹھا“ اور داستان سناؤں کہ جس کو جاننے کے لیے وہ

اگر وہ اس آئے رہتے ہیں۔

وہاں محترم اگر ہم تاریخِ آدمیت پر نگاہ دوڑائیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہ مزاج پروردگار ہے کہ اس قادر و

قدیر نے الہی لہجہ کا ملکہ کے اظہار کے لیے اکثر یہ کیا کہ فرعون کے گھر میں موسیٰ کی کفالت کروائی۔ اگر ہم بنظرِ غائر

اس واقعہ کی تہ تک پہنچیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ یہ محض ایک تمثیل نہیں ہے بلکہ تاریخی تسلسل میں دیکھا جائے تو ہر دور میں اس

تاریخی تسلسل کا جو دور ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔

یہی ہے اصل جس گاؤں میں ہوئی وہاں پر ہمارے خاندان کے علاوہ ایک بھی انسان ایسا نہیں تھا جو روحانیت

تاریخی یعنی الہی یا معنی رسول اللہ سے واقف ہو۔ آج بھی میرے گاؤں کے حالات یہ ہیں کہ وہاں روحانیت،

الہی یا معنی رسول اللہ سے واقف ہو۔ آج بھی میرے گاؤں کے حالات یہ ہیں کہ وہاں روحانیت،

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچہ سرفراز

جی کہتے تھے۔ غریب بچوں کی شادی، بیواؤں، یتیموں کی پرورش ان کا شیوہ تھا۔ ماموں جی کے علاوہ تایاجی کی دعائیں اور دعاؤں کی کتاب لکھی اور چھپائی بھی۔ اُس کتاب کے بہت سارے ذکر و افکار میرے خاندان کے لیے بہت مفید تھے اور میری وظائف پر مشتمل کتاب ”سرمایہ درویش“ میں بہت سارے وظائف میں سے ایک پر ”تایاجی، بابا جمال دین اور نانا جی کے شامل کئے ہیں۔ ہزاروں لوگ ان وظائف سے فائدہ اٹھا کر نجات پا چکے ہیں۔

اللہ کی اہل مختلف خاندانوں سے مختلف کام لیتی ہے، شاید ہمارے خاندان سے یہ خدمت کہ لوگوں کی روحانی و دنیوی خدمت کرنا۔ کچھ میں نے جن بزرگوں کا ذکر کیا ہے تمام میرے بچپن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ اب ہمارا خیال ہے کہ روحانی خدمت کر رہا تھا کچھ عرصہ یہ سلسلہ بند رہا۔ پھر ان تمام بزرگوں کی دعاؤں کا اثر کہ آگے چل کر اللہ پاک نے یہ سعادت مجھے دی کہ میں لوگوں کی خدمت کر سکوں۔

اب اللہ میرے والد صاحب، تایاجی، نانا جی اور ماموں جی یہ سب لوگ روحانیت پر یقین رکھنے کے ساتھ ساتھ **شیخ شاہ وچ** کے ہاں بیوی سے شریعت اور تعلیم اور طب بہت بڑے حکیم اور عالم دین تھے۔ ان دو جید شخصیات کی وجہ سے ہمارے خاندان کے اکثر نوجوان دینی تعلیم اور طب و حکمت کی طرف راغب ہوئے۔

جب نانا جی نے اوکاڑہ کے قریب رینالہ خوروں میں مسجد میں امامت شروع کی تو ساتھ ہی 1880ء میں حکمت کی دکان بھی کھولی جو آج رشید دواخانہ کے نام سے پورے ملک میں یرقان کے حوالے سے مثالی اور قابل اعتبار دواخانہ کے نام سے مشہور ہے۔ نانا جی کے بعد ان کے روحانی جانشین اور حکمت کے وارث ہمارے ماموں جان ہارون رشید نے ان کی حکمت کی دکان اور روحانیت کے نظام کو سنبھالا۔

ہمارے ماموں جی کو بچپن سے ہی صوفیائے کرام سے عشق تھا جس نیک بزرگ کا بھی پتا چلتا اس سے ملے جاتے اور اپنی دکان پر لا کر خدمت کرتے اور دعا کرواتے۔ نانا جی کی کشف و کرامات اور تایاجی اور ماموں جی کے روحانی فیضان کو آج بھی لوگ تسلیم کرتے ہیں۔

ماموں جی کی وفات کے بعد آج کل ان کے دونوں فرزند ان باکمال حاجی عبداللہ رشید اور حکیم ساجد رشید نے اپنے اسلاف کی خدمت خلق کی روایت کو عبادت سمجھتے ہوئے آج بھی زندہ رکھا ہوا ہے۔ بالخصوص حاجی عبداللہ رشید صاحب کی شخصیت میں تو ماموں جی قبلہ کا پورا عکس نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف حاجی صاحب طب و حکمت میں اپنے علاقے میں لاثانی ہیں بلکہ روحانیت کی بھی اعلیٰ منازل پر فائز ہیں۔ پرانہری کے بعد تین سال میں بھی ماموں جی کے گھر حصول علم کی غرض سے رہا۔ اس زمانے میں انہوں نے جس محبت و شفقت کا مظاہرہ کیا اس کی یاد آج بھی تسکین قلب و جاں کا سامان فراہم کرتی ہے۔ ماموں جی سورہ مزمل اور اسم ذات کے حامل تھے۔ نبض شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

جاتا ہے۔ بات یہیں نہیں رکتی روحانیت اور پیری مریدی کی مخالفت جہاد سمجھ کر کی جاتی ہے اور یہ جہاد ان کے نزدیک ہم بڑی عبادت ہے۔

میرے آباؤ اجداد بزرگان دین کے ماننے والے تھے اور یہ ہیڈ بلوکی سے آگے دریائے راوی کے کنارے رہتے تھے۔ میری پیدائش سے پہلے ہی شدید سیلاب آیا اور پورے کا پورا گاؤں سیلاب میں بہہ گیا تو ہمارا خاندان اسی گاؤں میں آکر آباد ہو گیا۔ یہ گاؤں پھول نگر کے ساتھ ہی ہیڈ بلوکی روڈ پر واقع ہے۔ اس گاؤں میں لوگ سادہ اور سادہ ہیں۔ میری پیدائش اسی گاؤں میں ہوئی۔ اس گاؤں میں اس وقت اور آج بھی روحانیت اور صوفی ازم کو گناہ سمجھا جاتا ہے ویسے یہ ایک پرسکون اور امن والا گاؤں ہے اور عمومی طور پر اس گاؤں کے لوگ نہایت سادہ اور مخفی ہیں۔ امن و آشتی اور خالق بے نیاز نے ان کے مزاج میں ودیعت کی ہے۔ باہمی اخوت اور بھائی چارے کے حوالے سے گاؤں کی فضا بہت مثالی ہے فکری اور نظری اختلاف کے باوجود رواداری اور محبت و الفت اس گاؤں کے ہر فرد میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

دینی شعور و مذہبی تعلیم اور طب و حکمت کی طرف میلان ہمارے خاندان کے مزاج پر غالب تھا، اس کی وجہ سے میرے نانا جی اور تایاجی تھے۔ نانا جی مولوی احمد دین صاحب نے تقسیم ہند سے قبل دہلی سے علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد طب و حکمت میں کمال حاصل کیا، پھر واپس آکر اپنے علاقے میں مسجد میں امامت کے ساتھ ساتھ حکمت کا آغاز کیا۔ تایاجی کی بہت بڑے حکیم اور عالم دین تھے۔ ان دو جید شخصیات کی وجہ سے ہمارے خاندان کے اکثر نوجوان دینی تعلیم اور طب و حکمت کی طرف راغب ہوئے۔

جب نانا جی نے اوکاڑہ کے قریب رینالہ خوروں میں مسجد میں امامت شروع کی تو ساتھ ہی 1880ء میں حکمت کی دکان بھی کھولی جو آج رشید دواخانہ کے نام سے پورے ملک میں یرقان کے حوالے سے مثالی اور قابل اعتبار دواخانہ کے نام سے مشہور ہے۔ نانا جی کے بعد ان کے روحانی جانشین اور حکمت کے وارث ہمارے ماموں جان ہارون رشید نے ان کی حکمت کی دکان اور روحانیت کے نظام کو سنبھالا۔

ہمارے ماموں جی کو بچپن سے ہی صوفیائے کرام سے عشق تھا جس نیک بزرگ کا بھی پتا چلتا اس سے ملے جاتے اور اپنی دکان پر لا کر خدمت کرتے اور دعا کرواتے۔ نانا جی کی کشف و کرامات اور تایاجی اور ماموں جی کے روحانی فیضان کو آج بھی لوگ تسلیم کرتے ہیں۔

ماموں جی کی وفات کے بعد آج کل ان کے دونوں فرزند ان باکمال حاجی عبداللہ رشید اور حکیم ساجد رشید نے اپنے اسلاف کی خدمت خلق کی روایت کو عبادت سمجھتے ہوئے آج بھی زندہ رکھا ہوا ہے۔ بالخصوص حاجی عبداللہ رشید صاحب کی شخصیت میں تو ماموں جی قبلہ کا پورا عکس نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف حاجی صاحب طب و حکمت میں اپنے علاقے میں لاثانی ہیں بلکہ روحانیت کی بھی اعلیٰ منازل پر فائز ہیں۔ پرانہری کے بعد تین سال میں بھی ماموں جی کے گھر حصول علم کی غرض سے رہا۔ اس زمانے میں انہوں نے جس محبت و شفقت کا مظاہرہ کیا اس کی یاد آج بھی تسکین قلب و جاں کا سامان فراہم کرتی ہے۔ ماموں جی سورہ مزمل اور اسم ذات کے حامل تھے۔ نبض شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

جامع ہے اس لیے ہر مسئلے کے حل کے لیے اللہ نے ہر طرح کے انسانوں کو پیدا کیا۔

اسی فلسفے کے تحت اللہ نے اہل تصوف، صوفی، درویش پیدا کیے جو بایوس، لاچار، دکھی و ذہنی امراض اور روحانی مسائل میں اچھے ہوئے لوگوں کو گلے سے لگاتے ہیں، پیار محبت اور امن کا درس دیتے ہیں۔ فرقہ بندی اور حدود و قیود سے آزاد یہ مخلص لوگ خدمت کے جذبے سے سرشار دن رات دکھی انسانیت کی خدمت میں کوشاں رہتے ہیں۔

مری میں میرا کالج اور گھر انتہائی خوبصورت وادی میں تھا جہاں ہر طرف سبزہ پھول اور اونچے درختوں کے ساتھ قدرتی حسن اپنی تمام رنگینیوں کے ساتھ وہاں پر جلوہ افروز تھا۔

بچپن سے مجھے ہر نئی چیز سیکھنے کا شوق اور جنون تھا۔ مختلف مضامین میں ایم اے کیا۔ پھر ہومیو پیتھی کی حکمت و کشتہ سازی کو سیکھا۔

کیونکہ میں مری میں پر دیسی تھا، وقت ہی وقت تھا، سوشل لائف بالکل نہیں تھی، سیکھنے کا جنون مجھے علم نجوم، پامسٹری، علم الاعداد اور آسٹرالوجی کی طرف لے گیا۔ ان موضوعات پر ہر طرح کی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ان علوم کے ماہرین کے پیچھے بہت سادقت ضائع کیا اور بہت کچھ سیکھا بھی۔ اتنا کچھ کرنے کے باوجود تفکری، بے قراری اور بے چینی جاری تھی، تلاش تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ پتہ نہیں میں کیا چاہتا تھا ایک سے بڑھ کر ایک کام کرتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے جب میں ایم اے میں تھا تو ٹی وی کے جنرل ناٹج، میرت النبی، مطالعہ پاکستان اور انقلابات کے کئی پروگراموں میں حصہ لیتا تھا۔ مذاہب عالم اور ادب کی بے شمار کتابیں اور کوئز پروگراموں کی تیاری اور حصہ لینے کے بعد بہت کچھ جان چکا تھا لیکن پیاس جاری تھی۔ علم پامسٹری سیکھنے کے بعد بہت سارے لوگ میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے کیونکہ اللہ نے اچھی یادداشت دی تھی اس لیے علم نجوم سیکھ کر اب عملی پریکٹس کر رہا تھا۔ فیس ریڈنگ، پامسٹری اور علم نجوم کو استعمال کر رہا تھا۔ لیکن میں ان سے بھی مطمئن نہیں تھا۔ کئی مضامین میں ایم اے اور دنیا جہاں کی کتابیں اور علوم سیکھنے کے بعد بھی تفکری اور بے چینی جاری تھی۔ میرے اندر خلا یعنی خالی پن کا احساس تھا۔ ابھی بھی تلاش اور کھوج جاری تھی۔ پتہ نہیں میں کیا چاہتا تھا اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی تلاش اور جستجو جاری تھی۔ پتہ نہیں میں اور میری روح کس کی تلاش میں تھی تلاش تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ کتابوں کے ساتھ ساتھ میں مختلف کھیلوں میں بھی حصہ لیتا رہا۔ کرکٹ، والی بال، فٹ بال، بیڈمنٹن، ٹیبل ٹینس، خوب کھیلا اور اچھا کھیلا لیکن سکون نہیں ملا، تلاش جاری تھی۔ کبھی کبھی دل کرتا کہ سب کچھ چھوڑ کر جنگل یا دریا کے کنارے چلا جاؤں میں کیا چاہتا تھا؟ میری منزل کیا ہے یہ میں بھی نہیں جانتا تھا۔

روحانیت کی طرف

میری تلاش جاری تھی کہ آخر میرے رب میرے خالق کو مجھ پر ترس آیا اور میری زندگی میں وہ موڑ آیا جب میں روحانیت کی طرف آیا۔ پامسٹری کے سلسلے میں بہت سارے لوگ میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔

ان کے مسائل بتاتا کہ آپ کی لکیریں یا اعداد یا ستارے یہ کہتے ہیں تو لوگ ان مسائل کا حل بھی پوچھتے کہ تنگی دینی یا مادی کا علاج کیا ہے؟ اسی طرح دوسرے مسائل کا حل پوچھتے۔ میرے پاس ان مسائل کا حل نہیں تھا۔ تب مجھے پتہ چلا کہ یہ علوم بھی نامکمل تھے کہ حساب تو لگ جاتا ہے، مسئلوں کا حل نہیں ہے۔ اندر سے میں ان علوم سے بھی الگ ہو چکا تھا اور ایک نئی تلاش میں تھا۔

ایمی دنوں میرے گاؤں سے میرا کزن میرے پاس آیا ہوا تھا وہ کسی جڑی بوٹی کی تلاش میں آیا تھا اور ہمارے کالانی بزرگ کی حکمت اور عملیات کی ذاتی بیاض بھی ساتھ لایا تھا۔ اُس میں بہت سی بیماریوں کا علاج اور جڑی بوٹیوں کا استعمال حکمت کے ساتھ مختلف اذکار اور وظائف بھی تھے۔

میں نے اپنے کزن کو سمجھایا کہ تم کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو۔ یہ سب جھوٹ اور خیالی باتیں ہیں جن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔ خوابوں کی اس دنیا سے باہر آؤ۔ میرا یہ کزن پچھلے کئی سالوں سے بیمار ہونے کے پھر میں لگا ہوا تھا۔ بیوی بچوں کی کوئی پروا نہیں ساری زندگی سنیا سی ملتکوں اور جکیموں کے پیچھے لگا رہا تھا۔ جب میں نے اسے بہت سمجھایا تو وہ کہنے لگا جن کی یہ ڈائری ہے وہ اللہ کے بہت پیچھے ہوئے بزرگ تھے۔ سارا زادن کو ولی مانتا تھا۔ اور آج بھی انکو ولی مانتا ہے اور تم بھی ان بابا جی کو اچھی طرح جانتے ہو۔ میں نے کہا کہ میں نے ان کو ولی ماننا شروع کیا ہے۔ کیا؟ میں حیرت سے اچھل پڑا واقعی یہ بابا جمال الدین صاحب کی ڈائری ہے۔ تمہارے پاس یہ کہاں سے آئی۔ میں نے حیرت اور تجسس میں اس طرح کے کئی سوال اس پر داغ دیے۔ اس نے مجھے مطمئن کرنے کے لیے میرے ہر سوال کا جواب دیا۔ بقول اس کے بابا جی کی وفات کے بعد انکا لگا ہوا ڈائری لے کر میرے پاس آیا تھا۔ کیونکہ میں بھی عرصہ دراز سے سونا بنانے کے چکر میں تھا۔ بابا جی کی ڈائری میں ایسے سلسلے تھے۔ اسی وجہ سے میری نیت خراب ہو گئی اور میں نے یہ ڈائری دہالی۔ اس میں حکمت کے نسخوں کے ساتھ ساتھ سونا بنانے کے نسخے بھی لکھے ہوئے ہیں۔ تمہارے پاس آنے کی میری غرض بھی یہی ہے کہ مری کے ماہروں، تم ان جڑی بوٹیوں کو تلاش کرنے میں میری مدد کرو جن کا بابا جی نے ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ہم بہت دیر تک بابا جی کی باتیں کرتے رہے۔ وہ تھکا ہوا تھا اس لیے وہ سونے کی تیاری کرنے لگا۔ میں یہاں پر تھوڑا سا ذکر بابا جمال الدین صاحب کا کرتا چلوں یہ ہمارے خاندان کے سب سے نیک اور صاحب کرامت بزرگ تھے۔ حکمت کے استاد تھے، ایک سو دس سال کی عمر میں وفات پائی، اپنی موت کا دن اور وقت پہلے ہی بتا دیا تھا۔ میرا بچپن کا بہت سارا وقت ان کے ساتھ گزرا تھا۔ میرا عشق بابا جی کے ساتھ جنونی تھا، وہ بھی مجھ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ بابا جی کے ساتھ گزرا ہوا وقت آج بھی مجھے یاد ہے، ان کی روح بیدار تھی اور کیمہ آن تھا۔ میں نے بابا جی کی ڈائری پڑھنی شروع کر دی۔ ڈائری میں مختلف عملیات اور ذکر اذکار درج تھے۔ مجھے ایسے لگ رہا تھا جیسے مجھے قارون کا خزانہ مل گیا ہو۔ میں تجسس اور خوشی سے پڑھ رہا تھا کہ میری نظر ایک جگہ پر آ کر ٹھہر گئی۔ بابا جی یا جی یا قیوم کے حامل تھے۔ اور۔۔۔ کبھی کبھن میں اس اسم اعظم کو پڑھنے کا کہتے۔ بابا جی اکثر کہا کرتے تھے کہ بٹا جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تم میری

ان کے بارے میں تفصیلات لکھیں۔ اس میں شرائط اور طریقہ کار بھی درج ہیں۔

اسمِ اعظم کی تلاش

میں نے زندگی میں پہلی بار اسمِ اعظم کا نام سنا تھا روحانی سفر، تبدیلیاں، مشاہدات یہ سب مذاق، فراڈ، سراب اور کھانا تھا، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہ صرف باتیں ہی سمجھتا تھا کیونکہ بچپن سے کھوج، تلاش، جستجو، جاننا اور کھانا میں تھا لہذا مجھے لگا یہ میری منزل ہے مجھے اس کی تلاش ہے۔

اب میں نے روحانیت کی مختلف کتب پڑھنا شروع کر دیں۔ روحانیت، تصوف، سلوک، درویش، قلندر، اولیاء، اہلِ رات، روحانی سلسلے پڑھنا شروع کر دیے اور بزرگوں سے ملنا شروع کر دیا۔ پاکستانی کتابوں کے علاوہ ہندو ازم اور عیسائی کی لوگا، ارتکا تو جہ اور سانس کی مشقوں کے بارے میں جو کتاب ملتی پڑھنا شروع کر دیں، ایک نیا جنون طاری ہوا اسمِ اعظم کے حوالے سے اکثر کتابوں میں آصف بن برخیا کا ذکر آیا کہ اُس نے پلک جھپکتے شہزادی بلقیس کا تخت منگوا لیا اب اسمِ اعظم جاننے کا جنون ہو گیا۔ نام نہاد بابوں ملنگوں، صوفیوں کے پیچھے بھاگتا رہا، کوئی کچھ کوئی کچھ بتا رہا تھا کہ اسمِ اعظم کا نام ہے **خوش نصیب** جس کی تلاش میں تھا وہ مجھے اُس وقت ملا۔

ملا بابوں اور بزرگوں سے ملنے کے بعد میری عقل و فکر ان وظائف پر ٹھہر گئی کہ ان میں سے کوئی ایک نام ہے۔

صرف اسم "یا اللہ" درود شریف کی کثرت
یا حی یا قیوم یا ذو الجلال والاكرام
لا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ
یا پھر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِیْمٍ

سات سلام	سورة اخلاص	سورة مزمل
سورة یسین	سورة حشر	سورة مومنون کی آیات
سورة بقرہ کی آیات	سورة رحمن کی آیات	

ان کے علاوہ اور بھی کئی اللہ کے نام اور قرآن پاک کی سورتیں اور آیات کئی بزرگوں سے ملنے اور بے شمار اولیاء روحانی کتب کے مطالعہ کے بعد میرا دل اور دماغ ان پر آکر ٹھہر گیا کہ ان میں سے کوئی اسمِ اعظم ہے۔ سب

الان پر آ جاؤ گے۔ میں اس وقت بچہ تھا مجھے اندازہ نہ تھا کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

باباجی اپنے دوست مست شاہ سے اکثر ملنے جاتے تھے۔ باباست بہت بڑے بزرگ تھے۔ ان کے ساتھ دور یا پر نہاتے تھے کیونکہ وہ دریا کے قریب رہتے تھے۔ باباست نے کئی بار مجھے اپنے منہ کا نوا اٹھلایا۔ باباست اکثر کھانے لنگر کھا۔ اور میں جب بھی لنگر کھا کرتا عجیب و غریب مستی محسوس کرتا۔ ان دو بابوں کے قرب میں رہنے کی وجہ سے میری ملاقات اور بھی کئی بزرگوں سے ہوئی۔ جن کا تفصیلی ذکر کسی اور کتاب میں کرونگا۔

وہ رات کو سو گیا مجھے فراغت میسر تھی۔ رات کو مطالعہ میری عادت تھی لہذا اپنی کھوج اور جستجو کی عادت سے مجبور ہو کر اُس ڈائری کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اُس ڈائری میں حکمت کشتہ سازی اور وظائف تھے، پڑھتے پڑھتے ایک مضمون آکر میں ٹھہر گیا۔

باباجی نے اسمِ اعظم کا ذکر کیا تھا۔ اُن کے بقول انہوں نے شرائط چلہ کے ساتھ اللہ کے کسی نام کا ورد نہ کر دیا تھا۔ چلہ کشی کے ایام میں اپنے ساتھ ہونے والے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ آخری رات میں دریا کے کنارے بیٹھا تھا اور اپنا ورد کر رہا تھا کہ آسمان سے تیز روشنی کی لہر آئی، میرے سینے سے نکرائی، میرا وزن کم ہو گیا، پردے اٹھ گئے، سینہ روشن ہو گیا، زمان و مکان سے آزاد ہو گیا، آسمان تک ملائکہ، جن اور ارواح نظر آنی شروع ہو گئیں اور زمین کی تہہ تک سب کچھ نظر آنے لگا، میلوں دور تک دیکھ رہا تھا۔ میں جس تلاش میں تھا وہ مجھے اُس وقت مل گیا۔ اُس رات میں نے روحانی پرواز کی، وہ میرے روحانی سفر کی ابتدا تھی، چاروں طرف نور ہی نور تھا۔ اس کے بعد میری دعائیں قبول ہونا شروع ہو گئیں، میں سیف زبان ہو گیا، سرور اور نشے میں ڈوب گیا۔ مجھے جس کی تلاش تھی میں نے اُس رات پالیا۔ میں نے خدا کو پالیا، میری تری روح کو سکون مل گیا، بے چینی بے قراری تشنگی ختم ہو گئی، میں نے سمندر کو پالیا، میں قطرہ تھا سمندر کا حصہ بن گیا، میری تلاش ختم ہو گئی، میرے اندر وہ قوتیں پیدا ہو گئیں جو پہلے نہ تھیں، میں حیرت اور تجسس سے یہ سب پڑھ رہا تھا۔

انہوں نے تمام شرائط اور پرہیز بھی لکھے تھے اور طریقہ کار بھی کس طرح سوا کروڑ کا چلہ پورا کیا۔ میں بچپن سے اُن بزرگوں کے بارے میں اپنی والدہ ماجدہ سے سنتا آ رہا تھا بقول والدہ محترمہ جو وہ کہتے تھے پورا ہوتا تھا، اُن کو آنے والے واقعات کا پتہ ہوتا تھا، وہ پہلے ہی بتا دیتے تھے مصیبت اور خوشی پہلے ہی بتا دیتے تھے، اُن کے بے شمار واقعات اور کرامات تھیں، وہ حکمت اور دم کرتے تھے، اُن کے بے شمار مرید اور چاہنے والے تھے، اُن کے چاہنے والے ان کو صاحبِ کرامت اور اللہ کا ولی مانتے تھے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے اپنی موت کا دن بتا دیا تھا کہ آج میرا آخری دن ہے، آج میرے لیے کھانا نہ بنانا، آج میں نے اللہ کے پاس چلے جانا ہے۔ میں بچپن سے ان کے بارے میں سنتا آ رہا تھا لیکن کبھی دھیان نہ دیا بلکہ افسانوی باتیں ہی سمجھیں، لیکن بعد میں جب میں نے والدہ اور بزرگوں سے اُن کے بارے میں پوچھا تو واقعی وہ ایک درویش اور صاحبِ کرامت بزرگ تھے، اللہ کا اُن پر خاص کرم تھا۔ میں یہ سب پڑھ کر ورطہ حیرت میں مبتلا ہو گیا۔ ایک عجیب سی خوشی اور تجسس کی لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ باباجی نے اسمِ اعظم

سے زیادہ یا حی یا قیوم اور یا ذوالجلال والا کرام پر دل جما کیونکہ یہی وہ درود تھا جو بابا جمال دین سرکار بچپن میں کرواتے تھے۔

درود شریف کی کثرت

بے شمار کتب کے مطالعہ اور بزرگوں سے ملنے کے بعد میں اچھی طرح یہ جان چکا تھا کہ روحانی ذکر و اذکار یا روحانی مشقیں کسی کامل بزرگ یعنی مرشد کی زیر نگرانی کرنی چاہئیں اسم اعظم کے بعد اگلی تلاش منزل مرشد کی شروع ہو گئی کیونکہ میں جس ماحول میں پلا بڑھا تھا وہاں مرشد یا بزرگ کا تصور نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ماننا تھا لیکن ہر سال صوفی اور کتاب مرشد مرشد پکار رہی تھی۔ اب میں درود شریف کثرت سے پڑھ رہا تھا اور اس سے دعا بھی کرتا کہ مجھے مرشد مل جائے۔ میں نے مختلف بزرگوں کے پاس جانا شروع کر دیا ملک کے دور دراز شہروں میں جہاں کسی کا نام سنتا چلا جاتا۔ جو بھی کسی بزرگ کی تعریف کرتا میں اُس سے کہتا مجھے اپنے مرشد سے ملاؤ جو ملک بابا ملتا اُس کے پیچھے پڑ جاتا۔

کئی نام نہاد بزرگوں اور گدی نشینوں سے ملا لیکن دو چار ملاقاتوں کے بعد دل بھر جاتا، مطمئن نہ ہوتا۔ جو تھ میرے دل میں مرشد کا تھا کوئی بھی ویسا نہ تھا۔ بے شمار بزرگوں سے ملا، لالچ اور جھوٹ بھری نظر آیا۔ میں بابا جمال دین سرکار کو بہت یاد کرتا کاش وہ ہوتے۔

اسی دوران جہلم میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی وہ بیمار تھے، انہوں نے درود شریف بتایا، پڑھا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے بعد وہ فوت ہو گئے دوبارہ کبھی ان سے بھی ملاقات نہ ہوئی، مرشد کی تلاش میں بھاگ بھاگ کرتا تھا۔

عمل حصار

جب بہت تلاش کے بعد بھی مرشد نہ ملا تو اللہ سے بہت دعا کی۔ اسی دوران ایک نیک بندہ ملا اُس نے کہا اگر مرشد نہیں ملتا تو کوئی بات نہیں آپ حصار کا وظیفہ کر لیں، پھر جو مرضی پڑیں کچھ الٹا اثر نہ ہوگا، کوئی رجعت نہیں ہوگی، آپ اللہ کی حفاظت میں رہیں گے۔ انہوں نے حصار کے کئی اعمال بتائے لیکن مجھے سب سے زیادہ الوقیب (بڑا نگہبان) پسند آیا لہذا میں نے دور رکعت نوافل پڑھ کر اللہ کے حضور رُود دعا کی کہ اے میرے رب میں نے پوری کوشش کی مرشد کو پانے کی مگر مجھے مرشد نہیں ملا، لہذا میں آج اے اللہ تجھ کو اپنا مرشد بنانا ہوں، خود کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں، اب تو میری حفاظت فرما اور مجھے اس قابل بنا کہ میں اس چلے کو مکمل کر سکوں۔ سلیپ

کا نام سوٹ پہنا اور خوشبو لگا کر خالی کمرے میں بروز جمعرات بعد نماز عشاء اول آخر گیارہ بار درود شریف پڑھ کر مارقیب کو پانچ ہزار بار پڑھنا شروع کر دیا۔ میں روزانہ مقررہ وقت پر پورے اہتمام کے ساتھ پڑھتا رہا۔ اس کے بعد مکمل و کرم سے میں نے ایک ہی جگہ پر اکتالیس دن پورے کئے۔ آخری دن میں نے دو نوافل شکرانے کے لئے اور منٹائی پاس رکھی اور صبح بچوں اور لوگوں کو وہ منٹائی کھلا دی۔ یہ وظیفہ مکمل ہوا تو میرے اندر سکون اور اعتماد کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا اور وظیفہ بھی مکمل ہو گیا۔ یہ میرا پہلا چلہ یا وظیفہ تھا جو میں نے مری کی ایک اور ٹھنڈی راتوں میں کیا اور مکمل بھی ہو گیا۔

اسم اعظم کا ورد

بے شمار کتابوں اور بزرگوں سے ملنے کے بعد میرا دل یا حی یا قیوم اور یا ذوالجلال والا کرام پر بھر چکا تھا کیونکہ اس سال دین کا بھی یہی وظیفہ تھا۔ لہذا میں نے ایک ہزار درود شریف دو ہزار یا حی یا قیوم

سورۃ اخلاص 108 بار

یا اللہ ایک ہزار

ایک ہزار درود شریف

ہر ایک ایک ہزار

دور رکعت نوافل پڑھ کر اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ میں درود شروع کر رہا ہوں مجھے ہمت اور استقامت دے کہ میں یا حی یا قیوم کی سوا کروڑ تعداد مکمل کر سکوں۔ جب ایک ہفتہ سکون سے گزر گیا تو مجھے حوصلہ ہوا اور یہ خیال بھی کہ اس طرح تو سوا کروڑ مکمل ہونے میں بہت دیر ہو جائے گی تب میں نے یا حی یا قیوم کی تعداد کو آٹھ ہزار کر دیا اور یا ذوالجلال والا کرام 4100 کر دیا۔ ایک مہینہ میں اسی طرح کرتا رہا۔ مزا آنا شروع ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ اس طرح بھی دیر ہو جائے گی لہذا میں نے یا حی یا قیوم ساڑھے بارہ ہزار کر دیا، تین ہزار رات کو کرتا باقی دن میں کرتا رہا۔

دوماہ کے بعد میں یا حی یا قیوم اور باقی سارے ذکر اذکار دن میں ہی مکمل کر لیتا اور رات کو مختلف اسماء الحسنیٰ اور آئی سورتوں کے وظیفے اور چلے شروع کر دیئے۔ مختلف بزرگوں اور کتابوں سے جو اچھے وظیفے ملے وہ کرتا رہا۔

یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اکتالیس دن اکتالیس سو مرتبہ شرائط کے ساتھ کیا۔ اس میں بہت خوشبوئیں اور مزہ آیا۔ جب مجھے درد کرتے ہوئے دوماہ ہو گئے تو مجھے لگا ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا بغیر کسی نور یا روشنی کے مشاہدہ کے پڑھے جا رہا ہوں۔ میں نے دوبارہ خود کو چیک کیا کہ میں کیا غلطی کر رہا ہوں۔ میں نے ہر مختلف بزرگوں کے پاس جانا شروع کر دیا کہ میں کیا کروں؟ ایک بزرگ سادہ اور معصوم تھے جب میں ان کے بہت پیچھے پڑا تو وہ مجھے کہنے لگے میرا نشانہ پکاؤ۔ یعنی میرا تصور کرو میں نے بہت کوشش کی بابا جی سے کہا آپ کا تصور مجھ سے نہیں ہوتا تو انہوں نے مجھے کہا کسی لڑکی سے عشق کرو اُس کا نشانہ پکاؤ۔ میں نے یہ کوشش

بھی کی لیکن کسی لڑکی سے عشق نہ ہوا۔

ایک سید سے ملاقات

اسی دوران کسی نے مجھے ایک ایسے سید کا بتایا جس کے پاس ہزاروں لوگ ملاقات کے لیے آتے اور حیران جاتے۔ مشہور تھا کہ وہ ہر چیز بتا دیتے ہیں۔ میں بھی اپنے دوست کے ہمراہ ان کے آستانے پر چلا گیا بہت رش تھا۔ سب لوگ چلے گئے رات کا وقت تھا وہ بزرگ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

میں نے کہا شاہ صاحب میں پانچ سو کلو میٹر کا سفر کر کے مری سے آیا ہوں کچھ ہمیں بھی بتائیں۔ وہ بہت ہنسے۔ میں اُن کو بغور دیکھ رہا تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کسی کاغذ پر کچھ لکھا اور اپنے سامنے پڑے ہوئے میں جو وہ پی رہے تھے اُس میں پھینک دیا۔

میں نے غیر ارادی طور پر سات بار یا رقیب پڑھ کر کمرے کا حصار کر دیا۔

انہوں نے تین بار کاغذ پر کچھ لکھا اور حقہ کی آگ میں ڈالا۔ وہ کچھ پریشان نظر آ رہے تھے، میں بھی حیران تجسس سے اُن کو دیکھ رہا تھا، ایک دم وہ اٹھے اور باہر چلے گئے پانچ منٹ بعد واپس آئے بہت زور سے ہنسنے لگے۔ مزہ آگیا آج کتنے سالوں بعد کوئی آیا ہے۔ میں نے درخواست کی حضور کچھ تو بتائیں۔ کہنے لگے پروفیسر صاحب جاسے دیں کیوں مذاق کرتے ہیں۔ میں نے کہا میں سمجھا نہیں۔ کہنے لگے حصار اچھا لگایا مزہ آیا، پروفیسر صاحب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے بتایا دو ماہ سے پڑھ رہا ہوں، اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ انہوں نے مجھے یا عزیز کی پاموکل پڑھائی دی اور کہا کہ میرا تصور جا کر پکاؤ، جب پک جائے میرے پاس آ جانا۔ میں مری جا کر اُن کی پڑھائی رات میں کرتا اور اُن کا تصور پکاتا شروع کر دیا۔

جب ایک ماہ گزر گیا تو کچھ بھی نہیں ہوا، میں شاہ صاحب سے ملنے گیا۔ بس سے اترتے ہی اُن کو فون کیا فون اُن کی بیٹی نے اٹھایا۔ میں نے پوچھا شاہ صاحب کدھر ہیں۔ وہ بولی آپ نہیں جانتے۔ میں نے کہا نہیں۔ وہ رو کر بولی دس دن پہلے وہ وفات پا گئے ہیں۔

میں کتنی دیر گم سم دوہیں کھڑا رہا، کچھ سمجھ نہ آئے کیا کروں، آخر مایوس پریشان واپس مری آ گیا۔

اب میرے پریشان کہ اب کیا کروں اب میری سوچ شاہ صاحب یعنی تصور شیخ پرانک گئی کہ یہ کیا ہے؟

اس حوالے سے شاہ صاحب سے میری مختصر گفتگو ہوئی تھی لیکن اس مختصر وقت میں بھی انہوں نے ایسے جامع اور مدلل انداز میں اس کی وضاحت کی تھی کہ یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی کہ تصور شیخ روحانیت میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن تصور شیخ کے حوالے سے ابھی ایسے بہت سے سوالات تھے جو میرے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ شاہ صاحب تو اس دنیا میں تھے نہیں جنہوں نے تصور شیخ کی بات میرے ذہن میں ڈالی تھی، اب میں ان سوالات کے جوابات کہاں سے

انہوں نے کتابوں کا مطالعہ پھر شروع کر دیا۔

سلسلہ سلوک کے سالک کو ایسے بھی راہنمائی مل سکتی ہے.....؟ بظاہر تو یہ اچھے کی بات ہے۔ لیکن اگر ذاتی طور پر آپ کی حامی و ناصر اور اس کے حبیب کا لطف و کرم آپ کے شامل حال ہو تو پھر معمولی بات سے بھی عظیم معارف حاصل کی جیت کی بات نہیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔

یوگا، ارتکا وغیرہ کی عام سطحی سی کتابوں نے مجھ پر تصور شیخ کے اندر چھپے ہوئے روحانی اسرار اور ان کی فلاسفی کو اجاگر کیا۔ مجھے سمجھ میں آ گیا کہ تصور شیخ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کیوں ضروری ہے؟ اور اس کے اصل مقاصد کیا ہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ اعلیٰ روحانی منازل تک رسائی کے حصول میں معاونت فراہم کرنے والی اہم چیز مراقبہ کا بھی پتہ چلا۔ اور یہ مراقبہ کی کئی کئی کہ مرابطہ ہی وہ میز می ہے کہ جس کو بروئے کار لا کر انسان روحانی منازل کے سفر کو طے کرتا ہے۔

مراقبہ

ہیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اب میرے فکر و شعور میں مراقبہ کا Concept بالکل واضح ہو گیا تھا اور میں مراقبہ کی اہمیت اور اس کی جتنی بھی ضرورت تھی اسے بہت زور سے ہنسنے لگے۔ مزہ آگیا آج کتنے سالوں بعد کوئی آیا ہے۔ میں نے درخواست کی حضور کچھ تو بتائیں۔ کہنے لگے پروفیسر صاحب جاسے دیں کیوں مذاق کرتے ہیں۔ میں نے کہا میں سمجھا نہیں۔ کہنے لگے حصار اچھا لگایا مزہ آیا، پروفیسر صاحب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے بتایا دو ماہ سے پڑھ رہا ہوں، اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ انہوں نے مجھے یا عزیز کی پاموکل پڑھائی دی اور کہا کہ میرا تصور جا کر پکاؤ، جب پک جائے میرے پاس آ جانا۔ میں مری جا کر اُن کی پڑھائی رات میں کرتا اور اُن کا تصور پکاتا شروع کر دیا۔

ساتھ ہی یا حبیب یا قیوم کو 22 ہزار مرتبہ روزانہ پڑھنا شروع کر دیا۔

کیونکہ میں نے قرآن پاک کی آیت پڑھ لی تھی۔

ترجمہ: میرا ذکر کثرت سے کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

لہذا میں 22 ہزار ختم ہونے کے بعد بھی کھلا پڑھتا رہا۔ ساتھ ساتھ باقی اذکار بھی جاری تھے۔

ارتکا ز توجہ

میں مراقبہ اور ذکر و اذکار کر رہا تھا کہ میرے پاس ملتان سے ایک بزرگ آئے۔ جب مجھے پتہ چلا کہ وہ بزرگ

ملتان سے ملا اور رہنمائی مانگی کہ میرا مراقبہ کھل نہیں رہا نہ ہی اللہ کا تصور پکا ہو رہا ہے۔ انہوں نے مجھے نیا طریقہ بتایا جو میں

ایک سال کتابوں میں بھی پڑھ چکا تھا کہ سفید پیر پر روپے کے سکے برابر گول دائرہ بنا کر کالا کر کے پیپر کو یو پر لگا کر بلا پلک

کھلا دیکھنے کی مشق کرو۔ سارا طریقہ بھی سمجھا دیا۔ اب رات کو مراقبہ اور دن میں گول سیاہ دائرے کو بلا پلک جھپکے دیکھنے کی مشق

شروع کر دی۔ شروع میں آنکھوں سے بہت پانی آتا لیکن میں جلد ہی جھپکتا رہا آہستہ آہستہ میری نظر بڑھتی شروع ہو گئی۔

ایک ماہ بعد اس مشق میں مزا آنا شروع ہو گیا بلکہ اکثر دائرہ نظروں کے سامنے سے غائب ہو جاتا دماغ پر فانی کیفیت نیم خوابیدگی سی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ جب میری یہ مشق ایک گھنٹہ پر پہنچ گئی تو اسکی کیفیت طاری ہوتی تو دائرہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

ترک حیوانات

ایک ماہ بعد اس مشق میں مزا آنا شروع ہو گیا بلکہ اکثر دائرہ نظروں کے سامنے سے غائب ہو جاتا دماغ پر فانی کیفیت نیم خوابیدگی سی طاری ہونا شروع ہو گئی۔ آہستہ آہستہ جب میری یہ مشق ایک گھنٹہ پر پہنچ گئی تو اسکی کیفیت طاری ہوتی تو دائرہ نظروں سے اوجھل ہو جاتا۔

مکان والے بزرگ نے مجھے ترک حیوانات کا مشورہ بھی دیا کہ جب تک تم گوشت انڈہ وغیرہ نہیں چھوؤ کبھی بھی روحانی تبدیلیاں رونما نہیں ہوگی، روح کو ہلکا کرنے کے لیے ترک حیوانات اور بیٹھا کھانا بند کر دو، بیٹھا اور کھانے سے روح بھاری ہو جاتی ہے۔

اب میں نے سختی سے ترک حیوانات اور بیٹھے کا پرہیز کرنا شروع کر دیا اتنا پرہیز کہ روحانی بیداری کے بعد گوشت نہ کھاتا، اسی وجہ سے میں دال والا پیر مشہور ہو گیا چونکہ لوگوں کو پتہ ہوتا تھا کہ میں گوشت نہیں کھاتا اس لیے دور چاول بناتے بلکہ میں اتنا جنونی تھا کہ جسم سے گوشت اور بیٹھا کم کرنے کے لیے میلوں پہاڑوں پر چلتا تاکہ جسم سے گوشت کے اثرات اور بیٹھا کم ہو جائے۔ کھانے میں زیادہ تر ابلے چاول، رس اور ذیل روٹی کھاتا۔ بلکہ بیٹھا اور گوشت مجھے لگتے، میرا یہ پرہیز بہت دیر تک چلا۔

اب میں نے یا جی یا قیوم یا کیس ہزار روزانہ سے بھی زیادہ کر دیا تھا۔ دور و شریف، یا ذوالجلال اور ہاتی اذکار کے ساتھ، رات کے مختلف اوقات میں پڑھتا تھا اور مجھے ترک حیوانات کئے ہوئے ایک سال سے ادب ہو چکا تھا۔

”جس دم“ سانس ہی زندگی ہے

مختلف ذکر و اذکار، مراقبہ، ترک حیوانات اور جس دم کرتے ہوئے بھی جب ایک مدت گزر گئی تو میں نے محسوس کیا کہ جس وقت مجھے راہنمائی کی ضرورت پڑی ہے اللہ نے کسی کتاب یا کسی بزرگ کے ذریعے میری راہنمائی کی ہے مجھے ذکر و اذکار کرتے اور مراقبہ کرتے اور ترک حیوانات کئے ہوئے تقریباً ایک سال ہو گیا تھا اور میں ابھی بھی اندر سے اندھا تھا، سکون اور مزہ تھا لیکن اندھیرا ہی اندھیرا۔ انہی دنوں ایک فیملی دینی سے میرے دوست کے گھر آئی وہ فیملی میرے پاس ہاتھ دکھانے آ گئی، میں ان کے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس فیملی سے گپ شپ بھی ہو رہی تھی تو وہ خاتون بولی پر دلیسر صاحب میرے میاں کو بھی یوگا کی پیاری ہے، یہ کسی ہندو کے شاگرد ہیں۔ میں ایک دم الرٹ ہو گیا میرا شوق جاگ اٹھا میں نے تفصیلاً ان سے پوچھا تو انہوں نے مجھے سانس کی مختلف مشقیں، طریقہ کار اور اوقات بتائے۔ میں دودن ان سے گفتگو کرتا رہا اور معلومات لیتا رہا۔ مجھے جو چیز سب سے زیادہ اچھی لگی اور جس کے بارے میں مختلف کتابوں اور بزرگوں سے سنا بھی رکھا تھا لیکن کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا وہ تھی جس دم۔ یعنی سانس کو روکنا یا سانس کو سینے کے اندر قید کرنا اور میٹھی گولیوں کی طرح چوسنا۔ اُس بندے نے جس دم پر لبا اور معلومات سے بھر پور لیکچر دیا کہ کس طرح درجہ بدرجہ سانس کو قید کر کے دقت

مختلف مزارات پر حاضری

مختلف ذکر و اذکار، مراقبہ، ترک حیوانات اور جس دم کرتے ہوئے بھی جب ایک مدت گزر گئی تو میں نے محسوس کیا کہ جس وقت مجھے راہنمائی کی ضرورت پڑی ہے اللہ نے کسی کتاب یا کسی بزرگ کے ذریعے میری راہنمائی کی ہے مجھے ذکر و اذکار کرتے اور مراقبہ کرتے اور ترک حیوانات کئے ہوئے تقریباً ایک سال ہو گیا تھا اور میں ابھی بھی اندر سے اندھا تھا، سکون اور مزہ تھا لیکن اندھیرا ہی اندھیرا۔ انہی دنوں ایک فیملی دینی سے میرے دوست کے گھر آئی وہ فیملی میرے پاس ہاتھ دکھانے آ گئی، میں ان کے ہاتھ دیکھ رہا تھا۔ اس فیملی سے گپ شپ بھی ہو رہی تھی تو وہ خاتون بولی پر دلیسر صاحب میرے میاں کو بھی یوگا کی پیاری ہے، یہ کسی ہندو کے شاگرد ہیں۔ میں ایک دم الرٹ ہو گیا میرا شوق جاگ اٹھا میں نے تفصیلاً ان سے پوچھا تو انہوں نے مجھے سانس کی مختلف مشقیں، طریقہ کار اور اوقات بتائے۔ میں دودن ان سے گفتگو کرتا رہا اور معلومات لیتا رہا۔ مجھے جو چیز سب سے زیادہ اچھی لگی اور جس کے بارے میں مختلف کتابوں اور بزرگوں سے سنا بھی رکھا تھا لیکن کبھی سنجیدگی سے نہیں لیا وہ تھی جس دم۔ یعنی سانس کو روکنا یا سانس کو سینے کے اندر قید کرنا اور میٹھی گولیوں کی طرح چوسنا۔ اُس بندے نے جس دم پر لبا اور معلومات سے بھر پور لیکچر دیا کہ کس طرح درجہ بدرجہ سانس کو قید کر کے دقت

ہاں گا۔

اجازت کے نام پر میں چونکا۔

میں نے اُس کا نام پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میرا نام قادر بخش ہے۔ آپ نے میرا نام لے کر سلام دینا ہے۔ میں حاضر ہوں گا لیکن پتہ نہیں وہ قبول کرتے ہیں یا نہیں تو وہ بولا آپ یہ پڑھ کر سلام دیں گے تو وہ ضرور جواب دیں گے۔ قادر بخش کی بات پر میں چونکا۔ وہ کہنے لگا جناب بزرگوں کو سلام کا طریقہ ہوتا ہے۔ خاص کوڑ ہوتا ہے جس کے لگانے کا آپ آتا ہے۔ کیونکہ یہ میرا نمبر ۱۰۰ Topic تھا لہذا میں شوق سے سن رہا تھا۔ آخر ٹرین آگئی اور میں بیٹھ کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ سارے راستے قادر بخش کی باتیں میرے ذہن میں گھومتی رہیں۔ میں شدت سے انتظار کر رہا تھا کہ جلدی ہاں اور داتا حضور کو سلام کروں۔

آزاد کافنی سفر اور انتظار کے بعد میں لاہور پہنچا تو گاؤں جانے کے بجائے میں داتا حضور پہنچا۔ سرکار کا دربار اور میں جیڑی سے دربار پر پہنچا۔ قادر بخش کے بتائے طریقے کی طرح سلام کیا اور مجھے شدید حیرت اور خوشی اُس

میں پہنچا۔ واضح طور پر محسوس ہوا کہ داتا حضور نے جواب دیا اور کرم فرمایا ہے۔ میں کافی دیر اُسی سرور اور نشے کی حالت میں رہا۔ آج پہلی دفعہ احساس ہوا کہ داتا حضور نے کرم فرمایا ہے۔

اب میں بہت خوش تھا کہ مجھے داتا حضور کو سلام کرنے کا کوڈ مل گیا ہے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ چند دن بعد واپس آئے۔ پھر داتا حضور پر حاضری دی اور قادر بخش کے طریقے کے مطابق سلام کیا لیکن میں کافی دیر سلام کرتا رہا لیکن جواب نہ ملا۔ میں مری واپس چلا گیا۔ میری خوشی مایوسی میں بدل چکی تھی کہ پتہ نہیں کیا غلطی یا گستاخی ہوئی ہے۔ اس کے بعد دوبارہ بار بار بھی داتا حضور گیا اور راولپنڈی اسٹیشن پر قادر بخش کو بہت ڈھونڈا لیکن مجھے قادر بخش نہ ملا اور نہ ہی داتا حضور کو سلام کا جواب۔

کراچی کے صوفی بہار دین کا داتا حضور کو سلام

میں بار بار داتا حضور پر سلام کر چکا تھا اور جواب نہیں آ رہا تھا۔ بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کر رہا تھا کہ اللہ میاں کو بار بار روشن کر دے۔ حجاب اٹھا دے۔ میری آنکھ کھول دے تاکہ میں باطنی دنیا دیکھ سکوں اور صاحب مزار سے رابطہ کر سکوں۔ اللہ تبارک اور صاحب مزار سے رابطہ کے مجرب و ظائف میری کتاب ”سرمایہ درویش“ میں موجود ہیں سالکین کو اللہ تعالیٰ سے استفادہ ہو سکتے ہیں۔

آخر میرے رب کو ہمیشہ کی طرح مجھ پر ترس آ گیا۔

ہوا تو میں نے مختلف مزارات پر جانا شروع کر دیا۔ پہلے مری کے گرد و نواح میں پیدل سلام کرنے جانا شروع کیا۔ اگلے میں کھو میٹر بلکہ اس سے بھی زیادہ پیدل سفر کرتا یہاں تک کہ طالب علموں اور لوگوں نے میرے ساتھ جانا چھوڑ دیا۔ مجھے لگتا تھا کہ پیدل جاؤں گا تو لنگر ملے گا۔

مری کے بعد لاہور و ملتان اور دور دراز کے مزارات پر جنوبیوں کی طرح حاضری دیتا رہا وہاں مراقبہ کر کے سرشاری ضرور بڑھتی لیکن روشنی نہ ملی۔ بے شمار مزارات پر حاضری دی، جس مزار سے مجھے روشنی اور روحانیت کا لنگر ملا نہ گیا بلکہ وہاں بعد میں جانا ہوا۔

داتا حضور کے در پر

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکار مدینہ کے بعد میرا دیوانگی اور جنون کی حد تک عشق شہنشاہ کو ہمارا بری امام شہنشاہ اجیر خواجہ غریب نواز سلطان الہند سے ہے اور میں بار بار بری سرکار اور بھارت میں اجیر شریف جاتا ہوں۔ لاہور میں شہنشاہ لاہور داتا علی جویری سرکار کا بھی اپنا ہی نشہ اور سرور ہے۔ اور آپ واقعی شہنشاہ لاہور ہیں کیونکہ خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی سرکار نے بھی یہاں پر چلہ کاٹا اور سلوک کی منازل طے کیں۔ اسی طرح شہنشاہ پاک نے فرید نے بھی یہاں پر حاضری دی اور چلہ کاٹا۔ ان کے علاوہ ہر دور کے بزرگ، صوفی درویش نے داتا حضور حاضری دی اور اپنا باطن انوارات سے بھر کر لے گئے۔ راہ سلوک کی وہ منازل جو طے نہیں ہوتیں داتا حضور کے کرم سے سالکین یہاں فیض پاتے ہیں۔

باقی سالکین کی طرح میں بھی بے شمار دفعہ داتا حضور کے در پر سلام کر چکا ہوں اور ہمیشہ ہی سرکار نے اپنا کرم اور فیض دیا۔

ریلوے اسٹیشن راولپنڈی کا مزدور درویش

بیان دنوں کی بات ہے جب میں مری میں تھا۔ مراقبے اور باقی روحانی مشغولوں میں لگا ہوا تھا۔ تلاش حق میں مارا مارا پھرتا تھا۔ ایک بار میں لاہور آنے کے لیے راولپنڈی اسٹیشن پر اترا۔ میرے پاس سامان زیادہ تھا۔ ایک گلی کو بلایا۔ وہ میرا سامان اندر لے گیا۔ اُس کو بیٹھا کر میں ٹکٹ لینے چلا گیا۔ واپس آ کر مزدور سے پیسے پوچھے تو اُس نے بہت مناسب بلکہ کم پیسے مانگے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اتنا ایماندار بندہ ہے۔ اُس کے پاس بیٹھ کر گپ شپ لگانے لگا تاکہ ناظم پاس کر سکوں۔ اچانک مزدور مجھ سے کہنے لگا کہ جناب آپ لاہور جا رہے ہیں نا۔ میں نے کہا ہاں، تو وہ بولا جناب داتا حضور میرا سلام کہنا۔ میرا بہت دل کرتا ہے کہ میں بھی جاؤں۔ جب داتا صاحب اجازت دیں گے میں بھی سلام

کہ اس نے کئی بار میرے ساتھ گناہ کیا ہے۔

میرے اللہ نے کس طرح میری مدد اور اُس زانی کا پول کھول دیا، مرید کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا اور چڑی مالک نظریں جھکائے کھڑا تھا۔

لوگوں نے ملنگ کو جوتے مارنے شروع کر دیئے۔ میں اور میرا دوست وہاں سے آگے چل دیئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ درباروں، مزاروں پر بعض نام نہاد چڑی، بھنگی، ملنگ آتے ہیں جو عقیدت مندوں کی عزت سے کھیلتے ہیں اور لوگوں کو لوٹتے ہیں جبکہ اصل بزرگ درویش صاحب مزار سے روحانی فیض لینے آتے ہیں اور بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور غریبوں میں پیسے بھی بانٹتے ہیں۔ رنگ رنگ کے لوگ ان جگہوں پر آتے ہیں۔

بدکردار زانی بابا

ذکر ہو رہا ہے بدکردار بابوں کا تو میں ایک ایسے زانی بابے کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ مریدین اور عقیدت مندوں کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ بہتر فیصلے کر سکیں۔ جمعہ کا دن تھا، میں اپنے آستانے پر لوگوں سے مل رہا تھا جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جمعہ کو میں سارا دن حاجت مندوں سے ملتا ہوں کیونکہ لوگ بہت ہوتے ہیں اور میں سارا دن اور رات 3 بجے تک لوگوں سے ملتا ہوں۔ اُس دن بھی میں لوگوں سے مل رہا تھا۔ ایک خوبصورت عورت کی ہادی جب آئی تو وہ بولی کہ پروفیسر صاحب میں آخر میں باری لوں گی۔ میں نے کہا بابی! آپ بہت لیٹ ہو جائیں گی۔ بولی کوئی بات نہیں۔ آخر جب سب لوگ چلے گئے تو میں اُس عورت سے مخاطب ہوا جی بہن بتائیں کیا مسئلہ ہے تو وہ عورت رونے لگی کہ پروفیسر صاحب میں بہت مشکل میں ہوں، پلیز میری مدد کریں۔ میں بہت مجبور ہوں خدارا میری مدد کریں۔ میرے پوچھنے پر اس نے ایک خط میری طرف بڑھایا کہ آپ یہ پڑھ لیں میں بتا نہیں سکتی میں نے اُس کا خط پڑھنا شروع کیا جس میں لکھا تھا:

میرے خاوند صاحب اپنے مرشد سے دیوانہ وار عشق کرتے ہیں۔ مرشد کا حکم اُن کے لیے سب سے بڑا ہے۔ جو مرشد نے کہا ہے انہوں نے وہی کرنا ہے۔ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہوا ہے صرف اولاد نہیں ہے، اس کے لیے ہم در بدر بے شمار بابوں کے پاس گئے ہیں۔ اسی دوران ہم اس بابے کے پاس گئے۔ اس بابے نے میرے خاوند کو اپنے سہانے خواب دکھائے کہ میرا خاوند ان کا مرید ہو گیا اور مجھے بھی ان کا مرید کرا دیا۔ اب اس بابے نے پتہ نہیں میرے خاوند پر کیا جادو کر دیا ہے کہ میرا خاوند دیوانہ وار باباجی کو مانتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر بابا کہہ دیں کہ اپنی عورت کو چھوڑ دے یہ مجھے بھی چھوڑ دے۔ اب باباجی نے ہمارے گھر آنا شروع کر دیا کہ آپ کے گھر میں پڑھائی کرنی ہے، یہاں پر جتنا جادو اور جادو بہت ہے، اس کا علاج کرنا ہے۔ میرے گھر آنا جانا اتنا زیادہ ہوا کہ اکثر رات بھی باباجی ہمارے گھر گزارتے۔ میرے میاں کو بزنس کے سلسلے میں اکثر کراچی اور دہلی جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک بار کراچی گئے ہوئے تھے کہ باباجی

انہی کی حفاظت کے لیے گھر میں چھوڑ گئے۔

میں نے رات کو باباجی کو کھانا دیا تو باباجی بولے: رات کو میرے کمرے میں آنا پڑھائی کرنی ہے۔ میں رات کو باہر نکلی۔ باباجی پہلے تو میرے اوپر دم کرتے رہے پھر بولے: میں تھک گیا ہوں مجھے دباؤ۔ میں نے دل نہ چاہتے ہوئے بھی ادا شروع کر دیا۔

باباجی کہنے لگے تمہارے میاں میں مسئلہ ہے لہذا اولاد نہیں ہو سکتی۔ اب اگر اولاد نہیں ہوگی تو وہ تم کو ملال دے دے گا لہذا تم مجھ سے نکاح کرلو۔ میں نے کہا باباجی کیسا نکاح وہ آپ کا مرید ہے۔ میں اُس کو کبھی نہیں کہلاؤں گی۔ بابا بولا میں نے کب کہا اُس کو چھوڑو۔ یہ ایک اور قسم کا نکاح ہوتا ہے تم بیوی اُس کی رہو گی اور میرے ساتھ بھی تعلقات بنا لو۔ اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو تم جانتی ہو وہ میری کتنی بات مانتا ہے۔ میں جب ہاواں تم کو طلاق دلا دوں گا۔ میں اچھی طرح براہی تھی کہ میں اگر اپنے خاوند کو بتاؤں گی تو میرا خاوند کبھی نہیں مانے گا۔ وہ بابا کے کہنے پر مجھے چھوڑ دے گا لہذا میں اپنا گھر بچانے کے لیے گناہ پر مجبور آدہ ہو گئی۔ اب جب بھی میرا خاوند میرے باہر جاتا ہے بابا رات کو میرے ساتھ گناہ کرتا ہے۔ میں گناہ اور ضمیر کی ملامت سے تنگ آ کر آپ کے پاس آئی ہوں کہ خدارا میری اس زانی بابے سے جان چھڑائیں، میں مزید گناہ نہیں کرنا چاہتی۔ میرا گھر بچالیں۔

میرے خاوند کو اس زانی بابا سے نجات دلائیں، میری مدد کریں۔ میں شدید حیرت اور دکھ سے اُس بچاری عورت کا خط پڑھ رہا تھا اور وہ رورہی تھی اور بتا رہی تھی کہ میرے ماں باپ فوت ہو گئے ہیں۔ ہم صرف دو بہنیں ہیں۔ میں کسی کے پاس جا بھی نہیں سکتی۔ مجھے مظلوم عورت کا خط پڑھ کر بہت دکھ اور غصہ آیا۔ میں نے کہا بتاؤ بہن اس کا کیا کر سکتا ہوں۔ وہ بولی پروفیسر صاحب اسی لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔ بابا کہتا ہے میرے پاس جن ہیں، میں مل کر کے تجھے برباد کر دوں گا۔ میں نے عورت کو حوصلہ دیا۔ بہن! اُس کے پاس کچھ نہیں ہے نہ وہ کچھ کر سکتا ہے۔ میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے آپ کسی دن باباجی سے فون پر بات کرو اور کہو کہ باباجی! مجھے اب گناہ سے ارگنا ہے، میں نے توبہ کرنی ہے، خدا کے لیے اب آپ میرے ساتھ ایسے نہ کرو، اور گفتگو ریکارڈ کرلو۔ عورت نے اسی طرح کیا اور باباجی کی گفتگو ریکارڈ کر لی۔

میں وہ ریکارڈنگ اور اپنے ایک پولیس آفیسر اور چند سپاہی لے کر باباجی کے پاس گیا اور علیحدگی میں باباجی کو سنا دیا اور بتایا کہ ہمارے پاس تمہارے گندے کرتوتوں کے اور بھی ثبوت ہیں۔ آج کے بعد اگر تم کبھی بھی اس شہر یا اُس عورت یا خاوند کی زندگی میں نظر آئے تو تمہارا حشر بڑا کروں گا۔ باباجی بری طرح ڈر گئے اور اگلے دن ہی شہر چھوڑ کر بھاگ گئے اور آج تک واپس نہیں آئے۔

یہاں یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ خدارا کبھی بھی اپنی غیر موجودگی میں کسی پیر یا بابے کو گھر میں نہ آئے دیں اور نہ ہی خالی کمرے میں اکیلی عورت کو دم یا علاج کرائیں۔ بلکہ ساتھ کسی مرد کا ہونا بہت ضروری ہے، نام نہاد بابوں اور ملنگوں پر خدارا یقین نہ کریں اور کھلی آنکھوں سے دیکھ کر کہہ کر کسی کو مرشد یا پیر بنا نہیں۔

بدکردار زانی بابے کے انجام سے مجھے بہت خوشی اور اطمینان تھا۔ اب میرے اندر ایک اعتماد تھا کہ اس کے بدکردار اور ڈاکو لیروں کا مقابلہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

کیونکہ روحانی مسافر اور عالمین حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ روحانی دنیا میں آپ کا واسطہ رنگ برنگ عالموں، ملکوں اور نام نہاد پیروں، جوتشیوں اور غیر مرقی طاقوتوں کے حامل حضرات سے پڑتا ہے جو طاقت اور غرور نفس میں انسانوں کو کیڑے مکوڑے سمجھ کر ان کو مسل رہے ہوتے ہیں اور لوگوں کی غیبتوں سے بھی سرعام کھیل رہے ہیں۔ کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان ظالموں کا مقابلہ کر سکے۔ یہ اپنی شیطانی طاقتوں کے بل بوتے پر فرعون بنے نظر آتے ہیں اور خود کو مقدر کا سکندر کہتے ہیں کہ ہم جس کو چاہیں آسمان پر لے جائیں اور جس کو چاہیں زمین میں دفن کر دیں۔

یہ واقعہ بھی ایک ایسے ہی خالم عامل کا ہے جو شیطانى طاقتوں کے بل بوتے پر فرعون بنا ہوا تھا اور دعویدار تھا۔ کوئی میرا مقابلہ یا سامنا نہیں کر سکتا۔ میری صرف جیت ہی ہے، جس کو چاہوں جیت دوں، جس کو چاہوں ہار دوں۔ میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

اُن دنوں میں مری میں تھا کہ ایک دن میرا ایک کلاس فیلو اپنے کسی دوست کو لے کر میرے پاس آیا اور آ کر کہہ اٹھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم بھی پیر بن گئے ہو۔ کیونکہ میں پیری فقیری کو نہیں مانتا لیکن تم کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم فراموش نہیں ہو سکتے اس لیے یہ Case لے کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ امید ہے کہ تم میرے دوست کی مدد کرو گے یا کوئی اچھا مشورہ دو گے۔ میرے پوچھنے پر میرے کلاس فیلو کے دوست نے بتایا کہ وہ اچھا خاصہ زمیندار ہے۔ گاؤں میں رہتا ہے۔ بڑے زمینداروں کی طرح اس نے بھی کچھ شوق پال رکھے ہیں۔ اُن میں سے ایک شوق کبوتر بازی ہے۔ ہم دو بہت سے لوگ جیت ہار کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم ہر سال جون کے مہینے میں کبوتروں کا مقابلہ کراتے ہیں۔ پورا پنجاب سے لوگ اس مقابلے میں حصہ لینے اور دیکھنے آتے ہیں۔ ہم پورا سال اس مقابلے کی تیاری کرتے ہیں۔ اس مقابلے کی انعامی رقم بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہمارے ساتھ کے گاؤں والوں سے ہمارا مقابلہ ہوتا ہے۔ پہلے تو یہ مقابلہ کبھی ہم اور کبھی وہ جیت جاتے تھے لیکن پچھلے تین سال سے یہ مقابلہ ہمارے مخالفین جیت جاتے ہیں۔ ہار جیت کھیل کا حصہ ہوتی ہے۔ ہم اپنے مخالفین کا مقابلہ تو کر ہی رہے تھے اب ہمیں شک ہے کہ ہمارے کبوتروں پر کوئی جادو کر دیتا ہے۔ جنات ہمارے کبوتروں کو پکڑ کر لے جاتے ہیں یا عجب کر دیتے ہیں۔ اُس کی بات سن کر میں ہنس پڑا کہ کس وہم اور شک کی بات کر رہے ہو۔ یہ کس طرح ممکن ہے، ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بھند تھا کہ وہ کسی ملنگ جادوگر کو لاتے ہیں وہ کچھ پڑھائی کرتا ہے جس سے ہمارے کبوتر پرواز جاری نہیں رکھ پاتے اور اس طرح ہمارے مخالفین جیت جاتے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ

یہ شک تھا کہ یہ اپنے کبوتروں کو کوئی خاص خوراک یا نسخہ کھلاتے ہیں۔ اس کو جاننے کے لیے ہم نے مخالفین کے پاس خاصا پیپر دیا تو اُس نے بتایا کہ نسخہ وغیرہ کچھ نہیں ہے، ان کے پاس سندھ سے ایک ملنگ آتا ہے جو بھنگ اور ہے اور کوئی پڑھائی بھی کرتا ہے، اُس کی پڑھائی یا عمل کی وجہ سے اُن کے کبوتر جیت جاتے ہیں۔ میرے بار بار اُن کے بعد جب یہ Clear ہو گیا کہ واقعی کوئی ایسی بات ہے تو میری دلچسپی بھی اس Case میں بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اُن سے کہا کہ کسی طرح مجھے اُن کے گاؤں پہنچا دو۔ تو وہ بولے یہ تو بہت مشکل کام ہے لیکن پھر بھی ہم کوشش کریں گے۔ اب فیصلہ یہ ہوا کہ اس تمام معاملے کو انتہائی خفیہ رکھا جائے گا اور کسی طرح اُن کے نوکر کے ذریعے مقابلے کے دن یا ایک دن پہلے مجھے اُس گاؤں میں اُن کے ڈیرے پر کسی طرح پہنچایا جائے۔ میں بہت زیادہ Excited ہو چکا تھا۔

کیونکہ ایسی ہی شیطانی قوتوں کے حامل شخص سے میں بھی ایک بار مل چکا تھا۔ مری میں ہی میرے ایک دوست صاحب کے شہر سے ایک عامل آیا، اُس کا رنگ کالا سیاہ تھا۔ وہ کالے جادو کا ماہر اور شیطانی قوتوں کا مالک تھا۔ اُس نے وہ کئی شادیاں کر چکا تھا۔ اُس کے چہرے کو دیکھ کر خوف آتا تھا۔ کالا سیاہ رنگ اور انتہائی تیز اور ناگوار بھونک بھونک اور ہر وقت وہ لگا کر رہتا۔ میں نے اُسے کہا کہ کوئی ایسا کام کرو کہ پتہ چل جائے کہ تمہارے پاس کوئی خاص طاقت ہے یا نہیں۔ اس نے کہا میں تم کو باندھ رکھا ہوں۔ تمہارے کہنے پر اُس نے چند پتھر کی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر آگ میں پھینک دی۔ اُس نے کہا میں تم کو باندھ رکھا ہوں۔ تمہارے کہنے پر اُس نے چند پتھر کی کنکریوں پر کچھ پڑھ کر آگ میں پھینک دی۔

اب ہم نے جنگل میں جا کر چولہا بنایا۔ اُس میں اُس نے کنکریاں ڈال دیں۔ اب ایک گھنٹہ تک ہم آگ جلاتے رہے۔ آگ کے اوپر دیکچہ پانی والا رکھ دیا۔ آگ جل بھی رہی تھی لیکن پانی گرم نہیں ہو رہا تھا۔ ہم بار بار پانی کو چیک کر رہے تھے اور وہ کالا عامل اپنے اس کارنامے پر خوش ہو رہا تھا اور مغرور انداز سے اپنے کارنامے بیان کر رہا تھا کہ اس عمل سے کسی کی جان کا روبرو، فیکٹری وغیرہ بھی بند کی جاسکتی ہے۔ وہ اپنے ماضی کے کارنامے، کرامات کے طور پر بیان کر رہا تھا کہ کس طرح وہ لوگوں کے کاروبار وغیرہ بند کرتا ہے اور جب وہ لوگ علاج کے لیے اُس کے پاس آتے ہیں تو وہ اُن کے کاروبار کو کھول دیتا ہے۔ اس طرح وہ لوگ میرے احسان مند ہو کر میرے مرید بن جاتے ہیں۔ وہ بہت فخریہ انداز سے اپنے گناہوں کے کارنامے بتا رہا تھا۔ میری بہت منت سماجت اور پیسے لینے کے بعد اُس نے وہ عمل مجھے بھی دے دیا لیکن عمل لینے کے بعد جب میں نے عمل کو پڑھا تو وہ سارے کا سارا شرکیہ الفاظ پر تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے وہ کبھی بھی استعمال نہیں کیا۔ اور اسی ارادہ ہے۔ اب ہم اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔ میرا کلاس فیلو اور اُس کا دوست پروگرام بتا کر چلے گئے اور کہہ گئے کہ جون سے پہلے ہم آپ کو سارا پروگرام اور طریقہ بھی بتا دیں گے۔ وہ چلے گئے اور میں شدت سے جون کا انتظار کرنے لگا۔ جس طرح سپرے کو اگر پتہ چلے کہ فلاں علاقے یا جگہ پر کوئی خاص قسم کا سانپ ہے تو وہ خوشی اور جوش سے اس کو پکڑنے جاتا ہے۔ میری بھی ایسی ہی حالت تھی کہ کب وہ وقت آئے گا جب اُس ملنگ سے ٹاکرا ہوگا۔ مجھے اپنے اللہ پر یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ میری ضرورت درکریں گے۔

آخر کار جون آ گیا اور میرے کلاس فیلو اور دوست نے آ کر مجھے سارا پان سمجھایا کہ کس طرح میں نے وہاں

جانتا ہے۔ انہوں نے کسی طرح اُس ملنگ کا ایڈریس لیا اور ایک اپنے بندے کو اُس کے پاس بھیجا۔ وہ بندہ کئی بار اُس کے پاس گیا۔ اُس کو کافی پیسہ بھی دیا اور اس کا مصنوعی شاگرد بن گیا۔ اس بندے کو مخالفین نہیں جانتے تھے۔ وہ بندہ ان ساتھ مری میرے پاس آیا اور مجھ سے مل کر سارا پلان بنا گیا کہ میں نے ملنگ سے کہا ہے کہ میرا ایک کزن ہے وہ بہت دوستی ہو چکی تھی۔ اب ہم سب شدت سے مقابلے کی تاریخ کا انتظار کرنے لگے۔ مقررہ دن صبح سویرے میں اُس گاؤں گیا جہاں پر کبوتر بازی کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ کیونکہ میرا تعلق گاؤں سے ہے اس لیے میں پہلے سے ہی گاؤں کے کچھ لوگوں کی طرح جانتا تھا اس لیے مجھے زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔ ملنگ اور اس کا نام نہاد شاگرد گاؤں سے باہر ایک نیوے ویل کے گھنے درخت کے نیچے چار پائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں آسانی سے اُس بندے کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچ گیا۔ ملنگ بابا اور اُس کے پاس بیٹھے ہوئے لڑکے چرس کے سگریٹ پنی رہے تھے۔ چاروں طرف چرس کی مخصوص بو پھیلی ہوئی تھی۔ دو لڑکے ملنگ کی ناگوں کو دبا رہے تھے اور دو لڑکے بھنگ گھوٹ رہے تھے۔ بھنگ کے پیالے پاس پڑے ہوئے تھے۔ بھنگ گھوٹنے والے ڈنڈے کے ساتھ ہنگر و بندھے ہوئے تھے جن کی جھنکار، چرس کی بو اور ملنگ کا بادشاہ سلامت کی طرح رنگین پائیوں والی چار پائی پر گائیکوں کے سہارے لیٹنا، پورا ماحول بنا ہوا تھا۔ تھوڑی دور کوئی دیہاتی عورت دکان مرغوں کا سالن بنا رہی تھی۔ دیسی مرغوں کے بھوننے کی خوشبو نے حوصلہ کو اور بھی خاص بنا دیا تھا۔ اُس بندے نے ہر طرف تعارف ملنگ سے کرایا۔ ملنگ کی بڑی بڑی سرے لگی آنکھوں سے نشے کی سرفی واضح نظر آ رہی تھی۔ لمبے بالوں کی لٹوں کا خوب تیل سے چمکایا ہوا تھا۔ تھوڑا دور چولہے پر دیہاتی عورت اور اُس کی بیٹی کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔ ملنگ کو نشہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ حریصانہ اور ہوس بھری نظروں سے اُن عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ ملنگ کو دیکھ کر مجھے مغل بادشاہ رنگیلا شاہ یاد آ گیا جس کی عیاشی کی داستانیں آج تک لوگوں کو یاد ہیں۔ میں نے مصنوعی عقیدت اور احترام کا اظہار کیا کہ میری خوش قسمتی ہے یہ وقت کے بہت بڑے آدمی سے مل رہا ہوں۔ ملنگ میری طرف بہت مغرور اور متکبرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور میں مقامی تمندوں کی طرح سر جھکائے سامنے بیٹھا تھا۔ لیکن میرے اندر نفرت اور غصے کا لاوا ابلنے کو بے تاب تھا۔ میرا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ فقیری اور درویشی کی باتیں کر رہا تھا اور اپنے چلوں اور ریاضتوں کی باتیں کہ یہ بہت مشکل کام ہے، ہر کوئی نہیں کر سکتا۔ میں ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ اس وقت میں اُس کی کبواں سننے پر مجبور تھا۔ وہ بادشاہ سلامت بن کر تخت پر بیٹھا تھا اور ہم نوکروں کی طرح سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اس دوران بھنگ تیار ہو گئی۔ ہم رفع حاجت کا بہانا بنا کر اٹھ کر فصلوں کی جانب چلے گئے۔ مجھے ڈرتا تھا کہ کہیں مجھے بھی بھنگ کی آفر نہ کر دے اور میرا انکار اُسے ناگوار نہ گزرے۔ جب میں نے دیکھا کہ ملنگ نے بھنگ پنی لی ہے تو واپس اُس کے پاس آ کر عقیدت مندوں کی طرح بیٹھ گیا۔ چرس اور بھنگ کا نشہ اب اُس کو چڑھ رہا تھا اور وہ اول فول بک رہا تھا اور میں سن رہا تھا۔ دوپہر کے بعد گاؤں سے ایک بندہ آیا اور اُس نے آ کر کہا کہ ملنگ بابا جی! کبوتروں کا مقابلہ جاری ہے، اب آپ اپنا عمل شروع کر دیں۔ لہذا اب ملنگ نشے میں دھت چار پائی سے اتر ا اور کھیتوں کی جانب چلنا شروع ہو گیا۔ ملنگ نے مجھے بھی اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اب ملنگ میں اور وہ بندہ جواب

میں ملک کا شاگرد بننے جا رہا تھا۔ ملک مجھے اپنی قوت دکھانا چاہتا تھا۔ وہ اپنی پراسرار قوتوں کی دھماکا
کھانا چاہتا تھا اور میں پچھلے کئی مہینوں سے اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ کھیتوں اور فصلوں میں اُس کے آنے کا
میں نے پتا چلا تھا۔ راز رکھنا چاہتا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ وہ نشے سے لڑکھڑاتا ہوا فصلوں کے درمیان گنڈنڈی پر
اُس کے پانا ہار ہاتھ اور ہم اُس کے پیچھے پیچھے عقیدتمندوں کی طرح چل رہے تھے۔ آخر کافی دور آ کر وہ ایسی جگہ بیٹھ
گیا۔ فصلوں بہت اونچی تھیں۔ ہم کسی کو بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ میری طرف دیکھ کر مغرور لہجے میں بولا، تم نے آج
میں کو دیکھا ہوگا جو میں تم کو دکھاؤں گا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ شاید کسی کبوتر کی تلاش میں تھا۔ آخر
میں نے آسمان کی بہت اونچی بلندیوں میں نظر آ گیا۔ اُس نے میری طرف دیکھا اور بولا وہ کبوتر تمہیں نظر آ رہا ہے؟
میں نے اُس کی انگلی کے اشارے کی طرف دیکھا تو مجھے بھی بہت بلند آسمان کی وسعتوں میں کبوتر اڑتا ہوا نظر آیا جو بہت
دور سے آ رہا تھا۔ اُس کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے اُس نے پڑھائی شروع کر دی۔ وہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا اور
میں نے گرج دار آواز میں پڑھ رہا تھا۔ وہ غیر مسلم شیطانی قوتوں کو مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ جدھر کبوتر پرواز کرتے
تھے ہمارے اُن کی انگلی اور نظر بھی اُدھر ہی جاری تھی۔ میں نے غور کیا تو مجھے لگا کہ کبوتر اب نیچے کی طرف آ رہا ہے۔
میں نے اُس کی طرف دیکھ کر میں ششدر رہ گیا کہ میلوں دور کبوتر اُس کے سحر میں آ چکا تھا۔ اب وہ اُس کی انگلی کے اشارے
کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میں نے پڑھ رہا تھا کہ جیسے اُس کے اندر کوئی بدروح یا شیطانی قوت حلول کر گئی ہو۔
میں نے اُس کی انگلی کو ایک دم زور سے ایک جھٹکے کے ساتھ نیچے کیا کیونکہ کبوتر پہلے ہی اُس کے ٹرانس میں آ چکا تھا،
میں نے اُس کی رفتار سے آسمان کی بلندیوں سے ہم سے کچھ دور نیچے گر پڑا۔ جس انداز سے کبوتر نیچے گرا اُس سے اندازہ
لگایا تھا کہ وہ شاید اب زندہ نہیں ہے۔ جدھر کبوتر گرا تھا ہم دوڑ کے اُس طرف گئے وہاں پر جو منظر تھا اُس نے میری روح کو
دھماکا دیا۔

کہو کہ ہم مردہ پڑا تھا اُس کی چونچ خون آلود تھی اور آنکھوں میں شدید خوف اور موت کے سائے لہرا رہے تھے۔
کہو کہ کاہنم مردہ جسم، خون آلود چونچ اور بے بسی سے ہماری طرف دیکھنا نے مجھے ہلا کے رکھ دیا۔ مانگ نے
اپنی اس کوڑاٹھا لپا اور مغرور فاختانہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ اس کو عمل کہتے ہیں۔ خدا ہوں جس کو چاہوں
اس کی دوں جس کو چاہوں موت۔ میں سپاٹ نظروں سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ میری طرف اس طرح دیکھ رہا تھا کہ
جیسے اُس کی داد وادہ کروں گا۔ عقیدت و احترام سے اُس کے قدموں میں گر جاؤں گا اُس کو اپنا مرشد تسلیم کر لوں گا۔ وہ داد
دے گا۔ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے سرکس کا کھلاڑی کوئی کرتب دکھا کر لوگوں سے داد وصول کرتا ہے۔ انہی
نظر سے وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پہلے تو میری نظریں سپاٹ اور خالی تھیں لیکن اب آہستہ آہستہ میری آنکھوں
پر اثرات کے تاثرات آرہے تھے۔ میری کنپٹیوں میں آگ لگ چکی تھی۔ اُس کو میرے اس Re-action کی
وجہ سے غصہ ہو گیا۔ وہ بولا جناب ڈر گئے ہو آپ کا دل اتنا کمزور ہے۔ کبوتر کو مرتے ہوئے نہیں دیکھ سکے۔ اپنے شاگرد
کو ایسا مارا یہ بندہ تو بہت بزدل اور ہلکے دل کا ہے۔ اُس کی بو اس سن کر مجھے اور بھی غصہ آ گیا۔ اب میری باری تھی۔

میں نے اللہ کا نام لے کر اپنا حصار کیا اور وہ عمل شروع کر دیا جو مجھے بابا اللہ دتہ صاحب نے دیا تھا کہ کس طرح ظالم عالم

خدا کی تلاش

اب اللہ اللہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں، میں بڑا عرصہ کنفیوز رہا کہ اس کو لکھوں کہ نہ لکھوں کیونکہ اس سے گمراہی ہو جائے گی۔ لیکن چونکہ میں نے یہ تمام واقعات خلوص نیت کے ساتھ اس لیے لکھے ہیں کہ راہ حق کے تلاش حق کے دوران جن حالات سے میں گزرا ہوں میرے پڑھنے والوں کے دل پر گہرا اثر ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی اس کائنات میں ہمیں تنوع اور درستی نظر آتی ہے۔ وہی اس کا اصل حسن اور خوبصورتی ہے۔ یہ تنوع انسانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ اگر ہم انسانوں کا بغور مطالعہ کریں تو یہ مختلف مزاج اور جسمانی و ذہنی استعداد رکھتے ہیں۔ انسان اپنے مزاج کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہے یعنی ان لوگوں کے پاس جانا اور وقت گزارنا پسند نہیں آتا۔ انسانوں کے ان گروپوں میں ایک ایسا گروپ یا طبقہ بھی ہوتا ہے جو خالق کائنات کے عشق میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فضل و کرم دیتا ہے اس کا مستحق سمجھتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے نوازتا ہے وہ کائنات کے ہر شے میں شمول ہوتے ہیں۔ یہ طبقہ پوری دنیا میں ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ ایسے لوگ مراقبہ، روحانیت اور اللہ تعالیٰ کی تلاش میں شامل ہوتے ہیں، یہ نہ چاہتے ہوئے بھی خدا کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں کیونکہ یہ فطری جذبہ ہے۔ یہ اپنی روحانی تلاش میں مجبور ہوتے ہیں، یہ نہ چاہتے ہوئے بھی خدا کی تلاش میں ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں۔ اس تلاش کے دوران ان کے دل میں اس وقت آتا ہے جب یہ لوگ نام نہاد، جھوٹے پیروں، فقیروں، جوتھیوں اور غیر مرمی قوتوں کے حامل ہونے سے نفرت میں پھنس جاتے ہیں۔ یہ وہ نازک مرحلہ اور انتہائی توجہ طلب نقطہ ہے جوش میں یہاں پر خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی تلاش میں پھنس جاتے ہیں۔ ایسے تمام روحانی طالب علم جو تلاش حق میں عرصہ دراز سے سرگرداں ہیں، وہ اس کو بغور پڑھیں، ان کے دل میں کوہ مری میں تھا اور میری روحانی زندگی کے ابتدائی دن تھے، مجھے خود بھی ابھی زیادہ پتہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ میں ہی تھا لیکن کچھ لوگ میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔ انہی لوگوں میں ایک ماں اور اس کا بیٹا بیٹا بھی آئے۔ ان کے دل میں شادی اور اپنی صحت کے لیے فکر مند تھی۔ اس لیے دم وغیرہ کروا جاتیں اور ماں کا بیٹا ہر بار مجھے اللہ تعالیٰ کے نور کو دیکھنا ہے۔ خدا سے ملاقات کرنی ہے، مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتا دیں کہ میری خدا سے ملاقات ہو سکے۔ ان لوگوں کے اس کام کے لیے وہ بے شمار بابوں، بزرگوں اور مزارات پر جا چکا ہے لیکن ابھی تک اپنے مقصد میں

میں نے اللہ کا نام لے کر اپنا حصار کیا اور وہ عمل شروع کر دیا جو مجھے بابا اللہ دتہ صاحب نے دیا تھا کہ کس طرح ظالم عالم ان کے شیطانی عمل سے محروم کرنا ہے۔ میں سپاٹ نظروں سے اس کی طرف بڑھا اور بولا واہ جی واہ! کیا بات ہے۔ جا کر چھی ڈالی۔ اُس کی کمر پر تین بار ہاتھ مارا۔ Process اور پورا کیا جس سے کسی کی روحانی قوتیں سلب کی جاسکتی ہیں میرے عجیب و غریب رویے سے کچھ حیران اور پریشان لگ رہا تھا۔ اُسے میری سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میں گلے کر بیٹھا گیا۔ مجھے اپنے اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ تھا کہ اُس کا شیطانی عمل ختم ہو گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے یہی عمل میں زانی بدکردار ہونا پر آمنا چکا تھا۔ یقین کے لیے میں بولا بابا جی! یہ تو ہو گیا اب باقی کیورتوں کو بھی گراؤ تو اُس نے پھر ایک کیورت کو نظر میں لا کر آسمان کی طرف کر کے گرج دارواز میں پڑھائی شروع کر دی۔ جب اُس کو پڑھائی کرتے ہوئے کافی دیر ہو گئی اور کیورت کے ٹرانس میں نہیں آ رہا تھا تو وہ تھوڑا سا پریشان اور گھبراہٹا ہوا لگ رہا تھا۔ لیکن وہ بار بار نئے سرے سے پڑھائی شروع کر دیا ہر بار اس یقین کے ساتھ کہ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ جب وہ کامیاب نہیں ہو رہا تھا تو ساتھ آیا ہوا میرے کلاس فیلو کا اب میری طرف تھمیں آ میر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے بھی اب یقین ہو رہا تھا کہ اُس کا شیطانی اور ظالمانہ عمل اب ختم ہو چکا ہے اور وہ پوری کوشش کر رہا تھا لیکن بار بار کی پڑھائی کے باوجود کیورت اب اُس کے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

اُس کو اپنے عمل پر پورا یقین تھا۔ اس عمل کو وہ کئی بار آزما چکا تھا۔ اُسے کبھی بھی ناکامی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ آج زندگی میں پہلی بار اُس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑ رہا تھا اور وہ ناکامی کا بالکل بے یقین نہیں تھا۔ اُس کا سر اسرار روحانیت پر ہوا چکا تھا۔ بلکہ اب وہ بہت پریشان ہو رہا تھا۔ وہ بار بار پڑھ رہا تھا اور سوچ بھی رہا تھا۔ اچانک جیسے اُس کے دماغ میں خیال آیا۔ وہ ایک دم حیران نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔ اُس کو شاید میرا اسرار رویہ، اُس کی طرف کچھ پڑھا ہوئے جانا اور اُس کو گلے مل کر اُس کی کمر پر تین بار ہاتھ مارنا۔ وہ اپنے شاگرد سے مخاطب ہوا اور میری طرف اشارہ کر کے بولا یہ کون بندہ ہے، کہاں سے آیا ہے اور یہ کیا کرتا ہے۔

وہ اُس سے بات کر رہا تھا کہ میں اُس کے پاس گیا۔ اُس کو کندھے سے پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا اور اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا: تم سانپ تھے میں نے تمہارا سارا زہر نکال دیا ہے، اب یہ زہر تم کبھی استعمال نہیں کر سکتے گے۔ تمہارا عمل ختم ہو چکا ہے۔ اب تم کبھی بھی کسی معصوم کیورت کو بے گناہ قتل نہیں کرو گے۔ کسی کا کاروبار تباہ و برباد نہیں کر گے۔ وہ حیران اور پریشان نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کو میری باتوں کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

اسی دوران پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت میرا دوست موٹر سائیکل لے کر اُس جگہ پہنچ چکا تھا۔ میں اُس کی حیران پریشان چھوڑ کر اپنے دوست کے ساتھ بیٹھ کر روڈ تک آیا اور بس میں بیٹھ کر مری کی طرف روانہ ہو گیا۔ بعد میں وہ چلا کہ وہ شام تک بار بار اپنے عمل کو آزماتا رہا لیکن ہر بار ناکامی اُس کا مقدر بنتی رہی۔ وہ اپنے شاگرد سے میرے بارے میں بہت پوچھتا رہا۔ اُس نے بتایا کہ اُس کے دور کے رشتہ داروں میں سے ہے۔ ملنگ بار بار مجھ سے ملنے کا کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ مختلف بہانوں سے اُس کو ٹھکرا رہا تھا۔ یہ ہمارا پہلے سے پلان تھا کہ میں اس سارے منظر میں ایک پراسرار اجنبی کے طور پر آؤں گا اور اپنا کام کر کے نامعلوم منزل کی طرف چلا جاؤں گا۔ میرے اللہ نے یہاں بھی مجھ پر اپنا کرم خاص کیا اور

اب اس نے نماز روزے بند کر کے مار پیٹ کر کے اسے شہر سے نکال دیا لیکن دونوں شہروں میں اس کے
شہر میں اس پر اپنی جان دینے کو تیار تھے۔ اب انہوں نے اس شہر کے باہر آ کر زمین خرید کر آستانہ بنالیا اور اب وہ یہاں
مائل ہاٹ رہا ہے اور لوگ دیوانہ وار اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہو رہے ہیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اب اس کے
ارادت میں کچھ بڑے سیاستدان اور اعلیٰ افسران بھی داخل ہیں۔ اس لیے اس سے لوگ اب ڈرتے ہیں۔ اس لیے
اس کے خلاف کسی بھی قسم کا ایکشن لینے سے گھبراتے ہیں۔

کیس کی نوعیت کافی سنجیدہ تھی، لہذا اس لیے میں نے بابا یوسف مجذوب کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔ بابا جی
کے وقت شہر شہر گھومتے رہتے تھے، کافی تنگ ودد کے بعد بابا جی کا پتہ چلا تو میں ان کے پاس چلا گیا اور جا کر ساری
حال تو بابا جی بولے "ماسٹر یہ کوئی نئی بات نہیں، وہ تو جاہل اور ارتکاز کا ماسٹر ہے۔ وہ کسی بھی کمزور اعصاب کے بندے کو
اپنی ہمت کے اندر لا کر کچھ بھی دکھا سکتا ہے۔" بابا جی نے مجھے تمام طریقہ بتا دیا کہ اس کے پاس جا کر کیا کرنا ہے۔ بابا
جی نے ملنے کے بعد میں اس پیر سے ملنے اور مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ آج جب میں یہ واقعہ لکھ رہا ہوں تو مجھے بابا جی کا
حال اور معمول چہرہ یاد آتا ہے۔ کاش میں ان کی صحبت میں زیادہ وقت گزار سکتا۔ بہر حال بابا جی سے ہدایات لے کر میں
اس مری آ گیا اور اگلے ہی دن اس نوجوان اور ماں کے گھر چلا گیا۔ وہ مجھے اپنے گھر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ میں نے
اس کے ساتھ ساتھ جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ ہماری مدد ضرور
کے گا۔ میں نے جوان سے کہا کہ میں نے تمہارے مرشد کی بہت تعریف سنی ہے۔ میرا بھی بہت دل کرتا ہے کہ تمہارے
مرشد کے روشن کرسکوں، تو وہ جوان بہت خوش ہوا اور اپنے مرشد کی کرامات اور روحانی مقام بتانے لگا۔ میں مصنوعی دلچسپی
کے ساتھ اس جوان اور اس کے مرشد کی باتیں سنتا رہا۔

اس سے جانے کا دن مقرر کر کے میں واپس مری آ گیا۔ مقررہ دن جوان میرے پاس آ گیا۔ وہ بہت خوش تھا
کہ پروفیسر صاحب کو اپنے مرشد کا مرید بنا کر وہ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دے گا۔ مرشد بھی بہت خوش ہوگا اور پروفیسر
صاحب کے پاس جو لوگ آتے ہیں، وہ بھی مرشد کے مرید ہو جائیں گے۔ وہ اپنی چال میں تھا اور میں اپنی چال میں۔ وہ
میں ہمارا ہاتھ اور میں اس کو پھنسا رہا تھا۔ ہم دونوں اُس بس میں بیٹھ کر اس شہر کی طرف روانہ ہو گئے جہاں پر اس کا مرشد
تھے۔ فیوض و برکات بانٹ رہا تھا۔ سارے راستے وہ اپنے مرشد کے کارنامے اور روحانی تصرف کی کرامات بڑھا
تے۔ اُن کا کرتا جا رہا تھا اور یہ بھی کہا کہ یہ میرے مرشد کی روحانی طاقت ہے کہ پروفیسر صاحب آپ کے دل میں ان
کے خیال آیا۔ وہ جس کو پسند کرتے ہیں، اپنا مرید بنا لیتے ہیں۔ میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ
مرشد کے مرید ہوتے ہیں کہ میں ان کا مرید۔ خیالوں کے انہی تانوں بانوں میں آخر کار ہم اس شہر پہنچ گئے۔ کیونکہ پیر کا
آستانہ شہر سے باہر تھا، لہذا اب ہم شہر کے باہر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہی میں نے جوان کو بتا دیا کہ بعض اوقات
مرشد کو کوئی چیز حاضر ہو جاتی ہے تو اگر میں پیر صاحب کی شان میں کوئی گستاخی یا بے ادبی کروں تو تم پریشان نہ ہونا۔
پیر صاحب خود ہی مجھے ٹھیک کر دیں گے۔ سورج غروب ہو گیا تھا اور شام کے سائے تیزی سے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے

کا میاب نہیں ہو سکا۔ اس تلاش میں وہ کبھی کبھار میرے پاس بھی آ جاتا تھا کیونکہ مجھے خود بھی اتنا زیادہ پتہ نہیں تھا اس
کہتا کہ تم اپنی کوشش جاری رکھو، اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ وہ بچہ پانچ وقت کا نمازی اور چہرے پر
داڑھی مبارک رکھی ہوئی تھی اور گھر میں بھی اسلام نافذ کیا ہوا تھا۔ یہ دونوں ماں بیٹا کچھ عرصہ تو میرے پاس آتے رہے،
یہ اچانک آنا بند ہو گئے اور تقریباً ایک سال کے بعد وہ بوڑھی ماں پھر میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں نے ایک بات کر لی
ہے، لہذا میں رش سے دور جا کر بوڑھی ماں کے پاس بیٹھ گیا اور کہا، جی ماں جی، حکم کریں۔ خیر ہے نا تو وہ بوڑھی ماں بولی،
اسی لیے تو آپ کو ادھر لے کر آئی ہوں، وہ آج کل ایک پیر کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے خدا مل گیا ہے۔ تو ماں جی
تو بہت اچھا ہوا کہ اسے خدا مل گیا، اسے اور کیا چاہیے تھا، وہ تو اسی تلاش میں تھا، تو وہ روتے ہوئے بولی، خدا نہیں اس
شیطان مل گیا ہے۔ کیا؟ میں حیرت سے بولا۔ ماں جی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ تو وہ بولی کہ وہ جب سے آپ کے پاس
نہیں آ رہا، وہ ایک پیر کے پاس جا رہا ہے۔ اس کا پیر جو بھی اُلٹے سیدھے کام کہتا ہے، یہ غلاموں کی طرح کرتا جا رہا تھا لیکن
اب جو حرکت اس نے کی ہے اس کے بعد ہی میں پریشان ہو کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ بات دلچسپ مرحلے میں داخل
گئی تھی۔ میں بھی جاننا چاہتا تھا کہ اصل ماجرا کیا ہے تو وہ ماں بولی "اس کے مرشد نے اس کی داڑھی منڈوا دی ہے اور نماز
روزہ بھی بند کر دیا ہے کہ نماز روزہ عام مسلمانوں کے لیے ہے، کیونکہ تم نے مشاہدہ حق یا خدا کا نور دیکھ لیا ہے اب تم
شریعت لاگو نہیں ہوتی۔" پہلے تو ہم اس کو برداشت کرتے رہے لیکن وہ ہمیں بھی نماز روزے سے روکتا ہے اور کہتا ہے
کہ میرا مرشد خدا کا روپ ہے۔ آپ بھی سب گھروالے ابھی اس کو خدا مانیں۔ جب ہم نے انکار کیا تو وہ مار پیٹ پر اترا
کہ میرے مرشد کا حکم آپ سب کو ماننا ہوگا۔ اس کو ہم سب گھروالوں نے بہت سمجھایا تو جب وہ نہیں مانا تو ہم نے امام مسہر
کی مدد لی۔ اس نے بھی بہت سمجھایا بلکہ وہ امام صاحب ایک دن اس کے مرشد کے پاس گئے تاکہ ان کو سمجھا سکیں کہ آپ
داڑھی مبارک کے کیوں خلاف ہیں اور نماز روزے سے کیوں روکتے ہیں؟ تو پتہ نہیں مرشد نے مولوی صاحب کو کیا جلوہ
دکھایا کہ اس نے بھی داڑھی مبارک صاف کرادی اور نمازیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے اس کے پاس چلا گیا۔ یہ کہتا ہے کہ جو
نظارہ میں نے وہاں دیکھا یہ کہیں اور نہیں دیکھا۔ یہ بات سن کر میں بھی بہت حیران ہوا۔ ماں بتا رہی تھی کہ "ہمارے علاقے
کے کافی لوگ اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں جو اس کے پاس جاتا ہے، اسی کا ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں اس کے پاس کیا جاوا
ہے۔ کئی لوگ اس کے پاس غصے میں گئے لیکن اس کے قدموں میں بیٹھے نظر آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب اگر آپ کچھ کر
سکتے ہیں تو ضرور کریں۔" ماں کی ساری بات سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ معاملہ سنجیدہ نوعیت کا ہے، یہ عام قسم کا پیر یا
ملنگ نہیں ہے۔ اس کے پاس کچھ نہ کچھ تو ہے جس کی وجہ سے جو کوئی بھی اس کے پاس جاتا ہے، اسی کا اسیر ہو کر رہ جاتا
ہے۔ اب میں نے فیصلہ کیا کہ اس کے پاس جایا جائے لیکن اس سے پہلے اس کے بارے میں پتہ کروایا جائے تاکہ پتہ چل
سکے کہ وہ کیا ہے اور وہ کونسا روحانی ٹونکا یا تصرف استعمال کرتا ہے کہ ہر کوئی آنکھیں بند کر کے اس کے حلقہ ارادت میں
داخل ہو جاتا ہے۔ اور بچ پوچھیں تو میں بھی کسی حد تک اس سے ڈر گیا تھا۔ میں نے اس کے شہر میں اپنے کسی چاہنے والے کی
ڈیوٹی لگائی تو اس نے اس کا جوڈیلا (Data) دیا، وہ اس طرح تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی دو شہر چھوڑ چکا ہے بلکہ دونوں شہروں

مرشد غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ مرشد نے مجھے اپنے پاس بلایا اور اشارہ کیا کہ ادھر بیٹھ جاؤ۔ اسی دوران میں اس کا ہمدردی کا وقت پورا ہو گیا تو وہ تمام اٹھ گئے اور باری باری مرشد کے پاس آتے، سجدہ کرتے اور پاؤں کو چوم کر واپس لے لے گئے۔ اسی دوران میں نے مرشد کی طرف دیکھا تو وہ منگنی باندھے میری طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بھی بابا یوسف کے بتائے ہوئے طریقے پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنا شروع کر دیا۔ مجھے دو یا تین بار اپنے جسم اور دماغ میں چکر یا لرزش کا احساس ہوا لیکن میں اپنے ہوش و حواس میں رہا۔ اس نے کسی کو اشارہ کیا تو اس نے اس کے پاس والا سگریٹ اس کو پیش کیا۔ اس نے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لیے، وہ تیزی سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ جیسے ہی سگریٹ ختم ہوا ایک اور اس کو پیش کر دیا گیا۔ اب اس کی آنکھوں اور چہرے سے نشے کا احساس ہو رہا تھا۔ شاید اس نے خود کو مارا کیا تھا۔ اس نے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے اور قریب آ جاؤں لیکن میں نہ گیا تو اس کے مریدوں نے مجھے اٹھایا اور اس کے سامنے لا کر بٹھا دیا۔ اب وہ اور غور سے میری طرف گھور رہا تھا۔ وہ کافی دیر مجھے گھورتا رہا۔ پتہ نہیں وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اشارہ کیا تو کسی نے ڈیک پر قوالی لگا دی اور سب نے اٹھ کر ناچنا بلکہ دھمال شروع کر دی۔ مرشد خود بھی ناچنا شروع ہو گیا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ قوالی کی دھمال میں وہ جذب و سرکری انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر ہر گز اس کے اشارے پر ناچتا ہے۔ وہ خدائی روپ دھار لیتا ہے۔ وہ جس کو اشارہ کرتا ہے، وہ اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتا ہے۔ اس کی گرج اور آواز ملکوں کی دیوانہ وار دھمال اور چرس کی بونے ایک خاص ماحول اور سحر طاری کر دیتا تھا۔ اب وہ جس کی طرف اشارہ کرتا وہ تڑپنا شروع کر دیتا۔ کمرے میں موجود ہر بندہ اس کے اشارے پر ناچ رہا تھا۔ وہ مالک و مالک اس کے قلام۔ ہر کوئی گر رہا تھا، ناچ رہا تھا، تڑپ رہا تھا۔ وحشت کا ماحول طاری ہو چکا تھا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ اپنے روحانی عروج پر پہنچ گیا ہے تو اس نے ایک جھٹکے سے میری طرف اشارہ کیا کہ تم ابھی تک کیوں بیٹھے ہو، آؤ اور اس دھمال میں تم بھی شامل ہو جاؤ۔ میں اس سے پہلے بھی ایسی ہی دھمال میں شامل ہو چکا تھا لیکن وہ داتا حضور کے ماحول اور قرب الہی کے مسافر تھے۔ انہوں نے خود خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا جبکہ یہ تو خود ہی خدا ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔

میرے اوپر بھی ایک مخصوص جذبی کیفیت طاری تھی۔ یار قریب کا دل میں ورد کرتے ہوئے میں اس کے پاس گیا۔ اس نے مجھے پکڑا اور مجھے بھی دھمال میں گھمانے کی کوشش کی کیونکہ میں اس کے ٹرانس میں نہیں تھا، البتہ وہ نشے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دیوانہ وار دھمال ڈال رہا تھا اور اب مجھے بھی اسی دھمال کا حصہ بنانا چاہتا تھا کیونکہ وہ تمام ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ میں نے مرشد جو گھوم رہا تھا اور کوشش کر رہا تھا کہ میں بھی گھوموں، اس کے پاؤں میں اپنا پیرا اس طرح کہ یہ اتفاقاً معلوم ہو۔ کیونکہ وہ نشے میں تھا، اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور دھڑام سے نیچے گر پڑا۔ ملکوں کو جیسے اس حادثہ عظیم کا احساس ہوا، وہ تمام رک گئے اور لپک کر مرشد کو اٹھانے کی کوشش کی۔ انہیں بالکل بھی احساس نہ ہوا کہ ہمارے گھر میں نے کی ہے کیونکہ تمام ملک چرس کے نشے میں دھت تھے۔ اس لیے آہستہ آہستہ نازل ہو رہے تھے۔ انہوں نے مرشد کو پکڑ کر تخت پر ڈال دیا۔ مرشد حیرت اور شدید غصے سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ اس کا مالک ہو گیا۔ وہ چند لمحوں میری طرف حیران پریشان نظروں سے گھورتا رہا پھر اس نے تمام ملکوں سے کہا کہ سب باہر

رہے تھے۔ بہر حال تاریکی ہونے سے پہلے ہی ہم جھوٹے مرشد کامل کے آستانہ عالیہ پر پہنچ گئے۔ کیونکہ جوان یہاں اکثر حاضری دیتا تھا اس لیے لوگوں سے اس کی پرانی آشنائی لگ رہی تھی۔ صحن کو کراس کرتے ہوئے ہم ایک ہال کمرے میں داخل ہوئے۔ فرش پر دبیز مہنگا قالین بچھا ہوا تھا اور تقریباً پچیس کے قریب مریدین بیٹھے ہوئے آہستہ گپ باز یوں میں مصروف تھے۔ میں بھی جا کر آرام سے ایک سائیڈ پر بیٹھ گیا۔ جوان اپنے پیر بھائیوں سے ملنے لگا۔ حال احوال پوچھنے لگا۔

میں وہاں پر موجود چہروں اور کمرے کے ڈرود یوار کو دیکھنے لگا۔ کمرے میں چرس کے دھوئیں کی بو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی بلکہ زیادہ تر لوگ ابھی بھی چرس پی رہے تھے۔ میں پچھلے صفحات میں بتا چکا ہوں کہ روحانی طالب علم ارکا اور یکسوئی کے لیے بہت سارے جتن کرتے ہیں۔ اسی بھاگ دوڑ میں یہ چرس بھی پینی شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی یہ لوگ یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہ فقیری نشہ ہے اور مظفر آباد کشمیر میں ایک دربار پر چرس کی بھیئت یا نذرانہ دیا جاتا ہے اور وہاں لال شاہ مجذوب مری والے کے دربار اور عرس کے موقعوں پر سر عام چرس پی جاتی ہے اور چاروں طرف چرس اور ملکوں کی بھر مار ہوتی ہے جو لوگ بھی چرس کے عادی ہوتے ہیں، یہ میلے کچیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ سالوں یہ لوگ نہ تو نہاں ہیں اور نہ ہی کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ملکوں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ لمبے بال لٹوں کی شکل میں کر لیتے ہیں۔ ان کے سر اور جسموں پر میل یعنی گند کی تہیں جمی ہوتی ہیں۔ ان کے لباس، جسموں اور سر کی لٹوں سے عجیب کی بدبو ہر وقت ملنے والوں کو ناگوار بدبو کا احساس دلاتی رہتی ہے لیکن یہ اسی گندے ماحول کے عادی ہوتے ہیں اس لیے ان کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ اب اگر کوئی چرس ان کے کمرے اور ماحول میں جب داخل ہوتا ہے تو اس پر اس ماحول اور بدبو کا سحر طاری ہو جاتا ہے اور اگر میرے جیسا کوئی بھولا بسرا آ جائے تو وہ پریشان اور الجھن کا شکار ہو جاتا ہے اور اس وقت اسی بے قراری کا شکار تھا اور میں انتظار میں تھا کہ کب گورو جی اپنا روشن کراتے ہیں۔ آخر کافی دیر کے بعد کسی نے ہال کے آخری کونے میں بنے دروازے کے اندر جھانکا اور نعرہ مستانہ بلند کیا کہ مرشد لچال تشریف لا رہے ہیں۔ اب سب مرید لائن میں بیٹھ گئے۔ پورے ادب اور احترام کے ساتھ یہ دولاٹوں میں بیٹھے تھے۔ درمیان میں پڑے ہوئے نقشے پر مرشد نے جلوہ افروز ہونا تھا۔ آخر کار ایک بھاری بھر کم کلین شیو تقریباً ساٹھ سال کا شخص کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے اندر آتے ہی تمام مریدوں نے پاؤں بلند ایک نعرہ لگایا جس کی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ انہوں نے کیا کہا اور تمام کے تمام سجدے میں گر گئے۔ پہلے میں بھی نیچے جھکا لیکن جب وہ تمام سجدے میں چلے گئے تو میں رک گیا۔ اسی دوران مرشد صاحب تخت آ کر براجمان ہو گئے اور ان کے ساتھ آئے ہوئے خادموں نے ان کی ٹانگیں و بانی شروع کر دیں کیونکہ کمرے میں موجود تمام لوگ سجدے میں پڑے تھے اور صرف میں اکیلا ہی گستاخی کا مرتکب ہو رہا تھا۔ مرید پتہ نہیں سجدے میں کیا کیا بکواس اور نعرے مار رہے تھے کیونکہ میں بیٹھا ہوا تھا اور یہ ان کے قریب گستاخی اور بے ادبی تھی، لہذا جو ملک مرشد کے پاؤں پر رہے تھے ان میں سے ایک دوڑ کے میری طرف لپکا اور مجھے گردن سے پکڑ کر سجدے میں گرا دیا۔ یہ کارروائی ڈال کر وہ واپس مرید کے قدموں میں چلا گیا۔ میں پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پھر میری طرف آنے کی کوشش کی تو مرشد نے اس کی

کس جوان کو بلا کر لاؤ۔ جب وہ اندر آیا تو اسے کہا کہ آج سے تمہارے مرشد یہ ہیں (میری طرف اشارہ کر کے) وہ جوان حیرت اور پریشانی سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا جس طرح پیر صاحب میرے سامنے بیٹھے تھے اُس سے اسے حال کا اندازہ ہو گیا۔

اب یہاں وقت بر باد کرنے سے بہتر تھا کہ واپس مری جایا جائے، لہذا میں اُسی جوان کے ساتھ مری کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں اندر ہال میں ہونے والے واقعات بتائے اور کہا کہ ان تمام واقعات کے چشم دید گواہ اُس جھوٹے خادم ہیں۔ وہ بیچارہ حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کو میری باتوں پر یقین آ گیا تھا۔

آج جب میں پندرہ سال بعد یہ واقعہ لکھ رہا ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ میں کس طرح بڑ ہو کر اُس پیر کے سامنے پہنچا گیا، وہ میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن میرے پیارے خدا پاک نے ہمیشہ میری مدد اور حفاظت کی اور میں اس شیطانی ملنگ پیر کے سامنے سرخروئی عطا کی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی وہ پیر علاقہ چھوڑ کر کسی اور شہر چلا گیا اور خدا کی قیادت میں پھر نے والا مرید جتنا عرصہ میں مری رہا، میرے پاس آتا جاتا رہا اور ہر بار اپنے کیے پر شرمندہ ہوتا کہ کس طرح اس چری اور بھگتی ملنگ کے ہاتھ لگ کر اللہ تعالیٰ اور نبی پاک سے دور ہو گیا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ خدا کی تلاش کے لیے اس کو سچے مرشد سے جلدی ملا دے۔ (آمین)

از شاہ وچ مانچسٹر

بنگالی بابا کی پٹائی

لاہور میں اور پاکستان کے باقی بڑے شہروں میں نام نہاد، دھوکے باز بنگالی بابوں کا راج ہے۔ روحانیت اور عقائد کی یہ الف ب نہیں جانتے۔ یہ بہت چالاکی اور منصوبے کے ساتھ لوگوں کو لوٹتے ہیں بلکہ ایسے فراڈ بابوں نے کئی عوام اور مرد رکھے ہوئے ہیں جو تمہیں سے پچاس فیصد پران کے لیے لوگوں کو چھنسا کر ان کے پاس لے جاتے ہیں۔ مجھے اسی واقعہ اس وقت پتہ چلا جب میں نیانیا لاہور آیا تھا۔ ایک بہت امیر خاتون اپنے ڈرائیور کے ساتھ میرے گھر پر آئی اور وہی کہ میں نے اپنی بہو کو طلاق دلانی ہے۔ میں نے اس عورت کو صاف صاف کہہ دیا کہ میں ایسے غلط کام نہیں کرتا اور نہ ہی کروں گا۔ اب جب میں نے انکار کیا تو اس نے مجھے پیسوں کا لالچ دینا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس نے مجھے دس لاکھ روپے کی رقم دی۔ تو میں نے کہا ”بی بی جاؤ میں ایسے کام نہیں کرتا۔“ جب میں بالکل نہ مانا تو اس کا ڈرائیور مجھے ایک طرف لے گیا اور بولا ”جناب کیوں گھر آئی دولت کو ٹھکرا رہے ہیں۔ یہ بی بی بے شمار بابوں کے پاس جا چکی ہے۔ ان سب کے گھر دولت سے بھر گئے۔“ میں نے کہا ”اب آپ کے پاس آئی ہے۔ میں بھی اسی لالچ میں اس کی نوکری کرتا ہوں۔ آپ کے گھر میں، مان جائیں خود بھی خوب پیسے لیں اور مجھے بھی میرا حصہ دیں۔ میں آپ کا بھرپور ساتھ دوں گا۔“ میں اس کی بات پر حیرت سے سن رہا تھا۔ تم میرا کیا ساتھ دو گے تو وہ بولا ”ان کے گھر میں مختلف جگہوں پر تھوڑے رکھ دوں گا۔ پودوں میں، درختوں کے پادوں کا یا تھوڑے اور ہڈیاں یا گندے ہنا کر پادوں کا۔ آپ کو بتا دیا کروں گا۔ جب آپ آ کر وہی چیزیں نکالیں

چلے جاؤ۔ جب ہم سب باہر جانے لگے تو اس نے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلایا۔ جب تمام ملنگ باہر چلے گئے تو اس کے دو خاص خادم جو اُس کو دبا رہے تھے، وہ اور میں کمرے میں رہ گئے۔ اس نے اپنے خادم کو کرسی آگے لانے کا اشارہ کیا اور میں اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔ وہ غور سے میری طرف دیکھتا رہا اور بولا، کون ہو تم؟ اور کس کے کہنے پر تم یہاں آئے ہو؟ تم میرا جھکا برداشت نہیں کر سکو گے۔ تم مجھے جانتے نہیں ہو۔ اگر میں نے تمہیں ٹھوکر ماری تو ساری عمر جنگوں دیرانوں میں پاگلوں کی طرح پھرتے رہو گے۔ گندی نالیوں کا پانی پینا تمہارا مقدر بن جائے گا۔ لوگ پاگل سمجھ کر تمہیں پتھر مار مار کر لہو لہان کر دیں گے۔ تم کسی کام کے نہیں رہو گے۔ تمہیں جرات کس طرح ہوئی میرے سامنے آ کر سادہ ادبی کرنے کی۔ میں تمہارا وہ حال کر دوں گا کہ تمہاری زندگی موت اور دوزخ سے بدتر ہو جائے گی۔ وہ قہر آلود نظروں سے میری طرف گھور رہا تھا۔ مقدر میرے پاؤں کی ٹھوکر ہے جس کو چاہوں بادشاہ بنا دوں، جس کو چاہوں پتھر دوں۔ زندگی، موت، عروج و زوال میری ایک ٹھوکر کی نوک پر ہے۔ میں تمہارا وہ حال کر دوں گا کہ دوبارہ بھی تم میرے بے ادبی اور بے عزتی کا سوچ بھی نہیں سکو گے۔

وہ بہت زیادہ بکواس اور خدائی دعویٰ کر رہا تھا کیونکہ میں خود بھی ایک خاص حالت یا کیفیت میں تھا۔ کوئی باطنی قوت یا تو بیدار تھی یا کوئی قوت میرے اندر حلول کر گئی تھی۔ غصہ، نفرت یا جلال، میری آنکھوں سے بھی شعلے ابل رہے تھے۔ وہ میری طرف جھک کر بات کر رہا تھا۔ میں نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور ہٹکے سے پھاڑ دیا اور سرخ سرزمین پر گرا دیا اور اس کے اوپر بیٹھ کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا ”پاگل، کتے، بکواس بند کرو۔“ اس کے خادموں نے دوڑ کر مجھے اس سے الگ کرنے کی کوشش کی اور اسے اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا۔ خادم اس صورتحال کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ ان کے حواس جواب دے گئے تھے۔ پتہ نہیں میری آنکھوں اور آواز میں کیا تھا یا میرے پیچھے کوئی روحانی قوت۔ پتہ نہیں اللہ تعالیٰ کی کیا خاص مدد تھی کہ اس کی آنکھوں میں خوف اور دہشت نظر آ رہی تھی۔ اس کا سارا کرفر، غرور، تکبر اور غصہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ خوفزدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ میں ابھی بھی اُسی حالت میں تھا۔ میرا جسم پتہ نہیں پتھر کا یا فالج کا پتہ نہیں کیا تھا، میں اُسی حالت میں اس کو گھورے جارہا تھا کیونکہ اس کی زندگی میں پہلی بار کسی نے اُس کے ساتھ ایسی بدتمیزی یا گستاخی کی تھی جس کا وہ بالکل عادی نہیں تھا۔ پہلے تو وہ کافی دیر خاموشی سے میری طرف دیکھتا رہا اور پھر خوفزدہ اور مرمل آواز میں بولا ”تم مجھ سے کیا چاہتے ہو، کیوں آئے ہو میرے پاس؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم نے ہی تو میرا، میرے پیارے آقا سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور میرے رب کعبہ کا بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔ بگاڑ تو تمہارا جیسا کیڑا اکوڑہ کسی کا بھی کچھ نہیں سکتا۔ آج تو میں اکیلا آیا ہوں اگر دوبارہ کبھی تم نے پنگالینے کی کوشش کی تو میں پولیس لے کر آؤں گا اور تیرا بکنگر خانہ ہمیشہ کے لیے بند کر دوں گا۔ دوسرا تم اور تمہاری شیطانی قوتیں اچھی طرح جان گئی ہیں کہ میرے اللہ کے فضل و کرم سے میرے اوپر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا، میری شرط یہی ہے کہ آئندہ تم کسی کو نماز، روزے سے نہیں روکو گے اور آخری بات ابھی میں جس جوان کے ساتھ یہاں آیا ہوں جس کو ایک سال سے تم نے اپنے چنگل میں پھنسا یا ہوا ہے اس کو ابھی یہاں بلاؤ اور اسے آزاد کر دو، دوبارہ اس کو کبھی یہاں نہ بلانا کیونکہ وہ بہت خوفزدہ تھا۔ اس نے اپنے خادم کو اشارہ کیا

گے تو یہ بی بی پاگل ہو جائے گی اور آپ کی دیوانی بھی کہ پیر صاحب تو بہت پختہ ہوئے ہیں۔ میں اس ڈرائیور کی ہمدردی
جرات کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا کہ لوگ کس کس طرح سے فراڈ کرتے ہیں۔ میں نے اسے انکار کیا تو وہ جاتے جاتے پھر
گیا۔ "پروفیسر صاحب! آپ اچھی طرح سوچ کر مجھے فون کر دینا، میں بیگم صاحبہ کو لے کر آ جاؤں گا۔" اسی طرح ایک
ایک عورت میرے پاس آئی کہ سر آپ کسی کے گھر جا کر دم وغیرہ کرتے ہیں۔ تو میں آپ کو ہر وزٹ کا دس ہزار دوں گی
میں سے چار ہزار میرے ہوں گے۔ میں نے کہا بی بی میں تو لیتا ہی نہیں، تم کیسے دو گی؟ تو وہ بولی آپ نے کچھ بھی نہیں کہا
میں گھر والوں کو سمجھا دوں گی، آپ نے صرف لفافہ پکڑنا ہے جو گھر والے آپ کو دیں گے۔ میں بعد میں آ کر اپنا حصہ
کمیشن لے لوں گی۔ میں حیرت سے اس عورت کا چہرہ دیکھ رہا تھا کہ یہ مجھے کتنے آرام سے حرام کھانے کی دعوت دے
ہے۔ اس کے بعد بھی مجھے بے شمار ایسی عورتیں اور مرد مل چکے ہیں جو مختلف جعلی پیروں اور بنگالی بابوں کے لیے کمیشن پر
کرتے ہیں۔ طریقہ واردات ان کا یہ ہوتا ہے کہ یہ مختلف گھروں میں کام کرتے ہیں اور معصوم عورتوں کو جعلی پیروں کی طرف
کراتیں بیان کرتی ہیں کہ فلاں کا مشکل کام فلاں پیر نے کیا، وہ بہت پختہ ہوئے، بڑے مقام کے پیر صاحب ہیں۔
جب بھی کسی کو لے کر ان کے پاس گئی ہوں، ہمیشہ کام ہوا ہے۔ ظلم کی حد تو اس وقت ہوتی ہے جب یہ عورتیں نو جوان
لڑکیوں کو پیروں کے پاس لے جاتی ہیں اور ان سے کہتی ہیں کہ اگر پیر صاحب تمہارے شکے جسم پر تعویذ لکھنا چاہیں تو ان
نہیں کرنا۔ اگر تم پیر صاحب کو راضی کر دو گی تو تمہارا کام فوری ہو جائے گا۔ میرے پاس جیسے ہی ان لڑکیاں آتی ہیں
ہیں جن کے ساتھ ان عیاش پیروں نے زنا کیے اور برباد کیا۔ میرے پاس ایک میاں بیوی آئے۔ میں نے جب کہا کہ
فلاں پیر کی تمہاری بیوی پر بری نظر ہے تو وہ مجھ سے ناراض ہو گیا کہ وہ تو قطب ہیں، ابدال ہیں۔ خدا کے لیے ان اہل
پیروں، فقیروں کو جاگتی آنکھوں سے دیکھا کریں اور اندھا یقین نہ کریں۔ اللہ کا شکر ہے، میں نے ہمیشہ ان پیروں کے
ایجنٹوں کو اپنے سے دور ہی رکھا۔ اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ ہم بات کر رہے تھے بنگالی بابا کی۔
لاہور میں ایک ایسے بنگالی بابا کو بھی جانتا ہوں جو پانچ مختلف جگہوں پر مختلف ناموں کے ساتھ بیٹھتا ہے اور سر عام لوگوں کو
لوٹ رہا ہے۔ ہمارے لوگوں کی ذہنی حالت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر کالا جادو
ہے، یہ نوری علم یعنی قرآن پاک سے ختم یا علاج نہیں ہو سکتا، اس کا توڑ بھی کوئی بنگالی بابا یا عیسائی ہی کر سکتا ہے، لہذا وہ
سے بھی پوچھتے ہیں کہ آپ کسی پختہ ہوئے بنگالی بابا یا عیسائی کو جانتے ہیں یا ایسے کا علم والے کو جو کا علم کا توڑ کر سکتا
یا یہ کہتا کہ پروفیسر صاحب نوری علم سے کا لے علم یا کا لے جادو کا علاج ہو سکتا ہے اور ایسے نام نہاد بابوں کے پاس جا کر
لاکھوں روپے لٹاتے ہیں اور خواتین اپنی عزتیں گنوا تی ہیں۔ اللہ ہی ایسے بے وقوف لوگوں کو سمجھائے کہ اگر وہ بنگالی بابا
عیسائی اتنے ہی ماہر یا پختہ ہوئے ہوں تو سب سے پہلے اپنا پیٹ بھریں۔ یہ اعزاز تو اللہ والوں، صوفیوں، فقیروں
درویشوں کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ جو کسی بھی قسم کے لالچ سے آزاد ہو کر صرف قرب الہی اور خدمتِ خلق کے جذبے سے
سرشار دکھی انسانیت اور پریشاں حال لوگوں کی خدمت کرتے ہیں۔

ایسے ہی جموں نے بنگالی بابوں میں سے ایک کا میں یہاں ذکر کر رہا ہوں تاکہ قارئین اس سے سبق حاصل

کریں۔ لیکن ایک دن اپنے آفس میں بیٹھا تھا، بہت سارے لوگ ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے کہ میرا کانچ فیلو اپنے کسی
کے گھر سے کمرے میں داخل ہوا اور مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب! ذرا باہر آ کر ہماری بات سنیں۔ کیونکہ وہ میرا
دوست تھا اور یہ ظلم دوست تھا، اس لیے میں سب کو چھوڑ کر فوری طور پر ان کے ساتھ باہر گراؤنڈ میں آ گیا۔ میرا دوست
"بابا" صاحب، یہ میرا رشتہ دار ہے۔ اس کے گھر والوں کو ایک بنگالی بابا لوٹ گیا ہے اور اب بھی تنگ کر رہا ہے۔
میں اس بابا پر یقین نہیں ہے۔ اس لیے میں اسے لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ اب تم بتاؤ کہ تم ہماری مدد کر سکتے ہو
یا نہیں؟" پھر سے پوچھنے پر ساتھ آئے لڑکے نے جو داستان سنائی وہ اس طرح ہے۔ اسی کی زبانی سنیں:

"پروفیسر صاحب میں وہی میں کام کرتا ہوں۔ محنت مزدوری کر کے پیسے گھر بھیجتا ہوں۔ میری ماں کو شروع
میں دوں فقیروں کے پاس جانے کی عادت ہے۔ ہم بچپن سے دیکھتے آ رہے ہیں کہ اس نے کوئی بھی پیر فقیر نہیں
کرتا۔ وہاں کسی پیر یا بابا کے پتہ چلا یہ اس سے ملنے چلی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ہماری نوکرانی کی شادی ہو گئی تو میری
اس نے نوکرانی رکھی جو کسی بنگالی بابا کی ایجنٹ تھی۔ اس نے آتے ہی اس بنگالی بابا کی کراتیں اور بے شمار واقعات
کہنے شروع کر دیے کہ اس کی دعا سے یہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ میری ماں تو پہلے ہی پیروں کی دیوانی تھی۔ وہ بہت جلد نوکرانی
کی باتوں میں آ گئی، لہذا یہ نوکرانی میری ماں کو لے کر بنگالی بابا کے ڈیرے پر لے گئی۔ وہاں پر پہلے سے بنگالی بابا کے
لوگ تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا کہ اس کی کراتیں بتائیں کہ اس وقت اس بنگالی کے پائے کا بابا پورے پاکستان
میں گئے۔ پوری دنیا سے لوگ اس کے پاس آتے ہیں۔ وہاں پر تصویریں، خشویات، بخورات جلائے ہوئے تھے۔
پھر اہل مال و مالدار تھے۔ میری ماں کو بنگالی بابا کے مخصوص کمرے میں لے جایا گیا۔ جہاں پر بابا سر پر تاج پہنے ملنگی لباس میں
تھیں۔ ہاتھ و پاؤں مروا تھے۔ میری ماں نے اس شان و شوکت اور جاہ و جلال والا پیر پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ دیکھتے ہی متاثر اور
خوش ہو گئی کہ اصل بابا ہے جس کے قبضے میں ہزاروں جنات اور پریاں ہیں، یہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کیونکہ نوکرانی پہلے
میں ہی بنگالی بابا کو میری ماں اور میرے گھر والوں کے سارے حالات بتا چکی تھی۔ اس لیے بنگالی نے فر فر سارے
حالات، کار ہاں اور پریشانی میری ماں کو بتا دیں۔ میری ماں تو پہلے ہی متاثر ہو چکی تھی۔ اب رہی سہی کسر بھی پوری ہو
گئی۔ میری ماں نذر نذر دے کر واپس آ گئی اور بہت خوش تھی کہ جس ولی کامل کی مجھے تلاش تھی، وہ اب مل گیا جو میرا ہر
پریشانی کا حل بنا کر مل کر دے گا۔ میری ماں کو یہ بتایا گیا تھا کہ ہمارے گھر میں لاکھوں جنات کا ڈیرہ ہے اور وہ ناراض ہیں
اس لیے وہ کوئی بھی کام نہیں ہونے دیتے، لہذا پہلے ان جنوں کو گھر سے نکالنا ہوگا۔ جب جنات گھر چھوڑ جائیں گے تو پھر
خوش ہو کر حالات ٹھیک ہو جائیں گے، لہذا اب مختلف صدقات، بکرے، کستوری، زعفران، پر فیوم اور بہت سارے
پایہ لالہ شروع کر دیئے۔

میری ماں کے پاس جب پیسے ختم ہو گئے تو اس نے اپنے زیورات بیچنے شروع کر دیئے۔ جب بنگالی بابا بہت
لوٹ لٹا تو اس نے آخری چال یہ چلی کہ چالیس ہزار والے پانچ پرائز بانڈ لے کر آؤ، میں ان کو دم کر کے دوں گا اور
پانچ لاکھ کروں گا اور تمہارا پہلا اور دوسرا انعام لگ جائے گا۔ ساری عمر کے لیے روپے کی تنگی ختم ہو جائے گی۔ کروڑوں

روپے آجائیں گے۔ ساتھ ہی بنگالی بابا نے یہ بھی حوصلہ دیا کہ پرائز بانڈ میرے پاس نہیں ہوں گے۔ یہ تمہارے ہوں گے۔ تم دم کرا کے اپنے گھر لے جانا۔ جب انعام نکلے گا تو جا کر کیش کرا لینا۔ میری ماں خوشی خوشی گھر آئی اور بہن کی شادی کے زیورات جو گھر میں پڑے تھے، وہ بیچ کر پرائز بانڈ لے کر بنگالی بابا کے پاس چلی گئی۔ بنگالی بابا نے پچھلے منصوبہ تیار کیا ہوا تھا۔ ایک پلاسٹک کے پائپ میں جعلی بانڈ رول کر کے رکھے ہوئے تھے۔ میری ماں نے جب اصل بانڈ بابا جی کو دیئے تو اس نے میری ماں کے سامنے ایک پلاسٹک کے پائپ میں ڈالے اور باتوں باتوں میں وہ پائپ تبدیل کر کے جعلی بانڈوں والا پائپ میری امی کو پکڑا دیا اور کہا کہ اس کے اندر دیکھیں، بانڈ موجود ہیں۔ میری ماں نے دیکھا اور تسلی کر لی۔ اب بنگالی بابا نے کہا، اس پائپ کے کھڑے اور بانڈوں کو اپنے دوپٹے میں باندھ لو اور آج کے بعد ان کو کھول کر نہیں دیکھنا۔ جس دن قرعہ اندازی ہوگی، ان کو نکال کر دیکھ لینا۔ پہلے اور دوسرے نمبر کے انعام نکل چکے ہوں گے۔ میری ماں خوشی خوشی گھر آ گئی اور شدت سے اس دن کا انتظار کرنے لگی جس دن انعام نکلنا تھا۔ بنگالی بابا نے سارا ڈراما اس طرح رچا یا تھا کہ میری ماں کو سو فیصد یقین تھا کہ اب ہمارے مسائل حل ہوں گے۔ غربت دور ہو جائے گی۔ مگر میں روپے پیسے کی فراوانی ہوگی۔ اب میری ماں شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ بنگالی بابا کے بتائے ہوئے وظیفے بھی جاری تھے۔ آخر خدا خدا کر کے قرعہ اندازی کا دن آیا۔ میری ماں نے ساری رات عبادت اور ذکر کا رزمیں گزاری اور صبح جا کر قرعہ اندازی کی لسٹ لی اور گھر آ کر بانڈ نکالے تو میری ماں کے پاؤں تلے سے زمین ٹکرائی کیونکہ بانڈ زجل کرنا شروع ہو چکے تھے۔ بانڈ کی جگہ اب رکھتی اور بانڈوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ میری ماں دوڑ کر بنگالی بابا کے آستانہ پر پہنچی تو یہ چلا کہ بنگالی بابا کسی دریا پر چلے کرنے گئے ہیں، 10 دن بعد آئیں گے۔ روتے روتے میری ماں گھر آ گئی اور بنگالی بابا کا انتظار کرنے لگی۔ آخر دس دن کے بعد بنگالی بابا آ گیا۔ میری ماں نے جا کر اسے مسیحا سمجھ کر پوری کہانی سنائی کہ قرعہ اندازی والے دن جب میں نے بانڈ نکالے تو بانڈوں کی جگہ رکھ لی اور بانڈ زجل ہو چکے تھے۔ بنگالی بابا نے حساب لگانے کا ڈراما کیا اور کہا تم نے پڑھائی ٹھیک نہیں کی اور میں بھی اپنا چلہ کرنے گیا ہوا تھا۔ جنات نے تمہارے بانڈ زجا دیئے ہیں کیونکہ جنات نہیں چاہتے کہ تمہارے گھر خوشحالی آئے۔ اس لیے انہوں نے بانڈوں کو جلا دیا۔ میں نے تو تمہارے سامنے بانڈ رکھے تھے۔ اب اگلی قرعہ اندازی پر تم پھر بانڈ لانا، میں اپنے پاس رکھوں گا اور ان پر پہرہ بھی دوں گا۔ میری ماں بنگالی بابا کی باتوں میں پھر آ گئی اور گھر آ گئی۔ اسی دوران میں دعویٰ سے چھٹی پر گھر آیا تو ماں سے کہا کہ بہن کی شادی کرنی ہے۔ زیورات کدھر ہیں۔ پہلے تو میری ماں ٹال مٹول کرتی رہی لیکن جب میں نے زیادہ پوچھا تو بھی ماں نے نہ بتایا تو ہماری لڑائی شروع ہو گئی۔ جب ہماری لڑائی بہت بڑھ گئی تو میری بہن نے ایک دن چپکے سے مجھے بتایا کہ زیورات گھر میں نہیں ہیں۔ وہ ماں نے کسی کو دے دیئے ہیں یا بیچ دیئے ہیں۔ جب مجھے اس بات کا پتہ چلا تو مجھے بہت زیادہ دکھ اور غصہ بھی آیا اور تنگ آ کر میں نے اپنی ماں کو اپنی قسم دی کہ زیورات اور پیسے کدھر ہیں؟ تو ڈرتے ڈرتے میری ماں نے بنگالی بابا والی ساری کہانی سنائی۔ میری ماں اب بھی پر امید تھی کہ بنگالی بابا ہمارے گھر کے حالات بدل دے گا اور دوبارہ قرعہ اندازی میں ہمارا پہلا انعام لگ جائے گا۔ بنگالی بابا بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس لاکھوں

روپے ہیں جن کی مدد سے وہ ہر کام کر سکتے ہیں۔ میں نے اپنی ماں کو بہت سمجھایا لیکن وہ بنگالی بابا کے خلاف کوئی بھی بات نہ کہتا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ بنگالی بابا کے بارے میں جا کر پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ بہت فراڈی ہے۔ اسے ہار ہے۔ کئی بار مار کھا چکا ہے اور جیل بھی جا چکا ہے۔ یہ ساری کہانی میرے کلاس فیلو کے ساتھ آئے ہوئے دوست نے سنائی۔ میرا کلاس فیلو ایسے ماحول میں رہا تھا جہاں پر بیروں فقیروں کو خاص طور پر جعلی پیروں کو بالکل نہیں مانا جاتا تھا۔ وہ بہت طعنے میں تھا اور بنگالی بابا کو گالیاں دے رہا تھا۔ وہ مجھ سے بولا "پروفیسر صاحب آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ اس بنگالی بابے میں کچھ ہے بھی یا کہ نہیں۔ جنات وغیرہ اس کے پاس ہیں یا فراڈ اور جھوٹ ہوتا ہے۔" میں نے اس سے کہا "جیسا کہ تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" تو وہ بولا "میں نے تو یہ پروگرام بتایا ہے کہ کسی بھانے یا لالچ دے کر بنگالی بابے کو لاکھوں روپے، اپنی زمینوں پر لے جاتے ہیں، وہاں اس کو باندھ دیتے ہیں۔ جب تک یہ یا اس کے ساتھی ہمارے پیسے نہیں لے کر جاتے، اس کو چھوڑیں گے نہیں۔ یہ تو کیا اس کا پابھی پیسے واپس کرے گا۔ پروفیسر صاحب! آپ صرف یہ بتائیں، اگر میں بنگالی بابا کو بھلا پھلا کر لالچ دے کر لے جاتا ہوں تو یہ اپنے علم سے یا جنات سے میرا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اگر میں جا کر اس کے کپڑے اتار کر خوب پٹائی کروں تو مجھے تو کچھ نہیں ہوگا نا۔" میں نے اسے حوصلہ دیا کہ یہ تو تمہارا کرو گے۔ اس طرح تم بہت سارے معصوم لوگوں کا بھلا کرو گے۔ وہ بار بار مجھ سے پوچھ رہا تھا۔ پروفیسر صاحب نے آپ سے کہا "میرے اللہ پاک نے ہم سب کا خیال کرنا ہے۔" لہذا میرے حوصلے سے میرا دوست اور اس کے ساتھ آیا ہوا لڑکا چلے گئے اور جاتے جاتے مجھے کہہ گئے، ہم آپ سے رابطے میں رہیں گے۔ اب جا کر میرے کلاس فیلو نے بنگالی بابا کے پاس جا کر بڑی عقیدت کا اظہار کیا۔ پیسے بھی دیئے اور کہا "اب ہم سارے گھر میں بہت جادو اور جنات ہیں۔ آپ کسی دن میرے ساتھ چلیں۔ میں گاڑی پر لے جاؤں گا اور جو جگہ آپ مانگیں گے، وہ بھی دوں گا۔" بنگالی بابا تو پہلے ہی لالچی تھا، اس کی چال میں پھنس گیا اور ایک دن کار میں بیٹھ کر اس کے ساتھ چلا گیا اور وہ اسے اپنی زمینوں پر گاؤں سے باہر جنگل میں لے گیا تاکہ کوئی دیکھ بھی نہ سکے۔ جاتے ہی بنگالی بابا نے ہاتھ پائی لیا اور اس کو مارنا شروع کر دیا کیونکہ مارنے کے لیے فوجان لڑکے پہلے سے موجود تھے، بنگالی بابا نے مار مار کر ان کے بہت کوشش کی کہ ابھی میرے جنات تم سب کو مار دیں گے۔ آگ لگا دیں گے، جلا کر بھسم کر دوں گا۔ میرا کلاس فیلو مجھے فون کرتا اور کہتا پروفیسر کہیں واقعی اس کے جن ہمیں مار نہ دیں۔ کئی بات ہے نا، اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ میرے حوصلہ دینے سے وہ اس کو خوب مارتے رہے۔ آخر کار بنگالی بابا ڈر گیا اور سارا غرور، اکڑتم اور کہنے لگا۔ "میں لوٹوں دیں، میں آپ کے پیسے منگواتا ہوں، لہذا بنگالی بابا نے لاہور فون کر کے سارے پیسے دے دیئے اور معافی مانگی۔ اب کسی کسی کو تنگ یا لوٹ مار نہیں کروں گا۔ میرے کلاس فیلو اور اس کے دوستوں نے اس کا منہ کالا کر کے کپڑے اتار کر اس کی لقم بھی بنائی اور خوب مارا پٹا بھی اور فون پر اس نے دوست کی ماں سے معافی بھی مانگی اور یہ بھی کہا کہ میں کوئی فراڈ نہیں ہوں۔ جھوٹا اور فراڈی ہوں۔ میرے دوست نے پیسے لینے کے بعد بھی کئی دن بنگالی بابا کو اپنے پاس رکھا اور اسے بھی لڑی کا کام کرواتے اور رات کو باندھ دیتے۔ آخر بنگالی بابا نے وعدہ کیا کہ اب کبھی اس شہر میں نہیں آؤں گا

پیر کی گدی خطرے میں

ہمارے معاشرے میں نام نہاد عامل اور گدی نشین سرعام لوگوں کو لوٹ رہے ہیں۔ عام اور سادہ مزاج لوگ ہر اولیائے کرام اور بزرگوں کو ماننے والے ہیں، وہ دیوانہ وار لٹ رہے ہیں۔ یہ واقعہ بھی ایسے ہی نام نہاد جعلی گدی نشین اور پیر صاحب کا ہے۔ یہ بھی میرے مری میں قیام کے دوران ابتدائی واقعات میں سے ایک ہے۔ جب اللہ پاک کی ذات بابرکت تیزی سے میری شہرت پھیلارہی تھی اور لوگ دیوانہ وار میرے پاس آرہے تھے تو ظاہر ہے، پہلے سے موجود جعلی پیروں کو خطرے کا احساس ہوا۔ مری کی سرزمین نیک اولیائے کرام کے حوالے سے بہت زرخیز ہے۔ وہاں پر کئی نیک بزرگ آئے اور قیام کیا۔ ان کے مزارات آج بھی روحانی فیوض و برکات بانٹ رہے ہیں۔

لیکن جس طرح ہر معاشرے میں نیک اور برے لوگ موجود ہیں اسی طرح مری میں بھی ایک جعل ساز لالچی موجود تھا جو مری سے دور تھا۔ اس کا طریقہ واردات بہت چالاکی پر مبنی تھا کہ بڑے سے بڑے عقل مند اور ہوشیار بھی اس کے قبضے میں آجاتا بلکہ اگر میرے قارئین میں سے بھی کوئی ایسے پیر کے پاس جائے تو شاید قابو میں آجائے اور متاثر ہو کر مریدی اختیار کر لے۔ وہ پیر صاحب یہ کرتے تھے کہ جب بھی کوئی سائل یا ملاقاتی ان سے ملے آتا تو وہ اسے کہتا کہ اپنی قیص، چادر اتار کر میز پر یا فرش پر رکھ دو۔ کچھ دیر پڑھ کر وہ پھونکتا اور جب چادر یا قیص اٹھاتا تو اس میں سے پرانی ہڈیاں، بال، پرانے تعویذات، کبھی روٹی یا کپڑے کے گڈے بنے ہوتے اور پیر صاحب کہتے کہ آپ پر جادو ہوا ہے اور میں نے یہ چیزیں منگوائی ہیں۔ اب یہ اتنا بڑا عمل ہے کہ بڑے سے بڑا بندہ ڈر جاتا ہے اور متاثر ہو جاتا ہے جبکہ یہ بھی سارا جھوٹ اور فراڈ پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ساری چیزیں پہلے سے اس نے بنا رکھی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات تو وہ نام بھی لکھے ہوتے ہیں جن پر سائل کو شک ہوتا ہے، لہذا جیسے ہی سائل وہ نام دیکھتا ہے تو فوری طور پر قائل ہو جاتا ہے۔ اب وہ پیر صاحب اس کارروائی کے پانچ سو روپے لیتے تھے اور لوگ خوشی خوشی دیتے تھے۔ جب لوگوں نے میری طرف آنا شروع کیا تو انہیں اپنی بادشاہت، روزی روٹی اور لوٹ مار خطرے میں محسوس ہوئی، لہذا انہوں نے میرے خلاف زہرا لگانا شروع کر دیا۔

اتفاق سے ایک شادی میں وہ پیر صاحب اور میں اکٹھے ہو گئے۔ میرے دوست فاروق عباسی، شعیب عباسی وغیرہ میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ پیر صاحب بھی آئے ہوئے ہیں۔ میزبان نے ہمیں اور ان پیر صاحب کو الگ کمرے میں خصوصی انتظام کر کے بٹھا دیا تاکہ ہماری بہتر طور پر میزبانی ہو سکے۔ آج اللہ تعالیٰ نے موقع دے دیا تھا۔ مجھے بابا یوسف حمزہ صاحب کا وہ عمل یاد تھا کہ کسی بھی شیطانی عامل کے عمل کو ختم کیسے کرتا ہے، لہذا میں ان پیر صاحب سے گلے ملا اور طریقے کے تحت کارروائی کی اور جعلی پیر صاحب اپنے عمل سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اللہ پاک نے یہاں بھی میری مدد کی۔ جب ہم کھانا کھا چکے تو پیر صاحب بہت مغرور انداز سے مخاطب ہوئے۔ ”پروفیسر صاحب! کبھی آئیں نا ہمارے

میں۔ ام ہمارے استادوں میں سے ہیں۔ کوئی ٹر آپ کو بھی سکھا دیں گے۔ آپ ہمارے علاقے میں مہمان ہیں۔ کبھی آپ بھی میری جگہ پر آکر موقع دیں۔“ تو میں نے بھی اخلافا کہا کہ جناب کبھی آپ بھی مجھے فقیر کے آستانے پر آئیں تو وہ ”نہیں“ پروفیسر صاحب اگر میں آپ کے آستانے پر آ گیا تو آپ کا آستانہ بند ہو جائے گا۔ یہ سارے مرید ہمارے ہی ہیں آپ کے پاس آتے ہیں شغل میلہ دیکھنے اور ہم کبھی کسی کے پاس نہیں گئے۔ لوگ اور بڑے بڑے روحانی عامل لوگ ہمارے آستانے پر آتے ہیں اور بہت کچھ لے کر جاتے ہیں۔“ ٹھیک ہے جناب کبھی موقع ملا تو ضرور آؤں گا۔ یہ اس کے وہ اپنے گھر اور میں کالج آ گیا۔ میرے مقامی ساتھی بہت غصے میں تھے کہ اس نے غلط باتیں کی ہیں۔ پروفیسر صاحب اس کو آپ کے پاس چل کر آنا چاہیے۔ یہاں پر میں ایک ایسی بات کا ذکر کرنے جا رہا ہوں جو بہت سے قارئین کے لیے افسوسناک ہوگی لیکن یہ سچا واقعہ ہے۔ میں نے جن مقامی دوستوں کا ذکر کیا ہے، آپ ان سے تصدیق کر سکتے ہیں۔

پیر صاحب کا طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ تمام چیزیں پرانے کاغذات، ہڈیاں، بال اور تعویذات وغیرہ بنا کر پہلے سے اندر رکھتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا تو وہ اندر کی چیزیں ان کا قابو کر دے جن یا موکل سائل کی چادر یا قیص میں ڈال دیتا کہ وہ وہ چیزیں جن لاتا تھا اس لیے کسی کو نظر نہ آتیں۔ یہ عمل پیر صاحب کا اتنا اثر انگیز تھا کہ ہر سائل حیران رہ جاتا اور پیر صاحب کی کرامت کا قائل ہو جاتا۔ اب جب پیر صاحب کا یہ عمل ختم ہو گیا تو ان کی دکانداری بھی بند ہو گئی اور وہ بہت پریشان ہو گیا۔ ایک بار آنا اور کہا کہ پروفیسر صاحب نے تمہارے عمل کو ختم کر دیا ہے۔ اب اگر مجھے واپس لانا چاہتے ہو تو پہلے جا کر پیر صاحب سے اجازت لو، میں پھر واپس آؤں گا ورنہ نہیں۔ میرے پاس آنا پیر صاحب کے لیے موت کے برابر تھا جو وہ کسی بھی صورت نہیں آنا چاہتا تھا۔ پہلے تو وہ اپنی ضد پر قائم رہا کہ کسی بھی صورت میرے پاس نہیں آئے گا لیکن جو مرید یا ملاقاتی آتے، وہ پیر صاحب سے کہتے کہ ماضی کی طرح ہمارے تعویذ نکالیں۔ پہلے تو پیر صاحب ٹال مٹول کرتے رہے۔ قائل ہونے نہاتے رہے۔ اب کیونکہ پیر صاحب کے پاس بس یہی ایک ہتھیار ٹوٹا تھا اور کچھ تو پیر صاحب کو آنا نہیں تھا۔ اب پیر صاحب کے بہانے اور ٹال مٹول لمبی ہو گئی تو تنگ آ کر مریدوں نے آنا چھوڑ دیا۔ اب جب لوگوں نے آنا چھوڑ دیا تو پیر صاحب کی جان پر بن گئی کیونکہ عرصہ دراز سے پیر صاحب کی کمائی بلکہ لوٹ مار کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ حرام کی کمائی کیونکہ پیر صاحب کو اتنی تھی اس لیے پیر صاحب اور ان کے گھر والے خوب عیاشی کرتے۔ اب جب خرچہ بند ہوا تو پیر صاحب کے گھر والوں نے اس کی بیگم نے کہا کہ پروفیسر صاحب کے پاس جاؤ اور صلح کرو لیکن میرے پاس آنا تو پیر صاحب کے لیے کھلی موت تھی۔ انہوں نے میرے پاس آنے کے بجائے میرے مقامی دوستوں کو بیچ میں ڈالا کہ پروفیسر صاحب کا ہم کھانا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کو لے کر آئیں۔ جو لوگ اس واقعے کی صداقت پر شک کریں، وہ میرے ان مقامی دوستوں سے مل کر تصدیق بھی کر سکتے ہیں۔ اب میرے ان مقامی دوستوں نے مجھے کہنا شروع کر دیا کہ سر وہ آپ کی دعوت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کا کیا ارادہ ہے؟ میں نے رضامندی ظاہر کی لیکن میرے مقامی دوستوں کا ارادہ خود ہی بدل گیا کہ سر ان پیر صاحب کو آپ سے کام ہے، لہذا ان کو چل کر آپ کے پاس آنا چاہیے۔ کچھ دیر تو بات چیت چلتی رہی۔ پیر صاحب آخری دم

تک میرے پاس آنے سے انکار کر رہے تھے۔ ان کی ہر ممکن یہ کوشش تھی کہ وہ میرے پاس نہ آئیں، لہذا اب انہوں نے چال چلی کہ مال و زر پر دعوت کر دیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب وہاں پر آ جائیں۔ میں تو پہلے سے ہی تیار تھا۔ اب میرے صاحب نے مجھے ایک اور لالچ دیا کہ پروفیسر صاحب کو مکان کے لیے پلاٹ دیتے ہیں یا بنانا مکان لے لیں بلکہ پروفیسر صاحب آستانہ بنا دیتے ہیں۔ وہ لوگوں کی خدمت ہمارے ساتھ مل کر کریں۔ میرے مقامی دوستوں نے کہا، ہماری ساری پروفیسر صاحب کی ہیں۔ وہ جہاں پسند کریں، اپنا گھر بنالیں اور یہ سچ ہے کہ مری میں بے شمار دوستوں نے مجھے ہمیشہ پلاٹ اور زمینوں کی آفر کی بلکہ کچھ دوستوں نے تو مجھے جگہ بھی دکھائی کہ جناب یہ آپ کی ہے۔ میں ہمیشہ مسکرا دیتا کہ یہ ساری کائنات، میرے رب کی ہے۔ مجھے کسی پلاٹ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

آخر میں اور میرے دوست ان کے گھر دعوت کھانے گئے۔ انہوں نے بے شمار کھانے کھلائے اور خوب مذاکرات کی اور بہت سارے لالچ بھی دیئے کیونکہ ان کے مطالبات ناجائز تھے، اس لیے میں گول مول بات کر کے واپس آ گیا۔ اب جب انہوں نے دیکھا کہ دعوت سے بھی بات نہیں بنی تو وہ رات کے اندھیرے میں میرے پاس آتے اور کہا، معافی بھی مانگی اور کہتے کہ آپ ہمارا عمل واپس کر دیں۔ جب کئی بار رات کو آئے اور بات نہ بنی تو اب انہوں نے دن کے اجالے میں بھی آنا شروع کر دیا۔ اب بہت سارے لوگ جو انہیں جانتے تھے، ان کے سامنے شرمندہ بھی ہوتے کہ پروفیسر صاحب کا آستانہ اور دھندہ بند ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ ہر صورت میں اپنا آستانہ اور دھندہ چلا نا چاہتے تھے۔ جب انہوں نے بہت بار آ کر مٹیں کیں تو ایک دن میں نے پروفیسر صاحب کو بٹھایا اور کہا، پروفیسر صاحب یہ سب آپ کا دھوکا، فراڈ اور دھاندلا تھا جس سے آپ کی آخرت خراب ہو جائے گی۔ آپ اس ڈراما بازی کو چھوڑیں اور میں آپ کو کچھ ایسے اعمال دیتا ہوں جن سے آپ لوگوں کی خدمت کر سکیں۔ خدمت خلق سے دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں گی لیکن ان کو میری یہ باتیں سمجھیں۔ انہیں۔ آخر میں نے کہا، میں اب خود بھی چاہوں تو آپ کا عمل جاری نہیں کر سکتا لیکن وہ بھنڈ ہے۔ میں جتنا عرصہ بھی مری رہا وہ اپنا عمل جاری کرانے آتے۔ میں پھر لاہور آ گیا۔ پتہ نہیں میرے آنے کے بعد بھی وہ صراطِ مستقیم پر آئے یا نہیں۔

شہنشاہ لاہور داتا حضورؒ کے در پر

پچھلے صفحات میں نام نہاد جموںے فراڈی، زانی بابوں کا ذکر ہوا۔ اب مرد درویش قلندر جن سے میری ملاقات داتا حضور لاہور میں ہوئی، کا پُر کیف ذکر بھی سنئے۔

قلندری دھمال اور مولوی صاحب

میں حسب معمول مری سے لاہور آیا ہوا تھا اور جمعرات کی رات داتا صاحب گزارنے کا ارادہ تھا کہ آج ساری

میری گزرتی ہے اور فکر بھی دربار سے کھاؤں گا۔ ایک جگہ پر نان پنے مل رہے تھے وہ کھالیا لیکن بھوک ابھی بھی تھی۔ میں نے لیٹر چاولوں پر تھی کہ پلاؤ مل جائے تو کیا بات ہے۔ رات کے 12 بج چکے تھے اور میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ میں نے ایک جگہ پر چاندلوگ ایک دیگ کے ساتھ بیٹھے نظر آئے کیونکہ میں بھی لنگری تلاش میں تھا وہاں بیٹھ گیا اور پہلے پلوں کے بعد لنگر کب ملے گا تو وہ بولا ہمارے مرشد قلندر آنے والے ہیں ان کے آنے کے بعد لنگر تقسیم ہوگا۔ میں نے چھا ابھی باباجی کدھر ہیں تو وہ بتانے لگا کہ وہ لاہور کے سارے درباروں پر حاضری دینے کے بعد 12 بجے کے بعد آئیں یہاں داتا دربار آتے ہیں اور یہاں پر فاضل حاضری دیتے ہیں۔ وہ باباجی کی کرامتیں اور خوبیاں بتانے لگا۔ میں نے اس کی باتوں سے میرے دل میں بھی بے پناہ اشتیاق جاگ اٹھا کہ قلندر بابا کی زیارت اور ملا جائے۔ آخر میں ان کے بعد باباجی چمن چمن کرتے بڑا سا کالا کبل اوڑھے آ گئے۔ تمام مرید ان کے ہاتھ چومنے لگے اور ملنے لگے۔ میں نے بھی باباجی کو سلام کیا۔ باباجی نے پاؤں میں گھٹکھرو باندھے ہوئے تھے۔ لمبی زلفیں اور لمبی داڑھی، ہاتھوں میں لمبی انگلیاں اور گلے میں بھی بہت ساری مالائیں بنی ہوئی تھیں۔ کیونکہ میں پاسٹری جانتا ہوں باباجی کے ہاتھوں میں لٹری ملتی تھیں۔ ان کی ساخت سے پتہ لگ رہا تھا کہ باباجی فطری طور پر روحانی مزاج رکھتے ہیں۔ لطافت کی مقدار ان میں اتنی تھی کہ ان کا جسم طویل روحانی ریاضتوں اور مجاہدوں سے گزرا ہے۔ روحانیت اور لطافت باباجی میں اتنی تھی کہ ان کا چہرہ بھی بے پناہ تھا۔ باباجی نے مجھے اچھے لگے۔ جب ان کے مریدوں نے باباجی کو سلام کیا تو انہوں نے ان کے لیے ان کی طرف پاس جا کر بیٹھ گیا، سلام کیا اور کہا باباجی میں کوہ مری سے سلام کرنے آیا ہوں۔ دنیاوی لنگر تو کھانا اب کدھر روحانی لنگر بھی جاری کر دیں تھوڑا سا کرنت مجھے بھی لگا دیں تھوڑی مستی سرور ادھر بھی جاری کر دیں۔ جب میں ان سے باتیں کر رہا تھا تو ایک مولوی صاحب بھی پاس آ کر بیٹھ گئے اور وہ بھی شوق اور تجسس سے میری باتیں سن رہے تھے اور وہ بھی روحانیت اور فقیر کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ جناب کوئی لکھنا ام کو بھی کراؤ بلکہ مولوی صاحب شاید طنز یہ گفتگو بھی کر رہے تھے کہ تم بھی نام نہاد ملنگ ہو اور کچھ نہیں کر سکتے۔ جب مولوی صاحب کی گفتگو اور سوال جواب گستاخی کی حدود کو چھونے لگے تو باباجی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات آنے لگے۔ میں خاموش ہو گیا اور خاموشی اور تجسس سے باباجی اور مولوی صاحب کی گفتگو سننے لگا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ مولوی صاحب کی گفتگو اور طنز سے یقیناً باباجی جلال اور غصے یا ہر میں آ کر کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔ مولوی صاحب کے شدید اور اور گستاخی کے بعد آخر باباجی بولے۔ مولوی صاحب ہم سے کچھ لینا ہے تو عشق نماز پڑھنی پڑے گی۔ جس طرح مولوی صاحب نے مجھ پانی پر کرم کیا وہ تم کو بھی کرنا پڑے گا۔ عشق نماز سن کے میری تمام حسیں بھی بیدار ہو گئیں کہ اب باباجی داتا ہیں آگے ہیں اور روحانیت کا کوئی راز افشا کرنے لگے ہیں۔ مولوی صاحب بولے تو پڑھاؤ نامناز۔ وہ تو میں ویسے بھی داتا ہوں۔ باباجی بولے اگر روز پڑھتے ہو تو میرے پاس کیا لینے آئے ہو۔ تمہاری تلاش ختم کیوں نہیں ہوئی۔ مولوی صاحب تم عشق نماز کی بات کرتے ہو تم نے عشق کا پیالہ پینا تو دور کی بات ہے ابھی اُس باغ سے تمہارا گزر بھی نہیں ہوا جہاں

عشق دسرو کی نہریں بہتی ہیں۔ تو بابا جی! وہ پیالہ ہم کو کبھی پلاؤ مولوی صاحب بولے۔

کیونکہ مولوی صاحب کی گفتگو ادب و احترام کی حدود سے نکل کر گستاخی میں داخل ہو چکی تھی لہذا باباجی کا ایک مرید آگے آیا اور مولوی صاحب سے بولا مولوی صاحب! اگر آپ نے عشق پیالہ پینا ہے تو آپ جگہ پر فلاں دن آ جانا اور باباجی نے بھی اجازت دے دی۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے میں نے بھی احترام باباجی سے درخواست کی کہ سرکار مجھ غریب پر بھی کرم کر دیں اور آنے کی اجازت دیں۔ باباجی نے پیار سے میری پرچھکی دی اور مسکرائے، کا کا تم بھی آ جانا اور اپنا حصہ لے جانا۔ ویسے تیرا فیض میرے پاس نہیں ہے لیکن تھوڑا سا جو میرے پاس ہے وہ تجھے مل جائے گا۔

میں شدت سے اُس دن کا انتظار کر رہا تھا جب باباجی کے پاس جانا تھا۔ آخر خدا خدا کر کے وہ دن آیا اور میں مقررہ جگہ پر پہنچ گیا۔ یہ شہر سے باہر ایک دربار تھا جو جا کر پتہ چلا کہ باباجی کے مرشد پاک کا ہے اور ہر ماہ مقررہ تاریخ پر باباجی اپنے مریدوں کے ساتھ یہاں آتے ہیں۔

باباجی ابھی نہیں آئے تھے، تھوڑی دیر میں مولوی صاحب بھی آ گئے، انہوں نے مجھے پہچان لیا اور میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگے کہ مجھے یقین تو نہیں ہے لیکن میں چپک کرنے آ گیا ہوں کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ میں ۱۱ مولوی صاحب! دھرا دھرا کی باتیں کرتے رہے۔ آخر کار باباجی اپنے مریدوں کے ساتھ آ گئے۔ میں نے **فدائے** بڑھ کر سلام کیا۔

پہلے ہماری لنگر سے تواضع کی گئی لیکن مجھے تو شدت سے روحانی لنگر کا انتظار تھا۔ کچھ دیر بعد ڈھول والے آ گئے۔ ڈھول والوں کو دیکھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ یہاں کوئی فنکشن ہونے والا ہے۔ ڈھول والوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ ریگولر یہاں آتے ہیں۔ شام کا تاریک سایہ تیزی سے اجالے کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ جب سارے مرید آ گئے تو آخر کار طویل انتظار کے بعد ایک مرید ہماری طرف آیا کہ تیار ہو جائیں۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ نماز کا وقت تو گزر چکا ہے۔ اب تیاری کس چیز کی ہے۔

لیکن میں اُس وقت حیرت سے اُچھل پڑا جب ایک مرید ہمارے پاس آیا اور گھنگھر دیتے ہوئے بولا کہ پہن لیں تاکہ عشق نماز پڑھیں۔ مولوی صاحب تو پاگل ہونے والے ہو گئے اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے کہ تم لوگ پاگل ہو، میں کبخر ہوں، بیخود ہوں، میں کبھی نہیں باندھوں گا گھنگھر۔ مولوی صاحب کا شدید مزاحمتی رویہ دیکھ کر بابا جی نے مداخلت کی اور اپنے مرید کو روک دیا۔

باباجی اور تمام مریدوں نے اپنے پاؤں میں گھنٹا گھر پہن لیے اور لان میں اکٹھے ہو گئے۔ اب ڈھول والے نے ڈھول بجانا شروع کر دیا۔ بہت سارے لوگ راقم الحروف کی اس بات کی تائید کریں گے کہ ڈھول کی آواز میں ایک عجیب سحر اور پراسراریت ہے۔ میں بچپن سے جب بھی ڈھول کی آواز سنتا ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے کیونکہ خواجہ غریب نواز سلطان الہند شاہ اجمیر اور اُن کے تمام مریدین قوالی سماع کے دیوانے ہیں اور میں بھی بہت شوق سے نعت رسول مقبول اور

ابھی تو قالوں کو پتہ ہے لہذا وہ ڈھول کو خوب بجاتے ہیں۔ اب یہاں پر ڈھول والا اپنے فن میں ماہر لگ رہا تھا۔
والا اور دم میں آچکا تھا، باباجی اور تمام مریدین جذب، مستی، سرور میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ڈھول کی تاپ پر دیوانہ
ہو رہے تھے اور میرے اوپر بھی ڈھول کا سحر اپنا رنگ جما رہا تھا۔ میرے دل و دماغ اور روح پر عجیب سرور، نشہ اور مستی
کا حال تھا۔ ڈھول اور باباجی کی قلندری دھمال اپنے جوبن پر تھی، اچانک باباجی نے مجھے اشارہ کیا اور اپنے پاس بلایا میں
لگا۔ لگتا تو ہو چکا تھا اُس پورے ماحول، دھمال اور ڈھول کی آواز کا سحر میرے دل و دماغ پر طاری تھا۔ میں ایک سحر زدہ
شرع باباجی کی طرف بڑھا۔ باباجی کی آنکھوں میں عجیب پر اسرار نشہ، سرور اور مخصوص چمک تھی۔ باباجی روحانی طور پر
میرے ہاتھ پر تھے یا نفل آف کرنٹ تھے۔ میں جیسے ہی باباجی کے قریب پہنچا باباجی نے مجھے تھپکی دی اور کہا شروع ہو جا۔
ابھی میرے گزر رہا تھا یا تو میرے اوپر کوئی چیز وارد ہو گئی تھی یا روح نے انگڑائی لی یا جیسے باطن سے کچھ نمودار ہونے کی کوشش
کر رہا ہو۔ اسی دھمال کے دوران میں نے دیکھا باباجی نے مولوی صاحب کو دھمال کے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ باباجی پتہ
تھا اس وقت کس حالت میں تھے لگ رہا تھا اُس وقت اُس پورے ماحول اور جگہ پر باباجی ہی خدا کے بعد حکمران ہوں۔
بابا شاہ تھے، وہ ساحر تھے اور سب اُن کے سامنے مسور، سب باباجی کے سحر میں بہتا ناخن ہو چکے تھے۔ سب لوگوں نے
شہادت دی کہ مولوی صاحب بھی باباجی کے سحر میں مسور ہو چکے تھے وہ بھی تابعدار معمول کی طرح جیسے باباجی کے غلام ہوں،
ابھی میرے اوپر دھمال شروع کر دی۔ ڈھول کی تھاپ، باباجی کا سنگ اور مریدوں کی دیوانہ وار دھمال، ساتھ ہی باباجی اور
مریدوں نے شہباز قلندر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ قلندری دھمال اور باباجی کی نظری وجہ سے مجھے لگا میرا وزن ختم
ہو گیا ہے اور میں ہوا میں اڑنا چاہوں تو اڑ سکتا ہوں۔ عجیب سرور، نشہ مستی ایک دم مجھے لگا شاید ہم سب روحانی طور پر شہباز
قلندر کا رے کے دربار پر ہیں اور وہاں سب دیوانہ وار دھمال اور رقص کر رہے ہیں اور مجھے لگ رہا تھا شاید میری روح اور جسم
کے دربار سے گزر رہے ہیں یا شاید میرا روحانی جنم ہو رہا ہے۔ پتہ نہیں کوئی بہت سچش کیفیت تھی جو نظروں سے باہر تھی۔
مولوی صاحب دنیا و مافیہا سے بے خبر دیوانہ وار دھمال ڈال رہے تھے بلکہ مولوی صاحب کو حال پڑ گیا، وہ خود سے بے گانہ
ہو چکے تھے اور اُن پر اب وحشت اور جنوں طاری ہو چکا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور آخراً باباجی کی ٹانگوں
پر گر گئے۔ مولوی صاحب کی غیر حالت دیکھ کر باباجی بیٹھ چکے تھے اور مولوی صاحب باباجی کے قدموں میں باباجی کو
دعا دے رہے تھے اور باباجی مولوی صاحب کو حوصلہ اور تھپکی دے رہے تھے۔ مولوی صاحب کے منہ سے بار بار یہی ہی
کہہ رہا تھا باباجی میں عرصہ سے جس نظارے اور کیفیت کا مشاہدہ تھا آج آپ نے نظارہ کرا دیا۔ میں در بدر جس تلاش میں
تھا وہ آج مجھے مل گیا۔ مولوی صاحب نے جو بعد میں بتایا میں اگر یہاں اظہار کروں گا تو بہت سارے لوگ اختلاف کریں
گے لہذا میں نہیں بتاتا۔ دھمال کے بعد میں واپس آ گیا۔ باباجی نے مجھے کہا تمہارا فیض یہاں نہیں جب موقع آئے گا مل
جائے گا۔ باباجی شریعت محمدی کے سختی سے قائل تھے اور تمام قسم کے نشوں کے خلاف تھے۔ باباجی کے مرشد شہباز قلندر کے

مزار پر بہت عرصہ ڈیوٹی دیتے رہے کیونکہ باباجی کے مرشد قلندری دھمال ڈالتے تھے اس لیے یہ بھی اپنے مرشد کے مرشد قلندری دھمال ڈالتے۔ میں بعد میں بھی قلندری بابا سے ملتا رہا اور مولوی صاحب سے بھی وہاں ملاقات ہوئی۔ اب باقاعدہ باباجی کی مریدی میں آچکے تھے اور بقول مولوی صاحب کے مجھے جس کی تلاش تھی وہ مجھے قلندری باباجی سے مل گیا۔ لیکن میری تلاش ابھی بھی جاری تھی اور میں انتظار میں تھا کہ کب میری باری آئے گی۔

بابا بلھے شاہ کے در پر

کیونکہ میری پیدائش پھول نگر (بھائی پھیرو) میں ہوئی جو ضلع قصور کا شہر ہے۔ بلھے شاہ کیونکہ شانِ قصور میں بلھے شاہ نے مرشد سے عشق اور سید زادہ ہو کر عنایت قادری سرکار سے عشق و تابداری کی انتہا کر دی۔ لہذا میں بھی کئی بار بلھے شاہ کو سلام کرنے قصور گیا اور ہمیشہ بابا بلھے شاہ کے دربار پر ایک خاص نشہ اور کیفیت کا احساس ہوا۔ بابا بلھے شاہ کی شاعری میں جو بانک پن اور عشق الہی ہے اُس کی کیا بات ہے۔ ایک دفعہ میں سلام کرنے بابا بلھے شاہ گیا ہوا تھا تو وہاں موجود متولی سے پوچھا کہ یہاں پر کوئی ایسا درویش آتا ہے جس میں کرنٹ ہو جو باکمال ہو۔ تو اُس نے مجھے بتایا کہ ناٹکا بابا آتا ہے عرس پر وہ اپنے مریدوں کو دھالیں ڈلاتا ہے اور آسمانی، زمینی سیر بھی کرتا ہے۔ اُس کے مریدوں میں ہیں کہ ناٹکا بابا کن فیکون کے مقام پر ہوتو جو اُس کے منہ سے نکل جائے وہ پورا ہوتا ہے۔ اُس ناٹکے بابے کے ہر سارے مرید ہیں اور لوگ اُس کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ ناٹکا کلچر بھی بابوں ملتگوں میں ہے۔ اصل میں یہ ہندوؤں سے آ رہے اور تقسیم ہند کے بعد وہی کلچر پاکستان میں بھی آ گیا۔ کیونکہ تجسس اور کھوج میری فطرت کا حصہ ہے تو میں نے متولی کا فون لیا اور کہا کہ جیسے ہی وہ بابا ناٹکا آئے مجھے ضرور بتانا۔

گستاخ بھنگی بابا

میں مری جا کر مصروف ہو گیا لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ بات تھی کہ بابا ناٹکا سے جا کر ملتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اُس میں کیا روحانی تصرف یا قوت ہے اور وہ بے نمازی اور شریعت سے ہٹ کر بھی روحانی طاقت اور تصرفات کیوں رکھتا ہے۔ اور یہ سوال عام قارئین کے ذہن میں بھی آتا ہوگا کہ ملنگ بابے جو مذہب سے دور ہوتے ہیں وہ روحانی کمالات کس طرح دکھاتے ہیں؟ اس واقعے سے یقیناً آپ کو بات سمجھ آ جائے گی کیونکہ اصل درویشی، فقیری اور صوفی ازم یہی ہے کہ سرکارِ مدینہ آقائے دو جہاں کی غلامی، آپ کی شریعت پر پوری پابندی اور عشق الہی۔ اگر آپ شریعت اور غلامی رسول سے ذرہ بھی دور ہیں تو آپ غلط ہیں۔ آپ حقیقت کے بجائے سراب کے مسافر ہیں۔ آخر ایک دن مجھے بابا بلھے شاہ کے متولی کا فون آیا کہ پروفیسر صاحب سرکار کا عرس شروع ہو گیا ہے اور بابا ناٹکا بھی اپنے مریدوں کے ساتھ جلوہ افروز

ماڈرن چرسی، فنکشن اور ڈانس

عرصہ دراز سے انسانوں کا بگڑا ہوا طبقہ بلکہ عیاش طبقہ اپنا دکھ، خوف، دور کرنے کے لیے اور بعض اوقات عادتاً ان کا سہارا لیتا ہے۔ ایک مخصوص ذہنی حالت اور کیفیت حاصل کرنے کے لیے مختلف نشہ آور چیزیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان نشہ آوروں میں سے ایک ہے **نشانہ** جو میرا مرید بھی ہے اپنے ساتھ اپنے کسی دوست کو لے کر آیا اور کہا بھائی میں نے تیرا دوست ہے اور اپنے چھوٹے بھائی کی وجہ سے بہت سخت پریشان ہے۔ میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میرا دوست ایک ایسے گروپ کا حصہ ہے جو weekend پر کسی مخصوص جگہ پر ملتے ہیں اور مل کر نشہ کرتے ہیں۔ گروپ کا نام strange تھا جو میں مصطفیٰ یہاں نہیں بتا سکتا۔ اس میں انتہائی ماڈرن امیر زادے اور امیرزادیاں شامل ہیں۔ انہوں نے گروپ اور باہر کے ممالک سے پڑھ کر پاکستان آئے ہیں۔ انہوں نے باریاں باندھی ہوئی ہیں، کسی ناکسی گھریا لٹے ہوئے ہیں اور جی بھر کے چرس پیتے ہیں اور ڈانس کرتے ہیں اور ایک مہنگی گولی بھی کھاتے ہیں جو تقریباً تین ہزار روپے کی آتی ہے اور پھر دوبارہ دارِ قفس کرتے ہیں اور کارٹون بن جاتے ہیں۔ اُس گولی کی وجہ سے ایک خاص ذہنی حالت پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ ذہنی طور پر بن جاتے ہیں۔ کوئی بزنس مین، کوئی فلم اسٹار، کوئی ٹاپ کھلاڑی، چارٹرڈ افسر، افسر کرتے ہیں اور بھی بہت ساری باتیں۔ کیونکہ میں کافی عرصے سے اسی چیز پر ریسرچ کر رہا تھا کہ لوگ چرس کھانے کے ذریعہ روحانیت کے لیے کیوں استعمال کرتے ہیں، اُس کی باتیں سن کر میری فطرت کا ازلی تجسس بیدار ہو چکا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں تو وہ بولا پروفیسر صاحب! کل رات میرے گھر اُس نے پارٹی رکھی ہے اور سارے ملٹی ماڈرن زادے وہاں آئیں گے۔ ویسے تو میرا بھائی کبھی آپ کے پاس نہیں آئے گا۔ آپ اگر رات کو میرے گھر آ جائیں تو آپ اُس سے مل کر غیر محسوس طریقے سے اُس کو دم وغیرہ کریں تاکہ وہ بری صحبت سے بچ جائے۔ اُس کی باتیں مجھے راغب کر چکی تھیں لہذا میں نے فیصلہ کیا کہ میں جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ یہ کیا گولی ہے اور کیسا ڈانس اور گولی کی کیا کیفیت ہے۔ اگلی رات میں اور نوررا، منجھامقررہ جگہ پر رات 12 بجے پہنچ گئے۔ سکیورٹی کے نفل انتظامات تھے۔

وہاں گیت پر جا کر چہ چلا کہ 5000 روپے کا ٹکٹ ہے اور دوسری شرط یہ کہ جوڑا ہو یعنی کوئی بھی مرد اکیلا اندر داخل ہو سکتا۔ نور نے اندر کی کوفن کیا تو اُس کا میزبان دوست فوراً باہر آیا اور ہمیں اندر لے گیا۔ اُس کا بہت بڑا لان تھا جس میں صوفے لگے تھے۔ ابھی چند ہی لوگ آئے تھے۔ اب یہاں ایک اور چیز کا ذکر کرتا چلوں کہ جو لوگ آرہے تھے وہ اندر ماڈرن اور ہر عمر تھے۔ مجھے اُس وقت شدید حیرت ہوئی جب 50 سال سے اوپر کے جوڑے یا مرد و جوان لڑکیوں کے ساتھ اندر آ رہے تھے۔ جدید اور فیشن ایبل کپڑوں میں مصنوعی جنت کی تلاش میں۔ وہاں پر مختلف قسم کے ڈرنکس چل رہے تھے۔ روشنی کم تھی۔ جوڑے مختلف جگہوں پر سرگوشیوں میں مشغول تھے اور میں شدید حیرت اور دکھ میں مبتلا تھا کہ نئی نسل کیا کر رہی ہے۔ یہ لوگ شاید اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔ میں نے میزبان سے کہا کہ جو بندہ یہ پروگرام Arrange کرتا ہے اسے بلاؤ۔ اُس نے ایک لڑکے کو بلایا جو کسی اور ہی سیارے کی مخلوق لگ رہا تھا۔ بالوں میں Jell اور عجیب تنگ کپڑے پہنا ہوا تھا۔ میزبان نے اُس سے کہا کہ یہ میرے بھائی جان ہیں ان کو بتاؤ یہ کیا ہے۔ اُس نے بتایا کہ سر یہ گروپس پوری دنیا میں موجود ہیں۔ پہلے یہ گروپ یہاں پر نہیں تھے تو وہ نو جوان لڑکے لڑکیاں جو باہر سے پڑھ کر آتے ہیں اور وہاں سے عادی ہو کر آتے ہیں وہ اس عادت کو پورا کرنے کے لیے ہانگ کا ٹنگ، سنگاپور یا یورپ جاتے تھے۔ اب یہ گروپ یہاں بھی آ گئے ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں کرتے ہیں ایسے؟ سر! یہ سارے چرس اور دوسرے نشوں کے عادی ہوتے ہیں لیکن اصل نشہ وہ گولی ہے جو یہ کھاتے ہیں۔ آپ نے کیبل یا Dish پر بہت سارے ٹرانسمیوٹرز پروگرام کیے ہوں گے جن میں سے تالاب کے کنارے یا سمندر کے کنارے یا کسی لان میں بہت سارے لڑکے لڑکیاں دیوانہ وار ناچ رہے ہوتے ہیں۔

شاہد دنیا و مافیہا سے بے خبر ناچ رہے ہوتے ہیں اور تھکتے بھی نہیں۔ وہ اُس گولی کی وجہ سے بلا تھکاوٹ ناچ رہے ہوتے ہیں۔ ساتھ میں تیز میوزک بہت ضروری ہوتا ہے۔ اگر میوزک بند کر دیں تو یہ روتے چیختے ہیں کہ کیوں نشہ خراب کر رہے ہو۔ میوزک چلاؤ کیونکہ وہ گولی چند گھنٹوں کے لیے فل انرجی دیتی ہے اور دماغ کو سن یا خاص حالت میں لے جاتی ہے۔ اب یہ اُس گولی کی وجہ سے کارٹون بن جاتے ہیں جو ان کا ڈریم ہوتا ہے یا جس سے متاثر ہوتے ہیں کوئی جہاز چلا رہا ہو ہے، کوئی قلم کا ہیر تو کوئی کھلاڑی، کوئی دنیا کا ٹاپ کا بزنس مین۔ ان کے دماغ میں کوئی ایسی مصنوعی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ دنیا سے بے خبر ہو کر اپنا Dream جیتے ہیں۔ اپنی خیالی دنیا میں اپنی پسند کا رول ادا کرتے ہیں۔ جب سارے مہمان آگئے تو میزبان بولا آئیں، اب آپ کو اصل کھیل دکھاتا ہوں۔ وہ ہمیں ایک بند کمرے میں لے گیا جو مخصوص ساخت کا تھا اور ڈانس کے لیے ہی تیار تھا۔ جب ہم اُس کمرے میں داخل ہوئے تو مارے شرم کے میں جلد ہی واپس آ گیا۔ اندر بہت تیز میوزک کہ دل و کان جیسے پھٹ جائیں گے اور میں کے قریب جوڑے ایک دوسرے کے سامنے دیوانہ وار ڈانس کر رہے ہیں۔ کسی کو کسی کی کوئی خبر نہیں تھی، وہ اپنی ہی دنیا میں گم تھے اور اپنے من پسند کریکٹر میں گم ناچ رہے تھے۔ جب میں تیزی سے نکل رہا تھا تو میزبان بولا سر! ایک منٹ۔ اس نے میوزک بند کر دیا تو سب نے چیخنا شروع کر دیا اوس نے بند کر دیا چلاؤ میوزک نشہ خراب ہو رہا ہے، جلدی کرو جلدی کرو نشہ خراب ہو رہا ہے۔ جیسے ہی میوزک دوبارہ آں ہوا وہ سب دوبارہ کٹھ پتلیوں کی طرح ناچ رہے تھے دنیا سے بے خبر۔ ہم جلدی سے اس کمرے سے باہر آ گئے۔ میرا دل بہت تیزی سے

میں نے میزبان کے بھائی کو بلایا اور تھوڑی سی کمپنی بھی دی اور چند ایسی باتیں بتائیں کہ وہ کافی متاثر ہو گیا۔ مجھے اندر افسر لیا اور دو دن بعد مجھ سے ملنے آ گیا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر اُس پر توجہ کی، ذکر اذکار اور مراقبہ شروع کیا۔ کچھ عرصے کے بعد ہی اُس کو سرور آنا شروع ہو گیا اور اللہ کی مدد سے آہستہ آہستہ وہ اُس گروپ سے نکل گیا اور آج کل نارمل زندگی گزار رہا ہے اور اکثر میرے پاس آتا ہے اور اپنی ماضی کی زندگی پر شرمسار بھی ہوتا ہے۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ بابا بلھے شاہ کے دربار پر ناٹکا بابا جو لوگوں کو سرعام بھنگ اور

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ بابا بلھے شاہ کے دربار پر ناٹکا بابا جو لوگوں کو سرعام بھنگ اور

سلام دعا کے بعد میں نے باباجی سے درخواست کی باباجی! میں عرصہ دراز سے بے شمار بابوں، ملنگوں، فقیروں

ناٹکا بابا میری بات سن کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور بولا کرنٹ دے دے گا جس کے پاس ہوگا جو خود خالی ہوگا وہ کسی کو

جب باباجی نے اپنی بکواس بند کی تو میں بولا باباجی! اب ہم کو بھی کچھ دو تو باباجی بولے: لاؤ پیالہ اور اس کو چلاؤ۔

مرید پیالہ بھر کر میرے اور دوست کے پاس آئے اور بولے: لو، جنت کی سیر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اب تم آسمانوں کو روگے۔ آج تم ایک مرد قنندر کے پاس آئے ہو آج باباجی کے ہاتھ سے جام بیو اور زمینی اور آسمانی سیر کرو۔ ڈرتے ڈرتے کہا باباجی! یہ نشہ ہے اور ہمارے پیارے نبی پاکؐ نے ہر قسم کے نشے سے منع کیا ہے، یہ حرام ہے۔ میرے اُس جواب کی بالکل توقع نہیں تھی انہیں لگا میں نے ان کو گالی دی ہے۔ گستاخی عظیم کر دی ہے۔ ان کو حرام زادہ ہے بولے مولوی بکواس کرتے ہیں۔ یہ جنت کا پودا ہے جو امام حسن رضی اللہ تعالیٰ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ کے خصوصی طور پر جنت سے زمین پر اتارا گیا ہے، یہ جنتی نشہ ہے اور اسی میں فقیری رنگ ہے۔ اُس کی بکواس سن کر میں گئی میں آگیا۔ باباجی اگر سارا نشہ اس پیالے میں ہے تو آپ نے کیا کیا؟ آپ کا کیا کمال ہے؟ آپ کا روحانی تصرف کیا گیا۔ آپ کا روحانی لنگر آپ کی نظر اور توجہ کدھر ہے؟ یہ نشہ سرد تو شراب اور جس میں بھی ہے تو بندہ وہ پی لے اور سیر کر لے۔ باباجی کو بالکل توقع نہیں تھی کہ میں اس طرح کروں گا۔ وہ بالکل تیار نہیں تھے۔ بولے یہ میرے مرشد کا لنگر ہے۔ میں نے کہا آپ کے مرشد کا نہیں یہ بھنگ کا نشہ ہے۔ شرم کرو حرام چیز پلا کر روحانیت کا دعویٰ کرتے ہو تمہارے اندر کچھ ہے تو وہ دکھاؤ۔ پیالہ نہیں۔ مریدوں کو میری گستاخی بالکل اچھی نہیں لگی۔ وہ میرے ساتھ بدتمیزی لگے۔ میں نے جھوٹ بولا کہ SP پولیس میرے کزن ہیں۔ اگر آپ لوگوں نے میرے ساتھ کوئی زیادتی کی تو ابھی بلا لوں گا۔ میری بات سن کر باباجی ڈر گئے اور اپنے مریدوں سے کہا تم باہر جاؤ۔ مریدوں نے جانے کے بعد مجھے سے کہا ہوا۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ جاؤ کسی نیک بندے کے پاس اگر کوئی مل جائے تو مجھے بھی بتانا۔ کیوں مجھے ذلیل کر رہو، جاؤ اور کسی نیک بندے کی صحبت اختیار کرو۔ بابا مجھے معاف کرو میرا دھندہ خراب نہ کرو۔ لہذا میں نائنگے بابے کو کھانا واپس مری آگیا۔ ایک ایسا فراڈ بابا جو بھنگ کے پیالے میں روحانیت کا فیض بانٹ رہا تھا۔

آگ (بچ) کا پجاری بابا

جیسا کہ میں پچھلے صفحات میں چرخی اور بھنگی بابوں کا ذکر کر چکا ہوں اسی طرح کے ایک بابے کا ذکر کرتا ہوں۔ اُن دنوں میں مری میں تھا کہ میرے دوست فاروق عباسی صاحب میرے پاس آئے کہ میرے کزن کے گھر اُس کا مرشد آ رہا ہے اور وہ کئی دن اپنے مریدوں کے ساتھ رہتا ہے اور بکواس کرتا ہے کہ قرآن پاک میں نماز کا ذکر نہیں ہے اور نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ مجھے بہت حیرت ہوئی کہ پاکستان میں رہ کر اُس کے اندر اتنی جرأت کہاں سے آگئی کہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔ میرے دوست نے بتایا کہ وہ جتنا عرصہ بھی رہتا ہے آگ جلا کر اُس کے سامنے بیٹھا رہتا ہے اور آگ بجھنے نہیں دیتا۔

میری وہی بیماری کھوج، تجسس کہ یہ فقیری کا کون سا رنگ ہے۔ آگ کے سامنے کیا ہے۔ ارتکاز، توجہ یا کچھ اور میں اپنے دوست کے کزن سے ملا۔ اُس سے باباجی کے بارے میں پوچھا تو اس نے اور بھی حیران کیا کہ باباجی کو ہر بات کی خبر اور پتہ چل جاتا ہے۔ جودل میں ہوتا ہے وہ بھی بتا دیتے ہیں۔ ان کی زبان سے نکلا ہر لفظ پورا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ

میں نے کہا باباجی! کچھ ہمارے بارے میں بھی بتائیں ہم کیا کھا کر آئے ہیں۔ ہم کون لوگ ہیں؟ کیونکہ میں باباجی کی پریشانی دیکھ چکا تھا اور مجھے اللہ کی مدد کا اندازہ ہو چکا تھا۔ باباجی بار بار آگ اور ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ اب اس کی پریشانی شرمندگی میں بدل رہی تھی۔ باباجی کا میزبان مرید بھی پریشان اور شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ اب میرے دوستوں میں بھی ہمت اور برأت آگئی تھی۔ وہ بولے باباجی صبح تو آپ ٹر ٹر بول اور بتا رہے تھے اب بتاؤ۔ باباجی کا رویہ معذوری کا اظہار کر رہا تھا۔

اب میں اصل سوال کی طرف آیا کہ تم جو بکواس کرتے ہو نماز کہاں ہے تو قرآن پاک میں جو یہ ہے کہ رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ تو رکوع تو نماز میں ہوتا ہے اور چودہ سو سال سے جو مسجدیں اور محرابیں بنی ہیں کس لیے ہیں؟ ان کا کھانا نہیں تھا۔ جب میں نے قرآن وحدیث میں نماز کی افادیت بتائی تو وہ چپ بیٹھا تھا شرمندہ ہو کر باباجی کی

تھکت اور خاموشی دیکھ کر اُس کے مریدوں نے رونا شروع کر دیا۔ میں نے ان کو بتایا کہ آگ کو پوجا غیر مسلم کرتے ہیں ہم مسلمان ہیں جو صرف اللہ کی عبادت اور نبی پاک کی غلامی کرتے ہیں۔ مریدوں کو میری باتوں کی سمجھ آ گئی۔ اگلے مجھے بتایا گیا کہ بابا واپس چلا گیا ہے اور اس کے مرید بعد میں باباجی سے بہت لڑے کہ آپ نے پروفیسر صاحب دوستوں کی رپورٹ کیوں نہیں دی، تم جھوٹے ہو۔ اب ہم تمہاری اور آگ کی پوجا کے بجائے رب کی عبادت کریں یہاں بھی میرے رب پاک نے میری عزت رکھی اور میری مدد کی۔

بابا لال شاہ مری کے در پر

کیونکہ میرا زیادہ عرصہ مری میں گزرا ہے۔ فقیری، ریاضت اور مجاہدے زیادہ تر مری میں ہوئے۔ جب تعالیٰ نے مجھے کسی قابل بنایا اور مخلوق کا رجوع میری طرف ہوا تو مجھے بہت سارے بوڑھے بزرگ ایسے ملے جنہوں بہت سارے وقت بابا لال شاہ کے ساتھ گزارا۔ بابا لال شاہ مجذب بزرگ تھے۔ صدر پاکستان ایوب خان اور جنرل ضیا الحق اپنے پکتانی کے دور میں باباجی کے پاس گئے اور باباجی نے دونوں کو بادشاہت کی خوشخبری سنائی۔ کیونکہ باباجی میں اور جگہ یا کرنٹ اتنا زیادہ آجاتا تھا کہ اکثر جذب اور سکری حالت میں کھڑے رہتے تھے۔ اُس کی کایا پلٹ گئی۔ بے شمار لوگوں نے باباجی کو شیر پر سواری کرتے اور شیر کا آپ کو سلام کرتے دیکھا۔

بابا لال شاہ کا مرید بابا

مری میں جب اللہ پاک کا مجھ فقیر پر کرم ہوا اور ہزاروں لوگ روزانہ مجھے ملنے آتے تو ان لوگوں میں ایک بزرگ بوڑھے آدمی بھی میرے پاس آتے۔ انہیں مجھ سے کوئی کام نہیں تھا۔ وہ کہتے مجھے فقیروں درویشوں سے ملنے شوق ہے۔ بس باقی اللہ تعالیٰ کا کرم خاص ہے۔ میں نے ایک دن ان سے پوچھا کہ آپ کو بزرگوں سے ملنے کا شوق کیسے ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں بچپن میں جب دس سال کا تھا تو میری ماں اکثر مجھے لے کر بابا لال شاہ کے پاس جاتی تھی یہ باباجی واقعی قلندر مجذب تھے۔ آج بھی ان کی بے شمار کرامات کا ذکر اہل مری کرتے ہیں اور ان کی صحبت میں رہنے والے بے شمار لوگ مجھ سے آکر ملتے اور بابا لال شاہ کا ذکر بھی کرتے اور بے شمار لوگوں نے اپنی آنکھوں سے باباجی کو شیر پر سواری کرتے دیکھا۔

یہ باباجی جو میرے پاس آتے تھے، کہنے لگے، میری ماں باباجی کی بہت بڑی مرید اور عقیدت مند تھی۔ میں اور میری ماں سارا سارا دن باباجی کے پاس گزارتے کیونکہ باباجی مجذب تھے، اس لیے بعض اوقات اپنے کپڑے اٹا رہتے۔ ایک دن حسب معمول میں اور میری ماں بابا لال شاہ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ بے شمار لوگ آئے ہوئے

ابھی اپنی مستی اور جذب و سکری میں دنیا سے بے خبر بیٹھے تھے تو میں نے دل میں سوچا کہ مسجد کے امام مسجد تو کہہ رہے ہیں کہ مسلمان پر پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور جو نماز نہیں پڑھتا، وہ مسلمان نہیں، کافر ہے تو یہ باباجی تو پاگلوں والی باتیں کرتے ہیں۔ ان کو تو اپنی ہوش نہیں ہے تو یہ دوسروں کو کیا دے سکتے ہیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ باباجی نے میری بات دیکھا اور اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا کیونکہ باباجی اکثر لوگوں کو مارتے تھے۔ کسی کو ٹنگوں سے کسی کو ڈنڈوں سے لے کر میں ڈر رہا تھا کہ باباجی مجھے بھی نہ ماریں۔ لیکن باباجی نے دوبارہ پھر مجھے اشارہ کیا تو میری ماں نے کہا کہ جاؤ بابا لال شاہ کے پاس جاؤ، لہذا میں ڈرتے ڈرتے باباجی کے پاس گیا۔ میں جیسے ہی باباجی کے پاس گیا تو باباجی نے مجھے جھپٹ لیا اور میری گردن پکڑ کر اپنے بازو کے نیچے دے دی اور پہاڑی زبان میں کہا، میں بے نمازی نہیں ہوں۔ یہ دیکھو میں بابا لال شاہ ہوں۔ باباجی کے کہنے پر جب میں نے دیکھا تو سامنے خانہ کعبہ کا منظر تھا اور باباجی وہاں پر صاف سترے ہوئے مکان کرپورے ہوش و حواس کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ باباجی نے دو تین بار میری گردن دبا کر کہا، دیکھو غور دیکھو اور اس کے بعد مجھے دھکا دے کر واپس میری ماں کی طرف دھکیل دیا۔ باباجی یہاں بھی اور وہاں بھی، میں بری طرح لرز رہا تھا بلکہ دہشت زدہ۔ میں حیرت، تجسس کی وجہ سے کپکپا رہا تھا۔ میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ میری ماں نے انتظار کیا کہ میں کیسی ہوں، لہذا وہ مجھے لے کر گھر کی طرف بھاگی۔ گھر جاتے ہی مجھے تیز بخار ہو گیا۔ دو تین دن تو میری ماں نے انتظار کیا کہ میں کیسی ہوں، لہذا وہ مجھے لے کر جانا شروع ہو گئی لیکن میرا بخار اتارنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ میری ماں میری وجہ سے بہت پریشان تھی جبکہ مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں تھی بلکہ میں تو سردی، گرمی ہر قسم کے احساس سے آزاد ہو چکا تھا۔ ایک ٹیٹھا نشہ آور سرور ہر وقت میرے اوپر طاری رہتا۔ میں پیاس، بھوک اور موسموں کے اثرات سے آزاد تھا۔ ایک لالچی کیفیت میرے اوپر طاری تھی۔ میری ماں اسی طرح ایک ماہ تک مجھے ڈاکٹروں، جھیکموں کے پاس لے کر جاتی رہی۔ ان میں سے ہر ایک نے اثرات کو کسی نے میری ماں کو مشورہ دیا کہ اس کو پھر بابا لال شاہ کے پاس لے چلو اور ان سے معافی مانگو اور ان کو کہنا کہ اللہ امیر میری ماں مجھے لے کر بابا لال شاہ کے پاس آ گئی۔ باباجی دنیا سے بے خبر ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔ لوگ ان سے کہتے تھے، لوہوں میں بیٹھے تھے۔ میں اور میری ماں بھی جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد جب باباجی کی نظر ہماری طرف اٹھی تو میری ماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ”باباجی اس کو معاف کر دیں۔“ باباجی نے اشارے سے مجھے اپنے پاس بلایا تو میری ماں بھی باباجی کے پاس آ گئی اور باباجی سے کہا ”باباجی، یہ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ یہ مجھے واپس کر دیں۔“ باباجی ہر وقت جنوں میں رہتے تھے، مجھے پکڑا اور دوپٹہ لگائے اور مجھے میری ماں کی طرف دھکیل دیا۔ باباجی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جس کو تھپڑ مار دیتے اس کا کام ہو جاتا ہے۔ میری ماں مطمئن ہو گئی کہ اب میرا بخار اتار جائے گا۔ اس کے بعد میری ماں مجھے گھر لے کر آ گئی۔ میں صبح اٹھا تو میرا بخار ترچکا تھا۔ مجھے لگا جیسے میرے وجود سے کوئی چیز نکل گئی ہے۔ ایک بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ دوران بخار مجھے بہت سرور، نشہ اور مستی اور سچے خواب آتے۔ جسم تیز گرم تھا لیکن درد وغیرہ نہیں تھا۔ میں گرمی سردی کے احساس سے عاری تھا۔ اس کے بعد بھی میں عرصہ دراز تک باباجی کے پاس جاتا رہا اور دور دور

پروفیسر صاحب کیوں کہ میں بچہ تھا اس لیے نہیں جانتا تھا کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا کر دیا تھا۔ ایک بار عرصہ میں بخار میں رہا، وہ سرور، مستی اور نشہ مجھے آج بھی یاد ہے۔ اس کیفیت کا اظہار میں لفظوں میں نہیں کر سکتا۔ مارے لوگ میرے پاس بھی آتے ہیں، میں ان کو دم وغیرہ کر دیتا ہوں اور اکثر لوگوں کو شفا بھی مل جاتی ہے۔ یہ سارا بابا لال شاہ سرکار کا ہے۔ میں جتنا عرصہ بھی مری رہا یہ بابا جی کبھی کبھار مجھ سے ملنے آ جاتے اور بابا لال شاہ کی باتیں کرامات کا ذکر بہت محبت اور عقیدت سے کرتے۔

میں نے بابا جی کے مرید سے کہا آپ میرے پاس کیوں آتے ہیں تو وہ بولے اُس بخار میں جو سرور، مستی ملی لینے آتا ہوں۔ بابا جی اکثر میرے پاس آتے۔ میں ہمیشہ بابا جی سے دعا کی درخواست کرتا اور وہ کرتے بھی۔ میں ان کا ہاتھ بابا لال شاہ کی چلہ گاہ اور مزار پر بھی اکثر جاتا۔ ہم اکثر پیدل سفر کرتے۔

چرسی گروپ کا مقابلہ

بابا لال شاہ کے عرس پر پورے پاکستان سے بے شمار لوگ آتے ہیں کیونکہ مری کا موسم شاندار اور بخشندهوتا ہے جن دنوں میں مری تھا ان دنوں بابا جی کا عرس بھی گرمی کے موسم میں ہوتا تھا اور شاہ جی کی عرس کا عرس بھی عرس کا کافی دن رہتا ہے۔ پورے ملک سے عقیدت مند آتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر لوگ عقیدت اور عشق آتے ہیں لیکن کچھ لوگ چرسی بھی آتے ہیں جنہوں نے اپنے خیمے لگائے ہوتے ہیں اور دھڑا دھڑا چرسی اور باقی نشہ کر رہے ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک بار بابا جی کا عرس تھا۔ میں اور بابا لال شاہ کا مرید بابا بھی عرس پر آئے ہوئے تھے۔ بابا جی کے اپنے بچپن کے واقعات بتا رہے تھے کہ بابا جی کہاں بیٹھے تھے اور مسجد کیسی تھی۔ اس وقت وہ سارا منظر بتا رہے تھے اور مختلف جگہوں سے گزار کر بابا جی کے مزار کی طرف لے کر جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ہم ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں پر دو ملنگ، آسنے سامنے بیٹھے تھے اور ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ دونوں ملنگوں کے پیچھے ان کے مرید بھی بیٹھے تھے۔ دونوں ملنگوں کے دونوں ہاتھ چرس سے بھرے ہوئے سگریٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ بار بار بے شمار سگریٹوں کا دھواں اندر کھینچ کر باہر نکال رہے تھے۔ فضا میں چرس کی بو ہر طرف پھیلی ہوئی تھی اور چرس کے دیوانے اس ماحول کو جنت بنا کر بیٹھے تھے۔ دونوں ملنگ فل آف چرس تھے اور گھور کر توجہ یا ارتکاز کی قوت دکھا رہے تھے یا ایک دوسرے کو زیر کر رہے تھے۔ میں اور بابا جی یہ منظر دیکھ کر خنجر گئے۔ ابھی ہمیں کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک ملنگ نے ہماری طرف دیکھا اور کہا بھاگ جاؤ یہاں سے یہ دو درویشوں کا مقابلہ ہے۔ یہ سن کر میرے بابا جی کو شدید غصہ اور جلال آ گیا جیسے اُن پر کسی روح کی حاضری ہو گئی۔ غصے میں دونوں ملنگوں کے سروں کو پکڑ کر کہا میری طرف دیکھو۔ پتہ نہیں بابا جی کی آنکھوں میں کیا تھا۔ دونوں ملنگوں نے روٹا شروع کر دیا اور بابا جی سے معافی مانگنے لگے۔ بابا جی غصے میں تھے۔ بولے اتنا چرس پی کر فقیری دکھاتے ہو۔ ملنگوں

پاک پتن بابا فرید کے در پر

اولیائے کرام سے محبت اور عقیدت رکھنے والے تمام لوگوں کو بابا فرید صاحب کے مقام و مرتبے کا بخوبی احساس ہے۔ ہر بزرگ کا اپنا مقام اور سرور و مستی کا طریقہ ہے۔ بے شمار لوگ پاک پتن سلام کرنے جاتے ہیں۔ کیونکہ خواجہ غریب اور شاہ اسماعیل کے ساتھ میرا عشق انتہا کا ہے تو اسی نسبت سے بابا فرید کے ساتھ بھی خصوصی عشق و عقیدت ہے۔ جب کبھی اس موقع ملتا ہے میں ضرور پاک پتن جاتا ہوں اور اپنی روح کو Charg کر کے آتا ہوں۔ پاک پتن کا بھی اپنا ہی نشہ ہے۔ اسی ہی مناجات پولیس حاجی حبیب الرحمن صاحب بچپن سے اولیائے اکرام سے بہت عقیدت اور عشق کرتے ہیں اور ان کے ساتھ بھی کچھ کچھ ہے۔ کیونکہ میں بھی بہت شوقین ہوں لہذا ہم دونوں نے چادر تیار کرائی اور پاک پتن کی طرف روانہ ہوئے۔ اس وقت بھی کسی بزرگ یا مزار کے پاس جاتا ہوں تو راستے میں ہی کیفیت ہی شروع ہو جاتی ہے۔ نشہ سرور چھانے لگتا ہے۔ اسی ہم آدھے راستے میں ہی تھے کہ جذب و سرور طاری ہونے لگا اور قوالی کی آواز اور تیز خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ یہ کیفیت اتنی شدید اور واضح تھی کہ قوالی کے بول تک کلیئر ہونے لگے۔ ”ہو کر م کی نظر چشت کے تاجور“ خواجہ غریب نواز کی قوالی میں قوالی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ میں خوش تھا کہ سرکار ہماری آمد سے آگاہ ہیں اور نظر کر رہے ہیں۔ اس وقت میں ہم دربار پر پہنچے جیسے ہی صابر کلیئر کے حجرے کو کراس کیا تو قوال وہی قوالی سنار ہے تھے جو میں راستے میں سنتا تھا۔ صابر کلیئر سرکار کے حجرے پر حاضری کے بعد بابا فرید سرکار کی طرف جب وہاں حاضری دی تو ایک دم پردے اٹھ چکے اور مجھے بہت سارے اولیائے کرام کے ساتھ بابا یوسف نظر آئے۔

مہذب بابا یوسف کے چائے رس

مہذب بابا یوسف دنیا سے پردہ کر گئے تھے اور پہلی بار مجھے یہیں سے بابا جی کا پتہ چلا تھا۔ کافی عرصہ پہلے ایک شب مری میں تھا اور میں تلاش حق اور روحانیت کی تلاش میں نگر نگر کی خاک چھان رہا تھا اور اسی طرح جب میں ایک آرام کرنے آیا ہوا تھا اور میں حاضری کے بعد ایک طرف بیٹھ کر ذکر کرتا تھا اور میری آنکھ لگ گئی تھی تو اونگھ میں

خواب میں مجھے کھیت دکھائے گئے اور شہر کا نام بھی اور کھیتوں میں ایک باباجی مالٹے رنگ کے درویشی لباس میں لپکا ہوئے تھے اور پاس چند مرید بیٹھے تھے جو چائے رس پی اور کھا رہے تھے۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو خواب صاف اور واضح تھا کہ ہر بات اور منظر مجھے یاد تھا۔ وہ جگہ میرے گاؤں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ لہذا میں نے واپس گاؤں آ کر ایک ایسے کلاس فیلو کو پکڑا جو اولیائے کرام سے شدید محبت کرتا تھا اور ساتھ والے گاؤں میں رہتا تھا۔ اُس کو ملے فائدہ یہ تھا کہ وہ بچپن سے علاقے کے تمام بزرگوں اور درویشوں کو جانتا اور خدمت کرتا تھا۔ میں نے اُس سے مل کر اس خواب کا ذکر کیا اور کہا کہ خواب میں مجھے یہ علاقہ دکھایا گیا ہے۔ وہ بولا ایسا درویش تو ہمارے علاقے میں نہیں ہے بلکہ میں اس کی موثر سائیکل کے پیچھے بیٹھا اور ہم نے اُس گاؤں جا کر باباجی کی تلاش شروع کر دی۔ پہلے دن تو ہم ناکام واپس آئے۔ اگلے دن بھی پوری تلاش کے باوجود باباجی کا پتہ نہ چلا۔ آخر تک آ کر میں نے تانگے والوں سے پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ گاؤں گاؤں گھومتے ہیں شاید ان کو باباجی کا پتہ ہو۔ تو تانگے والوں نے بتایا کہ فلاں تانگے والا بزرگوں درویشوں کی ڈکٹری ہے وہ آپ کو بتا سکتا ہے۔ جب ہم اُس سے ملے تو اُس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ جب ہم واپس جانے لگے تو تانگے والا بولا: ایک دن میں ایک ایسی سواری کو فلاں جگہ اتار کر آیا تھا اُس کے پاس بہت سارے رس اور وہ کہہ رہا تھا کہ باباجی کے لشکر میں حصہ ڈالنا ہے۔ میں اُس بندے کو جانتا ہوں۔ ہم اُس کے بتائے ہوئے پتے پر پہنچے تو وہ بندہ گھر پر نہیں تھا کسی دوسرے شہر میں گیا ہوا تھا۔ اتنی زیادہ تلاش ہوئی تو بعد باباجی کے ملنے کا اشتیاق اور جوش آخری حدوں تک پہنچ گیا تھا۔ میرے دوست نے بہت کہا کہ واپس جاتے ہیں لیکن میں نے کہا: نہیں مل کر جائیں گے۔ بہت انتظار کے بعد وہ بندہ واپس آیا تو ہم نے اُس سے باباجی کا پوچھا تو اُس نے کہا کہ مجھے پاک پتن سے میرے رشتہ دار نے فون کیا تھا کہ فلاں جگہ پر ایک درویش ہے اُس کو رس دے کر آؤ لہذا میں ایک بار ہی گیا تھا۔ اب پتہ نہیں وہ آپ والا ہے اور اسی جگہ پر ہے؟ میں صبح آپ کو اُس جگہ پر لے جاؤں گا۔ رات بہت ہو چکی تھی لہذا ہم گھروں کو آ گئے اور صبح سویرے اُس بندے کے گھر پہنچ گئے، وہ تیار تھا۔ مجھے کہنے لگا میں مری آؤں گا تو آپ کے گھر ٹھہروں گا۔ میں نے کہا بسم اللہ اب ہم تینوں موٹر سائیکل پر سوار اُس طرف جا رہے تھے جدھر بابا یوسف کا قیام تھا۔ آخر کار ہم اُس علاقے میں پہنچ گئے۔ یہ گاؤں سے باہر ایک لکڑی کا آرا تھا جہاں پر لکڑیاں کاٹی جاتی تھیں اور ساتھ ہی زمینوں کے کھیت تھے۔ باباجی یہاں پر ایک جھونپڑی میں لیٹے تھے اور ان کے پاس چند ملنے والے بھی بیٹھے تھے اور سامنے وہی کھیت تھے جو مجھے پاک پتن شریف دکھائے گئے تھے۔ میں نے جاتے ہی باباجی کو پہچان لیا۔ یہ وہی باباجی تھے جو مجھے پاک پتن شریف خواب میں نظر آئے تھے۔ یہاں پر مجھے پتہ چلا کہ باباجی کا نام یوسف ہے۔ باباجی مجھے آتا دیکھ کر مسکرائے۔ اُن کی آنکھوں میں آشنائی کی چمک تھی۔ میں نے جا کر باباجی کو سلام کیا اور اُن کے ہاتھوں کو چوما۔ باباجی بولے ماسٹر آگیا ایں۔ سرکاراں نے تینوں بھیج دیا ہے۔ جی بابا میرے بھاگ جاگ گئے جو آپ سے ملاقات ہوگئی۔ میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور میں خوشی سے رونے لگا۔ باباجی بولے او ماسٹر کو چائے رس دو جو باباجی کا خاص لشکر تھا۔ یہ میری بابا یوسف سے پہلی ملاقات تھی۔ باباجی میاں چنوں ملتان کے علاقے کے رہنے والے تھے۔ 20 سال پہلے فقیری میں پڑ

گئے اور وہی بچوں کو چھوڑ کر پاک پتن آ گئے۔ اُس کے بعد کبھی واپس نہیں گئے۔ بیوی بچے ایک دو بار آئے بھی لیکن اہل لے کہا اب میں آپ کے کام کا نہیں رہا۔ باباجی فقیری میں جب پڑے تو گاؤں گاؤں گھومتے، لوگوں سے روٹی مانگ کر کھاتے، اسی طرح اس گاؤں سے گزر رہے تھے کہ چودھری صاحب کی بیٹی کی شادی تھی۔ باباجی بھی کھانا کھانے کے لیے لڑکیوں میں بیٹھے تھے۔ رات کی رخصتی کا جب وقت آیا تو شور مچ گیا کہ دلہن بے ہوش ہوگئی ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں لپٹے ہوئے ہو گئے ہیں۔ اُس پر کوئی جن حاضر ہے۔ مولوی صاحب نے بہت زور لگایا لیکن دلہن کی حالت نہیں سنبھلی۔ اُن دوران چودھری صاحب نے فقیروں کو بیٹھے دیکھا تو ان سے درخواست کی۔ فقیر وادعا کرو میری بیٹی ٹھیک ہو جائے۔ اُس وقت بولے دلہن کدھر ہے؟ چودھری صاحب باباجی کو دلہن کے کمرے میں لے گئے۔ باباجی نے صرف اتنا کہا او کھرا گرم کرو، ورنہ میں تیرے بڑوں کو تیری شکایت لگاؤں گا۔ باباجی کا اتنا کہنا تھا کہ آسیب یا جن نے رونا شروع کر دیا اور اہل مالک کہ دلہن کی جان چھوڑ گیا اور دلہن ٹھیک ہوگئی۔ یہ منظر سارا گاؤں دیکھ رہا تھا۔ فطرت نے گاؤں والوں کو باباجی کا مقام اور روحانی مرتبہ دکھا دیا۔ لوگ اور چودھری صاحب حسین آمیز اور عقیدت بھری نظروں سے باباجی کو دیکھ رہے تھے۔ رات والے خوش خوشی دلہن کو لے کر چلے گئے تو چودھری صاحب اور دیہاتی باباجی کے قدموں میں بیٹھے تھے اور اُن سے درخواست کر رہے تھے کہ خدا کے لیے ہمارے پاس ہی قیام فرمائیں، ہمارے لیے یہ بہت بڑی سعادت ہوگی۔ اُس وقت میں خدمت کا موقع دیں گے۔ کیونکہ یہ سارا واقعہ مشیت الہی کے تحت ہوا تھا لہذا باباجی نے چودھری صاحب کی راتوں پر جو گاؤں سے باہر تھیں وہاں پر ڈیرا جمالیا۔ باباجی کی شادی میں دلہن والی کرامت بہت سارے لوگ دیکھ چکے تھے اس لیے باباجی کا عقیدت کا حلقہ قائم ہو گیا۔ بابا جو زیادہ تر اپنی مستی اور جذب میں رہتے زیادہ تر خاموش رہتے۔ ملاقات مند حاضری دیتے اور دُعائیں لیتے۔ بابا یوسف کے بارے میں یہ ساری باتیں مجھے یہاں آ کر پتہ چلیں۔ کیونکہ میں سردیوں کی چھٹیوں میں گاؤں آیا ہوا تھا اس لیے میں اکثر باباجی کے پاس حاضری دیتا رہا۔ باباجی کی الابچی والی ہائے اور رس جنت کا مشروب لگتے۔ ایک رات باباجی اکیلے تھے، میں اور میرا دوست پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اور میرا دوست باباجی کے پاؤں دبا رہے تھے۔ باباجی بولے ماسٹر تم کیوں آئے ہو میرے پاس اتنے دن ہو گئے تم کو میرے پاس آئے ہوئے بتاؤ کیا چاہتے ہو؟ میں نے باباجی کو موڈ میں دیکھ کر ہمت کی: بابا تھوڑا کرنٹ مجھے بھی لگا دیں، خود تو آپ فقیری کی مستی Enjoy کرتے ہیں باباجی تھوڑی مستی مجھے بھی دے دیں۔ باباجی بولے ماسٹر! بڑا مشکل راستہ ہے، اگر میں نے تجھے اپنی لائن پر لگا لیا تو تیرے گھر والے مجھے گالیاں دیں گے۔ میرا سفر بہت مشکل ہے۔ میں جس راستے کا ماسٹر ہوں اس میں بہت مشکل گھاٹیاں ہیں۔ لیکن میں پھر بھی منتیں کرتا رہا۔ تیرا لشکر میرے پاس نہیں ہے جو تھوڑا سا تیرا حصہ میرے پاس ہے وہ آج تمہیں مل جائے گا۔ باباجی نے اپنی جھونپی چائے جو وہ پی رہے تھے مجھے دی، لو پی لو۔ باباجی کی چائے میں ساری دنیا کے ذائقے اور مٹھاس تھی۔ کوئی دنیا دار ہوتا تو شاید پینے سے پہلے سوچتا کیونکہ باباجی میلے کھیلے کپڑوں میں لیٹے ہوئے تھے لیکن میرے لیے تو یہ ساری دنیا میں سب سے قیمتی اور مزے دار مشروب تھا۔ باباجی کی چائے پینے کے بعد میرے اندر عجیب سا سکون اور مستی کا احساس بیدار ہو گیا تھا۔ اُس رات میں ساری رات خواب میں

ہواؤں میں پہاڑوں پر اڑتا رہا، کبھی ادھر کبھی ادھر۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ روحانی مسافر
 ذکر اذکار، عبادت، ریاضت، مجاہدے کرتے ہیں یا صاحب امر کی توجہ ہوتی ہے تو شروع میں خوابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یا بندہ ساری رات اڑتا ہے۔ مجھے کئی لوگ آکر کہتے ہیں کہ میں خواب میں اڑتا ہوں۔ اس کو ہم روحانیت کی مکی
 حالت یا ابتدا کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد بھی میں اکثر باباجی کے پاس جاتا رہا۔ مجھے بڑا سکون ملتا اور باباجی بھی بہت
 محبت اور شفقت فرماتے۔ رات کو تلاش کی مسافر اس بات سے اتفاق کریں گے کہ کسی درویش یا اصل بزرگ کامل
 جانا اور اس کی صحبت میں چند گھنٹیاں گزارنا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو کسی
 صاحب امر بزرگ کی صحبت یا خدمت کا موقع ملتا ہے بلکہ ایسے نیک لوگ اس معاشرے کا دس یا شہر کے لیے بھی ماحول
 راحت ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں ایک لمحہ سالوں کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے۔ میں عرصہ تک بابا یوسف کے پاس
 جاتا رہا۔ چند سال بعد میں مری میں تھا جب میرے دوست کا فون آیا کہ بابا یوسف علاقہ چھوڑ کر وہاں سے نامعلوم منزل
 کی طرف چلے گئے ہیں۔

مجدوب بابا بشیر کا قہوہ اور بلاوا

جس طرح بابا یوسف نے میرے اوپر بہت شفقت اور محبت کی اسی طرح میری روحانی زندگی میں ایک اور
 مجدوب بابا بشیر بھی تھے جنہوں نے بہت شفقت اور محبت کی۔ میں بچپن میں اپنے ماموں اور بابا جمال کے ساتھ ایک
 مست کے پاس جایا کرتا تھا۔ بابا بشیر اسی بابا مست کے مرید تھے اور لوگوں اور باقی مریدوں کے بقول بابا مست کے
 روحانی وارث بابا بشیر ہیں اور بابا مست اپنا سارا روحانی تصرف اور لشکر بابا بشیر کو دے گئے ہیں۔ بابا مست کے دنیا سے
 جانے کے بعد اب سارے مریدین اور بابا مست کے چاہنے والے بابا بشیر کے پاس جاتے ہیں۔

میں سردیوں کی چھٹیوں میں گاؤں آیا ہوا تھا۔ تو میرے پاس میرا ایک دوست جو بزرگوں کو ماننے والا تھا آیا اور
 کہا کہ آپ کو بابا بشیر نے بلایا ہے۔ میں نے کہا کون بابا بشیر؟ تو وہ بولا: میں عرصے سے ایک مجدوب باباجی کے پاس جاتا
 ہوں، اس بار گیا تو میں نے تمہارا ذکر کیا کہ باباجی میرا ایک دوست عبداللہ بھی جو پہلے بالکل بزرگوں کو نہیں مانتا تھا آج کل
 بزرگوں سے عقیدت اور پیار کا اظہار کرتا ہے، ذرا اس کی رپورٹ تو لیں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تو باباجی بولے وہ تو بچپن
 سے مانتا ہے۔ درمیان میں مشیت الہی کے تحت کچھ عرصہ دور بابا اب اپنی اصل لائن اور حقیقت کی طرف آ رہا ہے۔ اس کو
 کسی دن میرے پاس لے کر آؤ۔ کیونکہ ان دنوں میری تلاش بھی جنوں کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی مجھے بہت حیرت،
 خوشی اور تجسس ہوا کہ ایک درویش مجھے بلارہا ہے۔ میرے دوست نے بتایا کہ باباجی کی عمر 100 سال سے اوپر ہو چکی ہے۔
 بیٹھ بیٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں ہر وقت مراقبے میں رہتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ باباجی ہر وقت سوئے رہتے ہیں۔ لوگوں کا
 ہجوم بابا کے ارد گرد رہتا ہے۔ جب باباجی کا موڈ ہوتا ہے وہ کسی سے بات کر لیتے ہیں ورنہ اپنی مستی اور سرور میں ڈوبے

ہواؤں میں پہاڑوں پر اڑتا رہا، کبھی ادھر کبھی ادھر۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ روحانی مسافر
 ذکر اذکار، عبادت، ریاضت، مجاہدے کرتے ہیں یا صاحب امر کی توجہ ہوتی ہے تو شروع میں خوابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یا بندہ ساری رات اڑتا ہے۔ مجھے کئی لوگ آکر کہتے ہیں کہ میں خواب میں اڑتا ہوں۔ اس کو ہم روحانیت کی مکی
 حالت یا ابتدا کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد بھی میں اکثر باباجی کے پاس جاتا رہا۔ مجھے بڑا سکون ملتا اور باباجی بھی بہت
 محبت اور شفقت فرماتے۔ رات کو تلاش کی مسافر اس بات سے اتفاق کریں گے کہ کسی درویش یا اصل بزرگ کامل
 جانا اور اس کی صحبت میں چند گھنٹیاں گزارنا اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جن کو کسی
 صاحب امر بزرگ کی صحبت یا خدمت کا موقع ملتا ہے بلکہ ایسے نیک لوگ اس معاشرے کا دس یا شہر کے لیے بھی ماحول
 راحت ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں ایک لمحہ سالوں کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے۔ میں عرصہ تک بابا یوسف کے پاس
 جاتا رہا۔ چند سال بعد میں مری میں تھا جب میرے دوست کا فون آیا کہ بابا یوسف علاقہ چھوڑ کر وہاں سے نامعلوم منزل
 کی طرف چلے گئے ہیں۔

مجدوب بابا بشیر کا قہوہ اور بلاوا

جس طرح بابا یوسف نے میرے اوپر بہت شفقت اور محبت کی اسی طرح میری روحانی زندگی میں ایک اور
 مجدوب بابا بشیر بھی تھے جنہوں نے بہت شفقت اور محبت کی۔ میں بچپن میں اپنے ماموں اور بابا جمال کے ساتھ ایک
 مست کے پاس جایا کرتا تھا۔ بابا بشیر اسی بابا مست کے مرید تھے اور لوگوں اور باقی مریدوں کے بقول بابا مست کے
 روحانی وارث بابا بشیر ہیں اور بابا مست اپنا سارا روحانی تصرف اور لشکر بابا بشیر کو دے گئے ہیں۔ بابا مست کے دنیا سے
 جانے کے بعد اب سارے مریدین اور بابا مست کے چاہنے والے بابا بشیر کے پاس جاتے ہیں۔

میں سردیوں کی چھٹیوں میں گاؤں آیا ہوا تھا۔ تو میرے پاس میرا ایک دوست جو بزرگوں کو ماننے والا تھا آیا اور
 کہا کہ آپ کو بابا بشیر نے بلایا ہے۔ میں نے کہا کون بابا بشیر؟ تو وہ بولا: میں عرصے سے ایک مجدوب باباجی کے پاس جاتا
 ہوں، اس بار گیا تو میں نے تمہارا ذکر کیا کہ باباجی میرا ایک دوست عبداللہ بھی جو پہلے بالکل بزرگوں کو نہیں مانتا تھا آج کل
 بزرگوں سے عقیدت اور پیار کا اظہار کرتا ہے، ذرا اس کی رپورٹ تو لیں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ تو باباجی بولے وہ تو بچپن
 سے مانتا ہے۔ درمیان میں مشیت الہی کے تحت کچھ عرصہ دور بابا اب اپنی اصل لائن اور حقیقت کی طرف آ رہا ہے۔ اس کو
 کسی دن میرے پاس لے کر آؤ۔ کیونکہ ان دنوں میری تلاش بھی جنوں کی آخری حدوں کو چھو رہی تھی مجھے بہت حیرت،
 خوشی اور تجسس ہوا کہ ایک درویش مجھے بلارہا ہے۔ میرے دوست نے بتایا کہ باباجی کی عمر 100 سال سے اوپر ہو چکی ہے۔
 بیٹھ بیٹھ کر کھڑے ہو گئے ہیں ہر وقت مراقبے میں رہتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ باباجی ہر وقت سوئے رہتے ہیں۔ لوگوں کا
 ہجوم بابا کے ارد گرد رہتا ہے۔ جب باباجی کا موڈ ہوتا ہے وہ کسی سے بات کر لیتے ہیں ورنہ اپنی مستی اور سرور میں ڈوبے

خوش جیوے سرفراز شاہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ تم جہاں ہوتے ہو میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں۔ دن کو میرا دوست بھی آ جاتا۔ اس دوران باباجی نہر پر نہانے گئے۔ میں اور میرا دوست بھی ساتھ تھے۔ ہم دونوں باباجی کو نہلا رہے تھے۔ آپ سب جانتے ہیں کہ پانی صاف نہیں ہوتا اچانک باباجی نے مٹی کا پیالہ نہر سے بھرا اور میری طرف کر دیا لو بیٹائیہ پی لو۔ میں نے باسو پیالہ منہ سے لگا لیا کیونکہ باباجی کا حکم تھا۔ جب میں پی رہا تھا تو مجھے پتہ نہیں چلا لیکن جب پی لیا تو مجھے احساس ہوا کہ نہر کے پانی سے پیالہ بھرا تھا لیکن جو میں نے پیا وہ تو کوئی بہت ہی مزیدار شربت تھا جو میں نے آج تک نہیں پی میں نے حیرت اور خوشی سے باباجی کی طرف دیکھا، باباجی میری حیرت کو بھانپ چکے تھے۔ صرف مسکرائے اور نہلا کر دیا۔ کیونکہ باباجی آج خوش تھے وہ اپنے مرشد بابا مست کے ساتھ گزرے لمحات کو یاد کر رہے تھے اور ہمیں اُن کی بتا رہے تھے۔ نہا کر ہم واپس آ گئے۔ مجھے باباجی نے اپنے پاس رکھا اور تیسری رات مجھے کچھ ذکر اذکار بھی دیئے اور سامنے بیٹھا کر روحانی توجہ بھی دی۔ اُس رات مجھے بہت شاندار خواب آئے اور میں ساری رات آسانوں کی سیر کر رہا باباجی کے ساتھ 3 دن اور 3 راتیں آج بھی مجھے بہت یاد آتی ہیں۔ میں خوش قسمت تھا کہ باباجی نے مجھے اپنے پاس پیار کیا، مراقبہ کا طریقہ بتایا اور ایسے وظائف بتائے جو باباجی کا سرمایہ تھے۔ ان کی اصل جمع پونجی تھی۔

کیونکہ باباجی گاؤں میں تھے، کوئی اُن کی باتیں سمجھتا نہیں تھا باباجی روحانیت اور معرفت کی باتیں کرنا قرآن مجید میں ان آیات کی نشاندہی کرتے جو عشق الہی اور اطاعت رسول کی آگاہی دیتیں۔ بلاشبہ میں خوش قسمت ہوں کہ بابا نے پاس بلایا۔ محنت کی اور توجہ دی۔ باباجی کے گھر والے اور اہل بستی بھی حیران تھے کہ باباجی کسی سے بات کر سکتے ہیں اس لئے کے کے ساتھ تنہائی میں ڈھیروں باتیں کرتے ہیں۔ میں 3 دن گزار کر واپس آ گیا۔ اس کے بعد بھی میں باباجی سے ملا اور چند سال بعد باباجی انتقال کر گئے۔ مجھے آج بھی بابا بشیر کا قبوہ یاد ہے اور اُن کی آنکھوں کی پراسرار روشنی جو ایک لمحے میں سالک کو آسانوں کی سیر کرا دیتی تھی۔

مجدوب کی سزا

روحانیت سے دل چسپی رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ روحانیت میں بزرگوں یعنی اہل نظر کی علامت قسمیں ہیں۔ ان تمام قسموں میں مجذوب سب سے الگ اور نگہ توار ہوتے ہیں۔ اس لیے اہل عقل کہتے ہیں کہ مجذوب سے دور رہی رہنا چاہیے۔

میں اپنی روحانی زندگی کی ابتدا یعنی تلاش حق کے سفر میں بہت سارے بزرگوں سے ملا۔ ان میں کچھ مجذوب بھی تھے۔ مجذوب کون ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ میری کتاب ”بزم درویش“ پڑھ سکتے ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے مزاج اور شوق کے لوگوں سے دوستی رکھتا ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کے ایسے لوگوں سے ملتا بھی ہے۔

میرا ایک بچپن کا دوست ہے جو میرے گاؤں کے ساتھ والے گاؤں میں رہتا ہے۔ اس کو بزرگوں

روں اور مہذبوں سے ملنے کا بہت زیادہ شوق ہے۔ میں جب بھی کبھی چھٹیوں میں گاؤں جاتا ہوں تو اس نے نئے نئے والے بزرگوں کی لسٹ بنائی ہوتی ہے اور ہر بزرگ کی کرامات بھی اسے ازبر ہوتی ہیں۔ ایک بار جو میں گاؤں گیا تو ایک مہذب کی بہت زیادہ تعریفیں کر رہا تھا کہ وہ بہت کمال کے بزرگ ہیں بلکہ کن فیکون کے مقام پر ہیں۔ وہ ان کو اور میں، ان کے منہ سے جو بھی نکل جاتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ وہ ان کی بہت ساری باتیں کر رہا تھا۔ اس نے بابا کو بابا کی اتنی باتیں کیں کہ ان سے ملنے کی ترپ میرے اندر بہت بڑھ گئی اور اگلے ہی دن میں اُس کی باتیں سنانے کے پیچھے بیٹھا اس مجذوب کی طرف جا رہا تھا۔ میرا دوست باباجی کی باتیں نان شاپ کرتا جا رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ باباجی ملتان والی سائیڈ کے رہنے والے ہیں۔ اس وقت ان کی عمر 80 سال کے قریب ہے۔ چالیس سال پہلے گیارہ اور بیوی بچوں کو چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی۔ اپنے مرشد کے عشق میں کافی عرصہ ان کے ساتھ گزارا۔ بیس سال پہلے مرشد وفات پا گئے تو یہ گاؤں گاؤں گھومنے والے فقیروں میں شامل ہو گئے۔ گھومتے گھومتے یہ فقیروں کا گروہ بن گیا یہاں پنہار تو یہ باباجی کی ٹانگ میں زخم بہت خراب ہو گیا تھا۔ اس گاؤں میں کپوڈرڈا کٹر نے باباجی کی ٹانگ کی ٹوڑا کٹر کی دکان سارا دن مریضوں سے بھری رہی تو ڈاکٹر کو باباجی سے بہت پیار ہو گیا تو باباجی کو ڈاکٹر صاحب نے بہت ساجت کر کے علاج کے بہانے یہاں رکھ لیا۔ کیونکہ باباجی کی ٹانگ کی حالت بہت خراب تھی جس کی وجہ سے باباجی کو کھانا پینا نہیں ملتا تھا۔ باباجی کو یہیں چھوڑا اور وہ چلے گئے۔ ڈاکٹر صاحب دن رات باباجی کی مرہم پٹی کرتے۔ اسی دوران ڈاکٹر صاحب کا کلینک خوب چلنے لگا۔ اسی دوران گاؤں کے ایک آدمی کی بیوی کو مرگی کی بیماری ہوئی اور باباجی کی وجہ سے مرگی سے شفا پا گئی۔ اس عورت کی شفا یابی کے بعد بہت سارے لوگوں نے باباجی کے پاس آنا شروع کر دیا لیکن بابا جو بہت موڈی تھے، لہر میں آ گئے تو دیکھ لیا ورنہ کسی کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے۔ جس آدمی کی بیوی کو شامی، باباجی اس کی بیٹھک نما گھر میں قیام فرماتے۔ اس گاؤں میں ستر فیصد آبادی روحانیت کے خلاف تھی۔ بہت کم لوگ باباجی کی عزت کرتے، اطراف کے اکثر دیہات میں باباجی کی شہرت آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔ بزرگوں کو ماننے والوں کو پتا چلتا تو وہ عقیدت سے ملنے آتے تو گاؤں کا وہ طبقہ جو بزرگوں کے خلاف تھا وہ اکثر اعتراض اور اٹالے والوں کو بھی تنگ کرتے۔ باباجی کی داستان سناتے سناتے وقت کا پتہ ہی نہیں چلا اور ہم باباجی کے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ گاؤں ایک ٹیلے پر تھا۔ گاؤں کی تنگ، ٹیڑھی میڑھی ناہموار گلیوں سے ہوتے ہوئے آخر کار ہم ایک مکان کے پاس جا کر رک گئے۔ کچا مکان کچی مٹی کی دیواریں جو بہت بوسیدہ ہو چکی تھیں، کا پرانا اور شکستہ دروازہ کھول کر ہم ایک چھوٹے سے صحن میں داخل ہو گئے۔ صحن میں لیکر کے درخت کے تلے دو چار پائیاں اور چند نموڑھے پائیاں تھیں۔ سردیوں کے دن تھے۔ باباجی گرم چادر تانے سو رہے تھے اور دو دیہاتی آدمی آرام سے حقہ پی رہے تھے۔ ہم نے دونوں کو سلام کیا تو دونوں نے روایتی دیہاتی وضع داری کا اظہار کیا اور اٹھ کر گلے ملے اور ہم خالی چار پائی پر بیٹھ گئے۔ میرے دوست کی دونوں دیہاتیوں سے آشنائی نظر آ رہی تھی۔ جس طرح تپاک سے دونوں ملے اور حال احوال پچھا اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ پہلے بھی آپس میں مل چکے ہیں۔ دونوں دیہاتیوں میں سے ایک یہ کہہ کر باہر

چلا گیا کہ میں چائے لے کر آتا ہوں اور دوسرے دیہاتی نے باباجی کو اطلاع یا اٹھانے کی کوشش کی اور میرے دوسرے نے باباجی کے پاؤں کی طرف بیٹھ کر ان کی ٹانگ اور پاؤں کو دبانا شروع کر دیا۔ میرے دوست کا انداز بتا رہا تھا کہ باباجی کا بہت زیادہ عقیدت مند ہے کیونکہ اس کی آنکھوں، چہرے اور دبانے کے انداز سے بے پناہ عقیدت کا اظہار رہا تھا۔ تھوڑی دیر تو باباجی اسی طرح ہی بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے ہماری طرف کروٹ لی تو میرے دوست نے اسے ادب سے سلام کیا اور میرا تعارف بھی کر دیا کہ پروفیسر صاحب آپ سے مری سے ملنے آئے ہیں۔ باباجی مری کے ام سے تھوڑے سے چوکنے ہو گئے اور بابا لال شاہ اور پیر مہر علی شاہ صاحب کا ذکر بڑے احترام سے کرنے لگے۔ باباجی کا قد تقریباً ساڑھے چھ فٹ کے قریب لگ رہا تھا۔ جوانی میں یقیناً مضبوط اور پہلوانوں والا جسم ہوتا ہوگا۔ باباجی کی داڑھی مبارک، سر کے بال اور جسم کے خدوخال سے لگ رہا تھا کہ باباجی نے سالوں سے اپنا خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ باباجی کا جسم اور کپڑے واضح طور پر عدم توجہ کا اظہار کر رہے تھے۔ ایک عجیب سی بے ترتیبی اور پراسراریت کا احساس ہو رہا تھا۔ باباجی کے پورے سراپے سے ایک مخصوص تاثر ابھر رہا تھا کہ باباجی نارمل انسان نہیں لگ رہے تھے۔ ان میں کوئی انوکھی بات یا کشش تھی جو مد مقابل کو اپنے سحر میں لے لیتی تھی۔ وہ نارمل اور نارمل کا عجیب امتزاج نظر آ رہا تھا۔ ان کے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں میں روحانیت اور ہیبت کا پراسرار تاثر ابھر رہا تھا۔ میں ان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے جب غور سے میری آنکھوں میں جھانکا تو میرے جسم نے ایک جھجھکی سی لی لی اور مجھے لگ رہا تھا کہ ان میں کچھ خاص ہے۔

میرا دوست باباجی کو دوبارہ ہاتھ اور میں دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک دو دیہاتی لڑکے اندر آئے۔ ان میں سے ایک بہت غصے میں لگ رہا تھا۔ اس نے سونے کی انگوٹھیاں اور گلے میں سونے کی چین پہنی ہوئی تھی۔ وہ پان کھارہا تھا۔ گلے میں سونے کے کئی لاکٹ پہنے ہوئے تھے۔ یونسی کا سلی سوٹ ہاتھ میں راڈو کی گھڑی پاؤں میں زری کا سنہرا کھس پہنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر تکبر اور غرور کے واضح تاثرات تھے۔ ایسے لوگ دیہات میں اکثر ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً کسی چوہدری یا بڑے زمیندار کی اولاد تھا جو گاؤں کے غریبوں کو اپنے غلام سمجھتے ہیں۔ جس موٹر سائیکل پر ہم لوگ آئے تھے، وہ ہم دروازے کے باہر کھڑا کر آئے تھے۔ اس کا غصہ تھا کہ اس موٹر سائیکل نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا ہے۔ اصل میں بہانہ بنا کر باباجی یا ہماری بے عزتی کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی دوران جو دیہاتی چائے لینے گیا تھا وہ بھی چائے پیالے میں لے کر آ گیا۔ اس نے آتے ہی اس لڑکے سے معافی مانگی کہ جناب مہمان آئے ہر ایک کی موٹر سائیکل ہے، آئندہ ایسی غلطی پھر نہیں ہوگی۔ لیکن وہ جوان ماننے کے بجائے معاملے کو طول دے رہا تھا۔ اب وہ ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جناب آپ تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اس پاگل بڑھے کے پاس کیا لینے آئے ہیں۔ جس بڑھے کو اپنی خبر اور ہوش نہیں ہے، وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے۔ بڑھا بہت بڑا ڈراما باز ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آپ اپنا وقت یہاں کیوں برباد کرنے آئے ہیں۔ میرے دوست نے اس نو جوان سے نرمی سے کہا کہ جناب یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ ہماری جو مرضی کریں، آپ کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی

خوش بھیرے سرفراز

باباجی کو دوبارہ ہاتھ اور میں دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک دو دیہاتی لڑکے اندر آئے۔ ان میں سے ایک بہت غصے میں لگ رہا تھا۔ اس نے سونے کی انگوٹھیاں اور گلے میں سونے کی چین پہنی ہوئی تھی۔ وہ پان کھارہا تھا۔ گلے میں سونے کے کئی لاکٹ پہنے ہوئے تھے۔ یونسی کا سلی سوٹ ہاتھ میں راڈو کی گھڑی پاؤں میں زری کا سنہرا کھس پہنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر تکبر اور غرور کے واضح تاثرات تھے۔ ایسے لوگ دیہات میں اکثر ہوتے ہیں۔ وہ یقیناً کسی چوہدری یا بڑے زمیندار کی اولاد تھا جو گاؤں کے غریبوں کو اپنے غلام سمجھتے ہیں۔ جس موٹر سائیکل پر ہم لوگ آئے تھے، وہ ہم دروازے کے باہر کھڑا کر آئے تھے۔ اس کا غصہ تھا کہ اس موٹر سائیکل نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا ہے۔ اصل میں بہانہ بنا کر باباجی یا ہماری بے عزتی کرنا چاہ رہا تھا۔ اسی دوران جو دیہاتی چائے لینے گیا تھا وہ بھی چائے پیالے میں لے کر آ گیا۔ اس نے آتے ہی اس لڑکے سے معافی مانگی کہ جناب مہمان آئے ہر ایک کی موٹر سائیکل ہے، آئندہ ایسی غلطی پھر نہیں ہوگی۔ لیکن وہ جوان ماننے کے بجائے معاملے کو طول دے رہا تھا۔ اب وہ ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ جناب آپ تو پڑھے لکھے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ اس پاگل بڑھے کے پاس کیا لینے آئے ہیں۔ جس بڑھے کو اپنی خبر اور ہوش نہیں ہے، وہ دوسروں کو کیا دے سکتا ہے۔ بڑھا بہت بڑا ڈراما باز ہے۔ اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے، آپ اپنا وقت یہاں کیوں برباد کرنے آئے ہیں۔ میرے دوست نے اس نو جوان سے نرمی سے کہا کہ جناب یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ ہماری جو مرضی کریں، آپ کو اس میں دخل اندازی نہیں کرنی

ایک دن میں ایک اور مجذوب کا ذکر کرنے جا رہا ہوں۔
ان دنوں میں مری میں تھا، جب اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں تاجینے کو بینائی اور گونگے کو گویائی دی تو

میں نے اس طرف مہری شہرت کا چرچا پھیلا ہوا تھا۔ بہت سارے بلکہ ہزاروں لوگ میرے پاس روزانہ آتے کیونکہ مری
کا نام آواز آ رہا تھا اور روحانیت اور بزرگوں کو نہ ماننے والی ہے اس لیے جہاں بہت سارے لوگ میرے پاس آ رہے
تھے وہاں بہت سارے لوگ میرے مخالف بھی ہو گئے تھے جو بعد میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مخالفت چھوڑ کر میرے
ساتھ آ گئے۔

ایک دن میں کالج میں بیٹھا سورج کی تپش کو Enjoy کر رہا تھا کہ ایک درمیانی عمر کا سادہ وضع قطع کا لوکل آدمی
میرے پاس آیا اور کہا کہ پروفیسر صاحب! مجھے آپ سے کوئی کام نہیں ہے۔ بس چند منٹ آپ کا دیدار اور چند باتیں
کے لیے آیا ہوں گا۔ میں کسی کام سے نہیں آیا۔ وہ ادب و احترام سے بات کر رہا تھا لہذا میں نے ساتھ پڑی کرسی پر اس کو
بٹھایا اور اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا جناب حکم کریں، خیر سے ملنے آئے ہیں۔ تو وہ بولا جناب پروفیسر صاحب
میری مری میں دکاندار ہوں۔ میرے پاس دو دکانیں ہیں اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کسی بھی چیز کی کمی نہیں ہے۔ بچے
اور لڑکیاں ہر دکان اور چار پر آپ ہی کی باتیں ہوتی ہیں۔ اکثریت آپ کی معترف اور حامیتی ہیں اور کچھ شریپرند لوگ آپ کی
تائید کر رہے ہیں۔ کیونکہ میں مقامی ہوں اور میری یہاں پر برادری ہے اس لیے اگر آپ کو کوئی زیادہ تنگ کرے تو آپ
نے لکھا ہوا ہائی بکھ کر آواز دینی ہے۔ کیونکہ آپ یہاں پر پردیسی ہیں اس لیے میں انشاء اللہ ہر مشکل گھڑی میں آپ کے
ساتھ کڑا ہوں گا۔ میرے کچھ دوست آپ کے پاس آتے ہیں اس لیے میں ان سے آپ کے بارے میں تمام معلومات
لے لیتا ہوں کہ آپ یہ سب کچھ خدمتِ خلق کے تحت کر رہے ہیں اس لیے ہم تمام دوست آپ کے ساتھ ہیں۔ پروفیسر
صاحب اسری والوں کی طرح ایک وقت تھا جب میں بھی کسی بزرگ دلی کو نہیں مانتا تھا۔ لیکن پھر میری زندگی میں ایک ایسا
والہ پیش آیا کہ مجھے ماننا پڑا کہ ولی اور بزرگ اللہ تعالیٰ کے دوست اور نمائندے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت
بڑا مقام اور قوتیں دی ہوئی ہیں۔

اُس نے جو واقعہ سنایا وہ قارئین کی نذر ہے تاکہ آپ کو بھی مجذوب کے مقام اور روحانی تصرف کا اندازہ ہو سکے۔
پروفیسر صاحب آج سے دس سال پہلے میں اسلام آباد میں ایک سرکاری محکمے میں جاب کرتا تھا اور بزرگوں کو
بالکل بھی نہیں مانتا تھا بلکہ جہاں بھی کوئی بابا یا بزرگ دیکھتا اُس کی بے عزتی اور گستاخی کرتا۔ آج جب مجھے وہ وقت یاد آتا
ہے بہت دکھ اور شرمندگی ہوتی ہے کہ میں کس جہالت اور نام نہانہ دغور اور تکبر کا شکار تھا۔
ان دنوں ابھی میری شادی بھی نہیں ہوئی تھی اور میں اسلام آباد نوکری کر رہا تھا۔ اکثر لٹچ بریک پر میں اور میرا
دوست کسانے کے لیے باہر آ جاتے۔ ایک دن اسی طرح بریک کے وقت ہم باہر آئے ہوئے تھے۔ ہم مارکیٹ کی طرف

ہی بات کرتا کہ مجھے بابا جی سے معافی دلا دیں۔ میں نے ایک درویش سے بدتمیزی کی ہے۔ وہ اپنے کپے
شرمندہ اور نادم تھا لیکن اب تو تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

مجذوب کی تلاش

اہل نظر اور روحانی سالکین مجذوب کے مقام سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ ویسے تو صوفی، درویش، قلندر تمام کے تمام اپنی اپنی شان میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں لیکن ”مجذوب“ سب سے الگ اور نرالی
اور مقام کے مالک ہوتے ہیں۔

بہر حال یہاں پر مختصر یہ کہ جب کسی روحانی سالک پر تجلی وارد ہوتی ہے تو نور اور کرنٹ کی شدت سے سالک
اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے یا توجہ اور کرنٹ کی زیادتی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ سالک سے برداشت نہیں ہوتی یا ایسا وہ
سالک جو اس دنیا اور اُس دنیا کے درمیان ہوتا ہے یا قطرہ جب سمندر کا حصہ بنتا ہے تو اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے
کیونکہ مجذوب فل آف کرنٹ ہوتا ہے۔ اس لیے تنگی تلوار کی مانند ہوتا ہے جو منہ سے نکل گیا وہ پورا ہو گیا۔ کرنٹ کی زیادتی
کی وجہ سے یہ لوگ اکثر شدید اضطراب میں ہوتے ہیں اور اُس جوتی اور اضطرابی حالت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ
پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ موسموں کے اثرات سے بھی آزاد ہوتے ہیں۔ اہل نظر بزرگوں کے بقول کیونکہ یہ لوگ
تلوار اور کن فیكون کے مقام پر ہوتے ہیں اس لیے ان سے دور ہی رہنا چاہیے اور ان سے پنکھا لینے والی حماقت تو کسی
بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ان کی بد دعا سے آپ کی آنے والی کئی تسلیں برباد ہو سکتی ہیں اور ان کی دعا سے کئی آنے والی
تسلوں کے بھاگ جاگ جاتے ہیں۔

ان کی طاقت کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں کئی بار بابا یوسف کی
خدمت کرنے اور صحبت میں بیٹھنے کا اعزاز حاصل ہے وہ بھی اکثر جذب کے عالم میں ہوتے تھے۔

ایک دن میں اُن کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اُن کے پاؤں بہت احترام، شوق اور محبت سے دبا رہا تھا اور اُن کو اگر
بھی کھلا رہا تھا کیونکہ وہ انگور اور گلاب جامن شوق سے کھاتے تھے کہ چند لوگ ایک نوجوان کو کپڑے کر لائے، انہوں نے اُس
نوجوان کے بازو باندھے ہوئے تھے۔ اُن کے بقول یہ پاگل یا مجذوب ہے اور بغیر کپڑوں کے نگاہ پھرتا رہتا ہے۔ جب
بابا یوسف کو یہ بات بتائی گئی تو آپ مسکرائے، آپ سرکار لیٹے ہوئے تھے۔ یہ سن کر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور آنے والوں سے
کہا کہ اس کے بازو کھول دو، انہوں نے ایسا ہی کیا تو بابا یوسف اٹھ کر اُس کے پاس گئے پہلے تو وہ نوجوان بے چین ہو کر
بھاگنے لگا لیکن پھر بابا یوسف کی نظر میں کیا تاثیر تھی، بابا جی بولے نہیں پتر آرام سے بیٹھو۔ وہ نوجوان پہلے تو حیران ہو کر
بابا جی کو دیکھتا رہا پھر آہستہ آہستہ نارمل ہوتا گیا تو بابا جی نے اُس کو کپڑے بھی پہنائے اور کہا اب تم بڑے ہو گئے ہو لہذا اب
کپڑے نہیں اتارنا۔ اُس نوجوان کا جنون اور پاگل پن ختم ہو چکا تھا۔ لہذا اُس کے گھر والے اس کو لے کر چلے گئے۔ بعد

کے لئے کی کوشش کرتا رہا پھر گھر والوں کے خوف سے کراچی چلا گیا۔ کراچی جا کر منڈی میں مزدوری شروع کی۔ ایک سال تک وہاں رہا۔ اُس نے اپنا بیٹا بنالیا۔ تین سال میں میرے پاس کافی پیسے جمع ہو گئے۔ واپس آ کر ایک دکان لی اور گھر کے لئے شادی بھی کر دی۔ دو سالوں میں اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے بھی دے دیئے اور اتنے پیسے اور کہ ایک اور یعنی دوسری شادی بھی کر لی۔ پانچ سال پہلے میں واپس مری واپس آ گیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے میرا خوب کاروبار چلایا اس دوران میں دو بار تیسری دکان لے کر کام کرنے کی کوشش کی تو گھٹا کھایا لہذا اب تیسری دکان سے توبہ کر لی ہے۔

گراچی سے واپس آنے کے بعد مجھے جب بھی کسی پیر، فقیر یا مجذوب کا پتہ چلتا ہے میں باباجی کے لالچ میں جا کر ہوں کہ شاید میری دوبارہ باباجی سے ملاقات ہو جائے لیکن میری نظریں ترس گئی ہیں اُس عظیم بزرگ کے دیدار کے لیے اس کے منہ سے نکلی ہر بات پوری ہوئی۔ اُس نے جو کہا بالکل ویسے ہی ہوا۔

میں بے شمار میلوں اور مزاروں پر جا چکا ہوں لیکن مجھے بابا جی نہیں ملے۔ پتہ نہیں میری تلاش کب ختم ہوگی اور

بزرگوں سے فیض کیسے ملتا ہے؟

میں تلاش حق کے لیے بے شمار لوگوں، بزرگوں، درویشوں سے ملا ہوں اور رب ذوالجلال نے ہمیشہ میری مدد فرمائی کی اور مجھے ایسے ایسے گہرے نایاب اور شاندار اہل تصوف سے ملایا کہ میں ساری عمر بھی اپنا سر جودے میں رکھ دوں تو میرا سر اس میں کرسکتا کیونکہ ہر درویش، صوفی، مجذوب، قلندر کی اپنی ہی بہار اور مستی تھی، الگ ہی نشہ تھا۔ میں جن پر اسرار بزرگوں سے زیادہ ملا اور جنہوں نے سب سے زیادہ مجھ سے پیار کیا اور راستہ دکھایا بلکہ تربیت کی، اُن بزرگوں میں سے ایک امام اللہ دہلوی بھی تھے۔ یہ اپنے مزاج کے الگ ہی درویش تھے۔ اپنا ہی مزاج اور موڈ، دنیا سے مکمل کنارہ کش ہو چکے تھے۔ روحانی طور پر بہت بلند مقام اور اہل تصرف میں سے تھے۔ اکثر ٹخن فیکون کے مقام پر ہوتے تھے۔ میں نے بہت کم بزرگوں کو اُن کے ہم پلہ پایا۔ وہ سالکین جو راہ حق کے مسافر اور تلاش کے سفر پر چل رہے ہیں اُن کے لیے بہت بڑے اسرار اور موز کے جوابات بھی بابا جی کے حالات میں مل جائیں گے اور یہ بھی کہ اہل اللہ سے فیض یادعا کیسے لی جاتی ہے اور ان شہنشاہوں کے قریب کیسے ہوا جاسکتا ہے۔ ان کو منایا کیسے جاسکتا ہے۔

میرے بہت ہی ابتدائی دنوں کی بات ہے جب میں پامسٹری اور علم نجوم میں پڑا ہوا تھا اور نیا نیا روحانیت اور
روح کی طرف آیا تھا اور مجھے روحانیت، تصوف اور اہل اللہ بزرگوں کا بالکل پتہ نہیں تھا۔ آپ لوگ اچھی طرح سے
دیکھیں کہ جو لوگ بھی روحانیت میں ہیں اور لوگ مسائل کے لیے ان کے پاس آتے ہیں تو بنیادی مسائل میں ایک بڑے

مسئلہ حب کا ہوتا ہے۔ مثلاً میاں بیوی کی ناراضگی ہو جائے یا کوئی کسی سے شادی کرنا چاہتا ہے یا کسی بندے کو اپنی طرف متوجہ کرنا یا پیچھے لگانا۔ ہر عامل، فقیر ساری عمر اسی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی طرح مجھے حب کا ایسا عمل مل جائے کہ میں جس چاہوں اپنے پاس بلاوں اور اپنے پیچھے لگاؤں کیونکہ حب کے عمل کے بعد آپ تسخیر کے مالک ہوتے ہیں اور زمانہ آپ کے پیچھے پیچھے۔ کوئی افسر جنگ کرتا ہے یا کوئی ظالم تو ایسے معاملات میں عاملین، حضرات حب کے عمل کو استعمال کرتے ہیں۔

جب اپنے ابتدائی دنوں میں نہیں بھی بہت سارے بزرگوں بابوں سے ملا تو ہر کوئی حب یا عمل محبت کی تلاش میں تھا اور مجھے بھی جلد ہی اس بات کا احساس ہو گیا کہ آستانے یا پیری فقیری کی اصل جان عمل حب ہے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ محبت کا عمل کہاں سے ملے۔ اب میں نے نام نہاد بابوں کے پاس جا کر عمل محبت کی فرمائش شروع کر دی۔ ہر بابے نے خوب ذلیل کیا اور کوئی نہ کوئی عمل بھی دیا اور کیونکہ میں نوجوان تھا جسم میں جان تھی پاگوں کی طرح اس عمل کے پیچھے ایک بابے سے دوسرے بابے کی منتیں کر رہا تھا۔ کیونکہ زیادہ تر بابے لالچی اور دنیا دار ہوتے ہیں ان بابوں کی مالی مدد اور مطالعہ بھی پورے کرتا لیکن کہیں سے عمل حب نہ ملا۔ میں اسی بھاگ دوڑ میں تھا اور ہمیشہ کی طرح میرے سونے رب پاک کو مجھ پر ترس آیا اور مجھے عمل حب کے استاد بابا اللہ دتہ صاحب سے ملایا۔ میں ان دنوں مری میں ہی تھا کہ میرے ایک پروفیسر دوست نے فون کیا کہ میرا ایک کزن ہے اس کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ وہ اپنی نئی ٹوبلی دہن کے ساتھ مری آنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا ہاں بھیج دو تو وہ میاں بیوی میرے پاس آ گئے۔ دونوں کو دیکھ کر مجھے Real محبت ہوئی بہت ہی نوجوان اور خوبصورت اور میاں صاحب انتہائی عام شکل و صورت کے۔ جب مجھے یہ پتہ چلا کہ خاوند صاحب میٹرک پاس اور کلرک ہیں اور دہن MBBS ڈاکٹر ہیں تو میری حیرت سو گنا بڑھ گئی۔ سب سے اہم بات میاں بیوی بہت خوش تھے اور باتوں کے دوران پتہ چلا کہ دہن بہت خوش ہے اور اسے اس شادی کا کوئی ملال یا پچھتاوا نہیں ہے بلکہ بیوی کے رویے سے لگ رہا تھا کہ وہ بہت خوش ہے کیونکہ دہن کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھرے تھے۔ اس کی ہر اداسے خوشی اور سرشاری چمک رہی تھی۔ شاید میں بھی خاوند کے مقدر پر رشک یا حسد کرنے لگا تھا۔ میں نے دونوں کو الگ کر دے دیا کیونکہ ان دنوں موبائل فون ابھی نیا نیا تھا۔ عام لوگوں کے پاس ابھی موبائل فون نہیں تھے۔ خاوند صاحب رات کو میرے کمرے میں آئے کہ پروفیسر صاحب میں نے اپنے مرشد پاک کو فون کرنا ہے کیونکہ باہر بہت بارش ہو رہی ہے اس لیے میں مال روڈ پر نہیں جا سکتا لہذا برائے مہربانی مجھے ایک فون کرا دیں۔ جب میں نے نمبر ملا کر دیا تو وہ کسی سے بات کرنے لگا کہ باباجی کو جا کر دینا ہم خیریت سے پہنچ گئے ہیں اور آپ کی دعاؤں کے طلبگار ہیں۔ وہ اپنے کسی دوست سے بات کر رہا تھا کہ باباجی کو جا کر پیغام دے دو۔ باباجی کے نام پر میرے کان بھی کھڑے ہو چکے تھے۔ اُس کی جب بات ختم ہوئی تو میں نے پوچھا باباجی کے گھر فون نہیں لگا آپ ڈائریکٹ اُن کو کر لیں۔ تو وہ بولا وہ درویش آدمی ہیں اور ابھی ان کے گاؤں میں فون لگا بھی نہیں۔ کیونکہ اُن دنوں میں بھی بابوں کی تلاش میں تھا۔ اس لیے خاوند صاحب سے باباجی کے بارے میں پوچھا تو وہ پہلے ہی باباجی کے نشے میں تھا شاید، باباجی کے واقعات اور کرامات بتانا شروع کر دیں اور بولا: پروفیسر صاحب! ایک کلرک سے ڈاکٹر لڑکی کبھی شادی کر سکتی ہے بھلا، یہ صرف باباجی کی دعاؤں سے ہی ممکن ہوا ہے، ورنہ میں کہاں اور ڈاکٹر لڑکی کہاں،

باباجی کا کمال ہے۔ میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ میں ایک ہسپتال میں کلرک ہوں۔ یہ میری بیگم نئی تھی میرے بھائی میں آئی۔ میری ڈیوٹی اس کے ساتھ لگی۔ یہ بہت مغرور اور خود سر ڈاکٹر تھی۔ میں نے غلطی سے ایک دن مذاق کر دیا۔ اس نے تو آسمان سر پر اٹھالیا اور مجھے بہت زیادہ تنگ کرنے لگی۔ میں نے معافی بھی مانگی لیکن مجھے معافی نہ ملی یہاں تک کہ وہ لڑکی بھی خطرے میں پڑ گئی۔ لہذا میں نے کئی سفارشیں بھی کرائیں لیکن ڈاکٹر صاحب کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ لہذا اب میں گنہگار ہوں، دم بھاڑے کی طرف آ گیا اور بابوں کے پاس جانا شروع ہو گیا۔ اسی دوران میرا ایک کزن جو باباجی کا پرانا دوست ہے، مجھے بہت پریشان دیکھ کر بابا اللہ دتہ صاحب کے پاس لے گیا۔ اس طرح میری بابا اللہ دتہ صاحب سے پہلی ملاقات ہوئی۔ باباجی نے ایسی محبت اور پیار کیا کہ ڈاکٹر صاحب نفرت اور غصہ چھوڑ کر ایسی مہربان ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے بابا اللہ صاحب سے شادی کرادی۔ اگر کوئی بیوی ناراض ہو کر بیٹھ جائے یا شوہر تنگ کرتا ہو تو باباجی کے عمل سے مسئلہ حل ہوا ہے اور بہت سارے گھر اجڑنے سے بچ گئے۔ کیونکہ خاوند صاحب کو باباجی سے فیض مل چکا تھا اس لیے وہ باباجی کی کرامتیں اور واقعات عقیدت و احترام سے سنارہا تھا۔ کیونکہ اُن دنوں میں بھی عمل حب کی تلاش میں تھا لہذا ان میاں بیوی میرے پاس آنا مجھے اللہ تعالیٰ کی خاص مدد لگی۔ میں نے اُس سے درخواست کی کہ میں نے تمہارے باباجی سے ملنا ہے۔

اس نے کہا بابا زمینداری کرتے ہیں اور بہت زیادہ موڈی ہیں۔ دل کرے تو ملتے ہیں ورنہ نہیں۔ میں جا کر اُن سے بات کر کے ان کے مکان پر پہنچا۔ وہاں مجھے دو بیویاں مل گئیں۔ دونوں بعد وہ دونوں خوشی خوشی واپس چلے گئے اور میں شدت سے بابا اللہ صاحب کی اجازت کا انتظار کرنے لگا۔ آخر ایک روز مجھے فون آیا کہ پروفیسر صاحب آپ فلاں دن فلاں جگہ پر آہا گیا۔ میرے لیے یہ خبر عید کے چاند کی طرح تھی۔ میں خوشی خوشی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ باباجی کا خاوند میرے مکان میں تھا لہذا ہم خوشی خوشی باباجی کے گاؤں کی طرف روانہ ہوئے۔ باباجی کا گاؤں مری سے 400 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ راستے میں مجھے پتہ چلا کہ باباجی نے دو شادیاں کی ہوئی ہیں اور باباجی زمینداری کرتے ہیں۔ میں خوشی، تجسس اور دل سے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ باباجی کا گھر گاؤں کے شروع میں ہی تھا۔ ہم جا کر باباجی کی بیٹھک میں بیٹھ گئے۔ وہاں ایک پرانی چٹائی نما چائنا مچھی تھی۔ اس پر مٹی کا پیالہ اور ایک ہزار دانوں والی تسبیح بھی پڑی تھی۔ اگر بیوی کی خوشبو دہن میں آتی تھی اور حقہ بھی پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک 50 سال کا انسان اندر داخل ہوا۔ مجھے لگا باباجی کا کوئی عزیز ہے۔ میں نے اسے ساتھ آنے والے نے دوڑ کر باباجی کو سلام کیا اور ہاتھ جوئے اور مجھے کہا باباجی آ گئے۔ مجھے حیرت جس بات پر تھی کہ باباجی کی داڑھی نہیں تھی اور وہ دھوئی کرتے میں ملبوس تھے اور سر پر گاؤں کی سادہ پگڑی بھی تھی جبکہ میں داڑھی والے اور منکوں والے باباجی انتظار کر رہا تھا۔ باباجی نے آتے ہی حقہ چٹا شروع کر دیا اور میری طرف معنی خیز اشارے میں سرکراتے ہوئے دیکھا اور بولے ”سنا ہے مری میں بہت ٹھنڈ پڑتی ہے“ باباجی کی شخصیت ایسی تھی کہ میں بہت ادا و معرب ہو گیا تھا۔ میرے دل میں یہ خیال آ رہا تھا کہ باباجی میری ہر بات سے واقف ہیں۔ اسی دوران گڑ والی چائے اگلے پالوں میں جو ہم نے پینی شروع کر دی۔ اسی دوران کوئی مرلیضہ آ گئی جس کو شدید دورہ پڑا ہوا تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی باباجی نے کہا وہ گھڑا پڑا ہے اس میں سے اس کو پانی پلاؤ۔ انہوں نے پانی پلایا اور منہ پر چھینٹے بھی مارے،

خوشگوار حیرت اس وقت ہوئی جب مرید نے چند لمحوں میں ہی ٹھیک ہو گئی۔ حیرت والی بات یہ تھی کہ باباجی نے کوئی پڑھنا نہ دیا۔ صرف دیکھا اور مرید نے ٹھیک ہو گئی۔ بعد میں بھی میں نے کئی بار یہ مشاہدہ کیا کہ جو بھی مرید آتا باباجی کا اُس گھر سے پانی پی لیا اور جاؤ۔ بعد میں میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ باباجی لوگوں سے بالکل نہیں ملتے تھے بلکہ گھر میں ہوتے ہوئے کہہ دیتے کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔ دنیا سے مکمل کنارہ کشی کی ہوئی تھی۔ تھوڑی سی زمین اور چند مویشی رکھے تھے اور بہت چند مرید تھے جن کو آئے کی اجازت تھی۔ میرے ساتھ آنے والے مرید نے باباجی سے کہا کہ پروفیسر صاحب آپ کے مرید ہونے آئے ہیں۔ آپ کی شاگردی میں آنا چاہتے ہیں۔ باباجی بولے میں نے مرید بننا نہیں کر دیئے ہیں۔

نہی یہ میرا مرید ہے۔ لیکن میری بہت زیادہ منت سماجت کے بعد باباجی نے کہا چلو جا کر یہ سبق پڑھو۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ جب روحانی مسافر شروع شروع میں اس لائن کی طرف آتے ہیں تو نشے کی طرح وظائف کا جنون ہوتا ہے۔ جدھر سے بھی کوئی التماسیدھا وظیفہ ملتا ہے شروع کر دیتے ہیں لہذا میں نے بھی خوشی خوشی جا کر وظیفہ شروع کر دیا۔ 41 دن کا وظیفہ تھا جو میں بعد نماز عشاء شرائط کے ساتھ کرتا۔ میں ہر روز جوش محبت اور دلوں کے ساتھ مری کی بخ ٹھنڈی اور تاریک راتوں میں باباجی کا بتایا ہوا عمل کر رہا تھا۔ خدا خدا کر کے 41 دن پورے ہوئے تو میں نے باباجی کے بتائے ہوئے طریقے پر استعمال کیا تو کچھ بھی نہ ہوا۔ میں پریشانی میں تھا کہ اس کے پاس گیا کہ باباجی میں نے آپ کا بتایا ہوا عمل کیا لیکن اُس میں سے کوئی بھی فرق نہیں پڑا۔ باباجی بولے کس طرح پڑھا ہے۔ میں نے بتایا تو بولے اونیٹیں یہ تم نے غلط پڑھا ہے جاؤ اور اب اس طرح پڑھو۔ لہذا میں خوشی خوشی جا کر پھر 41 دن پڑھتا رہا۔ نتیجہ پھر صفر۔ باباجی کے پاس گیا باباجی بولے کس طرح پڑھا۔ میں نے بتایا تو بولے پروفیسر تم کو عقل نہیں اس طرح نہیں پڑھنا اس طرح پڑھو۔ میں دہی زبان میں بولا باباجی آپ نے اسی طرح کہا تھا۔ باباجی بولے نہیں تم غلط کر رہے ہو۔ جاؤ اور اس طرح پڑھو۔ میں نے جا کر پھر پڑھنا شروع کر دیا۔ جب وظیفہ پورا ہونے میں 2 دن رہ گئے تو باباجی کے مرید کا فون آیا کہ پڑھنا بند کر دو۔ میں پھر پریشان ہو کر باباجی کے پاس گیا۔ باباجی گھر پر ہی تھے اور کہا کہ پروفیسر 10 دن بعد آئے ابھی میں مصروف ہوں۔ میں دس دن بعد جب گیا تو باباجی ملے اور بولے ابھی میں فری نہیں ہوں جاؤ اور 10 دن بعد آؤ۔ میں پھر خاموشی سے واپس مری آ گیا۔ 10 دن بعد پھر باباجی کے پاس گیا تو باباجی بولے جاؤ اور یہ بل جمع کر ادینا اور یہ چیزیں لیتے آنا۔ میں نے باباجی کے حکم کی تعمیل کی۔ باباجی نے کہا جاؤ اور 5 دن بعد آنا۔ میں پھر گیا۔ باباجی بولے میرے خاندان میں کسی لڑکی کی شادی ہے مجھے 10 ہزار روپے دو میں واپس مری گیا اور پیسے لاکر باباجی کو دے دیئے۔ میرا خیال تھا باباجی پیسے لے کر مجھ سے راضی ہو کر مجھے میرا مطلوبہ عمل دے دیں گے۔ باباجی نے کہا کہ پروفیسر صاحب جاؤ اور نو چندی جھڑات کو آنا۔ میں چلا گیا اور بابا کے بتائے ہوئے دن پھر باباجی کے گھر پہنچ گیا۔ باباجی لیتے ہوئے تھے۔ میری طرف دیکھا بھی نہیں اور بولے میری طبیعت خراب ہے جاؤ پھر کسی دن آنا۔ میں نے پوچھا کب تو بولے جب میں کہوں گا اُس دن آ جانا۔ میں پھر واپس آ گیا۔ یہاں میں ایک بات کا ذکر ضرور کروں گا کہ میں کئی مہینوں

باباجی کے پاس آ رہا تھا اور باباجی مجھے واضح طور پر فرما رہے تھے لیکن مجھے کبھی بھی غصہ یا مایوسی نہیں ہوئی بلکہ میرا پیار باباجی سے بڑھتا جا رہا تھا۔

ایک دن میں باباجی کے بلاوے پر گیا تو باباجی کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ باباجی بولے پروفیسر صاحب سنا ہے تمہارے پاس بہت سارے بڑے لوگ ہاتھ دکھانے آتے ہیں۔ یہ لڑکے لے جاؤ اور میرے عزیز کا مسئلہ حل کراؤ اور باباجی نے کچھ پیسے بھی مانگے جو میں نے دے دیئے۔

اسی طرح میں باباجی کے پاس بار بار جاتا رہا۔ باباجی کبھی ملتے اور کبھی نہ ملتے۔ اکثر کہتے واپس جاؤ پھر کسی دن اور میں ہر بار باباجی کے کہنے پر چلا جاتا۔ کبھی بحث یا گستاخی نہیں کی۔ باباجی اکثر مجھے کہتے پروفیسر تم کو میرے اوپر غصہ نہیں آتا میں کہتا نہیں باباجی۔ تو وہ حیرت کا اظہار کرتے۔ اسی طرح مجھے باباجی کے پاس جاتے ہوئے ایک سال کا عرصہ گزرا تھا اور میری جھولی بے شمار وظائف کرنے کے۔ ابھی خالی تھی۔ مجھے خود بھی پتہ نہیں تھا کہ میں کیوں بار بار باباجی کے پاس جاتا ہوں۔ شاید باباجی عمل محبت کے عامل تھے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے پیچھے لگا لیا تھا کہ میں ایک سحر زدہ کی طرف لوگوں کی طرح باباجی کی طرف جاتا اور میرا دل کہتا کہ باباجی اصل اور نیک بزرگ ہیں۔ مجھے ایک نہ ایک دن باباجی سے ملنا ضرور ملے گا۔

باباجی کو ترس آ ہی گیا

مجھے باباجی کے پاس آتے ہوئے ایک سال سے زیادہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ میں کافی سارے پیسے اور تحفے ملنے لگا۔ ابھی باباجی کی نذر کر چکا تھا لیکن میری جھولی ابھی بھی خالی کی خالی تھی۔ آخر میرے رب پاک اور باباجی کو مجھ پر ترس اور دم آ گیا۔

ایک دن باباجی کے بلانے پر میں باباجی کے گاؤں پہنچ گیا۔ باباجی مجھے گاؤں سے باہر اپنے کھیتوں میں ہی مل گئے۔ میں سلام کر کے باباجی کے پاس بیٹھ گیا اور گلاب جاسن باباجی کے سامنے رکھ دیئے جو وہ شوق سے کھاتے تھے۔ باباجی میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر دیکھنے کے بعد بولے پروفیسر تم تھکے نہیں بار بار مجھ سے کیا لینے آتے ہو۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں ایک ناکام اور بے کار آدمی ہوں۔ میرے پاس تم کیوں بار بار آتے ہو نہ آیا کرو۔ میں نے بہت کوشش کی کہ تم بھاگ جاؤ میرے پاس نہ آؤ لیکن پتہ نہیں تم کس مٹی کے بنے ہو بار بار آ جاتے ہو۔ آج میں خود تم سے کہتا ہوں کہ آج کے بعد تم نے میرے پاس نہیں آنا۔ میں ایک جھوٹا اور فراڈی آدمی ہوں۔ میرے پاس فقیری تو کیا فقیری کی خوشبو یا ذرہ بھی نہیں جاؤ کسی اور کو ڈھونڈو۔ میرے پاس تم نے آج کے بعد نہیں آنا۔ اپنا وقت برباد نہ کرو۔ میں تم کو کچھ بھی نہیں دے سکتا نہ ہی میرے پاس کچھ ہے۔ باباجی یہ کہہ کر بغور میرے چہرے کے تاثرات دیکھ رہے تھے لیکن میں اب بھی عقیدت اور احترام سے باباجی کو دیکھ رہا تھا۔ آخر میں بولا باباجی آپ کا حکم سر آنکھوں پر میں آج کے

بعد میری فقیری یا درویشی وغیرہ کے چکر میں نہیں آؤں گا۔ شاید یہ میرے مقدر میں ہی نہیں ہے۔ میں بلاوجہ آپ کو بھی آ کر تنگ کرتا ہوں لیکن باباجی میں کیا کروں آپ کو دیکھ کر مجھے سکون اور راحت ملتی ہے۔ مجھے صرف ایک اجازت دیں کہ میں روحانیت یا عملِ حُب کے لیے نہیں آؤں گا صرف آپ کا دیدار اور ملنے کبھی کبھی آیا کروں گا۔ صرف مل کر دیکھ کر چلا ہوا کروں گا۔ میں نے عقیدت سے باباجی کی ناگوں کو چھوا اور ہاتھوں کو چوم کر باباجی کو دیکھا۔ میری آنکھوں میں آنسو ہلکی کوبھی نظر آ گئے تھے۔ باباجی بولے اوپر و فیر! رو کیوں رہے ہو۔ میں بولا باباجی آپ سے جدائی کا دکھ اور آپ کو میرے آنے سے تکلیف ہوتی ہے اس لیے آنکھیں نمناک ہو گئی ہیں۔

میں نے باباجی کو سلام کیا اور واپسی کی طرف چل پڑا۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا ہوں گا کہ کوئی چیز میری سے آ کرگی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک شاپر لافہ تھا جس میں کاغذات وغیرہ تھے۔ وہ باباجی نے میری طرف پھینکے تھے۔ میں نے شاپر کھول کر دیکھا تو اس میں روپے تھے۔ میں نے سوالیہ نظروں سے باباجی کو دیکھا تو باباجی بولے پرو فیر تم نے آج تک جتنے بھی پیسے مجھے دیئے وہ یہ ہیں۔ یہ ساتھ لے جاؤ میں اتنا بھی غریب اور کمینہ نہیں کہ تیرے پیسے کھاؤں گا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ تم بھاگ جاؤ اور میرے پاس نہ آؤ لیکن تم بہت کچھ اور ڈھیٹ ہو پاؤ نہیں آئے۔ جاؤ یہ اپنے پیسے لے جاؤ۔ میں نے پیسے باباجی کو دینے چاہے لیکن باباجی نے سختی سے منع کر دیا۔ لہذا میں نے روپے پکڑے اور واپسی کی طرف پھر چل دیا۔ ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا ہوں گا کہ مجھے پھر باباجی کی آواز آئی۔ اوپر و فیر تمہیں یاد ہے میں نے پہلے بار بھی تم آئے تھے تو تم کو کون سا وظیفہ دیا تھا۔ میں مڑ کر بولا باباجی وہ بولے آج رات جا کر 4100 بار نہیں صرف ایک دفعہ پڑھ لینا تمہارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ تم جس تلاش میں میرے پاس آئے تھے وہ تمہیں مل جائے گا اور ہاں کبھی غلط جگہ استعمال نہ کرنا اور کبھی کسی سے پیسے یا لالچ نہ کرنا۔ میرے پاس تمہارا بس اتنا ہی لنگر تھا جو تمہیں آج رات مل جائے گا۔ میں نے حیرت اور تجسس میں مری پہنچ کر رات کو وظیفہ شروع کیا ابھی آدھی تسبیح ہی کی ہوگی کہ تیز خوشبوئیں اور وزن کا احساس ہوا۔ صبح اٹھ کر میں نے استعمال کیا اور مثبت اثرات بھی آ گئے اور عملِ حُب میں اللہ پاک نے مجھے کامیابی دی۔ بزرگوں کی عقیدت ادب و احترام میں ہی سب کچھ ہے۔ بابا ادب بامر اذ بے ادب بے مراد۔

بابا اللہ دتہ اور گورنا نک جی

میری روحانی زندگی میں بہت سارے پراسرار بابے آئے جن میں بابا اللہ دتہ بھی شامل تھے۔ مری میں میرے ذکر اذکار و مجاہدے اور ریاضت جاری تھی کہ ایک رات میں باباجی کا ذکر کر کے مراقبہ کر رہا تھا کہ مجھے لگا میں جائے نماز پر ہی سو گیا ہوں اور شاید مجھے نیند آ گئی تھی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا کمرہ دودھیا نور یا روشنی سے بھرا ہوا ہے اور اچانک پردہ غیب سے بابا اللہ دتہ صاحب ایک بہت ہی نورانی بزرگ کے ساتھ میرے کمرے میں آئے ہیں۔ میں نے خوشی خوشی باباجی کو سلام کیا۔ مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی کہ باباجی میرے کمرے میں آئے ہیں۔ میں نے باباجی کا شکریہ ادا کیا کہ سرکار

بابا اللہ دتہ گھر تشریف لائے ہیں۔ باباجی نے اپنے ساتھ آئے ہوئے بزرگ سے میرا تعارف کروایا اور ساتھ آئے بزرگ کے ہاتھ میں عصا (ڈنڈا) تھا۔ انہوں نے اپنا عصا میری طرف بڑھایا اور کہا یہ لو اس کو اٹھاؤ۔ میں نے آگے بڑھ کر عصا اٹھا لی لیکن مجھے شدید حیرت اس وقت ہوئی جب میں نے پوری قوت لگائی لیکن میں عصا کو اٹھا نہیں سکا۔ میں نے اس کو کھینچا لیکن مجھ سے نہ اٹھا گیا۔ تو وہ بزرگ بابا اللہ دتہ کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ تیرا بچا ابھی ناکمل ہے، ابھی بڑھاپہ اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ اسی دوران اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے کی خوشبو بتا رہی تھی کہ بابا اللہ دتہ اور بابا بزرگ ابھی یہاں سے گئے ہیں۔ میں ابھی تک خواب اور دونوں بزرگوں کے سحر میں تھا۔ ساری رات اسی عمل میں گزار دی کہ باباجی کے ساتھ جو بزرگ تھے یہ کون تھے اور اس خواب کا مطلب کیا ہے اور خوشی یہ تھی کہ باباجی نے خواب میں آئے اہنا دیدار کرایا لیکن ساتھ باباجی کون تھے۔ خدا خدا کر کے رات ختم ہوئی تو میں اگلے دن بابا اللہ دتہ سے مل گیا۔ اب میرے دل میں یہ بھی دوسرے تھا کہ بابا کو اس خواب کا پتہ ہے یا نہیں۔ لیکن مجھے شدید خوشگوار حیرت اس واقعہ سے ہوئی کہ باباجی نے ملنے کے بعد کہا اے ماسٹر! تم نے رات کو مجھے شرمندہ کر دیا۔ تم سے ایک معمولی ڈنڈا نہیں اٹھا سکتا فقیری کا وزن کیسے اٹھاؤ گے۔ میں نے خوشی سے باباجی کے ہاتھ پکڑ لیے اور بولا باباجی آپ مجھے بھردیں نا۔ مجھے اٹھا دینا نا۔ باباجی مسکرائے اور بولے پتہ ہے وہ بزرگ کون تھا۔ وہ بابا گورنا نک تھا۔ کیا میں حیرت سے اچھل پڑا۔ بابا گورنا نک نے کہا۔ ہم مسلمان وہ آپ کے ساتھ کیسے تو باباجی بولے فقیر کا مذہب صرف اللہ اور نبی پاک سے عشق ہوتا ہے۔ بابا گورنا نک ان دنوں کو مانتا ہے اور وہ مسلمان تھا۔ یہ تو اس کے چیلوں نے مذہب بنا لیا۔ میں حیرت سے باباجی کی بات سن رہا تھا۔ باباجی سے باتیں کرنے کے بعد باباجی نے مجھے آیت کریمہ کا وظیفہ بتایا کہ جاؤ یہ کرو۔ اس کے بعد تم ڈنڈا اٹھاؤ گے۔ ساتھ ہی باباجی نے حکم لگایا کہ ننگا نہ صاحب بابا گورنا نک کو سلام کر کے جانا۔ کیونکہ میں بابا اللہ دتہ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہوں نہ کرتے ہوئے بھی اگلے دن ننگا نہ صاحب سلام کرنے چلا گیا۔ وہاں پر میری ایک درویش سکھ سے بھی ملا۔ وہاں پہلی جو میری آمد سے باخبر تھا کہ میں آ رہا ہوں۔ میں سارا دن وہاں پر رہا۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ سکون اور اللہ کی کلمت میرے اندر تھی۔ میری کیفیت بتا رہی تھی کہ مجھے روحانی طور پر یہاں سے کچھ ملا ہے کیونکہ روح میں عجیب شہادت اور طمانیت کی کیفیت تھی۔ سارا دن گزار کر میں واپس مری چلا گیا اور جا کر بابا اللہ دتہ صاحب کے بتائے ہوئے وظیفہ پڑھا۔ آدھ کریمہ کا وظیفہ کیا۔ یہ 41 دن کا عمل تھا روزانہ چار گھنٹے لگتے تھے۔ یہ وظیفہ میں نے اسی وظائف کی کتاب میں درج دیکھا تھا۔ جو لوگ روحانیت کے منکر ہیں یا جن کا سینہ روشن نہیں ہوتا حجاب نہیں اٹھتے ایک بار یہ وظیفہ ضرور کریں۔ شاندار اور باکمال عمل ہے۔ روحانی طاقت بہت زیادہ ہے۔ عمل مکمل ہو گیا اور دورانِ وظیفہ مجھے لگتا تھا کہ میرے جسم کے ساتھ کچھ روحانی طور پر ہو رہا ہے اور مجھے کسی روحانی ہستی کی موجودگی کا احساس ہوتا۔ وظیفہ مکمل ہونے کے بعد آج تک میں وہ وظیفہ تھوڑی تعداد میں کرتا ہوں۔ چند دن بعد ہی میں ذکر مراقبہ اور جس دم کی مشقیں کر کے سویا کرتا ہوں۔ بابا اللہ دتہ بابا گورنا نک کے ساتھ میرے خواب میں آئے۔ پورے کمرے میں دودھیا نور پھیلا ہوا تھا۔ لگ

کیا۔ دونوں بزرگ پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ بابا اللہ دتہ جی نے مجھے اشارہ کیا کہ بابا گوردونا تک ایسی عصا اٹھاؤ میں نہایت ادب و احترام سے بڑھتا ہوں اور آسانی سے عصا کو اٹھا لیتا ہوں۔ مجھے بہت خوشی اور طمانیت مل گئی کہ آج میں نے بابا جی کا عصا مبارک اٹھا لیا ہے۔ بابا گوردونا تک جی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور گلے سے لگا کر ہمارا کیا۔ میں خوشی سے رو پڑا۔ اسی دوران میری آنکھ کھل گئی۔ جاگنے کے بعد بھی میری آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں سمجھتا ہوں ہی بابا اللہ دتہ کے پاس پہنچ گیا۔ بابا جی مجھے دیکھ کر مسکرائے اور بولے ماسٹر میرے پاس تمہارے لیے اتنا ہی تھا۔ تیرا مرشد کوئی اور ہے جو وقت آنے پر تجھے مل جائے گا۔ میں کافی دیر بابا جی سے باتیں کر کے واپس سری آمکمار اللہ سے دعا کی جلدی مجھے مرشد سے ملا دے۔

مرشد کی ناراضی

اہل روحانیت اور تصوف فقیری سے لگاؤ رکھنے والے تمام احباب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اگر کسی مرشد ناراض ہو جائے تو مرید کس طرح مرغِ نعل کی طرح تڑپتا ہے۔ ایسا ہی ایک واقعہ کوہِ مری میں بھی پیش آیا۔ میں مری میں جب لوگوں کی خدمت کے لیے بیٹھتا تو ایک نوجوان اکثر آتا۔ اسے صرف یہ کہہ کر چلا جاتا کہ پروفیسر میرے لیے دعا کریں۔ میں دعا دیتا اور وہ چلا جاتا۔ جب کئی بار وہ نوجوان میرے پاس آیا اور بنا بات چیت یا مسئلہ بتائے واپس چلا گیا۔ ہر بار انتہائی عقیدت احترام سے ملتا۔ اُس کی بات چیت اور رکھناؤ سے پتہ چلتا تھا کہ اولیائے کرام کے پاس اس نے کافی وقت گزارا ہوا ہے۔ اُس کے بار بار آنے اور جانے سے مجھے بھی اس سے انس اور پیار سا ہو گیا تھا۔ اسی طرح وہ ایک دن آیا ہوا تھا جب وہ سلام کر کے جانے لگا تو میں نے اُس کو روک کر کہا کہ آج تو بہت رش ہے تم نے کل 10 بجے آ کر اکیلے میں مجھے ملنا ہے۔ وہ انتہائی عقیدت سے بولا ٹھیک ہے سرکار آپ کا حکم ہے تو میں ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

لہذا اگلے دن وہ وقت مقرر پر آ گیا اور احترام سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔ میں نے اُس سے پوچھا بھائی آپ اتنی بار میرے پاس آچکے ہو سلام کر کے چلے جاتے ہو بتاؤ کیوں آتے ہو۔ کیا دعا کراتے ہو۔ آج اپنے دل کی بات بتاؤ۔ وہ بولا پروفیسر آپ کی مہربانی آپ نے پوچھا۔ اصل میں میں نافرمانی سے ڈرتا ہوں۔ کہیں میری کسی بات یا حرکت سے آپ ناراض نہ ہو جائیں کیونکہ میں پہلے ہی اپنے مرشد کی نافرمانی کر چکا ہوں اور اُس کی شدید سزا بھی بھگت رہا ہوں اور میں اس انتظار میں تھا کہ جب آپ کو مجھ پر ترس آئے گا جب آپ کی مرضی ہوگی آپ پوچھیں گے تو بتا بھی دوں گا۔ آج آپ نے بلایا تو آپ کی اجازت سے میں آپ کو اپنی بد قسمتی کی داستان سنا تا ہوں۔ پروفیسر صاحب میرے مرشد سرکار مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ میں پانچ سال سے اُن کے پاس جا رہا تھا انہوں نے مجھ سے بہت شفقت اور محبت بھی کی۔ مجھے مل چُپ بھی عطا کیا اور روحانی منازل بھی ملے کرائیں۔ میں نے سرکار سے جو مانگا سرکار نے مجھے دیا۔ میرا اپنے مرشد پاک

نعل اور تعلق مثالی تھا۔ میرے گھر والے پہلے دن سے ہی میرے مرشد کے خلاف تھے۔ میرے گھر والوں نے ایک دن عمارت گرا دی اور میں اپنے گھر والوں کی سازش کا شکار ہو کر اپنے مرشد کو غلط سمجھ کر ان کو چھوڑ کر گھر آ گیا۔ لیکن جلد ہی میرے مرشد نے اپنے روحانی تصرف سے میرے گھر والوں کی سازش ناکام بنادی اور مجھے اصل حقائق کا پتہ جب چلا تو میں بہت افسوس ہوا۔ جا کر اپنے مرشد پاک سے معافی مانگی پاؤں پکڑے لیکن مرشد پاک نے کہا کہ اب تم کبھی میرے پاس نہیں آؤ گے اور نہ ہی تم کو معافی ملے گی۔ میں نے ایک دو بار ملنے کی کوشش کی لیکن بابا جی نے سختی سے منع کیا اور کہا کہ اگر اب تم میرے پاس آؤ گے تو مجھے شدید دھکے دو گے۔ کبھی نہ آنا۔ پروفیسر صاحب اب مجھے مرشد سے دور ہوئے ایک سال سے دور رہو۔ ہو گیا ہے۔ میرے جسم و روح میں جو نشہ سرور مستی تھی وہ ساری ختم ہو گئی ہے۔ اب میری روح خالی ہے جیسے گھر سے اندر سے کوئی چیز نکل گئی ہو۔ کیونکہ پہلے مرشد کا فیض میرے ساتھ تھا میں جو کہتا وہ ہو جاتا۔ بے شمار لوگ میرے پاس آ کر راضی ہو جاتے اور اپنی خالی جھولیاں بھر کر جاتے۔ اب کیونکہ مرشد کی توجہ کا سایہ میرے سر پر نہیں ہے لہذا اب نہ تو کام ہو سکتا ہے اور نہ ہی لوگ اب میرے پاس آتے ہیں۔ مجھے لوگوں کی پروا نہیں ہے بلکہ میں تو اس سرورِ مستی کی حالت میں ہوں جو ہر وقت میرے جسم و روح میں دوڑتی تھی۔ خدا کے لیے پروفیسر صاحب کچھ ایسا کریں کہ میرا مرشد مجھ سے راضی ہو جائے۔ اُس نوجوان نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اُس نے روتے روتے میرے پاؤں بھی پکڑ لیے کہ اہلِ مری میں بھی پریشان ہو گیا۔ اہلِ روحانیت اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مرشد کی ناراضی کا کیا مطلب ہے۔ دنیا میں ہر گزری بن جاتی ہے۔ وہ اس شدت سے رو رہا تھا کہ لگ رہا تھا کہیں شدتِ غم یا مرشد کی جدائی اُس کے لیے جان لیوا ہی ثابت نہ ہو۔ میں نے اُس کو حوصلہ دیا کہ تم پریشان نہ ہو۔ میں بھی اللہ سے دعا کرتا ہوں اور کوئی راستہ بھی نکالتا ہوں۔ یہاں پر میں اپنے قارئین کو ایک بات بتانا چلوں کہ میرے پاس جب بھی کوئی سائل یا دہی اپنے مسائل لے کر آتا ہے اور جب یہ بھی بتاتا ہے کہ میں فلاں پیر صاحب یا سلسلے میں باقاعدہ بیعت بھی ہوں تو میں اکثر اُن سے کہتا ہوں کہ آپ اپنے مرشد کے پاس یا مرشد خانہ پر جائیں وہ ہی آپ کی مدد کریں گے۔ لیکن جب کوئی ایسا مرید بہت ضد کرے تو پھر میں باقاعدہ اُس کے مرشد سے اجازت مانگتا ہوں اور التماس کرتا ہوں کہ مجھے اجازت دیں میں آپ کے مرید کی اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ کرم سے کچھ مدد کرنے کی سعی کروں یا رات کو روحانی طور پر متعلقہ بزرگ سے رابطہ کر کے اجازت لیتا ہوں۔ لہذا یہاں میں نے دہی نوجوان سے پوچھا کہ آپ کے مرشد کون ہیں۔ اُن کا آستانہ کہاں ہے اور میں کیسے اُن تک جاسکتا ہوں۔ لہذا اُس نوجوان نے مجھے اپنے مرشد کے بارے میں تمام تفصیلات اور جگہ بتادی۔ اب میں نے نوجوان سے ایک بات مانگی کہ آپ کو لے کر میں تمہارے مرشد کے پاس جاؤں گا اور اس طرح مقرر کردہ دن میں اُس نوجوان کے ساتھ اُس کے ناراض مرشد کی طرف رواں دواں تھا۔ خوف میرے اندر بھی تھا کہ مرشد زیادہ ہی جلالی نہ ہو۔ اللہ کرے وہ میری بات مان جائے۔ طویل سفر کے بعد ہم اُس جگہ پہنچ گئے جہاں پر وہ نیک بزرگ قیام فرماتے تھے۔ کیونکہ وہ نوجوان بہت بری خلق اور ادا تھا اس لیے وہ راستے میں ہی رک گیا اور مجھے کہا کہ پروفیسر صاحب! آپ میرے مرشد سرکار کے پاس

جائیں۔ اگر وہ راضی ہو جائیں تو مجھے بھی بلا لیجئے گا میں دوڑتا ہوا سر کے بل آؤں گا۔ اُس نے دور سے ہی مجھے اسرارِ حق کے آستانے کی نشاندہی کرادی تھی۔ میں اُس کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ باباجی کی عمر 80 سال سے زیادہ تھی۔ وہ چند مریدوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں آرام سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔ باباجی نے غور سے میری طرف دیکھا اور اُن کے ہونے لوگوں میں مصروف ہو گئے۔ اُن کے مرید نے آکر مجھ سے گفتگو کرنے کا پوچھا تو میں نے ہاں میں جواب دیا۔ میری یہ شروع سے ہی عادت ہے کہ میں جب بھی کسی بزرگ کے پاس جاتا ہوں تو میری یہ شدید کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ میں گفتگو نہ کروں۔ یہ بات تمام لوگ جانتے ہیں کہ ان پر اسرارِ بابوں کے گفتگو میں بھی خاص قسم کا فیض اور انوارِ سرور ہوتا ہے۔ تمدور کی روئیاں اور آلوگوشت میرے سامنے لا کر رکھ دیا گیا جو میں نے بہت شوق سے کھایا۔ اکثر درویشوں پر دال بھی ملتی ہے جو اپنے ذائقے میں بے نظیر ہوتی ہے۔ کھانے کے بعد گرم چائے آ گئی جس نے نشہ دور کر دیا۔ اکثر اوقات ایسی جگہوں پر جا کر میرا دل کرتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر اسی جگہ پر رہ جاؤں اور ساری عمر باباجی کے آنے والے لوگوں کی خدمت کروں لیکن یہ میری حسرت ہی رہی۔ شاید کبھی اللہ مجھے بھی ایسا موقع دے کہ میں پر دہی لوگوں کی جی بھر کے خدمت کر سکوں۔ بہت سارے لوگ باباجی سے مل کر واپس جا چکے تھے اور میں انتظار میں تھا کہ کب باباجی اکیلے ہوں تو میں باباجی سے درخواست کروں۔ جب باباجی اکیلے ہوئے تو میں سر کر باباجی کے قریب ہو گیا۔ باباجی دیہاتی کرسی نما کسی چیز پر بیٹھے تھے اور حقہ پی رہے تھے۔ باباجی کا حقہ دیکھ کر مجھے اپنے والد صاحب کی یاد آئی، باباجی صاحب صاحب شدت سے یاد آئے کیونکہ میں بچپن میں اکثر مندرجہ بالا بزرگوں کے لیے حقہ بھرتا تھا، آگ جلاتا تھا اور خود بھی دفعہ کش لگاتا تھا۔ میں نے باباجی کی ٹانگیں دہانی شروع کر دیں۔ مجھے شدت سے اس کی احساس ہوتا ہے کہ کاش میرے والد صاحب ہوتے تو میں بار بار اُن کی خدمت کرتا۔ اُن کے پاؤں دباتا اور وہ ساری چیزیں انہیں مہیا کرتا جن کو وہ پسند کرتے تھے۔ میں آرام اور پیار سے باباجی کی ٹانگیں دبارہا تھا اور باباجی بھی پیار بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ باباجی نے ایک دو بار مجھے روکنے کی کوشش کی لیکن میں نے درخواست کی کہ باباجی میں اپنی خوشی سے دہا ہوں لہذا وہ خاموش ہو گئے۔ باباجی بولے بیٹا پڑھ لکھ معلوم ہوتے ہو اور کسی اچھے خاندان سے بھی معلوم ہوتے ہو۔ باباجی آپ نے کہہ دیا تو میں پڑھا لکھا ہو گیا۔ آپ کی ہر بات حق اور سچ ہے۔ باباجی بولے بولو بیٹا کیا چاہتے ہو۔ میں بولا باباجی آپ کی اور رب پاک کی خوشی اور تاجدارِ مدینہ سرکارِ دعو عالم کی غلامی۔ باباجی میرے جواب سے خوش ہوئے۔ باباجی دعا کریں کہ میں مرنے سے پہلے ویسا ہو جاؤں جیسا میرا رب پاک چاہتا ہے۔ میرے سارے گناہ قصور مرنے سے پہلے دھل جائیں۔ باباجی نے پھر مجھے دعائیں دیں۔ کچھ دیر بعد باباجی بولے مجھے پتہ ہے تم اپنے کسی کام سے میرے پاس نہیں آئے اور نہ ہی کبھی تم نے میرے پاس آنا تھا اور ہاں جو تم لوگوں کی خدمت کر رہے ہو اُس کو اسی طرح بلا معاوضہ جاری رکھنا یہ اللہ پاک کا نور ہے جو تم لوگوں میں بانٹ رہے ہو۔ تم قسمت والے ہو کہ اللہ پاک نے تمہاری یہ ڈیوٹی لگائی ہے۔ اب تم میرے پاس کچھ لینے تو نہیں آئے لیکن پھر بھی کیونکہ تم ایک درویش کے پاس آئے ہو تو کچھ لیتے جاؤ۔ لہذا باباجی نے مجھے کچھ نادر و نایاب قسم کے عمل اور حکمت کے نسخے بھی دیئے کہ لوگوں کی خدمت میں یہ بھی شامل کر لو اور کبھی بھی

باباجی نے پہلے نہ لینا۔ میں نے باباجی سے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ ایسے ہی ہوگا آپ ہمیشہ میرے لیے دعا کرتے رہیے گا اور میں ان نظروں میں بھی رکھنے گا۔ باباجی مسکرائے اور میرے سر پر بوسا دیا اور بولے جا تم کو ہر قسم کی خیر ہوگی۔ اب باباجی نے میرے لیے چپ ہو گئے اور میری طرف خاموشی سے پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے اور میری کمر پر ہلکی سی تھپکی دی۔ میں نے ہاؤ اُس نافرمان کو لے آؤ جس کی وجہ سے تمہارا دیدار ہوا اور نہ تم نے کہاں مجھے فقیر کے پاس آنا تھا۔ میں نے خوشی سے باباجی کے ہاتھوں کو چوما کیونکہ میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ یہ نہیں باباجی کی روح کی کیا فریکوئنسی تھی کہ باباجی کے پاس آکر بہت مسرور، شادان اور خوش تھا۔ دل تھا کہ باباجی کی طرف کھنچا جا رہا تھا اور یہ بھی کہ ساری عمر باباجی کے پاس گزار دوں۔ جاؤ اور اُس کو لے آؤ جس کو تم راستے میں بٹھا آئے۔ لہذا میں خوشی خوشی اُس نوجوان کی طرف گیا۔ وہ باباجی سے میرا انتظار کر رہا تھا کہ یہ نہیں باباجی مانتے ہیں کہ نہیں۔ میں نے جب اُس کو جا کر بتایا کہ باباجی مان گئے ہیں اور باباجی نے مجھے ٹوکھا ہے کہ جا کر اُس کو لے آؤ تو وہ خوشی سے میرے ساتھ لپٹ گیا اور بار بار میرا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اب ہم باباجی کی خدمت میں چلتے ہوئے دوبارہ باباجی کے پاس پہنچے۔ نوجوان جاتے ہی باباجی کے قدموں میں گر گیا اور باباجی کے ہاتھوں پر مبارکباد اظہار کرنے لگا۔ جب وہ اچھی طرح روچکا تو باباجی نے کہا بس کرو۔ باباجی نے کسی سے کہا اس کو کھانا کھاؤ۔ اس نے کہا کہ کھانا کھانے کے بعد باباجی بولے پروفیسر صاحب کی وجہ سے تمہیں معافی تو مل گئی ہے لیکن اب تمہیں چھوٹی سی سزا دینی پڑے گی۔ اگر اس کا عرصہ اچھے طریقے سے گزارا تو تمہاری معافی بھی پکی ہوگی اور تمہاری پرانی روحانی حالت اور مقام بحال ہائے گا۔ نوجوان بولا باباجی میں ساری عمر سزا سنبھالنے کو تیار ہوں آپ حکم کریں مجھے کیا کرنا ہوگا۔

مرشد کی انوکھی سزا

باباجی نے بہت ہی مشکل اور انوکھی سزا اپنے مرید کو سنائی اور مجھے اس وقت شدید خوشگوار حیرت ہوئی جب باباجی نے بہت خوشی سے باباجی کی سزا قبول کی۔ باباجی نے سزایہ سنائی کہ اب تم پورا ایک سال پھٹے پرانے کپڑے پہنو۔ اس لباس کو پورا سال تم دھو نہیں سکتے اور گلے میں روزانہ پھٹے پرانے جوتوں کا بار بھی پہننا ہوگا اور کھانا لوگوں سے الگ کرنا پڑے گا۔ میں پر ہچا کھچا ہوا کھانا اٹھا کر کھاؤ گے کسی سے کسی قسم کے میسے نہیں لو گے اور نہ ہی ایک سال تک تم اپنے گھر سے باہر کے پاس جاؤ گے اور نہ ہی میرے پاس رہو گے۔ آخری شرط سب سے سخت تھی کہ ایک سال تم بال نہیں کٹاؤ گے اور بال صاف دھیرہ سے اپنے جسم کو صاف کرو گے۔ اس طرح کی اور بھی شرطیں جو وہ نوجوان نے خوشی سے قبول کیں۔ میں نے باباجی سے کہا کہ باباجی نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا لہذا میں اور وہ نوجوان خاموشی سے باباجی کی باتیں سنتے رہے کیونکہ رات کافی ہو چکی تھی لہذا باباجی نے حکم دیا کہ پروفیسر صاحب آپ رات کو ادھر ہی سو جائیں۔ آستانے کے لیے آپ کا سونا باہر کت ہوگا۔ باباجی کی بات کرتے ہیں یہ میرے لیے بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ آپ بڑے بزرگ کو دیکھنا، آپ سے باتیں کرنا، آپ کا گفتگو کرنا اور آپ کے آستانے پر کچھ سانس لینا اور گھڑیاں

بہاگ کا پورا وہ اپنے مرشد کے قدموں میں باقی زندگی گزار سکے گا۔

حبیب کبریا سرکار رسالت مآب کی زیارت

محترم قارئین پیارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بلاشبہ اس کائنات کا سب سے بڑا انعام ہے۔ ہر روز اس انعام کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے جیسے گنہگار کو یہ عظیم ترین رات اور سعادت آئی کہ جب مجھے سیاہ کار، خطا کار اور گنہگار پر بھی سرکارِ دو عالم، شہنشاہِ مدینہؐ کی زیارت نصیب فرمائی اور دنیا میں ہی مجھے جنتی کر دیا۔ مجھے عبادات، مجاہدے، ذکر و نماز، ریاضت و ساری اعمال کرتے ہوئے جب پونے دو سال ہو گئے، میرا حبیب یا فیوم کا ورد 80 لاکھ ہو چکا تھا رات کے کئی بجے سو جاتے تھے، میں نتائجِ نظر نہ آنے کے باوجود جنونیوں کی طرح لگا ہوا تھا، یہ ہمت اور استقامت مجھے اللہ نے دی ورنہ یہ کام ناممکن تھا۔ بے شمار ذکر و نماز، مراقبہ جس دم، ترک حیوانات اور مزارات پر آگاہی کے بعد بھی جب میں خالی تھا۔ اللہ نے میرے دل و دماغ میں یہ بات ڈالی تب میں نے آقائے دو جہاں رسولؐ کی زیارت کو درخواست بھیجی شروع کر دی کہ سرکار مجھ گناہ گار پر کرم کریں مجھے اپنی غلامی میں لے لیں درود ساری کثرت سے پڑھنا شروع کر دیا۔ نوافل بھی کثرت سے پڑھ رہا تھا۔

آخر وہ عظیم رات میری زندگی میں آئی جب مجھ گناہ گار کا مقدر سب سے اوپر چلا گیا۔ میں ذکر و نماز کرنے کے بعد سانس کی مشقیں کر کے سو گیا اور مجھے اُس رات رسول پاک ﷺ سرکارِ دو جہاں کی پہلی بار زیارت ہوئی کیا دیکھا کہ آیتِ اولیٰ بس میری ساری محنت اور کوششوں کا صلہ مجھے اُس رات مل گیا، میں دنیا کا سب سے خوش قسمت انسان بن گیا۔ ہاگ جاگ گئے، میں امر ہو گیا۔ میں صبح جب جاگا پہلے مجھے یقین ہی نہیں آیا یہ میرا وہ تھا یا واقعی خواب تھا، ساری تفصیل یاد آئی تو میرے اوپر عجیب خوشی، مسرت، ندامت، حیرت کی کیفیت طاری تھی۔ مجھ گناہ گار پر اتنا بڑا کرم ہوا کہ میں نے اُن خوش قسمت انسانوں میں شامل ہو گیا ہوں جن پر آقائے دو جہاں نے کرم کیا ہے۔

اب مجھے سمجھ نہ آئے کہ میں بتاؤں یا نہ بتاؤں کیا کروں؟ آخر میں ایک بزرگ کے پاس گیا جن سے میں اکثر دعا مانگتا تھا کہ بتاؤں یا نہ بتاؤں؟ میں نے اُن کو زیارت آقائے دو جہاں کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے اور مجھے کہہ کر ان کے نوافل پڑھو اور منھائی بانٹو لہذا میں بڑے ہی شوق، عشق اور عقیدت سے منھائی لایا اور بچوں اور بڑوں کو کھلائی اور کئی دن تک شکرانے کے نوافل پڑھتا رہا۔

سرکاری زیارت کے بعد میرے اندر سکون اور نشے کی کیفیت آگئی تھی۔ میں بہت مسرور اور خوش تھا۔ اب اور بھی نوافل سے مراقبہ اور ذکر و نماز کرنے لگا سستی اور سرور آنا شروع ہو گیا تھا۔

گزارنا۔ میں اور نو جوان مرید کافی دیر باباجی کے پاس بیٹھے رہے اور باباجی کی حکمت و دانائی سے بھرپور باتیں کرتے رہے۔ آخر کار آدھی رات کے بعد ہم سونے کے لیے الگ کمرے میں چلے گئے۔ نو جوان مرید بہت خوش تھا اور باباجی شکر یہ بھی ادا کر رہا تھا۔ صبح ہم نماز فجر کے لیے اٹھے اور نماز پڑھ کر پھر سو گئے کیونکہ رات کو ہم کافی دیر تک جاگتے رہے اور طویل سفر بھی ہم نے کیا تھا اس لیے میں کافی دیر تک سوتا رہا۔ جب میں اٹھا تو نو جوان کا بستر خالی تھا۔ میں نے اٹھا دیکھا تو باباجی چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے ان سے باتیں کر رہے تھے۔ باباجی میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور مجھے اسٹاپ بلایا اور کہا پرو فیسر صاحب آپ کو ناشتہ کرنے کے بعد اکیلا ہی واپس جانا ہوگا کیونکہ اُس کی ڈیوٹی شروع ہو گئی ہے اور وہ ڈیوٹی پر چلا گیا ہے۔ اب وہ ایک سال کے بعد ہی یہاں واپس آئے گا البتہ کبھی کبھی تم سے ملنے آجایا کرے گا اس کی اجازت اُس کو ہے۔ میں حیرت سے باباجی کی باتیں سن رہا تھا۔ میں نے ناشتہ کیا تو باباجی نے اپنے کسی مرید کی ڈیوٹی کا کہ مجھے روڈ تک چھوڑ آئے۔ باباجی نے مجھے بہت پیارا اور محبت سے الوداع کیا اور میں باباجی کی ڈھیر ساری محبتیں دل سے سمیٹے مری واپس آ گیا اور آ کر اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف ہو گیا۔ چھ ماہ بعد کی بات ہے ایک دن ہزاروں لوگ میرے پاس آئے ہوئے تھے کہ کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی مجھ کو دیوانہ پھٹے پرانے کپڑوں میں بال اور شیو بزمی پہنے ہوئے ہے اوپر کی طرف آ رہا ہے۔ بہت سارے بچے اس کے ساتھ تھے جو اس کے پراسرار خلیے کی وجہ سے اُس کے ساتھ تھے بلکہ اُس کو تنگ کر رہے تھے لیکن وہ لوگوں سے بے نیاز بیٹری پڑھ رہا تھا۔ وہ جوم کو پڑھنا بھی سیکھ چکا تھا۔ طرف بڑھ رہا تھا۔ لوگوں نے اُس کو روکنے کی کوشش کی لیکن جب میں نے اشارہ کیا کہ اُسے آنے دیا جائے تو کسی نے اُس کو نہ روکا۔ جب وہ میرے بہت قریب آیا تو مجھے لگا کہ میں نے اس کو کہیں نہ دیکھا ہے۔ جب وہ میرے بہت قریب آیا تو بولا پرو فیسر صاحب دیوانے کو قریب آنے دیں تو میرے دل و دماغ میں آشنائی کی لہر چمکی اور یہ تو وہی ہے جس کا مرشد ناراض ہو گیا تھا اور مرشد نے اُس کو ایک سال کی سزا سنائی تھی اور یہ سزا کا عرصہ گزرا رہا ہے کیونکہ اُس کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا اور آج یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں خوشی اور مستی سے پھر رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مرید مرشد کو راضی کرنے کے لیے اُس کی بتائی ہوئی سزا خوشی خوشی سہہ رہا تھا۔

وہ قریب آ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ میں بھی بہت خوشی اور گرم جوشی سے ملا۔ جوم شدید حیرت میں تھا کہ یہ کوئی VIP شخصیت ہے جس سے پرو فیسر صاحب اتنی خوشی اور گرم جوشی سے ملے ہیں کیونکہ اُس کا حلیہ ایسا تھا کہ کوئی بھی اللہ اُسے گلے لگانے کو تیار نہیں تھا۔ میں اُس کو لے کر ایک طرف ہو گیا اور کسی کو کہا کہ شربت بنا کر لاؤ۔ اس دوران وہ الہی داستان سنانے لگا کہ مرشد کی اس سزا میں جوشہ اور سرور ہے وہ کہیں اور نہیں ہے۔ میرے گھر والوں نے میرا بہت پیہچا کیا اور سمجھایا بھی تین میں نے اب گھر والوں کی بات نہیں مانی۔ اب میں ایک سال کا عرصہ پورا کر کے ہی واپس باباجی کے پاس جاؤں گا کیونکہ پرو فیسر صاحب آپ نے ہی مجھے باباجی سے معافی لے کر دی تھی۔ اس لیے دل کیا آپ سے مل لوں لہذا آج آ گیا۔ اس طرح کی اور بھی بہت ساری باتیں کر کے وہ چلا گیا اور جاتے ہوئے یہ وعدہ بھی کر گیا کہ جب سال پورا ہوگا تو آپ سے مل کر باباجی کے پاس جاؤں گا اور جب اُس کی سزا کا وقت پورا ہوا تو وہ پھر مجھ سے ملنے آیا۔ وہ بہت ہی

اور اس راتوں کے بعد مجھے لگایا تو کوئی توانائی اور نشہ میرے اندر حلول کر گیا ہے یا اندر سے بیدار ہو گیا ہے۔

حضرت علیؑ حیدر کرار کی زیارت

روحانیت میں مولانا علی کرم اللہ وجہہ کا جو مقام ہے وہ کم و بیش تمام سالکین جانتے ہیں۔ مسلم بزرگوں کے ہاں نان مسلم روحانی مسافرتا جدار ولایت مولانا علی سرکار کو ہی مانتے ہیں۔ دہلی اور بھارت میں جہاں بھی گیا وہاں پر نان مسلم بزرگوں سے ملاقات اور گفتگو ہوئی تو سب ہی آپ کو شہنشاہ ولایت مانتے ہیں۔ کیونکہ آقائے دو جہاں رسول کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ ”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اُس کا دروازہ ہے۔“

مولانا علی سرکار کی شان ولایت اور مقام مجھ جیسا حقیر کیا بیان کر سکتا ہے لیکن کسی اور کتاب میں تفصیل سے قلم کی کوشش کروں گا۔ جب میں روحانی دنیا میں آیا بے شمار بزرگوں سے ملا بے شمار روحانی کتب کا مطالعہ کیا تو ایک بات اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ روحانیت میں بادشاہت مولانا علی سرکار کی ہے۔

جب تک مولانا علیؑ کی غلامی میں نہیں جاؤں گا کچھ نہیں ہوگا لہذا میں مختلف بزرگوں اور سیدوں سے ملا درخواست کی کہ کوئی ایسا عمل دیا جائے کہ مجھے سرکار کی غلامی اور دیدار نصیب ہو جائے۔ شاید یہی وہ جذبہ عشق و محبت تھا کہ اس کے ساتھ سرکار اور آپ کی آل سے عشق بھی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ جنوں اور دیوانگی کی حد تک ہو گیا۔

ایک بزرگ نے مجھے یا حبشی یا قیوم یا حَمِيكَ یا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ 4100 بار 41 دن بعد نماز عشاء پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ شرائط کے ساتھ میں نے پورے اہتمام سے کیا۔ بہت خوشیوں میں آئیں لیکن سرکار کا دیدار نہ ہوا۔ میں اپنی کوشش میں لگا رہا۔ پھر کسی نے ناو علیؑ صغیر کا وظیفہ دیا جو آج تک میرے اذکار کا حصہ ہے۔ جنات شیاطین منفی قوتوں کے علاج میں اس سے اچھا شاید ہی کوئی عمل ہو۔

جب آقائے دو جہاں کی زیارت ہوئی تو اُس کے کچھ ہی عرصہ بعد میری یہ دیرینہ خواہش بھی پوری ہوئی۔ مری میں ہی تھا جب مولانا علی کرم اللہ وجہہ سرکار کی زیارت ہوئی سرکار کا مقام اور شان قابل دید تھی اُس پہلی ملاقات اور زیارت کا مزہ اور نشہ آج بھی ہے۔

میں بہت صبح اٹھ گیا اور اپنے مکان کے پیچھے پہاڑی کے اوپر چلا گیا اور گرم صبح بیٹھ گیا مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میری برسوں کی خواہش اور مراد پوری ہو چکی ہے۔ میں بار بار خود کو چنگی کا شاکہ میں واقعی جاگ رہا ہوں یہ واقعی میں ہوں اور مجھ پر کرم ہو چکا ہے۔

میں ادیب یا شاعر نہیں ہوں اس لیے اپنی کیفیات، احساسات اور مشاہدہ بیان نہیں کر سکتا لیکن یہ اس دنیا و مافیہا سے اوپر کی کوئی بات تھی، مستی اور سرور کی لہریں میری رگ رگ میں دوڑ رہی تھیں، مستی نے مجھے گھیرا ہوا تھا نشہ چڑھا ہوا تھا

روحانی کیفیات شروع

ایک طویل عرصے سے روحانی ذکر و اذکار، روحانی مشقوں اور بے پناہ دعاؤں کے بعد آخر فطرت کو مجھ سے اس کا کیا اور روحانی مشاہدات، کیفیات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا تو آج تک جاری ہے۔

No Body خالی ذہن

مولانا علی سرکار کی زیارت کے بعد مجھے لگا میں اندر سے خالی ہو گیا ہوں، کبھی مستی و سرور کبھی خالی پن کا احساس تھا اور مراقبہ کی وجہ سے لا شعوری مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ اب مجھے خیالات تنگ نہیں کرتے تھے بلکہ جس چیز پر توجہ لگاتا تھا اس میں خالی تھا ایک خلا تھا جو میرے اندر تھا۔ میں گھنٹوں آنکھیں بند کر کے بیٹھا رہتا جیسے کسی کا انتظار ہو شاید میرے انتظار میں ہو۔ عجیب کیفیت طاری تھی کبھی احساس ہوتا کہ میرا وجود نہیں کرتا۔ رات کو گھنٹوں ستاروں کو تکتا رہتا تنہائی کے ساتھ دوستی ہو گئی تھی۔

کمرے یا جنگل میں خاموشی سے بیٹھا رہتا لوگ مجھے پاگل کہتے۔ میں عدم وجود یا خالی پن کی طرف جارہا تھا دنیا کے امور میرا دل نہ ہونے کے برابر ہوتا۔ کئی کئی دن شیونہ کرنی، کپڑے نہ بدلنا جوتے کبھی بھی پاش نہ کرنا جن کپڑوں میں پہننا میں کالج چلا جاتا سٹوڈنٹ مذاق کرتے کہ سررات والے کپڑوں میں ہی آ جاتے ہیں میں ہر چیز سے بے خبر تھا۔

میں نے کیا جنون تھا میں اپنے اندر جانا چاہتا تھا یا کہیں اور تلاش جنون جاری تھا۔ ایک ملاطبتی کشش تھی جو مجھے مراقبہ میں اندر لے جانے کی کوشش کرتی تھی اور میں جارہا تھا اکثر مجھے لگتا شاید کسی کا راستہ ہول چکا ہوں، کسی اور گھر اور منزل کی طرف جارہا ہوں۔ تلاش ابھی بھی جاری تھی میری زندگی تلاش، کھوج کی تھی۔ میں خالی الذہنی (NO Mind) کی دنیا میں داخل ہو گیا تھا یا پاگل پن کی طرف جارہا تھا میرا شعور ابھی اس کی بڑھ رہا تھا۔

مولانا علی سرکار کی زیارت کے بعد مجھے اکثر احساس ہوتا کہ میرا جسم کسی واردات حادثہ یا تبدیلی کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ اندر کوئی بیرونی قوت حلول کر رہی ہے یا کوئی قوت باطن سے نمودار ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔

طویل مراقبہ، ذکر و اذکار، کم سونا، ترک حیوانات اور جس دم کے اثرات میرے جسم پر پڑنا شروع ہو گئے تھے۔ اس کی تبدیلی سے گزر رہا تھا۔

میں روح اور اندر کی تاریکی میں اترتا جا رہا تھا۔ کوئی تاریک غار یا پاپ تھا اور میں اُس میں اترتا جا رہا تھا۔ پتہ

نہیں میں کس منزل کی طرف جارہا تھا یا نکل پن کی طرف۔ پتہ نہیں زندگی کی طرف یا موت کی طرف کوئی قوت مجھے جاری تھی اور میں اُن دیکھی کشتی کا سوار بن چکا تھا۔ پتہ نہیں کہاں اور کیوں جارہا تھا۔

لاذہنی کی حالت میں خوف بھی تھا تجسس بھی خوشی، حیرت، ڈر، عجیب کیفیات اور محسوسات تھے لیکن میں ہمارا تھا یہاں میرے ساتھ یہ مسئلہ تھا کہ میرا مرشد کوئی نہیں تھا جو مجھے بتاتا، جس سے Share کرتا، حوصلہ اور راہنمائی لیتا۔ حالت میں پیچھے نہ جا سکتا تھا بلکہ مجھے آگے ہی جانا تھا۔ میں درمیان میں تھا اس دنیا اور باطن کی دنیا کے درمیان میں تھا اس دنیا میں جانے کے لیے۔ ایسی حالت میں مرشد کامل نعمت ہوتا ہے۔ میں دروازے پر دستک دے رہا تھا، میرا مرشد نہیں لہذا میں فطرت کے ہاتھوں میں تھا اور شاید میں قریب پہنچ رہا تھا۔

قبض اور بسط

یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ روحانی لوگوں کو بار بار نفسی کیفیتوں سے گزرتا پڑتا ہے۔

کبھی لگتا ہے کہ روحانی ترقی رک گئی ہے۔ سرور، مستی اور نشہ ختم ہو گیا ہے۔ مایوسی، اندھیرا، خاموشی، بے زورگی، بے کیفی جیسے تمام روحانی صلاحیتیں سلب ہو گئی ہیں۔ کچھ بھی نہیں رہا سب کچھ چھن گیا ہے۔ اور یہ کیفیت کئی دن تک رہتی ہے اس حالت کو قبض کی کیفیت یا حالت کہتے ہیں۔ کبھی جب روحانیت کھلتی تو لگتا چاروں طرف روشنی اندر باہر نورانی روحانی کیفیات، جوش و جذبہ، نشہ و سرور، استغراقی حالت اور مراقباتی کیفیت جلدی بن جاتی ہے اور روحانی پرواز شروع ہو جاتی ہے، تمام عالموں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات لگتا ہے کہ نور ذات الہی میں جذب ہو گئے ہیں قطرہ سمندر میں مل گیا ہے خوب ایسے خواب اور خوابوں میں اڑنا پہاڑوں سرسبز شاداب کھیتوں کے اوپر پرواز پہاڑوں اور اونچی عمارتوں کے اوپر پرواز مزارات پر حاضری اس کو بسط کی حالت کہتے ہیں۔ یہ دونوں کیفیات اکثر میرے اوپر بھی طاری ہوتی ہیں اس وقت بھی اور آج بھی طاری ہوتی رہتی ہیں۔ کیونکہ قبض کے بعد بسط کا اپنا ہی سرور ہے اور قبض ختم کرنے کے لیے سالک اور مہنت کرتا ہے۔

روشنیاں اور جھٹکے

ارتکاز اور جس دم میں مزہ آتا ایک رات جیسے ہی مراقبہ شروع کیا تو محویت کامل کی حالت طاری ہو گئی گرد و غبار سے غافل ہو گیا، استغراقی اور جذب کی حالت طاری ہو گئی، فاعلی کیفیت طاری ہو چکی تھی، کامل استغراق اور محویت میں جسم بے وزن ہو گیا ہے، پشت میں سرسراہٹ اور گرمی کا احساس ہو رہا تھا جیسے کوئی کمر پر ہاتھ پھیر رہا ہے، جسم پر کچلی کی حالت طاری تھی، کمر سے درد کی لہریں نکلنے کا احساس بھی ہو رہا تھا سرور اور مستی کی لہریں نکل کر دماغ میں پھیل رہی تھیں،

کامل ہاری تھا، میں نے خود کو اس کیفیت کے حوالے کر دیا تھا، میں اُس مدہوش کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا۔ ابھی مجھے اپنے اس حالت کو Enjoy کرتے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مجھے سر میں شدید درد اور کنپشیاں گرم ہونے کا احساس ہوا۔ کچھ لمحوں کے اندر ہی میں اور لگا آنکھوں کے سامنے دھماکے ہونا شروع ہو گئے ہیں، ایک دم میں نے اپنے اندر جانا شروع کر دیا۔ ایک اندھیرے میں مختلف روشنیاں کبھی سبز، کبھی زرد، کبھی جامنی، کبھی کوئی اچانک روشنیوں کے فوارے پھوٹنے لگیں، یہ سب کچھ جلدی میں حیرت و تجسس اور خوف میں مبتلا تھا ابھی یہ کیفیت طاری تھی کہ اچانک ایسا زوردار جھٹکا لگا کہ میں کمر کی بخ سردی کے باوجود میں پسینے سے شرابور تھا، میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا جیسے باہر آ جائے گا،

ابھی حالت طاری تھی، میں خوف میں مبتلا تھا، اب کیا کروں سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اسی حالت میں اللہ کو التجا شروع کر دی یا رقیب پڑھنا شروع کر دیا، یہاں پر اللہ کے بعد مرشد ہی سنبھال سکتا ہے۔ اس سے حوصلہ ہوتا ہے جو راہنمائی کرتا ہے۔ کیونکہ میرا استاد یا مرشد کوئی نہیں تھا لہذا میں فطرت اور الرقیب کے حوالے تھا۔

ابھی حالت میں مرشد کامل اللہ کا انعام اور نعمت ہوتا ہے۔ میں کئی بار مرشد ڈھونڈنے کی کوشش کر چکا تھا لیکن ملا ہی نہیں۔ مرشد کامل شاذ و نادر ہی ملتا ہے جو سلوک کی تمام باتوں سے واقف ہو، جو دروازے سے گزاسکے، جو پردے ہٹاسکے، جو باطن میں لے کر سکے، جو سمندر سے ملا سکے، باطن کی تاریکی کو روشنی میں بدل سکے، یہ بہت دشوار گھڑی ہوتی ہے۔

ابھی کبھی میرے جیسا مسافر مرشد کے بغیر سفر کرتا ہے تو سفر آلام و مصائب سے بھرا ہوتا ہے میں کتنے مہینوں سے اس حالت میں تھا ترک حیوانات، کم سونا، کم کھانے کی وجہ سے خود کو زندہ رکھنا بھی دشوار تھا نہ پیاس تھی نہ بھوک۔ کچھ کالے پٹنے کے لیے بھی خود پر جبر کرنا پڑتا۔ ارتکاز مجھے حاصل ہو چکا تھا، مراقبہ میں کر رہا تھا، کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ میں کہاں ہوں؟ اور کہاں جارہا ہوں؟ میری منزل کیا ہے؟ کیا واقعہ ہونے والا ہے؟

میں کچھ نہیں کر رہا تھا۔ کوئی مجھ سے کر رہا تھا میں بے خبری میں کچھ ایسا کر رہا تھا جو شاید مجھے بھی نہیں پتہ تھا۔ میں اٹھا تھا۔ مجھے لگا شاید جنات وغیرہ نے میرے اوپر حملہ کر دیا لیکن یہ سچ نہیں تھا یہ تو میرے اندر کچھ ہوا تھا۔ میں کمرے سے اُٹھ آیا آدمی رات سے زیادہ کا وقت تھا چاند تارے روشن تھے میں نے بے بسی ولا چارگی اور محبت سے اللہ کو پکارنا شروع کر دیا ہیلپ می Help me مجھے راستہ دکھائیں راہنمائی کریں کافی دیر بعد جب حالت سنبھلی تو کمرے میں جا کر سونے کی کوشش کی۔ جیسے ہی سونے کی کوشش کرتا آنکھوں کے سامنے عجیب چیزیں اور چہروں کا احساس ہوتا۔ ابھی سویا ہی تھا کہ مجھے احساس ہوا میرے اوپر بہت وزن پڑ گیا کوئی چیز میرے اوپر آکر بیٹھ گئی ہے میں پوری کوشش کر رہا تھا وہ وزن ختم ہو گیا، الرقیب کا درد کر رہا تھا زور کا جھٹکا لگا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں ڈر رہا تھا کمر میں شدید درد تھا خوف طاری تھا شدید گہرا ہٹ طاری تھی بھاگ کر کمرے سے نکل گیا اور لان میں جا کر بیٹھ گیا یا رقیب کا درد جاری تھا۔

مجھے لگ رہا تھا کہ کوئی چیز میرے جسم میں داخل ہو گئی ہے یا اندر سے کوئی چیز نمودار ہوئی ہے۔ میرے جسم کے

ساتھ کچھ ہوا تھا۔

کافی دیر ذکر کرتا رہا اور اللہ سے دعا بھی۔ پھر نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔ اس طرح صبح ہو گئی۔ سارا حیرت اور خوف میں مبتلا رہا سارا دن سوچتا رہا کہ میں اب مراقبہ نہیں کروں گا اور یہ سب کچھ چھوڑ دیتا ہوں کہیں میں ہو جاؤں یا مر نہ جاؤں لہذا یہ فیصلہ کر کے میں Relax ہو گیا سارا دن مصروف رہا البتہ ذکر واذکار کرتا رہا۔ یہاں تک بات کا ذکر کرتا چلوں کہ اُس دن سے لے کر آج تک جھٹکے جاری ہیں اُس رات کے بعد ایک سال تک مجھے شدید جھٹکے بعض اوقات گر جاتا لگتا کوئی چیز کمر میں داخل ہوتی ہے یا نکلتی ہے کوئی روحانی نیکہ لگتا ہے یا کوئی پردہ ہٹتا ہے۔ کئی بار روحانی یا قرآن پاک کی کسی آیت پر یا کسی روحانی یا اسلامی واقعہ پر اچانک جھٹکا لگتا ہے جیسے روح کے ساتھ کوئی کارروائی ہے۔ یہ جھٹکے اکثر روحانی مسافروں کو لگتے ہیں ان جھٹکوں کا تعلق روح یا لطیفہ زیر ناف سے ہو سکتا ہے جو کمر اور ناف کے درمیان ہے۔ اُس رات کے بعد دوسری تبدیلی یہ آئی کہ مجھے سوتے جاگتے چلتے پھرتے روشنی کے جگنو نظر آنے شروع ہو گئے۔

بعض اوقات اتنی تیز روشنی ہوتی کہ لحاف کے اندر یا باہر ہر جگہ روشنی ہوتی آنکھیں کھلی ہوں یا بند مجھے پھرتے کھڑے بیٹھے اپنے اطراف میں روشنی کے جگنو نظر آتے۔ حیرت مجھے اُس وقت ہوتی جب واش روم میں بھی دیوار پر یا کہیں بھی نظر آتی۔ یہ روشنیاں شاید میرے باطن سے پھوٹ رہی تھیں یا تیسری آنکھ بیدار ہو رہی تھی یا سیدہ روئی چکا تھا اور پردے ہٹ رہے تھے۔ ڈیڑھ سال بعد یہ روشنیاں شرافہ میں نظر آنی میں جو صوفیہ مجھے نظر آتی تھیں اور مراقبہ میں بھی مختلف رنگ اور روشنیاں نظر آتیں۔ مراقبہ کرتے وقت اکثر بے وزن ہونے کا احساس ہوتا اور جھٹکے بھی پشت میں سرسراہٹ اور گرمی کا احساس ہوتا۔

یا حبیبی یا قیوم کا ورد ذکر واذکار، عالم استغراق و مدہوشی اور مراقبہ کے ساتھ سانس کی مشقیں جاری تھیں اور میں ایک خود کار سسٹم کی طرح یہ سب کر رہا تھا میں رات کو کئی اللہ کے ناموں اور قرآن پاک کی سورتوں کے وظیفے کر چکا تھا۔ لیکن میری اصل توجہ یا حبیبی یا قیوم پر تھی کہ کب سوا کروڑ پورا ہو گا جو میں بہت پہلے سے کرتا آ رہا تھا۔ آخری دس دن رہ گئے تو مجھے بہت خوشی تھی کہ اللہ کی توفیق سے میں اپنی منزل کی طرف جا رہا ہوں، کتنے مہینوں سے میں رہا تھا اللہ کا کرم کہ ایک بھی ناعندہ ہوا بلکہ رب ذوالجلال کا یہ کرم شامل حال رہا اور مسلسل آٹھ سال میں ایک بھی ناعندہ ہوا۔ جب آخری تین دن رہ گئے تو مجھے خوشی کے ساتھ اداسی بھی شروع ہو گئی کیونکہ مجھے یا حبیبی یا قیوم کی عادت ہو گئی تھی یہ میری زندگی اور وجود کا حصہ بن چکا تھا مجھے اداسی تھی کہ اب یہ ختم ہو جائے گا تو میں کیا کروں گا۔ کافی سوچا پھر کے بعد آخری دن سے پہلے ہی میں نے فیصلہ کیا کہ میں اب یا حبیبی یا قیوم کو پانچ کروڑ تک لے کے جاؤں گا۔ بعد میں جب پانچ کروڑ ہو گیا تو میں نے فیصلہ کیا کہ دس کروڑ تک۔ پھر جب دس کروڑ ہوا تو سوچا اب بیس کروڑ۔ جب الحمد للہ بفضل خدا کچھ عرصہ پہلے بیس کروڑ ہو گیا تو اب یہ فیصلہ کیا کہ اب گنتی بند، آخری سانس تک اب مرنے تک یا حبیبی یا قیوم کھلا پڑھنا ہے اور جو الحمد للہ آج بھی جاری ہے اور ہزاروں دوست احباب بہن بھائی بھی دنیا جہاں میں کر رہے ہیں رہا ذوالجلال کا شکر ہے اُسی کی مدد سے یہ سب ممکن ہے۔

مجھے یاد ہے وہ دن بہت خوبصورت تھا جب میرا یا حبیب یا قیوم کا ورد سوا کروڑ ہوا۔ یہی وہ ورد تھا جس سے وہ سب کچھ دیا میں جس کی تلاش میں تھا۔ شکرانے کے نوافل پڑھے مٹھائی تقسیم کی اور رب کا شکر ادا کیا یا حبیب ورد سوا کروڑ ترک حیوانات، ارتکاز توجہ، جس دم کے اثرات شروع ہو گئے۔ مجھے سانس کی مشقوں اور مراقبہ کے بارے میں استغراق اور ڈوب جانے کی حالت طاری ہو جاتی، دنیا سے الٹعلق بڑھ گئی تھی کیونکہ لاشعوری مزاحمت ختم ہو گئی، مراقبہ کا مزہ آتا۔

پاکستان نہ چلتا کہاں ہوں؟ کدھر ہوں؟ کیوں ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ اکثر کشفی صلاحیتوں کا احساس ہوتا کسی کو

محبت اور استغراق کے علاوہ کمر سے لہریں نکلتیں، جھٹکے لگتے، سرور کی لہریں، جسم اور دماغ میں دوڑتی نظر آتیں، اور جسم ہلکا ہلکا وزن ختم نشی لہریں جسم میں دوڑتیں۔ مجھے اس نشہ میں لذت محسوس ہوتی کبل میں لینا اس حالت کو (High) کہتا ایک عجیب عالم مدہوشی اور سرور اسی نشہ اور کیفیات کو پانے کے لیے مراقبہ کرتا اکثر سانس اور مراقبہ کے دوران یہ سرور میں فرق ہو جاتا، استغراقی حالت طاری ہو جاتی، آنکھوں کے سامنے کبھی کبھی روشنی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا، مختلف آواز آتے جاتے، رگ رگ میں کبھی بجلیاں کودنے کا احساس ہوتا۔ جسم اتنا ہلکا ہو جاتا کہ خود کو چھو کر چٹکی کا شاکہ میں ہی ہوں

خوابوں، رگ و پھل، برقی رو کے دوڑنے کا احساس، ہوتا ایسا ہر رومٹی اور نشہ کاس کیفیت ہے نکلنے کو دل نہ
 اس میں گھٹاؤ آگیا ہے بند کئے اس کیفیت کو میٹھی گولیوں کی طرح چوستا رہا، تنہائی، کمرہ یا باہر چاند ستارے یہی دنیا تھی یہی
 عالمی مراقبہ ہی میری زندگی اور جینے کی آرزو تھی۔ ہر وقت دل کرتا مراقبہ کروں سرور اور نشی کیفیت سے نکلنے کو دل نہ کرتا۔ یہ
 کیفیت تھی نشہ، سرور اور دیوانگی کا وقت تھا میں پہاڑوں پر تیز رفتاری سے اوپر چڑھتا۔ دوست کہتے کہ سر کے ساتھ جنات
 ان کو اڑا کر اوپر لے جا رہے ہیں میں اس کھڑکی میں چلتا اور مزہ آتا۔ ایک جنون دیوانگی میرے اوپر طاری تھا
 کہ میں تھی جو مجھے چلا رہی تھی سارا سارا دن پیدل جنگل میں چلتا۔ مختلف مزارات پر پیدل جاتا مجھے کرنٹ لگ چکا تھا میرا جسم
 کہ وہاں تھا یا تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا یا میرے جسم میں باطن سے برقی رو کی لہریں پھیل رہی تھیں۔ کچھ نئی چیزیں جسم
 میں نکلیں تھیں اور میں حیرت دیوانگی سے اس حالت سے گزر رہا تھا میں کچھ بھی نہیں کر رہا تھا یہ تو فطرت ہی میرے
 اندر تھی کہ وہاں رہی تھی۔ میں اپنی ہر حرکت کو خوف، تجسس اور حیرت سے دیکھ رہا تھا اور چلا جا رہا تھا۔ میں اس چیز کا اقرار کرتا
 تھا کہ وہاں ہے ہر امر شد کوئی نہیں تھا لیکن رب ذوالجلال نے مختلف کتابوں بزرگوں اور واقعات سے میری بھرپور رہنمائی کی
 تھی کہ وہاں ہے۔ یہ سب میرے رب کا کرم ہے۔ میں تو کھٹکتی ہوں جو اس کے اشارے پر چلی جا رہی ہے۔

عشق الہی

یہاں ایک بات کا ذکر نا ضروری ہے کہ مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ کب مجھے خالق کائنات سے دیوانگی کی

لَا تَكُونُوا أَذْكُرًا وَلَا تَكْفُرُونَ ﴿١٥٢﴾

تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا۔ میری شکرگزاری کرو اور ناشکری سے بچو۔

کیونکہ میں راستے کی تلاش میں تھا تو مجھے اشارہ اور راستہ نظر آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر کہا ہے کہ تم یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ لہذا اب مجھے یہ سمجھ آئی کہ جس کی تلاش میں تم ہو وہ ہی عظیم ہستی کہہ رہی ہے کہ اگر تم مجھے دیکھو تو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میں کافی دن اور آج تک اس آیت مبارکہ کے بارے میں جب بھی سوچتا ہوں تو ایک شہساری کا احساس ہوتا ہے کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہوں تو وہ مجھے بھی کرتا ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تمام انسانوں کی زندگی، موت اور مقدر ہے لہذا میں نے شدت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا شروع کیا۔

اس آیت کے بعد جس آیت نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا اور مجھے حوصلہ اور استقامت بھی دی کیونکہ اس

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَأَذِّنْ لِلَّهِ كَثِيرًا مِّنْ عِبَادِكُمْ يُفْلِحُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کو بہت زیادہ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ (سورۃ الجمعۃ آیت نمبر 10)

کیونکہ میں عرصہ دراز سے کامیابی کے لیے در بدر بھٹک رہا تھا اور مجھے کوئی منزل نظر نہیں آ رہی تھی اور یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک شخص نے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کثرت کے ساتھ کرو لہذا اس فرمان پاک کو میں نے اپنے دل سے یاد کیا اور دن رات کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام اور قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور سورتیں پڑھنا شروع کر دیں اور یہ عادت اور جنون پہلے دن سے آج تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے جاری و ساری ہے۔ یہاں میں روحانی طالب علموں سے بھی التماس کرتا ہوں کہ جب بھی آپ خود کو ناکام محسوس کریں تو قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے بابرکت ناموں کا ذکر کریں۔ اللہ تعالیٰ زفر ہمارے کہ جو بھی میرا ذکر کثرت سے کرے گا وہ کامیاب ضرور ہوگا۔

اسی دوران ایک اور آیت مبارکہ نے مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیا اور میں کتنے دن اس کے سحر میں کھویا رہا۔ سورۃ

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾

آسمانوں اور زمین میں جو ہے (سب) اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ زبردست باحکمت ہے۔

بہت سارے لوگ جو تبلیغ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں ان کے لیے واضح نشانی ہے کہ انسان ہی نہیں کائنات کی اس ذات پاک کی حمد و ثناء میں مشغول اور تبلیغ کر رہی ہے۔

مری میں جہاں میرا گھر تھا وہاں پر فطرت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز تھی تو میں جب بھی پہاڑی پر یا

حد تک مٹن ہو گیا تھا میں نے ہر وقت اب کائنات، فطرت، زمین، آسمان، درخت، پھول، دریا، سمندر، ستارے، سورج، بادل، انسانوں کا عروج و زوال، انبیاء کرام اور عظیم بزرگوں کے بارے میں سوچنا، رب اور رب کی تخلیق بارے میں سوچنا کہ میرا رب کتنا عقل والا اور مکمل ہے اُس کی تخلیق کتنی مکمل ہے اور انسان کیا چیز ہے انسان کے اندر اس کے اسلم کے بارے میں غور کرنا۔

کبھی کبھی ورد کرتے کرتے میرا دل کرتا کپڑے پھاڑ دوں، جنگل میں بھاگ جاؤں، اسی دوران میں ضرب کے ساتھ ورد کرتا تھا، دورانِ ورد جنون طاری ہو جاتا۔ وحشت، نشہ دیوانگی ایک حال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ پین جنوں۔ میرا دل کرتا میں پھٹ جاؤں۔ ہر چیز چھوڑ کر جنگلوں صحراؤں میں چلا جاؤں کھو جاؤں۔ باطن کی بیداری لیے ضرب کے ساتھ پہلے کلمے کا ورد کمال ہے۔ کبھی اللہ اللہ کرتے حال طاری ہو جاتا کئی بار جنگل میں جا کر ورد کیا اور حال کی کیفیت کو طاری ہونے دیا ایسے میں کپڑے پھاڑ ڈالنے کو دل کرتا کہ میرے ساتھ اب جو ہونا ہے ہو جائے۔ شاید کوئی چیز میرے باطن سے باہر آنا چاہتی ہے پتہ نہیں کیا ہو رہا تھا لیکن مجھے ورد کرتے کرتے حال پڑ جاتا۔

قرآن مجید سرچشمہ فیض

محترم قارئین! میں جیسا کہ بار بار اقرار کرتا آیا ہوں کہ میں تلاشِ حق کے اس عظیم سفر پر بغیر مرشد کے رواں دواں تھا واصل کھن سفر میں بار بار مجھے استاد اور مرشد کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ لیکن یہ بات بھی یقینی اور اٹل تھی کہ میں جس ذاتِ حق کی تلاش میں تھا وہی ربّ و الجلال بار بار ہر مشکل مرحلے پر میری مدد اور رہنمائی کر رہا تھا۔ سب سے بڑی بات بغیر کامیابی اور مشاہدے کے بھی میں جس مستقل مزاجی اور جنون کے ساتھ اس سفر پر چلا جا رہا تھا یہ جذبہ اور استقامت مجھے میرے دلبر جانی اللہ تعالیٰ نے ہی دی تھی۔ وگرنہ میں کب کا تھک ہار کر اس سفر کو ترک کر چکا ہوتا۔

مجھے آج بھی یاد ہے جب میں بھاگ بھاگ کر تھک چکا تھا تو اچانک ایک دن میرے دل و دماغ میں ایک شہل
 بجلی کے کوندے کی طرح چمکا اور مجھے سرشار کر گیا وہ یہ کہ جس خالق کائنات کے عشق اور تلاش میں تم کتنے عرصے سے سرگرداں
 ہو اُس کا نام کلم نے دھیان سے پڑھا ہی نہیں کہ رب کائنات نے اپنی اس عظیم ترین کتاب میں کیا پیغام دیا ہے۔

لہذا میں نے ترجمے کے ساتھ قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا اور جیسے جیسے میں قرآن مجید کو پڑھتا گیا وہی علم و عرفان کی بہتات میرے فہم و عقل پر ہوتی گئی اور میرے من کا اندھیرا دور اور بہت ساری الجھنیں دور ہوتی گئیں اور مجھے آگے کا راستہ نظر آتا گیا۔

ایسے تو قرآن مجید کا ایک ایک لفظ اپنے اندر سمندروں کی وسعت رکھتا ہے لیکن مجھے جن آیات مبارکہ نے بہت زیادہ متاثر کیا ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

سب سے پہلے جس آیت مقدس نے مجھے اپنے حرم میں جکڑا دہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت تھی جس میں اللہ تعالیٰ

جنگل میں یا وحش میں مشغول ہوتا میری کیخ ٹھنڈی اور تاریک راتوں میں جب ذکر اذکار کرتا تو مجھے ہر چیز اُس ذکر میں نظر آتی۔ مجھے لگتا ہر چیز اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر کر رہی ہے اور میں اپنی قسمت پر بہت زیادہ شاکر ہوتا کہ میں بھی ان میں جو بھی لوگ یا چیزیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہی ہیں ان میں شامل ہوں تو میری اداسی اور مایوسی دور ہو جاتی اور میں مزہ اور جذبے کے ساتھ ذکر اذکار کرتا اور بہت زیادہ مزہ آتا۔

اور پھر جب میری نظر سورۃ الاعراف کی ان آیات پر پڑی جہاں پر پروردگار فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا ۚ وَذَرُوا الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِهِ ۚ سَیُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو (1) اور ایسے لوگوں سے قطع کر دو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں (2) ان لوگوں کو ان کے کئے کی ضرور سزا ملے گی۔

کیونکہ میں خالق کائنات کے عشق میں بری طرح مبتلا ہو چکا تھا تو جب میں نے یہ آیت مبارکہ پڑی تو مجھے پاک ناموں سے بہت زیادہ عشق ہو گیا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی تھا لہذا میں زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کا ورد کرنے لگا۔ بلکہ میں یہاں ایک بات ضرور کروں گا کہ جب بھی میں اللہ تعالیٰ کے ناموں کو دیکھتا ہوں تو ہر نام کی طرف اتنی زیادہ نظر آتی ہیں کہ کبھی دل کرتا یہ پڑھوں، کبھی دل کرتا وہ پڑھوں، میرے اللہ کا ہر نام ہی باکمال اور عظیم ترین ہے مجھے اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں سے عشق ہو گیا۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں کوئی نہ کوئی اللہ کا نام پڑھنا شروع کر دیتا۔ کہ میرا اصل وظیفہ یا حبیبی یا قیوم یا ذو الجلال والاکرام تھا باقی نام میں تھوڑے تھوڑے پڑھتا۔ اکثر میرا دل کرتا کہ میرے جسم کے اریوں حصے ہوں اور میری کھربوں زبانیں ہوں تو میں اللہ تعالیٰ کا ہر صفاتی نام کثرت سے پڑھوں۔ پھر میں یہ سوچتا کہ اس دنیا میں تو ممکن نہیں لیکن جنت میں جا کر میں اپنی یہ خواہش ضرور پوری کروں گا اگر اس گنگہا کو اللہ تعالیٰ کے کرم خاص سے جنت ملی۔ سرکارِ مدینہ کے نعلین پاک کے صدقے میں اس خواہش کو بعد میں میں نے اس طرح بھی پورا کیا کہ جب ہزاروں لوگ میرے پاس آنا شروع ہو گئے تو میں نے مختلف لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مختلف نام ورد کرنے کے لیے دینا شروع کر دیئے تاکہ میرے اللہ کا ذکر زیادہ سے زیادہ ہر نام کا ہو اور میری یہ عادت اور کوشش آج بھی ہے کہ میں اسکا پاس آنے والوں کو مختلف نام بتاتا ہوں تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تسبیح ہو سکے۔ ریاضت اور مجاہدوں کے دور میں جب من کی اداسی شدت اختیار کر جاتی، جب من کا اندھیرا دور نہ ہوتا، جب طویل ذکر اذکار، مراقبہ اور ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد بھی ناکامی ملتی تو مجھے سورۃ الرعد کی آیت مبارکہ پڑھ کر بہت سکون ملتا۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِکْرِ اللّٰهِ ۚ اِلَّا بِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے۔ (1)

یہاں پر ایک اور وضاحت بہت ضروری ہے موجودہ دور میں مایوسی، خوف اور ڈپریشن کے امراض بڑھتے چلے آئے ہیں تو میں ڈپریشن اور خوف وہم کے مریضوں کو جب اللہ تعالیٰ کے مخصوص نام ورد کرنے کے لیے دیتا ہوں تو ان کا وہم، خوف اور ڈپریشن دور ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ نفس مطمئنہ کی جس دولت سے مالا مال ہوتے ہیں کوئی اور نہیں۔ بلاشبہ موجودہ دور فرسٹریشن اور مایوسی کا دور ہے۔ مایوسی اور مایوسی جب انسانوں کا مقدر بن چکی ہے تو دلوں کا اطمینان تو صرف اللہ کے ذکر میں ہی ہے۔ باقی آیات کی طرح مجھے اس آیت مبارکہ نے بھی بہت زیادہ متاثر کیا اور اداسی اور ناکامی کے دور سے نکلنے میں مجھے بہت مدد دی۔ اہل عالمیں جب روحانی سفر کے دوران قبض کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی قبض کی کیفیت کو کم کرنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔ جب بھی روحانی سفر کا سرور اور مستی کم ہو جاتی ہے یا انوارات اور مشاہدات کم آتے ہیں تو وہ زیادہ سے زیادہ ورد کر کے اُس مایوسی کی کیفیت سے نکلتا ہے۔

تلاش حق کے مسافر جب دنیا جہاں کے کام کر کے تھک جاتے ہیں یا جدائی کا زہر ان کو بہت زیادہ تکلیف اور کد سے دوچار کر دیتا ہے تو انہیں سکون قلب کی دولت ذکر سے ہی نصیب ہوتی ہے۔ ہجر کے مسافروں کی بے چینیوں کا علاج یہ ہے کہ وہ اپنے دل سے بڑھ جاتی ہیں تو ذات حق کے ذکر سے ہی بے قرار یوں کو سکون اور قرار ملتا ہے کیونکہ اُس کی طرف ہر دل جاتا ہے۔

اسی دوران قرآن مجید کی ایک ایسی آیت مبارکہ جس نے میری بہت ساری الجھنیں دور کر دیں اور اس آیت کا ایک نسخہ تھا جو میرے حواس پر چھا گیا۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 138 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنِ احْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَ نَحْنُ لَهُ عٰبِدُونَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے اچھا رنگ کس کا ہوگا۔ (1) ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ واہ! کیا بات، قرآن مجید کا ایک ایک لفظ لعل و جواہرات کے بڑے خزانوں سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ میں کئی واہ! کیا بات، اس آیت مبارکہ کی پر اسرار سرشاری میں کھویا رہا کہ اللہ تعالیٰ کا رنگ سب سے اچھا ہے کیونکہ محبوب کی ہر ادا اور ہر بات کی ہر بات کو اندر باہر سے پوری طرح ماننا ہے اور خود کو الٹی رنگ میں ڈھالنا ہے۔ ہر وہ کام جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام دیا وہ کرنا ہے اور جس کام سے رد کا ہے اُس سے رک جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز اور انسان سے پیروی کرنی ہے۔ اپنے جسم اور روح کو اُن تمام امراض اور رذائل سے پاک کرنا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان ناموں کو اپنے وجود کا حصہ بنانا ہے جو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو ہی اللہ تعالیٰ کا رنگ عقل و شعور جسم پر چڑھے گا۔ اہل اللہ تعالیٰ کی ذات کو ترجیح اول رکھنا ہے۔ باقی تمام رشتے بعد میں، اول اور پہلے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ترجیح اول رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات کو اپنی ذات پر لاگو کر دینے میں مجھے جو بنیادی بات سمجھ آئی وہ یہ تھی کہ نفرت کسی سے بھی نہیں کرنی۔ محبت اور خدمت سب سے تمام حدود و قیود یا تعصبات سے پاک ہو کر کرنی ہے۔ اس کے بعد مجھے کبھی بھی کوئی

وَهُوَ مَعَكُمْ أَلَيْسَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ يَمَّا تَعْمَلُونَ يَصِيرُ ﴿4﴾

ترجمہ: اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے (4) اور جو تم کر رہے ہو وہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

میں پہلی بار جب بابا بشیر محضوب جو بابا مست کے خلیفہ خاص تھے کے پاس گیا اور انہوں نے مجھے اس آیت

کا مراقبہ کرایا اور کہا کہ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہیں وہ دیکھ رہا ہے۔ جب بھی میں اس آیت

کا مراقبہ کرتا تو اللہ تعالیٰ کی موجودگی کو Feel کرتا۔ مری کی وادیوں میں، پہاڑوں پر اور غنڈی راتوں میں آسمان

میں اس آیت مبارکہ کو محسوس کرتا تو وجدانی سرشاری اور سحر انگیز مدہوشی کا شکار ہو جاتا۔

اکثر میں اپنے دائیں بائیں محسوس کرتا کہ میرا دلیر جانی میرا اللہ تعالیٰ یہیں کہیں ہے۔ مجھے یاد ہے پہاڑی پر یا

پہاڑی کمرے میں مجھے ایک خاص خوشبودار لمس یا موجودگی کا احساس ہوتا کہ میرا اللہ میرے پاس ہے۔ بعض اوقات

اللہ اونی اور سرور ملتا کہ میں اللہ تعالیٰ سے باتیں شروع کر دیتا۔ ایسی ایسی باتیں کرتا کہ اگر میں یہاں لکھ دوں تو بہت

لوگ شاید مجھے گستاخ اور پاگل قرار دے دیں گے کیونکہ اللہ سامنے نہیں آتا تھا تو میں بہت متنیں تر لے کرتا اور یہ کہتا

تھا کہ اللہ تعالیٰ تو مجھے دیکھ رہا ہے، میں ہوا، خوشبو، پہاڑوں، صحراؤں درختوں، پھولوں، آبشاروں، دریاؤں، سمندروں،

آسمان، چاند تاروں، سورج آسمان کی بلندیوں، بارش کے قطروں، بادلوں میں اور انسانوں میں اُس کا عکس دیکھتا اور

دیکھتا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ہوتا اکثر میں مسکراتا اور کہتا کہ اے اللہ اور کتنا ترسائے گا، کب

تو سامنے آئے گا۔ کب میں دیدار کروں گا۔ دن رات ہر وقت ڈھیروں کیفیات اور باتیں کرتا رہتا۔ جو لوگ تلاش حق

Process سے نہیں گزرے یا جو عشق الہی میں مبتلا نہیں ہوئے یا جن کی فطرت میں روحانیت اور تصوف سے لگاؤ یا

ایمان نہیں ہے وہ میری ان باتوں کو پاگل پن یا گستاخی قرار دیں گے۔ ان لوگوں سے میری یہی گزارش ہے کہ جس تن

کا دل ہالے۔ جو بیمار عشق ہے وہ ہی بہتر جان سکتا ہے دوسرا نہیں۔

اب میں اُن آیات کا ذکر ضرور کروں گا جنہوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ بلکہ ان آیات نے میرے اوپر دہشت

اور قہر طاری کر دی۔ اکثر ایک ہیبت اور خوف کا عالم میرے اوپر طاری ہو جاتا۔ سورۃ الذاریات کی آیت مبارکہ 21:

وَيَا أَنْفُسُكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿21﴾

ترجمہ: اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں ہو۔

اور سورۃ ق کی آیت مبارکہ 16:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَ نَحْنُ أَقْرَبُ

إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿16﴾

ترجمہ: ہم نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے دل میں جو خیالات اٹھتے ہیں ان سے ہم واقف ہیں (1) اور ہم اس

کی گہاں سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں۔ (2)

محترم قارئین! اور جہاں آیات مبارکہ نے تو میرے اوپر ہیبت اور دہشت طاری کر دی کہ وہ جس کی میں تلاش

برائیں لگا کیوں کہ مجھے ہر چیز اور انسان میں خالق کائنات کا رنگ یاد آ جاتا ہے کہ اس کا بنانے والا کون ہے۔ جب

تمام روحانی طالب علم اس فلسفے یا سوچ کو نہیں اپنائیں گے ان کا عشق یا تلاش حق کا سفر پورا نہیں ہوگا۔

یہاں پر میں سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 165 کا بھی ذکر کرتا چلوں جہاں میرے مولانا نے فرمایا:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرْوُونَ الْعَذَابَ أَنَّ
الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾

ترجمہ: بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ

سے ہونی چاہیے (1) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں (2) کاش کہ مشرک لوگ جانتے جب کہ اللہ

کے عذاب کو دیکھ کر (جان لیں گے) کہ تمام طاقت اللہ ہی کو ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ہرگز شریک

کرتے)۔

یہاں پر مجھے شدت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص محبت کا احساس ہوتا کہ کسی بھی سالک کا عشق اُس وقت

ادھورا ہے جب تک وہ تمام رشتوں اور تعلقات کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہی نہ رکھے اور اگر کوئی سالک

تعالیٰ کے بجائے اوروں کو اللہ تعالیٰ کا مقام دینا شروع کر دے گا تو ایسے لوگوں کے لیے عذاب الہی ہے۔ توحید اور

صرف اور صرف اللہ سے، کسی سے بھی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ شراکت اور شرک پسند نہیں کرتا۔ جب ہم معاشرے میں

با اثر لوگوں کو یا اعلیٰ افسران کو اپنا خدا مان لیتے ہیں کہ یہی لوگ نفع و نقصان کے ذمہ دار ہیں یا اگر کوئی بڑا آفیسر ہم پر ہمارے

ہے تو ہم کامیاب ہیں وگرنہ ناکام تو اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کو بالکل بھی پسند نہیں کرتی۔ اس آیت مبارکہ کے بعد

اپنی ذات کی بہت ساری کمزوریوں کا احساس ہوا تو میں نے اپنا قبلہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف کر لیا

میری تربیت میں اس آیت مبارکہ نے بھی بہت بڑا کردار ادا کیا۔ یہاں پر میں سورۃ حدید کی آیت 3 کا بھی ذکر کروں

گا جہاں پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿3﴾

ترجمہ: وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے، وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی وہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ نے بڑا عرصہ تک میرے اوپر ایک سحر اور وجدانی کیفیت طاری رکھی کہ اول و آخر

اور ظاہر و باطن وہی ذات ہے باقی ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے۔ پوری کائنات ریت کے ذروں کی طرح بکھر جائے گی اور ہر

باقی نہیں رہے گا۔ یہاں پر میرا ملک اپنی شان کا اظہار کر رہا ہے کہ پوری کھکشاں اور زمین آسمان فنا ہو جائے گا۔ یہاں پر

تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ ذات ہر چیز ظاہر و باطن اور اول و آخر سے واقف بھی ہے۔ وہی ہے جو سب کچھ جانتا ہے۔

چیز بھی اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ جو بھی ہے اُس سے بخوبی واقف ہے وہ اول و آخر ظاہر و باطن ہے۔

یہاں پر میں سورۃ حدید کی آیت مبارکہ 4 کا بھی ذکر کروں گا۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں ہوں یا ساری کائنات کا خالق مالک میرے اتنا قریب ہے میں اکثر جب میرے اوپر مدہوشی اور استغراقی حالت ہوتی تو اپنی شاہ رگ پر ہاتھ رکھ لیتا اپنے جسم کو چمکی سے دباتا یا آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر کتنی دیر دیکھتا کہ مجھے میرے نے بنایا ہے اور وہ میری شہ رگ سے بھی قریب ہے اور وہ میری تمام سوچوں اور خیالوں سے پوری طرح واقف ہے۔ ابھی جو خیالات میرے دل و دماغ میں نہیں آئے وہ ان سے بھی واقف ہے۔

میں جیسے جیسے غور کرتا جاتا میرے اوپر ایک خاص قسم کی حالت بلکہ کامل استغراقی حالت طاری ہو جاتی اور نیم فالجی حالت میں چلا جاتا اور کئی بار یہ استغراقی حالت نقطہ عروج تک پہنچ جاتی تو میں مدہوشی کی انتہا میں تقریباً ہمیشہ مدہوش ہو کر بے سدھ ہو کر پڑا یا بیٹھا رہتا بلکہ یہ استغراق آج تک بھی اکثر میرے اوپر طاری ہو جاتا ہے۔ ان دنوں جب کبھی پہلی بار میں ان آیات کے سحر میں ڈوبا یا مجھے یہ ادراک ہوا کہ میرا رب میرے اتنا قریب ہے تو میں اس سے کبھی تو ارہا اور کبھی Enjoy کرتا رہتا۔ آج بھی اکثر جب یہ استغراقی حالت میرے اوپر طاری ہوتی ہے تو پھر کوئی بھی کام کر لے کر نہیں کرتا۔ میں جس حالت میں ہوتا ہوں دل کرتا ہے اسی طرح اور اسی کیفیت میں بیٹھا رہوں۔ اگر کوئی سائل یا دوست میرے پاس ہو تو وہ اپنی باتیں کر رہا ہوتا ہے اور میں اپنی اس حالت میں۔ بعض اوقات ملنے والے آپس میں اعتراض کرتے ہیں کہ بھئی صاحب نے اس فیملی یا شخص کو بہت زیادہ وقت کیوں دیا تو میں انہیں کیا بتاؤں کہ اُس وقت میں Senses میں نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں میرے جسم کے اندر یعنی باطن میں کیا تغیرات ہوتے ہیں یا مخصوص رطوبتیں ہوتی ہیں یا روحانی یونٹس بھی لطائف کوئی خاص قسم کی انرجی خارج کرتے ہیں کہ مراقباتی حالت یا استغراقی کامل میرے طاری ہو جاتا ہے اور میرے جسم و جان میں عجیب سرور انگیز کیفیات بیدار ہو جاتی ہیں اور میرا دل کرتا ہے میں اسی طرح بیٹھا یا لیٹا رہوں اور مجھے کوئی بھی اس حالت سے نہ نکالے۔ اکثر ایسی حالت میں کی گئی کئی دعائیں فوری قبول ہو جاتی ہیں۔ پتہ نہیں باہر سے کوئی چیز یا روح میرے اندر حلول کر جاتی ہے یا میرے باطن سے کوئی توانائی بیدار ہو کر میرے جسم کو اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے لیکن یہ کیفیت یا استغراق مستی اور نشے سے بھرپور ہوتا ہے۔ ایسی حالت جب کہ طاری ہوتی ہے تو دل کرتا ہے یہ ساری دنیا چھوڑ چھاڑ کر کسی تنہا جزیرے سمندر کے کنارے جنگل میں یا دریا کے کنارے چلا جاؤں اور کبھی واپس نہ آؤں۔

بعض اوقات ایسی حالت سے پہلے جمائیاں بھی آتی ہیں اُس کے بعد یہ کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میں آدھا اس دنیا میں ہوتا ہوں اور آدھا کسی اور دنیا میں یا میرا جسم تو یہاں ہوتا ہے لیکن میری روح شاید کسی اور ہی دنیا میں پرواز ہوتی ہے اور میں نشے اور سرور کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہوں۔

درج بالا جن آیات مبارکہ کا میں نے ذکر کیا ان کے علاوہ بھی بے شمار اللہ تعالیٰ کے نام اور قرآنی سورتیں اور آیات ایسی ہیں جن کو پڑھ کر یا ان میں ڈوب کر روحانیت، تصوف، شریعت، طریقت، معرفت کے ان اسرار و رموز سے آگاہی نصیب ہوئی جن سے میں بہت دور تھا۔

اگر ان تمام اللہ کے ناموں اور قرآنی آیات کا میں یہاں ذکر کروں گا تو کتاب بہت زیادہ طوالت کا شکار

صوفیانہ شاعری

کیونکہ میرا لڑپن اور جوانی ایسے ماحول میں گزری تھی جہاں پر دور دور تک روحانیت کا نام و نشان نہ تھا۔ مجھے شاعری اور ندامت کا احساس ہوتا ہے کیونکہ اُس دور میں اگر کبھی قوالی یا نعت سن لیتی تو مذاق اڑاتا کہ پتہ نہیں کون کیا لکھ لکھ کر اس کو سننے میں ذرا بھی دلچسپی محسوس نہ ہونا۔ یہاں پر میں ایک اور بات ضرور Share کروں گا کہ ایک بار ایک استاد میرے پاس سلطان العارفین جناب سلطان باہو کی مشہور زمانہ چھوٹی سی کتاب ”چھپے دی بوٹی“ چھوڑ گیا تو میں نے اس کی کوشش کی تو مجھے بالکل بھی سمجھ نہ آئی اور یہ سوچ کر رکھ دی کہ پتہ نہیں کون لوگ کیوں اس کو پڑھتے ہیں۔ ایک بار بعد میں ملائی حق کی کھوج کا سفر شروع ہوا اور عشق حقیقی کا احساس ہوا تو یقیناً ماننے دوبارہ میں نے اس کتاب کو پڑھا۔ اس نے میری مثال نہیں ملتی۔ یہی حال مولانا روم کی مثنوی کا ہے۔ میں جب بھی معرفت کی اس عظیم ترین کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں تو کمال درجے کا سحر طاری ہو جاتا ہے اور بعض شعروں کو پڑھ کر تو میرے اندر اتنی زیادہ تبدیلی یا تحریک آتی ہے کہ میں نیم بے ہوش ہو کر گر جاتا ہوں۔ بلاشبہ مثنوی روم معرفت کا وہ خزانہ اور سمندر ہے کہ صدیوں سے انسان اس میں غوطہ زن ہیں اور اپنی اپنی بساط کے مطابق فیض یاب ہو رہے ہیں اور اپنے دامن ہیرے جواہرات سے لیس رہے ہیں۔ اسی طرح بابا فرید کی شاعری اور ان کی عبادت، ریاضت اور مجاہدوں کا ذکر پڑھ کر بھی بندہ حیرت کے اندر آتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور رحمان بابا کی شاعری بھی اپنے کلچر اور عشق الہی کا خوبصورت مجموعہ ہے۔ شاہ اسمان کی شاعری میں جو سوز و گداز ہے وہ بھی سالکین کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ میاں محمد بخش کی شاعری کو کون بھول سکتا ہے۔ انہوں نے جس داستان کو بیان کیا حالانکہ وہ ہمارے کلچر سے نہیں ملتی لیکن جہاں بھی میاں صاحب پند و نصیحت یا عشق الہی کا ذکر کرتے ہیں تو ایک وجد اور سرشاری کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ پنجابی زبان کے شیکسپیر وارث شاہ کی کیا بات ہے۔ وارث شاہ سے پہلے بہت سارے لوگوں نے ہیر وارث شاہ لکھی۔ لیکن جب ایک صوفی نے لکھی تو اُس کمال پر لے گیا۔ لکھنے والے سے بڑے ادب کے سامنے فخر کے ساتھ ہیر وارث شاہ کو پیش کیا جاسکتا ہے اور وارث شاہ کے بعد کسی کا لکھ کر اسے جرات نہیں ہوتی کہ دوبارہ ہیرا بچھا لکھ سکے۔

اب میں نے اس عظیم کتاب کا مطالعہ کیا تو سرور و مستی کی بہت ساری کیفیات کو Enjoy کیا جس طرح وارث شاہ کی خوبصورتی کو بیان کیا ہے یہ اُس دنیا سے اوپر کی بات ہے۔

جہاں پر ہیر اور قاضی کا مکالمہ ہے وہاں پر بھی وارث شاہ اپنے فن کے عروج پر نظر آتے ہیں۔ ہیر اور ایک اور ایک شاہکار بن جاتی ہے۔ ہیر وارث کا ہر مصرع بہتی ندی اور لفظ لہروں کی مانند نظر آتے ہیں۔

جب سہتی اور رانجے کا مکالمہ ہوتا ہے تو وارث شاہ کی دانائی اور بصیرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ اور پھر وہ شاعر جس نے میری چولیس ہلا کر رکھ دیں وہ ہیں بلھے شاہ۔ جس طرح عشق حقیقی کے راز سے اور نڈر انداز سے بلھے شاہ نے بیاں کیے کسی نے نہیں کیے۔ بلھے شاہ نے جس دہنگ اور بلند آواز کے ساتھ وحدت الہیہ کے خالص صوفیانہ معاملے کو طشت از بام کیا ہے وہ جرأت کسی اور کو کم ہی نصیب ہوئی ہے۔ بلکہ بلھے شاہ نے روحانیت اور فلسفہ کو اکٹھا کر دیا ہے اور بلھے شاہ یقیناً پنجاب کے رومی ہیں۔ اپنے مرشد عنایت قادری کے پرستش میں بلھے شاہ مریدوں حتیٰ کہ امیر خسرو سے بھی آگے نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ بلھے شاہ جیسا اور کوئی نہیں ہے۔

میں تلاش حق میں جب عشق الہی کا مسافر بنا تو مجھے وہ تمام لوگ بہت اچھے لگتے جو اس راستے پر چلے اور کیفیات اور مشاہدات بیان کرتے گئے۔ میں سارا سارا دن مراقبہ اور ذکر اذکار کرتا اور جب بھی موقع ملتا تو ان شاعروں کی شاعری سے لطف اندوز ہوتا۔ یہ سارے شاعر ہی اپنی اداسی، تلاش اور ہجر کا بہت اچھے طریقے سے اظہار کرتے۔ یہ بھی اسی آگ میں سلگتے تھے جس میں اُن دنوں میں سلگ رہا تھا۔ یہی شاعری جب جوانی میں مجھے ہاتھ آتی تھی آج ایک ایک لفظ میں نشے اور سرور کے ساتھ Enjoy کرتا اور کچھ شعروں پر تو میں رزنا شروع کر دیتا ہوں۔ شدید جھٹکے لگتے اور میں گر جاتا۔

میں بہت ساری نعتیں، حمد اور قوالیاں بھی سنتا۔ ایک قوالی نے تو مجھے پاگل بنا کر رکھ دیا۔ آج بھی جب میں کو سنتا ہوں تو آؤٹ آف کنٹرول ہو جاتا ہوں۔

بلھے شاہ اور کچھ اشعار کسی دوسرے شاعر کے ہیں ایسی باتیں بلھے شاہ ہی کر سکتا ہے۔
قوالی کے بول یہ تھے:

بے حد رماں دسدا میرا ڈھولن مانی
وڈی "ب" نا دس ملاں
او الف سیدھا کم خط آیا

او یار کلوثی رات والا، بھیس دنا اک وٹ آیا
سوہتا "م" دا گھونگھٹ پا کے دیکھ
انہا زلفاں دے گنجل کڈھ آیا

کھتے شیعہ اے کھتے سنی اے کھتے جنادر کھتے مٹی اے
کھتے پتہ کبے دا دسدا بت خانے وچ کدھرے دسدا

آپے ملاں، آپے قاضی، آپے علم پرھیندا اے
بلھا شاہ عنایت مینوں پل پل درشن دیندا اے
میں ڈھولن وچ فرق نہ کائی "آئینما" فرمایا ای
منصور کولوں گج ظاہر ہویا سولی چڑھایا ای
بلھے شاہ دا حکم نہ مینا، شیطان خوار کرایا ای
سانوں بات معلوم سب دی اے
کھتے ظاہر اے کھتے چھپی اے
اج بے صورت نوں جان گئے
اساں یار نوں خوب پہچان گئے
بن آپ محمد آیا اے
اج رب نے یار سجایا اے
اودہی شکل نورانی مکھ رب دا
"لولاک" خدا فرمایا اے
جے خدا او نہیں تے جدا وی نہیں
تے محمد نام رکھایا اے
آپے آپ اپنا محبوب آپے
تقریر سنائی جاندی اے
کوئی غیر نہیں اللہ ہی اللہ اے
جیہدی بستی اے اوہ دسدا اے
اے کلمہ کوئی نہ دسدا اے
خود آپ محافظ صورت دا
آپ ہر ہر دے وچ دسدا اے
ہر دیکھیا ہر ہر شان اندر
کھتے کافر ہو کے ندا اے
اکے گھر وچ وسد یار سدیاں نہیں ہند اوچ پردہ
آپ اکوئی لکھ گراں دے مالک سب گھر گھردا
مویں تے فرعون بنا کے دوہو کہ کیوں لڑدا

کتاب اللع فی التصوف: یہ عربی زبان میں تصوف کی قدیم ترین کتابوں میں سے ایک کتاب ہے۔ اس تصوف کی حقیقت، صوفیوں کی اہمیت، طریقت معرفت پر تفصیلی بیان ملتا ہے۔

قوت القلوب: اس کتاب نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ شیخ ابوطالب کی کمال کی کتاب کیونکہ طریقت اور تصوف کے درمیان مسائل اس سے پہلے اسلام میں کسی نے بھی پیش نہیں کیے۔ آپ کی یہ کتاب اردو میں بھی دستیاب ہے۔

طبقات الصوفیہ: یہ مشہور زمانہ کتاب ابو عبد الرحمن نے لکھی جو تصوف میں حضرت سلمیٰ نیشاپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ ان جوڑی جیسے ناقد نے بھی اس کتاب کی بہت زیادہ تعریف کی ہے۔

رسالہ قشیرہ: بلاشبہ تصوف کی لا جواب کتاب شیخ ابوالقاسم القشیری نے لکھی۔ پوری دنیا میں یہ کتاب دستیاب ہے۔ یہ رسالہ ایک مقدمہ اور 13 ابواب پر مشتمل ہے۔ اردو میں بھی دستیاب ہے۔

کشف المحجوب: فارسی زبان کی مشہور عالم کتاب جو مرشد کامل کا مقام رکھتی ہے۔ ہر پڑھا لکھا شخص اس سے واقف ہے۔ حضرت ابوالحسن علی بن عثمان بن علی کی مشہور زمانہ کتاب۔ سرزمین پاکستان پر یہ کتاب تمام تصوف کے احیاء العلوم: امام غزالی کی مشہور زمانہ کتاب۔ تصوف کی دنیا میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو غیر فانی مقام حاصل ہے۔ تصوف کی درسی کتب میں شامل ہے۔ اپنی مثال آپ کتاب ہے۔

کیا نئے سعادت: اس کتاب کو ہم احیاء العلوم کی تلخیص بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب کو بھی ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس کتاب نے بہت عرصے تک مجھے اپنے بحر میں جکڑے رکھا۔ تصوف کی اعلیٰ درجے کی کتاب ہے جس میں امام غزالی اپنے عروج پر نظر آتے ہیں۔

لوح الغیب: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ فتوح الغیب آپ کے لکھے ہوئے ہیں۔ اصلاح نفس اور تزکیہ قلب پر آپ کے بیانات روح پرور ہیں۔

طہارۃ الطالین: حضرت سیدنا غوث الاعظم کی لا جواب کتاب ہے۔ شریعت اور طریقت کا اعلیٰ بیان ملتا ہے۔

تذکرۃ الاولیاء: شیخ فرید الدین عطار کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ 7 سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کتاب کی عظمت و اہمیت کی طرح قائم و دائم ہے۔ 97 صوفیہ کرام اور مشائخ عظام کے حالات، سوانح اور اقوال پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اردو میں مقبول رہی ہے۔

معارف المعارف: جناب شہاب الدین سہروردی کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ یہ تصوف کی جامع ترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں تصوف کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر دور میں مقبول رہی ہے۔

حاضر ناظر ہر تھاں اوہو کھڑا کس نوں کھڑا
کھٹے روئی کھٹے شامی اے
کھٹے خاصاں وچ کھٹے عامی اے
”م“ دے اولے وچ وسدا میرا ڈھولن مانی
ہن میں ہی لکھایا سوہنا یار
”م“ دے اولے وچ وسدا
آدم اپنا نام دہرایا
مہیاں دا سردار
م دا گھونگھٹ مکھ تے پایا
آپے نور وجود و شہود آپے
اوہ محبوب آپے۔ آپے ہو عاشق
او دیوا نے آم محمدی چوں
کراں کی بے حد تعریف اُس دی
بی بی آمنہ دے گھر ہن اداں
او دیوا نے آدم دا کنڈا پا کے
م دے اولے وسدا میرا ڈھولن مانی
اولیا شاہ منصور کہاوے
آپے آپ نوں سولی چڑھاوے
بے حد رمزاں وسدا میرا ڈھولن مانی

کیونکہ میں فطری طور پر جنونی ہوں اس لیے بازار میں جتنی بھی صوفیا کی شاعری کی کتابیں دستیاب تھیں وہ میں نے اکٹھی کر لیں اور ان کو پڑھتا رہا۔ اسی دوران میں نے بے شمار جگہوں سے تصوف کی کتابیں اکٹھی کیں اور ان کو پڑھا شروع کر دیا۔ جب میں نے یہ کتابیں پڑھیں تو حیرتوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ کیسے کیسے لوگ اس دنیا میں آکر چلے گئے اور ان کتابوں کو پڑھتے ہوئے میں اکثر سوچتا کہ جو آگ مجھے لگی ہے اسی کیفیت سے اور بھی بہت سارے لوگ بھی گزرے ہیں۔ درج ذیل کتابوں نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔

کتاب رعایتہ لحقوق اللہ: یہ کتاب حارث محاسبی کی ہے جو قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس میں صوفیہ کے اخلاق اور عبادات کا ذکر ملتا ہے۔

ہوئی تھی ہمارے رگھو نے جب یہ روحانی سفر شروع کیا تو عشق الہی کیا ہے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ میں اس سفر پر جب

گیا تو دل و دماغ میں بھی طاقت حاصل کرنا تھا کہ میرے پاس کچھ اور انی قوتیں آجائیں گی لیکن
میں نے اپنے لیے اس سفر میں آگے بڑھنا تو غیر محسوس طریقے سے مظاہر فطرت سے متاثر ہوتا چلا گیا اور خالق
کا عشق کا یہ جذبہ اتنی شدت اختیار کر گیا کہ میں اپنی زندگی تک دینے کو تیار
ہو گیا۔ اس روحانی سفر میں یقیناً میں بہت جان لیوا اور کٹھن مراحل سے گزرا لیکن ہر مشکل اور رکاوٹ کے بعد یہ جذبہ شدت
پکڑا گیا۔ جب میں مظاہر فطرت پر غور کرتا تو یہ احساس ہوا کہ یہ ہماری زمین اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی وسیع و عریض
زمین ہے اور اس پر مشتمل ہے اور ابھی اور دریافت ہوتی جا رہی ہیں میں ایک نقطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اتنی بڑی
زمین اس ہماری زمین ایک نقطہ ہے۔ اُس نقطے میں اربوں انسان اور باقی مخلوقات موجود ہیں۔ ان اربوں میں اکثر
انسان ہوا کہ ہر ارب میرے آس پاس ہے۔

جب خالق کائنات سے میرا عشق جنون اختیار کر گیا اور میں اپنی ذات کو بھی بھول گیا تو میں اکثر سوچتا کہ وہ
عظیم سے عظیم تر ہے اور میں ایک حقیر ذرہ بھی نہیں تو شدت سے میرے دل و دماغ میں ایک خیال بار بار آتا کہ
میں اس عظیم سے عظیم تر کے پاس کھڑا ہوں جس کے لیے بھی صرف میری طرف دیکھ لے یا متوجہ ہو جائے تو مجھے میری تمام
خیرات اور نجات کا پھل مل جائے گا۔ وہ ایک لمحہ میرے لیے جنت فردوس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ میری صدیوں کی تلاش
میں کو کون مل جائے گا اور میں امر ہو جاؤں گا۔ جو لوگ میرے معمولات سے واقف ہیں وہ اکثر پوچھتے بھی ہیں اور
کہتے ہیں کہ بھئی صاحب جب آپ کسی سے معاوضہ نہیں لیتے تو پھر کیوں اپنی ساری زندگی اس خدمت خلق
کا کام کرتے ہیں۔ دن رات ہر بندے سے مسکرا کر کیوں ملتے ہیں یا غیر ممالک سے مادیت کے حصار میں جکڑے لوگ جب
میں ان سے ملاقات کے بعد پیسے دینے کی کوشش کرتے ہیں اور جب میں کہتا ہوں کہ میں اللہ کے لیے کرتا ہوں تو وہ
میں ان سے میری طرف دیکھتے ہیں کہ یہ کیسا پاگل شخص ہے اور بلا معاوضہ یہ کام کس جذبے اور Motivation
سے کرتا ہے۔ اس کا جواب میں یہاں دینے کی کوشش کرتا ہوں۔ جب آپ کو کسی سے عشق ہو جائے تو آپ کو اس کی بری
کچھ بھی لگنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس سے متعلقہ چیزوں سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مجھے اپنے رب سے بے
مواہدہ ہے اس لیے مجھے اُس کی بنائی ہوئی ہر چیز سے محبت ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی بیمار یا پریشان حال شخص میرے پاس اپنے دکھوں کے مداوے کے لیے آتا
ہے یا مجھ سے بعد اللہ تعالیٰ اُس پر کرم کر دیتا ہے اور وہ خوشی سے لبریز ہو کر جب میرے پاس آتا ہے اور خوشی کا
اندر اندازہ اندازہ کو بیٹائی ملی، گوشت کے ساتھ لونی، بے روزگار کو روزگار ملا۔ مختصر پریشان حال لوگوں کو پریشانی اور دکھوں سے
بے حال ہے اور ایسے لوگ خوشی اور سرشاری کے ساتھ اپنے چہروں پر مسکراہٹ سجائے میرے پاس آتے ہیں تو مجھے اُس

فتوحات مکیہ: شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی کی مشہور زمانہ لائٹنی کتاب ہے جو چار بڑی جلدوں پر مشتمل
اس کتاب کو سمجھنے کے لیے راہبر کامل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ گمراہ ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے کی
کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ لا جواب بے مثال کتاب ہے۔

فصوص الحکم: یہ بھی شیخ اکبر کی لائٹنی اور لا جواب کتاب ہے جو کسی استاد کی زیر نگرانی ہی پڑھی جاسکتی
بعض معاملوں میں یہ فتوحات مکیہ سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ 27 فصوص پر مشتمل علم و معرفت کا خزانہ ہے۔

مجدد الف ثانی، خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیا، پیر مہر علی شاہ اور بے شمار۔ اگر میں
کتابوں کا ذکر کروں تو قارئین بور ہو جائیں گے۔ بہر حال میں نے اپنا کمرہ صوفیہ کرام کی شاعری اور کتابوں سے بھر دیا
اور دن رات اس تلاش میں رہتا کہ انہوں نے کون سا طریقہ استعمال کیا اور یہ اپنی منزل کو پاگئے کیونکہ یہ تمام عظیم تر
قرب الہی کے مسافر تھے۔ اس لیے مجھے ان کی باتیں اور تعلیمات پڑھ کر بہت مزہ آتا کیونکہ ان کی اور میری منزل ایک
اور یہ بھی اسی پل صراط سے گزرے تھے جس سے میں گزر رہا تھا۔ کتابیں اور شاعری میں پڑھ تو رہا تھا لیکن ابھی بھی میں
دنیا تار یک تھی، ابھی بھی من کا اندھیرا اجالے میں نہیں بدلا تھا لیکن میں کوشش کیے جا رہا تھا۔

خدا کے ہونے کا احساس بوجہ سرفراز شامو ایک ہفت روزہ

محترم قارئین! اگلے صفحات میں جو واقعات، کیفیات اور مشاہدات میں بیان کرنے لگا ہوں اُن کی وضاحت
ضروری ہے۔ اگر تو آپ یہ سمجھیں کہ اس میں میری ذات کی نمائش یا مجھے شہرت کا شوق ہے تو بخدا ایسی بات نہیں
کیونکہ اگر مجھے شہرت کا شوق ہوتا تو کبھی بھی کو میری چھوڑ کر لاہور نہ آتا کیونکہ مری میں ہزاروں کا مجمع روزانہ لگتا تھا۔
سارے شہر کو فتح کر چکا تھا۔ ساری زندگی عیش و آرام سے گزرتی تھی کیونکہ اس حقیقت کا ادراک مجھے پہلے دن سے
تک ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ رب ذوالجلال کا محتاج ہے۔ میرے جیسے اربوں کیڑے مکوڑے اس دنیا میں آئے اور
وقت گزرنے کے بعد آج اُن کا نام و نشان تک باقی نہیں ہے بلکہ عظیم ترین انسانوں کی قبروں تک کا آج نشان نہیں
جن کو یہ زعم تھا کہ زندگی موت اُن کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے لوگ جن کے ساتھ کروڑوں انسانوں کے دل دھڑکتے
تھے۔ آج ایک انسان بھی ان کے بارے میں نہیں سوچتا۔ وقت ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔ قارئین صرف 100 سال بعد شاہ
میں سے ایک بھی انسان زندہ نہ ہو۔ میں اور آپ یعنی میری اور آپ کی جگہ نئے لوگ ہوں گے۔ ملک
معاشرے، دیہات، بازار اور شہروں کے شہر اسی طرح زندگی کی گہما گہمی میں دن رات مصروف ہوں گے لیکن سارے
سارے نئے لوگ۔

میرا اس کتاب کو لکھنے کا جو سب سے بڑا مقصد تھا وہ یہ کہ وہ روحانی متلاشیان حق جن کو راستہ نہیں ملایا عرصہ
کے ذکر اذکار کے بعد بھی وہ اندھے ہیں تو گھبرا ئیں نہ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے من کا اندھیرا دور کیا اُسی طرح اگر

ہے اور واقعی وہ پراسرار مخلوق جا چکی ہے جو اس بچے پر قابض تھی؟

یہ سارا منظر تمام کالج کے بچے اور کالج سٹاف دیکھ رہا تھا، ہر بندہ مجھ سے متاثر نظر آ رہا تھا، میری قسمت واقعی، تمام لوگ تحسین آمیز نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے جیسے میں نے کوئی بہت بڑا معرکہ سرانجام دے لیا ہو۔ خاص چیز بن گیا ہوں۔ یہ بچے مری کے دور دراز علاقوں سے پڑھنے آتے تھے یہ سارا منظر اُن کے سامنے ہوا تھا لہذا ان کی طرح یہ مری کے اطراف میں پھیل گئے۔ کچھ پنجاب کے مختلف شہروں سے بھی ہاسٹل میں تھے لہذا دور دراز علاقوں پر واقعہ کرامت کے طور پر بڑھا چڑھا کر سنایا گیا۔

اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو آج بھی میں دم نہ کرتا نہ ہی روحانی علاج کی طرف آتا۔

اس کے بعد میں پانچ سال مری میں رہا وہ بچے مجھے ملتا رہا۔ مجھے حیرت ہوتی جب وہ بتاتا سراسر اس دن کے بعد کبھی دورہ نہیں پڑا نہ ہی میری طبیعت خراب ہوئی۔ میں پھر لاہور آ گیا چند دن پہلے مجھے اُس بچے کا فون آیا تو میں نے اس سے پوچھا بیٹا کیا حال ہے کہنے لگا سر چندرہ سال سے اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں کبھی بیمار نہیں ہوا۔ آج کل وہ بچہ پولیس میں اور اکثر مری میں ہی ڈیوٹی دیتا ہے۔ چند دن پہلے جب اُس کا فون آیا تو میں نے اُسے کہا: تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تم مجھ سے دم کراتے نہ میں قابو آتا۔ وہ بھی مذاقاً کہتا ہے: سر! میں نے آپ کو پیر بنا دیا آپ کو میرا احسان ماننا چاہیے۔

چشم دید تمام لوگوں اور بچوں نے گھر اور علاقوں میں جا کر یہ واقعہ جب بتایا تو اگلے دن ہی کچھ لوگ بوتلیں پکڑے آنا شروع ہو گئے کہ دم کریں۔ میں بالکل تیار نہیں تھا اخلا قادم کرنا شروع کر دیا بے دلی اور بے یقینی کے مجھے ایک فی صد بھی دم پر یقین نہیں تھا۔ دوست یا ریا بچے اپنی فیملی والوں کو لاتے۔ اخلا قادم کرتا مجھے حیرت اُس وقت جب وہ دوبارہ آ کے کہتے کہ ہم ٹھیک ہو گئے ہیں۔ مجھے بھی حیرت ہوتی کہ واقعی لوگ ٹھیک ہو رہے۔

اندھا بچہ ٹھیک ہوا

اسی دوران ایک ایسا واقعہ ہوا کہ میں آج تک حیران ہوں، دن بدن رش میں اضافہ ہو رہا تھا، پھر ہم نے شروع کر دیا، اس کے بعد رش سیکڑوں پھر ہزاروں میں چلا گیا مری والے لوگ اور جولاہور سے وہاں جاتے تھے چار بجے ٹوکن لیتے پانچ ہزار بندے روزانہ۔ ہم اس سے زیادہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔ ابھی ابتدائی رش تھا لوگ ہاری آ رہے تھے کہ ایک عورت اپنے بچے کو لے کر میرے پاس آئی۔

میرے ساتھ لڑکے جلیل عباسی اور ناصر کشمیری جو آج کل مری میں ٹاپ کلاس وکیل ہے اور بہت ترقی کر رہا ہے جو اُس گروپ کا حصہ تھے جو میری مدد کرتے تھے رش اور لوگوں کو ہینڈل کرنے میں۔ اس نے ایک بچہ کو آگے کیا سراسر اس کی نظر نہیں ہے اندھا ہے۔ اُس کی ماں روتے ہوئے کہنے لگی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہے کہ اس کی آنکھوں میں روئی نہیں ہے، یہ ٹھیک نہیں ہو سکتا، اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔

میں نے اُسے اور اس کی ماں کو دیکھا، میرے اوپر جذب کی حالت طاری ہونے لگی اُسی حالت میں، میں نے کہا کہ اگر وہاں کڑوا س کرے ہیں یہ تو ٹھیک ہے اندھا نہیں ہے۔ یا حسی یا قیوم پڑھ کر پھونک ماری تم ٹھیک ہو تم ٹھیک ہو۔ مجھے لگا یہ میں نہیں کوئی قوت ہے جو میرے منہ سے یہ کلمے نکال رہی ہے۔

مجھ اور جلیل عباسی کو اُس وقت شدید حیرت ہوئی جب وہ بچہ کہنے لگا مجھے نظر آ رہا ہے۔ میں نے جلیل سے کہا: اسے لے کر لاؤ یا ریا میں پوچھو تو واقعی بچے کی نظر واپس آ گئی تھی۔ جلیل حیرت اور خوشی سے کہنے لگا: سر! یہ تو دیکھ رہا ہے۔

میں نے جلیل سے کہا یہ بات ظاہر نہ کرو لیکن پھر بھی کافی لوگوں کو پتہ چل گیا۔ وہ بچہ کافی عرصہ میرے پاس آتا رہا۔ اُسے اور اُس کی ماں سے کہتا کہ واقعی تم اندھے تھے وہ اقرار کرتے۔ میں حیرت کدے میں تھا کہ واقعی ایسا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے لوگوں سے متعارف کر رہی تھی، اللہ تعالیٰ کی ذات لوگوں کو میری طرف متوجہ کر رہی تھی۔

میں نے بھی کوئی سالک جب بیدار ہوتا ہے یا قطرہ سمندر میں ملتا ہے تو اللہ تعالیٰ پھر لوگوں کو بتاتا ہے کہ یہ میرا دوست ہے اس کی طرف رجوع کرو شاید میرے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ اس کے بعد واقعات کی ایک جھین ہے سیکڑوں واقعات اور سارے لوگ زندہ موجود ہیں یہ قصہ کہانی نہیں۔ آج بھی کامرس کالج مری میں لوگ میری تلاش میں آتے ہیں۔

خوشحال و خوشامیال لوگ

معذور کھڑا ہو گیا

ابھی میرے بہت ہی ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ جب میں کوہ مری میں ذکر اذکار اور روحانی مجاہدوں میں لگا رہا تھا، اللہ پاک کی ذات لوگوں کو میری طرف متوجہ کر رہی تھی اور میں شدید حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ یہ واقعہ بھی ابتدائی واقعات میں سے ہے جو مری میں میری شہرت کا باعث بنا۔ مری میں میرے دوستوں میں سے فاروق عباسی اور انیس عباسی ایک دن میرے پاس آئے کہ سر آج آپ کے پاس ایک معذور نوجوان لانا ہے جو پچھلے پانچ سالوں سے اندھا ہے اس کی وجہ سے چل نہیں سکتا۔ وہ ایک دن جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اچانک درخت سے نیچے گر گیا۔ کئی دن وہ دلیر رہا۔ بہت زیادہ علاج کے بعد ہوش میں تو آ گیا ہے لیکن اب پانچ سال سے بستر پر پڑا ہے چل نہیں سکتا۔ شادی نہیں ہو سکی۔ اللہ تعالیٰ کا واحد کفیل ہے۔ اُس کے اپنا بچ ہونے کی وجہ سے گھر میں فاقے پڑے ہوئے ہیں۔ بیوی بچے مانگ رہے ہیں کہ اگر وہ کھڑا ہو جائے تو ہمیں کتنی کامیابی ہوگی۔ مجھے اُس نوجوان کی بیماری اور معذور کاسن کر بہت زیادہ دکھ ہوا اور ہمدردی بھی۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ اُس کے گھر والوں کو روک دو وہ پہلے ہی بہت غریب ہیں اس کو کچھ لے کر آئیں گے ہم خود کئی دن اُن کے گھر جائیں گے لہذا میں اور میرے دوست ایک دن اُس نوجوان کے گھر گئے۔ کافی پیدل سفر کر کے ہم اس کے گھر پہنچے۔ میرے دوست شرمندہ تھے کہ پروفیسر صاحب آپ کو اتنا پیدل چلنا پڑا

لیکن میں نے انہیں کہا کہ یہ اصل نیکی ہے، جو آ نہیں سکتا اُس کے گھر جا کر عبادت کی جائے، یہی سب سے بڑی بات ہے۔ کیونکہ گاؤں والوں کو پتہ تھا کہ میں آ رہا ہوں تو چند لوگ پہلے سے وہاں پر موجود تھے، اُن لوگوں میں ایک نوجوان اور بھی تھا جو نیا نیا ڈاکٹر بننا تھا اور پیری مریدی اور روحانی علاج کے شدید خلاف تھا۔ میرا ٹیسٹ لینے کے لیے وہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ گھر والوں کو پہلے ہی سختی سے بتا دیا گیا تھا کہ کوئی چائے یا کھانا وغیرہ نہیں بنانا کیونکہ اُن بچاروں کی حالت ایسی ہی بہت خراب تھی۔ گھر والے بہت تپاک اور خوشی سے ملے۔ اُس معذور جوان کے چار بچے بھی تھے۔ نوجوان اپنی چار سال پر پڑا تھا۔ ہم نے اُس کو سلام کیا اور اس کی چار پائی کے اطراف میں بیٹھ گئے۔ ہمارے روکنے کے باوجود ہمارے چائے آ گئی۔ وہ ہم پینے لگے اور میں بیمار نوجوان سے باتیں کرنے لگا کہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا اور ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔ وہ انہی تشکر آمیز انداز میں بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا اور اب کتنے عرصے سے وہ بے شمار ڈاکٹروں اور جیکبوں کے پاس جا رہا ہے۔ بے شمار بابوں کے پاس بھی گیا ہوں لیکن شاید ابھی تک اللہ پاک کو میری آزمائش مقصود ہے۔ میری جھولی ابھی اسی شفا کے خزانے سے خالی ہے۔

اصل میں نوجوان کو گرنے سے کمر میں شدید چوٹ آئی تھی اور اس چوٹ کی وجہ سے اُس کا چھلکا دھڑمفلوٹ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا تھا۔ میں اُس کی باتیں غور اور محبت سے سن رہا تھا۔ وہ میری طرف اس طرح دیکھ رہا تھا کہ جیسے میں اُس کو ابھی ٹھیک کر دوں گا اور یقیناً یہی ٹھیک کر دوں گا۔ وہ بے شمار ڈاکٹروں، حکیموں اور بابوں کے پاس بھی جا چکا تھا۔ میں اُس کو اور اُس کے بیوی بچوں کو بھی دیکھ رہا تھا جو امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے کہ پروفیسر صاحب کچھ ایسا چکار کریں گے جس سے نوجوان کو صحت کا ملکہ نصیب ہوگی۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں لیکن میرے اندر سے شدید خواہش بیدار ہو چکی تھی کہ میرا سوہنا رب اس غریب کو ہر صورت میں ضرور شفا دے تاکہ یہ گھر جو حسرت و یاس میں گھر چکا ہے یہاں پر بھی خوشیاں اور رعنائیاں برسیں۔ اس دوران نوجوان ڈاکٹر جو ہم سب کو ملنے نظروں سے دیکھ رہا تھا بولا پروفیسر صاحب! یہ روحانی علاج میں کوئی صداقت بھی ہے یا آپ نے لوگوں کو خواہ مخواہ ایسا پیچھے لگایا ہوا ہے۔ میں اُس کی طنزیہ گفتگو کو بھانپ چکا تھا۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب شفا میرے اور آپ کے رب پاک کے پاس ہے وہ جس کو چاہتا ہے تندرستی عطا کرتا ہے۔ لیکن وہ مسلسل طنزیہ گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے گھر والوں سے کہا کہ وضو کرا دیں اور جائے نماز دے دیں۔ میں وضو کر کے خالی کمرے میں دو رکعت نفل کے لیے کھڑا ہو گیا اور سجدے میں جا کر اللہ کے حضور خوب رویا اللہ کو تاجدارِ انبیاء، سرکارِ مدینہ کا واسطہ دیا کہ اس معذور کو شفا دے۔ روتے روتے مجھے ایک دم سکون اور دعا کی قبولیت کا احساس ہوا۔ میں باہر آ کر نوجوان کے پاس بیٹھ گیا اور ”یا حی یا قیوم“ پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکے لگا۔ نوجوان بولا پروفیسر صاحب! میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ ڈاکٹر بولا پروفیسر صاحب! دم جھاڑے سے کچھ نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی یہ ٹھیک ہوگا۔ اب اس کی باقی عمر اسی طرح گزرے گی۔ مریض نے میری طرف دیکھا، میں بولا تم ٹھیک ہو، تم بیمار نہیں ہو، تم ٹھیک ہو۔ ڈاکٹر بولا اگر ٹھیک ہے تو یہ کھڑا کیوں نہیں ہوتا۔ میں نے مریض سے کہا میرے اللہ پاک کے حکم سے تم ابھی کھڑے ہو گے انشاء اللہ۔ اٹھو تم ٹھیک ہو۔ پتہ نہیں میری آواز میں کیا اثر تھا کہ نوجوان معذور نے اٹھنے کی کوشش کی اور

میں نے اُس کو سہارا دیا اور وہ کھڑا ہوا۔ وہ کھڑا ہو گیا کیونکہ وہ بڑے عرصے بعد کھڑا ہوا اس لیے وہ لرز رہا تھا۔ میں نے اُس کو سہارا دیا اور وہ کھڑا ہوا۔ وہ خوشی سے رو رہا تھا اور میری آنکھیں بھی تشکر سے نم ہو چکی تھیں اور میں بولا ڈاکٹر صاحب کون کہتا ہے کہ میرا علاج اس آٹا۔ میرا رب دعائیں قبول نہیں کرتا۔ میرے رب پاک کے کلام میں اثر نہیں ہے۔ کیونکہ نوجوان بڑے عرصے سے بیمار تھا اور ہمدی تھک کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر میں نے اس کو سہارا دیا اور وہ پھر کھڑا ہو گیا۔ اب کی بار اُس نے کسی شخص کے لیے تھوڑا سا پیدل چل کر بھی دکھایا۔ تمام لوگ اور اُس کے گھر والے سحر زدہ ہو چکے تھے۔ بلکہ حیرت، تجسس اور شکر سے انداز سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور میرا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا اور اللہ پاک کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اللہ پاک کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا اور خود پرندامت اور شرمندگی کا شدید احساس کہ اکثر میں اللہ کا کمال ہاتا ہوں، اُس طرح اللہ پاک کی عبادت اور اطاعت نہیں کرتا جس طرح کرنی چاہیے لیکن میرے اللہ نے ہمیشہ سے میرا ہمت کرم کیے۔ میرا رب پاک واقعی بہت رحم کرنے والا ہے۔ اس کے بعد میں اور میرے دوست خوشی خوشی واپس آئے۔ اس ہمت کرم سے مری رہا وہ نوجوان اکثر میرے پاس آتا تھا۔ کبھی سبزی، کبھی دودھ، کبھی پھل لے کر آتا۔ میں ہمیشہ اس کو دیکھتا تھا کہ وہ خدا سے کچھ نہ کچھ لے آتا اور پیار سے کہتا پروفیسر آپ نہیں جانتے میں آپ سے کتنا پیار کرتا ہوں۔ ساری دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ اور میں ہمیشہ یہی کہتا کہ جو کچھ بھی تم لاتے ہو یہ دنیا کا مال ہے۔ ساری دنیا کے خزانے آپ کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔ اور میں ہمیشہ یہی کہتا کہ جو کچھ بھی تم لاتے ہو یہ دنیا کا مال ہے۔

رنجیروں میں جکڑا مریض

ہر دور میں روحانیت کو ماننے اور نہ ماننے والے لوگ دنیا میں موجود رہے ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ حیرت والی بات یہ ہے کہ جو لوگ روحانی علاج پر یقین رکھتے ہیں ان کو شفا بھی روحانی لوگوں سے ہی ملتی ہے۔ اس واقعہ کا کردار بھی زندہ جاوید ہے اور روحانیت کے منکرین اگر اس سے ملنا چاہتے ہوں تو مل بھی سکتے ہیں لیکن اس کا کردار ہی چل پھرتا اشتہار ہے۔ کیونکہ بیماری میں اور شفا یاب ہونے کے بعد یہ ساری صحت مند تبدیلی لوگوں کے سامنے آتی اور آج بھی یہ بندہ صحت مند زندگی گزار رہا ہے۔

میں پانچویں میں اپنے آبائی گاؤں آیا ہوا تھا کیونکہ لوگوں کو میرے آنے کا پتہ ہوتا تھا اس لیے وہ سارا سال انتظار کرتے۔ میں جیسے ہی آتا لوگ روزانہ بڑی تعداد میں مجھ سے ملنے آتے۔ ایک دن میرا پرانا مرید اور دوست جو مجھ سے ادا تھا مل گیا، ملک ضیاء القمر اس کا اصل نام ہے، ایک نوجوان مریض کو کپڑے سے باندھ کر میرے پاس لایا۔ حال اس کے اس کو جیسے ہی آزاد کرتے ہیں تو یہ گھر بار چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے اور پھر کئی دنوں کے بعد بلکہ بعض اوقات کئی سال بعد بھی بڑی مشکل سے اس کو پکڑ کر لاتے ہیں۔ بقول اس کے اس کو پاگل پن کے دورے یا جنات کا حملہ ہوتا ہے اور پھر اس میں نہیں رہتا۔ یہ پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھاگتا ہے۔ جو منہ میں آتا ہے بول دیتا ہے۔ ایک دن بجلی کے

کھجے (ناور) پر چڑھ گیا۔ تاروں کو ہاتھ لگایا تو تڑپ کر نیچے گر پڑا۔ کبھی کبھی درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ رات کو اس زنجیروں سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اگر نہ باندھا جائے تو یہ کسی کو بھی بتائے بغیر نامعلوم منزل کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس نیند بالکل نہیں آتی، اگر کھانا کھانے پر آئے تو بے تحاشا کھاتا ہے ورنہ کئی کئی دن بھوکا رہتا ہے۔ عورت مرد کی تیز کر ہے۔ کئی بار لوگوں سے نار کھا چکا ہے۔ بے شمار بابوں اور ڈاکٹروں کے پاس بے شمار چکر لگا چکا ہے لیکن ابھی تک اس کی قراری اور اضطراب کو سکون نہیں ملا۔ یہ کئی چنگ کی طرح ادھر ادھر گھومتا رہتا ہے۔ کوئی اس کو پاگل تو کوئی اس کو مریض قرار دیتا ہے۔ پروفیسر صاحب یہ پچھلے ایک سال سے اس پاگل پن یا جنات کا شکار ہے۔ آج ہم اس کو آپ پاس لے کر آئے ہیں۔ نو جوان کے چہرے سے وحشت، بے چینی، بے قراری، بے سکونی، پاگل پن چمک رہا تھا۔ بالکل اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ اس کی غریب ماں بھی ساتھ آئی تھی۔ نو جوان ہم سب کی موجودگی سے بے ہوشی دھن میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا جیسے اسے ہماری کوئی پروا یا خبر نہ ہو۔ ایسا مریض جب کبھی بھی آتا ہے تو تماشا دیکھنے والے بہت زیادہ اکٹھے ہو جاتے ہیں کہ یہ کس طرح پروفیسر صاحب کے ساتھ بدتمیزی کرتا ہے کیونکہ ایسے مریض اپنے ہوش نہیں ہوتے، اس لیے اکثر یہ عامل یا دم کرنے والے پر حملہ آور بھی ہو جاتے ہیں۔ اس لیے عام لوگ ہر وقت ایسا ہی دیکھنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ میرا مریض اور اس کی ماں مریض نو جوان کی بے شمار باتیں بتا رہے تھے کہ فلاں بزرگ، فلاں پیر کے ساتھ اس نے اس طرح کی بدتمیزی کی۔ ان کی باتیں سن کر میں بھی Excited ہو رہا تھا کہ خوب تماشا ہو رہا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں جیسے ہی اس کے قریب آیا، اس نے میرے اوپر تھوکنے کی کوشش کی۔ میں ایک طرف ہو گیا۔ اب میرے دوست اور ایک اور آدمی نے اس کا سر پکڑ کر نیچے کر دیا تو میں اللہ پاک کا نام لے کر قرآن پاک کی آیات پڑھنی شروع کر دیں۔ میں جیسے جیسے پڑھتا جا رہا تھا اس کی بے چینی اور قراری میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی وحشت اور جنون میں اور بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ لگ رہا تھا کہ وہ شدید غصے اور گھبراہٹ کا شکار ہو رہا ہے۔ دونوں بندوں نے اس کو مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا لیکن اس کے اندر پتہ نہیں کتنے مردوں کی طاقت آگئی تھی۔ لگ رہا تھا اس کے اندر کوئی چیز حلول کر گئی ہے۔ وہ زور زور سے اپنا سر ادھر ادھر کر رہا تھا۔ ایک دم پتہ نہیں اس کے اندر کتنی ہمت آگئی کہ اس نے دونوں بندوں کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور تیزی سے میری طرف بڑھا اور میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے سے وحشت نکل رہی تھی۔ وہ قہر آلود نظروں میری طرف دیکھتا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر میرے اوپر بھی جنونی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی۔ جو اکثر ایسے موقعوں پر ہو جاتی ہے۔ جب مجھے بھی اپنی خبر نہیں ہوتی۔ جب میرا وجود بھی اپنے کنٹرول میں نہیں ہوتا۔ میں نے اس کو سر کے بالوں سے پکڑا اور زمین پر دے مارا۔ وہ جیسے ہی زمین پر گرالوٹ پوٹ ہونے لگا۔ وہ کبھی زمین پر کبھی ادھر جا رہا تھا اور کبھی ادھر، وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔ زمین سے اچھل اچھل کر گر رہا تھا اور لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔ بہت سارے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے اور یہ سارا منظر سرس کا منظر دیکھ کر دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیو تو وہ اسی طرح ادھر ادھر جاتا رہا پھر میں نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر دبا دیا تو وہ لمبے سانس لینے لگا۔ آہستہ آہستہ اس کی بے قراری اور وحشت میں کمی آتی جا رہی تھی۔ اس کے پاگل پن اور جنون کا خاتمہ ہوا

اس کا اور آٹھ سو پانچ سو منٹ کے بعد وہ بے دم سا ہو کر میرے سامنے بیٹھا تھا۔ میں نے پانی منگوایا اور اس کو پلایا تو اس کی حالت بدلتی ہوئی۔ اس کی ماں اور میرا مریض ایسا قہر پاس آ کر بیٹھ گئے اور اس سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔ اب وہ بے ہوش بندوں والی باتیں کر رہا تھا اور بالکل نہیں لگ رہا تھا کہ کچھ دیر پہلے یہی مریض چیخ و پکار کر رہا تھا۔ کچھ دیر بیٹھ کر اس کو جان کو لے کر چلے گئے۔ اس کے بعد بھی وہ اس کو میرے پاس لاتے رہے۔ اب وہ پرسکون ہوتا تھا اور خاموش سا بیٹھا رہتا۔ میں چھٹیاں گزار کر چلا گیا۔ آج اس واقعہ کو کئی سال ہو چکے ہیں۔ وہ اب بھی میرے پاس آتا ہے تو میں اس کا ہاتھ لگا کر ادا کرتا ہوں کہ ماشاء اللہ یہ نو جوان اب نارمل اور صحت مند زندگی گزار رہا ہے۔

پچھلے اس کو پاگل پن تھا کہ آسبئی اثرات تھے لیکن جب بھی وہ میرے سامنے آتا ہے تو مجھے اللہ تعالیٰ کا کرم یاد آتا ہے کہ اس پاک ذات نے اسے غریب نو جوان کو اس تکلیف، بے قراری اور پاگل پن سے نجات دی اور میرا دل اور اسے ایک اشتہار کی طرح سارا دن اس کی تفصیل لوگوں کو بتاتا رہتا ہے اور میں ہر بار کی طرح رب کعبہ کے سامنے دعا کرتا ہوں کہ میری کوتاہیوں، گناہوں اور نادانیوں کے باوجود وہ میرے اوپر اپنے کرموں کی بارش کرتا جا رہا ہے۔

از شاہ وچ مان پشہر

کینسر کی مریضہ کا یقین

اس میں کوئی شک نہیں کہ کینسر ایک لاعلاج مرض ہے اور میں جب بھی کینسر کے مریضوں کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی دعا کرتا ہوں کہ اے میرے پروردگار تو دنیا کو کب کینسر سے پاک کرے گا۔ میڈیکل سائنس کب اس کو علاج پکڑے گی جب کینسر قابل علاج ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائی سٹیج پر کینسر قابل علاج ہے لیکن آخری سٹیج پر اس کا علاج صحت یاب نہیں ہوتا۔ جب ڈاکٹر آخری سٹیج کے مریضوں کو جواب دے دیتے ہیں تو یہ بیچارے بزرگوں، عورتوں، بچوں کے پاس چکر لگاتے ہیں اور میرے پاس بھی آتے ہیں۔ کیونکہ میرے دل میں ہر وقت ایک ہی خواہش رہی ہے کہ کسی طرح میرے پاس آنے والے کو خوشی، صحت مل جائے لیکن زیادہ تر مریض جب صحت یاب نہیں ہوتے تو ان کی بہت دہمی ہوتا ہے۔ مجھے یہ ماننے میں کوئی عار نہیں کہ کینسر کے بہت سارے مریض آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو صحت یابی کی کمی تھی لیکن میں ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں لیکن کچھ کینسر کے لوگوں کو شفا بھی ملی۔ یہ کیس بھی انہی میں سے ایک ہے۔ ان دنوں میں لاہور میں آچکا تھا اور جمعہ کے دن آستانہ عالیہ پر عام لوگوں سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک دن آستانہ رشید آباد تھا۔ ملک کے دور دراز کے علاقوں سے لوگ آئے تھے۔ رشید آباد ہونے کی وجہ سے اکثر لوگوں کو چھ سے آٹھ بجے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ انہی لوگوں میں ایک میاں بیوی بہت دور سے تقریباً دس گھنٹے کا سفر کر کے آئے ہوئے تھے۔ وہ اپنی دھارنا انتظار کرتے رہے کہ آخر میں ملاقات آسانی سے اور تفصیل سے کریں گے لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ یہ رشید آباد ہے تو ان کا دل بے چین رہتا ہے تو ان میاں بیوی میں سے بیوی میرے قریب آئی اور میرے ہاتھ میں ایک چٹ دی جس میں لکھا تھا کہ میں انتظار تو کر لیتی لیکن میرے دماغ میں ٹیومر (کینسر) ہے جس کی وجہ سے میں کسی بھی وقت بے ہوش ہو جاتی

کو چھاتی کا کینسر ہے۔ میری بیٹی کی بیماری کا سننا تھا کہ میرے داماد اور اس کے گھر والوں کا رویہ ہی بدل گیا کہ وہ دیہات میں رہتے ہیں، کسی نے سرسالیوں کو یہ وہم ڈال دیا کہ یہ ہے ہی بد نصیب۔ نہ اس کا کوئی بھائی نہ بہن، ماں مر گئی۔ اب یہ منحوس آپ کے گھر کو برباد کرے گی۔ اس کی بیماری اب سب کو لگ جائے گی۔ سرسالی لوگوں کی بات میں آگئے۔ اب انہوں نے بات بات پر طعنے دینے شروع کر دیئے۔ بار بار کہتے کہ اپنے باپ کے پاس چلی جائیں، بچاری ان کے طعنے وغیرہ سنتی رہی لیکن خاوند کا گھر نہیں چھوڑا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ نہیں جا رہی تو بات بات بہانہ بنا کر مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار پیٹ سہہ کر بھی گزارا کرتی رہی تو آخر ایک دن میرا داماد خود میرے گھر گیا اور بچے اپنے ساتھ واپس لے گیا اور جاتے جاتے یہ کہہ گیا کہ اگر زندہ رہی اور صحت یاب ہو گئی تو میرے گھر جانا۔ ایک بوڑھا باپ ہچکیاں بھرتے ہوئے رو رو کر اپنا غم دل سنار ہاتھ اور مجھے ایک مسیحا سمجھ کر میرے پاس آیا کیونکہ بوڑھا باپ بہت غریب تھا، اس لیے علاج کی ہمت بھی نہیں رکھتا تھا۔ میں بھی باباجی کی بات سن کر دکھی ہو کر کس طرح باباجی اور اس کی بیٹی کو اس دکھ، تکلیف کے جہنم سے نجات دلاؤں۔ بیماری اتنی لا علاج اور جان لیوا میں بھی بے بسی کی تصویر بنا بوڑھے باپ کو دیکھ رہا تھا جو امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ باباجی کی بیٹی بھی ہمارے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کو بیماری سے زیادہ بچوں کی جدائی کا دکھ تھا۔ بچوں سے جدائی کا کرب اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ پہاڑی زبان میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے بولی مجھے میرے بچوں سے ملا دیں۔ میں اس کی آخری گھڑیاں اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ اگر میرے بچے میرے سامنے ہوں گے تو میں آسانی سے مر سکوں گی۔ اس کی آنکھوں میں التجا، دکھ، بے بسی اور بچوں سے جدائی کا درد تھا جو اس کی بیماری کے ساتھ مل کر اندر ہی اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ دونوں باپ بیٹی دکھ، بے بسی کی تصویر بنے میرے سامنے بیٹھے تھے۔ مجھ سے کسی منظر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ میرے جسم میں جھرجھری سی ہوئی اور میں نے اٹھ کر لان میں مضطرب ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ دکھ، غصہ، بے بسی کے طے جلے جذبات نے میرے اندر ایک ہیجان سا برپا کر دیا تھا کہ دنیا میں اتنے ظالم اور درد لوگ ہوں گے۔ میرے اللہ کی دھرتی پر فرعونوں کی نسل ابھی بھی اپنے فرعونوں کی حربوں میں مصروف عمل ہیں۔ انسان یا معاشرہ ایسے ظالم سرسالیوں کو روکنے والا نہیں۔ کب تک ظالم ظلم ڈھاتے اور مظلوم ظلم سہتا رہے گا۔ ہمارے ملک اور معاشرے کی اقدار کب مہذب اور ترقی یافتہ ہوں گی۔ کب ہم تو ہم پرستی اور جہالت کے اندھے گڑبڑوں میں نکلیں گے۔ کیا اس معاشرے، گاؤں میں اور لوگ نہیں بستے جن کے سامنے یہ قہر ایک غریب باپ پڑھایا جا رہا ہے۔ کیا سرسالی اور بوڑھے باپ کے رشتہ داروں اور آس پاس کے کینٹوں کو یہ ظلم نظر نہیں آ رہا کہ کس طرح ایک غریب باپ بیٹی کی زندگی دکھوں کی تصویر بنی ہوئی ہے اور کسی کے اندر اتنی جرأت نہیں کہ ان ظالموں کو روک سکے۔ بچاریوں کو حوصلہ دے سکے۔ ان کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ کیا غریب پیدا ہونا جرم ہے؟ کیا یہ دنیا اور معاشرے میں طاقتوروں کے لیے معرض وجود میں آئے ہیں؟ میں انہی سوچوں میں گم ادھر ادھر پر قرار سے چل رہا تھا کہ ایک دم میرے دماغ میں بابا یوسف کی چنگی یاد آئی۔ جب باباجی نے کہا تھا کہ جب تم کسی بہت حق دار کو دیکھو، جب کسی

کو چھاتی کا کینسر ہے۔ میری بیٹی کی بیماری کا سننا تھا کہ میرے داماد اور اس کے گھر والوں کا رویہ ہی بدل گیا کہ وہ دیہات میں رہتے ہیں، کسی نے سرسالیوں کو یہ وہم ڈال دیا کہ یہ ہے ہی بد نصیب۔ نہ اس کا کوئی بھائی نہ بہن، ماں مر گئی۔ اب یہ منحوس آپ کے گھر کو برباد کرے گی۔ اس کی بیماری اب سب کو لگ جائے گی۔ سرسالی لوگوں کی بات میں آگئے۔ اب انہوں نے بات بات پر طعنے دینے شروع کر دیئے۔ بار بار کہتے کہ اپنے باپ کے پاس چلی جائیں، بچاری ان کے طعنے وغیرہ سنتی رہی لیکن خاوند کا گھر نہیں چھوڑا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ نہیں جا رہی تو بات بات بہانہ بنا کر مارنا شروع کر دیا۔ یہ مار پیٹ سہہ کر بھی گزارا کرتی رہی تو آخر ایک دن میرا داماد خود میرے گھر گیا اور بچے اپنے ساتھ واپس لے گیا اور جاتے جاتے یہ کہہ گیا کہ اگر زندہ رہی اور صحت یاب ہو گئی تو میرے گھر جانا۔ ایک بوڑھا باپ ہچکیاں بھرتے ہوئے رو رو کر اپنا غم دل سنار ہاتھ اور مجھے ایک مسیحا سمجھ کر میرے پاس آیا کیونکہ بوڑھا باپ بہت غریب تھا، اس لیے علاج کی ہمت بھی نہیں رکھتا تھا۔ میں بھی باباجی کی بات سن کر دکھی ہو کر کس طرح باباجی اور اس کی بیٹی کو اس دکھ، تکلیف کے جہنم سے نجات دلاؤں۔ بیماری اتنی لا علاج اور جان لیوا میں بھی بے بسی کی تصویر بنا بوڑھے باپ کو دیکھ رہا تھا جو امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ باباجی کی بیٹی بھی ہمارے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ اس کو بیماری سے زیادہ بچوں کی جدائی کا دکھ تھا۔ بچوں سے جدائی کا کرب اس کے چہرے سے عیاں تھا۔ وہ پہاڑی زبان میں ٹوٹے پھوٹے لفظوں سے بولی مجھے میرے بچوں سے ملا دیں۔ میں اس کی آخری گھڑیاں اپنے بچوں کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔ اگر میرے بچے میرے سامنے ہوں گے تو میں آسانی سے مر سکوں گی۔ اس کی آنکھوں میں التجا، دکھ، بے بسی اور بچوں سے جدائی کا درد تھا جو اس کی بیماری کے ساتھ مل کر اندر ہی اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ دونوں باپ بیٹی دکھ، بے بسی کی تصویر بنے میرے سامنے بیٹھے تھے۔ مجھ سے کسی منظر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ میرے جسم میں جھرجھری سی ہوئی اور میں نے اٹھ کر لان میں مضطرب ہو کر چلنا شروع کر دیا۔ دکھ، غصہ، بے بسی کے طے جلے جذبات نے میرے اندر ایک ہیجان سا برپا کر دیا تھا کہ دنیا میں اتنے ظالم اور درد لوگ ہوں گے۔ میرے اللہ کی دھرتی پر فرعونوں کی نسل ابھی بھی اپنے فرعونوں کی حربوں میں مصروف عمل ہیں۔ انسان یا معاشرہ ایسے ظالم سرسالیوں کو روکنے والا نہیں۔ کب تک ظالم ظلم ڈھاتے اور مظلوم ظلم سہتا رہے گا۔ ہمارے ملک اور معاشرے کی اقدار کب مہذب اور ترقی یافتہ ہوں گی۔ کب ہم تو ہم پرستی اور جہالت کے اندھے گڑبڑوں میں نکلیں گے۔ کیا اس معاشرے، گاؤں میں اور لوگ نہیں بستے جن کے سامنے یہ قہر ایک غریب باپ پڑھایا جا رہا ہے۔ کیا سرسالی اور بوڑھے باپ کے رشتہ داروں اور آس پاس کے کینٹوں کو یہ ظلم نظر نہیں آ رہا کہ کس طرح ایک غریب باپ بیٹی کی زندگی دکھوں کی تصویر بنی ہوئی ہے اور کسی کے اندر اتنی جرأت نہیں کہ ان ظالموں کو روک سکے۔ بچاریوں کو حوصلہ دے سکے۔ ان کے ساتھ کھڑا ہو سکے۔ کیا غریب پیدا ہونا جرم ہے؟ کیا یہ دنیا اور معاشرے میں طاقتوروں کے لیے معرض وجود میں آئے ہیں؟ میں انہی سوچوں میں گم ادھر ادھر پر قرار سے چل رہا تھا کہ ایک دم میرے دماغ میں بابا یوسف کی چنگی یاد آئی۔ جب باباجی نے کہا تھا کہ جب تم کسی بہت حق دار کو دیکھو، جب کسی

بوڑھا باپ بیٹی دعائیں دیتے ہوئے شکر یہ ادا کر کے چلے گئے۔
 تقریباً ایک ماہ بعد میں گھر پر ہی تھا کہ نوکر نے تھوڑی سی سبزیاں، سیب اور خوبانی اندر لا کر دی اور کہا کہ باہر ایک لڑکا ہے۔ انہوں نے سمجھی ہے۔ میں باہر گیا تو وہی بوڑھا باپ، اس کی صحت مند بیٹی، اس کے بچے اور شاید اس کا خاوند اس کے پاس تھے۔ فوراً ان کو پہچان لیا۔ باباجی تیزی سے میری طرف لپکے۔ وہ خوشی اور عقیدت سے جھوم رہے تھے۔ ان کے ہاؤں خوشی سے زمین پر نہیں لگ رہے تھے اور ان کی بیٹی کا چہرہ گلاب کے پھولوں کی طرح تروتازہ اور صحت مند تھا۔ دونوں بچے اور نو جوان مرد کا ساتھ ہونا ساری کہانی سنار ہاتھ کہ بیٹی صحت مند ہو گئی اور خاوند کو اس کا احساس ہوا اور خود ہی لینے آ گیا اور آج بیٹی اپنے خاوند کے ساتھ میرا شکر یہ ادا کر کے اپنے سرسالی جا رہی تھی۔
 اب اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے اور میں ہواؤں میں اڑا جا رہا تھا کہ اللہ نے پھر مجھے فقیر پر کرم کر دیا۔ میں نے کہا کہ ایک مردانہ اور زنانہ سوٹ لے کر آیا اور مٹھائی کے پیسے ساتھ دے کر اس کے خاوند سے کہا کہ یہ میری بیٹی کا نکاح ہے کہ یہ منحوس ہے، اس کا کوئی نہیں تو آج سے ایسا نہیں ہے۔ یہ میری بہن اور میری بیٹی ہے۔ اس کو اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتا۔ خاوند شرمندہ اور اپنے سابقہ رویے پر نادم تھا۔ اس نے وعدہ کیا کہ جناب مجھے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہو چکا ہے۔ اب آپ کو کبھی بھی شکایت نہیں ہوگی۔ مجھے یہ احساس ہو چکا ہے کہ آج اگر میں کسی کی بیٹی کو تنگ کروں تو اس کی بیٹی بھی سسکی نہیں رہے گی۔ ساری فیملی اور بوڑھے باپ کو خوش دیکھ کر مجھے بھی نشہ سا چڑھ گیا۔ جیسے ایک بارے لٹوں کا نشہ میرے رگ و پے میں دوڑ رہا ہے اور میرے اوپر مدھوشی کی سی کیفیت طاری ہے۔ بوڑھا اور اس کے گھر پر ادا کر کے چلے گئے۔

اس کے بعد اکثر باباجی اور کبھی کبھار اس کی بیٹی اپنے خاوند، بچوں کے ساتھ میں جتنا عرصہ کوہ مری رہا، مجھ سے ملنے آتے رہے۔ باباجی جب بھی آتے تو کبھی لوکل سبزی، کبھی پھل میرے لیے لاتے اور اکثر میرے گھر کے لان میں بیٹھ کر رہتے۔ میں ہمیشہ انہیں روکتا کہ آپ میرے باپ کی جگہ ہیں تو وہ ہمیشہ کہتے کہ مجھے آپ سے مل کر آپ کے لان

میں کام کر کے سکون ملتا ہے۔ اور میں بھی جب کبھی بابا جی آتے ہیں، سارا کام اور لوگوں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ کرتا ہوں کیونکہ مجھے بھی ان سے محبت ہو گئی تھی۔

سکھ ڈاکٹر کا یقین

میں پچھلے کئی واقعات میں بتا چکا ہوں کہ روحانیت کے ماننے والے دنیا کے ہر خطے میں موجود لوگوں کو شفا بھی اکثر روحانی لوگوں سے ہی ملتی ہے۔ یہاں بھی جو واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں یہ بھی بالیہ طرح سچا ہے اور اس کے تمام کردار اب بھی زندہ ہیں اور ان سے ملا بھی جاسکتا ہے۔

یہاں پر میں ایک وضاحت کرتا چلوں کہ شفا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور جب وہ کسی ہوتا ہے تو بہانے بہانے سے اس کی عزت بڑھاتا ہے اور چاروں طرف کیا دور دراز کے ملکوں میں بھی اس بندہ کراتا ہے۔ میری زندگی تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب میں نے کچھ بھی نہیں کیا اور مد مقابل فیض بابا اکثر مجھے بھی یقین نہیں آتا کہ یہ کام ہو گیا ہے یا واقعی مریض شفا یاب ہو گیا ہے۔

یہ واقعہ بھی ایسے ہی ناقابل یقین واقعات میں سے ایک ہے جب مریض مجھ سے ہزاروں میل دور تھا، مجھ سے ملا بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ ان دنوں میں نیا نیا مری سے لاہور آیا تھا اور لاہور میں تعالیٰ کی ذات معاشرے کو میرا تعارف کر رہی تھی۔

ایک دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے آفس کا ایک کلرک میرے پاس آیا اور کہا کہ جناب سے کام ہے تو میں نے کہا، حکم کریں تو اس نے کہا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ روحانی علاج بھی کرتے ہیں۔ میں آپ مسئلہ بتائیں، میں کوشش کروں گا تو وہ بولا کہ میرا بھائی یورپ میں رہتا ہے۔ وہاں پر اس کا ایک دوست پچھلے سے کسی پراسرار بیماری کا شکار ہے۔ پورے یورپ میں وہ بے شمار ڈاکٹروں اور ہسپتالوں کے چکر لگا چکا ہے۔ سارے شہرے ٹیسٹ ہمیشہ کیسے آتے ہیں۔ بیماری کا کچھ پتہ نہیں۔ وہ دن میں کئی بار کھڑے یا بیٹھے بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس کو امیر جنسی میں ہسپتال یا ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے ہیں تو بیماری کا پتہ نہیں چلتا اور جب یہ خود ہی ہوش میں آ جاتا ہے گھبرا جاتا ہے کیونکہ کیس بہت پراسرار قسم کا ہے، اس لیے وہاں پر ایک باقاعدہ بورڈ تشکیل دیا گیا اور تفصیل سے اس کو Examine کیا گیا۔ مختلف شعبوں کے ماہر ترین ڈاکٹروں نے بھی پوری کوشش کی ہے لیکن کسی کی بھی سمجھ نہیں پڑی پراسرار بیماری نہیں آئی۔ ہر کوئی ڈاکٹر ٹکا بازی کر رہا ہے۔ حتیٰ نتیجے پر کوئی بھی نہیں پہنچا کہ اصل بیماری کیا ہے اور ہوش کیوں ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹروں کے اس پینل میں ایک سکھ ڈاکٹر بھی تھا جو روحانیت پر یقین رکھتا تھا۔ اس نے تشخیص میں دیا کہ یہ پراسرار قوتوں کا شکار ہے۔ اس کا ڈاکٹری علاج ممکن نہیں ہے۔ اس کا کسی روحانی معالج سے علاج کروانا پڑے گا۔

اس نے میرے بتائے ہوئے طریقے پر ڈاکٹر کا شروع کر دیے۔ ایک ہفتے بعد اس کا فون آیا کہ اس دن اس کو بے ہوشی کا دورہ نہیں پڑا۔ یہ میرے لیے بہت خوشگوار حیرت والی خبر تھی۔ اسی طرح ایک ماہ گزر گیا اور وہ بے ہوشی سے ابھی تک بے ہوشی سے محفوظ تھا کیونکہ وہ کسی بھی قسم کی دوائی بالکل نہیں کھا رہا تھا۔ سکھ ڈاکٹر اس نے روحانی علاج شروع کر دیا ہے کیونکہ سکھ ڈاکٹر اس کیس میں ذاتی دلچسپی لے رہا تھا۔ جب ایک ماہ صحت یاب ہوا تو اس نے ڈاکٹروں کے پینل کے سامنے مریض کو پیش کیا اور انہیں بتایا اور دکھایا کہ روحانی علاج کے بعد اس کو بے ہوشی ہو چکا ہے۔ ڈاکٹروں نے بہت سارے سوال کیے کیونکہ وہ ابھی تک بھی بیماری کو آسنبی ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے مریض کو ان کے سامنے شہادیا تھا۔ لمبے چوڑے سوال و جواب کے بعد اس کا پینل ماننے کو تیار نہیں تھا جبکہ سکھ ڈاکٹر ہر صورت میں انہیں منانا چاہتا تھا۔ اسی دوران ڈاکٹروں کے ایک گروپ نے کہا کہ میری پاکستان میں اس روحانی معالج سے بات کرائی جائے جس نے اس مریض کا روحانی علاج کیا ہے۔ اس نے اس بات کو تو ڈاکٹر نے بہت عقیدت اور احترام سے پنجابی میں بات کی اور یہ بھی کہا کہ اس کا علاج ابھی تک روحانی علاج کو ماننے سے انکاری ہیں۔ یہ کوئی ثبوت یا مثال مانگ رہے ہیں۔ اب مجھے بالکل یقین آ رہی تھی کہ میں کون سا ثبوت دوں۔ میں نے بلا سوچے سمجھے ہیڈ ڈاکٹر کا نام پوچھا تو انہوں نے میری اس ہیڈ ڈاکٹر کو دیا۔ اس نے اپنا اپنا بیوی کا نام بتایا تو اچانک میرے دماغ میں ایک خیال بار بار آنے لگا اور میں نے

ڈاکٹر سے کہا کہ تم لوگوں کا علاج کرتے ہو۔ اپنی بیوی کا علاج کیوں نہیں کرتے جو پچھلے چھ ماہ سے بیڈ پر پڑی ہے۔
 بھی نہیں سکتی۔ اس کی کمر کا 5 اور 6 مہر خراب ہو چکا ہے۔ میری یہ بات کرنے کی دیر تھی کہ ڈاکٹر چیخ پڑا "you are real saint"
 کہہ رہا ہے۔ وہ بہت خوشی اور حیرت سے بات کر رہا تھا اور سکھ ڈاکٹر کو بھی کہا کہ تم ٹھیک کہتے ہو، دنیا میں روحانی
 موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مجھے فقیر پر اپنا کرم خاص کیا۔ یہ مریض اس کے بعد کئی بار پاکستان آ کر مجھے مل
 اس کے تندرست ہونے کے بعد اس شہر سے بے شمار لوگ میرے پاس آچکے ہیں کیونکہ وہ مریض ہر جگہ میرا ذکر کرتا
 ہے۔ آج اس واقعہ کو آٹھ سال گزر چکے ہیں اور اللہ کے فضل سے وہ مریض دوبارہ بے ہوش نہیں ہوا لیکن اس کی صحت
 کے بعد حسب سابق میرا ارش اور بھی بڑھ گیا ہے اور میں ہر روز اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ وہ مجھے فقیر پر کرم کرتا ہوا

کشفی صلاحیتوں کی بیداری

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولانا علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کے بعد مجھے اپنے اندر کئی صلاحیتیں
 بیداری کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، کیونکہ مختلف روحانی مشقوں اور جس دم، سانس کی مشقوں اور ارتکازات
 شاید میرے لطائف یا روحانی یونٹس میں سے کوئی ایسا روحانی یونٹ بیدار ہو گیا تھا کہ جیسے ہی میں کسی چیز پر دھماکا
 اطلاعات اور خبریں وائرلیس کی طرح میرے دل و دماغ پر اتارنے لگتیں۔

بعض اوقات یہ اطلاعات اتنی مکمل اور جامع ہوتیں ہیں کہ میں اور میرا مقابلہ حیرت زدہ رہ جاتا ہوں
 ماننے میں کوئی عار نہیں کہ بعض اوقات یہ اطلاعات یا خبریں نہیں ملتیں۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ فطرت جو معلومات ضرور
 ہے وہ آتی ہیں، جو ضروری نہیں وہ راز میں ہی رہتی ہیں۔ یعنی رب ذوالجلال جو بہتر سمجھتے ہیں وہ بتا دیتے ہیں جو سمجھ
 نہیں بتاتے۔

اکثر اوقات میری پوری کوشش کے بعد بھی خاموشی رہتی ہے جبکہ اکثر اوقات خبریں اطلاعات پوری کی
 روحانی وائرلیس کی طرح میرے دل و دماغ پر وارد ہوتی ہیں۔ یہاں پر میں مختصر کچھ ایسے واقعات بتاتا ہوں جو
 ساتھ بیٹے، باقی اپنی کسی اور کتاب میں تفصیلاً بتاؤں گا۔

صدر پاکستان کا ڈاکٹر کیٹو

بیداری کے اولین دنوں کی بات ہے میں کالج میں بیٹھا تھا کہ مظفر نامی بندہ جو کسی کا ڈاکٹر رہتا تھا میرے

بیس سالہ رفاقت کا خاتمہ

انہی دنوں میرے پاس پنڈی سے میرے جاننے والے ایک پروفیسر صاحب اپنی بیگم کے ساتھ آئے، رات کو

میں کمرہ کی طرف متوجہ ہوا تو وہی پہلے والی اطلاعات، میں بھی حیرت اور پریشانی میں تھا۔ پھر میں نے اُسے
 سے کہا کہ میرے کمرے میں آ رہا ہے کہ تمہاری بیوی تم سے 5 سال بعد شدید لڑائی کرے گی، نفرت کرے گی اور
 طلاق لے گی اور تمہاری لڑائی اس حد تک جائے گی کہ یہ عدالت میں جا کر طلاق لے گی، اگر تم نے طلاق نہ دی تو تم پر غلط
 طلاق لے گی۔ اُس نے طلاق لے لی۔ اور تم مجھے جیل کے اندر سلاخوں کے پیچھے نظر آ رہے ہو، تم کو جیل ہوگی۔

مظفر کیلئے کچھ بھی نہیں ہوگا یہ جھوٹ اور فراڈ ہے میں کبھی طلاق نہیں دوں گا اور نہ ہی وہ میرے ساتھ ایسا سلوک
 کرے گا۔ میں نے علم نجوم علم الاعداد اور پامسٹری کا سہارا لیا ادھر بھی یہی نظر آ رہا تھا۔ اُس نے وقت اور سال پوچھا تو میں
 نے اسے بتا دیا۔ ساری بات باقی دوستوں کے سامنے اور موجودگی میں ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد میری لاہور ٹرانسفر ہو گئی لیکن
 میں دعا کرتا تھا کہ وہ اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں یہ طلاق ہونے جائے۔ میں دعا

لاہور آ کر بھی وہی مصروفیت جاری تھی سارا دن لوگ، لوگ اور لوگ۔ چند سالوں بعد میں آفس میں بیٹھا تھا کہ مظفر
 کی طرف آنا نظر آیا کیونکہ وہ سارا کیس میرے ذہن میں تھا اور میں شدت سے اس انتظار میں تھا کہ کیا ہوتا ہے۔
 میں ملائی سے اپنے کمرے سے نکلا اور دوڑ کر اُس کے پاس گیا اور پوچھا کہ مظفر کیا ہوا خیر ہے نا، وہ کہنے لگا
 میں جیت گئے میں ہار گیا، میں کل رات جیل سے رہا ہوا ہوں اور لوگوں سے پوچھتے پوچھتے آپ
 کے پاس آئی ہوں، اس نے واقعی مجھ سے طلاق لے لی ہے۔ ہماری لڑائی اس حد تک پہنچی کہ عدالت میں کھڑے ہو کر اُس نے
 جیل کے الزامات لگائے کہ مجھے جیل جانا پڑا، اب جیل کاٹ کے آ رہا ہوں۔

میں حیرت اور تجسس سے اُس کی باتیں سن رہا تھا وہ بے چارہ رور رہا تھا اور بتا رہا تھا کہ سرکار میں نے پوری کوشش
 کی کہ اگر وہ جیل سے لیکن میں ہار گیا۔ اُس کی باتیں سن کر میں بھی خوف زدہ ہو گیا تھا اور حیرت میں تھا کہ یہ کیا ہے، کیا ہم
 کے انصاف اتنے زیادہ مجبور ہیں۔

میرے پاس ٹھہرے۔ رات کو تیز بارش ہو رہی تھی، موسم ٹھنڈا تھا جو مری کا معمول ہے، سردی بڑھ چکی تھی۔

پروفیسر صاحب کو اپنی بیوی کی Care اور محبت کا دخت پڑا ہوا تھا، ہم نے اُن کو الگ کر دیا ہوا تھا، صاحب کی شادی کو بیس سال ہو چکے تھے اور انتہائی شاندار ازدواجی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بار بار کمرے سے باہر آتے تھے، کبل دے دو، گرم پانی کر دیں، گرم دودھ دے دیں۔ یہاں تک کہ مجھ سے چھتری مانگی کہ میں مری مال روڈ ہمارا گھر لے کر آؤں، ہمارا کالج مال روڈ سے ایک کلومیٹر دور تھا میں نے پوچھا کیا مسئلہ ہے؟ کہنے لگے جری لینے جا رہا ہوں میری بیوی کو لگ رہی ہے۔ میں نے کہا مجھ سے لے لو، کہنے لگے نہیں غنی، لا کر دیتا ہوں۔ میں بھی اُن کے ساتھ ہو لیا، ان کی Care دیکھ کر مجھے حیرت ہو رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ہماری شادی کو بیس سال ہو چکے ہیں، بڑی کلاسوں میں پڑھتے ہیں، کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا، جاب کے ساتھ سائیڈ بزنس کرتا ہوں اچھا کمایا ہوں، ٹھیک ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ شادی کے بعد تو محبت قصہ پارینہ بن جاتی ہے، یہ کیسے میاں بیوی ہیں جو ابھی بھی محبت میں ہیں۔ میں حیرت اور تحس سے اُن کی باتیں سن رہا تھا میں حیران تھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے اپنی عادت مجبور ہو کر اُن دنوں پر کسر امارا، نام، تاریخ پیدائش پوچھی اور روحانی طور پر بھی جواب مانگا تو مجھے اُس وقت شدید حیرت ہوئی۔

کیونکہ پانچ سال بعد دونوں میں علیحدگی یعنی طلاق نظر آ رہی تھی اور خطرناک بات یہ تھی کہ اس بیوی کے بعد صاحب کی زندگی میں شادی شدہ زندگی ہی نہیں۔ میں بار بار چیک کر رہا تھا اور نتیجہ وہی آ رہا تھا۔ جیسی کہ **دردِ فراق** میں نے دونوں میاں بیوی کو بٹھالیا، پاسٹری، علم الاعداد اور مراقبہ میں بہت دیر چیک کرنے کے بعد میں پروفیسر صاحب الگ لے جا کر جب طلاق اور علیحدگی کے بارے میں بتایا وہ بھی ڈرتے ڈرتے، کیونکہ میں لیلیٰ مجنوں کا عشق دیکھ چکا تھا جب میں نے پروفیسر صاحب سے یہ گستاخی کی تو انھوں نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے مجھے دیکھا جیسے میرے سر پر سینگ اُگ آئے ہوں یا میں نے اُن کی شلوار اتار دی ہو یا میں کوئی پاگل ہوں۔ کہنے لگے: نہیں تم پاگل ہو مرنالہ! تسبیحات سے تم پاگل ہو چکے ہو یا شاید ہماری شاندار ازدواجی زندگی سے حسد کر رہے ہو۔

بہر حال میں نے انہیں جدائی کا سال بھی بتایا۔ انہوں نے شرط لگائی کہ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ بہر حال میں انہیں کہا کہ اگر آپ کی طلاق نہ ہوئی تو مجھے بہت خوشی ہوگی کہ یہ مراقبہ اور پامسٹری سب فراڈ ہے۔

پروفیسر صاحب مجھے چیخ کر کے رات گزار کے چلے گئے۔ اس کے بعد بھی جب کبھی ملتے میرا تمغہ اڑا لیا مذاق کرتے کہ یہ پاگل میری طلاق کا دعویٰ کرتا ہے۔

چند سال بعد میں لاہور آ کر یہاں کی زندگی میں مصروف ہو گیا لیکن یہ کہیں میرے ذہن میں محفوظ تھا اور اب بھی کہ یہ بھی جھوٹ نکلے اور طلاق نہ ہو۔

ایک دن میں لوگوں میں حسب معمول گھرا ہوا تھا کہ اچانک مجھے پروفیسر صاحب نظر آئے، وہ لوگوں سے الگ پوچھ رہے تھے۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو میں تیزی سے ان کی طرف بھاگا، سرخسیت ہے، کیا حال ہے، آپ خیر سے ہیں؟

میری آنکھوں کے سوال کو بھانپ چکے تھے، کہنے لگے: تمہاری کالی زبان پوری ہوئی، میرا گھر اُجڑ گیا، اُس
 گھر کے طلاق لی میں نے، میرے بچوں نے، دوستوں نے، اُس کے ماں باپ، بہن بھائیوں نے،
 اس، پاؤں پکڑے وہ نہیں مانی اور طلاق لے لی۔ میں خوفِ تجسس اور حیرت سے پروفیسر صاحب کی باتیں سن
 کی ہیں میرے رگ و پے میں دوڑ رہی تھیں اور میں خوفِ زدہ تھا کہ یہ پھر کچ نکلا کیا حیرت کدہ ہے؟ مقدر کے
 ہاتھ کتنا بے بس ہے۔

پروفیسر صاحب کی طلاق کے بعد کھیل ختم نہیں ہوا، پروفیسر صاحب نے اس کے بعد دوسری شادی کی جو چند ماہ بعد پروفیسر صاحب مالی طور پر آسودہ ہیں کچھ عرصہ پہلے تیسری شادی کی جو شادی کے بعد شدید ترین فالج کا شکار ہو گئے۔ پروفیسر صاحب ریگولر میرے پاس آتے ہیں اور مانتے بھی ہیں۔ میں کئی بار اُن کے آگے ہاتھ جوڑ چکا ہوں کہ شادی اور بیویاں مارتا بند کریں لیکن وہ بضد ہیں۔ پتہ نہیں پروفیسر کی ہمت کہاں تک جاتی ہے اور ابھی کتنی عرصے میں اب اُن کو شادی نہیں کرنی چاہیے لیکن پروفیسر صاحب ہمت ہارنے کو تیار نہیں ہیں لیکن میرے حساب میں اب اُن کو شادی نہیں کرنی چاہیے لیکن پروفیسر صاحب ہمت ہارنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس طرح کے سیکڑوں واقعات اور بھی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں بتاؤں گا انشاء اللہ۔

از شاه و چ مانچسٹر
پیوی کا عاشق خاوند

ہنس مخالف سے عشق کرنا انسانی فطرت میں ہے اور ہر انسان زندگی میں کبھی نہ کبھی عشق ضرور کرتا ہے۔ میرے
سہارا ہے۔ نو جوان لڑکے، لڑکیاں آچکے ہیں جو ایک دوسرے سے دیوانہ وار عشق کرتے تھے۔ گھر والوں کی شدید
ممانعت کے باوجود گھر سے بھاگ کر شادی کر لی یا گھر والوں کو اتنا زیادہ مجبور کیا کہ وہ شادی کروانے پر مجبور ہو گئے۔ بہت
سہارا ہے۔ نو جوان بھی حساب لگوانے آئے اور جب میں نے کہا کہ تم دونوں کے مزاج مشرق و مغرب ہیں، بالکل نہیں
ملیں اور اگر تم شادی کرو گے تو چند مہینے بھی نہیں چلے گی تو عشق کے اندھے جذبات میں ڈوبے ہوئے نو جوان مجھے چیلنج
کے گئے کہ سر ہم ثابت کریں گے کہ ہم سچا اور حقیقی پیار کرتے ہیں اور یہ پیار شادی کے بعد ہماری موت تک جاری و
مستمر رہے گا۔ لیکن شادی کے بعد جب عشق کا بھوت دماغوں سے اتر اور زندگی کی تلخ حقیقتوں سے واسطہ پڑا تو عشق کے
ممانعت کی طرح بیٹھ گئے اور کچھ جوڑے صرف اس لیے چلتے رہے کہ اب جب گھر اور خاندان والوں کی مخالفت کے
بدون شادی کی ہے تو بھنانا تو پڑے گی، اب گھر والوں کو کیا منہ دکھائیں گے، یا کچھ لڑکیاں جب عشق کی شادی ناکام ہو گئی تو
کی اور تھک شادی یا ملک چھوڑ کر چلی گئیں۔ جب ایسے جوڑوں پر عشق سوار ہوتا ہے تو یہ کسی کی بھی بات ماننے پر تیار نہیں
ہوتے۔ ان کو اللہ ہی صراطِ مستقیم دکھائے ورنہ یہ کسی کے بھی کنٹرول میں نہیں رہتے اور اپنی مرضی کر کے چھوڑتے ہیں۔
شادی سے پہلے تو عشق و محبت کی داستانیں عام ہیں لیکن شادی کے بعد اگر کسی میاں بیوی میں عشق و محبت نظر

آئے تو یہ واقعی ناممکن اور اس دنیا سے باہر کی بات ہوتی ہے کیونکہ میں نے بارہ سال مری میں گزارے ہیں جو ایک مقام ہے۔ اس لیے بے شمار شادی شدہ جوڑے ہمارے پاس آتے۔ ان میں زیادہ تر نئے نئے لیے شادی شدہ جوڑے ہیں جو پہلی بچوں کی زندہ تصویر نظر آتے لیکن شادی کے چند مہینوں بعد ہی مارکنائی اور گالی گلوچ کرتے نظر آتے۔

یہاں جو واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں اس جوڑے کی شادی کو پانچ سال ہو چکے تھے اور ان پائی کے ہرگز رتے دن کے ساتھ ان کے عشق و محبت کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا بلکہ یہ جوڑا اپنے خاندان اور دوستوں میں ایک مثالی رومانوی جوڑے کے نام پر مشہور تھا۔

ان دنوں میں مری میں تھا کیونکہ مری ایک سیاحتی مقام ہے اس لیے وہاں سارا سال مہمان آتے رہتے ہیں۔ ایک دن میرے ایک کلاس فیلو کا فون آیا کہ اس کے شہر سے تقریباً دس بندے سیر کے لیے مری آرہے ہیں۔ تین دن پہلے میں سیر کریں گے۔ اس کے بعد سوات چلے جائیں گے۔ اس نے خاص طور پر کہا کہ تمام بندوں کو ہاسٹل ٹھہرا دینا تاکہ میں سے ایک بھولا نامی اُس کا یار عار تھا، وہ اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے کر آ رہا ہے، اس نے دوستوں کے ساتھ آئے انکار کر دیا تھا کہ میں نہیں جاؤں گا۔ دوست اس کی کمزوری سے واقف تھے کہ یہ اپنی بیوی کا دیوانہ اور اندھا عاشق ہے۔

کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے انہوں نے خصوصی طور پر مجھے فون کر لیا کہ اس لیلیٰ بچوں کو میں اپنے گھر میں کر دے دوں، باقی گروپ کو ہاسٹل میں ٹھہرا دیں، لہذا میں نے ان کے لیے ہاسٹل میں ہاسٹل دیا اور جوڑے کے گھر میں گیسٹ روم تیار کر دیا۔ مقررہ دن تمام لوگ آ گئے۔ تمام لوگ تو ہاسٹل میں ٹھہر گئے لیکن بھولا صاحب، ان کا اصل کچھ اور تھا اور یہ ان کا ٹیک نیم تھا۔ وہ گھبرائے اور پریشان سے میرے پاس آئے کہ جناب مجھے لیڈیز جوگر چاہئیں کہ میری بیوی پہاڑی راستوں پر چلنے کی عادی نہیں ہے اس لیے ایسے شوژ دیں جو پہاڑی راستوں میں بھی آسانی سے سکیں۔ میں نے تین چار لیڈیز جوڑے اس کے سامنے رکھے۔ وہ سارے ہی لے کر جانے لگا تو میں نے پوچھا، ایک جائیں تو وہ بھولا پتہ نہیں اسے کون سا پتہ آئے۔ اس لیے سارے ہی لے کر جا رہا ہوں۔ وہ جلدی جلدی جوتے لے کر گیا۔ اس کی حرکات سے لگ رہا تھا کہ کسی عظیم مشن پر ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کندھے پر بیگ لٹکائے بیوی کا ہاتھ پکڑے اور نظر آیا۔ وہ بہت دھیان سے اسے لارہا تھا کہ کہیں وہ گر نہ جائے اور اسے چوٹ نہ لگ جائے۔ جب وہ قریب آئے تو میں نے اس کی بیوی کو دیکھا، وہ عام شکل و صورت کی درمیانی عمر کی عورت تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ اپنی بیوی کے ساتھ گھر میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر نکلا تو بھولا، لمبے سفر کی وجہ سے وہ تھک گئی ہے، اس لیے میں نے اسے جوس وغیرہ ملا دیا ہے۔ اب میں دوستوں کے پاس جا رہا ہوں۔ جیسے ہی یہ اٹھے گی، میں واپس آ جاؤں گا۔ میں اس کو حیرت اور حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ میرے دوست نے ان دونوں کی جو عشقیہ لوشوری مجھے بتائی تھی، وہ ویسا ہی نظر آ رہا تھا کیونکہ یہ لوگ ساری رات کا سفر کر کے آئے تھے، اس لیے بیوی تقریباً چھ گھنٹے آرام سے سوئی۔ بھولا صاحب چھ گھنٹے سے پہلے ہی آ کر چائے کی فرمائش کر چکے تھے کہ اس کے اٹھنے سے پہلے ہی چائے وغیرہ تیار ہونی چاہیے، لہذا وہ چائے اور بسکٹ وغیرہ لے کر آیا۔

چلا گیا۔ میں ان دنوں گھر میں اکیلا ہی تھا، اس لیے میں نے اسے کہا کہ کچن میں ہر چیز موجود ہے۔ آپ اپنی بیوی سے کہا

میں کال کر کے خود ہی بنا لے۔ آپ کو مکمل اجازت اور آزادی ہے۔ میں کالج چلا گیا اور جب واپس آیا تو کھانا تیار کر دیا۔ میں نے مجھے بھی کھانا دیا، میں نے اس کی بیوی کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولی، بھائی جان کھانا تو بھولا جی نے بنایا ہے۔ میں نے اس کی بیوی اور تھریلی نظروں سے بھولا جی کی طرف دیکھا تو وہ بولا، کھانا گھر میں بھی اکثر میں ہی بناتا ہوں۔ برتنوں اور کھانے کی صفائی تک بھی میں ہی کرتا ہوں۔ ان کے تین بچے تھے جو کہ دادا دادی کے پاس چھوڑ کر آئے تھے۔ بقول بیوی کے وہ بھی مجھے کوئی کام نہیں کرنے دیتے۔ ان کو ڈر ہے کہ مجھے کچھ ہونہ جائے۔ اس لیے ہر کام رات کو ہی کر لیتے ہیں۔ میں نے چلے جاتے ہیں۔ واپسی پر پھر کرتے ہیں۔ بھولے کی بیوی اپنے خاوند کے کارناموں اور تران مریدی پر روشنی ڈالتی ہیں اور میں سوچ رہا تھا کہ بھولا پاگل یا نفسیاتی مریض تو نہیں ہے۔ بیوی باتیں کر رہی تھی اور بھولا محبت عقیدت اور محبت والی نظروں سے بیوی کو دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا تھا کہ ابھی میرے حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ آج آجائے تو پھر بیگ تم دیکھنا میں یہ کرتا ہوں۔ میں حیرت اور تجسس سے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ بیوی کی طرف سے لگ رہا تھا کہ وہ بھولے کے اس عشقیہ رویے سے تنگ آئی ہوئی تھی لیکن وہ اس کو انجوائے بھی کر رہی تھی۔ کیونکہ اس نے اس کے اندر بھی بہت زیادہ تھا، میں انسانوں کو ہر وقت سنڈی کرتا ہوں کہ کون کس مزاج کا مالک ہے اور کون کس شاعر کیس تھا جو شادی کے پانچ سال بعد بھی دیوانہ وار عشق ایک نارمل لڑکی کے ساتھ کر رہا تھا۔ اگر بیوی غیر عادی ہو تو اس کے نام تاریخ وغیرہ پوچھی اور حساب لگانا شروع کر دیا۔ حساب لگاتے لگاتے میری کشفی کھڑکی بھی کھلی۔ اب میں نے پورا حساب وغیرہ لگ لیا تھا، ٹھیک چار ماہ بعد دونوں میں طلاق نظر آ رہی تھی۔ بات طلاق پر ختم نہیں ہوئی۔ وہی کی جان کو بھی خطرہ تھا اور وہ بھی بھولے کے ہاتھوں۔ کیونکہ میں سارا دن سے دونوں کا لا زوال عشق دیکھ رہا تھا۔ اس لیے میں یہ ماننے کو بالکل تیار نہیں ہو رہا تھا کہ ان میں طلاق ہو جائے گی کیونکہ ان میں تو لڑائی کا امکان تک نہیں تھا۔ میں نے ان کو بھی یہ بتا دیا کہ میں نے ان کو کوڑہن میں رکھ کر استخارہ کیا تو مجھے یہ بتایا کہ ان کے رات کو خواب میں بھی دونوں کی طلاق اور بیوی کی جان کو خطرہ تھا، اپنے خاوند کے ہاتھوں سے ہی۔ میں نے اس چیز پر دھیان دیا کہ یہ واقعہ کب رونما ہونے کا خطرہ ہے تو وہی تقریباً چار ماہ بعد رونما ہونے والا تھا۔ جو میں بھی کسی صورت ماننے کو تیار نہیں تھا۔

اب حال وہ تین دن میرے پاس رہے اور اپنے ہنسی مون کو انجوائے کرتے رہے۔ اس دوران میں نے ان کے ہاتھوں اور کپس لیکن ہر بار زلٹ وہی طلاق ہی آ رہی تھی۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر میں تاریخ کے سب سے بڑے مسئلہ کو یہ بتانے کی گستاخی عظیم کرتا تو یقیناً وہ میرا سر پھاڑ دیتا لیکن مجھ سے رہا نہ گیا۔ جس دن انہوں نے جانا تھا، میں ان کی طرف لے گیا اور کہا کہ مجھے آپ سے بات کرنی ہے تو وہ خوش خوشی میرے ساتھ چل پڑا کیونکہ وہ تین دن سے اس رہ رہا تھا اس لیے وہ میرا احسان مند بھی تھا۔ میں اس کو ساتھ لے کر پہاڑی کے اوپر چلا گیا اور ادھر ادھر کی جگہوں پر گھومنا شروع کیا کہ تم اپنی بیوی سے کتنی محبت کرتے ہو تو وہ بھولا، دنیا میں میرے جتنی محبت کوئی خاوند اپنی بیوی سے نہیں

کوئی تعلق نہیں ہے۔

میرے سارے قریبی دوست جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کمال کی یادداشت دی ہے۔ کئی سالوں پرانی باتیں میرے ذہن میں جڑ جاتی ہیں۔

دن گزرتے چلے گئے اور آخر وہ دن آگئے جن دنوں میں خطرہ تھا کہ بھولے کی زندگی میں وہ حادثہ رونما ہونے لگا۔ میں نے اپنے کلاس فیلو فون کیا کہ بھولا کوئی بہت غلط فیصلہ کرنے والا ہے۔ اسے کھواگلے دو دن اپنی بیوی کے ساتھ رہنا پڑے۔ پھٹی لے کر کہیں چلا جائے، مگر میں نہ رہے تاکہ خطرناک گھڑی ٹل جائے۔ میرے دوست نے بتایا کہ اس کے گھر گیا ہوں، وہ گھر پر نہیں ہے۔ وہ سسرال گیا ہوا ہے تو میں نے اسے کہا کہ اس کے سسرال فون کرو کیونکہ ان دنوں وہ سسرال فون زیادہ نہیں تھے۔ میرے دوست کا بھولے سے رابطہ تو نہ ہوا لیکن اس نے کسی کے ہاتھ میرا پیغام پہنچا دیا۔ میرا صاحب نے یہ پیغام بھیجا ہے۔ میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی بڑی گڑبڑ ہونے والی ہے۔ میں نے پوری بات اس کے گھر پر بھولے سے رابطہ نہیں ہوا۔ میں پریشانی میں سو گیا۔ صبح میں جلدی اٹھ کر پہاڑی کے اوپر جا کر ذکر کا کاروبار کیا تو بھولے کے گھر پر پہنچا۔ میں نے اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ باہر تھا، میں اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ میرے سامنے بھولا بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے سے وحشت نیم مردہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اسے دیکھا تو مجھے کچھ ہار گیا ہو، جس کی ہر چیز لوٹ کر اسے کنگال کر دیا ہو، وہ مجھے بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حس و حرکت بیٹھا میری طرف گھور رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور شانے سے پکڑ کر بلایا اور کہا "میں میرا پیغام مل گیا؟" تو وہ شکست خوردہ مردوں کی آواز سے بولا "آپ کا پیغام مجھے اس وقت ملا جب میری والدہ فوت ہو چکی تھی۔" وہ شدت غم سے پھٹ پڑا اور بتایا کہ میں نے اپنی محبوب بیوی کو ناجائز حالت میں جس رشتے دار کے ساتھ دیکھا، اس پر کوئی بھی یقین نہیں کرے گا۔ ہر کوئی مجھے ہی قصور وار ٹھہرائے گا اور میری بیوی نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ وہ اس گناہ عظیم میں پچھلے پانچ سال سے مبتلا ہے، لہذا میرے پاس اسے طلاق دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے اپنی بیوی میرے سامنے ڈھپ بن گئی تو اس کو مارنے کے سوا میرے پاس کوئی حل نہ تھا۔ میں آپ سے باہر ہو گیا اور اس کو وہی طرح ڈھپی بلکہ مرنے کی حد تک کر کے آپ کے پاس آ گیا۔ مجھے جس کا خطرہ تھا، وہ پھر ہو گیا۔ میرے جسم کے ہاں اہل چکی تھی اور میں حیران بلکہ ششدر تھا کہ یہ کشف، چھٹی حس یا روحانی انفارمیشن کیا ہے۔ کبھی تو بالکل نہیں آتی اس طرح آتی ہے کہ تو یہ کیا ہم لوگ تقدیر کے ہاتھوں اتنے زیادہ بے بس ہیں، ہم کتنے با اختیار اور کتنے بے اختیار ہیں۔ اللہ تیرے کھیل تو ہی جانے، ہم تو اندھے کے اندھے ہیں۔

ایک دن کی دہن

یہ واقعہ بھی ایسا ہے جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا بلکہ اُدھیر کر رکھ دیا۔ ان دنوں میں مری میں ہی تھا۔ علم الاعداد،

کرتا جتنی میں کرتا ہوں۔ کیونکہ میں اس کی اندھی محبت دیکھ چکا تھا اس لیے مجھ میں حوصلہ نہیں ہو رہا تھا کہ کس طرح اصل بات بتاؤں۔ یہاں میرا بتانے کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگر بھولے کی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ یاد آنے لگا کہ وہ مجھ سے بیوی کو طلاق دینا پڑے تو وہ Avoid کر جائے۔ کیونکہ اگر بھولا پہلے سے یہ جانتا ہوگا کہ میری زندگی میں کوئی گھڑی یا صورتحال آ سکتی ہے تو وہ سنبھل جائے اور طلاق نہ دے۔ کیونکہ اگر کسی کو بتا دیا جائے کہ یہ ہو سکتا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال سکتا ہے، کیونکہ مجھے بہت زیادہ دکھ ہو رہا تھا کہ روئے زمین کے سب سے بڑے مٹائی اور شادی شدہ جوڑے کا یہ انجام ہونے جا رہا ہے، کیونکہ اگر یہ حادثہ نہ ہو تو مجھے بہت زیادہ خوشی ہوگی۔ میں نے آخر کار کر کے بھولے کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا کہ تم کبھی اپنی بیوی کو چھوڑنے کے بارے میں سوچ سکتے ہو تو وہ نہیں۔ مجھے پوری دنیا کے خزانے اور بادشاہت مل جائے تو میں ٹھوکر مار دوں۔ اگر میری جان دے کر بھی میری بیوی کی جان بچائی جاسکے تو میں اپنی جان دے دوں گا۔ بھولے تم اپنی اس بات پر قائم رہنا کیونکہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ تم یہ نہ آئے کہ تم اپنی بیوی کی جان لینے کی کوشش کرو گے اور تم اپنی بیوی کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہیں کرو گے بلکہ تم دے دو گے۔ آخر کار ہمت کر کے میں نے یہ بات دنیا کے عظیم ترین عاشق خاوند سے کہہ دی۔ یہ بات کرنے کے بعد بھولے کے کسی بھی رد عمل کے لیے تیار تھا کیونکہ میں نے غلطی عظیم کی تھی اور بھولا کچھ بھی رے ایکٹ کر سکتا تھا۔ بھولا میری میری طرف خالی نظروں سے دیکھتا رہا، پھر آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں میں غصہ اور وحشت آنی شروع ہو گئی۔ غصہ اور نفرت سے اس کا جسم کانپنا شروع ہو گیا۔ وہ انتہائی غصے اور بھڑائی ہوئی آواز میں بولا کہ پروفیسر صاحب! میں نے تین دن ہمیں اپنے گھر مہمان نہ رکھا ہوتا تو یقیناً آج آپ کی جان لے لیتا اور دوبارہ اگر پروفیسر صاحب آپ کی ایسی بکواس کی تو میں آپ کے ساتھ بہت برا کروں گا۔ میں نے فوری طور پر Sorry کیا اور بہت پیار اور آرام سے کہا کہ میں بھی یہ نہیں چاہتا بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ اگر کبھی بھی ایسا موقع آئے تو تم طلاق نہ دینا۔ بھولا جی آپ کو بتانے کا صرف اور صرف یہ تھا کہ میں آپ دونوں کی مدد کر سکوں۔ ورنہ مجھے تو خود آپ دونوں سے مل کر بہت زیادہ خوشی ہوگی۔ بھولے کے جسم پر شدت جذبات سے لرزہ طاری تھا اور وہ قہر آلود نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا لیکن میری وضاحت اور سوری کے بعد وہ کچھ نارمل ہوا اور بولا، پروفیسر صاحب میں یہ پامسٹری اور روحانیت کو بالکل نہیں مانتا۔ یہ سب جادو بکواس ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آپ پروفیسر صاحب چار ماہ کی بات کرتے ہیں، میں چھ ماہ بعد آپ کے پاس آؤں گا اور ثابت کروں گا کہ آپ اور آپ کا سارا علم وغیرہ جھوٹ ہے۔ بہر حال بھولا مجھے چیلنج کر کے اپنی لاڈلی اور محبوب بیوی کو بل کر چلا گیا۔ یہاں سے یہ لوگ سوات چلے گئے اور وہاں سیر وغیرہ کر کے یہ لوگ واپس خیریت سے اپنے شہر واپس چلے گئے۔ میں نے اپنی ڈائری میں اندازاً تاریخ نوٹ کر لی۔ جب یہ حادثہ بلکہ زلزلہ ہونے کا خطرہ تھا۔

میں اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا لیکن کبھی کبھار مجھے بھولا اور اس کی بیوی کی دیوانہ وار محبت بہت یاد آتی ہے جب بھی کوئی شادی شدہ جوڑا مری ہمارے ہاں آتا تو مجھے کسی اور ہی سیارے کی مخلوق بھولا اور اس کی بیوی بھی یاد آ جاتی ہے اور میں اس انتظار میں تھا کہ اللہ کرے وہ ٹائم خیریت سے گزر جائے اور میں بھی ریلیکس ہو جاؤں کہ یہ سب اندازے

پاسٹری اور علم نجوم کی بے شمار ملکی و غیر ملکی کتابیں پڑھنے کے بعد اب میں لوگوں کے ہاتھ بہت شوق سے دیکھتا تھا۔ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھی یادداشت دی تھی اس لیے میں جس سے بھی ملتا تو تجربہ کرتا کہ فلاں تاریخ پیدائش اور ہاتھ کی تر تفصیلات میرے دماغ میں محفوظ ہو جاتیں اور میں نے اپنے دماغ میں مختلف گروپس بنا رکھے تھے کہ گروپ نمبر دو کے لوگوں کا یہ مزاج اور حالات و واقعات ہوتے ہیں۔ عرصہ دراز کے مراقبہ، ذکر اذکار اور روحانی رہائی کے نتیجے میں اکثر اوقات بے پناہ کشتی صلاحتوں کا احساس ہوتا اور جو بھی معلومات ایسی حالت میں میرے شعور میں ہوتیں، ان کی صداقت دیکھ کر میں بھی اکثر دنگ رہ جاتا۔ یہ واقعہ بھی ایسے ہی واقعات میں سے ایک ہے۔

یہ بھی میرے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ میں اپنے دوست احباب میں پاسٹ اور صوفی کے نام سے مشہور چکا تھا۔ اس لیے مجھے اکثر شادیوں یا دوسرے فنکشنوں میں جب بھی بلایا جاتا تو ایک لالچ یہ بھی ہوتا کہ حساب و بیل لیس گے۔

میرے بچپن کے ایک دوست کا فون آیا کہ اُس کے چھوٹے بھائی کی شادی ہے اور اتفاق سے تمہارے اسلام آباد میں ہے۔ بھئی صاحب آپ نے ہر صورت میں آنا ہے۔ میرے چند رشتہ داروں نے بھی آپ سے ملنا میں نے شادی کا رڈ آپ کو بھیج دیا ہے۔ میری عزت کا سوال ہے، اس لیے ضرور آنا۔ کیونکہ وہ میرا بچپن کا دوست تھا اس لیے میں اور میرا ایک دوست ہم دونوں مقررہ دن اسلام آباد شادی ہال میں پہنچ گئے۔ شادی ہال میں مجھ سے ملنے کے میرے دوست کے رشتہ دار موجود تھے اور شدت سے میرا انتظار کر رہے تھے، لہذا میں نے ان سے گپ شپ شروع کر دی کیونکہ میں پہلے دن سے آج تک الحمد للہ بلا معاوضہ یہ کام کرتا ہوں تو ہر کوئی پیچھے پڑ جاتا ہے، لہذا میں اپنی فطری روحانیت کی وجہ سے سب سے مل رہا تھا اور لوگوں کے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔

اسی دوران نکاح بھی ہو گیا اور نکاح کے بعد دلہن کو شادی ہال میں لایا گیا۔ اب جب بھی دلہن کو شادی ہال میں لایا جاتا ہے تو ہر کوئی اُس کو بڑے شوق سے دیکھتا ہے۔ میں بھی دیکھنا شروع ہو گیا۔ دلہن اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں کے ہمراہ آہستہ آہستہ سٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں پر دولہا بھائی اُس کا شدت اور اولہا نہ پن سے انتظار کر رہے تھے۔ اب ہال میں موجود تمام لوگوں کی نظریں آنے والی دلہن پر مرکوز تھیں جو عروسی جوڑے اور زیورات میں خوبصورت لگ رہی تھی جیسے ہی دلہن میرے قریب سے گزری تو شاید میری چھٹی حس بیدار ہو گئی یا کشتی یونٹ آن ہو گیا۔ میں بڑے انشہاک سے دلہن کو دیکھ رہا تھا اور دعائیں بھی دے رہا تھا کہ جوڑی کو اللہ نظر بد سے بچائے اور کامیاب ازدواجی زندگی گزاریں۔ ایک دم میرے دل و دماغ میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ یہ شادی نہیں چلتی۔ یہ فلاپ شادی ہے اور خطرہ یہ ہے کہ شادی شاید چند گھنٹوں میں ہی ٹوٹ جائے۔ میں نے اس خیال کو دماغ سے فوری جھٹک دیا کہ یہ میرا وہم ہے، پاگل کیا ہے۔ میں ہر بات پر تنکا بازی شروع کر دیتا ہوں۔ over thinking کی وجہ سے میں ہر ٹھیک بات میں بھی خاموشی تلاش کرتا ہوں لیکن چند گھنٹوں کی دلہن بار بار یہ آ رہا تھا کہ یہ شادی نہیں چلتی، یہ فلاپ ہوگی۔ میں انہی سوچوں اور شکوک میں گم تھا کہ دلہن صاحبہ جا کر سٹیج پر بیٹھ گئی۔ دولہا بھائی نے بہت محبت اور گرم جوشی سے دلہن کا استقبال کیا۔ دلہن کے

پاسٹری اور علم نجوم کی بے شمار ملکی و غیر ملکی کتابیں پڑھنے کے بعد اب میں لوگوں کے ہاتھ بہت شوق سے دیکھتا تھا۔ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھی یادداشت دی تھی اس لیے میں جس سے بھی ملتا تو تجربہ کرتا کہ فلاں تاریخ پیدائش اور ہاتھ کی تر تفصیلات میرے دماغ میں محفوظ ہو جاتیں اور میں نے اپنے دماغ میں مختلف گروپس بنا رکھے تھے کہ گروپ نمبر دو کے لوگوں کا یہ مزاج اور حالات و واقعات ہوتے ہیں۔ عرصہ دراز کے مراقبہ، ذکر اذکار اور روحانی رہائی کے نتیجے میں اکثر اوقات بے پناہ کشتی صلاحتوں کا احساس ہوتا اور جو بھی معلومات ایسی حالت میں میرے شعور میں ہوتیں، ان کی صداقت دیکھ کر میں بھی اکثر دنگ رہ جاتا۔ یہ واقعہ بھی ایسے ہی واقعات میں سے ایک ہے۔

یہ بھی میرے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ میں اپنے دوست احباب میں پاسٹ اور صوفی کے نام سے مشہور چکا تھا۔ اس لیے مجھے اکثر شادیوں یا دوسرے فنکشنوں میں جب بھی بلایا جاتا تو ایک لالچ یہ بھی ہوتا کہ حساب و بیل لیس گے۔

میرے بچپن کے ایک دوست کا فون آیا کہ اُس کے چھوٹے بھائی کی شادی ہے اور اتفاق سے تمہارے اسلام آباد میں ہے۔ بھئی صاحب آپ نے ہر صورت میں آنا ہے۔ میرے چند رشتہ داروں نے بھی آپ سے ملنا میں نے شادی کا رڈ آپ کو بھیج دیا ہے۔ میری عزت کا سوال ہے، اس لیے ضرور آنا۔ کیونکہ وہ میرا بچپن کا دوست تھا اس لیے میں اور میرا ایک دوست ہم دونوں مقررہ دن اسلام آباد شادی ہال میں پہنچ گئے۔ شادی ہال میں مجھ سے ملنے کے میرے دوست کے رشتہ دار موجود تھے اور شدت سے میرا انتظار کر رہے تھے، لہذا میں نے ان سے گپ شپ شروع کر دی کیونکہ میں پہلے دن سے آج تک الحمد للہ بلا معاوضہ یہ کام کرتا ہوں تو ہر کوئی پیچھے پڑ جاتا ہے، لہذا میں اپنی فطری روحانیت کی وجہ سے سب سے مل رہا تھا اور لوگوں کے سوالوں کے جواب بھی دے رہا تھا۔

اسی دوران نکاح بھی ہو گیا اور نکاح کے بعد دلہن کو شادی ہال میں لایا گیا۔ اب جب بھی دلہن کو شادی ہال میں لایا جاتا ہے تو ہر کوئی اُس کو بڑے شوق سے دیکھتا ہے۔ میں بھی دیکھنا شروع ہو گیا۔ دلہن اپنی سہیلیوں اور رشتہ داروں کے ہمراہ آہستہ آہستہ سٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں پر دولہا بھائی اُس کا شدت اور اولہا نہ پن سے انتظار کر رہے تھے۔ اب ہال میں موجود تمام لوگوں کی نظریں آنے والی دلہن پر مرکوز تھیں جو عروسی جوڑے اور زیورات میں خوبصورت لگ رہی تھی جیسے ہی دلہن میرے قریب سے گزری تو شاید میری چھٹی حس بیدار ہو گئی یا کشتی یونٹ آن ہو گیا۔ میں بڑے انشہاک سے دلہن کو دیکھ رہا تھا اور دعائیں بھی دے رہا تھا کہ جوڑی کو اللہ نظر بد سے بچائے اور کامیاب ازدواجی زندگی گزاریں۔ ایک دم میرے دل و دماغ میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا کہ یہ شادی نہیں چلتی۔ یہ فلاپ شادی ہے اور خطرہ یہ ہے کہ شادی شاید چند گھنٹوں میں ہی ٹوٹ جائے۔ میں نے اس خیال کو دماغ سے فوری جھٹک دیا کہ یہ میرا وہم ہے، پاگل کیا ہے۔ میں ہر بات پر تنکا بازی شروع کر دیتا ہوں۔ over thinking کی وجہ سے میں ہر ٹھیک بات میں بھی خاموشی تلاش کرتا ہوں لیکن چند گھنٹوں کی دلہن بار بار یہ آ رہا تھا کہ یہ شادی نہیں چلتی، یہ فلاپ ہوگی۔ میں انہی سوچوں اور شکوک میں گم تھا کہ دلہن صاحبہ جا کر سٹیج پر بیٹھ گئی۔ دولہا بھائی نے بہت محبت اور گرم جوشی سے دلہن کا استقبال کیا۔ دلہن کے

بتاؤ پہلا بیٹا ہی ہو گا نا۔ میں بھی مسکرا پڑا۔ اس کے بعد میں نے کہا ”ہاں، لیکن اس کے لیے مجھے دلہن کا ہاتھ بھی دیکھنا پڑے گا۔“ اس نے دلہن سے کہا۔ دکھاؤ لیکن دلہن تھوڑا سا Avoid کر رہی تھی لیکن دلہا نے زبردستی اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ سامنے کر دیا۔ ہاتھ پر Full مہندی لگی تھی لیکن جب میں نے غور سے دیکھا تو مجھے وہ نظر آ گیا جس کی میں تلاش میں تھا۔ دست شناسی سے دلچسپی رکھنے والے معمولی طالب علم بھی آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ لڑکی کنواری ہے یا شادی شدہ۔ دلہن کا ہاتھ دیکھ کر شدید دھچکا لگا کیونکہ وہ کنواری نہیں تھی۔ اس کی تاریخ پیدائش اور ہاتھ بتا رہا تھا کہ آج کی شادی ہو جائے گی۔ مجھے شدید دکھ بھی ہو رہا تھا کہ کاش ایسا نہ ہو بلکہ یہ سارا میرا وہم ہو اور یہ شادی کامیاب ہو۔ اس کے بعد ادھر کی باتیں کرنے کے بعد میں اور میرا دوست دولہا اور دلہن کو دعائیں دیتے ہوئے سٹیج سے نیچے اتر آئے لیکن دماغ میں ایک بھونچال آیا ہوا تھا۔ میں حد سے زیادہ پریشان ہو چکا تھا کہ پتہ نہیں دلہن والے فراڈ، دھوکا کر رہے ہیں وہم ہے۔ میرا دوست میرے چہرے کے تاثرات کو بھانپ چکا تھا۔ وہ مجھے ایک سائیڈ پر لے گیا اور بولا ”یار کیا ہاتھ تم کچھ پریشان ہو گئے ہو۔ خیر ہے نا۔ کوئی مسئلہ تو نہیں۔“ میں نے اُس سے پہلا سوال یہ کیا کہ بتاؤ یہ رشتہ کس نے کراہا تو وہ بولا، میری بہن کی بیٹ دوست نے یہ رشتہ کرا یا ہے۔ میں نے اسے کہا، مجھے فوری طور پر اپنی بہن سے ملا کر میرے کہنے پر وہ اپنی بہن کو جوم میں سے ڈھونڈ کر میرے پاس لے آیا۔ اس کی بہن مجھے پہلے بھی کئی بار مل چکی تھی دعا کے بعد میں نے دوست کی بہن سے پوچھا ”باجی یہ رشتہ آپ نے کرا یا ہے، آپ کی دوست ہے؟“

دلہن والوں کو جانتی ہے؟“ تو وہ بولی ”بھائی جان، ہم نے پوری تسلی کی ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔“ میرے دوست کی بہن بہت خوش نظر آ رہی تھی کیونکہ دلہن والوں نے اس کو بھی قیمتی تحائف کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات بھی دیے تھے۔ اپنے تحفوں میں اور سونے کے کڑوں میں گم خوشی سے پھولے نہیں سارہی تھی۔ وہ ہم دونوں کو یقین دلا کر واپس لوٹنے کی طرف چلی گئی اور جاتے جاتے کہہ گئی ”بھائی جان آپ کن چکروں میں پڑ گئے ہیں۔ ہم نے اچھی طرح دیکھ بھال کر رکھا ہے۔ آپ کو اگر کوئی غلط فہمی ہوئی ہے تو وہ دماغ سے نکال دیں، ہم سب بہت خوش ہیں۔“ اسی دوران میں میرے دوست کے رشتہ دار آ گئے جو مجھ سے ملنا چاہتے تھے، لہذا میں ان کے ساتھ مصروف ہو گیا لیکن میرے دل و دماغ میں کوئی ایک گئی تھی اور میں مطمئن نہیں ہوا تھا۔ رشتہ داروں سے ملنے کے بعد میں نے بھی اپنے دوست سے چٹھی مانگی اور مری آ گیا۔

مری آ کر میں اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ چند دن بعد میں نے اپنے دوست کو فون کیا اور پوچھا کہ بھائی شادی کیسی جا رہی ہے تو وہ بولا ”بالکل ٹھیک جا رہی ہے اور کوئی مسئلہ نہیں۔“ میرا دوست مجھے سمجھانے لگا کہ یار تم دوستوں کے بارے میں اتنا کیوں سوچتے ہو۔ ہر معاملے میں ٹانگ نہ اڑایا کرو۔ مجھے لگا، میرے دوست کو اس کے بھائی کی شادی کے بارے میں میری دلچسپی بری لگ رہی تھی اور وہ مجھے سمجھا رہا تھا کہ مجھے لوگوں کے نجی معاملات میں دخل یا دلچسپی نہیں لینا چاہیے اور نہ ہی روحانیت اور علم نجوم قابل اعتبار ہے۔ یہ شخص تنکے بازی اور اندازوں کا علم ہے اور حقیقت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ میرے دوست نے مجھے لمبا چوڑا لکچر دے ڈالا روحانیت اور علم پامسٹری وغیرہ کے خلاف۔ میرے دوست

میں نے اپنے قارئین کے لیے وضاحت کرتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھی یادداشت دی۔ کوئی بھی شخص بہت بڑا احسان ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں بے شمار نئے لوگ میری زندگی میں آئے اور بے شمار نئے واقعات رونما ہوئے لیکن کبھی کبھی میں اس واقعہ کے بارے میں ضرور سوچتا کیونکہ میرے دل و دماغ میں سے یہ بات نکلتی نہیں تھی کہ وہ لڑکی کامیاب جا رہی ہے بلکہ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ ان کے اب تین بچے بھی ہو گئے ہیں۔ جب مجھے یہ پتہ چلا تو میں خود شرمندہ اور نادیم بھی ہوا کہ اب جان چھوڑ بھی دو اس کیس کی، اب تو بچے بھی ہو گئے ہیں۔

یہاں پر میں اپنے قارئین کے لیے وضاحت کرتا چلوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت اچھی یادداشت دی۔ کوئی بھی شخص بہت بڑا احسان ہے۔ پچھلے پانچ سالوں میں بے شمار نئے لوگ میری زندگی میں آئے اور بے شمار نئے واقعات رونما ہوئے لیکن کبھی کبھی میں اس واقعہ کے بارے میں ضرور سوچتا کیونکہ میرے دل و دماغ میں سے یہ بات نکلتی نہیں تھی کہ وہ لڑکی کامیاب جا رہی ہے بلکہ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ ان کے اب تین بچے بھی ہو گئے ہیں۔ جب مجھے یہ پتہ چلا تو میں خود شرمندہ اور نادیم بھی ہوا کہ اب جان چھوڑ بھی دو اس کیس کی، اب تو بچے بھی ہو گئے ہیں۔

ہر روز کی طرح میں اپنے لاہور کے آفس میں بیٹھا تھا اور لوگوں کا جوم بھی۔ انہی لوگوں میں میرا ایک دو انگلینڈ میں رہتا ہے، آج کل چھٹیوں پر پاکستان آیا ہوا تھا۔ رش زیادہ تھا اور اس نے آج ہی واپس برطانیہ چلا گیا۔ میرے پاس آیا اور التجا بھرے لہجے میں بولا "بھئی صاحب میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے اور مجھے لمبی بات کرنی ہے۔ آپ سے برائے مہربانی ایک درخواست ہے۔ آپ پلیز میری بات ضرور مانیں۔ میں نے کبھی آپ کو تنگ نہیں کیا۔ آج میری مان لیں۔" میں اٹھ کر روم سے باہر اس کے ساتھ آگیا اور پوچھا خیر ہے نا؟ تو وہ بولا "بھئی صاحب، میں کئی دنوں سے آپ کے گھر کے کئی چکر لگا چکا ہوں۔ آفس بھی کئی بار آچکا ہوں لیکن آپ کے ارد گرد رش دیکھ کر ہلاکتا جاتا تھا۔ آج میں نے واپس جانا ہے، آپ پلیز ایئر پورٹ تک میرے ساتھ چلیں۔ میں نے آپ سے دو معاملات پر بات کرنی ہے اور آپ کی راہنمائی بھی لینی ہے۔" میرا دوست کسی وجہ سے بہت پریشان تھا اور وہ اپنی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ میں اس کو مایوس نہیں کروں گا، لہذا میں نے اسے کہا "ادو، آپ تمہارا کام کریں۔ میں جلدی جلدی ان لوگوں سے مل کر فارغ ہوتا ہوں تو میں آپ کو ایئر پورٹ چھوڑنے جاتا ہوں۔ ایئر پورٹ پر دو کول والوں سے جان پچان ہے۔ میں آپ کو جہاز تک چھوڑ کر آؤں گا بلکہ کوئی مرید ایئر ہوسٹس ہوئی تو اس سے کہوں گا، میرے دوست کا سارے راستے خیال رکھے۔" میں نے اس کی پریشانی رفع کرنے کے لیے اس کو ملنے کا تاکہ وہ ریلیکس ہو جائے۔ وہ بہت خوش اور پرسکون ہو گیا تھا۔ میں جلدی جلدی لوگوں سے ملا اور اس کے ساتھ ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا کیونکہ وہ گھر سے ایئر پورٹ کے لیے تیار ہو کر آیا تھا۔ راستے میں میرے دوست نے بچوں کا مسئلہ بتایا اور اس کی کوئی کزن شدید بیمار تھی، ڈاکٹروں نے اس کو جواب دے دیا تھا۔ وہ اس کے بارے میں پریشان تھا۔ میں نے اس کو حوصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم کریم ہے، وہ ضرور کرم کرے گا۔ اسی دوران ہم ایئر پورٹ پر گئے۔ میں اپنے پر دو کول آفیسر کی مہربانی اور تعاون سے اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا تاکہ بورڈنگ کے بعد جو وقت ہو، میں اس سے تفصیلات بھی کر لوں اور اس کا نام بھی گزر جائے گا۔ ہم جب اندر گئے تو جاتے ہی میرے دوست نے اپنا بورڈنگ کارڈ امیگریشن کرانی شروع کر دی۔ میں نے اپنے دوست سے کہا، آپ آرام سے بورڈنگ کارڈ بنالو۔ میں آپ کا انتظار کرتا ہوں۔ میرا دوست اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور میں وقت گزاری کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسی دوران میری نظر ایک ایسے شخص پر پڑی جس کی وجہ سے میں پچھلے پانچ سے ذہنی کوفت اور خلجان کا شکار تھا بلکہ قدرے تھکا ہوا تھا۔ میرے پانچ سال پرانے سوال کو جواب بنا کر میرے سامنے لے آئی تھی۔

میرا اپنا قابل رشک یادداشت کا ذکر آپ سے کر چکا ہوں۔ میرے سامنے پانچ سال پہلے والا دولہا اور اس کے بیوی بچے تھے۔ دولہا نے مجھے نہیں دیکھا تھا، وہ بھی بورڈنگ کارڈ بنوا رہا تھا۔ اب میری نظریں شدت سے اس کی طرف کوڑھونڈ رہی تھیں لیکن وہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے تین بچے بھی تھے لیکن جو خاتون ساتھ تھی، وہ نہیں تھی۔ میں نے سوچا شاید اس کی کوئی بہن یا سالی وغیرہ ہو۔ وہ بورڈنگ کارڈ لے کر آگے جا کر فلائٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے جب اچھی طرح دیکھ لیا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ کس جگہ پر بیٹھا ہے تو اپنے دوست کی طرف واپس آگیا اور

میں اس کے ساتھ دور ایک کونے میں آ کر بیٹھ گیا اور اس سے مخاطب ہوا "میرے بھائی یہ وہ لڑکی نہیں ہے۔" میرے بچے بھاؤ، یہ کیا ہے۔

اب وہ نارمل اور پرسکون ہو چکا تھا بلکہ اب اس کی آنکھوں میں میرے لیے واضح عقیدت اور احترام بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ اصل حقیقت بتانے پر آمادہ نظر آ رہا تھا، لہذا اب اس نے ساری بات بتادی۔

اللہ اس کے "بھائی جان میں پہلے بھی آپ کی بہت عزت کرتا تھا اور اس واقعہ کے بعد تو میں اب آپ کا مرید ہوں۔ میں نے اپنے کئی جاننے والوں کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ کیونکہ میرے بھائی جان اور ان کے والدین کا میرے اوپر شدید دباؤ تھا کہ میں نے کبھی بھی آپ کو یا کسی کو یہ بات نہیں بتائی لیکن آج شاید تقدیر نے ہمیں مل دیا ہے، لہذا اب میرا انکار کرنا بہت غلط ہوگا۔ میری شادی پر آپ نے جو کچھ بھی کہا، وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوا۔ اسی رات ہی ختم ہو گئی تھی اور آپ نے جو کہا تھا کہ یہ شادی صرف چند گھنٹوں کی ہے، وہ بات بھی سچ ثابت

الحام، چھٹی حس، پامشری، علم الاعداد یہ سب کیا ہے۔ کیا ہم تقدیر کے ہاتھوں اتنا مجبور ہیں۔ کیا لوح
قلم کی قوت میں حیرت اور تجسس کا بت بننا اس کی باتیں سن رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بھی کہ اس نے پانچ سال
وال کا بھی جواب دے دیا۔ واہ میرے مولا۔

عشق کا بھوت

میرے پاس اور میرے جیسے باقی روحانی لوگوں یا نام نہاد جادوگروں اور عالموں کے پاس سب سے زیادہ جو
یہ وہ یہی عاشق لوگ ہوتے ہیں بلکہ ہنگامی جادوگروں اور بازاری ٹھگوں کا کاروبار اگر چل رہا ہے تو انہی
یہ وہ یہی عاشقوں کے طفیل ہی چلتے ہیں۔ دیواروں پر جگہ جگہ عالموں کے اشتہارات ”محبوب آپ کے قدموں
ان کے قدموں میں“ ان کے عاشقوں کے بعد ہماری معصوم اور بے وقوف بہنیں اور بیٹیاں
کے پاس اپنے محبوبوں یا شوہروں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے لاکھوں روپے لٹاتی ہیں بلکہ عالم،
عاشق اور محبوس کی عزتوں سے بھی کھیل جاتے ہیں۔ محبوب یا شوہر کے لیے یہ لوگ آخری حدوں کو بھی کراس کر جاتے
ہیں۔ جب نو جوان لڑکیاں یہ کہہ دیتی ہیں کہ میں اسے پانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو
تیار ہوں۔ ایسی ایسی فحش باتیں کہ میری زبان زیب نہیں دیتی اور نہ ہی میں بتا سکتا ہوں کہ کس طرح یا نام نہاد جادوگر اور
روحانی لوگوں کو لڑکوں کو لولہ بنتے ہیں اور خاندانوں کو قدموں میں لانے والی بیویاں کیا کیا قربانیاں دیتی ہیں۔ اللہ

میں اپنی روحانی زندگی کی ابتدا میں جب نیا نیا عشق حقیقی کے خوبصورت اور دلکش ترین سر میں مبتلا ہوا تھا، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے جلوے نظر آتے تو جب یہ عاشق کبھی مجھے ملتے اور کہتے کہ میں لڑکی کو پانے کے لیے کچھ کر رہا ہوں۔ شروع میں جب میں رات کو ذکر اذکار کرتا اور مجھے نیند آ جاتی تو مجھے آج بھی یاد ہے ایک نوجوان عاشق نے پاس راولپنڈی سے آتا تھا۔ وہ کسی لڑکی کے عشق میں پاگل اور نفسیاتی مریض بن چکا تھا۔ وہ مجھے اکثر آ کر بتاتا تھا کہ میں اس کو پانے کے لیے زہر آدرو گولی تک کھا سکتا ہوں۔ اس نے اکثر مجھے کہنا کہ پروفیسر صاحب جس لڑکی سے میں رات کرتا ہوں، وہ رات 12 بجے سے صبح 4 بجے کے درمیان کسی بھی وقت ایک لمحے کے لیے کھڑکی کھول کر اپنا چہرہ دکھاتی ہے میں اس ایک دیدار یا لمحے کے لیے 24 گھنٹے انتظار کرتا ہوں۔ وہ جان بوجھ کر مجھے تنگ کرنے یا ٹیٹ کرنے کے لیے مجھے 12، کبھی 1، کبھی 2 اور کبھی 4 بجے کھڑکی میں آتی ہے اور میں ساری رات اس ایک لمحے یا جھلک یا دیدار کے لیے انتظار کرتا ہوں۔ اس کی یہ بات سن کر مجھے شدید جھکا لگا کہ یہ مجازی عشق اور دنیاوی لڑکی کے لیے سازی رات جاگتا ہے اور وہ عالمین سے عشق کا دعویدار ہے اور رات کو سو جاتا ہے، لہذا اس دنیاوی عاشق نے میری تربیت کر دی۔ مجھے اس کے

ہوئی۔ بھٹی صاحب آپ نے جو باتیں بھی سٹیج پر کہیں، میں نے بالکل بھی سیریس نہیں لیں بلکہ مذاق ہی سمجھا۔ سہاگ رات کو اپنی بیوی کے کمرے میں گیا تو مذاقاً اپنی بیوی سے کہا، بھٹی صاحب نے مجھے تمہارے بارے میں ساری باتیں بتائی ہیں۔ مجھے تمہارے تمام رازوں کا پتہ چل گیا ہے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا لیکن میری بیوی بہت کچھ بولی، بھٹی صاحب نے آپ کو کیا بتانا ہے، میں خود بھی آپ کو ہر بات سچ بتانا چاہتی ہوں۔ سچ یہ ہے کہ میری شادی ہوئی تھی جو ایک سال پہلے ٹوٹ گئی۔ یہ بات میں نے آپ کی بہن کی دوست کو بتادی تھی۔ پتہ نہیں اس نے بتائی کہ نہیں۔ جہاں میری پہلی شادی ہوئی تھی، وہ میری لومیرج تھی لیکن ہم دونوں کے خاندانوں نے ہماری اس Accept نہیں کیا تھا، لہذا شادی کے بعد بھی دونوں خاندانوں کے دل آپس میں نہیں ملے۔ ساس بہو کے جھگڑے ہوئے۔ میرے میاں نے اپنی ماں کا اور میں نے اپنی ماں کا ساتھ دیا اور وہ شادی طلاق پر آخر ختم ہوئی۔ میں صاحب حیرت کی تصویر بنا اپنی بیوی کی باتیں سن رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا، زمین میرے پیروں کے نیچے سے اگلے سارے زمانے کے پہاڑ میرے اوپر ٹوٹ پڑے ہیں۔ میں غم اور غصے سے پاگل ہو گیا اور اپنے سسرال فون کا ساس نے اٹھایا کیونکہ میں شدید غصے میں تھا، پتہ نہیں کیا اول فول بکواس اور گالیاں دیں۔ میری ساس کو بھی غصا نے بھی مجھے خوب گالیاں دیں کیونکہ میں غصے اور پریشانی میں اپنے ہوش و حواس کھو چکا تھا۔ پاگل پن کی انتہا میں بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ شور سن کر میرے گھر والے میرے کمرے میں آگئے تو میں نے ان کو ساری باتیں بھی کہیں کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے کیونکہ میں شدید غصے میں تھا، میں گھر سے نکل گیا اور گھر والوں سے میرے آنے سے پہلے اس کو اس کی ماں کے پاس چھوڑ آؤ۔ اگر آپ نے اس کو اس کے ماں باپ کے پاس نہ بھیجا تو خود کو گولی مار لوں گا۔ یہ کہہ کر میں کار لے کر گھر سے نکل گیا۔ مجھے فون کیا گیا تو میں نے یہی کہا کہ اس کو فوری طور پر ماں کے پاس چھوڑ آؤ ورنہ میں خودکشی کرنے جا رہا ہوں، لہذا میرے بھائی جان جا کر میری بیوی کو اس کے ماں کے طرف چھوڑ آئے اور میں واپس گھر آ گیا۔ اب سارے گھر والے پریشان کہ صبح ویسہ ہے، اب کیا ہوگا۔ اگلے دن کینسل کر دیا کہ کسی عزیز کی فوتگی ہو گئی ہے اور میرے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ فوری طور پر باہر کے ملک چلے جاؤ۔ شادی کر لو اور لوگوں کو بالکل نہ بتاؤ کہ ہمارے ساتھ اثنا بدھو کا یا فراڈ ہوا ہے۔

کیونکہ ہم لوگ پیچھے سے زمیندار ہیں، اس لیے یہ بات ہمارے لیے بہت بدنامی کا باعث ہوتی لہذا میں اچلا گیا اور چند مہینوں بعد نئی برطانیہ میں شادی کر لی اور اللہ نے مجھے بچے بھی دے دیے۔ بھٹی صاحب ہمارے گھر اور چند دوستوں کے علاوہ کسی کو بھی پہلی شادی کا نہیں پتہ اور گھر میں فیصلہ بھی یہی ہوا تھا کہ کسی کو نہیں بتانا۔ لیکن بھٹی صاحب ہمارے گھر میں آج بھی آپ کی شخصیت پر کئی بار بات ہوتی ہے اور آپ کی حیرت انگیز بلکہ پراسرار باتیں اور پیش گوئی آج بھی حیران ہوتے ہیں۔ میں پانچ سال بعد پاکستان آیا ہوں۔ بے شمار لوگوں سے ملا ہوں۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا وہ دلہن یا بیوی نہیں ہے لیکن حیرت ہے آپ آج تک وہ بات نہیں بھولے۔ آپ واقعی غیر معمولی انسان بلکہ اللہ کے بندے ہیں۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو معاف کر دیں۔“ میں دولہا بھائی کی باتیں حیرت سے سن رہا تھا بلکہ حیرت کہ

سے دعا لینے آئے ہیں۔ آپ نے مولویوں کی طرح تفریح شروع کر دی ہے۔۔۔ بیٹی مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تم بے شادی کر کے رہو گی اور میری کوئی بات نہیں مانو گی لیکن مجھے جو کچھ نظر آیا، وہ تم کو بتانا ضروری سمجھا۔ بیٹی ایک بات اور سنو، بعد تم خود طلاق لو گی اور اگر تمہارے اندر ذرا سی لگی اخلاقی جرأت ہے تو مجھے ملنا ضرور لیکن اس وقت تک تم بہت سارے لوگوں کو ذلیل و رسوا کر چکی ہو گی۔ میرا کام تمام کو بتانا اور سمجھانا، اب فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے۔ میری کسی بات کا مجھ پر اثر نہ ہوا بلکہ اس نے یہ کہہ کر جان چھڑائی۔ ”پروفیسر صاحب! میں روحانیت وغیرہ پر بالکل یقین نہیں کرتی۔ بلکہ بندے کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ بندہ خود اپنی تقدیر بناتا ہے۔“ نیا خون، نئی جوانی، نئے خیالات، وہ کسی کی بات کو تیار نہیں تھی۔ وہ کوئی بھی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے آخری کوشش کی اور اس کے ماضی کے واقعات اور اس کے بارے میں کچھ ایسی باتیں بتائیں تاکہ وہ مجھے یا میرے علم کو مان لے اور میری نصیحت یا مشورے کو بخیریدگی سے لے لیکن یہ وہ دار بھی ناکام گیا اور وہ اپنی بات پر ڈٹی رہی کہ میں یہ شادی بہت سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں۔ میں پڑھی لکھی اور بالغ ہوں اور یہ زندگی میری ہے جس کو گزارنے کا مجھے پورا کا پورا حق ہے۔ وہ بھری شیرنی کی طرح میرے سامنے بیٹھی تھی اور عشق کا زور سر کرنے کے لیے تیار تھی۔ چلو بیٹی اگر یہ شادی کر لو تو بلکہ اس کو نبھانے کی پوری کوشش کرنا اور اپنے مضبوط ارادوں سے اس شادی کو کامیاب کرنا۔ وہ میری طرف مغرور اور تکبرانہ انداز سے دیکھ کر بولی ”پروفیسر صاحب! آپ اور آپ کا علم میرے معاملے میں جھوٹا ثابت ہو گا اور میں اس شادی کو کامیاب کر کے دکھاؤں گی۔“ وہ اور بھی بہت ساری باتیں کہتی رہی۔ میں حیرت سے اُس کو دیکھ رہا تھا کہ یہ آنے والے حالات اور حقائق سے بالکل لاعلم ہے۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں اور محرومی کے فرق سے جب اس کا سامنا ہو گا تو عشق کا بھوت اور جنون تو چند دنوں میں ہی اتر جائے گا۔ اس کے بعد اپنے گھر والوں کو جھوٹا ثابت اور خود کو سچا ثابت کرنے کے لیے پتہ نہیں کتنے دن یا مہینے گزار پائے گی کیونکہ یہ عشق اور شادی چند سالوں نہیں بلکہ چند مہینوں تک ہی چلے گی۔ مجھے دکھ ہو رہا تھا کہ آگ میں کودنے کو تیار تھی۔

یہاں پر میں اپنے قارئین کی خدمت میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ایسے بے شمار کمیز میری زندگی میں آچکے ہیں اور میں یہ ماننے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ میں بھی اکثر اوقات ایسے کمیز میں ناکام ہو جاتا ہوں۔ بے شمار مواقعوں میں جب کوئی دوست یا عزیز اپنی اولاد یا بہن بھائیوں کے ہاتھوں ایسی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں اور روتے تڑپتے میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کو دیکھ دیکھ کر اکثر ایسے عاشقوں کے ساتھ گھنٹوں باتیں، نصیحتیں اور مشورے دیتا ہوں لیکن زیادہ تر بات سننے سے انکار کر دیتے ہیں بلکہ بہت سارے ایسے خاندان جو میرے بہت قریب ہیں اور ایسے بچے جو بچپن سے میری ہر بات مانتے ہیں اور ایسے خاندانوں میں میری عزت پیروں اور مرشد کی طرح کی جاتی ہے۔ جب یہی بچے عقل میں گرفتار ہوتے ہیں تو اگر تو میں ایسے بچوں کی بات مان لوں تو او کے ورنہ یہ مجھ سے دور ہو جاتے ہیں۔ میری عزت و احترام کے بجائے نافرمانی پر اتر آتے ہیں۔

بے شمار کمیزوں میں تو میں ان سے کہتا ہوں کہ جس سے تم محبت کرتے ہو، وہ تم سے پہلے بے شمار محبتیں کر چکا ہو اور اب بھی اس کی لائف میں تمہارے علاوہ بے شمار لڑکیاں یا لڑکے ہیں لیکن یہ مجازی عشق کے اسیر کوئی بھی بات ماننے کو

پاؤں ہوتے۔ ہاں جب ان کا مقابل ان سے دیا یا بے وفائی کرتا ہے تو ان کو ہوش آتا ہے اور پھر یہ مجھ سے اور اپنے دل سے بھی معافیاں مانگتے ہیں۔

اکثر ان کو دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ کسی پر اسرار بیماری یا سحر میں گرفتار ہیں اور پوری دنیا اور والدین ان کے ہاتھوں، رشتہ داروں سے کٹے ہوئے ہیں۔ میں تو اکثر اللہ تعالیٰ سے بھی سوال کرتا ہوں کہ یقیناً یہ تیری بہت بڑی کوئی عیب اور دانائی ہے جو یہ جذبہ انسانوں میں رکھ دیا ہے یعنی مخالف جنس سے محبت اور کشش۔ اس میں بندہ غیر محسوس طور پر گرفتار ہو جاتا ہے۔ کشش اور قوت کے زیر اثر دیوانہ وار اپنے محبوب کی طرف بڑھتا ہے۔ ان پر کوئی خوف، ڈر نہیں ہوتا۔ یہ موت کو گالے کے لیے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ یہ جذبہ اتنا طاقتور ہے کہ زندگی جیسی عظیم نعمت کو بھی گنوانے پر انسان کو تیار کر دیتا ہے۔ انسان محبوب کے نہ ملنے پر خودکشی کو زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ اللہ ہی ایسے عاشقوں کو روکے تو روکے ورنہ یہ نہیں بلکہ ملک میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے سامنے آ کر اگر کہہ دے کہ یہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں تو یقیناً یہ خدا کی انکار کر دیں گے۔

یہ لڑکی بھی انہی عاشقوں کی نمائندہ بن کر میرے سامنے بیٹھی تھی اور ہر دیوار اور رکاوٹ عبور کرنے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں بھائیوں کو چھوڑ کر بھاگ کے لاہور آ گئی تھی۔ ایسی لڑکیاں جب ماں بنتی ہیں اور ان کی نوجوان لڑکیاں جب ماں بنتی ہیں تو ان کو ہر قسم کے غلطیوں اور گناہ کا احساس ہوتا ہے لیکن اس وقت حالات ان کی گرفت سے باہر ہو جاتے ہیں۔ میں نے جب پوری کوشش کرنی اور ماضی کے بے شمار کمیز کی طرح یہاں بھی مجھے ناکامی ہوئی تو میں اس کو دھکیں دیتا ہوں کہ اسے باہر نکل آیا اور اپنے دوست جمال کی طرف بڑھا اور ایک آخری کوشش کرنے کی کوشش کی اور اسے کہا کہ تم بہت بڑی غلطی بلکہ حماقت کرنے جا رہے ہو، یہ لڑکی بالکل بھی تمہاری بھابھی بننے کے لائق نہیں۔ اس کا مزاج اور ذاتی ذمہ داریاں نبھانے کا اہل نہیں ہے۔ وہ بہت پڑھی لکھی اور تمہارا بھائی میٹرک پاس، یہ تم کیا کر رہے ہو تو وہ بولا ”ابھی صاحب! میں پوری کوشش کر چکا ہوں۔ اب ہمارے پاس ان کی شادی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔ آپ ہمارے لیے دعا کریں کہ ہم آج کورٹ میں نکاح کر ادیں کیونکہ اس کے خاندان والے بھوکے کتوں کی طرح ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔“ وہ مجھ سے مل کر ان کو لے کر چلا گیا لیکن میں نے جاتے جاتے اسے کہہ دیا کہ یہ شادی چھ ماہ سے زیادہ نہیں چلے گی۔ ”وہ کہنے لگا“ سر آپ دعا کریں، رات کو مجھے جمال کا فون آیا کہ بھئی صاحب آپ کی دعاؤں سے نکاح ہو گیا ہے۔ اب میں ان کو لاہور چھوڑ کر ملتان جا رہا ہوں۔ ایک ماہ بعد مجھے جمال کا فون آیا کہ لڑکی کے گھر والوں سے کچھ دوستوں کو ڈال کر صلح ہو گئی ہے اور اب وہ لڑکی بھابھی بن کر ہمارے گھر آ گئی ہے۔ آپ کی دعاؤں کے طفیل یہ سب کچھ ہوا ہے۔ میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میری دعائیں نہیں، تقدیر کے تحت سب کچھ ہو رہا ہے۔ دو ماہ بعد جمال کا فون آیا کہ آپ ٹھیک کہتے تھے۔ بہت زیادہ لڑائی جھگڑا شروع ہو گیا بلکہ نوبت مار کٹائی تک جا پہنچی ہے۔ لڑائی جھگڑے اتنے زیادہ بڑھے کہ ہمارے گھر کا سکون برباد ہو چکا ہے۔ چوتھے ماہ فون آیا کہ وہ لڑکی نہیں، جن یا کوئی طوفان ہے۔ طلاق لے کر پتہ نہیں کہاں چلی گئی ہے۔ ایک سال بعد مجھے دعائی سے کال آئی کہ پروفیسر صاحب! میں آپ کی پرانی جاننے والی ہوں۔ آپ کی بددعا مجھے لگ گئی۔

میری شادی ختم ہوگئی اور ساتھ ہی میری زندگی بھی برباد ہوگئی ہے۔ میں وہی ملتان والی لڑکی آپ کے دوست جمال کی بھانجی ہوں۔ وہ میرا شوہر واقعی میرے مزاج کا نہیں تھا۔ کاش میں آپ کی بات مان لیتی، کاش میں گھر سے بھاگ کر شادی نہ کرتی۔ کاش میں آپ کی بات مان لیتی۔ آپ خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں کیونکہ میں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی تھی اور گھروالوں کو بھی ذلیل و رسوا کیا تھا۔ میرے اوپر عشق کا بھوت سوار تھا۔ میں بالکل اندھی ہو چکی تھی۔ میری نظر میں پیار محبت زندگی کی پہلی ترجیح تھی۔ وہ رشتے دار جن کے ساتھ میں نے چوبیس سال گزارے جنہوں نے میری تمام جائز ناجائز خواہشوں کو پورا کیا۔ میں نے ایک لمحے میں سب کچھ بھلا دیا۔ ہر رشتے کو ٹھوکر مار کر عشق کی ٹرین پر سوار ہو کر ایک ایسی خوابوں کی دنیا میں جانے کی کوشش کی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ آپ کو فون کر کے آپ سے معافی مانگنی ہے۔ میرے کرفوت ایسے تھے کہ پاکستان میں رہنا مشکل تھا، لہذا میں اب یہاں دعویٰ آگئی ہوں۔ یہاں پر ایک بھولی پارلر میں کام کرتی ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ میرے لیے دعا کریں اور مجھے بتائیں کہ میری زندگی کا مشکل ترین جو دور چل رہا ہے، یہ کب تک ہے اور اگر میری طرح کی کوئی پاگل عاشق آپ کے پاس کبھی دوبارہ آئے تو اس کو میرا نمبر ضرور دیتے ہیں۔ میں اس کو شاید سمجھا سکوں کہ والدین کی عزت اور احترام والی بچیاں ہی اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور احسانات کا حقدار ہوتی ہیں۔ میری زندگی تو برباد ہوگئی ہے، شاید میں کسی اور کو بربادی سے بچا سکوں۔ میں حیرت سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور اللہ سے دعا کہ اے میرے رب پاک! ان عاشقوں کو تیرے ساتھ کوئی نہیں سمجھا سکتا تو یہ سب کی عزتوں کا رکھوالا ہے، تو ہی مہربان اور رحیم و کریم ہے۔“

عاشق باز نہ آیا

یہ واقعہ بھی پچھلے واقعہ سے ملتا جلتا ہے لیکن اس میں اور اس میں ایک فرق یہ ہے کہ یہاں میں نے عاشق کو نالے کی اور سمجھانے کی پوری کوشش کی لیکن وہ باز نہ آیا۔

کوہ مری میں جب ہر طرف میری شہرت پھیل چکی تھی اور ہزاروں لوگ روزانہ میرے پاس آتے تھے اور ہر معاشرے کی طرح ایک بڑی تعداد ان عاشقوں کی بھی تھی۔ انہی عاشقوں میں سے ایک بہت اچھا لڑکا جس کا نام اسد تھا، میرے پاس آیا اور وہی اپنی دکھ بھری داستان کہ میں ایک لڑکی سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن اس کے گھروالے نہیں مانتے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اپنی لڑکی کو جان سے مار دیں گے لیکن اُس کی شادی تم سے نہیں کریں گے۔ وہ اپنی تمام کوششیں کر چکا تھا۔ مری کے کئی بااثر لوگوں کو رشتہ کے لیے لڑکی والوں کی طرف بھیج چکا تھا لیکن ہر بار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا بلکہ ہر بار لڑکی والوں کا موڈ ٹھیک ہونے کے بجائے سخت ہوتا گیا۔ بقول لڑکی والوں کے اس لڑکے نے پورے مری میں ہمارے خاندان کو ذلیل و رسوا کر دیا ہے۔ یہ دونوں بچپن سے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ بچپن کی معصوم محبت اب جوانی کے عشق میں ڈھل چکی تھی۔ میں نے جب دونوں کا نام اور تاریخ وغیرہ پوچھی تو دونوں ہی ضدی، جلد باز اور فطری بے چین روہیں۔

دونوں فطری طور پر ایسا رجحان رکھتے تھے کہ اپنی بات اور ضد پوری کرنے کے لیے تمام حدود کراس کر سکتے تھے۔ یہاں میں لو میرج اکثر جو ناکام ہو جاتی ہے، اس کی وجہ بھی بتانے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرے پاس آج تک ہزاروں ایسے کیسز آئے ہیں یہ تمام کے تمام Possesive اور Aggressive ہونے کے ساتھ ساتھ ضدی مزاج رکھتے ہیں اور جو چیز ان کے دل کو بھائے، اس کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں صبر اور فطری سکون نہیں ہوتا۔ نہ ہی ایسے لوگوں میں Adjustment کی صلاحیت ہوتی ہے۔ لو میرج کرنے والوں میں سے اکثریت ایسے مرد ہوتے ہیں جو ساری زندگی بار بار کسی کے عشق میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں کیونکہ یہ فطری رومانس پرور ہوتے ہیں جو اسی لڑکی اچھی لگی اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاوندوں کے ہاتھوں تنگ جو خواتین میرے پاس آتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کہتی ہیں کہ ہماری لو میرج ہے۔ اب کیونکہ ایسے شوہر کے مزاج پر رومانس غالب ہوتا ہے۔ اس لیے چند سالوں بعد اسے نیا عشق ہو جاتا ہے اور وہ اپنی فطری روری کے تحت نئی لڑکی کو بھی پانے کی کوشش کرتا ہے۔

میرے پاس ایک بیوی آئی تو میں نے اسے کہا، آپ کی لو میرج ہے تو وہ بولی، ہاں تو میں نے کہا، تمہارا شوہر بہت زیادہ رومانس پرور ہے تو وہ بولی، ہاں مجھے پتہ ہے۔ وہ ہر چھ ماہ کسی نئے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے میں نے اس کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ میں لڑائی جھگڑوں سے تنگ آگئی ہوں۔ وہ باز نہیں آتا، آپ مجھے صبر کی دعا دیں، اس نے تو باز نہیں آیا۔ یہاں پر میں ایک بات کی وضاحت کر دوں۔ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر حال میں خوش اور Adjust کر جاتے ہیں۔ فطری صبر ایسے لوگوں کی Nature کا حصہ ہوتا ہے اور یہ فطری رومانس پسند نہیں ہوتے مثلاً میری جب مری میں جاب ہوگئی تو میری بہت قابل احترام میری بھولی اور سادہ معصوم ماں اکثر مجھے کہتی، کوئی لڑکی بتاؤ جس سے تم شادی کرنا چاہتے ہو تو میں کہتا، میری کوئی پسند نہیں۔ آپ جہاں مرضی میری شادی کر دیں اور جب میری ماں نے میرے لیے لڑکی پسند کی تو مجھے مری میں فون کیا کہ میں نے تمہارے لیے لڑکی پسند کر لی ہے۔ تصویر بھیج دوں تو کیونکہ میرا نیا نیا فقیر کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ میں نے کہا، ماں اگر تصویر دیکھ کر شادی کی تو آپ کی بات تو نہ مانی جہاں اور جس سے آپ کا دل کرتا ہے، میری شادی کرادیں اور مجھے Date بتادیں۔ میں چھٹی لے کر آ جاؤں گا اور ہوا بھی یہی۔ میں شادی سے تین دن پہلے آیا اور شادی کر کے بیوی کو مری لے گیا۔ اللہ کا شکر ہے میری ماں کی پسند میں برکت پڑ گئی اور اللہ کا شکر ہے آج میں بہت خوش ہوں۔ شادی کے معاملے میں ایک بات طے ہے کہ شادی بہت بڑا جوا ہے، اس کا کوئی طے شدہ فارمولا نہیں ہے۔

میں بے شمار بد صورت مردوں کی انتہائی خوبصورت بیویاں دیکھتا ہوں اور بے شمار ہینڈم مردوں کی بالکل عام بیوی دیکھتا ہوں اور میاں بیوی بہت خوش ہوتے ہیں۔

جو لوگ ماں باپ کی بات مانتے ہیں اس میں برکت پڑ جاتی ہے۔ اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ میرے سامنے نوجوان عاشق بیٹھا تھا جو پستول ساتھ لے کر پھرتا تھا کہ اگر مجھے لڑکی نہ ملی تو اس کے گھروالوں کو مار کر خود کو بھی مار لوں گا۔ ایسے پستول والے بے شمار عاشق میرے پاس آتے رہتے ہیں۔ میں نے اس کی بات غور سے سنی اور تسلیج بتائی کہ

کہ لڑکی کے باپ کو سمجھائے، یہ پاگل لڑکی لڑکا مرنے مارنے پر تلے ہیں۔ گھر سے بھاگ جائیں گے۔ لڑکی کے باپ کو سمجھاؤ ان کی شادی کر دیں۔ میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور آخر اللہ تعالیٰ نے سن لی اور لڑکی والوں نے اس شرط کے ساتھ کہ دوبارہ کبھی لڑکی یا لڑکا ہمارے گھر میں نہیں آئیں گے اور نہ کبھی لڑکی ہم سے رابطہ کرے گی، ہمارے لیے یہ مرگئی ہے۔

دونوں نے شکرانے کے نوافل پڑھے اور کہا، آپ ہماری شادی کریں، ہمیں آپ کی ہر شرط منظور ہے۔

اس طرح ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ لڑکا میرا بہت زیادہ دیوانہ اور مرید بن چکا تھا۔ ہر جگہ میرے ہی چرچے کرتا کہ ”بھٹی صاحب کی کیا بات ہے۔“

وقت کا بے راس گھوڑا دوڑتا رہا اور ایک سال بیت گیا۔ چھ ماہ بعد ہی لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ لڑکی کی لڑکے کے گھر والوں سے نہیں بن رہی تھی۔ لڑکا ماں باپ کا ساتھ دے رہا تھا۔ لڑائی جھگڑے جب حد سے بڑھ گئے تو مار کٹائی شروع ہو گئی۔ ایک سال کے بعد اللہ نے بیٹا بھی دے دیا۔ اب نیا جھگڑا بیوی بچے کو داد ادا دی کے اس نہ بچتی تھی۔ اب یہ دونوں اسی گھر میں اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو گئے۔ لڑکا دونوں یعنی ماں باپ اور بیوی کے درمیان رولنگ سٹون بنا ہوا تھا۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ اب پھر مجھ سے رابطہ کہ میری بیوی بہت غصے والی ہے، اس کو ہاتے ہی لڑائی شروع ہو جائے گی۔ بیوی نے دوبارہ خود کشی کی کوشش کی۔ بیوی کے جھگڑوں سے تنگ آ کر اس نے اس کو مارنا شروع کر دیا کیونکہ بیوی بھی ضدی اور جلد باز تھی، انتقام اس کے بھی مزاج کا حصہ تھا، اس نے اپنے گھر والوں سے رابطہ کر لیا کہ میں یہاں بہت تنگ ہوں۔ لڑکی کے گھر والوں نے تو پہلے دن سے ہی اس شادی کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے فوری طور پر اس سے کہا کہ سرال والوں کو چھوڑ کر جلدی واپس آ جاؤ۔ تھوڑے دن تو بیوی کشمکش میں رہی لیکن جب سرالیوں کے ساتھ جھگڑے زیادہ ہو گئے تو واپسی کا سوچنا شروع کر دیا۔ کیونکہ ضدی اور جذباتی لوگوں میں صبر کم ہوتا ہے اس لیے یہ ہر وہ بات جو ان کے مزاج کے خلاف ہوتی ہے، اس پر شدید React کرتے ہیں۔ کچھ دن سوچنے کے بعد لڑکی نے واپسی کا ارادہ کر لیا اور ایک دن موقع پا کر واپس اپنے میکے چلی گئی۔ شدید لڑائی جھگڑوں کے بعد اب دونوں کے عشق اور دیوانگی کے جذبات بھی سرد پڑ چکے تھے۔ اس کے جانے کے بعد لڑکا پھر میرے پاس آیا، ایک نئے کیس کے ساتھ کہ میں نے اپنا بیٹا واپس لینا ہے۔ جب لڑکی نے یہ سنا تو وہ غصے سے اور پھر گلی، کورٹ جاکر طلاق مانگ لی جو اسے چند مہینوں میں مل گئی۔

وہی دو عاشق جو ایک دوسرے کو پانے کے لیے سارے زمانے کو ٹھکرا چکے تھے، آج سارا زمانہ ان کو سمجھا رہا تھا کہ طلاق نہ کو لیکن ایک دوسرے کے سامنے عدالت میں ایک دوسرے پر الزام کی بوچھاڑ کر رہے تھے اور میں ایک بار پھر حیران تھا کہ انسان کتنے روپ بدلتا ہے۔ ایک دوسرے پر جان چھڑکنے والے اتنے تھوڑے عرصے میں ایک دوسرے کی جان کے درپے تھے۔ اور میرے مری والے دوست جب بھی ملتے ہیں تو شرمندہ اور معافی مانگتے ہیں کہ ”بھٹی صاحب،

یہ پڑھو، مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس سے پہلے میں نے اس کو کافی دیر سمجھایا کہ میرے استخارے میں ٹھیک نہیں آیا۔ تم یہ شادی نہ کرو۔ یہ شادی نہیں بنتی۔ تم دونوں جو مزاج رکھتے ہو، یہ شادی کبھی کامیاب نہیں ہوگی لیکن یہ بھی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اس کے بعد میں تقریباً چھ ماہ مری رہا اور یہ لڑکا بار بار میرے پاس آتا رہا۔ ہر بار بتایا کہ وہ ابھی بھی نہیں مان رہا ہے۔ ساتھ اپنی Efforts بتاتا کہ فلاں بندے کو ان کے گھر بھیجا ہے۔ اب یہ ہو رہا ہے، اب وہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ جنونی اور محبت کے روگی ہوتے ہیں اس لیے کوئی بات بھی اپنی مرضی کے خلاف نہیں مانتے۔ یہ لوگ ایک بابے سے دوسرے بابے تک گھومتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو بازاری عاملین خوب لومٹے ہیں بلکہ یہ لوگ بار بار خود آفر کرتے ہیں کہ بھٹا مرضی خرچ ہو جائے ہم تیار ہیں، لہذا بازاری عاملوں کی چاندی ہو جاتی ہے۔ یہ لڑکا میرے پاس بھی آتا رہا اور اسی دوران دوسرے بے شمار اخباری بابوں کے پاس بھی جاتا رہا۔ جب کسی بابے سے لٹ جاتا تو مجھے آ کر بتاتا کہ فلاں بابے نے اتنے بکرے اتنے روپے کھالے مگر فائدہ نہیں ہوا۔ اسی دوران لڑکی والے اس کی حرکتوں سے تنگ آ کر مری چھوڑ کر کسی اور شہر چلے گئے لیکن جب سے موبائل فون آئے ہیں، یہ عذاب اب خطرناک صورت اختیار کر گیا ہے۔ دونوں میں رابطہ جاری تھا۔ یہ جب بھی میرے پاس آتا، میں ہر بار اس کو سمجھاتا کہ میرا استخارہ ٹھیک نہیں آتا۔ اس کا خیال دل سے نکال دو لیکن وہ میری کسی نصیحت پر کان نہ دھرتا۔ جب دوسرے بابوں سے مایوس ہو جاتا تو پھر میرے پاس آ جاتا۔ اسی دوران مہری ٹرانسفر مری سے لاہور ہو گئی۔ آخری دن جب میں لاہور آ رہا تھا تو یہ بہنوئی خوش فتنی کس اور واسطے ڈالنے لگا۔ میرا یہ کام کر دیں، میں اس کو حوصلہ دے کر لاہور آ گیا۔

مجھے لاہور آئے ابھی ہفتہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یہ لاہور آ گیا۔ میں نے اس کو بہلا پھسلا کر واپس مری بھیج دیا اور کہا کہ یہ ورد کر کے 41 دن بعد آنا، ٹھیک 41 دن بعد یہ پھر لاہور آ گیا۔ اب اس نے نیا کام شروع کر دیا کہ میرے مری کے دوستوں کو ایک ایک کر کے ہر بار ساتھ لاتا، میں ہر بار بہلا پھسلا کر اس کو واپس کرتا رہا۔ سارا دن میرے فون کی شامت آئی رہتی، ہر وقت مجھے فون کرتا۔

آخر کار اس نے نیا کام کیا، میرے مری کے خاص اور قریبی دوستوں کو دیگن میں بھرا اور لاہور آ گیا۔ میں آفس سے جب گھر آیا تو پوری بارات میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے حیرت سے پوچھا ”خیر ہے، آپ بتائے بغیر سارے لاہور آ گئے ہو اور بتایا بھی نہیں۔“ میں نے گھر میں مہمانوں کے لیے کھانے کا کہا اور ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ میرے پوچھنے پر میرے دوستوں نے بتایا کہ ہم سب اس کی سفارش لے کر آئے ہیں۔ آج ہم خالی ہاتھ واپس نہیں جائیں گے۔ اس کا کام کر دیں، اس کی شادی کر ادیں۔ میں نے ایک بار پھر سب کو بتایا کہ یہ غلط جگہ شادی کر رہا ہے۔ یہ شادی بری طرح ناکام ہوگی۔ اس کو سمجھائیں لیکن سب نے کہا، آپ ایک بار کر ادیں۔ میں نے بار بار اس کو اور ساتھ آنے والوں کو سمجھایا لیکن وہ کوئی اور بات سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔

”چلو اگر یہ اپنی زندگی خراب ہی کرنا چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔“ میں نے اس کو تسلیج بتائی اور خود بھی دعا کرنے کا وعدہ کیا۔ جس لڑکی کو یہ پسند کرتا تھا، اس کے باپ کا ایک دوست میرا مرید تھا، میں نے اس کو بھی فون کیا

آپ نے اس لڑکے اور ہم سب کو بہت سمجھایا تھا لیکن یہ عاشق باز نہ آیا۔“

انوکھا عشق

پچھلے صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں کہ میرے پاس آنے والوں میں ایک بڑی تعداد ان عاشقوں کی ہوتی ہے لیکن یہ عاشق صاحب ان تمام سے بہت مختلف تھے اور ان کا عشق بھی انوکھا اور نرالا تھا۔

میں ان دنوں مری میں تھا کہ رات کو میرے نوکر نے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مری کی ایک خاص بات یہ تھی کہ پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے مری میں رات کو بہت سکون ہوتا ہے۔ عشاء کے بعد لوگ ایک دوسرے کی طرف ہاتھ نہیں جاتے۔ اس میں ایک وجہ ڈریفک کا نہ چلنا بھی ہے تو رات نوبت کے کسی کا آنا حیرت والی بات تھی۔ میں نے دروازہ کھولا تو سامنے ہمارے کالج کا نوکر کھڑا تھا اور کچھ گھبرایا ہوا بھی لگ رہا تھا۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگا ”سر کوئی بہت بڑے آفسر آئے ہیں۔ کسی بڑی جھنڈے والی گاڑی میں۔“ سرکاری ملازمین پیارے ساری زندگی اپنے اعلیٰ افسران کے خوف اور تابعداری میں ہی گزار دیتے ہیں کیونکہ مری ایک سیاحتی علاقہ ہے جہاں پر سارا سال مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اعلیٰ افسران بھی مختلف بہانوں سے مری آتے رہتے ہیں لیکن میرا نوکر گھبرایا ہوا اس بات سے تھا کہ یہ کوئی جھنڈا والی گاڑی ہے۔ یہ بتا کر وہ آنے والے مہمان کی اہمیت زیادہ Show کر رہا تھا، لہذا میں بھی فوری طور پر سڑک کی طرف گیا جہاں پر گاڑی کھڑی تھی۔ ابھی میں گاڑی سے دور ہی تھا کہ ایک آدی گاڑی کا دروازہ کھول کر تیزی سے میری طرف بڑھا اور آتے ہی سلام کہہ کر جھک کر میرے گھٹنوں کو احتراماً چھوا جو میں بالکل پسند نہیں کرتا لیکن لوگوں کی خوشی اور اپنی فطری نرم دلی اور وضع داری کی وجہ سے کچھ نہیں کہا۔ مجھے لگا کہ آنے والا کوئی ڈرائیور یا ملازم ہے اور اصل بندہ گاڑی کے اندر موجود ہے۔ اسی دوران میں گاڑی کے قریب پہنچ گیا لیکن مجھے وہاں جا کر حیرت ہوئی کہ گاڑی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اب میں ڈرائیور کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ کس نے مجھ سے ملنا ہے اور آپ کے آفسر کدھر ہیں تو وہ بولا، سر کار میں نے ہی ملنا ہے۔ اس نے بتایا کہ میں کسی بڑی شخصیت کا ڈرائیور ہوں۔ وہ شخصیت کوئی خاتون تھی۔ سرکار آپ بڑے لوگوں سے تو ملے ہیں، آج میرے جیسے غریب سے بھی مل لیں۔ میں بہت بری مصیبت میں ہوں اور بڑی امید سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ پلیز آرام سے بیٹھ کر پہلے میری بات سن لیں۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور ہم گاڑی میں بیٹھ گئے اور میرا نوکر اپنی ڈیوٹی دے کر اپنے کواٹر میں چلا گیا۔

سرکار! میں صبح اس سڑک سے گزرا تو یہاں پر ہزاروں لوگوں کا جھوم تھا تو میں نے لوگوں سے آپ کے بارے میں پوچھا تو مجھے لگا کہ آپ ہی میرا مسئلہ حل کر سکتے ہیں۔ میں کافی عرصے سے ایک ایسی آگ میں جل رہا ہوں کہ میری جان بھی جاسکتی ہے۔ اس نے میرے پاؤں پکڑ لیے۔ میں پیچھے ہٹ گیا اور بولا، مجھے گنہگار نہ کرو۔ پتہ نہیں اسے کیا ہوا، اس نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ سرکار! خدا کے لیے مجھے اس تکلیف سے نجات دلائیں، میرا مسئلہ حل کر دیں۔ میں

اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں قسم کھاتا ہوں، خود کو مار لوں گا کیونکہ اب اس سے جدائی مجھ سے رہاشت نہیں ہوتی۔ اس کو پانے کے لیے میں نے دردر کی خاک چھانی ہے۔ اس کو پانے کے لیے بے شمار بابوں، عاملوں کے پاس جا چکا ہوں لیکن مجھے میرے من کی مراد کو پانے کا ابھی تک کوئی راستہ نہیں ملا۔ اب میں بہت زیادہ امید اور آس لے کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ خدا کے لیے آپ مجھے نامراد واپس نہ کریں یا تو مجھے اللہ سے اسے لے دیں یا پھر میری دعا کی دعا کریں کیونکہ اس کے بغیر میری زندگی موت سے بھی بدتر ہے۔ اگر آپ نے بھی مجھے نامراد واپس کر دیا تو میں بھوکوں گا کہ یہ بزرگ، فقیر، درویش بھی سب ڈراما بازی ہے۔ لوگوں کے جذبات سے کھیلنے کا ڈراما ہے۔ سرکار اگر میں کوئی گستاخی کر رہا ہوں تو معافی چاہتا ہوں۔ آپ مجھے ہر صورت میں اللہ سے اسے لے کر دیں، میں ساری عمر آپ کی دلائی کروں گا۔

اس کے علاوہ بھی وہ دیر تک اسے پانے کی باتیں کرتا رہا اور میں خاموشی سے اس کی باتیں سنتا رہا کیونکہ ایسے اعلیٰ عاشقوں اور ڈپریشن کے مریضوں کی جب تک بات نہ سنی جائے، ان کی تسلی نہیں ہوتی۔ جب وہ اچھی طرح اپنے دل کی ہراس نکال چکا تو میں بولا ”بتاؤ تم کس سے عشق کرتے ہو کیونکہ تمہاری عمر بتا رہی ہے کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو تو آخر یہ عاشق کس سے ہو گیا؟ وہ کون سی عورت ہے جس نے تمہیں پاگل بنا دیا ہے۔ جس کے لیے تم آگ میں کودنے کو تیار ہو۔“

از شہ کا لکھے سے لگے کو تیار ہونا چاہیے

اس کا جواب سن کر مجھے شدید جھٹکا لگا اور میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ”کیا؟“ میں حیرت سے بولا۔ ”ہاں سرکار، میں اپنی مالگن کے عشق میں گرفتار ہوں۔ مجھے پتہ ہے وہ آسان کا چاند، میں زمین کا کیڑا، وہ ریشم کا ٹکڑا، میں ٹاٹ کا بوسیدہ ٹکڑا۔ وہ کوئی نور ہیرا اور میں بنجر پتھر کا ٹکڑا۔“ میں جو کافی دیر سے اسے روایتی عاشق سمجھ کر اس کی باتیں سن رہا تھا، اب الٹ ہو کر بیٹھ گیا کیونکہ اس کی عشقیہ داستان کا یہ موڑ بہت دلچسپ تھا اور میں انسانی فطرت پر غور کر رہا تھا کہ یہ ذات بات اور طبقاتی تقسیم کو اکثر اوقات نہیں مانتی۔ جب اس نے اپنی مالگن کا نام بتایا تو میں اور بھی حیرت زدہ ہو گیا اور انتہائی مصلحت کے تحت میں یہاں اُس کا نام لینے والی غلطی کبھی نہیں کروں گا۔

مجھے اب اس غریب ڈرائیور سے اُنس سا ہو گیا تھا اور مجھے واقعی اب اس پر ترس بھی آ رہا تھا کہ اس نے کتنا بڑا روگ پال لیا ہے۔ کہیں یہ روگ اس کے لیے جان لیوا ثابت نہ ہو۔ مجھے اب اس سے اور اس کی محبت سے دلچسپی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس وقت میرے پاس رش بھی نہیں تھا اور اس کی عشقیہ داستان بھی دلچسپ تھی۔ اس لیے میں پوری توجہ اور دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ میرے خیال میں تو وہ خاتون پہلے سے شادی شدہ ہے اور شاید اس کے بچے بھی ہیں تو وہ بولا، ”جناب ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن بی بی جی اپنے خاوند سے دو سال پہلے طلاق لے چکی ہیں۔ میں ان کے پاس پچھلے دس سال سے ملازم ہوں اور میں ان کے پاس ملازمت سے پہلے ہی عشق کرتا ہوں اور ان کے پاس ملازمت کرنے کی بڑی وجہ بھی اُس سے محبت تھی۔ کیونکہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھیں، اس لیے میں دل ہی دل میں ان کی پوجا کرتا تھا اور یہ بات کبھی بھی زبان پر نہیں لایا لیکن دل ہی دل میں ہمیشہ یہ دعا کی کہ کوئی معجزہ ہو جائے اور بی بی مجھے مل

اگل کر آنے والے کو پہچاننے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے جلد ہی اسے پہچان لیا۔ یہ وہی ڈرائیور تھا جو اپنی مالکن کے محل میں گرفتار کچھ دن پہلے مجھ سے مل کر گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اور اس کا جوش و خروش بتا رہا تھا کہ وہ K2 کر کے آ رہا ہے۔ خوشی اس کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی اور ایک ایسی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نظر آ رہی تھی کہ ہماری دنیا کے خزانے مل گئے ہوں یا وہ دنیا کے تمام مقابلے جیت کر آ رہا ہے۔

جیسے ہی ہماری نظریں ٹکرائیں، اس نے نعرہ مارا ”سرکار زندہ باد، واہ جی واہ“ وہ پتہ نہیں خوشی اور نشے میں کیا کابل ہوا میرے قریب آ گیا اور آتے ہی میری ٹانگیں پکڑ لیں۔ میں نے اسے پکڑ کر گلے سے لگا لیا۔ اس کی حرکتوں اور ہرے پر بھی مسکراہٹ سا حال بتا رہی تھی کہ وہ اپنے محبوب کو پا چکا ہے اور اسے صدیوں کی ریاضت کا انعام مل چکا ہے۔ وہ کالی دیر تک اپنی خوشی کا اظہار اور میرا شکریہ اور تعریف کرتا رہا۔ جب وہ نارمل ہوا تو ہم دونوں اسی پہاڑی پر بیٹھ گئے تو میں نے اس سے پوچھا کہ ”بتاؤ کس طرح تم نے ہمت کر کے اظہار محبت کیا؟“ کیونکہ مجھے بھی بہت اشتیاق ہو رہا تھا کہ کس طرح زمین آسمان کا ملاپ ہوا۔ یہ ناممکن کام کس طرح ہوا۔

تو اس نے اپنی داستان اظہار محبت اس طرح بتائی کہ یہاں سے جانے کے بعد میں دو دن بہت کنفیوز رہا کہ کس طرح اظہار محبت کروں لیکن دو دن کے بعد میں نے آپ کی ہمت دلانے کی وجہ سے فیصلہ کر لیا کہ جیسے ہی مجھے ملے گا تو میں اپنے دل کی بات اپنی مالکن سے کر دوں گا۔ آخر کار ایک ہفتے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ موقع دے دیا۔ ہم لوگ موٹر وے پر سفر کر رہے تھے۔ آسمان بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوند باندی بھی ہو رہی تھی یعنی موسم اکی خوشگوار اور رومان والا بنا ہوا تھا۔ میں شدید کشش میں تھا کہ کیسے بات کروں کہ آخر مجھے کچھ اور جب نہ سوچا تو میں نے گاڑی ایک ویرانے میں روک دی۔ ہمارے ملازمین کی ایک گاڑی بھی تھی۔ اس گاڑی کے ڈرائیور سے میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ میں نے راستے میں بی بی جی سے اپنی کوئی ذاتی بات کرنی ہے، لہذا جیسے ہی میں گاڑی روکوں، تم تمہیں رٹنا یا آگے جا کر روک لینا، لہذا جیسے ہی میں نے ویرانے میں گاڑی روکی تو دوسری گاڑی آگے چلی گئی اور میں کار کا ہارٹ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس دوران پوری ہمت اکٹھی کر کے واپس کار میں آ کر پستول پکڑا اور بی بی جی سے کہا کہ بی بی جی مجھے آپ گولی مار دیں ورنہ میں ویسے ہی مر جاؤں گا۔ جب میں نے پستول بی بی جی کو پکڑا نے کی کوشش کی تو ایک دم اس بات کے لیے کیونکہ وہ تیار نہیں تھیں، حیران ہوتے ہوئے بلکہ مجھے ڈانٹتے ہوئے بولیں ”یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو اور گاڑی کیوں روکی ہے؟ تم کیا چاہتے ہو اور تمہارا اصل ارادہ کیا ہے۔“ میری اس اچانک حرکت سے بی بی جی حیران، پریشان بلکہ اب غصے میں نظر آ رہی تھیں۔ میں بی بی جی کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے پھر بولا ”بی بی جی آپ مجھے گولی مار دیں۔ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔“ بی بی جی پریشانی میں بولی۔ ”اگر تم مرنا چاہتے ہو تو خود کو مار لو۔ میں کیوں تم کو ماروں۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ اصل بات بتاؤ، تم یہ کیوں کر رہے ہو؟ مسئلہ کیا ہے۔“ مجھے اصل بات بتاؤ۔“ میں نے شدت غم سے رونا شروع کر دیا۔ ”بی بی جی میں جو آپ کے پاس اتنے عرصے سے نوکری کر رہا ہوں، یہ صرف آپ کی محبت اور عشق میں کرتا ہوں۔ میں آپ کو دیکھ کر زندہ ہوں۔ آپ کو دیکھ کر میری زندگی کی سانسیں چلتی ہیں۔ میں آپ

جانیں۔ آخر کار اللہ پاک نے میری برسوں کی دعائیں سن لیں اور بی بی جی کی اپنے خاوند سے علیحدگی ہو گئی۔ اب مجھے دو سال سے میں ہر در بار اور گدی پر بی بی جی کو مانگتے جا چکا ہوں۔“

میں نے اس سے اس کا نام، والدہ کا نام اور تاریخ پیدائش پوچھی اور بی بی جی کی بھی اور استخارہ کرنے کی کوشش کی کیونکہ مجھے ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا کہ ان دونوں کا ملاپ ہو سکتا ہے یا یہ اپنی من کی مراد کو پالے گا لیکن مجھے حیرت کا شدید خوشگوار جھٹکا اس وقت لگا جب میرے استخارے میں ہاں آئی۔ میں نے بار بار یہ استخارہ کیا، ہر بار ملن، شادی اور ہاں آ رہی تھی۔ اب میں نے علم الاعداد اور اس کا ہاتھ دیکھا تو یہاں بھی جواب مثبت آ رہا تھا۔

تقدیر اس ڈرائیور کے ساتھ اس کی زندگی کا سب سے خوبصورت کھیل کھیلنے جا رہی تھی اور اس کی ناممکن خواہش اور مراد پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ میرے پاس جو بھی ذرائع تھے، میں نے سب کوڑائی کیا اور ہر جگہ جواب ہاں میں آ رہا تھا۔ مجھے حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ مقدر کتنا خوبصورت تمہارے اس کو دینے کے لیے تیار ہے۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا، ”خوش ہو جاؤ، وہ تمہیں ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے گی۔ یہ ایک فقیر کا تم سے وعدہ اور دعا ہے کہ تم اپنی منزل کو جلد پانے والے ہو۔ تمہاری سالوں کی ریاضت اور محنت تمہاری دعاؤں کا ثمر تمہیں جلدی ملنے والا ہے۔“

”سرکار وہ واقعی ہی مجھے ملے گی یا آپ مجھے حوصلہ دے رہے ہیں؟“

”میں حوصلہ نہیں دے رہا بلکہ انشاء اللہ اگلے دس دن میں وہ تمہاری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری سن لی ہے۔“

”سرکار وہ کیسے میری ہوگی؟ میں تو جاہل آدمی ہوں۔ آپ مجھے گائیڈ کریں، میں کیا کروں۔“

”تم صرف تمہائی میں موقع پا کر اس سے اظہار محبت کر دو۔ انشاء اللہ وہ ناں نہیں کرے گی۔ جاؤ اور جا کر اسے کرو، مقدر تمہاری جھولی میں تمہارے زندگی کی سب سے بڑی خواہش ڈالنے کو تیار ہے۔ جاؤ اظہار کر دو اور اس کو پالو۔“

اس کو میری باتوں کا یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا کہ کیا واقعی میری برسوں کی تپسیا کا انعام مجھے ملنے والا ہے۔ وہ خوفزدہ بھی تھا کہ کہاں وہ اور کہاں میں؟ میں کس طرح اظہار محبت کروں۔ وہ ڈر رہا تھا لیکن میرے حوصلہ دینے پر وہ تیار ہو گیا۔ میں نے اسے جاتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ جب بھی اظہار محبت کرو تو دو دن انتظار کرنا، انشاء اللہ دو دن تک تمہارے سوال کا جواب ہاں میں مل جائے گا۔ میں نے اس کو ہمت اور حوصلہ دے کر بھیج دیا۔ وہ چلا گیا اور میں بھی اپنے گھر آ گیا۔ گھر آ کر میں نے پھر کیس کو چیک کیا اور ہر بار مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ ان دونوں کا ملاپ نظر آ رہا تھا اور میں تقدیر کے نرالے کھیل کے طور پر اس کیس کو بھی دیکھ رہا تھا کہ تقدیر، مقدر، لوح محفوظ میں کیسے کیسے اتار چڑھاؤ ہیں۔ انسان کتنا با اختیار اور کتنا بے بس ہے۔ بہر حال جو بھی ہے اس انوکھے عاشق کا عشق ہمارا ہونے جا رہا تھا۔ اس کی مراد برآنے والی تھی۔ تقریباً پندرہ دن اس واقعہ کو گزر رہے ہوں گے کہ ایک دن میں مکان کے پیچھے اوپر پہاڑی پر بیٹھا ذکر اذکار اور نظام کائنات پر غور کر رہا تھا۔ اس دن مریضوں کا مخصوص دن بھی نہیں تھا۔ مری میں کبھی کبھار ہی سورج دیوتا اپنے درشن کراتے ہیں۔ آج سورج دیوتا پوری طرح اپنا فیض بانٹ رہے تھے اور میں سورج کی Heat کو انجائے کر رہا تھا کہ مجھے نیچے سے ایک بندہ تیزی سے اپنی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ میں بھی اپنی مراقباتی کیفیت

میں گناہ کبھی بھی نہیں کروں گا۔“ میری یہ بات سن کر بی بی جی نے مجھے گلے سے لگالیا اور کہا ”تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔“ اگلے دن انتہائی رازداری اور تنہائی میں میرا اور بی بی جی کا نکاح ہو گیا۔ اس شرط پر کہ یہ بات کسی بھی صورت میں نہیں ہوگی کیونکہ معاشرہ اس بات کو کبھی بھی قبول نہیں کرے گا۔ پروفیسر صاحب! آخر اللہ نے آپ کی دعاؤں سے کوئی ملال مجھے دے دی۔ وہ ڈرائیور کافی دیر باتیں کرتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں دیدارِ یار کے بعد کے تاثرات تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ مثلاً شیان حق جب روزِ محشر سرکارِ مدینہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خالق کائنات کا دیدار کریں گے تو اس کا عالم کیا ہوگا۔ مجازی عاشق کی خوشی کے بجائے عشقِ حقیقی کے نظارے اور دیدار کی کیفیت کیا ہوگی۔ واہ میرے دادا، میرا عشق نرالا، تُو بھی نرالا۔

حکومت کی تبدیلی

ان دنوں میں مری میں ہی تھا بہت سارے لوگ میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔ میں رات کو اپنے لان میں پائل قدمی کر رہا تھا کہ لاہور سے پروفیسر عارف صاحب میرے پاس آئے ہوئے تھے جو آج کل لاہور میں ہی رہتے ہیں۔ یہاں پر حکومت کے کئی کئی بڑے بڑے افسر بھی آئے ہیں۔ اس لیڈر یا پارٹی کی حکومت فلاں تاریخ کے بعد نہیں ہے۔ ابھی اُس تاریخ میں کئی مہینے گزر چکے ہیں وہ دونوں شدید حیرت سے مجھے دیکھنے لگے کہ کوئی ایسے حالات نہیں یہ کیسے ہوگا؟ لیکن مجھے یہی معلومات ملیں کہ فلاں تاریخ کے بعد حکومت نہیں چلے گی۔ بعد میں یہ بات پورے شہر میں پھیل گئی اور آخر جب اس تاریخ کو حکومت ختم ہوئی تو پروفیسر صاحب اور میں بھی شدید حیرت میں تھے اور پروفیسر صاحب آج تک میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ نے کیسے حساب لگایا۔

اُس پیشین گوئی کا مجھے خیال نہ تھا۔ بہت سارے بااثر لوگ میرے پیچھے پڑ گئے کہ آپ کس بنیاد پر کہتے ہیں کہ حکومت نہیں چلے گی لہذا اب سیاسی پیشین گوئی سے میں نے توبہ کر لی ہے۔

اللہ کی رہنمائی

اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہے کہ انسان کچھ چاہتا ہے اور رب کائنات کچھ اور میں آپ اگر اپنے ماضی پر غور و خیر فرمائیں تو یہ حقیقت واضح ہے کہ ہم کچھ چاہتے تھے اور رب ذوالجلال کچھ اور، ہوتا وہی ہے جو میرا رب چاہتا ہے جو رب ذوالجلال کا پلان ہوتا ہے اُس کے اسباب اور حالات بنا دیتا ہے۔

میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ میرا دم یار روحانیت کی طرف آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن وہ بار بار معاشرے کو

سے بے پناہ عشق کرتا ہوں۔ یہ بات مجھے کھائے جا رہی ہے، اب بھی اگر میں یہ بات آپ کو نہ بتاتا تو شاید میں مر جاتا۔“ میں روتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر اپنی دلی کیفیت اور داستانِ عشق سنارہا تھا اور بی بی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ بی بی جی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ میں ان کے لیے عشق کا روگ دل میں لیے پھر رہا ہوں۔ میں نے اپنی ساری بات کر لی تو بی بی بولی ”بکواس بند کرو اور چلاؤ گاڑی۔ میں تمہارا گھر جا کر فیصلہ کرتی ہوں۔ گاڑی گاڑی۔“ پروفیسر صاحب آپ کے حکم پر اظہارِ محبت میں نے کر دیا۔ بی بی جی کے کہنے پر میں نے دوبارہ گاڑی چلا دی۔ بی بی کافی دیر مجھے ڈانٹتی رہیں اور پھر چپ ہو گئیں۔

اسی دوران ہم گھر پہنچ گئے۔ ایک دن آرام سے گزر گیا۔ میں سرکار آپ کی پیش گوئی کے انتظار میں تھا۔ اگلے دن بی بی جی نے مجھے کہا کہ رات 12 بجے میرے پاس آنا، میں نے تم سے بات کرنی ہے، لہذا میں رات کو ڈرتا ہوا بی بی جی کے کمرے میں داخل ہوا۔ بی بی جی میری طرف غور سے دیکھتی رہی اور بولی، میں تم کو کل نوکری سے نکال رہی ہوں۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔ مجھے تم سے خطرہ ہے۔ میں نظریں جھکائے کھڑا تھا اور ہاں یہ ڈراما تمہیں کس نے بتایا تھا؟ میں آنکھوں میں تھیں گولی ماروں گی۔ بی بی نے پستول نکال لیا اور آ کر میری کپٹی پر رکھ دیا۔ ماروں گی؟ ”ہاں ماریں، آپ کے ہاتھوں مرنا میری خوش نصیبی ہوگی۔“ چند لمحوں میں انتظار کرتا رہا۔ آخر بی بی جی کی آواز آئی ”بیٹھ جاؤ صوفے پر۔“ میں ان کے چہرے پر غصے کے بجائے ہلکی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ بولیں ”تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔“ میں نے ہاتھ میرے لیے مر سکتے ہو۔ تمہیں موت سے ڈر نہیں لگتا۔ کیوں مجھ سے اتنا پیار کرتے ہو۔“ بی بی جی یہ میں بھی نہیں جانتا۔ بس کرتا ہوں، کیوں کرتا ہوں؟ یہ میرا رب جانتا ہے۔ اب بی بی کا لہجہ نارمل تھا۔ انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کر دیا۔ یہ تم غلط کر رہے ہو۔ میرا تمہارا کوئی جوڑ نہیں اور یہ خیال ہمیشہ کے لیے دل سے نکال دو۔ لیکن میں نے انکار کر دیا کہ بی بی جی یہ میرے بس میں نہیں۔ میں کتنے عرصے سے خود سے جنگ لڑ رہا ہوں لیکن میں بے بس ہو گیا ہوں۔ اس لیے اپنے دل کی بات آپ سے کر دی۔ اس کا مطلب ہے، تم باز نہیں آؤ گے۔ اگر میں تمہیں یہاں گولی ماروں گی تو میرے لیے مسئلہ ہو سکتا ہے۔ ٹھہرو میں تمہیں باہر جا کر گولی ماروں گی اور واپس آ جاؤں گی۔ تم دوسرے کمرے میں ایک گیارہ انتظار کرو۔ میں تمہارا آج بندوبست کرتی ہوں۔

میں آ کر دوسرے کمرے میں بیٹھ گیا اور دل میں اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرنی شروع کر دی۔ آخر ایک گھنٹے بعد بی بی جی نے پھر اندر بلایا اور کہا ”تم اب بھی مرنے کے لیے تیار ہو؟“ تو میں نے کہا ”اب بھی، دس سال بعد بھی، سو سال بعد بھی، قیامت۔“ صرف آپ سے محبت کروں گا۔“ اچھا تم باز نہیں آؤ گے۔ باہر جا کر تم کو گولی مارتی ہوں۔“ میں نے کہا، ٹھیک ہے۔ بی بی جی مجھے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ بولی، چلو اگر تم مجھ سے اتنا ہی پیار کرتے ہو تو آؤ اپنی ہوس پوری کر لو۔ جو میرے ساتھ کرنا ہے۔ کر لو۔ شاید تم کو سکون مل جائے۔ میں بولا ”نہ بی بی جی نا، کبھی یہ بات سوچنا بھی نہ۔ میں گناہ آپ کے ساتھ سوچ بھی نہیں سکتا۔“ بی بی نے بعد میں بتایا کہ اگر تم میرے ساتھ برائی کرنے کی کوشش کرتے تو میں نے واقعی تمہیں گولی مار دی تھی، میں صرف تمہیں آزماتی تھی۔ ”تو تم کیا چاہتے ہو؟“ میں آپ کے ساتھ شادی کرنا چاہتا

میری طرف متوجہ کرتا رہا کہ لوگ میری طرف آئیں ایسے واقعات مجھ سے سرزد کرائے کہ لوگ جہوم در جہوم میری طرف آئیں، میں ایک پٹلی کی طرح وہی کئے جارہا ہوں جو وہ چاہتا ہے۔

خونفاک جناتی کیس

ابتدائی دنوں کی بات ہے کہ طالب علم اور بچے کے ٹھیک ہونے کے بعد بہت سارے لوگ میرے پاس شروع ہو گئے تھے۔

مری اور اطراف میں بھی میرے گاؤں کی طرح نہ ماننے والے لوگوں کی اکثریت ہے۔ جب لوگوں نے میری طرف آنا شروع کیا تو یہ نہ ماننے والا گروپ حرکت میں آ گیا۔ یہاں بھی میرے رب ذوالجلال نے ہمیشہ کی طرح مدد کی اور اسباب پیدا کئے۔ انہی ابتدائی دنوں میں مری کے اطراف میں فیصل نامی لڑکا تھا جس پر آسیب کا سایہ تھا۔ اس کی شہرت انتہائی خونفاک تھی۔ اُس پر جو آسیب یا جنات تھے وہ اتنے طاقتور اور خونفاک تھے کہ بہت سارے عامل اور نام لہا صوفی ذلیل ہو کر بھاگ چکے تھے۔ جب وہ بچہ بیمار ہوا تو مری کا نامی گرامی عامل جو خود کو عقل کل اور بہت بڑا عامل سمجھتا تھا اُس کا علاج کرنے گیا۔ اُس عامل صاحب نے جیسے ہی اُس بچہ کو دیکھا کہ اُس کی کوشش کی جوت نے اُس کا سر فیر ناگئیں اوپر کر دیں۔ یہ واقعہ سب کے سامنے ہوا، یہ حقیقی اور سچا واقعہ ہے۔

بہت منت سماجت کے بعد عامل صاحب کی جان چھوٹی تو عامل صاحب نے کہا میرے مرشد کے پاس جائیں لہذا اس لڑکے کو جو پندرہ سال کا تھا مرشد پاک کے پاس لے گئے۔ مرشد صاحب نے جیسے ہی دم کیا جنات نے مرشد صاحب کو زمین سے تھوڑا اٹھا کر پورا گول چکر دیا۔ مرشد صاحب بھی ڈر گئے انھوں نے اسے آگے بھیج دیا۔ اس طرح یہ لڑکا کئی عاملوں اور بابوں کو ذلیل کر چکا تھا۔ بہت سارے عامل آئے اپنے جوتے اور بیگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اللہ کی ذات نے اہل مری کو میرا بھرپور تعارف کروانا تھا، لہذا اب میری باری آئی۔

ایک دن میرے دوست پروفیسر طارق عباسی نے مجھے کہا کہ ہمارے گاؤں میں یہ لڑکا ہے آپ اس کا علاج کر لیں گے؟ میں نے کہا انشاء اللہ، آپ بچے لے آئیں۔ اس بچے کی شہرت یہ تھی کہ جو بھی اسے دم کرتا ہے اس عامل کے یا بابا جی کے گلے پڑ جاتا تھا اور زمین پر گرا کر اوپر بیٹھ جاتا تھا، لوگ منت سماجت کر کے جان چھڑاتے۔ اُس دن شام کا وقت تھا میں اپنے گھر کے صحن میں بیٹھا تھا اور مری سے کچھ میرے مخالفین آئے ہوئے تھے کہ آپ یہ دم وغیرہ کیوں کرتے ہیں؟ ثابت کریں کہ اسلام کے مطابق ہے۔ ہم یہ کام یہاں نہیں ہونے دیں گے۔ کیونکہ میں مری میں پر دیسی تھا لیکن میرے کچھ دوست شیراز صاحب اور فاروق عباسی صاحب میرے پاس بیٹھے میری حمایت کر رہے تھے۔

میں نے مخالفین سے کہا کہ میں تو خود نہیں چاہتا لوگ آ جاتے ہیں میں دم کر دیتا ہوں۔ مخالفین میرے دوستوں

میں فطرتاً نرم مزاج اور صلح جو ہوں، میرے ملنے والے تمام لوگ اس بات سے متفق ہیں کہ بھٹی صاحب کو کبھی نہیں آتا مسکراہٹ کے ساتھ ہر ایک سے ملتے ہیں۔ لیکن جب بھی ایسا مریض میرے سامنے آتا ہے تو میرے اندر ہر گز روح حلول کر جاتی ہے یا کوئی قوت اندر سے بیدار ہو جاتی ہے، میرا وجود جوش و ولولے سے بھر جاتا ہے اور میرا دل کہہ رہا ہے شیطان قوتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ فیصل جیسے ہی میرے قریب آیا کہ اس شروع کر دی، پینٹ والے پیر کا پیر خیر نہیں، ماسٹر (پروفیسر) آج تو بھاگے گا۔ اُس پر دشت طاری تھی وہ پاگلوں کی طرح دیوانہ وار میری طرف بھاگتا تھا۔ میں بھی جوش سے بھرا ہوا تھا وہ میری طرف دوڑا میں اُس کی طرف۔ مجھے لگا جیسے مجھے کوئی قوت اُس کی طرف سے ہمارے ہی ہے یہ تماشا بہت سارے لوگ دیکھ رہے تھے مخالفین گروپ بہت خوش تھا کہ آج پروفیسر کی شامت آئی۔

جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے اُسے پکڑا اور اٹھا کر زمین پر مارا اور اُس کے اوپر بیٹھ گیا وہ بھرپور مزاحمت کرتا تھا۔ ہم دونوں پر دشت اور جنون طاری تھا۔ میرے اوپر کوئی قوت سوار تھی جو یہ کر رہی تھی۔ آخر کافی مزاحمت کے بعد وہ میرے قریب آیا تو میں نے کہا کہ بتاؤ تم کون ہو کیوں اس لڑکے کو تنگ کر رہے ہو، آخر بھرائی ہوئی آواز اسے آئی۔

یہ ساری کارروائی بہت سارے لوگ دیکھ رہے تھے جو آج بھی گواہ کے طور پر موجود ہیں۔ یہاں پر مخالف گروپ کا سربراہ بولا کہ یہ سب جھوٹ اور پاگل پن کا دورہ ہے، کوئی جن آسیب نہیں ہے۔ جب اس نے یہ کہا تو میں لڑکے کو پکڑ کر پیچھے ہٹ گیا اور اُن صاحب سے کہا کہ اس کو پکڑے۔ اب جیسے ہی اُس صاحب نے لڑکے کو چھوا تو وہ دور جاگرا، اب اس کے ساتھیوں نے مل کر جب لڑکے کو پکڑنے کی کوشش کی تو سب دور جا گئے۔ اب مخالف گروپ خوف زدہ ہو چکا تھا اور دشت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ ڈر گئے تو میں آگے بڑھا اور پھر اُس پر سوار ہو گیا تو اُس لڑکے نے پھر مزاحمت ترک کر دی۔ اور اب یہاں پر مخالف گروپ نے آخری کوشش کی کہ کوئی ثبوت دیں کہ یہ واقعی جنات ہیں؟ اب وہ بچہ لڑکا اور آسیب میرے سامنے زیر ہو چکے تھے اور تعاون پر آمادہ تھے وہ بچہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا کیا ثبوت دوں؟ میں نے کہا ہر آدمے کا بلب روشن کریں۔ اب یہ سب کے سامنے ہوا کہ اک دم بین دہنے کی آواز آئی اور بلب روشن ہو گیا۔ اُن دن کے قریب کوئی نہیں گیا تھا۔ اسی طرح میرے کہنے پر بلب بند کر دیا گیا۔ اگلا ثبوت یہ دیا کہ گلاب کے پھولوں کی لٹو چاروں طرف پھیل گئی۔ پھر اُس بچے نے مخالفین گروپ کے سربراہ اور اس کے گھر کے بارے میں ذاتی باتیں لانا شروع کر دیں۔

اب مخالفین ہار مان چکے تھے کہ پروفیسر صاحب یہ واقعی آسمانی کیس ہے اور آپ ہی اس کا علاج کر سکتے ہیں اور لہذا آپ مری میں پر دیسی ہیں اس لیے آج سے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔

اب جنات نے معافی مانگی اور کبھی دوبارہ نہ آنے کا وعدہ کیا اور بچے کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ تمام منظر وہاں موجود لوگ تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ بچہ ٹھیک ہو گیا۔ میں جتنا عرصہ مری میں رہا وہ اور اُس کی ماں میرے پاس آتے رہے اور ہر بار اُس کی ماں میرا شکریہ ادا کرتی رہی۔

اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کیونکہ ربّ ذوالجلال نے مری میں مجھ سے روحانی کام لیا تھا اس لیے میری مخالفت ختم کرانے کے لیے اللہ نے اس لڑکے کو ٹھیک کر دیا۔ جب یہ لڑکا ٹھیک ہوا تو مری اور اطراف میں یہ بات پھیل گئی کہ فیصل پروفیسر صاحب کے پاس ٹھیک ہو گیا۔ اب وہ سارے مخالفین اور نام نہاد بابے بھی میرے پاس آئے اور بہت سارے شاگرد کی خواہش لے کر آئے اور مری میں میرا ہجوم جب ہزاروں میں چلا گیا تو یہ لوگ نہ کی مدد کرتے۔

اس واقعہ کے بعد مری میں میری مخالفت ختم ہو گئی کیونکہ میں پہلے دن سے آج تک بلا معاوضہ یہ خدمت کر رہا ہوں لہذا لوگوں میں میری محبت اور مقبولیت بڑھتی چلی گئی۔

اس کے بعد بے شمار واقعات اور مریض آئے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہوتے گئے۔

جلالی گونگے لڑکے کا ٹھیک ہونا

مری سے جب ہم لاہور آ گئے تو میرا اور میری بیوی کا ارادہ یہی بنا کہ یہاں پر دم وغیرہ نہیں کرنا نہ ہی ہجوم اکٹھا کرنا ہے۔ کیونکہ مری میں بے پناہ شہرت اور ہزاروں کے مجمع کی وجہ سے ہماری پرسنل لائف تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ نہ کسی بازار جاسکتا تھا نہ ہی کسی جگہ کیونکہ میں جہاں جاتا، پروفیسر صاحب آئے ہیں کا شور مچ جاتا یہاں تک کہ ہم اپنے لان میں چائے بھی نہ پی سکتے، کوئی نہ کوئی آ جاتا۔

یہاں پر میں اپنی شریک حیات اور بچوں کا ذکر کرتا چلوں کہ میری بے پناہ مصروفیت میں اکثر میری فیملی متاثر ہوتی ہے اپنی فیملی کو نام نہیں دے سکتا۔ مجھے مری کی وہ راتیں یاد ہیں جب شادی کے بعد بھی میں ساری ساری رات مراقبہ اور چلنے و غائف کرتا، ترک حیوانات اور پرہیزی کھانے، آفرین ہے میری شریک حیات پر کہ میری ہمہ وقت روحانی مصروفیات پر ایک تو وہ کبھی رنجیدہ خاطر نہیں ہوئی، ایک مغربی دانشور کا قول ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے عورت کا کردار ہوتا ہے اس بات کو اگر میں اپنی زندگی پر منطبق کروں تو یہ نظریہ سو فیصد درست معلوم ہوتا ہے۔ آج روحانیت میں میری ہر بھی ترقی ہے اس میں جہاں میری ماں کی دعائیں شامل ہیں وہاں میرے روحانی سفر میں میری مونس و غماور میری رفیقہ حیات کے مثالی کردار سے صرف نظر کرنا میرے لئے ممکن نہیں۔

جب ہم لاہور منتقل ہوئے تو ہمارا یہ ارادہ تھا اور میرے اللہ کا کچھ اور۔ لاہور میرے لیے نیا شہر تھا۔ یہاں خاموشی کے چند دن ہی گزرے تھے کہ ایسا واقعہ پیش آیا جس کے بعد رش شروع ہو گیا۔ شاہ صاحب جو مری سے میرا سامان

لے کر آئے تھے وہ اپنے اڈے پر سارا دن میرا اشتہار چلاتے، میری تعریفیں اور خوبیاں بیان کرتے، جب شاہ صاحب نے لاہور آمدنی تعریفیں کیں تو جو مخالفین تھے انھوں نے جلنا شروع کر دیا کہ شاہ صاحب جھوٹ بولتے ہیں یہ روحانی علاج نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب کے مخالفین نے پلان بنایا کہ شاہ صاحب کے مرشد کو چیک کرتے ہیں کوئی ایسا کیس لے کر لاوے گا جو بہت مشکل ہو اور کسی سے بھی ٹھیک نہ ہوا ہو۔ تو انہیں پتہ چلا کہ شیخ پورہ روڈ پر گاؤں میں ایک ایسا نوجوان گونگا تھا جس کی زبان بند ہے جنات کی وجہ سے کئی سال سے، وہ جنات اُس لڑکے پر قابض ہیں۔ بے شمار نام نہاد عامل اور شاہ صاحب کا علاج کرنے کی ناکام کوشش کر چکے ہیں لیکن ابھی تک تمام کے تمام ناکام ہو چکے ہیں بلکہ بہت سارے بابے لاپرواہ ہوئے اور بیک چھوڑ کر بھاگ چکے ہیں۔

اُس لڑکے کو جیسے ہی کوئی صرف دم کرنے کی کوشش کرتا تو وہ لاکا عامل یا بابے کو گردن سے پکڑ لیتا تھا اور زمین پر گر کر مارتا تھا۔ لڑکا نوجوان اور طاقتور تھا اگر عامل خود کو چھڑا کر بھاگ بھی پڑتا تو لڑکا پیچھے ہوتا اور وہ عامل آگے آگے۔ یہ لڑکا اُس دن لڑکی کا دیکھ چکے تھے جب بھی کوئی علاج کرنے کی کوشش کرتا تو دس سے پندرہ بندے موجود ہوتے جو عامل صاحب کی جان چھڑاتے۔

بہت سارے عامل اور بابوں کو بھاری لالچ دے کر بلایا جاتا اور جب وہ کوشش کرتے تو لڑکا ان کے ساتھ بہت زیادہ لڑائی لڑتا اور پھر چلا جاتا اور وہ عامل کو پکڑ کر مارتا۔

شاہ صاحب کے مخالفین کو جب یہ پتہ چلا تو وہ بہت خوش ہوئے کہ یہ وہ کیس ہے جس میں شاہ صاحب اور پروفیسر صاحب کو نمٹ کیا جاسکتا ہے۔ وہ لوگ شاہ صاحب کے پاس گئے کہ ہمارا ایک عزیز لڑکا ہے اُس پر بہت لوٹا ک جنات قابض ہیں اُس کا علاج کئی عامل کرنے کی کوشش کر چکے ہیں اتفاقاً نہیں ہوا لہذا پلیز آپ اپنے پروفیسر صاحب کے پاس لے چلیں۔ شاہ صاحب کو سوشل کام کرنے کا بہت شوق ہے ڈیرہ پروقت آباد رہتا ہے لوگوں کی مدد اور مسائل حل کرنا شاہ صاحب کی پرانی عادت ہے۔ یہ سارے زندہ کردار ہیں اور اللہ کے فضل سے اللہ ہیں، بلکہ اب میرے پاس بھی اُس گونگے بچے کا موبائل نمبر اور ایڈریس لکھا ہے۔ اگر کوئی ان سے ملنا چاہتا ہے تو مل سکتا ہے۔ جن لوگوں کو اس واقعہ پر ذرا بھی شک ہو، وہ ملنا چوگی پر شاہ صاحب اور ان لوگوں سے رابطہ کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔ یہاں میں ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ سب میرے رب کا کرم تھا اور ہے، یہ سارے لوگ میرے رب نے ٹھیک کیے ہیں۔ بعض لوگ ٹھیک نہیں بھی ہوئے اصل میں میرا رب میری عزت بڑھاتا ہلاکار ہے اور میں تشکر و امت اور حیرت سے یہ دیکھ رہا ہوں میں صفر ہوں اور میرے رب کا کرم خاص، میں جب اسی مشکل میں ہوتا ہوں اُس نے ہمیشہ میری مدد کی۔

میرے لاہور آنے کے بعد میرا رب یہاں بھی لوگوں کو میری طرف متوجہ کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ کوئی ایسا کام کرنا چاہتا تھا کہ لوگوں کو میری روحانیت کا پتہ چلے اور شاید ربّ ذوالجلال اس لڑکے کو اسی لیے میری طرف لا رہا تھا۔ میں دفتر میں کام کر رہا تھا کہ شاہ صاحب کا مجھے فون آیا کہ جناب کدھر ہیں، میں نے کہا شاہ صاحب خیر

ہے نا، شاہ صاحب: ہمیشہ کی طرح ایک لڑکا بیمار ہے اُس کو آپ کے پاس لانا ہے، آپ گھر کب آئیں گے؟ آئیں؟ میں نے کہا چار بجے تک پہنچ جاؤں گا۔ میں جب گھر پہنچا تو شاہ صاحب بیس بندوں کے ساتھ لڑکے کو کھڑے تھے۔ میں نے کہا شاہ صاحب خیر ہے یہ بارات کیوں لے کر آئے ہیں، ساتھ ہی میں نے ڈرائنگ روم کھول کر سب کو اندر بٹھا دیا۔

اُس وقت میرے پاس درود روحانیت سیکھنے والے بھی آئے ہوئے تھے اور دعوے دار بھی تھے کہ ہم جنت لائے کے پیٹلٹ ہیں۔

ڈرائنگ روم مردوں سے کھپا کچھ بھر گیا کچھ لوگ بیٹھ گئے کچھ کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا لڑکا کون سا ہے مجھے بتایا گیا یہ ہے میں نے جب اُس کو نگے لڑکے کی طرف دیکھا تو اُس پر وحشت اور جنوں طاری تھا مضبوط، طاقتور اور اکثر صوفے پر بیٹھا تھا۔ جیسے سب کو کھا جائے گا۔

میں نے شاہ صاحب سے پوچھا اتنے لوگ ساتھ کیوں آئے ہیں تو شاہ صاحب کے بجائے ساتھ آئے والوں میں سے ایک بندے نے بتایا کہ ہم سب آپ کو چھڑانے کے لیے آئے ہیں، جیسے ہی آپ نے اس کو دم کرنا ہے اس کو آپ کو پکڑ لیتا ہے اور پھر ہم آپ کو چھڑا لیں گے۔ وہ لوگ ایک قسم کا مجھے ڈرار ہے تھے کہ سوچ لیں علاج کرنا ہے کہ نہیں مختلف عاملوں کی باتیں کیں کہ کس طرح وہ بھاگے اور ہم نے کس طرح اُن بابوں کی جال چھڑائی۔

میرے پوچھنے پر بتایا گیا کہ کئی سال پہلے کس واقعہ کی وجہ سے اس لڑکے کی زبان بند ہوئی اور آج کتنا عمر گزرنے کے بعد بھی یہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔ ہم در بدر بے شمار مزارات اور بابوں کے پاس جا چکے ہیں لیکن افادہ نہیں ہوا، کون سا در ہے جہاں ہم لوگ نہیں گئے۔ اب شاہ صاحب نے آپ کا بتایا تو آپ کے پاس آ گئے ہیں۔ لڑکے کا شریک باپ یہ سب بتا رہا تھا ساتھ آنے والے ایک دوسرے کو اشارے کر رہے تھے اور طنز یہ مسکراہٹ بھی کہ آج پروفیسر صاحب کی خیر نہیں۔ میں نے لڑکے کی طرف دیکھا جو غصے اور وحشت سے مجھے اور سب کو دیکھ رہا تھا۔ میرے پاس جو روحانیت کے دعوے دار بیٹھے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ جنات نکالنے اور دم کرنے کے ماہر ہیں آپ میں سے کون اس لڑکے کو دم کرے گا؟ دونوں عامل خوفزدہ تھے۔ ڈر اور خوف ان کے چہروں سے عیاں تھا انھوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ مجھے بھی منع کیا کہ آپ بھی یہ کوشش نہ کریں۔ مخالفین نے ہنسنا شروع کر دیا کہ شاہ صاحب آپ کو تو کہا تھا کہ یہ کام کسی کے بس کا نہیں اور نہ ہی پروفیسر صاحب اس کا علاج کر سکتے ہیں۔ اُن کی طنز یہ مسکراہٹ اور گفتگو سن کر مجھے غصہ اور جوش آ گیا، میرے اوپر وہی کیفیت طاری ہونا شروع ہو گئی جو اکثر مختلف اوقات میں ہو جاتی ہے۔ جوش غصہ میرے وجود پر چھاپا تھا کسی اور قوت کی موجودگی کا احساس بھی، جیسے مجھے کسی قوت نے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔

میں نے بھی جنونی کیفیت میں لڑکے کو دیکھا اور اُس کا بازو پکڑ کر کہا کہ آؤ میرے ساتھ۔ میں اُس کو گھسیٹا ہوا باہر لایا اور ساتھ والے دوسرے کمرے میں لے جا کر بیڈ پر بٹھایا اور انتہائی غصے سے اُس کی طرف دیکھا، اُس نے بھی مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا کہ میری یہ جال کہ اُس کو دم کروں۔ اُس نے مجھے پکڑنے کی کوشش کی اچانک مجھے لگا اُس

کی ہاتھ لے دبوچ لیا ہے۔ جیسے ہی وہ میری طرف بڑھا مجھے مارنے اور پکڑنے کی کوشش کی ایک دم گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ اُس نے اس پر جو چیز یا بیماری تھی اُس نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا جب وہ گراتو میں نے اُس کا بازو پکڑ کر کہا، اٹھو اور کھڑے ہو۔ وہ حیرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا اُس کی وحشت، جنون غصہ، اضطرابی حالت ختم ہو چکی تھی۔ وہ اٹھ کر اُس طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اُس نے بولنا شروع کیا اور والد کا کیا نام ہے؟ اُس نے وہ بھی بتایا۔ میں نے اُس کو پکڑا اور واپس ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ اُس کو لے کر دوسرے کمرے میں گیا تو ساتھ آئے لوگوں نے شاہ صاحب کو شرمندہ کیا کہ آپ ہمیں کدھر لے گئے؟ آج پروفیسر صاحب کی خیر نہیں، خالی کمرے، خالی کمرے میں پروفیسر صاحب لڑکے کے ساتھ اور مشکل چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ہم ڈرائنگ روم میں واپس آ گئے۔ مخالف بندوں میں سے ایک بولا کہ اُس کی ۱۲ چھاپا کیا جو پروفیسر صاحب آپ واپس آ گئے، ورنہ ہم تو ڈری رہے تھے کہ اللہ پروفیسر صاحب کی خیر کرے میں نے مسکرا کر شاہ صاحب کی طرف دیکھا اور کہا شاہ صاحب اتنا مشکل کیس کہ چند منٹ بھی نہیں لگے۔ اور لڑکے کو لے کر لڑکے کے کمرے میں لے گیا کہ ہمارے رب کے حکم سے بول، بتا کیا نام ہے تیرا؟ اُس نے اپنا اور اپنے والد کا نام بتایا، لڑکا کئی سالوں کے بعد

کمرے میں آ گیا اور اُس کی زبان بند ہوئی۔ ہر کوئی حیرت تجسس اور خوشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور وہ لڑکا بول رہا تھا۔ اس منظر کو شاہ صاحب نے خوشی میں میرے نعرے لگانا شروع کر دیے اور آ کر مجھ سے گلے ملے۔ پھر ساتھ آنے والوں کو کہا کہ لڑکا ٹھیک ہوا کہ نہیں۔ یہاں میرے اللہ میاں نے مجھ گناہ گار کی عزت رکھی، بے جے کرا دی۔ مری کی طرح یہاں آئے لوگوں کے سامنے یہ واقعہ ہوا تو یہی لوگ اشتہار بن کر پھیل گئے۔

لیکن میں نے لڑکے اور اُس کے والد سے ایک وعدہ لیا کہ آپ نے گاؤں جا کر کسی کو بھی میرا نہیں بتانا کہ میں نے اس کا علاج کیا ہے بلکہ کہنا کہ داتا صاحب گئے وہاں پر ٹھیک ہو گئے۔ کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ یہ پورے علاقے کا مشہور کیس تھا جس نے بھی سنا تھا اُس نے میری طرف آنا تھا اور رش

میں یہاں ایک بات کی وضاحت کرتا چلوں کہ یہاں بھی میرے سوہنے رب نے میری عزت بنائی اور لوگوں کو اُن کا اس بندے کی طرف رجوع کرو، وہ لڑکا شاہدہ اور کوٹ عبدالمالک میں رکشہ چلاتا ہے اور اب بھی کبھی کبھی مجھے ملنے آتا ہے اور کہتا ہے کہ سرکار! لوگ مجھے اور میرے ابو کو پوچھ پوچھ کر تھک گئے ہیں کہ تم نے کس سے علاج کرایا تھا تو میں ان ہی کہتا ہوں کہ نہیں بتانا۔ میں مذاقاً کہتا ہوں اگر تم نے کسی کو بتایا تو تمہارا جن پھر تم پر چھوڑ دوں گا۔ اللہ اُس کو اسی طرح ٹھیک رکھے، آمین۔

قابل غور نکتہ یہاں یہ ہے کہ جب بھی میں نے روحانی علاج سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی میرے اللہ نے واپس

لے کر میرے دفتر آؤ۔ میرے اللہ کے حکم سے لڑکا ٹھیک ہوگا۔ انشاء اللہ۔

لہذا صبح متاثرہ لڑکا میرے پاس لایا گیا۔ لڑکا جوان اور خوبصورت تھا۔ کئی دن سے سویا نہیں تھا۔ شدید طور پر گھبراہٹ کا شکار تھا۔ بے شمار باہوں، منگنوں، عاملوں کے پاس جا چکا تھا لیکن علاج نہ ہوا۔ لڑکے کے ساتھ ہو گیا رہا تھا۔ اُس پر اور اُس کی کار پر خون کے چھینے پڑتے، گوشت کے ٹکڑے گرتے، گھر میں آگ لگ جاتی، تیز بدبو آتی، کمروں میں دھواں بھر جاتا، کاروبار کا ستیاناس ہو چکا تھا۔ شدید خوف و ہراس میں مبتلا تھا۔ ہر وقت سراور کندھوں پر بہت بھاری دلوں کا احساس بار بار خود کشی کرنے کو دل کرتا۔ بے شمار عاملوں، باہوں کے پاس جا کر ناکام اور مایوس ہو چکا تھا۔ میرے پاس آئے اُس نے جو کہانی سنائی وہ اس طرح ہے:

”کہ مجھے شروع سے نیٹ پر Chat کرنے کی عادت تھی۔ بہت ساری لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ کرتا رہا۔ انہی لڑکیوں میں ایک ٹی وی ماڈل شیلہ بھی تھی جو نفسیاتی مریضہ بھی تھی۔ ایک دن گھر سے ناراض ہو کر سمندر پر خود کشی کرنے جا رہی تھی۔ میں نے اُس کو منع کیا، سمجھایا، حوصلہ دیا کیونکہ لڑکی ڈپریشن کا شکار تھی میں نے اُس کو ڈپریشن سے نکالنے کے لیے دن رات اُس کا ساتھ دیا، خیال رکھا اور وعدہ کیا کہ میں تم سے شادی کروں گا تم خود کشی نہ کرو۔ میں تو اُس کو تارل کر چاہ رہا تھا۔ میری توجہ اور کتر سے وہ میرے بہت قریب آ گئی۔ جبکہ میں مصنوعی محبت کا اظہار کر رہا تھا لیکن مجھے بالکل اسی احساس نہیں تھا کہ بُری طرح میرے پیچھے پڑ جائے گی۔ جب شیلہ کا شادی کا اصرار بہت زیادہ ہو گیا تو میں نے اُس سے دیا کہ میں تو پہلے سے شادی شدہ ہوں اور میرے دو بچے بھی ہیں تو شروع میں تو بہت غصہ اور ناراض ہوئی لیکن چند دن بعد پھر میرے پیچھے پڑ گئی کہ میں امریکہ کی شہری ہوں ہم شادی کر کے امریکہ چلے جاتے ہیں۔ میں شروع میں ہاں میں ہاں ملاتا رہا لیکن جب شیلہ نے بہت زور لگایا کہ میں لاہور آ رہی ہوں تم سے شادی کرنے تو میں گھبرا گیا اور اپنے سارے فون نمبرز بند اور تبدیل کر دیئے تاکہ وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے لیکن کیونکہ شیلہ نفسیاتی مریض تھی انکار سننے ہی اُس پر ہولی کیفیت طاری ہو جاتی کہ میں نے ہر صورت میں تم کو پانا ہے۔ اُس نے میرا موبائل نمبر ڈھونڈ لیا اور مجھے دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ تم کو ہر صورت میں مجھ سے شادی کرنا ہوگی ورنہ میں تم کو برباد کر دوں گی اور تم میرے علاوہ کسی کے قابل بھی نہیں رہو گے۔

جیسے جیسے میں انکار کرتا دے ویسے وہ جنونی اور پاگل ہو جاتی۔ مجھے بے شمار لالچ اور دھمکیاں دیں جب پھر بھی میں نہ مانا تو اُس نے عاملوں، باہوں کی طرف جانا شروع کر دیا۔ کیونکہ شیلہ امیر زادی تھی اُس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی اس لیے بے دریغ روپیہ خرچ کر رہی تھی کہ ہر صورت میں مجھ سے شادی کر لے۔ میں کئی بار اپنے نمبرز تبدیل کر چکا تھا لیکن پتہ نہیں کیسے ہر بار وہ میرا نمبر ڈھونڈ نکالتی اور کہتی کہ بھاگ لو آخر تم کو میرے پاس آنا ہے۔

اسی دوران شیلہ کی ملاقات راجندر کمار نامی ہندو عامل سے ہوئی۔ شیلہ نے اُس کو بھاری رقم دی کہ ہر صورت میں اس لڑکے کو میرے پاس آنا چاہیے۔ اس ہندو عامل نے انتہائی طاقتور اور خوفناک عمل کیا کہ میری صحت، کاروبار تباہ و برباد ہو گیا، نیند اڑ گئی، جسم پر کالے نشان اور پانی گرنا، پتھر گرنا، خون کے چھینے، دھواں اور بدبو اور شدید وزن میرے اوپر پڑتا۔

میں بھی بے شمار باہوں، عاملوں کے پاس جانا شروع ہو گیا۔ بے شمار باہوں، عاملوں کو بھاری رقمیں دیں لیکن کسی عامل نے مجھ پر علاج نہیں کیا بلکہ حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں بلکہ بہت سارے عامل تو اب مجھ سے ملتے بھی نہیں کہ ہمارا علاج ہم نہیں کر سکتے۔ اس دوران میں نے شیلہ سے کئی بار معافی مانگی کہ مجھے معاف کر دو لیکن شیلہ ہمیشہ مجھے کہتا کہ تم کو راجندر کمار بابا جی کا تو ڈم نہیں کر سکتے میرا بھگوان نکڑا ہے۔ تم اپنے خدا سے کہو تم کو بچا سکتا ہے تو بچالے۔

میں نے خدا سے مدد مانگو۔ تم کو آخر میرے پاس آنا ہوگا۔

یہ ساری باتیں وہ لڑکا سن رہا تھا۔ جو انتہائی مایوسی اور خوف کا شکار ہو چکا تھا۔ مجھے کہنے لگا ”جناب پروفیسر

اب آپ آپ کے پاس آیا ہوں خدا کے لیے مجھے اُس لڑکی اور ہندو عامل سے بچالیں۔“

اُس لڑکے کی خوفناک اور دل ہلا دینے والی باتیں سن کر میں بھی شدید حیرت اور تجسس کا شکار ہو چکا تھا۔ اُس کی بات کی بات کہ جاؤ اپنے خدا سے کہو تم کو بچالے میری ساری حسیں بیدار ہو چکی تھیں۔ غصہ اور جلال میرے اوپر بھی طاری ہو گیا تھا۔ میں نے اُس بچے کو حوصلہ دیا کہ میرا رب بہت رحیم و کریم ہے۔ وہ تمہاری اور میری مدد کرے گا۔ میرے اوپر ہولی ہڈی کیفیت طاری ہو رہی تھی جیسے اس دنیا سے لائق اور آسٹریل ورلڈ میں داخلہ ہو رہا ہے اور مجھے لگا میں روحانی طور پر ہمارے قلندر کے دربار پر ہوں۔ میں نے وہاں پر سلام کیا اور راجندر کمار عامل کی شکایت کی کہ آپ کی نگری میں یہ کیا ہو رہا ہے کہ اب یہ لڑکا میرے دربار پر ہوں۔ میں نے اُس کو فون ملاؤ اور اُس سے کہو کہ تم نے جو کرنا ہے وہ کرلو۔ میرا رب مجھے بچائے گا اور تیرے ہاتھ لے گا۔ میں نے ”یار قیاب“ پڑھ کر بچے پر دم اور حصار کیا کہ آج سے میرا رب تیرا محافظ ہے۔ اب اٹھو لڑکا کوئی عامل تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ رحیم، کریم، رقیب اب تیری حفاظت کرے گا۔

لڑکا بُری طرح ڈرا ہوا تھا کہ میں فون نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا چلو کوئی بات نہیں تم آرام سے گھر جاؤ اور آرام سے جاؤ اور تین دن بعد میرے پاس آنا۔

اُس لڑکے کی حالت تارل ہو چکی تھی جیسے منوں وزنی بوجھ اُس کے سر سے اُتر گیا ہو۔ وہ Relax اور حوصلے سے آ رہا تھا۔ وہ چلا گیا اور میں نے رب ذوالجلال والا کرام سے دعا کی کہ میرے رب ہمیشہ کی طرح میری مدد کر اور اس بچے کو صحت دے اور اُس ہندو عامل کے شر سے محفوظ رکھ۔ میں آرام سے گھر آ گیا۔ اگلے دن جب صبح دفتر پہنچا تو وہی لڑکا وہاں ہشاش، خوش و خرم کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میری طرف دوڑا، جوش اور خوشی سے بتانے لگا کہ جناب بڑے گھر کے بعد آج میں آرام کی نیند سو رہا ہوں۔ میرے گھر میں کوئی بدبو، دھواں نہیں اور میرے اوپر وزن بھی نہیں ہے۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی اور دل و دماغ ہمیشہ کی طرح خدا کے سامنے سجدہ ریز کہ اُس نے ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اگلا مہمدا اللہ بھٹی کی لالچ رکھی۔ میں نے اُس سے کہا کہ جاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اور ”یار قیاب“ کا ورد کرو وہ خوشی چلا گیا۔ دو دن بعد واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ اب وہ حوصلے میں تھا۔ مجھے آتا دیکھ کر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور خوشی سے کہنے لگا کہ سر آپ کی دعا سے اللہ نے کرم کر دیا ہے۔ رات کو شیلہ کا فون آ گیا وہ بہت شرمندہ تھی اور معافی مانگ رہی تھی

کہ میرے بابا جی شدید بیمار ہو گئے ہیں اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ اُس لڑکے کو فون کر کے اُس سے معافی مانگو اور اس کے لیے اُس کا پیچھا چھوڑ دو ورنہ ہم دونوں کی زندگی شدید خطرے میں ہے اور ہمارا زندہ رہنا بھی مشکل ہو سکتا ہے۔ اب امریکہ جارہی ہوں اب کبھی تم کو تنگ نہیں کروں گی۔

وہ لڑکا خوشی اور جوش سے یہ ساری بات بتا رہا تھا اور میں ایک بار پھر رب کعبہ کا شکر گزار کہ ہمیشہ کی طرح اس نے پھر کرم کر دیا۔ آج وہ لڑکا نارمل صحت مند زندگی گزار رہا ہے اور عشق الہی کا مسافر ہے۔

مغور فلمی اداکارہ کی توبہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ سید ہم سب کے لیے بہت زیادہ قابل احترام ہیں اور میں بھی ہمیشہ سے پناہ مانگتا رہا کرتا ہوں اور بلاشبہ نبی پاک ﷺ کی اولاد ہونا بہت ہی سعادت کی بات ہے۔

لیکن یہاں یہ المیہ ہے کہ بہت سارے لوگ جعلی سید اور آل نبی کے دعوے دار ہیں اور ان کو بالکل ہی اسی طرح کا اُن کی ذمہ داری کیا ہے اور ان کو معاشرے کے لیے مثالی کردار ہونا چاہیے۔

اسی طرح کا واقعہ میرے ساتھ پیش آیا۔ میں لاہور میں اپنے دفتر میں کام کر رہا تھا کہ مجھے ایک شخص نے بلا کر رشتہ میں دو عورتیں مجھ سے ملنے آئی ہیں۔ اُن میں سے ایک عورت کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو بارہی ہوئی ہے

میں اُس طرف گیا جہر رشتہ کھڑا تھا۔ جب میں رشتہ کے قریب گیا تو دیکھا کہ ایک انتہائی خوبصورت لڑکی شاندار کالہ رنگ میں ایک عام عورت کے ساتھ کھڑی تھی جو شاید اُس امیر زادی خوبصورت لڑکی کی ملازمہ لگ رہی تھی۔ جب میں نے

امیر زادی کو دیکھا تو مجھے وہ مانوس چہرہ لگا کہ شاید میں اُس کو دیکھ یا مل چکا ہوں۔ غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ یہ تو مشہور اداکارہ ہے۔ رشتہ ڈرائیور مجھے بتانے لگا کہ بی بی جی کی ملازمہ ہے اس پر کسی جن کا سایہ ہے۔ اکثر اس پر حاضری دہاتی ہے اور کسی سے دم کرانے سے ٹھیک ہو جاتی ہے۔ جن بابا جی سے ہم دم کراتے تھے وہ آج کل شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں

میں ایک دن کسی مریض کو آپ کے پاس لایا تھا کیونکہ فری علاج کرتے ہیں اور لوگ آپ کی تعریف بھی بہت کرتے ہیں لہذا میں ان کو آپ کے پاس لے آیا ہوں۔

میں جب بھی خواتین کا روحانی علاج کرتا ہوں تو ایک احتیاط کرتا ہوں کہ کسی نہ کسی کو اپنے ساتھ رکھتا ہوں تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ پردیسر صاحب اکیلی لڑکی کے پاس پتہ نہیں کیا باتیں کر رہے تھے لہذا اُس دن بھی میرا اسٹنڈ

میرے ساتھ تھا۔

مریض کی حالت خراب تھی۔ میں نے اللہ کا نام لے کر قرآنی آیات پڑھ کر دم کرنا شروع کیا۔ اللہ نے کرم کیا اور مریضہ کی حالت قدرے بہتر ہونا شروع ہو گئی۔ جب اُس کی حالت بہتر ہو گئی تو وہ واپس جانے لگی۔ ملازمہ نے اچانک کہا بابا جی! میری بی بی جی کو بھی دم کر دیں۔ میں نے ہمدردی میں جیسے ہی اُس کو دم یا پھونک ماری

میں اداکارہ ایک دم بھڑک اٹھی جیسے میں نے اُس کو گالی یا تھپڑ مارا ہو۔ انتہائی غصے اور جلال میں بولی تم کون ہوتے ہو تم کو دم کرنے والے، تم جانتے نہیں ہم سید ہیں اور خود پیر ہیں۔ تمہاری یہ ہمت اور اوقات کہ تم، ہم کو دم کرو۔ وہ

بولی اللہ اور جلال سے مجھے ڈانٹ رہی تھی۔ میں نے کہا سوری بابی مجھے آپ کی ملازمہ نے کہا تھا اس لیے یہ

بولی ہو گئی۔ دوبارہ یہ غلطی نہیں کرتا، معاف کر دیں۔ لیکن اُس کا غصہ نرم ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ تم ہمیں

کہا کہ اس پر کوئی جن یا آسیب سوار ہو۔ وہ بولی ہم تم کو سزا دیں گے، تم سے ہر چیز چھین لیں گے۔ وہ پھری

بولی کی طرح میری طرف بڑھی جیسے مجھے کچا کھا جائے گی جبکہ میرا رویہ مسلسل معذرت خواہانہ تھا۔ مجھے احساس تھا

کہ میں دُشمنوں میں ہوں بہت سارے لوگ دیکھ بھی رہے ہیں کہیں تماشا نہ بن جائے لیکن وہ اداکارہ مجھے ذلیل کرنے پر

میل لگاتی تھی اور مجھے گالیاں دینا شروع ہو گئی۔

اب اُس کی بکواس حد سے بڑھ گئی تو میرے اوپر مخصوص کیفیت، غصہ طاری ہونا شروع ہو گیا۔

مجھے لگا جیسے وہ میرا گریبان پکڑ کر مجھے مارے گی۔ اُس پر تو شاید پاگل پن کا دورہ پڑ چکا تھا۔

پہلے ہی وہ میرے قریب آئی تو میں نے زوردار بھرائی ہوئی آواز میں اُسے کہا: رک جاؤ، تیری ایسی کی تہی،

بولی اور سید زادی پچھلے نو سالوں میں 5 مرد بدل چکی ہو اور 19 بار شن کرا چکی ہو۔ پچھلے دو سالوں سے فلاں بندے

اور اس کی طرح اُس کی انفارمیشن میرے اوپر اتر رہی تھی اور میں اُس کے ماں باپ، بہن بھائیوں اور پچھلے سالوں کا

ہمارا اور اس کے گندے کرتوت اُس کو بتا رہا تھا اور ساتھ ساتھ کہہ رہا تھا کہ یہ ہے تمہاری پیری فقیری تمہاری نیکی۔ تم ایک

ملازمہ رہا تھا اور غصہ دکھائی ہو اور تم کو شیشہ دکھاؤں تم ہو کیا۔ میرے اسٹنڈ نے پہلی بار مجھے اتنا غصے میں دیکھا۔ وہ

بھڑک رہا تھا کہ سر جانے دیں۔ آپ کو تو غصہ آتا ہی نہیں آج کیوں آ گیا؟

میں پھر اداکارہ سے مخاطب ہوا۔ اب بتاؤں تیرے کرتوت کہ تو کتنی نیک ہے اور بغیر نکاح کے کس کس

کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اُس اداکارہ کا سارا غصہ غور ختم ہو چکا تھا۔ وہ شاید مجھ سے ڈر گئی تھی وہ جس بندے کے ساتھ

آج کل رہ رہی تھی جب میں نے اُس کو بتایا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور تمہارے ساتھ Time Pass کر رہا

ہے تو وہ دڑ کے میرے قدموں کو چھونے لگی۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا اور کہا دوڑ جاؤ یہاں سے اور دوبارہ کبھی واپس

نہ آؤ ورنہ تیرے باقی کرتوت بھی بتا دوں گا۔ میرے اوپر مخصوص کیفیت طاری تھی اور میں بولے جارہا تھا۔ جاؤ واپس

اور ان جو تمہارا پیر ہے اُس سے میرا پوچھنا وہ تمہیں میرے بارے میں بہتر بتائے گا۔ یہ کہہ کر میں تیزی سے اپنے

گھر کی طرف چلا گیا۔

بعد میں مجھے شدت سے شرمندگی کا احساس ہوا کہ مجھے اس طرح سرعام اُس کے راز افشا نہیں کرنے چاہیے

تھے لیکن اس نے مجھے مجبور کیا تھا۔ مجھے دکھ تھا کہ مجھے اُس پر غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اسی طرح چند دن گزر گئے۔ میں ایک

دن دُشمن سے گھر آیا تو میری بی بی نے دروازہ کھولتے ہی مجھے کہا کہ بابا آپ سے ملنے ایک آنٹی آئی ہیں۔ انہوں نے پاؤں

میں گھٹکر دبانے میں اور وہ کہتی ہیں آپ کے بابا کو ناچ کے دکھانا ہے۔ میں حیرت سے اُچھل پڑا۔ میں لڑائی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اندر کا منظر دیکھ کر میں شدید حیران ہوا۔ وہی فلمی اداکارہ سفید ریشمی لباس، بالوں اور ہاتھوں میں سفید مونتے کے گجرے فل میک اپ، زیورات سے لدی ہوئی پاؤں میں گھٹکر دبانے کے بیٹھی میری بیوی سے بات کر رہی ہے۔ مجھے دیکھتے ہی تیزی سے میرے پاؤں کی طرف لپکی۔ میں تیزی سے پیچھے ہٹا۔ بی بی یہ گناہ ہے، مہاراجہ اور

سجدے کے لائق صرف میرا رب ہے۔ میں تو بہت گنہگار ہوں۔ وہ بولی سرکار مجھے معاف کر دیں۔ میں نے اُس دن آپ کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی کی تھی۔ مجھے معاف کر دیں۔ پلیز وہ منتیں کرنے لگی۔ وہ جو مغرور تھی آج عاجز اور مسکین نظر آرہی تھی۔ میں نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا وہ نارمل نظر آرہی تھی۔ آج سے یہ میری بھابی ہیں۔ میں ان کو اور آپ کو کلام کرنے آیا کروں گی۔ اُس کے پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔ تمہارے جوتے کدھر ہیں۔ سرکار وہ تو گلی کے باہر ہی ان دیئے ہیں۔ مرشد جی کا حکم تھا کہ ننگے پاؤں جانا ہے اور بلے شاہ کی طرح دھمال ڈال کے پروفیسر صاحب کو منانا ہے۔ حیرت سے اُس کی باتیں سن رہا تھا۔ بی بی میں ایک گنہگار آدمی ہوں اور نہ ہی مجھے ناچ گانے کا شوق ہے بس ٹھیک میرے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تم کو اُس دن ہی معاف کر دیا تھا اب تم اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور اللہ سے معافی مانگو۔ اُس نے اپنے مرشد کی بہت ساری باتیں بتائی کہ 10 سال پہلے مرشد باباجی نے میوزک گانے بجانے کو کہا دیا اور اب رب رب کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی اللہ رسول کی باتیں بتاتے ہیں **سرفراز شاہ** جیوے سرفراز شاہ

شاہی محلے کا درویش

وہ اپنے مرشد باباجی کی باتیں بڑی عقیدت اور احترام سے بتا رہی تھی اور میرے اندر باباجی سے ملنے کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا اور میرا دل بھی کہہ رہا تھا کہ یقیناً یہ کوئی قرب الہی کا مسافر لگتا ہے جس پر عشق الہی کا رنگ چڑھ چکا ہے جس کی وجہ سے وہ توبہ کر کے رب رب پر لگا ہے۔

میرے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ باباجی نے گانا بجانا 10 سال پہلے چھوڑا لیکن وہ نماز اور تہجد پچھلے 30 سال سے پڑھتے ہیں بلکہ 30 سال سے انہوں نے کبھی بھی تہجد قضا نہیں کی۔ ساری ساری رات ذکر الہی میں گزار دیتے ہیں اور قرآن پاک سے بہت عشق کرتے ہیں۔

میرا غم نہ سرد ہو چکا تھا اور اب باباجی سے ملنے کا اشتیاق بہت بڑھ گیا تھا۔ لہذا میں نے باباجی سے ملنے کی درخواست کی تو وہ بولی کہ باباجی جمعرات کی رات داتا صاحب حاضری کے بعد آپ سے مل سکتے ہیں۔ باقی دنوں میں ان کا پتہ نہیں ہوتا وہ کہاں یا کدھر ہیں۔ پہلے وہ شاہی محلے میں رہتے تھے آج کل وہ وہاں نہیں رہتے کسی مزار پر رہتے ہیں۔ وہاں اُن سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

لہذا میں نے اُس سے فون نمبر لیا تاکہ باباجی سے ملا جا سکے۔ جمعرات کو مجھے اداکارہ کا فون آیا کہ

باباجی نے مجھے چائے بھی پلائی۔ میں نے باباجی کی جھوٹی چائے پی جس کا بہت مزہ آیا۔ میں کافی دیر باباجی کے پاس بیٹھا رہا۔ ان کو دباتا بھی رہا اور ان کی باتیں سنتا بھی رہا۔ میرا دل کر رہا تھا کہ کبھی وہاں جاؤں اور باباجی کے پاس ہی رہوں۔ آخر کافی دیر کے بعد میں نے باباجی سے اجازت چاہی اور واپسی کا سفر شروع کیا۔ کافی عرصے بعد کسی صاحبِ عمل اور نیک بزرگ کی صحبت نصیب ہوئی۔

ایک بزرگ کی ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ کا دل اٹھنے کو نہ کرے اور بار بار اُس بزرگ کے پاس جانے کو کہے۔ وہ اداکارہ کافی عرصہ میرے گھر اور دفتر آتی رہی۔ جوتے ہمیشہ باہر اتار کے آتی۔ چند سال پہلے وہ شاید کراچی

میرا رب کتنا رحیم و کریم ہے جس کو چاہتا ہے اپنا بنا لیتا ہے۔ اپنا عشق عطا کرتا ہے اور سرور و مسرت بھی عطا کرتا ہے

کیونکہ جس کو بھی عشق الہی کا نشہ اور سرور چڑھ جائے وہ پھر کسی اور کام کا نہیں رہتا۔ وہ شب و روز عشق الہی کے نشہ اور سرور میں ڈوبا رہتا ہے۔

میں جب روحانیت میں نہیں آیا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ روحانیت تصوف کو ماننے والے زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں یا ان پڑھ لوگوں کا شوق ہے لیکن جب بہت سارے لوگ میرے پاس آنا شروع ہوئے تو میرا یہ گمان ٹٹا لگا لگا پڑھا لکھا طبقہ بہت زیادہ روحانیت کو ماننے والا ہے کیونکہ بیروں، فقیروں کے پاس معاشرے کے تمام مکتبہ فکر کے لوگ آتے ہیں جن میں اعلیٰ سرکاری افسران بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان سرکاری افسروں میں بھی دو طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ روحانیت پر یقین رکھتا ہے، وہ سرعام مزاروں، بیروں، فقیروں کے پاس حاضری دیتا ہے اور سب کے سامنے عقیدہ کا اظہار بھی کرتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ ایسا ہے جو روحانیت پر یقین تو کرتا ہے لیکن کیونکہ یہ اعلیٰ طبقہ خود کو بہت پیش سمجھتا ہے۔ لوگ ہر جگہ پروٹوکول کے ساتھ جاتے ہیں اس لیے آستانوں اور روحانی لوگوں کے پاس بھی پروٹوکول کے ساتھ ہی جانا پڑتا ہے۔ کرتے ہیں کیونکہ میرے آستانے پر بہت زیادہ رش ہوتا ہے، اس لیے ان کو مشکل پیش آتی ہے یہ پوسٹل فیس دینا۔

ہیں کہ رش والے دن کے بجائے کسی اور دن ملاقات کی جائے۔ اب یہاں جو واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں وہ اسی اسی ہے۔ یہ سرکاری افسر مزاجا شریف النفس اور اچھے اخلاق کے مالک تھے لیکن ان دنوں وہ جس سیٹ پر کام کر رہے تھے وہ خصوصی نوعیت کی تھی۔ اس لیے وہ میرے پاس رش میں آنے سے گریزاں تھے لیکن ان کی بیوی انہیں زبردستی پکڑ کر لے آئی۔ اپنی باری پر جب یہ میرے سامنے آکر بیٹھے تو کچھ شرمائے اور گھبرائے لگ رہے تھے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ میرے میاں اپنی جاب پر اہم کی وجہ سے کئی دن سے سوئیں رہے۔ جاب میں ان کے بہت سارے لوگ مخالف ہیں یا ان کی سیٹ یا پوزیشن سے جلتے ہیں۔ آپ پروفیسر صاحب یہ دیکھ کر بتائیں کہ ان کو نیند کیوں نہیں آتی؟ اور یہ کئی دنوں سے مضطرب نظر کیوں آتے ہیں۔ ان کو کسی نے جادو تو نہیں کر دیا۔ کون لوگ ہیں جو ان کی صحت اور نوکری کے پیچھے پڑے ہیں؟ کیونکہ خواتین ہر معاملے کی ناکامی، پریشانی کو گھما پھرا کر جادوؤں کی طرف لے جاتی ہیں اس لیے یہ بی بی بھی اس خدشے کا اظہار کر رہی تھیں۔ جب میں نے ان کو فور سے دیکھا تو مجھے واقعی ان میں کوئی گڑبگ نہ رہی تھی، لہذا میں نے پوری توجہ اور یکسوئی سے ان پر فوکس کیا تو اچانک مجھے انفرمیشن آئی شروع ہو گئی جو ایک خاص حالت میں آتی ہے۔ اب میں الرٹ اور اطلاعات کو دیکھنے اور پرکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اطلاعات بہت زیادہ واضح اور مکمل آئی شروع ہو گئیں۔ میں نے بار بار دیکھا تو مجھے ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا کہ ان کے سینے میں خوراک والی نالی کے ساتھ کوئی گٹھی بنی ہوئی ہے جو ابھر کر بڑی ہو رہی ہے اور کسی حد تک خوراک کی نالی کو تنگ کرنا یا دبا نا شروع ہو گئی ہے۔ یہ گٹھی کینسر کی لگ رہی تھی جو ابھی تو اس کی پرہے کہ نکال دی جائے تو نقصان یا خطرہ نہیں ہوگا لیکن اگر ایک ہفتہ بھی لیٹ ہو گئے تو جسم کے باقی حصوں کی طرف بھی

اعلیٰ سرکاری آفیسر کو جھٹکا

میں جب روحانیت میں نہیں آیا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ روحانیت تصوف کو ماننے والے زیادہ تر دیہات میں رہتے ہیں یا ان پڑھ لوگوں کا شوق ہے لیکن جب بہت سارے لوگ میرے پاس آنا شروع ہوئے تو میرا یہ گمان ٹٹا لگا لگا پڑھا لکھا طبقہ بہت زیادہ روحانیت کو ماننے والا ہے کیونکہ بیروں، فقیروں کے پاس معاشرے کے تمام مکتبہ فکر کے لوگ آتے ہیں جن میں اعلیٰ سرکاری افسران بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان سرکاری افسروں میں بھی دو طبقات ہیں۔ پہلا طبقہ روحانیت پر یقین رکھتا ہے، وہ سرعام مزاروں، بیروں، فقیروں کے پاس حاضری دیتا ہے اور سب کے سامنے عقیدہ کا اظہار بھی کرتا ہے جبکہ دوسرا طبقہ ایسا ہے جو روحانیت پر یقین تو کرتا ہے لیکن کیونکہ یہ اعلیٰ طبقہ خود کو بہت پیش سمجھتا ہے۔ لوگ ہر جگہ پروٹوکول کے ساتھ جاتے ہیں اس لیے آستانوں اور روحانی لوگوں کے پاس بھی پروٹوکول کے ساتھ ہی جانا پڑتا ہے۔ کرتے ہیں کیونکہ میرے آستانے پر بہت زیادہ رش ہوتا ہے، اس لیے ان کو مشکل پیش آتی ہے یہ پوسٹل فیس دینا۔

ہیں کہ رش والے دن کے بجائے کسی اور دن ملاقات کی جائے۔ اب یہاں جو واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں وہ اسی اسی ہے۔ یہ سرکاری افسر مزاجا شریف النفس اور اچھے اخلاق کے مالک تھے لیکن ان دنوں وہ جس سیٹ پر کام کر رہے تھے وہ خصوصی نوعیت کی تھی۔ اس لیے وہ میرے پاس رش میں آنے سے گریزاں تھے لیکن ان کی بیوی انہیں زبردستی پکڑ کر لے آئی۔ اپنی باری پر جب یہ میرے سامنے آکر بیٹھے تو کچھ شرمائے اور گھبرائے لگ رہے تھے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ میرے میاں اپنی جاب پر اہم کی وجہ سے کئی دن سے سوئیں رہے۔ جاب میں ان کے بہت سارے لوگ مخالف ہیں یا ان کی سیٹ یا پوزیشن سے جلتے ہیں۔ آپ پروفیسر صاحب یہ دیکھ کر بتائیں کہ ان کو نیند کیوں نہیں آتی؟ اور یہ کئی دنوں سے مضطرب نظر کیوں آتے ہیں۔ ان کو کسی نے جادو تو نہیں کر دیا۔ کون لوگ ہیں جو ان کی صحت اور نوکری کے پیچھے پڑے ہیں؟ کیونکہ خواتین ہر معاملے کی ناکامی، پریشانی کو گھما پھرا کر جادوؤں کی طرف لے جاتی ہیں اس لیے یہ بی بی بھی اس خدشے کا اظہار کر رہی تھیں۔ جب میں نے ان کو فور سے دیکھا تو مجھے واقعی ان میں کوئی گڑبگ نہ رہی تھی، لہذا میں نے پوری توجہ اور یکسوئی سے ان پر فوکس کیا تو اچانک مجھے انفرمیشن آئی شروع ہو گئی جو ایک خاص حالت میں آتی ہے۔ اب میں الرٹ اور اطلاعات کو دیکھنے اور پرکھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر میں اطلاعات بہت زیادہ واضح اور مکمل آئی شروع ہو گئیں۔ میں نے بار بار دیکھا تو مجھے ایک ہی خیال بار بار آ رہا تھا کہ ان کے سینے میں خوراک والی نالی کے ساتھ کوئی گٹھی بنی ہوئی ہے جو ابھر کر بڑی ہو رہی ہے اور کسی حد تک خوراک کی نالی کو تنگ کرنا یا دبا نا شروع ہو گئی ہے۔ یہ گٹھی کینسر کی لگ رہی تھی جو ابھی تو اس کی پرہے کہ نکال دی جائے تو نقصان یا خطرہ نہیں ہوگا لیکن اگر ایک ہفتہ بھی لیٹ ہو گئے تو جسم کے باقی حصوں کی طرف بھی

زانی شخص کی توبہ

کوہ مری کیونکہ صحت افزا اور سیاحتی مقام ہے اور پوری دنیا کے لوگ سیر و سیاحت اور چھٹیاں گزارنے مری آتے ہیں۔ مری آنے والوں میں کچھ لوگ ایسے بھی آتے ہیں جو عیاشی اور زنا کے لیے آتے ہیں۔ میں جتنا عرصہ بھی مری رہا وہ دعا کرتا رہا میرے اللہ پاک اتنی خوبصورت جگہ جو جنت کا ککڑا معلوم ہوتی ہے مجھے یہاں پر نبی پاک، مولا اعلیٰ سرکار کی لڑاوت، فقیری اور تیرا عشق، قرب، سرو، مستی اور سب کچھ ملا مجھے اس جگہ سے بہت پیار ہے لیکن مری کے ہوٹلوں میں

بدکاری، عیاشی اور زنا کا بازار گرم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو راہِ راست پر لا۔ جو لوگ سیر کے لیے مری آئے اور ہمارے کالج کی طرف آتے اور جب ہزاروں لوگوں کا مجمع دیکھتے تو ملنے آ جاتے اور اللہ کی توفیق سے میں نے یہاں ایسے عیاش لوگوں کو تو بہ کرائی، سمجھایا اور اللہ نے اُن کے دلوں کو تبدیل بھی کیا۔ ایسے بہت سارے لوگ مجھے آج بھی ہیں اور میرا اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں کہ آپ کی توجہ اور دعا سے ہم نے دوبارہ بدکاری نہیں کی۔ یہ واقعہ بھی اُن میں سے ایک ہے۔

اُس دن بھی میں حسبِ معمول کلاس پڑھا کر دھوپ میں بیٹھا سورج کی حرارت کو Enjoy کر رہا تھا کیونکہ مری میں دھوپ کم ہی نکلتی ہے۔ اچانک ایک بڑی مہنگی بچا رو آ کر کی اور تین نو جوان گاڑی سے نیچے اترے۔ تینوں نے شاندار کپڑے، گلے میں سونے کی چینیں اور مہنگی گھڑیاں پہنی ہوئی تھیں۔ یعنی دیکھنے میں ہی امیر زادے لگ رہے تھے۔ ان کی چال اور اطوار سے غرور اور تکبر نظر آ رہا تھا کہ جیسے پوری دنیا میں اُن کا ثانی کوئی نہیں۔ ایسے مغرور لوگوں کو دیکھ کر مجھے غصہ آ جاتا ہے کیونکہ آج تک اس روئے زمین پر جس نے بھی غرور، تکبر کیا میرے اللہ پاک نے اُس کو نشانِ عبرت بنا دیا۔ ایسے لوگوں سے میں ہمیشہ گریز کرتا ہوں، نظر انداز کرتا ہوں اور میری خواہش ہوتی ہے کہ یہ جلدی چلے جائیں۔

جب وہ میرے پاس آئے تو میری طرف یوں دیکھ رہے تھے کہ یہ کون لڑکا سا ہے اور ہم کس کے پاس آ گئے ہیں۔ بولے جناب پروفیسر صاحب ہمیں آپ سے کام ہے اور آپ جتنے پیسے بھی کہیں گے آپ کو مل جائیں گے۔ آج صرف ہمارا کام کر دیں، آپ کو راضی کر دیں گے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب کوئی امیر زادہ یا کوئی بڑا عہدیدار اپنے غرور میں ملتا ہے تو میرا دماغ بھی گھوم جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ کے کرم سے پہلے دن سے آج تک الحمد للہ کسی سے بھی میں کوئی لالچ یا پیسے نہیں لیے اس کے گواہ وہ تمام لوگ ہیں جو پچھلے کئی سالوں سے میرے پاس آتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے لالچ اور طمع سے دور رکھا۔

ان کا تکبرانہ مزاج دیکھ کر میں نے کہا میں مصروف ہوں نہیں مل سکتا اور نہ ہی آپ کا کام کروں گا واپس جاؤ گے اور سے اپنا کام کرالو میں نہیں کروں گا۔ میرے انکار کو انہوں نے تو یوں اعظم سمجھا۔ وہ شاید مجھے روایتی عامل یا پیر سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے پھر مجھے خطیر معاوضے کی ترغیب دی۔ جناب آپ جتنے پیسے کہیں گے ہم دیں گے۔ میں بار بار انکار اور وہ بار بار مضد کر رہے تھے کہ آپ ہر صورت ہمارا کام کریں۔ کام ان کا یہ تھا کہ اُن کا کیمبرہ چوری ہو گیا تھا۔ وہ امیر زادے تھے مسئلہ کیمبرے کا نہیں تھا مسئلہ یہ تھا کہ پورے دزٹ یعنی سیر کی تصویریں بھی اُس کیمبرے میں تھیں جو اُن کے لیے بہت قیمتی تھیں اور یہ بھی خطرہ کہ کوئی ان تصویروں کو دیکھ نہ لے۔ وہ ہر صورت میں تصویریں واپس لینا چاہتے تھے۔ کیمبرہ اور تصویریں ان کے لیے زندگی، موت کا مسئلہ بن گئی تھیں۔ کیونکہ یہ عیاشی کے لیے لڑکیوں کو ساتھ لائے تھے جو اکثر مری آ لے والے کرتے ہیں۔ ان تینوں میں جو بڑا اور نمایاں تھا وہ شادی شدہ بھی تھا اور اُسے خوف تھا کہ کوئی کیمبرہ اور تصویریں اس کی بیوی کو نہ دکھا دے۔ پہلے تو وہ میری منتیں کرتا رہا۔ جب میں نے لفٹ نہ کرائی اور اٹھ کر کالج کے اندر جانے لگا تو اس نے بدتمیزی کی کہ پروفیسر صاحب سیدھی طرح کہو کہ ڈراما باز ہوتا نہیں سکتے۔ میں نے کہا ہاں میں ڈرامے باز ہوں تو تم کیوں

میں نے ان کو سمجھایا کہ اللہ پاک نے آپ لوگوں پر کتنا کرم کیا ہوا ہے اور آپ شکر کے بجائے بغاوت پر اترے ہوئے ہیں۔ وہ اور رونے لگ گئے۔ آخر بڑی مشکلوں سے وہ چپ ہوئے اور کہا پروفیسر صاحب ہم لڑکیوں کو ہوٹل میں ہی گھوڑ آئے ہیں اور ہم یہاں سے اب ہوٹل کے بجائے واپس اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ وہ امیر زادے روتے ہوئے واپس اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میرے اللہ نے اُن کو برائی اور گناہ سے نکال کر سیدھے راستے پر لگا دیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی جوڑے مری آئے جن کو اللہ نے راہِ راست پر لگا دیا۔

ڈی ایس پی کی انوکھی سزا

ویسے تو میری زندگی میں ایسے بے شمار کیس ہیں جو عجیب و غریب تھے لیکن یہ کیس اپنی نوعیت کا انوکھا کیس تھا۔ میں اپنے دفتر میں موجود تھا کہ مجھے نمبردارِ مسلم صاحب کا فون آیا کہ جناب آپ کدھر ہیں، میں ایک مریض لانا چاہتا ہوں،

مریض کی حالت ٹھیک نہیں۔ میرا نمبر دار صاحب کے ساتھ پرانا پیار کا تعلق ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک DSP صاحب ہیں اُن پر جنات قابض ہیں اور سزا بہت ہی حیرت انگیز اور باعثِ عبرت ہے کہ DSP صاحب کو جنات اکثر مارنے لگے ہیں زیادہ تر منہ پر طمانچے مارتے ہیں اور سونے نہیں دیتے۔ مجھے شدید حیرت اور دل چسپی پیدا ہوئی کہ یہ کیا سزا ہے؟ اور انھوں نے نوحیت کا انوکھا اور الگ ہی کیس تھا، میں نے کہا جلدی لے کر آئیں۔

نمبر دار صاحب DSP کو لے کر میرے سامنے آئے جو انتہائی خوفزدہ تھے، ساتھ میں دو سپاہی تھے۔ وہ بھی ڈرے ہوئے تھے۔ میں نے اُن سے خوف کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے جب DSP صاحب کو مار پڑی ہوتی ہے تو ہم کوئی بات کر دیں تو ہماری شامت آ جاتی ہے اور وہ ہمیں مارنے لگتے ہیں۔

خطرناک بات یہ تھی کہ جب بھی DSP صاحب کسی سے اپنا علاج کرانے گئے مار میں شدت آ جاتی اور اگر عامل کو بھی مار پڑتی۔ کیس اتنا مشہور تھا کہ عامل حضرات DSP صاحب کو دم کرنے کی جرأت نہ کرتے۔ DSP صاحب نے مجھے بھی خطرناک نتائج سے آگاہ کیا کہ سوچ لیں میرا علاج آپ کو بھی مہنگا پڑ سکتا ہے۔ لیکن میں نے یہاں بھی اللہ پر توکل کر کے DSP صاحب کو دم کیا اور اللہ نے اُن کو شفا دی۔

راستہ چوڑا یا ٹرک چھوٹا ہو گیا سیوے سر فران

معاشرے میں میرا تعارف کروانے کے، اللہ کی طرف سے پیدا کردہ متواتر اسباب کی جو ہم بات کر رہے ہیں اس حوالہ سے یہ واقعہ بھی بیان کر رہا ہوں۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میری ٹرانسفر مری سے لاہور ہوئی۔ میرے اپنے چاہنے والے شاہ صاحب جو ٹرانسپورٹ کا کام کرتے ہیں مجھ سے بے پناہ عقیدت اور محبت کرتے ہیں۔ شاہ صاحب دراز سے بھنڈتھے کہ جب بھی آپ کی ٹرانسفر لاہور ہوگی تو آپ کا سامان میں خود لاہور لے کر جاؤں گا۔ جب شاہ صاحب کو پتہ چلا کہ میری ٹرانسفر لاہور ہوگئی ہے تو انھوں نے اپنا ٹرک لا کر کھڑا کر دیا۔ مری کا مرس کالج ایسی جگہ پر واقع ہے کہ اسے بنک سے سڑک اوپر جاتی ہے۔ اب ٹرک کی چھت اونچی تھی جس کی وجہ سے ٹرک نیچے سے اوپر نہیں جاسکتا تھا لہذا ٹرک اس سے نیچے آیا جو ایک لمبا راستہ تھا۔ نیچے سڑک کے آغاز میں اطراف میں مکان بنے ہیں ان کے درمیان سے ٹرک گزرا جاسکتا ہے نہ نیچے آ سکتا ہے کیونکہ آغاز میں ہی ایک تنگ موڑ ہے اور اوپر سے بھی جگہ تنگ ہے، ٹرک نہیں گزر سکتا صرف درمیانی اور چھوٹی گاڑیاں گزر سکتی ہیں۔ اب ٹرک اوپر سے نیچے آ کر میری رہائش گاہ کے پاس کھڑا تھا سامان بھر دیا گیا اور کچھ سامان ٹرک کی اونچائی سے بھی اونچا تھا۔

اب ٹرک اوپر سے جس راستے سے آیا تھا واپس اُسی راستے سے ہی واپس جانا تھا، پہاڑی کی چڑھائی تھی سامان کا وزن زیادہ تھا، شاہ صاحب نے کئی بار ٹرک کو اوپر چڑھانے کی کوشش کی لیکن کئی بار کی کوشش کے بعد بھی جب ٹرک اوپر نہیں چڑھا تو شاہ صاحب نے ٹرک کا منہ نیچے کی طرف کر دیا۔

ہم سب حیرت اور تجسس سے ٹرک اور شاہ صاحب کو دیکھ رہے تھے کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ اس موقع پر ایک لوگ بھی موجود تھے جو مجھے الوداع کرنے آئے ہوئے تھے اور بہت اداس تھے بلکہ بہت سارے لوگ رو بھی رہے تھے کہ میں اُن کو چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ شاہ صاحب کے ٹرک کو نیچے کی طرف چلانے سے ہم نے سمجھا شاید وہ موڑ کر لانا چاہتے ہیں تاکہ برق رفتاری سے ٹرک اوپر لے جاسکیں، جب ٹرک نیچے بڑھتا چلا گیا تو میں نے آواز دے کر پوچھا کہ شاہ صاحب کیا کر رہے ہیں تو نیچے سے آواز آئی کہ شاہ صاحب کہہ گئے ہیں کہ میں ٹرک کو نیچے والے راستے سے لے کر جا رہا ہوں اور پروفیسر صاحب کو بتادیں کہ اب خیال اور دعا کریں۔

یہ خبر میرے اور اہل علاقہ کے لیے ایک ہم کی طرح تھی کہ شاہ صاحب یہ کیا حماقت کر رہے ہیں، یقیناً ٹرک نیچے چلے جائے گا، یہ سزا تو بڑی آدھا کلومیٹر ہے۔ ہم سب دوڑ کر نیچے گئے کہ شاہ صاحب کو روک سکیں کہ وہ یہ حماقت نہ کریں۔

اللہ ہی ساتھ میں شدت سے اللہ سے دُعا کر رہا تھا کہ یا اللہ ہماری مدد فرما اور اس مشکل سے نجات دلا۔ ہم سب تیزی سے چلتے ہوئے جب اُس موڑ پر پہنچے تو بہت حیرت ہوئی کہ وہاں ٹرک نہیں ہے، یہ یقینی تھا کہ وہاں پہنسا ہوگا کیونکہ یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ ٹرک وہاں سے نہیں گزر سکتا۔ جب ٹرک یہاں نہیں تھا تو کدھر گیا۔ وہاں وہاں پر موجود لوگوں سے ٹرک کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ٹرک تو یہاں سے گزر گیا ہے۔ ہم سب

ہم دوڑ کر موڑ کاٹ کر جب ٹرک تک پہنچے تو شاہ صاحب ٹرک کے پاس کھڑے مسکرا رہے تھے اور ٹرک اور اہل ٹرک ٹھیک حالت میں تھا۔ میں نے شاہ صاحب سے جاتے ہی پوچھا شاہ صاحب آپ کیسے گزر آئے تو شاہ صاحب نے انتہائی معصومیت سے جواب دیا کہ جب میں تنگ جگہ پر آیا تو آپ کا اور اللہ کا تصور کیا اب یا تو میرا ٹرک چھوٹا ہو گیا یا راستہ کھل گیا اور میں آسانی سے گزر گیا۔

میں اور اہل علاقہ شدید حیرت زدہ تھے اور میرا دل و دماغ اور نظریں شکرانے کے طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کر رہی تھیں میں پھر سوچ رہا تھا میرے اللہ تیرے کھیل نرالے۔

بے اولادوں کو اولاد

دیے تو کسی بھی مریض کو جب شفا ملتی ہے تو مجھے بہت خوشی ملتی ہے لیکن جب مایوس بے اولاد کی جھولی میرا رب اولاد کی نعمت سے بھرتا ہے تو مجھے بے پناہ خوشی ہوتی ہے۔ بے شمار ایسے لوگ میرے پاس آ چکے ہیں، بہت سارے ایسے اولادے جن کو ڈاکٹر جواب دے چکے تھے بلکہ کچھ جوڑے ایسے جو کئی بار ٹیسٹ ٹیوب کی کوشش بھی کر چکے تھے یہاں تک کہ اولادوں نے اُن کو لا علاج کہہ کر جواب دے دیا تھا اللہ نے اُن کو شفا دی۔

ان جوڑوں میں کچھ ایسے بھی تھے جن کو ڈاکٹروں نے کہا کہ فطرت نے آپ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت

رکھی ہی نہیں۔ اللہ نے اُن کی جھولی اولاد جیسی نعمت سے بھری۔

ایسے کیس تو بے شمار ہیں جن کی شادیوں کو 15 سے 20 سال ہو چکے تھے۔ بلکہ شدید حیرت اُس وقت ہوئی جب چند کیسوں میں خواتین کی عمر 50 سال سے زیادہ تھی۔ اللہ نے جب اُن پر کرم کیا تو مجھے بھی خوشگوار حیرت ہوئی۔ ایسی خواتین جن کے بچے ضائع ہوتے تھے اللہ نے اُن کو بھی شفا بخشی، سورۃ شمس میں اولاد کے حوالے سے بے پناہ شفا ہے۔

ان میں چند واقعات یہاں پر بیان کر رہا ہوں جب اللہ پاک نے اپنا کرم خاص کیا اور بے اولادوں کی جھولیوں میں اولاد کی نعمت سے بھری۔

بکری کے بچوں سے پیار

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب میں مری سے نیا نیا لاہور آیا تھا۔ جس طرح میں پہلے بھی کئی بار اس بات کا اظہار کر چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عزت پر عزت دیتا چلا جاتا ہے۔ جب ہم لاہور آ گئے تو ہمارا یہ بھی فیصلہ تھا کہ لاہور سے زیادہ نہیں ملنا کیونکہ مری میں ہر قسم کا رش نہیں پڑتا اور چکا تھا لیکن بندہ کچھ سوچتا ہے اور بے پروا کچھ اور۔ میں جب لاہور آیا تو مری سے لوگ مجھ سے ملنے دھڑا دھڑا آتے تھے۔ میرے گھر میں جب میں دفتر سے واپس آتا تو کوئی نہ کوئی بندہ پہلے سے انتظار کر رہا ہوتا۔ میرے گھر کے سامنے والا گھر میرے سرالیوں کا ہے۔ میرے سرالی والوں نے اپنے گھر کے اوپر نیا پورشن بنانا شروع کر دیا۔ اب کیونکہ میں سارا دن دفتر ہوتا تھا اس لیے جو لوگ بھی میری موجودگی میں میرے گھر آتے وہ سامنے مزدوروں اور ٹھیکیدار سے میرا پوچھتے۔ مزدور کام کرتے اور ٹھیکیدار ان لوگوں ملتا بھی، میرے بارے میں لوگوں سے پوچھتا بھی رہتا کہ مری میں پروفیسر کیا کرتے تھے۔

وہ ٹھیکیدار اکثر مجھے سلام کرتا اور اُس کے چہرے کے تاثرات سے لگتا جیسے وہ مجھ سے بات کرنا چاہتا تھا۔ آخر کار اُس نے کہنا شروع کر دیا کہ پروفیسر کسی دن مجھے بھی وقت دیں۔ میں بھی آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک دن دفتر سے میں واپس آیا تو وہ میرے انتظار میں کھڑا تھا اور بولا جناب اگر اجازت ہو تو میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کے پاس ہی چار پائی پر بیٹھ گیا اور کہا جی کیا بات یا مسئلہ ہے۔ تو ٹھیکیدار بولا جناب میں سارا دن یہاں دیکھتا ہوں ہمارے لوگ آکر آپ کا پوچھتے ہیں، مجھے تو آپ کا زیادہ پتہ نہیں تھا لیکن مری سے آنے والے لوگوں سے آپ کے مکان اور مرتبے کا پتہ چلا ہے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں تھا کہ ہمارے سامنے اتنی بڑی گنگا بہہ رہی ہے۔ سارے لوگ آپ سے فیض رہے ہیں تو میں نے سوچا میں بھی آپ کے فیض سے اپنی برسوں کی خالی جھولی بھر سکوں۔ پروفیسر صاحب کیا آپ غریب کا علاج بھی کرتے ہیں اور آپ کی فیس کیا ہے۔

یہاں میں ایک بات پھر Clear کر دوں کہ بہت سارے لوگوں کو ایک بہت بڑی غلط فہمی اکثر ہو جاتی ہے۔

صرف امیروں کا ہی علاج کرتا ہوں جبکہ ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ میں کون ہوتا ہوں کسی کا علاج کرنے والا، یہ تو مالک رب ذوالجلال کا کرم خاص ہے جو اس کیکر کے بغیر درخت کو اکثر پھل لگا دیتا ہے یا مجھ جیسے گنہگار کو عزت بخشا دیتا ہے۔ رہی بات امیری، غربتی کی تو جو لوگ ریکولر میرے پاس آتے ہیں یا آستانہ پر آتے ہیں تو وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کے لیے پر کوئی نام نہاد چندہ بکس یا طبقاتی تقسیم نہیں ہے اور نہ ہی کوئی Open یا hidden فیس کا صدقے کا یا مالی جنات کا ذرا ما ہے۔ میں تو اکثر ایسے لوگوں سے کہتا ہوں کہ چند مینی اچھی طرح مشاہدہ کریں پھر کوئی رائے دے سکیں۔

ٹھیکیدار صاحب بھی اسی غلطی کا شکار تھے جو میں نے رفع کی اور کہا ٹھیکیدار صاحب آپ مسئلہ بتائیں تاکہ میں مدد کر سکوں تو وہ بولا جناب اس کے لیے آپ کو میرے گھر جانا پڑے گا۔ کیونکہ مریض اب ڈاکٹروں، حکیموں اور دواؤں سے اتنا مایوس ہو چکا ہے کہ وہ کسی سے بھی۔ لہذا کو تیار نہیں ہے تو جناب آپ کے پاس جب بھی وقت ہوگا میں آپ کو گھر لے کر جانا چاہتا ہوں اور دوسری بات جناب میرے پاس کار وغیرہ نہیں ہے آپ کو میری موٹر سائیکل پر ہی جانا پڑے گا۔ اس کی بات سن کر میں ہنس پڑا، ٹھیکیدار صاحب میرے پاس تو موٹر سائیکل بھی نہیں بلکہ سائیکل بھی نہیں ہے۔ میں آپ کے ساتھ موٹر سائیکل پر ہی آپ کے گھر جاؤں گا۔

خوشی جو مجھے بہت بیدار کرتی ہے میرے جاننے والے اکثر یہ جانتے ہیں کہ میں زیادہ تر لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میں سبزی خور ہوں گوشت نہیں کھاتا یا اکثر یہ بھی کہتا ہوں کہ مجھے کسی کے گھر سے کچھ کھانے کی اجازت نہیں ہے تاکہ میزبان کا خرچہ بھی نہ ہو اور اُس کا بھرم بھی قائم رہے۔ یہی بات میں نے ٹھیکیدار سے کی اور اُسے کہا نکالو موٹر سائیکل میں ابھی تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلتا ہوں۔ اُسے مجھ سے اتنی جلدی تعاون یا جانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بہت خوش ہوا اور میں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اُس کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ وہ راستے میں بہت خوشی کا اظہار کر رہا تھا اور یہ بھی بتا رہا تھا کہ وہ پاک پتن شریف کا رہنے والا ہے اور محنت مزدوری کے لیے پچھلے پانچ سال سے لاہور میں رہتا ہے۔ میں نے راستے میں پھر اُس سے مسئلہ پوچھا تو وہ پھر گریز کر گیا۔ جناب آپ جا کر دیکھیں گے تو آپ کو خود ہی سمجھ آ جائے گی۔ لہذا اور ادھر کی باتیں کرتے ہوئے آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ہم سبزہ زار لاہور کے ایک علاقے میں پہنچ گئے۔ مختلف گلیوں سے گزرتے ہوئے آخر ہم ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے پہنچ گئے جہاں پر ٹھیکیدار صاحب رہتے تھے۔ مجھے تجسس بھی تھا کہ ٹھیکیدار اصل بات بتائیں رہا اور یہ اتنا سسپنس کیوں Create کر رہا ہے اور اصل بات کیوں نہیں بتا رہا۔ ٹھیکیدار صاحب نے لوہے کے دروازے کو زور زور سے پیٹا کیونکہ میں ساتھ تھا اس لیے وہ چاہ رہا تھا کہ دروازہ جلدی کھل جائے۔ چند منٹوں بعد جب دروازہ کھلا تو میرے سامنے جو منظر تھا میں اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا۔ ہمارے سامنے تیس سالہ عورت نما لڑکی کھڑی تھی، حیرت مجھے اُس عورت پر نہیں تھی حیرت یہ تھی کہ اُس نے بکری کے دو معصوم اور چھوٹے چھوٹے نمونہ عورت اور پیارے پیارے بچے اٹھائے ہوئے تھے، اُس کے سر پر دوپٹہ بھی نہیں تھا۔ ٹھیکیدار کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ تیزی سے واپس دوپٹہ لینے کمرے کی طرف بھاگی۔ اسی دوران ہم گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر چھوٹے سے

صحن کا منظر بھی لا جواب اور حیران کرنے والا تھا۔ کیونکہ ہمارے سامنے 15 سے 20 کے درمیان بکریاں اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت بچے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ کیونکہ میرا تعلق بھی دیہاتی علاقے سے ہے اور ہماری بھی زرعی زمینیں ہیں اس وجہ سے میں دیہاتی کلچر کو بہتر طور پر جانتا بھی ہوں اور پیار بھی کرتا ہوں۔

مجھے بھیڑ بکریوں سے بہت زیادہ پیار بلکہ عشق ہے اور میری یہ شدید ترین خواہش کہ میں بہت ساری بکریاں رکھوں اور ان کی خدمت اور ان کے ساتھ وقت گزاروں کیونکہ مجھے رشک آتا ہے ان بھیڑ بکریوں پر جن کے ساتھ شہنشاہِ دو عالم میرے پیارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچپن کا بہت سا وقت گزارا۔ آسمان، سورج، پہاڑ، ہوائیں، درخت اور وہ پاک دھرتی کتنی محبت اور پیار سے سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نکلتی ہوگی۔

اگر مجھے سرکارِ مدینہ کے طفیل اور خالقِ کائنات کے کرم خاص سے جنت ملی تو میری اولین خواہشوں میں ایک یہ بھی ہے کہ میں خالقِ کائنات سے درخواست کروں کہ مجھے نبی پاک پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ منظر دیکھنے کی عظیم سعادت مل جائے جب آپ بی بی حلیمہ سعدیہ کے گھر پر تھے اور جب آپ کائنات کی عظیم اور خوش قسمت بکریوں کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے، کاش ایسا ہو، کاش ایسا ہو۔ لاہور شہر میں آپ کسی کے گھر جائیں اور صحن بکریوں اور ان کے بچوں سے بھرا ہوا تو یقیناً یہ منظر آپ کو بھی حیران کر دے گا۔

ہم دونوں بکریوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے چھوٹے بچے برآمد ہوئے جو پہلے سے موجود چار بکریوں کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ ٹھیکیدار مجھے بٹھا کر خود کمرے میں گھس گیا اور اپنی بیوی کو چائے وغیرہ کا کہہ کر اور شاید میرا تعارف کر کے واپس میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ اس دوران میں گھر اور بکریوں کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد چائے آ گئی۔ گرم گرم چائے پینے لگا۔ ٹھیکیدار صاحب نے بات شروع کر دی۔ پروفیسر صاحب میرا تعلق بہت غریب خاندان سے ہے۔ میرا گاؤں پاک پتن کے قریب ہے۔ یہ میری محبت کی شادی ہے۔ 12 سال پہلے دونوں خاندانوں کی مخالفت کے باوجود ہم دونوں نے شادی کر لی۔ کیونکہ ہم دونوں کے گھر والے اس شادی کے خلاف تھے اس لیے پہلے دن سے آج تک دونوں خاندانوں نے اس شادی کو قبول نہیں کیا اور آج تک اس شادی کو توڑنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ دونوں خاندانوں والے بے شمار عاملوں اور بابوں کے پاس جا چکے ہیں کہ ہماری شادی ٹوٹ جائے، دونوں خاندان اس مشن پر ہیں کہ یہ شادی ٹوٹ ہو جائے۔ وہ ہم دونوں پر جادو ٹونا بھی کراتے ہیں لہذا ان دونوں خاندانوں کے جادوؤں نے کی وجہ سے آج تک ہماری اولاد نہیں ہوئی۔ اولاد کے لیے میں اور میری بیوی پتہ نہیں کتنے مزاروں اور بابوں کے علاوہ ڈاکٹروں اور حکیموں کے پاس جا چکے ہیں۔ میں جو بھی کماتا ہوں، وہ اسی کام پر لگا دیتا ہوں۔ کیونکہ ہم دونوں کے خاندان ہم دونوں سے شدید ناراض ہیں اس لیے نہ میرے گھر والوں کی طرف سے اور نہ میرے سرال والوں کی طرف سے کوئی ہمارے گھر آتا ہے۔ بے پناہ علاج اور بابوں کے پاس جانے کے بعد اب ہم دونوں مایوس ہو چکے ہیں کہ شاید اولاد جیسی عظیم نعمت ہمارے مقدر میں نہیں ہے۔ ہمارے گھر والے یہی کہتے ہیں کہ تم دونوں نے ہمارا دل دکھایا ہے اس لیے تم کبھی بھی صاحبِ اولاد نہیں ہو سکتے۔ بھاگ بھاگ کر آخراں ہم بھی تھک گئے ہیں اور ذہنی طور پر یہ مان لیا ہے کہ اب اولاد ہمیں نہیں ہوگی۔

پہلے تو میری بیوی بہت شوق سے ڈاکٹروں اور بزرگوں کے پاس جاتی تھی لیکن بد قسمتی سے کچھ عرصہ پہلے ایک بیمار عامل نے میری بیوی کے ساتھ بد فعلی کی کوشش کی کہ تمہارے خاندان میں مسئلہ ہے اس لیے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اس کی بد فعلیت نے میری بیوی کو بابوں سے بدگمان کر دیا ہے اس لیے اب یہ کسی بزرگ کے پاس جانے سے ہی انکار کر دیتی ہے۔ مگر سال پہلے اس کو مصروف رکھنے کے لیے میں ایک بکرا بکری لے کر آ گیا اس کے بچوں سے اس کو اتنا انس ہو گیا کہ ان کو ہی اپنے بچے سمجھنے لگی۔ ان دو بکرے بکری کے یہ بچے ہیں۔ یہ ان کو اپنی اولاد سمجھتی ہے، ان کا اپنے بچوں کی طرح خیال کرتی ہے۔ میرے لیے یہ مسئلہ ہے کہ ان کو بیچنے بھی نہیں دیتی اس طرح ان کی تعداد ہر سال بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کی زندگی اب یہی بچے ہیں۔ یہ دن رات ان کے ساتھ ہنسی کھیلتی ہے۔ یہ اب اس کے بچے ہیں۔ یہی اب اس کی بہالی کے ساتھی ہیں۔ میں سارا دن محنت مزدوری کرتا ہوں اور یہ بکریوں اور ان کے بچوں کے ساتھ اپنا وقت گزارتی ہوں۔ ان کے ساتھ باتیں کرتی ہے۔ پروفیسر صاحب آپ کو یہاں لانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ خود اپنی نظروں سے دیکھ لیں کیونکہ اس نے تو اب قسم کھائی ہے کہ میں اب کسی کے پاس نہیں جاؤں گی۔ آپ کو دیکھا آپ کے بارے میں باتیں ہیں تو دل میں بھی ہوئی چنگاری پھر جل اٹھی کہ شاید آپ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ ہماری گود بھی بھر دے۔ اسی دوران ٹھیکیدار صاحب نے اپنی بیوی کو بھی پاس بلا لیا۔ اس نے اپنی گود میں پھر سے ایک بکری کا بچہ اٹھایا ہوا تھا اور وہ اس کو پیار کر رہا تھا کہ ماسکس طرح اپنی فطری جبلت کو پورا کر رہی تھی۔ وہ دنیا مافیہا سے بے خبر بچے کو پیار کر رہی تھی اور بالکل اعلانِ بن کے بیٹھی تھی جیسے اس کی کل کائنات یہی بچے ہوں اور وہ خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید مایوسی کی تمام صدوں سے گزر گئی تھی۔ اُسے بالکل بھی یقین نہیں تھا کہ یہ پروفیسر کون ہے، کدھر سے آیا ہے یا کیا کر سکتا ہے۔ لگ رہا تھا کہ کسی بہت ہی تلخ تجربے نے اُسے بزرگوں سے بری طرح متنفر کر دیا تھا۔ وہ صرف اپنے خاندان کی خوشنودی کی خاطر ایک Drill کے طور پر بیٹھی تھی۔ ٹھیکیدار ادھر ادھر کی باتیں کیے جا رہا تھا اور وہ شدت سے اس بات کے انتظار میں تھی کہ کب یہ پروفیسر میرے گھر سے جاتا ہے اور کب وہ اپنے بچوں کے ساتھ زندگی Enjoy کر سکتی ہے۔

میں اُسے غور سے دیکھ رہا تھا وہ گاؤں کی سیدھی سادی عورت تھی۔ اُس کی وضع قطع اور ظاہری حلیہ بتا رہا تھا کہ وہ کب کی اپنی ذات سے لاپرواہ ہو چکی ہے۔ کچھ لوگ جب دکھ، ڈپریشن اور ناامیدی کی آخری سرحدوں کو بھی عبور کر جاتے ہیں تو وہ React کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ بظاہر پرسکون ہو جاتے ہیں لیکن جب آپ اُن کی ذات کی گہرائی میں یا لاشعور کے عمیق ترین باطن میں جھانکتے ہیں تو آپ کو وہاں غم، دکھ، ڈپریشن کے کئی سمندر نظر آتے ہیں یا اگر دکھ یا درد اپنی آخری صدوں سے جب گزر جاتا ہے تو بھی شاید بندہ بے حس ہو جاتا ہے اور پھر خود کو حالات اور فطرت کے ہاتھوں کھلا چھوڑ دیتا ہے کہ اب جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔

یہ بی بی بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار تھی اور ساری امید تو ذکرِ اب ایسی حالت میں تھی کہ میں نے اپنی تمام کوششیں کر لی ہیں اور کچھ نہیں ہوا تو نا سہی اب جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔ یہ لوگ اکثر معاشرے سے اُٹھ کر ہو جاتے ہیں۔

اُس کا موجودہ رویہ بھی شاید یہی لائق غور رہا تھا۔

کیونکہ یہ سارا منظر روئین سے ہٹ کر تھا اس لیے میری تمام حسیات بیدار ہو چکی تھیں اور میں پورے دل سے جوش و خروش سے اُسے اور اُس کی بکریوں کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے اُس کی لائق غور تھی۔ مجھے شدید دکھ ہو رہا تھا کہ یہ عورت کتنے صحراؤں سے گزری ہے کہ ناامید ہو گئی ہے۔ اُس عورت کا رویہ، بکریاں اور اُن کے بچے دیکھ کر میری روح اور جسم کئی تہذیبوں سے گزر گئے۔ کئی احساسات آئے اور گزر گئے۔ مجھے شدت سے آقائے دو عالم نبی پاک کا نام یاد آیا اور میں وجدانی طور پر اُس ماحول میں چلا گیا اور اُسی کیفیت میں خالق کائنات کو درخواست کی کہ اگر وہ اُن کو روزانہ بچے Abortion کراتے ہیں، حفاظتی تدبیروں سے بچوں کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی روک دے، تو اسے رب کائنات اگر یہ اولاد کا کرم اُس دیکھی عورت پر ہو جائے تو کون سا تیرے خزانے میں کوئی کمی آجائے گی۔ اسی حالت میں کتنی دیر میں خالق کائنات سے درخواست اور منتیں کرتا رہا۔ میرے اوپر طاری ہونے والی مخصوص کیفیت اتنی تھی کہ قدرت اُس عورت پر مہربان ہونے والی ہے۔ میں کافی دیر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا رہا اور مجھے جلد ہی احساس ہونے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بنجر زمین پر کرم کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اُسی حالت میں میں نہیں اٹھا اور ان بکریوں کے درمیان گھومنا شروع کر دیا اور بکریوں سے پیار بھی کرتا جا رہا تھا۔ ٹھیکیدار کو میں نے کہا کہ تم آرام سے بیٹھو۔ میں کافی دیر اُسی حالت میں رہا اور آخر کافی دیر بعد میری بے چینی کو قرار آ گیا اور میں واپس اُن کے پاس آ کر چار بائی پر بیٹھ گیا۔ میری بیوی نے بھی اسی کیفیت سے دونوں میاں بیوی پریشان اور حیران ہو چکے تھے۔ میں اُس کی بیوی سے بولا میری بہن اللہ تعالیٰ بہت جلد تم پر کرم کرنے والا ہے۔ جب اللہ کا کرم ہو جائے تو تمہیں یقین آئے گا کہ ہمارا اللہ بہت مہربان ہے۔ ٹھیکیدار کی بوجھ لے آیا کہ جناب یہ دم کر دیں۔ میں نے پانی وغیرہ دم کر دیا اور قرآن پاک کی سورتیں اور اللہ پاک کے نام پڑھنے کو بتائے اور دم وغیرہ کر کے میں ٹھیکیدار کے ساتھ واپس اپنے گھر آ گیا۔ ٹھیکیدار سارے راستے میں بیوی کے رویہ کی معافی مانگتا رہا کہ اُس کو آپ کا پتہ نہیں تھا اس لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ او نہیں ٹھیکیدار صاحب وہ بیچاری اللہ تعالیٰ تکلیف میں ہے اور درد کی انتہا پر بندہ دوسروں سے لا پرواہ ہو جاتا ہے۔ وہ بیچاری تو خود قابلِ رحم حالت میں ہے۔ مجھے کوئی غصہ یا اعتراض نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جلدی اُس کو اس تکلیف سے نکالے اور اُس کی خالی جھولی اولاد کی نعمت سے بھر دے اور انشاء اللہ جب جلدی اللہ تعالیٰ اُس پر کرم کرے گا تو وہ خوش بھی ہو جائے گی۔ ٹھیکیدار مجھے میرے گھر اتار کر میرا شکر یہ ادا کر کے چلا گیا کہ میں اُس کے ساتھ اُس کے گھر گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ اس واقعہ کو دو ماہ بیت گئے۔ ایک دن میں واپس آیا تو ٹھیکیدار دوڑتا ہوا میرے پاس آیا اور آتے ہی بولا جناب آپ کی دعا اللہ نے سن لی۔ اللہ نے ہمیں خوشخبری دی ہے۔ کیا، میں نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا تو اُس کے پیچھے اُس کی بیوی بھی تیزی سے میری طرف آ رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھلوایا اور اندر آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ٹھیکیدار خوشی سے پھولے نہیں سارہا تھا کہ اچانک اُس کی بیوی انھی اور میرے سامنے کھڑی ہو گئی کہ سرکار مجھے معاف کر دیں، اُس دن جب آپ میرے گھر آئے تھے تو میں نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی اور آپ کی مہمان داری نہیں کی۔ او نہیں میری بہن یہ خوشی کا موقع ہے۔ اللہ نے اتنا بڑا کرم کر دیا

والی اللہ نے کرم کر دیا ہے؟ تو ٹھیکیدار بولا جی پروفیسر صاحب ہم ٹیٹ کروا کر سیدھا آپ کی طرف ہی آ رہے ہیں ہم نے دو ہفتاؤں سے ٹیٹ کروایا ہے۔ جب تسلی ہوئی تو اس نے شدید ضد کی کہ اب میں نے گھر نہیں جانا پہلے پروفیسر صاحب کے پاس جا کر معافی مانگنی ہے اور شکریہ ادا کرنا ہے اور پھر گھر جانا ہے۔

اب بھی ایسا علاج مریض ٹھیک ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی واضح کرم نوازی نظر آتی ہے تو میں اور میری روح فل فل ہوتی رہتی ہے۔ اللہ کی موجودگی اور کرم نوازی کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔

وہی عورت تھی جو زندگی سے بے زار تھی، اس کی آنکھوں میں صحراؤں کی ویرانی اور دکھوں کے سمندر تھے اور اُس کے روئے زوئے سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔ قوس قزح کے رنگ اُس کے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ اُس کے دل میں جہاں پہنچتی تھی۔ وہ جو بنجر زمین کا احساس دلاتی تھی اب سرسبز و شاداب ہو چکی تھی۔ اس خبر کے ساتھ ہی اُس کی زردی لحوں میں لالی میں ڈھل چکی تھی۔ دونوں خوشی سے سرشار اپنی خوشی میرے ساتھ Share کر رہے تھے۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار کہ اللہ نے ایک بار پھر اس گنہگار پر کرم کر دیا ہے۔ وہ دونوں کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے۔ اس واقعہ کو دو کبھی کبھی سلام اور دم کے بہانے آتے رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے انہیں صاحب اولاد بنا دیا تو وہ میرے پاس اپنی گھر لے آئے تو دونوں مکمل ہو چکے تھے۔ جب اُس کی بیوی نے مجھے مٹھائی کا ڈبہ دیا تو میں نے مذاقاً کہا کہ اچھا کیونکہ جب میں اُس کے گھر گیا تھا تو اُس نے بکری کا بچہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ باجی آپ کو مبارک ہو۔ اب اللہ ایک اشتہار کے طور پر جہاں جاتا لوگوں کو میرے بارے میں بتاتا۔ دونوں کے گاؤں والوں کو بھی پتہ چلا۔ اب وہاں خاندانوں کی صلح ہو چکی تھی۔ میرے پاس ہر روز کوئی بے اولاد جوڑا آتا اور بتاتا ٹھیکیدار صاحب نے بھیجا ہے تو ایک دن میں نے ٹھیکیدار صاحب کو بلایا کہ یار میرا اشتہار لگانا بند کر دو۔ تو وہ بولا سرکار میں نہ بھی بتاؤں تو لوگوں کو پتہ ہے۔

اگلے دو سالوں میں اللہ تعالیٰ نے ٹھیکیدار صاحب کو دو بچے اور دیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم خاص ہو چکا تھا۔ ایک دن میں دفتر سے واپس آیا تو دونوں میاں بیوی گھر کے سامنے تین بچوں کے ساتھ کھڑے تھے۔ میرے پیچھے ٹھیکیدار کی بیوی بولی جناب آپ سے فیصلہ کروانا ہے۔ وہ یہ کہ ٹھیکیدار صاحب کہتے ہیں کہ تین بچے کافی ہیں۔ اب آپ کے پرہیز کرنا ہے جبکہ میں یہ بات کبھی نہیں مانوں گی۔ میں اللہ کے فضل کو نہیں روکوں گی اور میں حیرت سے دونوں کو دیکھ رہا تھا اور آسمان کی طرف منہ کر کے سوچا۔ واہ میرے مولا تیرے رنگ نرالے، تیرے کرم نرالے، تیرے کھیل نرالے اور تو بھی نرالا۔

مٹھائی کے دولٹو

مٹھائی انسان کی فطری کمزوری ہے اور لٹو کے ساتھ خوشی کا احساس دو بالا ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم خاص ہے

کہ اُس نے مجھے اس قابل سمجھا کہ لوگوں کو اس فقیر کی بدولت یا میرے پاس آنے والے دھکی لوگوں کے غم اور پریشانی میں رات پاک دور کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ میں لوگوں سے پیسے نہیں لیتا تو لوگوں کو جب بھی کوئی خوشی ملتی ہے یا کوئی مشکل حل ہو جاتا ہے تو وہ میرے پاس مٹھائی لے کر آتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ مٹھائی اتنی زیادہ آتی ہے کہ سنبھالنا اور کھانا مشکل ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ مٹھائی منوں کے حساب سے آ جاتی ہے جس کو بانٹنا اور سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لوگ میرے پاس آتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ نگر خدائی اور فقیری ہوتا ہے اس لیے میں فوری طور پر ہاتھ دھو ہوں۔ کیونکہ میرے پاس پورے پاکستان بلکہ غیر ممالک سے بھی لوگ آتے ہیں، اس لیے طرح طرح کی مٹھائیاں اور دراز کے شہروں اور ملکوں سے اکثر آتی رہتی ہیں، لیکن میں روحانی ریاضت کی وجہ سے میٹھا اور گوشت کم کھاتا ہوں۔ آنے والے کی خوشی کے لیے اکثر کھانا بھی پڑتی ہے تاکہ آنے والے کی دل آزاری نہ ہو۔

پاکستان کے تمام بڑے شہروں کی مٹھائیاں بلکہ غیر ملکی مٹھائیاں بھی میں کھا چکا ہوں لیکن مجھے جس مٹھائی سے زیادہ مزہ آیا وہ یہ مٹھائی کے دولہو تھے جس کا ذائقہ اور شیرینی آج بھی میں محسوس کرتا ہوں۔ ان دولہوؤں کا پسینہ اور وجہ یہ تھی۔

بکری کے بچوں سے پیار والے واقعہ کے بعد بے شمار لوگ میرے پاس اولاد کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ نے اکثر پر اپنا کرم خاص کر دیا۔ ایک دن میں دفتر میں موجود تھا کہ میرے پاس تین دوست آئے۔ خالد جٹ اور محمد علی۔ یہ تینوں زندہ کردار ہیں۔ روحانیت کے منکرین اگرچہ ہیں تو ان سے مل بھی سکتے ہیں اور یہ اصل نام ہیں۔ ان میں سے راشد ڈوگر میرے گاؤں کے ساتھ والے گاؤں سے تھا اور باقی دونوں دوست اس کے دوست تھے۔

میرے پوچھنے پر تینوں بولے کہ جناب ہم تینوں پرانے دوست ہیں اور اولاد کے سلسلے میں آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ تینوں کے پاس اولاد نہیں ہے، میں حیرت سے بولا۔ تو راشد ڈوگر بولا۔ نہیں جناب میرے اور خالد کے پاس بیٹیاں ہیں۔ ہم بیٹے کے لیے آئے ہیں اور ہمارے تیسرے دوست کے پاس 7 سال شادی کے بعد بھی اولاد نہیں ہوئی۔

یہاں میں بے اولاد کے حوالے سے وضاحت کر دوں کہ بانجھ پن دو طرح کا ہوتا ہے ایک مردوں کا اور ایک عورتوں کا۔ عورتوں کے بانجھ پن کی مزید قسمیں ہوتی ہیں۔ اول تو اولاد ہوتی ہی نہیں یا صرف لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جیسے ہی ماں کے پیٹ میں بیٹا آتا ہے تو ایسی عورت بانجھ پن کی وجہ سے بارش کی طرف چلی جاتی ہے یعنی لڑکی ہو جاتی ہے اگر بیٹا ہو تو بارش ہو جاتا ہے۔ بانجھ پن مردوں میں بھی ہوتا ہے۔ اس پر تفصیلاً میں نے اپنی دماغی کتاب ”سرمایہ درویش“ میں لکھا ہے۔ آپ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اللہ کا نام لے کر تینوں دوستوں کا علاج کیا اور اُس رحیم و کریم کے فضل سے تینوں دوست دو سال کے اندر بیٹوں کے باپ بن گئے بلکہ اب تو دو دو اور تین تین کے باپ بن چکے ہیں۔ اگر میں ان تینوں کی تفصیل لکھوں گا تو کتاب بہت طوالت کا شکار ہو جائے گی، زندہ کردار ہیں

ہے ہائے والے ان تینوں کو بخوبی جانتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں پر کرم خاص کیا، تینوں دیہات میں شور مچ گیا جو آج تک جاری ہے۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے جوڑوں پر مہربان ہوتی ہے تو یہی لوگ چلتے پھرتے اشتہار بن جاتے ہیں اس کے بعد تو ہزاروں لوگ میری خدمت میں آئے اور اکثر پر اللہ تعالیٰ نے کرم کیا اور وہ صاحب اولاد بھی ہو گئے۔ اور جب یہ بچے اور ماں باپ کبھی کبھی سلام کرتے آتے ہیں اور ماں باپ کے چہروں پر خوشی اور سرشاری دیکھ کر میری گردن رب ذوالجلال کے سامنے شکرانے کے لیے جھک جاتی ہے اور یہ حوصلہ بھی کہ شاید یہی لوگ میرے لیے باعث نجات بن جائیں۔ ان دوستوں کے بہت سارے اولاد اب میرے پاس آنا شروع ہو گئے۔ ایک عید الفطر پر میں اپنے گاؤں گیا ہوا تھا اور بہت سارے لوگ مجھے ملنے آئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں میں ایک جوڑا میاں بیوی جن کی حالت بتا رہی تھی کہ یہ بہت زیادہ غریب ہیں۔ غربت ان کی رو میں تک سرائیت کر گئی تھی۔ یہ لوگ بہت ڈرے، سہمے ہوئے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ موقع ملے ہی میں نے ان دونوں کو اپنے پاس بلایا۔ دونوں ہی حد سے زیادہ مظلوم لگ رہے تھے۔ میرے پہلے یہ غلام نے بتایا کہ جناب میں ایک مزدور آدمی ہوں۔ کبھی مزدوری ملتی ہے کبھی نہیں ملتی۔ میری چار لڑکیاں ہیں۔ گھر میں ملاقات پڑ رہے ہیں۔ زندگی گزارنا بلکہ دال روٹی بھی چلانا مشکل ہو جاتی۔ میرے گاؤں سے ایک بندہ آپ کو ملاقات لائے گا۔ جب اُس کو اپنے سالوں کے بعد اللہ نے بیٹا دیا تو میری بیوی اُن کے گھر کام کرتی ہے۔ یہ میرے پیچھے پڑ گئی کہ ام دونوں میں آپ کے پاس چلتے ہیں۔ میں نے اس کو بہت روکا کہ دال روٹی تو پوری نہیں ہوتی تو یہ بیروں کے دارالے میں کہاں سے دوں گا، کیونکہ پچھلے کئی سالوں سے میں کئی بابوں، ملکنوں اور مزاروں پر چکر لگا چکا ہوں۔ اب وہاں ہو گئی ہیں اُن کا اور اپنا خرچہ ہی پورا نہیں ہوتا تو علاج اور نذرانہ کیسے دوں گا لیکن اس کے مجبور کرنے پر آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ کیا آپ مزدوروں اور غریبوں کا علاج کرتے ہیں۔ میرے پاس روپے نہیں ہیں میں تو صرف آپ کو دعا دے سکتا ہوں جس کے گھر میں روز فاقے ہوں وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے۔

دونوں میاں بیوی نظریں جھکائے میرے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں کو بات کرنا بھی نہیں آ رہی تھی۔ دونوں کی لادھی، غربت اور لاچارگی مجھے کھارہی تھی۔ مجھے اندر سے چیر رہی تھی۔ ایسی غربت، لاچارگی پر میں کئی بار ادب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی شاکی نظروں سے دیکھتا ہوں کہ اے میرے اللہ پاک یہ لوگ اتنے غریب کیوں ہیں۔ تیری رحمت تو ہی جانے، ہم تو اندھے ہیں۔ مزدور بتا رہا تھا کہ ہمارے پاس اتنے پیسے بھی نہیں کہ لاہور آپ کے پاس آسکیں۔ ہم کئی بار گاؤں والے آپ کے گھر چکر لگا چکے ہیں۔ اب عید پر آپ آئے ہیں تو امید لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ بابا جی اگر ہو سکے تو ہم غریبوں پر بھی کرم ہو جائے لیکن دینے کو میرے پاس دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس حیرت اور دکھ کی تصویر بنانا اُن کو دیکھ رہا تھا اور مجھے افسوس ہو رہا تھا اُن عاملوں اور ٹھگنوں پر جو لوگوں کو سرعام لوٹ رہے ہیں اور کوئی ان کو پوچھنے والا بھی نہیں۔

میں نے دونوں کو حوصلہ دیا اور کہا کہ میں نہ آپ سے اور نہ ہی کسی اور سے پیسے لیتا ہوں۔ میں دوسروں کی طرح

آپ کا بھی مفت علاج کروں گا۔ وہ دونوں حیرت، خوشی اور امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ وہی باباجی میرے گھر بیٹا ہو گائیں۔ اُس کی آنکھوں میں شدید خواہش اور امید نظر آ رہی تھی۔ جی میری بہن انشاء اللہ میں اپنے پاس سے پانی وغیرہ اور دوسری چیزیں منگو اکروم کر دیں اور وہ دونوں خوشی خوشی سلام کر کے چلے گئے۔ وہ بارہ دنوں میں بفرعید پر گاؤں گیا تو دونوں میاں بیوی پھر آئے۔ بیوی امید سے تھی اور دونوں خوفزدہ تھے کہ پتہ نہیں اس ہارنگی کا ہے کہ نہیں۔ میں نے دونوں کو حوصلہ دیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوشخبری دے گا انشاء اللہ تعالیٰ ضرور۔ کہنے لگا سرکار آپ کو دعا دی گئی گاؤں آتے ہیں آپ کے پاس ہم دم کروانے آئیں گے تو آپ اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ وہ دم کرا کر چلے گئے اور میں لاہور آ کر اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔ وقت کا پیہر چٹا رہا، ایک دن حسب معمول میں آستانہ پر لوگوں سے مل رہا تھا، بے پناہ رش تھا اسی رش میں وہ مزدور بھی مجھے بیٹھا نظر آیا جیسے ہی اُس کی نظریں میری نظروں سے ٹکرائیں تو اُس نے سلام کیا اور مسکرایا بھی، اُس کے چہرے کی خوشی بتا رہی تھی کہ وہ بیٹے کا باپ بن چکا ہے۔ اُس کی آنکھوں اور چہرے پر اللہ اور خوشی کے تاثرات واضح نظر آ رہے تھے۔ مجھے جیسے ہی موقع ملا میں نے اُس کو پاس بلایا۔ وہ خوشی خوشی میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بولا باباجی آپ کی دعاؤں سے اللہ نے میری سالوں کی دعا قبول کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیٹا دیا ہے۔ میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ میری بیوی نے مجھے بہت زبردستی آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ پروفیسر صاحب منٹائی دے کر آؤ۔ باباجی میں تو مزدور اور غریب آدمی ہوں پتہ نہیں آپ کوئی منٹائی کھاتے ہیں۔ میں تو ان کے ہوں۔ اس لیے اپنے بھانجے کو ساتھ لایا ہوں آپ جو پسند کرتے ہیں میں لے آتا ہوں۔ میں نے اسے بہت کھانا دیکھو میرے پاس منٹائی کے کتنے ڈبے پڑے ہیں، تم نے کہا اور میں نے کھائی لیکن وہ بھند رہا کہ اگر آپ نے منٹائی کھائی تو میری بیوی کی تسلی نہیں ہوتی۔ آپ خدا کے لیے میری منٹائی ضرور کھائیں، یہ ہم دونوں کی خواہش ہے۔ جب اُس نے بہت زیادہ ضد کی تو میں نے اُسے کہا تو پھر میری بھی ایک ضد ہے کہ تم صرف دو لڈو لے کر آؤ گے ایک نہار اور ایک میرا۔ اگر تم زیادہ لاؤ گے تو میں ناراض ہو جاؤں گا لہذا وہ سادہ آدمی میری بات مان گیا اور وہ لاہور لینے چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد منٹائی کے دو لڈو لے کر آ گیا تو میں اور وہ ایک سائیڈ پر بیٹھ گئے تو اُس نے دو لڈو نکال کر میرے سامنے کر دیئے۔ ایک مجھے پکڑا دیا اور ایک خود پکڑ لیا اور خوشی سے رونا شروع کر دیا۔ باباجی میں پیسے کسی سے ادھار پکڑ کر لا ہوا، آپ کو شاید میرے دل کی بات پتہ چل گئی اس لیے میرا آخر چ نہیں کرایا۔ باباجی میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ وہ خوشی سے اور بھی باتیں کرتا رہا اور میں خوشی اور خاموشی سے اُس کی باتیں سنتا رہا۔ اُس کے چہرے پر جو سکون اور خوشی تھی وہ قابلِ دید تھی۔ اُس کے ایک لڈو نے جو مزادیا وہ آج تک کسی اور منٹائی نے نہیں دیا۔ لڈو کھانے کے بعد میں نے اپنے پاس موجود منٹائی کے ڈبوں میں سے ایک بڑا ڈبہ اٹھایا اور اُسے کہا کہ یہ منٹائی اب تم اپنے ہاتھ سے یہاں موجود لوگوں میں بانٹ دو۔ اور وہ گاؤں کا سیدھا سادہ دیہاتی مزدور عورتوں اور مردوں میں منٹائی بانٹ رہا تھا اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا۔ اُس کی ضد پر میں نے اُس کے بیٹے کا نام رکھ دیا۔ وہ بارہ دنوں میں جب اُس کے گاؤں گیا تو وہ بیوی کے ساتھ سلام کرنے آیا۔ اُس کی بیوی کے چہرے کا نکھار بھی کچھ اور تھا۔ اطمینان، خوشی اور ابدی آسودگی اُس کے چہرے سے نظر

آئی۔ وہ تھکرا آمیز نظروں سے میری طرف اور کبھی اپنی گود میں موجود بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ چھ ماہ بعد میرے پاس مزدور باباجی میری بیوی پھر امید سے ہے۔ اللہ نے اُس کو دوسرا بیٹا دیا اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس کو تیسرا بیٹا دیا۔ اب جب بھی کبھی میں گاؤں جاتا ہوں تو دونوں میاں بیوی اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ سلام کرنے آتے ہیں اور ہر بچوں کے تعویذ بھی لیتے ہیں۔ اب جب بھی وہ ملتے ہیں تو اُس کی ماں اپنے بچوں کے پیار بھرے شکوے سناتی کرتی ہے کہ یہ بہت ضدی ہے یہ ست ہے، یہ بہت تیز ہے، یہ اپنی بہنوں کو بہت تنگ کرتا ہے، یہ اپنے باپ پر کھانا نہیں کھاتا نہیں۔ معصوم باتیں اور وہ تینوں بچے جب ادھر ادھر دوڑتے ہیں تو میں رب ذوالجلال کا اشک بار آنکھوں سے اٹھاتا ہوں کہ جب تیری رحمت برستی ہے تو رنج کے برستی ہے اور تیرے لامحدود خزانوں کا منہ جب کسی پر کھلتا ہے تو اس کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ ہم انسان تیری رحمت سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ لیکن آخر کار تیری رحمت برستی ہے۔ آج اللہ کو کافی سال گزر گئے ہیں لیکن مجھے آج بھی منٹائی کے اُن دو لڈوؤں کا ذائقہ اچھی طرح یاد ہے۔ ساری منٹائیاں صرف اُس مزدور کے دو لڈو ایک طرف، وہاں میرے مولا واہ۔

غیر ملکی بے اولاد جوڑا

شاہ جہانگیر کے بیٹے شاہ جہانگیر

وہی تو تین سالہ بچہ تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گزار دوں تو شاید اللہ تعالیٰ کے ایک احسان یا نعمت کا شکر ادا کر سکے۔ لیکن رب ذوالجلال کے بے شمار احسانوں میں سے ایک بڑا احسان جو اللہ تعالیٰ نے مجھے فقیر گنگا پر کیا ہے وہ ہے کہ میں بے اولاد جوڑوں کو اولاد جیسی نعمت سے نوازا نہ بلکہ جب بھی کسی بے اولاد کو دیکھی جوڑے پر اللہ تعالیٰ اپنا خاص کرم کرتا ہے وہ اپنے علاج بے اولاد جوڑوں پر جن کو ڈاکٹر جواب دے چکے ہوتے ہیں تو خوشی اور شدید حیرت سے میں اکثر سوچتا ہوں کہ کون کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا۔ یہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے جلوے کا اظہار، یہ دیکھو اللہ تعالیٰ کا کرم خاص اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں نہیں سنتا تو میں کہتا ہوں یہ دیکھیں اُس خالق کائنات نے کس طرح دعائی۔ یہ واقعہ بھی اسی طرح کا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا کرم خاص کا احساس دلایا۔ میں حسب معمول لاہور میں اپنے آستانہ پر لوگوں سے مل رہا تھا۔ بے شمار لوگ آئے ہوئے تھے۔ ان میں ایک نیا شادی شدہ جوڑا بھی آیا ہوا تھا۔ ایک خاتون کو میں نے Notice کیا کہ وہ تقریباً 6 گھنٹے سے بیٹھی ہے تو میں نے اُس سے پوچھا بہن! آپ بہت دیر سے بیٹھی ہیں۔ آپ اب آ جائیں تو وہ بولی میرے میاں مجھے یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ وہ رات کو لیٹ آئیں گے اس لیے ہم آٹھ بجے باری لیں گے۔ تو میں بولا بہن صبح کے تین بج جائیں گے تو وہ بولی کوئی بات نہیں۔ ہم جان بوجھ کر آخر میں باری لیں گے۔ جو لوگ آستانہ پر لاہور میں آتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ مقررہ دن لوگ صبح 6 بجے سے آ جاتے ہیں، سارا دن اور ساری رات صبح 3 یا 4 بجے تک پھر لوگوں سے ملاقات رہتی ہے۔ اُس عورت کا جواب سن کر میں باقی لوگوں میں مصروف ہو گیا۔ رش اتنا زیادہ تھا کہ ہر ایک کو اپنی پڑی ہوتی ہے۔ اسی طرح لوگوں سے ملتے ملتے رات کے تین بج گئے۔

لوگ تو ساری رات آتے تھے لہذا اب ہم اتنے ٹوکن جاری کرتے ہیں کہ تین بجے تک ملاقات ہو، کیونکہ اس کے Office بھی جانا ہوتا ہے ورنہ ساری رات بھی میں مل لیتا۔ جب تقریباً سارے لوگ چلے گئے تو آفتاب شاہ صاحب اور ان کے چند ساتھی دوست جو آخر میں آستانہ کو بند کرتے ہیں، جس طرح مری میں بہت سارے لوکل دوستوں نے میرا سالہا سالہ طرح یہاں لاہور میں بھی اللہ تعالیٰ ان کو جردے یہ میرا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے لوگ میرے لیے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں جیسے ہی کمرہ لوگوں سے خالی ہوا تو اُس خاتون نے جو تقریباً دس گھنٹوں سے بھی زیادہ دیر سے ٹیلی فون پر اپنے خاوند کو اندر بلا لیا اور آ کر دونوں بیٹھ گئے۔ شکل و صورت سے دونوں بہت شریف اور معصوم لگ رہے تھے۔ اور اسی اور مایوسی کے تاثرات دونوں کے چہروں پر واضح نظر آ رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے کسی عورت کا نام نہ لیا اور ان کے لیے میرے پاس آئی تھی اور اللہ نے اس پر جب کرم کیا تو اُس کے کہنے پر یہ میرے پاس آئے تھے۔ دونوں نے کہا کہ ہماری شادی کو 10 سال ہو چکے ہیں۔ پاکستان کے بے شمار ڈاکٹروں، حکیموں اور بزرگوں سے علاج کرائے کے بعد بہت سارا ناٹم یورپ میں بھی گزار کر آئے ہیں بلکہ خاتون کے پاس غیر ملکی شہریت بھی تھی۔ پاکستان کے ڈاکٹروں اور لیبارٹریوں سے مایوس ہو کر باہر کے کئی ممالک میں اپنا علاج کرایا اور اب ڈاکٹروں نے دونوں کو علاج مرہض قرار دیا ہے۔ ایسے جوڑوں سے میرا پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ آپ دونوں نے ٹیسٹ کرائے تو مسئلہ کس میں ہے یعنی خاوند یا بیوی میں تاکہ اُس کا روحانی علاج شروع کیا جاسکے۔ پروفیسر صاحب ہم دونوں یا مجھ میں ڈاکٹروں کے بقول ہم دونوں ہی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ مسئلہ ایک میں نہیں ہے بلکہ ہم دونوں میں ہے۔ اُن کا یہ جواب میرے لیے دم کاٹ گیا؟ میں نے حیرت سے دونوں کی طرف دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ پروفیسر صاحب اگر ہم دونوں باہم ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیوں کیا اور ہم دونوں کی شادی کیوں کی؟ وہ دونوں مایوسی کی آخری حد تک پہنچ چکے تھے۔ پروفیسر صاحب پاکستان میں بے شمار روحانی اور ڈاکٹری علاج کے بعد جب ہم باہر گئے تو وہاں کے ڈاکٹروں نے کہا کہ آپ آج تک اپنا وقت برباد کرتے رہے ہو، آرام سے واپس چلے جاؤ کیونکہ میڈیکل سائنس ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچی کہ آپ دونوں کا علاج کر سکے۔ فطرت نے آپ دونوں کے جسموں کو یہ صلاحیت نہیں دی۔ آپ دونوں صاحب اولاد نہیں ہو سکتے۔ پروفیسر صاحب دو سال پہلے ہم واپس آ گئے اور کسی سے کوئی علاج نہیں کرایا لیکن ہمارے جاننے والی خاتون پر جب اللہ نے کرم کیا تو ایک بار پھر ہمارے دل میں بھی اولاد کی خواہش جاگی تو ہم ایک امید لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ میں پیارا اور محبت، شفقت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ جب میرے اللہ پاک کا کوئی بہت مایوس بندہ میرے پاس آتا ہے تو مجھے شدت سے رب ذوالجلال کی رحمت یاد آتی ہے کہ میرے مولا تو تمام جہانوں کا مالک ہے، کروڑوں لوگ دنیا میں تیری نعمت کو ٹھکراتے ہیں، اپنے بچے دنیا میں آنے سے پہلے ہی مار دیتے ہیں تو پلیز ایک بچہ ان کو بھی دے دے۔ پتہ نہیں کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے کرم کر دینا ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب آج سیکڑوں لوگ میرے پاس آئے اور میں نے ہر ایک کی کوشش کی اُن کا دکھ بانٹا، حوصلہ دیا، بات سنی اور علاج کرنے کی بھی کوشش کی۔ میرے اللہ میری یہ ٹوٹی پھوٹی کوشش اگر

والی ہوتی تھی اس کا ثواب نہیں چاہیے۔ مجھے روز محشر اس کا اجر نہیں چاہیے۔ مجھے اس کا معاوضہ دنیا میں ہی دے دے۔ اے اللہ تعالیٰ اس نامراد اور دکھی جوڑے کو اولاد کی نعمت دے دے تاکہ یہ اُن لوگوں کو بتا سکیں جو کہتے ہیں کہ تم کو اللہ ہو، تم دونوں اولاد پیدا نہیں کر سکتے۔ میرے اللہ ان دونوں کو بھی تیری نعمتیں ملنی چاہیے، یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ اللہ اپنے لیے کچھ نہیں مانگتا بس ان دونوں پر کرم کر دے۔ یہ دعا اور خیالات خود ہی میرے دل و دماغ میں آئے۔ اللہ فرما سا آ گیا کہ انشاء اللہ یہ نامنکن کام میرا اللہ پاک ضرور کرے گا۔ اس کے بعد ایک نئے جوش، ولولے اور امید اللہ میں نے اس جوڑے کا علاج کیا۔ قرآن مجید کی سورتیں اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام پڑھنے کو بتائے اور حوصلہ بھی دیا۔ وہ امید بھری آنکھوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے چلے گئے اور میں ساری رات ان کے لیے دعائیں کرتا رہا۔ اس سال نومبر ماہ میں میرے پاس تین ماہ آتا رہا۔ کبھی کبھی مجھے بھی مایوسی ہوتی کہ پتہ نہیں اللہ پاک ان پر کرم کرتا ہے کہ نہیں کیونکہ انہوں نے جب بھی میرے پاس آتے تو کہتے کہ ہم دونوں کے خاندان والے ہمیں طعنے مارتے ہیں کہ پاکستان اور غیر ملکی ملک کے تمام بڑے ڈاکٹرز آپ دونوں کو جب جواب دے چکے ہیں آپ دونوں کو علاج قرار دے چکے ہیں تو کیوں اللہ تعالیٰ انہیں فقیروں کے پاس جا کر برباد کرتے ہو؟ ہر بار وہ ایک نئی امید کے ساتھ آتے اور سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھتے اور پوچھتے پروفیسر! ہم پر کرم ہو گا نا، ہم صاحب اولاد ہوں گے نا۔ اور میں ہر بار انہیں امید دلاتا کہ انشاء اللہ اللہ پاک ہم کو کرم کرے گا۔ اُس نے پہلے بھی بے شمار بے اولادوں پر کرم کیا ہے تو آپ پر بھی ضرور کرے گا۔ خاتون نے کہا کہ بہت زیادہ وقت گزرتی۔ یہاں پر وہ ان لوگوں سے مل چکی تھی جو اُس کی طرح بے اولاد تھے اور اب اللہ تعالیٰ ان کے لعل و کرم سے بچے بڑے ہو گئے تھے، اس لیے وہ پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ آ رہی تھی۔

تین ماہ کے بعد ایک دن میں اپنے Office میں تھا اور وہاں پر اس خاتون کا میاں مجھے اپنی طرف آنا نظر آیا۔ وہ لوگ آستانہ پر ہی آتے تھے۔ آج یہ پہلی بار اکیلا میرے پاس آفس آیا تھا۔ وہ خوشی خوشی میری طرف آیا اور گرم دلی سے میرے گلے لگ گیا اور خوشی سے رونا شروع کر دیا۔ اُس کی حالت اور چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس خاتون پر اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا ہے۔ وہ خوشی خوشی بتا رہا تھا کہ پروفیسر صاحب اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور ہماری دعا سنی ہے۔ اللہ پاک کا کرم ہو گیا ہے۔ وہ بتا رہا تھا کہ کل رات ہم نے لیبارٹری ٹیسٹ کرایا تو خوشخبری ملی۔ پھر ہم ڈاکٹر کے پاس گئے تو اس نے بھی تصدیق کر دی تو ہم ڈاکٹر کے کلینک میں ہی کتنی دیر خوشی سے روتے رہے۔ پھر گھر آ کر ساری رات خوشی سے روتے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہے۔ ساری رات ہم صبح کا انتظار کرتے رہے لہذا اب آپ کو خوشخبری دینے آئے ہیں۔ اُس کی بیوی بھی ساتھ آئی تھی جو کار میں بیٹھی تھی۔ جب میں اُس کے پاس گیا تو اُس کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ کھڑے ہوئے تھے۔ خوشیوں کے پھوارے اُس کے چہرے سے نور کی طرح برس رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں ہارے زمانے کو فرح کرنے کی چمک اور خوشی تھی اور میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار۔ دونوں کافی دیر میرے پاس بیٹھے رہے اور آخر 9 ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خوبصورت بیٹی سے نوازا۔ بیٹی کی پیدائش سے پہلے بیوی بیرون ممالک چلی گئی تھی، جب بیٹی دو ماہ کی ہوئی تو وہ دونوں میاں بیوی گود میں پھول جیسی بیٹی کو اٹھا کر لائے۔ اب یہ بیٹی تین سال کی

ہو چکی ہے۔ وہ دونوں جب بھی میرے پاس آتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ کدھر ہیں وہ لوگ جو روحانیت اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں۔ یہ میاں بیوی زندہ اور حقیقی کردار ہیں۔ روحانیت کے منکرین اگر ان سے ملنا چاہیں تو مل بھی سکتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا کرم خاص کیا۔

دلہن کا خوف

بلاشبہ اولاد اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ اس کی قدر و قیمت اُن سے پوچھیں جو اس دولت سے محروم ہیں اور حصول اولاد کے لیے در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہماری ساری دولت لے لیں اور اللہ تعالیٰ سے اولاد جیسی عظیم نعمت لے دیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فقیر پر یہ کرم خاص رکھا ہے اور بیکڑوں کی شادی شدہ جوڑوں کو میرے روحانی علاج کے بعد اولاد سے نوازا ہے۔ پچھلے صفحات میں ایسے واقعات بیان بھی کیے ہیں۔ لیکن اولاد کے حوالے سے یہ واقعہ دوسرے واقعات سے بہت مختلف ہے۔

آپ سب نے اپنے خاندانوں میں یہ اکثر دیکھا ہوگا کہ بہت سارے ایسے میاں بیوی بھی ہوتے ہیں جن کے گھروں میں لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے گھروں میں پانچ چھ سات اور بس سے بھی زیادہ لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ لوگ بیٹے کی تلاش میں کئی بیٹیوں کے والدین بن جاتے ہیں۔ ایسے شادی شدہ جوڑوں میں اکثر تو ہوتی ہی لڑکیاں ہیں اور اگر کبھی بیٹا پیدا ہو جائے تو وہ یا تو دورانِ حمل نو ماہ سے پہلے فوت ہو جاتا ہے اور اگر کبھی کوئی بچہ 9 ماہ پورے کر لے تو وہ بھی کے فوری بعد یا چند مہینوں کے اندر اندر ایسے بچے فوت ہو جاتے ہیں۔

یہ بیماری کیا ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے، اس کی پوری تفصیل میں اپنی وظائف کی کتاب ”سرمایہ درویش“ میں دے چکا ہوں۔ یہ واقعہ بھی تقریباً ایسا ہی واقعہ ہے لیکن اس میں خطرناک بات یہ تھی کہ متاثرہ یا مذکورہ خاندان اس طرف میں مبتلا ہو چکا تھا کہ چار نسلوں سے اُن کے ہاں صرف لڑکیاں ہی پیدا ہو رہی ہیں اور اس خاندان کی لڑکیاں اس طرف اور دہشت میں مبتلا ہو چکی تھیں کہ ہمارے خاندان کو کسی کی بددعا لگی ہوئی ہے جس کی وجہ سے صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں اور اگر کبھی کوئی لڑکا پیدا ہو بھی جائے تو وہ فوت ہو جاتا ہے۔ اُن دنوں میں مری میں جاب کرتا تھا اور سردیوں کی چھٹیوں میں گاؤں آیا ہوا تھا کہ میرے بھائی کے دوست کے بیٹے کی شادی تھی جو مجھے بھی اچھی طرح جانتے تھے۔ جب انہیں یہ پتا چلا کہ میں بھی آیا ہوا ہوں تو انہوں نے خصوصی طور پر مجھے بھی شادی کی دعوت دی۔ یہ میری روحانی دنیا میں آمد کے ابتدائی دن تھے اور بہت سارے لوگوں نے مجھے روحانی پیر ماننا شروع کر دیا تھا۔

میں بارات میں تو نہیں گیا لیکن ویسے میں چلا گیا۔ میزبان مجھے مل کر بہت خوش ہوئے۔ کھانا وغیرہ کھانے کے بعد تصویروں کا مرحلہ شروع ہوا تو دولہا کے والد صاحب مجھے بھی زبردستی سٹیج پر لے گئے اور دولہا دلہن سے میرا تعارف کرایا کہ پروفیسر صاحب بہت اچھے پامسٹ ہیں اور روحانی علاج بھی کرتے ہیں۔ لوگ ترستے ہیں ان سے ملنے کو۔ پھر مری

آج کل آئے ہوئے تھے اس لیے ہماری شادی پر بھی آ گئے۔ وہ میری اور بھی بہت ساری باتیں اور تعریفیں کرتے تھے۔ میں جلدی میں تھا کہ جلدی جلدی تصویریں بن جائیں اور میں نکل جاؤں کیونکہ جیسے ہی لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ میں جب اٹھنے لگا تو مجھے دلہن کی آواز آئی پروفیسر صاحب آپ مری میں ہوتے ہیں، ہم نے دلہن کو آپ سے ملنے ضرور آئیں گے، کیا آپ ہم سے مل لیں گے، کیا آپ میرا ہاتھ دیکھیں گے؟ میں نے جان لیا کہ اس کا ہاتھ دیکھنا چاہا جو مہندی سے بھرا ہوا تھا۔ دلہن نے اپنا حنائی ہاتھ میرے سامنے پھیلایا ہوا تھا۔ بیٹی کے ہاتھ تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا جب آپ مری آؤ گے تو دیکھ کر بتاؤں گا۔ دونوں میاں بیوی نے میرا ایڈریس لیا اور میں اگلے گھر آ گیا۔ چھٹیاں گزار کر مری چلا گیا۔

ایک دن اُن کا فون آیا کہ پروفیسر صاحب ہم مری ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ آپ کدھر ہیں، ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو اپنا ایڈریس سمجھا دیا اور وہ دونوں مغرب سے پہلے میرے گھر پہنچ گئے۔ دروازے پر ایک کے بعد جب میں نے دروازہ کھولا تو دونوں میاں بیوی دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے دونوں کو لاکر ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور گھر میں چائے وغیرہ کا کہہ کر آ کر اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ دولہا کے چہرے سے خوشی اور مسرت کا اظہار ہوا تھا۔ دلہن بھی خوش تھی لیکن اُس کے چہرے پر خوشی کے ساتھ ساتھ خوف کے تاثرات بھی نظر آ رہے تھے۔ دلہن کی اگلی لیکن خراب شادی گھر کی خرابی کی فوری طور پر اُس کا ہاتھ دیکھا جائے، پتہ نہیں وہ کیا جانتا چاہ رہی تھی۔ اسی دوران چائے اگلی لیکن چائے کے زیادہ دھچکی وہ ہاتھ دکھانے میں لے رہے تھے۔ لہذا میں نے کہا جی آپ میں سے کون ہاتھ دکھانا چاہتا ہے تو دلہن نے جھٹ اپنا ہاتھ میرے سامنے کر دیا اور فوراً بولی پروفیسر صاحب! میرے ہاتھ پر اولاد ہے؟ میں نے کہا اے اللہ! اللہ۔ تو وہ بولی مجھے صرف بیٹا چاہیے، کیا میرے ہاتھ پر بیٹا ہے؟ مجھے اُس کی بات اور خواہش پر حیرت اور غصہ بھی آیا کہ بیٹا بیٹی دونوں اللہ تعالیٰ کے انعام ہیں یہ بیٹے پر ہی کیوں اصرار کر رہی ہے۔ اُس نے اپنا حنائی ہاتھ میرے سامنے رکھا اور اُس کی کابل لگی آنکھوں میں بے شمار سوالات تھے۔ اُس کے چہرے پر دلہنوں والا نکھار تھا لیکن آنکھوں میں غم، خوف، تجسس اور ڈر تھا۔ یہ نہیں اُسے کیا خوف تھا اور وہ بار بار کیوں یہ سوال کر رہی تھی۔ میرے پوچھنے پر اُس نے اس طرف اور ڈر کی وجہ یہ بتائی کہ بچہ چار نسلوں سے میری ماں کے خاندان میں صرف لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں۔ اگر کبھی لڑکا ہو بھی جائے تو وہ فوت ہو جاتا ہے اور یہ بات اب مشہور ہو چکی ہے کہ ان کو کسی کی بددعا ہے کہ کبھی بھی لڑکا نہیں ہوگا۔ میری ماں میری نانی اور میری نانی کی ماں یہ ساری کی ساری بہنیں تھیں۔ اب یہ بات اتنی مشہور ہو چکی ہے کہ اب کوئی ہم سے رشتہ نہیں کرتا، ہم بھی سات بہنیں ہیں۔ میرا نمبر چوتھا ہے۔ میری تین بڑی بہنوں کے پاس بھی بیٹیاں ہی ہیں۔ اب ہمارا رشتہ کوئی اس خوف سے نہیں لیتا۔ میں اور میرا خاوند کلاس فیلو تھے اور میرے خاوند پڑھے لکھے ہیں۔ وہ ان باتوں پر یقین نہیں کرتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں سن لیں اور میری ان سے شادی ہو گئی۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی دلہن دیا تو میری چھوٹی تین بہنوں کی کبھی شادی نہیں ہوگی۔

وہ بے چاری انتہائی دکھ اور تکلیف سے اپنی اور اپنے خاندان کی داستان سن رہی تھی اور میں پوری طرح الرٹ

ہو کر اُس کی بات سن رہا تھا۔ وہ حسرت اور اُمید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اُسے اور اُس کے خاندان والوں کو اس بات کا یقین تھا کہ کسی نے انہیں بددعا دی ہے کہ ان کے خاندان میں نہ زینہ اولاد نہ ہو یا کسی نے بہت ظالم قسم کا ان پر جادو کر دیا ہے کہ ہمارے خاندان میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور نہ زینہ اولاد نہ ہو۔ وہ اپنی داستان سناتے ہوئے شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے شروع ہو گئی اور التجا بھری نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی پرو فیسر صاحب اب اللہ تعالیٰ سے ہمیں معافی لے دیں، اگر ہمارے خاندان کے بڑوں سے کوئی غلطی یا ظلم ہو گیا ہے تو خدا کے لیے ہمیں معافی لے دیں۔ اب ہم تھک چکے ہیں۔ ہم تو کئی سالوں سے بار بار اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ چکے ہیں۔ اب ہمارے لیے کچھ کریں۔ ہمیں معافی دلادیں۔ اُس نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ پرو فیسر صاحب آپ اللہ کے بندے ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خاص دعا یا عمل کریں اور ہمیں اس تکلیف سے نجات دلادیں۔ وہ بے چاری کافی دیر رہی اور دعا کی التجا بھی کرتی رہی۔ اُس کا دکھ دیکھ کر میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ میں نے اُس کو حوصلہ دیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تم بیٹے کی ماں بنو گی۔ میں نے اُن کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور قرآنی سورتیں اور سارا طریقہ بتایا اور وہ بے چاری بار بار ایک ہی سوال کرتی چلی گئی کہ میرے ہاتھ میں بیٹا ہے نا، میں بیٹے کی ماں بنوں گی نا، آپ میرے لیے دعا کریں گے نا، اللہ کے جانے کے بعد میں کتنی دیر لان میں بیٹھا آسمان اور دروادی میں پھیلے پہاڑوں کو دیکھتا رہا اور اللہ تعالیٰ کو اُس کی رحمت واسطہ دیتا رہا کہ تو رحیم و کریم ہے، ان پر بھی رحم کر دے۔ چند دنوں بعد بھی مجھے ان کا فون آیا کہ اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا اور وہ ایک بار پھر میرے پاس آئے اور دم اور دعا کرا کر چلے گئے۔ جاتے جاتے وہ دہن کہہ گئی کہ میں نے الٹرا سادہ کرانا۔ ذکر اذکار کرتے آخری مہینہ بھی آ گیا۔ وہ روزانہ مجھے فون کرتی کہ میرے لیے دعا کریں۔ پورا خاندان اور میں انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے کہ نہیں لیکن میرا رب تو ہمیشہ کا مہربان ہے، اُس نے اُس دیکھی دہن کو بیٹا عطا کیا۔ سارا خاندان بہت خوش تھا میں بھی خاص طور پر مری سے آیا کیونکہ دونوں خاندانوں کی شدید خواہش تھی کہ میں آ کر بچہ دم کر دوں۔ جب میں بچے اور ماں سے ملا تو ماں کے چہرے اور دہن کے ماں باپ اور بہنوں کے چہروں پر جو خوشی کا تاثرات تھے وہ بیان سے باہر اور ماں کی آنکھوں میں تشکر اور خوشی کے آنسو تھے۔ اُس کے بعد چھوٹی بہنوں کی شادیاں ہو گئیں۔ اب اللہ کے فضل سے اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے بیٹے عطا کر دیئے ہیں۔ اب دہن کا بیٹا ماشاء اللہ 10 سال کا ہو چکا ہے اور سکول جاتا ہے اور وہ جب بھی اُس کو لے کر میرے پاس آتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہوں کہ اے اللہ تیرے کس کس انعام کا شکر ادا کروں۔

50 سالہ عورت ماں بن گئی

پچھلے صفحات میں اولاد کے حوالے سے میں نے کچھ سچے واقعات بیان کیے ہیں۔ ایسے بے شمار واقعات میری زندگی میں پیش آ چکے ہیں۔ ہر بار جب کسی مایوس اور دکھی بے اولاد جوڑے پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے تو میں اپنی

حالت پر رنج کرتا ہوں کہ مجھ فقیر پر اللہ کا کتنا بڑا کرم اور احسان عظیم ہے۔ اگر میں صرف اولاد کے واقعات ہی بیان کرتا تو کتاب بھر جائے گی۔ اس لیے اولاد کے واقعات کو اس واقعہ کے بعد ختم کرتا ہوں کیونکہ یہ اپنی نوعیت کا الگ ہی موضوع ہے جس میں میں اور صاحب اولاد جوڑا دونوں حیران رہ گئے اور رب ذوالجلال کا شکر ادا کیا۔ میں حسب معمول سر دیوں کی چھٹیوں میں اپنے آبائی گاؤں آیا ہوا تھا۔ مقامی لوگوں کو میرے شیڈول کا پتہ ہوتا تھا اس لیے وہ سارا سال انتظار کرنے میں لگے رہتے، میں جیسے ہی آتار ش جمع ہو جاتا۔

ایک دن میں لوگوں سے مل رہا تھا کہ بڑی عمر کے میاں بیوی میرے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ عورت کو ڈاکٹروں نے آپریشن کا کہا ہے۔ عورت تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کی ماں تھی۔ دوسرے لڑکے کی لاش میں دونوں میاں بیوی نے کوشش کی لیکن عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر بار حمل ضائع ہو جاتا۔ بار بار کی کوشش سے لاش کا کائی کا نظام بری طرح خراب ہو چکا تھا اور اب ڈاکٹروں نے سختی سے کہا تھا کہ فوری طور پر آپریشن کرالیں لیکن ہر لاش کی طرح یہ عورت بھی آپریشن سے بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ وہ مختلف حیلے بہانوں سے آپریشن کو نالقی آرہی تھی لیکن مسئلہ بہت زیادہ خراب ہو چکا تھا۔ ماہواری کے خون کی زیادتی کی وجہ سے وہ بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ماہواری کا خون طرہ دونوں سے بہت زیادہ دن آتا۔ بعض اوقات یہ دورانہ مہینوں پر محیط ہو جاتا۔ دونوں میاں بیوی بے شمار ڈاکٹروں، ہسپتالوں کے اس جاکر مایوس ہو کر اب روحانی علاج کے لیے نام نہاد ڈھگوں، ملتکوں اور بابوں کے آستانوں کے چکر پر چکر لگاتے تھے۔ میرا فون آج میرے پاس آگئے تھے۔ کیونکہ عورت کی عمر اب پچاس سال کے قریب تھی اور طویل بیماری کے بعد اب بھی اُس کے جسم کو کھوکھلا کر دیا تھا اس لیے اب کافی سال پہلے وہ اولاد کی خواہش کو دبا چکے تھے۔ اب عورت کو اپنی حالت کی فحش جو روز بروز گرتی جا رہی تھی۔ میں نے حسب معمول اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ان کا روحانی علاج شروع کیا اور ان کو اذکار کا طریقہ بھی سمجھا دیا۔ اس طرح دونوں میاں بیوی چلے گئے۔ دو دن بعد دونوں خوشی خوشی واپس آئے کہ اب Bleeding رک گئی ہے۔ میں نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ دونوں میاں بیوی ہفتہ دس دن بعد میرے پاس چکر لگاتے رہے۔ جب دو ماہ خیریت سے گزر گئے تو میں نے ان سے کہا کہ ڈاکٹر جو کہتے تھے کہ آپریشن کرانا بہت ضروری ہے ورنہ مری ہو کر کینسر کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے اس لیے آپ ایک بار جاکر الٹرا سادہ انڈکروالیں تاکہ تسلی ہو جائے۔ وہ اس بات کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔ لیکن میرے اصرار کرنے پر الٹرا سادہ انڈکروالیں چلے گئے۔ اگلے دن دونوں پھر میرے سامنے بیٹھتے تھے۔ لیکن جو خبر وہ سن رہے تھے وہ میرے لیے بھی بہت حیران کن اور خوشخبری والی تھی کہ ڈاکٹر کے مطابق مری بالکل ختم ہو چکی ہے اور اللہ کا کرم حمل کی صورت میں ہو چکا ہے یعنی جو اندرونی سسٹم بری طرح خراب ہو چکا تھا اب اس طرح پر صحت مند ہو چکا تھا اور عورت اب ماں بننے والی تھی۔ عورت بہت شرماتی تھی کہ میرے بچے اب جوان ہو چکے ہیں وہ اور رشتے دار کیا کہیں گے، لیکن اس کے ساتھ ہی اُس کی دیرینہ خواہش کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے بیدار ہو چکی تھی۔ وہ فون اور خوشی کی ملی جلی کیفیات کا شکار تھی۔ میں نے اُسے حوصلہ دیا کہ ہمارا رب کریم بہت زیادہ مہربان اور رحیم و کریم ہے وہ ضرور کرم کرے گا۔ میں نے اُس کو حوصلہ اور وظائف دیئے تو وہ دونوں چلے گئے۔

میں جتنا مصروف بھی گاؤں میں رہا وہ وقتاً فوقتاً میرے پاس آتے رہے۔ چھٹیاں گزارنے کے بعد میں وہاں سے چلا گیا اور جا کر اپنی زندگی میں مصروف ہو گیا۔

گاؤں سے جب بھی کوئی ملنے آتا تو وہ ان کا پیغام دیتے کہ دعا کریں۔ وقت پورا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو میرے اور ان کے علاوہ ارد گرد کے رشتہ داروں اور لوگوں کے لیے بھی بہت بڑی خوشی کی خبر تھی کہ اتنی زیادہ عرصہ میں جب اللہ تعالیٰ کی ذات اپنی رحمت کی بارش برساتی ہے تو بنجر زمین بھی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور رب ذوالجلال کے محتاج نہیں وہ جب بھی اپنے خزانوں کے منہ کھولتا ہے تو دیکھی، لاچار اور حاجت مندوں کی جھولیاں اپنی رحمت سے دیتا ہے۔

اب جب کئی کبھی میں گاؤں جاتا ہوں تو دونوں میاں بیوی مجھے ملنے ضرور آتے ہیں۔ اب ان کا وہ زمانہ حال اللہ سکون بھی جاتا ہے۔

اور میں جب بھی ان سے ملتا ہوں تو سر عقیدت سے رب ذوالجلال کے سامنے جھک جاتا ہے کہ وہ کتنا کریم ہے۔ اُس کے در پر دیر ہو سکتی ہے لیکن انکار نہیں ہے۔ رب کعبہ اکثر اوقات روحانیت کے منکرین کے لیے واقعات دہراتا رہتا ہے جب واضح طور پر اپنی دعاؤں کی قبولیت کا احساس ہوتا۔ میری زندگی تو ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب خالق کائنات نے اس احقر پر اپنا کرم خاص کیا۔

خوش جیوے سر فر

پرائز بانڈ اور قسمت کا کھیل

موجودہ دور میں نشے کے بعد جو سب سے بری لت یا عادت لوگوں کو پڑ چکی ہے اُس میں راتوں رات امیر کا خواب اور پرائز بانڈ یا رچی ہے اور لاکھوں لوگ دن رات نام نہاد عاملوں اور پیروں کے پاس اس چکر میں جاتے ہیں اور جعلی اور جھوٹے بادل کی چاندنی بنی ہوئی ہے۔ وہ مجبور اور لالچی لوگوں کے جذبات سے کھیلنے ہیں۔ اور راتوں رات امیر بننے کے خواہش مند ان لیٹروں کے ہاتھوں میں کھیل رہے۔ یہاں میں کچھ ایسے واقعات بیان کرنے جا رہا ہوں جو زندہ کردار ہیں اور روحانیت کے منکرین یا جن لوگوں کو ان واقعات پر شک ہو وہ ضرور ان لوگوں سے مل لیں تاکہ حقیقت کا ادراک بہتر طور پر کر سکیں۔

ان دنوں میں ہر دیوں کی چھٹیوں میں اپنے گاؤں آیا ہوا تھا اور حسب معمول بہت سارے لوگ مجھ سے ملنے آئے ہوئے تھے۔ میں لوگوں میں گھرا ہوا تھا کہ میرے بچپن کا دوست جو میرا کالج فیلو بھی تھا اور قریبی شہر میں رہتا تھا اس وقت دوستوں کے ساتھ مجھ سے ملنے آیا۔ ملنے کے بعد گپ شپ کے بعد حسب معمول بولا کہ آج چاند رات ہے (یہ چاند رات اُس کو کہتے ہیں جب اگلے دن بانڈ کی قرعہ اندازی ہو) لہذا مجھے بانڈ کا نمبر بتائیں۔ میں نے جب اُس پر روحانی توجہ کی تو مجھے لگا کہ ابھی دولت کی دیوی اُس پر مہربان نہیں ہے لہذا میں نے اُسے کہا کہ یا رانا پیہ اور وقت برباد نہ کرو، ابھی تم

قسمت کے اچھے دور میں نہیں ہو لہذا اپنے پیسے برباد نہ کرو اور نہ ہی ابھی بانڈ وغیرہ لینے کی کوشش کرنا، ابھی تمہارا نمبر نہیں نکلا۔ لیکن وہ ہند کہ نہیں مجھے ہر حال میں نمبر چاہیے۔ میں نے اُس کو بہت سمجھایا کہ نمبر تم نمبر نہ لو لیکن وہ بار بار ضد کرتا رہا کہ میں مجھے نمبر دے دیں۔ اسی دوران میری نظر اچانک اُس کے ساتھ آئے ہوئے دوست پر پڑی تو اچانک میرے دل میں آیا کہ اس کا نمبر لگ سکتا ہے۔ میں نے بار بار اُس کے دوست کو دیکھا اور بار بار یہی بات کہ اس کا نمبر لگ جائے کہ میں اپنے دوست سے بولا یہ جو تمہارے ساتھ آیا ہے اس کو بلاؤ۔ جب وہ قریب آیا تو میں بولا آپ جتنے بھی دوست ملے ہوں ان سب میں یہ ایسا بندہ ہے جس پر مقدر اور دولت مہربان نظر آ رہی ہے۔ اس کا بانڈ صحیح لگ سکتا ہے۔ وہ لڑکا بولا کہ صاحب میں یہ غلط کام نہیں کرتا نہ ہی مجھے ایسے کاموں میں وقت اور پیسہ برباد کرنے کا شوق ہے۔ میں تو ان سب کو اپنے پاس چھوڑنے آیا ہوں بلکہ میں تو آپ سے ملنے بھی نہیں آیا۔ بہر حال جب وہ سب واپس جانے لگے تو میں نے بار بار اُس لڑکے کو بلایا اور کہا یا میرے دوست، اس کیفیت میں جو بھی خبریں آتی ہیں وہ اکثر سچ ثابت ہوتی ہے لہذا اگر ضرور خریدو اور ہاں تم پر مقدر رانا مہربان ہے تم نمبر کے بھی محتاج نہیں ہو جو نمبر تم لوگ وہی صحیح لگ جائے گا۔ نہیں تو میں تمہیں سڑک پر پیسے گرے ہوئے مل جائیں گے۔ اب یہ تمام باتیں کافی لوگ سن رہے تھے۔ وہ واپس چلے گئے اور وہ لڑکا کر جا کر سو گیا۔ یہ باتیں اُس نے اگلے دن بتائیں کہ رات کو 11 بجے میں اٹھا اور بلاوجہ بازار چلا گیا۔ راستے میں ایک آدمی نے اُس کی باتیں یاد آئیں اور جیسے کسی قوت نے مجھے مجبور کیا اور میں اُس دکان کی طرف بڑھا اور دکاندار سے کہا کہ مجھے بھی کوئی بانڈ نمبر دو۔ دکاندار نے پوچھا کونسا تو میں نے کہا کوئی بھی دے دو لہذا دکاندار نے اپنی مرضی سے مجھے بانڈ نمبر دے دیا اور میں اس سے گھر چلا گیا اور جا کر سو گیا۔ جیسے میں اسی کام کے لیے بازار گیا تھا۔

صبح اٹھ کر میں اپنے کام دھندے میں لگ گیا۔ دوپہر کے قریب میرے وہی دوست میرے پاس آئے اور بتائی کہ اٹھارہ گرنے لگے کہ یا رانا اس بار بھی ہمارے بانڈ نمبر نہیں لگے تو اچانک مجھے خیال آیا کہ میں نے بھی رات کو بانڈ نمبر لیا تھا۔ میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ یا رات کو پرو فیسر صاحب کی باتوں میں آ کر میں نے بھی بانڈ نمبر لیا ہے پتہ نہیں اُس کا کیا بنا۔ دوستوں نے حیرت اور اشتیاق سے پوچھا کیا نمبر تھا۔ میں نے کہا پتہ نہیں رسید میرے پاس ہے یہ دیکھ لو کہ لگے رسید رات سے میری جیب میں ہی ہے۔ میں نے رسید نکال کر دوستوں کو دی۔ رسید دیکھتے ہی وہ تو حیرت سے اچھل پڑے جو نمبر میری رسید پر تھا وہ اول انعام لگ چکا تھا۔ وہ بار بار رسید نمبر اور مجھے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوری طور پر اُس دکاندار کو فون کیا تو اُس نے بھی تائید کی کہ ہاں یہ نمبر لگ چکا ہے اور میں نے ہی رات کو یہ نمبر دیا تھا۔ اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد کیا ہوا ہوگا۔ شہر میں تو شاید زلزلہ آ گیا ہر جگہ میرا ذکر کہ پرو فیسر صاحب نے اس طرح یہ کنفرم کیا تھا کہ اس کا نمبر یقینی ہے اور وہ نمبر لگ بھی گیا۔ اب یہ واقعہ بڑھا چڑھا کر ہر جگہ بیان کیا گیا بلکہ ان نمبر بازوں کے تعلقات دور دور تک ہوتے ہیں، اب میری شامت آ چکی تھی۔ ملک کے دور دراز علاقوں سے نمبر بازوں نے میری طرف رجوع کر لیا اور یہ لوگ میرے لیے وہاں جان بن گئے۔ جس کا نمبر لگا وہ اشتہار کے طور پر ہر جگہ میرے قہیدے پڑھنے لگا

اور اُس کے جو دوست ساتھ تھے وہ بھی اس واقعے کو بڑھا چڑھا کر بتا رہے تھے۔ اب جب بہت سارے نمبر بازوں میری طرف رجوع کیا تو ایک اور بھی واقعہ پیش آیا جو پہلے سے بھی دلچسپ ہے۔

پرائز بانڈ اور جیل کی سیر

یہاں میں اپنے چاہنے والوں کو ایک بات Clear کرنا چاہتا ہوں کہ پرائز بانڈ کا نمبر کسی بھی انداز میں درویش کے پاس ہر بار نہیں ہوتا، کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا۔ میں بعض اوقات بہت زور لگاتا ہوں، کوشش کرتا ہوں لیکن نمبر کا پتہ نہیں چلتا جب کہ بعض اوقات پورے کا پورا نمبر سامنے ہوتا ہے، یہاں پر اس کائنات کے مالک کی مرضی ہوتی ہے۔ وہ جب چاہتا ہے بتا دیتا ہے۔ جب نہیں چاہتا تو نہیں پتہ چلتا۔ بلکہ بات اس سے بھی آگے اس وقت تک جاتی ہے کہ میں بے شمار لوگوں کو نمبر دے چکا ہوں لیکن کیونکہ اللہ پاک کی رضا یا اجازت نہیں تھی وہ نہیں لے سکتا۔ بار اُس بندے کے پاس پیسے نہیں ہوتے کبھی اُس کو یقین نہیں ہوتا۔ کبھی نمبر اُس سے گم ہو جاتا ہے۔ کبھی کپڑوں میں دھل جاتا ہے اور کبھی ملتا ہی نہیں۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ میں نے اپنے دوستوں کی منتیں کیں کہ یہ نمبر لے لو انہوں نے نہیں لیا۔ لینا یا ملنا اُسی کو ہے جس پر رب پاک مہربان ہو۔ میرے ابتدائی دور میں بہت سارے لوگوں نے اس کام لگ گئے تو بے شمار لوگ میرے پیچھے پڑ گئے یہاں تک کہ میری جان تک کو خطرات لاحق ہو گئے لہذا میں نے اس کام سے توبہ کی لیکن دیوانے آج بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ یہ بھی ابتدائی دنوں کی بات ہے، پچھلے واقعہ کے بعد نمبر بازوں میں میری شہرت بہت زیادہ پھیل چکی تھی اور دور دراز سے بے شمار لوگ میرے پاس اس کام کے لیے آتے۔ ان نمبر بازوں کی وجہ سے میری زندگی اجیرن ہو چکی تھی۔

دو آدمی بڑی دور سے مجھے ملنے کے لیے میرے پاس آئے۔ انہوں نے کسی سے جب میرا پتہ پوچھا تو ایک نوجوان لڑکے نے میرے بارے میں بہت بکواس کی کہ آپ کس ڈرامے باز اور جھوٹے شخص کے پاس آئے ہیں۔ یہ کچھ بھی نہیں ہے میں آپ کو کسی اور درویش کے پاس لے چلتا ہوں۔ میرے خلاف بہت ساری غلط باتیں کہی گئیں۔ کیونکہ وہ پردیسی تھے اس لیے خاموشی سے سن کر میرے پاس آگئے اور آکر دے لفظوں میں اُس کی شکایت کی کہ اُس نے آپ کے ساتھ اور ہمارے ساتھ بہت بدتمیزی کی ہے۔ میں نے پوچھا کس نے، تو انہوں نے دور سے اشارہ کیا کہ اُس لڑکے نے۔ جس لڑکے نے اُن کے ساتھ بدتمیزی کی تھی وہ بھی بانڈ نمبر کے لیے کئی بار میرے پاس آچکا تھا اور میں مختلف بہانوں سے اُس کو ٹال دیتا تھا۔ میرے بارے میں اُس نے جو بھی کہا مجھے اس کا دکھ نہیں تھا۔ مجھے افسوس تھا کہ ان پردیسیوں کے ساتھ اُس کو بدتمیزی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مجھے بہت دکھ ہوا۔ مجھے اُس پر بہت دکھ اور غصہ بھی تھا۔ میں نے اُس کو اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا اور کہا تم کہتے ہو تاکہ بھٹی صاحب کے پاس کچھ نہیں اور نہ ہی یہ بانڈ نمبر بتا سکتے ہیں تو لو سنو میں تم کو ابھی بانڈ نمبر لکھ کر دے رہا ہوں۔ یہ شرطیہ نمبر ہے۔ کل قرعہ اندازی

یہاں انعام ہوگا۔ اگر یہ نمبر نہ لگا تو تم سچے میں جھوٹا۔ لیکن اگلی بات یہ ہے کیونکہ تمہارے مقدر میں نہیں ہے، اب اُس کے پاس یہ نمبر بھی ہے اور وقت بھی، جاؤ تم نمبر لگا کر دکھاؤ۔ تم فقیر کی طاقت دیکھنا چاہتے ہو تو دیکھو۔ نمبر تمہارے پاس ہے لیکن تم جتنا مرضی زور لگاؤ تم یہ انعام اٹھا نہیں سکتے۔ جاؤ اور کوشش کرلو۔ آج کے بعد تم یہ بھی نہیں کہو گے کہ بھٹی صاحب کے پاس کچھ نہیں ہے۔ سنو میرے پاس میرے اللہ پاک کا دیا بہت کچھ ہے۔ جاؤ بانڈ نمبر اور وقت میرے پاس ہے لیکن تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ حیرت، خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا کیونکہ اُس کی دکان بھٹی گئی تھی اس لیے تھوڑا سا شرمندہ بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ عجیب سی نظروں سے میری طرف دیکھتا رہا اور چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد جو پردیسی آئے ہوئے تھے انہوں نے کہا جناب یہ نمبر ہم لگا سکتے ہیں تو میں نے سختی سے منع کیا کہ نہیں آپ کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ اب اُس گستاخ نوجوان کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ یہ کہ وہ کام کاج کر کے قریب شہر گیا تاکہ پرائز بانڈ یا نمبر لے سکے۔ اب وہ جیسے ہی نمبروں والی دکان پر گیا تو بد قسمتی اُس کے لیے تھی ابھی وہ دکان پر پہنچا ہی ہوگا کہ پولیس کا چھاپہ پڑا اور پولیس دکاندار اور گاہکوں کو پکڑ کر تھانے لے گئی۔ اُس دن اُن سب کی پٹائی کی اور اُن کی ہر چیز قبضے میں لے کر سب کو حوالات میں بند کر دیا۔ پولیس کی ماراورد ہشت سالہ کو اپنی پڑ گئی۔ ساری رات جیل میں گزارنی پڑی۔ وہ نوجوان ساری رات بانڈ نمبر اور میرے بارے میں سوچتا رہا۔ اُس رات گزاری۔ صبح کو گھر والوں نے آکر ضمانت دے کر جیل سے رہائی دلائی تو اُس کی پرچی اور چیزیں بھی اُس کو واپس مل گئیں۔ اب وہ ہر ایک سے یہی پوچھ رہا تھا کہ آج کون سا انعام یا نمبر لگا ہے۔ جب اُس کو یہ پتہ چلا کہ آج وہی انعام لگا ہے جو کل سے اُس کے پاس ہے اور وہ یہ نمبر حاصل ہی نہیں کر سکا تو شدید رو دیا، چلایا، پریشانی کا اظہار کیا بلکہ گاؤں کے راستے میں بیٹھ گیا اور اپنے بال منڈوا کر ٹنڈ کر کے اپنے سر پر خود ہی جوتیاں مارنے لگا بلکہ جو اُس کے پاس سے گزرتا اسے سارا واقعہ بتاتا اور کہتا میرے سر پر مار دو میں اس قابل ہوں۔ میں نے ایک دور درویش فقیر کی مدد لی کی ہے۔ مجھے اُس کی سزا ملی ہے۔

وہ کافی دیر خود کو سزا دیتا رہا اور آخر کار میرے پاس آ گیا اور معافی مانگنے لگا کہ پروفیسر خدا کے لیے مجھے اہمال کر دیں۔ اور میں حیرت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ وہ کتنا رحیم اور رحم کرنے والا ہے، کس طرح اہل فقیروں درویشوں کی عزت کی لاج رکھتا ہے اور خود ہی لوگوں کے لیے ایسی سزا تجویز کرتا ہے جس میں اُن کے لیے بہت بڑا سبق ہوتا ہے۔

ان دونوں واقعات میں جو سبق یا اشارہ ہے وہ یہی ہے کہ اگر اللہ پاک کی ذات آپ پر مہربان ہے تو ہی آپ کے لیے آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں ورنہ بڑے سے بڑا فقیر، درویش بھی بے بس ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ بعض درویش، فقیر یا اللہ کا بندہ اپنی عبادت، ریاضت اور مجاہدے کے بعد اللہ پاک کے اس قدر قریب ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ اللہ جل جلال اپنے اس بندے کی کوئی بات نہیں ٹالتا۔ وہ اُس کی ہر دعا قبول کرتا ہے اور کائنات کی مخفی قوتوں اور

فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دیتا ہے کہ میرا بندہ جو بھی کہتا ہے اُس کو پورا کرنے میں اُس کی مدد کرو اور لوگوں کے قلوب میں اُس کی محبت اور پیار ڈال دیتا ہے اور اللہ پاک اپنے اس بندے کو لوگوں کے لیے باعثِ راحت اور شفا بنا دیتا ہے۔ یہ مقام اللہ پاک اپنے عاشقوں کو ہی عطا کرتا ہے۔

چوری کے نوٹ واپس آ گئے

میری زندگی میں بہت سارے واقعات ایسے آئے ہیں کہ جس پر میں بھی شدید حیران ہوا بلکہ کچھ تو ایسے ہیں کہ کسی کو بھی یقین نہ آئے۔ یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے کہ آپ اس پر یقین نہیں کریں گے لہذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اُن لوگوں سے رابطہ کر کے تصدیق کر لیں۔ کیونکہ یہ زندہ اور حقیقی کردار ہیں اور میں ان کے نام بھی اصل لکھ رہا ہوں تاکہ کسی قسم کا ابہام یا شک نہ رہے۔

میں مری چھوڑ کر جب لاہور آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں بھی بہت سارے پیار کرنے والے دیے۔ اُن لوگوں میں سے ایک اجمل صاحب ہیں جو اردو بازار کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔ نیک آدمی ہیں اور اولیائے کرام۔ بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اُن کے کچھ مسائل تھے جو اللہ پاک نے مجھے فقی کی دعا سے حل کر دیے لہذا اب وہ اکثر اولیاء کسی نہ کسی دیکھی کو لے کر میرے پاس آتے رہتے ہیں۔

ایک دن اجمل صاحب کا فون آیا کہ مرشد آپ کدھر ہیں۔ میں نے کہا گھر پر۔ تو وہ اردو بازار سے ہی اپنے کسی دوست کو لے کر رات کو میرے گھر آ گئے اور بتایا کہ یہ جو دوست میرے ساتھ آئے ہیں ان کے گھر سے چنانچہ روپے چوری کرتے ہیں۔ میں نے کہا اجمل صاحب یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ اپنے گھر کے افراد اور نوکروں کو چیک کریں پھر چور گھر میں ہی ہوگا۔ لیکن وہ لوگ بضد تھے کہ ہم بے شمار تالے تبدیل کر چکے ہیں اور چابیاں صرف ہمارے پاس ہوتی ہیں لیکن نوٹ پھر بھی چوری ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ بضد تھے کہ یہ چوری جنات ہی کرتے ہیں اور اپنی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے وزنی دلائل بھی دیے کہ میں بھی مشکوک ہو گیا کہ واقعی ایسی بات نہ ہو۔ اب اجمل صاحب نے پر جوش طریقے سے کہنا شروع کر دیا کہ آپ جنات کو آؤ رڈر لگائیں کہ وہ پیسے واپس کریں۔ جب انہوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں مراقبے میں چلا گیا تاکہ دیکھوں اصل بات کیا ہے اور اللہ پاک سے مدد مانگی کہ اللہ پاک میری مدد کر، اچانک میرے خالی دماغ میں یہ اطلاع آئی کہ روپے واپس آ جائیں گے۔ ساتھ ہی میں نے ”یار قیب“ کا حصار بھی کر دیا کہ اگر جنات والی بات سچ ہے تو روپے واپس آنے چاہئیں۔ جب بار بار یہ خیال میرے دماغ میں آ رہا تھا کہ ایک گھنٹے کے اندر اندر تمام پیسے واپس آ جائیں گے تو میں نے اجمل صاحب اور اُن کے دوستوں سے کہا آپ گھر جاؤ اور وہ کمرہ اچھی طرح چیک کر کے دروازہ باہر سے لاک کر کے بیٹھ جائیں اور ایک گھنٹہ بعد کھولیں انشاء اللہ نوٹ واپس آ چکے ہوں گے کیونکہ جس کیفیت میں یہ اطلاع میرے دماغ میں آ رہی تھی اکثر اوقات یہ سچ ثابت ہوتی ہے۔ اجمل

اللہ نے گھر جا کر پورا کمرہ چیک کیا اور بند کر کے تالا لگا کر بیٹھ گئے۔ اچانک مجھے لگا کہ روپے آ گئے ہیں۔ میں نے اُن کو کھانا کھا کر چیک کروا دیا۔ اب جب انہوں نے دروازہ کھولا تو کمرے میں چاروں طرف لاکھوں نوٹ بکھرے تھے اور آج تک جتنے چوری ہوئے تھے وہ سب واپس آ گئے۔ گھر والے بہت خوش اور حیران تھے اور اجمل صاحب اپنی دکان پر نعرے مار رہے تھے۔ اجمل صاحب اور اُن کے دوست تو اس کو میری کرامت کہتے ہیں جبکہ یہ بھی ایک طرح میرے اللہ پاک کی کرم نوازی ہی تھی۔ یہ واقعہ میرے لیے بھی شدید حیرت کا موجب تھا جبکہ اجمل صاحب اذکار یہ تھا کہ پروفیسر صاحب نے اپنے جنات کو بھیجا اور انہوں نے اُس گھر کے جنات کو پکڑ کر ان سے پیسے لے کر کمرے میں پھینکوا دیے۔ جب کہ سچ تو یہ ہے کہ میرے رب پاک کو پتہ نہیں میری کون سی ادالہ ہے جو بار بار میری زندگی میں اضافہ کرتا ہے ورنہ میں تو ایک گنہگار ہوں۔

خاوند کی دیوانی بیوی

بلاشبہ اس دنیا کے خوبصورت رنگوں میں سے یا خوبصورت نظاروں میں سے ایک عورت کا وجود بھی ہے۔ میں خاوند کی دیوانی بیوی کے بارے میں بے شمار غور و فکر سے مل چکا ہوں کیونکہ بزرگوں، صوفیوں کے پاس جو مسائل آتے ہیں اُن میں زیادہ اہم اور اہمیت کی ہوتی ہے۔

معذرت کے ساتھ زیادہ تر خواتین ذہنی طور پر ناچنے ہوتی ہیں۔ شک اور وہم کا شکار ہوتی ہیں۔ لہذا میں ان کی باتوں کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں لیتا لیکن اس واقعہ میں جس عورت یا بیوی کا میں ذکر کرنے جا رہا ہوں وہ سب سے الگ اور خاوند کی محبت، وفا، اطاعت میں دیوانگی کی حدوں کو چھوتی تھی۔ اُس نے آ کر جو بات یا مسئلہ مجھے بتایا اُس نے مجھے بھی بلا کر رکھ دیا۔

میں ابھی مری میں ہی Job کرتا تھا۔ چھٹیوں میں لاہور آیا ہوا تھا۔ ایک عورت میرے پاس آئی جو شکل و صورت میں دیہاتی لگتی تھی اور بہت پڑھی لکھی نہیں لگ رہی تھی۔ میرے کسی جاننے والے کے ساتھ آئی تھی۔ اُس نے جو مسئلہ بتایا وہ سن کر آپ بھی پریشان ہو جائیں گے۔

وہ مجھے کہنے لگی پروفیسر صاحب میرا خاوند کئی دنوں سے گھر میں بیمار اور دروازہ بند کر کے پڑا ہے، اُس کا علاج کریں۔ میں نے پوچھا اُسے کیا مسئلہ ہے تو وہ بولی وہ کسی عورت سے بہت پیار کرتا ہے اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ عورت میرے خاوند سے ناراض ہو گئی ہے اُس کی ناراضی میرا خاوند برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ روگ لگا کر گھر بیٹھا ہے۔

میں اپنے خاوند سے عشق کرتی ہوں۔ میں اُس کو پریشان نہیں دیکھ سکتی۔ آپ خدا کے لیے مجھے کوئی ایسا تعویذ دیں کہ وہ عورت میرے خاوند سے صلح کر لے تاکہ میرا خاوند بھی خوش اور نارمل ہو جائے۔ اُس کی بات سن کر میں حیرت سے ہوا کیا تم اپنے خاوند کی پہلی کا تعویذ مجھ سے لینے آئی ہو۔ تم کو اپنے خاوند اور اس عورت پر غصہ نہیں آتا تم جانتی ہو تم کیا کہہ

رہی ہو؟ پروفیسر صاحب! مجھے پتہ ہے میں کیا کہہ رہی ہوں۔ وہ میرے گھر والا میرا واحد سہارا ہے۔ میری ساری خوشیاں اسی کے دم سے ہیں جب وہ ہی نہ رہتا تو میں کیا کروں گی۔ میں اُس کی خوشی میں خوش ہوں۔ مجھے بعد میں پتا چلا کہ یہ خود اُس عورت کو بلا کر لاتی اور اپنے ہی گھر میں دونوں کی ملاقات کراتی اور خود کمرے کے باہر بیٹھ جاتی تاکہ کسی اور نہ ہو۔ بیوی خود اپنے خاوند کی محبوبہ کو لا کر اپنے ہی خاوند کو پیش کرے اور اپنے خاوند کی خوشی کے لیے سوتن اور دوسرے کے جذبات اور نفرت کو ماردے۔ میں حیرت سے اُس کی شکل دیکھ رہا تھا کہ تو کس سیارے سے آئی ہے۔ تم والی اس بیوی ہو میں نے پوچھا۔ تو وہ بولی جی ہاں اور میرے اتنے بچے ہیں۔ بعد میں مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ اس کا خاوند اچھا تھا والا، بھگڑا اور نکما تھا نہ کام کاج، صرف دوسری عورت سے عشق اور عیاشی اور کوئی کام نہیں۔ اس کی بیوی بہت کمزور با کردار، پورا گاؤں اُس کی پاک بازی اور شرافت کی قسم کھاتا تھا۔ وہ میرے سامنے کھڑی اپنے خاوند کی خوشی کی ہمت نہ رکھتی تھی اور میں حیرت سے اُس کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے خاوند پر بہت رشک بھی آیا کہ یہ شاید دنیا کا خوش قسمت خاوند ہوگا جو اُس کی اپنی بیوی ہی اُس کی معشوق کو منانے کے لیے بھاگ دوڑ کر رہی تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ کبھی اپنے خاوند کو روکا نہیں۔ تمہیں اُس پر غصہ نہیں آتا تو وہ بولی شروع میں بہت روکا بھی اور غصہ بھی کیا لیکن میں نے میری کوئی بات نہیں مانی تو میں ہی اپنے خاوند کی خوشی میں ڈھل گئی۔ اب اُس کی خوشی میں میری خوشی ہے۔ اُس کا فرمانبرداری، اطاعت دیکھ کر میں نے شدت سے اللہ سے دعا کی کہ میری عورت کو میں اس کے ساتھ رہوں۔ میں نے اُس کو واپس دلانا ہے اور میرے اللہ اس میں میری مدد کرنا۔ میں نے کچھ دیر سوچا اور اُس سے مخاطب ہوا کہ یہ تعویذ اُس کے پاس دے دینا اور اُس کو کہنا کہ 24 گھنٹے کے اندر وہ عورت اُس کے پاس ہوگی۔ جب وہ عورت اُس کے پاس آ جائے تو میرا شکر یہ ادا کرنے آئے۔ تعویذ نے کیا کرنا تھا شدت سے رات کو دعا مانگی اور پورا نامل محبت استعمال کیا اور اللہ کی برکت دی اور اگلے ہی دن وہ عورت اُس کے پاس آ گئی۔ جب اُس کی صلح ہو گئی تو بیوی نے کہا کہ ہاؤ اور ہاؤ پروفیسر صاحب کا شکر یہ ادا کرو تو وہ بولا میں کسی پروفیسر کو نہیں جانتا، میرا مرشد بہت بہت طاقتور ہے پروفیسر صاحب بہت سارے میرے مرشد کے مرید ہیں۔ میں اپنے مرشد کے علاوہ کسی کو نہیں مانتا، اُس کی بیوی نے میرے پاس شکر یہ ادا کیا اور اپنے خاوند کی طرف سے معافی بھی مانگی۔ میں اُس کی بات سن کر مسکرایا کیونکہ مجھے اپنے پلان کا پتہ چلا آگے کیا کرنا ہے، کوئی بات نہیں تم پریشان نہ ہو، آرام سے گھر جاؤ چند دن بعد اس کی پھر اُس سے لڑائی ہوگی تو تم آنا اُس کو کہنا کہ جاؤ اپنے مرشد کے پاس یا خود پروفیسر صاحب کے پاس جاؤ۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی تشکر آمیز نظروں سے دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی۔

چند دنوں بعد وہی ہوا جس کا مجھے احساس تھا۔ اُس کی پھر اپنی محبوبہ سے لڑائی ہو گئی کیونکہ طبعی اور جھگڑا لوتھا۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا، اپنے مرشد کے پاس بھی کئی بار گیا۔ آخر میں اپنی بیوی کی بھی باتیں سن کر وہ دوبارہ میرے پاس آئی بھی لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔ آخر کار جب جدائی کی آگ برداشت نہ کر سکا تو پھر اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے پروفیسر صاحب کے پاس لے چلو۔ ایک دن صبح ہی وہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ آگئی اور

چند دنوں بعد وہی ہوا جس کا مجھے احساس تھا۔ اُس کی پھر اپنی محبوبہ سے لڑائی ہو گئی کیونکہ طبعی اور جھگڑا لوتھا۔ ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارتا رہا، اپنے مرشد کے پاس بھی کئی بار گیا۔ آخر میں اپنی بیوی کی بھی باتیں سن کر وہ دوبارہ میرے پاس آئی بھی لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔ آخر کار جب جدائی کی آگ برداشت نہ کر سکا تو پھر اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے پروفیسر صاحب کے پاس لے چلو۔ ایک دن صبح ہی وہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ آگئی اور

کہا دے ہو گیا۔ اب اُس کا بندہ اُس کے ساتھ بالکل ٹھیک ہے لیکن اب وہ مجھے بالکل لفت نہیں کراتی۔ میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُس کو پھر میری طرف لائیں۔ میں نے کہا سوچ لو اگر تمہاری محبت اُس کے دل میں ڈالوں گا تو اُس کا خاوند پھر اُس کو مارے گا۔ جناب مجھے اس کی پروا نہیں آپ اُس سے میری صلح کرائیں، چلو ٹھیک ہے تم ہا اب میں تمہاری بات نہیں ٹال سکتا، جاؤ تمہارا کام ہو جائے گا آج تو میں تمہاری ہر بات ماننا ہوں لیکن کبھی میں تم سے کچھ کہوں گا یا مانگوں گا تو تمہیں بھی میری بات ماننی ہوگی۔ اُس نے وعدہ کیا کہ میں ہر صورت میں آپ کی بات مانوں گا۔

ایک کے بجائے دو بیویاں

روحانیت اور فقری بھی ایک حیرت کدہ ہے اور میرے سوسنے رب کے کھیل بھی بہت ہی نرالے ہیں۔ بعض لوگ اسٹاپ بندوں اور فقیروں کے ساتھ ایسے شغل اور محبت کرتا ہے کہ بندہ حیران ہو جاتا ہے۔ میں اُن دنوں مری میں تھا کہ اُن کا اور حسب معمول سردیوں کی چھٹیوں میں اپنے گاؤں آتا تھا۔ سردی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ سارا دن میں لوگوں کو دیکھتا تھا۔ میرے گاؤں کی غریب آبادی کا ایک غریب آدمی سارا دن میرے پاس بیٹھا رہتا اور رات کو بھی بیٹھا رہتا بلکہ اُن دنوں کی خدمت کرتا۔ دن رات آگ اور کونکوں کی آگ بھٹی جلاتا، سردی میں ہم سب کے لیے حرارت کا انتظام کرتا۔ میرے پاس آگے ہو کوئی کام وغیرہ نہیں کرتے۔ گھر میں کوئی نہیں جو تم دن رات یہاں بیٹھ رہتے ہو۔ وہ بولا سرکار تمہارے یہاں آدمی ہوں۔ آپ لوگوں کے برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ ایک سال پہلے میری بیوی مجھے چھوڑ کر کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اُن دنوں میں بہت پیسے تھے وہ مزاروں، بابوں کو دے چکا ہوں لیکن مجھے کہیں سے بھی خیر نہیں پڑی۔ لوگوں سے آپ کا ہمارا سال آپ کا انتظار کرتا رہا اب آپ آئے ہیں تو اب آپ کے در پر آتا ہوں کہ آپ صاحب نظر ہیں کبھی تو مجھ کو بھی یہی نظر پڑے گی۔ چھوٹا منہ بڑی بات آپ کی توجہ کا منتظر ہوں۔ میرے بچپن کے دوست بھی ساتھ کھڑے تھے انہیں لے گئی بھر پور سفارش اور وکالت کی کہ اس بے چارے کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہوا ہے، وہ اس غریب کو چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس کے گھر میں اور کوئی بھی نہیں ہے۔ بے چارے کا گھر ہی اجڑ گیا ہے۔ کوئی کھانا بنانے والا بھی نہیں ہے۔ مجھے اُس کی دعا ہے کہ کبھی داستان سن کر بہت دکھ ہوا۔ اُس کو حوصلہ دیا کہ فکر نہ کرو، وہ جلدی واپس آئے گی۔ دو دن بعد میں نے اپنے اسٹاپ پاس بلایا اور کہا کہ تمہاری بیوی تم سے بے وفائی کر گئی ہے، کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہے، تمہیں اُس پر خصہ نہیں آتا تم پر بھی اُس کو واپس لانا چاہتے ہو۔ وہ بولا سرکار میں اُس سے بہت پیار کرتا ہوں۔ اگر وہ میرے پاس آئے گی تو اُس کی ساری غلطیاں معاف کر دوں گا۔ آپ اُس کو واپس لے کر آئیں، اُس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

یہاں میں اپنے قارئین کو بتانا چلوں کہ میری زندگی میں کئی ایسے خاوند آچکے ہیں جن کی بیویاں اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئیں لیکن خاوند ابھی بھی اس انتظار میں ہے کہ وہ کب واپس آئے گی اور میرا اجڑا گھر پھر سے آباد ہو جائے گا۔ لیکن اُن بدکردار عورتوں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ کوئی ان کو کتنا چاہتا ہے اور اُس کے انتظار میں بیٹھا ہے۔

اب اُس کا بندہ اُس کے ساتھ بالکل ٹھیک ہے لیکن اب وہ مجھے بالکل لفت نہیں کراتی۔ میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اُس کو پھر میری طرف لائیں۔ میں نے کہا سوچ لو اگر تمہاری محبت اُس کے دل میں ڈالوں گا تو اُس کا خاوند پھر اُس کو مارے گا۔ جناب مجھے اس کی پروا نہیں آپ اُس سے میری صلح کرائیں، چلو ٹھیک ہے تم ہا اب میں تمہاری بات نہیں ٹال سکتا، جاؤ تمہارا کام ہو جائے گا آج تو میں تمہاری ہر بات ماننا ہوں لیکن کبھی میں تم سے کچھ کہوں گا یا مانگوں گا تو تمہیں بھی میری بات ماننی ہوگی۔ اُس نے وعدہ کیا کہ میں ہر صورت میں آپ کی بات مانوں گا۔

اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا اور اُس کی لڑائی اور صلح کی آکھ چھوٹی اسی طرح چلتی رہی آخر ایک دن میں نے اپنے پلان کے تحت اُس کو کہا کہ یار میں نے سوچا ہے کہ کیوں نایہ عمل میں تم کو دے دوں تاکہ تمہیں میرے پاس آنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ تم خود ہی یہ عمل کر کے اُس کو بلالیا کرو۔ تم جو بار بار میرے پاس آتے ہو یہ مٹائی گئی ختم ہو جائے گی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ میں نے کہا کہ اب تم میرے دوست ہو لہذا تمہارے لیے میری جان اور ہر چیز حاضر ہے۔ میں نے اُسے ایک روحانی عمل بتایا اور کہا کہ جا کر کرو اور ساتھ ہی شرائط بھی بتائیں۔ وہ چلا گیا اور ہمارے گھر پر میرے بتائے ہوئے طریقے پر عمل کیا اور مقررہ دن کے بعد کامیاب بھی ہو گیا اور میرے پاس بہت خوش خوشی آئی اور مٹھائی بھی لایا، بہت خوش تھا۔ میں نے اُسے کہا اب تم خود عامل ہو، اپنے اور لوگوں کے کام اب خود ہی کیا کرو ساتھ ہی میں نے اُسے ایک اور عمل بھی بتایا جسے سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ جب میں نے اُسے کہا کہ اس عمل کے بعد یہ کام کر سکتے ہو تو وہ میرا بہت احسان مند بھی ہوا کہ اب آپ واقعی دوستی نبھا رہے ہیں۔ میں نے کہا یار تم دوست ہو، جاؤ اور جا کر کرو، تمام شرائط اور طریقہ میں نے اُسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ وہ خوش خوشی واپس چلا گیا۔ اب میں اُس سے ایسے ذکر اذکار بھی کرا رہا تھا جس سے عشق کا بھوت اتر جاتا ہے اور انسان عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی کا مسافر بن جاتا ہے۔

اس دوران اب وہ مجھ سے روزانہ ملنے آتا۔ میں اُس کو ہمیشہ فل پروڈو کو ل دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ میری دوستی کے بحر میں بھی گرفتار ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اُس عورت کے عشق کا نشہ بھی اُس کے دل و دماغ سے اتر رہا تھا۔ اب وہ ساری ساری رات بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سورۃ اخلاص کا ورد کرتا۔ اس دوران اُسے یہ بھی نہیں چلا جب وہ اُس عورت کے عشق سے نکل کر عشق الہی میں داخل ہو گیا۔ ایک دن وہ میرے پاس بیٹھا ہوا تھا تو میں نے کہا یار اُس۔۔۔ ملے ہوئے کتنے دن ہو گئے، کبھی اُس کے محلے بھی گئے ہو کہ نہیں، تم تو سارا سارا دن میرے پاس ہی بیٹھ رہتے ہو۔ تو وہ بولا جناب ایک ماہ سے اوپر ہو گیا ہے میں ادھر نہیں گیا اور اب نہ ہی میرا دل کرتا ہے۔ آپ نے ایک بار مجھے کہا تھا کہ ایک بات منواؤں گا مجھے پتہ تھا آپ کا اشارہ کس طرف ہے، آپ کے کہے بغیر ہی میں نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اب وہ میرے لیے بہنوں کی طرح ہے۔ کبھی بری نظر سے نہیں دیکھوں گا۔ آج اس والہ کو چھ سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ وہ لڑائی جھگڑا، عشق بازی سب کچھ بھول چکا ہے۔ اکثر اپنی بیوی کے ساتھ

اسی طرح کی ایک بیوی کا بد قسمت خاوند میرے پاس آیا کہ سرکار میری بیوی کسی دوسرے لڑکے کو ہلا کر رہی ہے۔ میں جب روکتا ہوں تو وہ مجھ سے طلاق مانگتی ہے۔ خدا کے لیے میری عورت کے دماغ سے اس کے عشق کا پھول اتار دیں۔ میں نے اس کو وظائف بتائے، اللہ نے کرم کیا وہ لڑکا خود ہی اس کو چھوڑ گیا۔ اب وہ عورت بھل کی طرح شروع ہو گئی۔ اب وہ عورت ساری ساری رات نوافل اور لمبے لمبے وظیفے کرنا شروع ہو گئی کہ جو اس کا عاشق اُسے ہلا کر واپس اس کے پاس آ جائے۔ اب اس کامیاں روزانہ میرے پاس۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ ساری رات کسی اور کے لیے جاگتی اور عبادت کرتی ہے تمہیں اس پر غصہ نہیں آتا۔ وہ مجبور کہتا جناب میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انہیں گھر اجڑ جائے گا۔ میں بھی اس کے گھر گیا۔ بڑی کوششوں کے بعد اس عورت کے دماغ سے عشق کا بھوت نکالا اور نارمل ہوئی۔ اس کے شوہر اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اللہ پاک ایسی بے وفا عورتوں اور مردوں کو ہدایت دے۔

بات ہم اس خاوند کی کر رہے تھے جس کی بیوی بھاگ گئی تھی جو میرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔ میں نے اُسے حوصلہ دیا۔ بے فکر رہو وہ آ جائے گی۔ اس طرح میری چھٹیاں ختم ہونے لگیں۔ وہ بے چارہ دو ماہ سے میرے پاس آ رہا تھا۔ آخر جب اس نے دیکھا کہ اب میری چھٹیاں ختم ہونے والی ہیں اور میں اب اپنی نوکری پر کوہ مری واپس چلا جاؤں گا تو اس نے ایک عجیب کام کیا جسے دیکھ کر میں اور میرے دوست بھی پریشان ہو گئے۔ ایک رات جب میں سارا دنیا اور آدھی رات تک لوگوں سے ملتا رہا تو جب ہم چند دوست ہی رہ گئے تو ایک دوست نے بولا جناب آپ کی ہر بات کا وقت آ گیا ہے اور اس بے چارے کی بیوی ابھی تک نہیں آئی۔ اس نے آپ کی اور ہماری سب کی بھی بہت خدمت کی ہے۔ اگر آپ اسی طرح مری واپس چلے گئے اور یہ نامراد رہا، اس کی بیوی واپس نہ آئی تو اس کو تو دکھ ہوگا ہی، مگر لوگ آپ کے جانے کے بعد ہمیں بھی طعنے مار مار کر ذلیل و رسوا کریں گے کیونکہ یہ دو ماہ سے یہاں آ رہا ہے۔ اس کے رشتہ داروں نے اس کو بہت روکا اور سمجھایا کہ کیوں اپنا وقت برباد کرتے ہو، پروفیسر صاحب امیروں کا کام کرتے ہیں، تمہارے رشتہ داروں کی غریب اور کمی کی کوئی نہیں سنے گا۔ گاؤں والے بھی اس کی زندگی اجیرن کر دیں گے لہذا خدا کے لیے اس کی بیوی کو کسی نہ کسی طرح واپس بلائیں تاکہ اس غریب کا گھر پھر سے آباد ہو سکے اور یہ رشتہ داروں اور گاؤں والوں کے طعنوں سے بھی بچ سکے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا، وہ بھی حسرت اور امید بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولا سرکار آج میں نے آپ کو منانا ہے، آپ آج ہی میرا کام کریں گے۔ سرکار آپ بیٹھیں اور دیکھیں۔ اس نے ہاتھ لگا کر نکالے جو وہ پہلے سے ہی لایا ہوا تھا۔ میرے دوستوں کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ اس کے اس عمل سے واقف ہیں۔ اس نے ہتھکھڑو باندھیں اور ناچنا شروع کر دیا۔ سرکار جس طرح بلبے شاہ سرکار نے اپنے مرشد عنایت قادری سرکار کو منایا تھا آج میں نے بھی ناچ کر آپ کو منانا ہے۔ میں نے زبردستی اس کو بٹھا دیا اور سختی سے منع کیا کہ تم کن عظیم ہستیوں کا نام لے رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ وہ دو دن کے اندر اندر آ جائے گی۔ پتہ نہیں وہ قبولیت کی کوئی گھڑی تھی جو میرے رب نے فوری سن لی۔ ہم اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اگلے دن بھی لوگوں سے ملنے میں گزرا۔ مغرب کے بعد وہ اور میرا دوست خوشی خوشی آستانے پر داخل ہوئے۔ دونوں کی خوشی اور مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ ان کے پاس کوئی خوشخبری ہے۔ آتے ہی میرا دوست

میں اللہ پاک کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ میرے اللہ آپ بھی کیا ہو، تیرے سارے رنگ پیارے اور ہلکے ہیں، تو جب بھی دیتا ہے بے حساب دیتا ہے۔ یہ ساری باتیں کر کے وہ واپس چلا گیا۔ صبح پھر آ گیا سرکار اب میری کا کیا کرنا ہے۔ میں نے کہا اب سنبھالو اس کو بھی جو لڑکی ساتھ آئی تھی وہ بھی شادی پر تیار تھی۔ وہ ڈر رہی تھی کہ اگر وہ واپس اپنے گھر جائے گی تو اس کے گھر والے اس کے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے اور اس کو مار بھی لیں گے۔ میں نے اس سے شادی کروا پانا۔ تو میں نے اُسے کہا نہیں یہ شادی کبھی نہیں کرنی۔ اگر کسی نے تمہارے ہاتھ لڑائی کی ہے تو تم نہ کرو۔ اس لڑکی کو اس کے گھر چھوڑ آؤ۔ کوئی مسئلہ ہے تو میں اس علاقے میں اپنے کسی ہاتھ والے سے کہتا ہوں وہ تمہاری مدد کرے۔ اس طرح ہم نے اس لڑکی کو جو ساتھ آئی تھی اس کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔ ہمارے اس حسن سلوک سے وہ بہت خوش ہوئے اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی لڑکی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ میرے دوست آج بھی یاد کرتے ہیں کہ پروفیسر صاحب آپ سے ایک بیوی مانگو آپ دو دیتے ہو۔ میں کہتا ہوں یہ اللہ کرتا ہے میں نہیں۔

دیوانی ماں کو بیٹا مل گیا

میری زندگی میں بے شمار ایسے لحظات آئے ہیں جب میں بہت خوش ہوا اور میرا دل کیا کہ میں اپنی جان اپنے رب پر قربان کر دوں یا اگر اللہ پاک میرے سامنے ہوں تو پتہ نہیں میں کیا کروں۔ یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں مری میں جا کر رہتا تھا اور چھٹیوں میں اپنے گاؤں آیا ہوا تھا۔ مری کے بعد اب میرے گاؤں اور اطراف میں میری شہرت پھیل رہی تھی اور سارا دن بہت سارے لوگ مجھ سے ملنے آتے۔ ایک دن ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئی جو دیوانوں جیسی لڑکیوں کی رہی تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ اس کا نو جوان بیٹا پانچ سال سے لاپتہ ہے۔ اس کی جدائی میں یہ پاگل ہو چکی ہے۔

اپنے بیٹے کی تلاش میں یہ بے شمار مزاروں اور بزرگوں کے پاس جا چکی ہے۔ اپنی ساری عمر کی جمع پونجی بھی یہ لیرے لیرے بزرگوں اور مزاروں پر لٹا چکی ہے۔ اس کو جہاں بھی کسی بزرگ یا درویش کا پتہ چلتا ہے یہ اس کے پاس جا کر اسے دعا فریاد کرتی ہے۔ اب اس بوڑھی ماں کو آپ کا پتہ چلا ہے تو یہ پھر نئی آس لے کر آپ کے پاس آ گئی ہے۔

بوڑھی ماں کی داستان سن کر مجھے بھی بہت زیادہ دکھ ہوا کیونکہ یہ سچ ہے کہ گمشدہ بچے یا بڑے کا دکھ موت سے زیادہ ہوتا ہے۔ موت کا تو صبر آ جاتا ہے جبکہ لاپتہ کا دکھ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ دن رات آس بنتی ہے اور لڑتی ہے۔ لمحہ موت کی تکلیف سے متاثرین گزرتے ہیں۔ اسی کرب اور دکھ سے جب یہ ماں گزری تو ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ اس نے بہت پیار، توجہ اور دھیان سے دکھی ماں کی بات سنی۔ وہ بیچاری بے ربط گفتگو کر رہی تھی کبھی ہوش کی باتیں، کبھی دیوانوں کی باتیں۔ اس کو کھل کر بولنے کا موقع دیا، حوصلہ دیا اور کہا کہ جلدی وہ واپس آ جائے گا انشاء اللہ۔ اس کو پڑھنے کو موقع ملا کہ جا کر پڑھو وہ خوشی خوشی چلی گئی۔ دو چار دن بعد وہ پھر واپس آ گئی اور بولی کہ ابھی تک میرا بیٹا واپس نہیں آیا۔ میں نے اس کی بات سنی بلکہ میری والدہ ماجدہ نے بھی اس کی بھرپور سفارش کی۔ وہ جب بھی آتی تھی ایک حرکت بار بار کرتی۔ اس سے بات کر کے جب واپس جاتی تو تھوڑی دور جانے کے بعد پھر واپس آ جاتی۔ کیونکہ میں اس کی اس حرکت سے واقف ہو چکا تھا لہذا میں اس کو باہر لگی تک چھوڑ کر آتا اور وہیں کھڑا رہتا کیونکہ مجھے پتہ ہوتا تھا کہ اس نے پھر واپس آنا میرے پاس آئے ہوئے لوگ بھی اس دکھی ماں کو دیکھ کر آبدیدہ ہو جاتے اور دعا بھی کرتے اور اللہ جلدی اس کو واپس لے کر آئے۔

اس کی سن لے۔ اسی طرح وہ ایک دن میرے پاس آئی اور اس نے بڑی عجیب بات کی۔ مجھے کہنے لگی بیٹا آج میں بے چارہ چل کر آئی ہوں جو پیسے کرایے پر خرچ ہوتے تھے آج میں نے بچا لیے ہیں، یہ لودس روپے اور میرا کام کر دو اور میرا دل واپس لا دو۔ جب تم میرا کام کر دو گے تو میں تم کو دس روپے اور دوں گی۔ دکھی ماں ملتی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں حسرت، انتظار، دکھ اور بیٹے کو دوبارہ زندہ دیکھنے کی آس تھی۔ اس کا ہاتھ میری طرف بڑھا ہوا تھا جس میں پرانا دس کا نوٹ تھا اور آنکھوں میں آنسو وہ ایک لمحہ مجھے اندر سے چیر گیا بلکہ مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ دکھی ماں کا پیدل کل کر میلوں کا سفر کرنا، پیسے بچانا اور یہ آس لگانا کہ پیسے لے کر پروفیسر صاحب میرا کام کر دیں گے۔ میرے منہ سے یہ الفاظ بائے میرے اللہ نکلا اور میں نے آسمان کی طرف دیکھا اور کہا تو میرا نہایت رحم کرنے والا خدا ہے، اس دکھی ماں کے پیدل چلنے پر ترس کھا، اس کی آزمائش کو دور کر، اس ماں کے لیے آسانیاں عطا فرما۔ میں کافی دیر تک اس مخصوص کیفیت میں رہا۔ اللہ پاک سے دعا بھی کی، شکوے بھی کیے اور رحم کی اپیل بھی۔ دکھی ماں کو دیکھ کر میری آنکھیں بھی آبدیدہ ہو گئی تھیں۔ اچانک مجھے دعا کی قبولیت کا احساس ہوا۔ اب میں بوڑھی ماں سے مخاطب ہوا ماں جی آپ یہ پیسے اپنے پاس رکھو، اب آپ کا بیٹا واپس آئے گا تو آپ ان پیسوں کی مٹھائی لے کر آنا۔ میری بات سن کر ماں بولی بتاؤ میرا بیٹا کب اور کس وقت آئے گا۔ میں نے کہا ماں جی آپ کب چاہتی ہیں تو وہ بولی: تین دن بعد عید الفطر ہے اس سے پہلے اس کو میرے پاس آنا چاہیے۔ ٹھیک ہے ماں جی اگلے دو دنوں میں آپ کا بیٹا آپ کے پاس ہوگا۔ میرے دماغ اور دل کی حالت یہ گواہی دے رہی تھی کہ وہ ہر صورت میں آئے گا۔ دکھی ماں حسب معمول تین بار گئی، پھر آئی اور آخر کار واپس چلی گئی اور میں نے آسمان

ایک لمحے میں فقیری پا گیا

اب میں ایک ایسا واقعہ بیان کرنے جا رہا ہوں کہ آپ میں سے بہت سارے لوگ اس کو سچ ماننے سے انکار کریں گے لیکن جو لوگ پچھلے کئی سالوں سے میرے ساتھ ہیں وہ تمام لوگ اس واقعے سے آگاہ بھی ہیں کیونکہ ان سب نے یہ واقعہ سنا۔ اور ایسے تمام لوگ جو اس بات پر یقین نہ کریں میں ان سے درخواست کروں گا کہ وہ اس کردار سے ان کی سکتے ہیں کیونکہ وہ الحمد للہ زندہ ہے اور سیکڑوں لوگ اس سے ملتے بھی ہیں اور روزانہ فیض بھی پاتے ہیں۔ آپ لوگوں سے بزرگوں سے سنا ہوگا اور کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ کوئی آیا اور فقیری لے گیا اور سالوں کے پرانے مرید مند دیکھتے رہ گئے اور ان کے لے آ یا اور فقیر بن کے گیا۔ میری زندگی میں بھی کچھ ایسے ہی واقعات پیش آئے ہیں جس میں سے ایک یہ ہے۔

یہ میرے مری میں قیام کے آخری دن تھے۔ میری شہرت مری اور اطراف میں بہت پھیل چکی تھی روزانہ ہزاروں لوگ مجھ سے ملنے آتے۔ زیادہ تر تو لوگ اپنے مسائل لے کر آتے لیکن ان میں سے کچھ تماشا دیکھنے آتے اور مجھے ہلاک کرنے آتے کیونکہ ان دنوں ہر زبان پر میرا ہی چرچا تھا۔ اللہ پاک نے اپنی رحمتوں اور کمروں کی برسات کی ہوئی تھی۔ ایک دن میرا مقامی پروفیسر دوست طارق عباسی کسی نوجوان کو میرے پاس لے کر آیا کہ یہ روحانیت فقیری کے بہت طالب ہے اور بے شمار بزرگوں سے لڑائی کر چکا ہے اور کسی پیر فقیر کو نہیں مانتا بلکہ اس کا مشن ہے پیروں، فقیروں سے لڑنا۔ گزشتہ دنوں ہم کہیں بیٹھے ہوئے تھے، بزرگوں، فقیروں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ یہ حسب معمول بزرگوں کے خلاف بول رہا تھا۔ اب اس کی باتیں حد سے بڑھ گئیں تو میں نے آپ کا ذکر کیا، جب میں نے آپ کی بہت زیادہ تعریف کی تو اس نے کہا میں آپ کے ساتھ جا کر ان سے ملتا ہوں اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ بھی بزرگ ہیں یا فراڈ۔ لہذا میرے مجبور کرنے پر یہ آگیا ہے لیکن یہ روحانیت اور فقیری کے بہت خلاف ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ سپاٹ اور اکھڑ موڈ میں بیٹھا تھا۔ بلا: جناب میں تو تب مانوں گا جب آپ مجھے کچھ دکھائیں گے۔ میں اندر سے فقیری کو مانتا ہوں لیکن کوئی آج تک ایسا نہیں جو بتائے کہ وہ واقعی ہی بزرگ ہے۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ میری مسکراہٹ سے شاید اسے فضا آ گیا۔

والوں کو ہی ملتی ہے۔ وہ آرام اور احترام سے میری باتیں سنتا رہا اور وعدہ کیا کہ میں آپ کی ہدایات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا اس کے بعد وہ چلا گیا۔ میں جتنا عرصہ مری رہا وہ میرے پاس آتا اور لوگوں کی خدمت کرتا، پانی اور خدمت کی ڈیوٹی دیتا۔ میرے کہنے پر اپنے گھر میں لوگوں سے ملنا شروع ہو گیا۔ چند دنوں میں ہی اُس کی شہرت کی طرح پھیلنا شروع ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد وہ ایک اور شہر میں بھی بیٹھنا شروع ہو گیا۔ آج کل وہ تین جگہوں پر لوگوں کی خدمت کرتا ہے اور اکثر میرے پاس چکر بھی لگا رہتا ہے۔ لاہور شہر سے بہت سارے لوگ اُس کے پاس جب جاتے ہیں تو وہ ان کو میرا نام پتہ دیتا ہے اور کہتا بھی ہے کہ یہ سارا فیض پروفیسر صاحب نے اللہ پاک سے لے کر دیا ہے۔ آپ میرے اہل خانہ میرے مرشد پروفیسر صاحب کے پاس جائیں اور میرا سلام دیں۔ جب وہ لوگ آکر مجھ سے ملتے ہیں تو مجھ سے ان کا اظہار کرتے ہیں کہ میں اُس کا مرشد ہوں، وہ ایک فرمانبردار شاگرد اور مرید ہے، آج بھی برملا اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ مجھے ایک لمحے میں فقیری مل گئی۔

فقیری لینی مہنگی پڑی

شام روحانی بزرگوں اور فنون پر مہتمم کے لوگ آتے ہیں۔ ایک تو دنیاوی حاجات اور مسائل کے حل کے لیے اور دوسرے لغیری اور بزرگی لینے کے لیے۔ زیادہ اکثریت دنیاوی مسائل کے حل کی تلاش میں لوگ در بدر ایک بزرگ سے در بدر ایک بزرگ، ایک مزار سے دوسرا مزار۔ ان میں بھی زیادہ اکثریت کام چور اور خیالی دنیا میں رہنے والوں کی ہوتی ہے جو کمال کس کی تلاش میں پرائز بانڈ، انعامات اور زمین میں خزانوں کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ کام وغیرہ کرنا نہیں بس کرامات کے انتظار میں یہ ساری عمر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگ جب بہت زیادہ عرصہ آستانوں اور مزاروں پر گزار لیتے ہیں تو ان کو پیر یا فقیر بننے کا جنون چڑھ جاتا ہے۔ یہ اپنی وضع قطع، بزرگوں اور پیروں والی بنا لیتے ہیں اور لوگوں کی اہمیت سے کھینٹا شروع کر دیتے ہیں یا کچھ عرصہ کسی نام نہاد پیر کے پاس مریدی اور خدمت کرتے ہیں اور نام نہاد مہتمم کی قسم کی خلافت لے کر اپنی پیری مریدی شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ پاکستان میں ابھی بھی جہالت بہت زیادہ ہے اور زیادہ اکثریت روحانی اور بزرگوں کو ماننے والوں کی ہے، اس لیے جلد ہی ایسے خالی اور ناتجربہ کار نام نہاد پیر صاحب بہت ہمارے لوگوں کو اپنا گرویدہ یا مرید بنا لیتے ہیں۔

اب ایسے لوگ ٹکا بازی سے اپنا کلام چلا رہے ہوتے ہیں۔ اندر سے یہ خود کو اچھی طرح جانتے ہیں، اس لیے ان کوئی حقیقی بزرگ نظر آیا، اس کی منت سماجت کہ جناب ہمیں بھی فقیری، بزرگی اور فیض دے دیں۔ بہت سارے لوگ ان کی عزت و احترام اور بلے بلے دیکھتے ہیں تو یہ شہرت اور شہاٹ باٹ کی زندگی حاصل کرنے کے لیے کسی کے ساتھ ہو جاتے ہیں، اب آج کل زیادہ تر بزرگ یا گدی نشین جب خود ہی خالی ہیں تو وہ کسی کو کیا دیں گے۔ جب پانی کی کمی خالی ہو تو تل میں پانی کیسے آئے گا۔ اس لیے زیادہ تر اکثریت ایسے خالی، ناتجربہ کار پیروں کی ہے اور یہ خود پیر بن کر

وہ حسب معمول بزرگوں درویشوں کے خلاف بولنا شروع ہو گیا۔ جب اُس کی باتیں حد سے گزرنے لگیں تو میں بولا کہ فقیری درویشی کو مانو گے نہیں بلکہ تم آج سے خود فقیری درویشی کرو گے، تم خود ساری عمر اولیائے کرام کی خدمت اور تلمذ ہی کرو گے۔ میں اُس کی گستاخانہ باتیں سن کر خاص کیفیت کا شکار ہو چکا تھا۔ میری باتیں سن کر وہ بولا کہ پروفیسر چاند چاند تو میں بھی دیکھوں گا۔ باتوں سے میں ماننے والا نہیں ہوں۔ میں تم کو باتیں سنانا بھی نہیں چاہتا بلکہ کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔ جاؤ اپنے گھر جاؤ اور اپنی بیوی کے سر پر دم کرنا جو تمہارا دل کرے پڑھ دینا۔ ایک تو وہ جو برسوں سے سردرد کی مرید ہے۔ ٹھیک ہو جائے گی۔ اور دوسری بات اُس کی انگلیوں کی کافی دنوں سے گم ہے اُس کی وجہ سے تم دونوں بہت پریشان ہو رہے ہو۔ اب بھی کرتے ہو۔ اُس کی آنکھیں بند کر کے اُس پر دم کر دینا اُس کے پردے اٹھ جائیں گے اور اُس کو وہ جگہ دکھادی جائے گی جہاں پر وہ انگلی ہے۔ اگر اُس کا سر در تمہارے دم سے ٹھیک ہو جائے اور بعد میں انگلی بھی مل جائے تو یقین کر لو کہ اللہ بھی اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو جھوٹے اور فراڈ نہیں ہیں۔ کیونکہ انگلی والی بات صرف اُس کے دماغ میں تھی جو اللہ نے بتادی تھی لہذا اس بات سے وہ تھوڑا سا متاثر نظر آ رہا تھا کہ مجھے انگلی کا کیسے پتہ چل گیا لیکن پھر بھی وہ بے یقینی میری طرف دیکھتا چلا گیا۔ لیکن جاتے جاتے یہ بھی کہہ گیا کہ میں جا کر دیکھتا ہوں کہ آپ کی بات سچ ہوتی ہے یا کہ نہیں بہر حال وہ چلا گیا لیکن مجھے اپنے اللہ پاک پر پورا یقین تھا کہ وہ ضرور واپس آئے گا اور اگلے کئی سال اب وہ لوگوں کا روحانی علاج بھی کرے گا۔ وہ جو بیروں، فقیروں اور درویشوں کو گالیاں دینا تھا اب دن رات اپنی خدمت کرے گا۔

میں نے اب دن رات اپنی خدمت کرے گا۔

لوگوں سے مل کر رات کو گھر چلا گیا اور رات کو مراقبہ اور ذکر کا ذکر کر کے سو گیا۔ اگلے دن جب میں صبح اٹھا تو میری توقع کے عین مطابق وہ میرے گھر کے دروازے پر بیٹھا تھا۔ میں جب گھر سے باہر نکلا تو وہ دوڑ کر میری طرف آیا اور میرے گلے لگ گیا۔ اُس کے بولنے سے پہلے ہی میں بولا آج پھر لڑنے آ گئے ہو؟ یار میں یہاں پر پردہ کی آذی ہوں تم مقامی ہو اور تمہارا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ میں آج یہاں ہوں، کل کہیں اور ہوں گا۔ میں نہ تم سے کوئی بحث کروں گا اور نہ ہی لڑائی۔ روتے ہوئے بولا کہ پروفیسر صاحب! خدا کے لیے ایسا نہ کہیں میری جان آپ پر قربان، مجھے معاف کر دیں، مجھے جیسے ہوا اور اکھڑ مزاج ضدی آدمی کو ایسی طرح ہی ٹھیک کیا جاسکتا تھا جو آپ نے کیا۔ میں تو بہت ہی خوش قسمت ہوں جو آپ نے لڑنے آیا، آپ کو ذلیل کرنے آیا۔ آپ نے میری جھولی میں کیا ڈال دیا۔ میں اندھیرے میں تھا آپ نے میری زندگی میں اجالے بھر دیئے۔ میں جہالت میں تھا آپ نے میری جھولی حکمت سے بھر دی۔ خدا کے لیے مجھے اپنے قدموں میں جگہ دیں۔ مجھے اپنی خدمت کا موقع دیں۔ مجھے اپنا بچہ بنالیں جو نشہ، سردی، مستی آپ نے مجھے کل پلائی ہے اس کو مجھ سے واپس نہ لینا۔ جس دنیا کا مسافر مجھے بنایا ہے اب مجھے تمہانہ چھوڑنا۔ وہ روح بھی رہا تھا اور بہت ساری باتیں بھی کر رہا تھا۔ میں اُس سے مخاطب ہوا۔ پچھلی زندگی تم نے جیسی بھی گزاری اللہ معاف کرنے والا ہے اب تم بھی لوگوں کی خدمت اور روحانی علاج کرو گے شرط صرف ایک ہے کہ کبھی کسی سے زبردستی پیسے نہ لینا۔ یہ ربت کا نور ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ مخلوق کی خدمت کرو گے اتنی ہی برکت پڑے گی۔ تم مقدور والے ہو کہ اللہ پاک نے تمہیں اور مجھے اس ڈیوٹی کے لیے چنا ہے ورنہ کروڑوں انسان دنیا میں ایسے ہیں جو ہم سے زیادہ عبادت گزار، نیک، سخی اور رب کے قریب ہیں لیکن یہ ڈیوٹی تو

بھی روحانیت، فقیری کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد میرے پاس بھی آتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے مجھ فقیر پر۔ جب روزانہ سیکڑوں لوگ میرے پاس آتے ہیں تو یہ بہت متاثر ہوتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح کے پیر بن جائیں، یہ بڑے بڑے لوگ ہمارے گھنٹوں کو ہاتھ لگائیں۔ خوب صورت خواتین، بیوروکریٹس، فوج اور پولیس کے اعلیٰ افسران، عدالتوں کے جج صاحبان میڈیا اور ٹی وی کے لوگوں کو دیکھ کر ان میں یہ خواہش اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہاں ایسے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ سارے کا سارا کھیل اللہ تعالیٰ کا ہے، کوئی فقیر یا بزرگ کچھ نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ ایسے دیوانے تصوراتی دنیا میں رہتے ہیں۔

میرے پاس فقیری یا بزرگی لینے اکثر ایسے لوگ آتے ہیں۔ میں ان سے یہی کہتا ہوں کہ میں تو خود تصوف، روحانیت، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرب الہی کا مسافر ہوں لیکن یہ نہیں مانتے۔ یہ لوگ عبادت، مراقبہ، مجاہدے، تزکیہ نفس اور مراقبہ کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ میں نے کوئی وظیفہ یا مراقبہ نہیں کیا مجھے ابھی فقیر بنادیں۔ کچھ لوگ تو بدتمیزی بھی کر جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ عشقِ الہی اور زیارتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہی آتے ہیں جن سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوتی ہے۔

اب یہاں جو واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں اس کے بیک گراؤنڈ کے لیے یہ بتانا بہت ضروری تھا اور ہم سارے لوگ اس واقعے کی سچائی سے انکار بھی کر دیں گے تو ان تمام خصوصیات کی طرف غور فرمائیں۔ ایک حقیقی اور زندہ کردار ہے۔ آپ اس سے مل کر واقعہ کی صداقت کا یقین کر سکتے ہیں تاکہ Non believers کو یقین آسکے کہ روحانیت کا وجود ہے اور یہ قصے کہانیاں نہیں ہیں۔ اس واقعہ میں تمام کرداروں کے نام اصل ہیں، جن سے آپ مل سکتے ہیں۔

میرے قریبی لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری ذاتی کوئی بھی ٹرانسپورٹ نہیں ہے۔ اس لیے میں دفتر اکثر ایک کرائے کی پہلی ٹیکسی میں جاتا ہوں اور یہ سفر پچھلے کئی سالوں سے جاری و ساری ہے۔ لاہور میں رہنے والے تمام دوست اس ٹیکسی ڈرائیور سے بخوبی واقف ہیں۔ مجھے دفتر پہنچانے کے علاوہ میرے گھر کے ذاتی کاموں میں بھی یہ میرا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس دنیا کا یہ پرانا دستور ہے کہ اگر کوئی کسی کے کام آتا ہے تو وہ توقع کرتا ہے کہ اس کو اس کا معاوضہ ملنا چاہیے۔ اس ٹیکسی ڈرائیور کا ایک بھائی بھی ہے جو لوگوں کو دم وغیرہ کرتا ہے اور ایک بڑی گدی کا مرید بھی تھا۔ وہ جب بھی لاہور آتا تو وہ اور اس کا بھائی ڈرائیور میرے پیچھے پڑ جاتے کہ فیض یا فقیری مجھے بھی دیں۔ میں ہر بار ناتواں رہا کہ بہت مشکل کام ہے اور ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے، اور ابھی تمہارے من کا برتن صاف نہیں ہوا اس لیے تم برداشت نہیں کر پاؤ گے، لیکن وہ کوئی بھی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ ہر بار ایک ہی تقاضا کہ میں نے لوگوں کا روحانی علاج کرنا ہے، مجھے کچھ دیں۔ اکثر ایسے لوگوں کو یہ نہیں پتہ ہوتا کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں۔ ایسے لوگ یہ بات نہیں جانتے کہ زمانہ قدیم سے آج تک اہل معرفت اگر اپنے مریدوں کو عبادت، مجاہدہ اور تزکیہ نفس، مراقبہ جات، تصویب کراتے ہیں تو اس کی کوئی وجہ ہے کیونکہ روحانیت اور عشقِ الہی تو پاک ہے اور جب تک من کا برتن پاک و صاف نہیں ہوگا تو روحانی فیض کیسے ملے گا۔

اس اندر تمام جسمانی اور روحانی مسائل بلکہ رذائل موجود ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ہم کائنات کی سب سے قیمتی چیز کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ جذباتی لوگ مرشد کو اپنا اختیار استعمال کرنے کا حق بھی نہیں دیتے کیونکہ سچا مرید مرشد کی تابعداری میں خوش ہوتا ہے۔ مرشد جب مناسب سمجھتا ہے، وہ عطا کر دیتا ہے۔ یہ لوگ مرشد یا اہل نظر لوگوں کو آؤر لگا رہے ہوتے ہیں کہ مجھے بھی فیض دو ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا اور دوبارہ کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ اب ان بھلے مانسوں کو کون سمجھائے کہ تصوف میں باادب یا مراد اور بے ادب بے مراد ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک بار ڈرائیور کا بھائی لاہور آیا ہوا تھا۔ اس بار وہ نیت کر کے آیا تھا کہ ہر صورت فقیری لے کر جائے گا۔ ان کے تحت رات کو دونوں بھائی گھر آئے اور دونوں نے میری ایک ایک ٹانگ پکڑ لی اور بانٹا شروع کر دی اور وہی بات کہ آج تو فقیری لے کر ہی جاؤں گا۔ میں نے کہا، فقیری کیا ہوتی ہے تو وہ بولا میں جس کو بھی دم کروں اس کا ہر کام ہو جائے۔ ہر بیمار تندرست ہو جائے۔ ہر شکایت مسئلہ لحوں میں حل ہو جائے۔ وہی پرانی انسانی کمزوری طاقت کا حصول اور معاشرے میں نمایاں ہونے کی خواہش، میں کافی دیر تو ناتواں رہا لیکن جب انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم کہہ رہے ہیں، اس لیے آپ ہم پر کرم نہیں کر رہے ہیں۔ فلاں فلاں پر آپ زیادہ مہربان ہیں۔ آپ امیروں کے کام کرتے ہیں، یہ الزام بہت سارے اور لوگ بھی میرے اوپر لگاتے ہیں۔ جب یہ دونوں بھائی کسی بھی طور پر باز نہ آئے تو میں نے دعائی تہلیل کا احساس ہو تو ڈرنا نہیں۔ اور ایک بار پھر سوچ لو یہ بہت مشکل اور بڑا کام ہے جو تم اور تمہارا جسم برداشت نہیں کر پائے گا لیکن وہ بعد تھا، کچھ بھی ہو جائے میں نہ ڈروں گا اور نہ ہی بھاگوں گا۔

یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے میں عرض کرتا ہوں کہ اگر وظیفہ بتانے والا ارتکاز یعنی توجہ کا ماہر ہو اور اپنی روحانی قوتیں بیدار بلکہ پختہ کر چکا ہو تو وہی پڑھنے والے پر بھی روحانی اثرات مرتب ہوتے ہیں ورنہ اگر مرشد یا وظیفہ والے والا خود ہی خالی یا باتونی ہو تو سالوں بیت جاتے ہیں، کوئی روحانی تبدیلی نہیں آتی کیونکہ جو روحانی منازل سے گزر چکا ہو تو وہی بہتر جانتا ہے کہ باطنی جسم کے اندر کون کون سا لطیفہ یا روحانی یونٹ ہے اور کس نے کس طرح آن لائن ہے اور کس طرح باطنی حیات کو بیدار کرنا ہے۔ باطنی قوتیں اور تیسری آنکھ بیدار ہوگی تو ہی باطنی دنیا کے اسرار و اہامات اور نظارے ہوں گے۔ اگر کوئی مرید انارڈی، مرشد یا استاد کے ہتھے چڑھ جائے تو نتائج خطرناک بھی نکل سکتے ہیں۔ اس لیے روحانیت میں کامل مرشد کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور جس کو کامل مرشد مل جائے وہ بہت زیادہ خوش قسمت ہوتا ہے۔

میں نے طریقہ اور نام بتا دیا۔ یہ دونوں بھائی خوش خوش چلے گئے۔ مقررہ دن اُس نے پڑھائی شروع کر دی۔ تین دن بعد ڈرائیور صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے بھائی کو پڑھائی کرتے ہوئے تین دن ہو گئے ہیں، ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ ابھی تک اندھیرے کا اندھیرا۔ سرکار کوئی نظارہ کرائیں۔ تین دن اور گزر گئے۔ یہ شکوے کہ سرکار اب تو کچھ کر دیں۔ آخر میں نے اسے کہا کہ اپنے بھائی سے کہنا کہ آج رات بارہ بجے وظیفہ شروع کرے۔ اب مقررہ وقت پر

اللہ نے آتے ہی اُس کو انجکشن لگا دیا۔

ڈاکٹر نے کولیاں، انجکشن تمام حربے استعمال کر لیے لیکن مریض کو بالکل افادہ نہیں ہوا۔ تو اسی دوران ڈاکٹر نے مریض کے ساتھ بدتمیزی کر دی کہ تم سب ڈراما فراڈ کر رہے ہو تو مریض بولا، ”ڈاکٹر صاحب یہ جھوٹ ڈراما نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت میں دیکھ رہا ہوں۔“ ڈاکٹر نے کہا تم نے کوئی نشہ کیا ہے۔ اس نشے کی وجہ سے تم اپنے حواس میں نہیں ہو تو فقیر بولا، یہ نشہ کا نشہ ہے۔ تو ڈاکٹر بولا، اگر یہ فقیری کا نشہ ہے تو یہ ذرا مجھے بھی دو، میں بھی نسخہ لینا چاہتا ہوں۔ اب کیونکہ مریض پر ابھی ایک خاص حالت طاری تھی، اس نے ڈاکٹر صاحب کو پکڑ کر زور سے ہلایا اور کہا، لو اب تم بھی سرور لو۔ مریض نے یہ بات کی تو ڈاکٹر پر بھی وہی اثرات اور حالت طاری ہو گئی۔ ڈاکٹر بھی ویسی ہی حرکتیں کرنے لگا جو مریض کر رہا تھا۔ وہ دیکھو ڈاکٹر، کہتا ہاں میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ ایسی نشے کی حالت میں ڈاکٹر اٹھا اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ کمر سے ٹکڑا اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر جانے لگا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا ہوگا کہ توازن قائم نہ رکھ سکا اور موٹر سائیکل کو بجلی کے کھمبے میں دے مارا کیونکہ ڈاکٹر صاحب اپنے ہوش میں نہیں تھے، جذب اور مستی میں لہجہ بہ لہجہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا، ڈاکٹر صاحب کو نہ اپنی اور نہ ہی موٹر سائیکل کی خبر تھی۔ اس نے موٹر سائیکل کو وہیں چھوڑا اور دیوانہ وار دوڑتا ہوا جنگل کی طرف چلا گیا اور ساری رات ادھر ادھر دوڑتا رہا۔ صبح لوگ ڈاکٹر صاحب کو پکڑ کر واپس لائے۔

یہاں پہنچ کر وہ فقیر نے واقعات کا ذکر کرتا چلوں۔ ایک تو آپ بابا لال شاہ کے مرید والا واقعہ پچھلے صفحات میں پڑھ لے ہیں جبکہ دوسرا واقعہ ذیل میں بیان کرتا ہوں۔

حضرت باقی باللہ جو محمد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد تھے، ان کے پاس جب بھی مہمان آتے تو وہ اکثر ایک نان ہائی سے نان وغیرہ منگواتے اور نان ہائی سرکار سے بہت پیار اور عقیدت بھی رکھتا تھا۔ وہ اکثر دیکھتا کہ دور دراز علاقوں سے لوگ حضرت باقی باللہ کے پاس آتے ہیں اور اپنی جھولیاں مرادوں سے بھر کر لے جاتے ہیں۔ لوگ روحانی، جسمانی اور مالی مشکلات کے حل کے لیے آتے اور آپ ان کو فیض یاب کر کے بھیج دیتے۔ ایک دن اس نان ہائی نے سوچا کہ اتنے زیادہ لوگ یہاں پر آتے ہیں اور فیض لے کر جاتے ہیں اور میں اتنے سالوں سے سرکار کی خدمت کر رہا ہوں اب میں نے بھی فیض یا فقیری لینی ہے، لہذا ایک دن موقع پا کر وہ حضرت جی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ سرکار میں کتنے سالوں سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں۔ آج تک آپ سے کچھ بھی نہیں مانگا لیکن آج میں بھی آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں۔ حضرت باقی باللہ فرمانے لگے، مانگو کیا چاہتے ہو تو نان ہائی بولا، سرکار مجھے بھی باقی باللہ بنادیں۔ سرکار نے کہا، سوچ لو لیکن نان ہائی بضد رہا کہ اتنے سال کی خدمت کا معاوضہ مجھے یہی چاہیے کہ آپ مجھے اپنے جیسا بنادیں تو حضرت جی نے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے روحانی تصرف سے مرید پر توجہ کی تو مرید بھی باقی باللہ بن گیا۔ یہ واقعہ تمام کتابوں میں موجود ہے۔ بعد میں یہ مرید اتنا زیادہ نور برداشت نہ کر سکا اور وفات پا گیا تو باقی باللہ فرمانے لگے، برتن چھوٹا تھا لنگر زیادہ مانگ بیٹھا۔

درج بالا دونوں واقعات بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اہل نظر جب کسی پر توجہ کرتے ہیں تو کئی قسم کی روحانی، جسمانی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جن کی برداشت کم ہو یا جن کے باطن کا برتن ابھی تیار نہ ہوا ہو تو مجذوب ہونے کا بھی خطرہ ہوتا

میں بھی جائے نماز پر بیٹھ گیا اور اس کو دھیان میں رکھ کر توجہ شروع کر دی۔ توجہ کیا ہے؟ جو لوگ روحانی مسافر ہیں بخوبی اس کو سمجھ جائیں گے۔ جو لوگ روحانیت کو نہیں مانتے وہ نہیں مانیں گے لیکن یہ سب ہے۔ توجہ، ارتکاز، اگر ہمارے حاصل کرے اور ارتکاز کو پختہ کر لے تو کیا بات ہے۔ توجہ کی بے پناہ قوت کا ادراک وہی کر سکتے ہیں جو اس کو پختہ کر سکتے ہیں۔ اب جب مجھے احساس ہوا کہ اس کے باطن میں کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہے تو میں اپنا وظیفہ کر کے سو گیا۔ اگلی صبح سوئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا ہوگا کہ کسی نے بہت زور زور سے میرے مین گیٹ کو کھٹکھٹایا بلکہ بجانا شروع کر دیا۔ حادثہ یا واردات اکثر ہوتی رہتی ہے کیونکہ میں سارا دن کا تھکا ہوتا ہوں اس لیے اکثر Avoid کرتا ہوں لیکن آج تو بہت بڑی ایمر جنسی میں لگ رہا تھا۔ اب آہنی گیٹ کو باقاعدہ زور زور سے پینا جا رہا تھا جیسے ڈنڈوں سے کوٹا جا رہا ہو۔ اس شدت اور آواز کے ساتھ Knock کیا جا رہا تھا کہ سارے گھر والے اٹھ گئے۔ اب گیٹ کھولنے کے بغیر کوئی ہاتھ نہ تھا، لہذا میں آہنی مین گیٹ کی طرف بڑھا اور تھوڑا غصے میں بولا کہ ٹھہرو میں آ رہا ہوں لیکن جب دروازہ کھولا تو ڈراما گھر پر انتہائی پریشانی میں کھڑا تھا۔ خوف اور دہشت کے تاثرات اس کے چہرے پر تھے۔ اس کی آواز بھی دہشت سے کہانی کی آواز بند تھی۔ وہ بڑی مشکل سے بولا، جناب گاؤں میں میرے بھائی کی حالت بہت خراب ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے یا کوئی جن وغیرہ اگر ادھر بھیجا ہے تو خدا کے لیے فوری واپس بلا لیں، وہ پاگلوں والی حرکتیں کر رہا ہے اس کا دماغ کام نہیں کر رہا۔ وہ شدید خوف کا شکار ہے۔ آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ بھی کیا ہے، آپ کو خدا کا واسطہ دو اور اسے لے لیں۔ ڈرائیور کے ساتھ اُس کا تیسرا چھوٹا بھائی بھی تھا دونوں بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے دونوں کو بہت کہا کہ جس فقیری کی تلاش میں تم تھے، یہ وہی کرنٹ ہے۔ اب اس کو برداشت کرو لیکن وہ بار بار ایک ہی تقاضا کر رہے تھے کہ ہمیں کوئی فقیری یا روحانیت نہیں چاہیے۔ میرے ماں باپ اور بہنیں بہت پریشان اور رورہے ہیں۔ انہوں نے یہی پیام بھیجا ہے کہ ہمارے بیٹے کو نارمل کر دو۔

میں نے پھر انہیں کہا کہ اچھی طرح سوچ لو، اب دوبارہ کبھی فقیری نہیں مانگو گے؟ تو دونوں بھائی بولے، ہمارا توبہ، یہ کام ہمارے بس کا نہیں ہے۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے اپنے بھائی کی جو حالت اور کیفیت بتائی وہ اس طرح تھی۔ پچھلے چند دنوں سے بھائی وظیفہ کر رہا تھا۔ آج رات جیسے ہی اس نے پڑھائی شروع کی تو اس پر شدید وزن پڑا۔ کمر اور سر میں شدید درد جیسے سر درد سے پھٹ جائے گا۔ اس کے بعد اس کو عالم غیب کی چیزیں نظر آنا شروع ہو گئیں۔ وہ پڑھائی چھوڑ کر گھر کے صحن میں آ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا کہ آسمان پر یہ نظر آ رہا ہے۔ درخت کے اوپر یہ ہے، کون کمرے میں جا رہا ہے اور یہ کمرے سے کون باہر آ رہا ہے۔ بقول اس کے پورے گھر میں مخفی مخلوق نظر آ رہی ہے۔ وہ ہوش میں نہیں تھا یا تو اس کے اوپر کوئی جناتی مخلوق مسلط ہو کر اس کے جسم میں حلول کر گئی تھی یا اس کے اندر کوئی گڑبڑ ہو گئی تھی، وہ اپنے ہوش میں بالکل نہیں تھا۔

گھر والے اس کی یہ حالت دیکھ کر ڈر گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ کوئی جنات کا مسئلہ ہے، وہ اس کے اندر داخل ہو گئے ہیں، لہذا وہ مولوی کو لینے گئے۔ مولوی تو ماٹھیں گاؤں کا کپوڑا ڈاکٹر مل گیا۔ اس کو لے کر جب یہ گھر آئے

ہے۔ اب ہم اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔ میرا ڈرائیور اور اس کا بھائی میرے سامنے کھڑا تھا اور بار بار کہہ رہے تھے کہ اس کی جو حالت ہے اس کو نارمل کریں۔ میں نے دونوں کو حوصلہ دیا اور کہا کہ اپنے بھائی سے کہو کہ دوبارہ پڑھائی نہ کرے اور نہ ہی فقیری مانگے۔ وہ دونوں واپس چلے گئے۔ ایک ہفتے بعد دونوں کا تیسرا بھائی جو گاؤں میں تھا، میرے پاس آیا اور نے کہا، اتنے سالوں سے تم میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ میں نے فقیری، درویشی لینی ہے۔ میں نے بھی لوگوں کا روحانی علاج کرتا ہے تو تم تو پہلی سیرگی پر ہی ہمت ہار گئے تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولا جناب! یہ کام ہمارے بس کا نہیں ہے اور میری توجہ جو میں دوبارہ کبھی آپ سے کوئی ڈیمانڈ کروں۔ اس کے بعد وہ جب بھی میرے پاس آتا ہے تو میں اسے دعا سے کہتا ہوں کہ فقیری لینی ہے تو وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے کہ میری توجہ۔ میں یہاں ان روحانی مسافروں سے بھی درملہ کروں گا کہ پہلے اپنے من کو صاف کریں، اپنا برتن روحانی فیض کے لیے تیار کریں، پھر فقیری کی ڈیمانڈ کریں یا اس کے قطرہ قطرہ پی کر خود میں جذب کریں۔

روحانی کرنٹ یا توجہ کا کمال

قارئین آپ پچھلے کئی واقعات میں توجہ یا روحانی کرنٹ کا ذکر کرتے آ رہے ہیں اور آپ کے ذہنوں پر **خوش بے یوں ہے سیر فرما کر** کے ذہنوں پر **خوش بے یوں ہے سیر فرما کر** کے ذہنوں پر **خوش بے یوں ہے سیر فرما کر** کے ذہنوں پر سوال بھی ضرور اٹھتا ہوگا کہ یہ توجہ اور روحانی کرنٹ کیا ہے؟ میں یہاں دو واقعات مختصر بیان کرتا ہوں جن سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ توجہ یا روحانی کرنٹ ہے۔

روحانیت سے توجہ

پہلا واقعہ اس طرح ہے کہ مری میں ہزاروں کے ہجوم کے بعد جب میں لاہور شفٹ ہوا تو جو لوگ مجھ سے مری ملنے جاتے تھے، وہ بہت خوش تھے، لہذا میرے لاہور آتے ہی وہ مجھ سے ملنا شروع ہو گئے۔ ان میں روحانیت سیکھنے والے لوگ بھی موجود تھے۔ انہی ملنے والوں میں ایک صاحب جو کسی بینک میں کام کرتے تھے، انہیں روحانیت سیکھنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ وہ دو یا تین بار مجھے بھی مل چکے تھے لیکن ان کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بار بار کہتے کہ میرے گھر کھانے پر آئیں۔ اب جو لوگ مجھے گھر یا کسی ہوٹل کھانے یا چائے پر بلاتے ہیں کہ ان کی خواہش کا مجھے پتہ ہوتا ہے کہ وہ تفصیل سے بات چیت یا اپنے مسائل بتانا چاہتے ہیں، لہذا یہ ٹینکر صاحب بھی یہی چاہ رہے تھے۔ میں نے انہیں ایک دن کا ٹائم دے دیا اور مقررہ دن میں وہاں جا پہنچا۔ اس نے موقع غنیمت جانتے ہوئے اپنے کچھ دوستوں کو بھی بلایا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد بات چیت شروع ہو گئی تو ٹینکر صاحب نے بتایا کہ وہ روحانیت سیکھنے میں بہت زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں اور اس شوق میں وہ بے شمار روحانی لوگوں سے مل بھی چکے ہیں لیکن یا تو ان کو کوئی کامل بندہ نہیں مل سکا یا پھر شاید یہ خود ہی اچھے مرید نہیں ہیں

اب یہ حال ٹینکر صاحب اور ان کے دوستوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ٹینکر صاحب نے سوالات کی لمبی چوڑی لڑائی ہوتی تھی۔ وہ سوالات کرتے جا رہے تھے اور اللہ نے مجھے جو کچھ دی تھی، میں جواب دے رہا تھا۔ لمبی نشست کے بعد اب انہوں نے اپنی بھڑاس نکال لی تو مجھے پاس کر دیا کہ ٹھیک ہے اب ہم روحانیت سیکھنے کو تیار ہیں۔ مجھے حیرت اس قدر کی ہوئی کہ یہ پہلے مرید تھے جنہوں نے مرشد یا استاد کا تفصیلی انٹرویو لیا اور پھر کمالی فراغ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اب ہم آپ سے روحانیت سیکھنے کے لیے تیار ہیں۔ ان کا رویہ بتا رہا تھا کہ وہ میرے اوپر احسان عظیم کر رہے تھے یا کہ ان کا دل خاص شرف بخش رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی شوق نہیں آپ کو مرید بنانے کا یا روحانیت سکھانے کا۔ اس پر لمبی کے ساتھ کہنے لگے، سر ہم تو پہلے ہی یہ کہتے ہیں کہ یہ تصوف، روحانیت اور مرشد وغیرہ سب ڈھونگ ہے، فراڈ ہے۔ اس علم کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب انہوں نے طنزیہ گفتگو شروع کر دی اور سرے سے روحانیت سے انکار کیا۔ جب انہوں نے کافی باتیں کر لیں تو میں نے ٹینکر صاحب سے کہا کہ پہلے آپ روحانیت سیکھ لیں، اس کے بعد وہ لوگوں کو بھی شامل کر لیں گے تو باقی دوست بولے، جناب ہم تو اس کو مانتے ہی نہیں، یہ تو ہمارے اس دوست کو شوق ہے آپ اس کو سکھائیں، ہمیں اس سے دور ہی رکھیں۔ لہذا میں نے ٹینکر صاحب کو مخصوص ذکر بتا دیا اور طریقہ کار بھی سمجھا دیا۔ مقررہ وقت کی بھی تاکید کر دی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ ٹینکر صاحب گیارہ دن لگا تار مقررہ وقت پر بیٹھ کر مخصوص طریقے سے

خوش بے یوں ہے سیر فرما کر

ٹینکر صاحب نے پڑھائی مقررہ وقت پر شروع کر دی۔ پہلے پانچ دن خیریت سے گزر گئے تو آخر گھلے شکوے آئے کہ کچھ بھی نہیں ہو رہا تو میں نے کہا، آپ جاری رکھیں! ان شاء اللہ جلدی اللہ تعالیٰ کی ذات کرم کرے گی۔ اب اس مقررہ وقت پر بیٹھا اور ٹینکر صاحب کو دھیان میں رکھ کر توجہ کا Process شروع کیا جیسے ہی میں نے ارتکاز کیا اور

صبح ٹینکر صاحب میرے دفتر پہنچنے سے پہلے ہی سے موجود تھے۔ وہ بہت پریشان اور شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی میری طرف تیزی سے بڑھے اور سلام کے بعد بولے ”پروفیسر صاحب! میں روحانیت کے سفر کو جاری نہیں کر سکتا۔“ میں نے پوچھا، کیوں کیا ہوا؟ تو وہ بولے میری بیوی بالکل نہیں مانتی، اس نے سختی سے کہا ہے کہ آج کے بعد کوئی دھرم لہیرہ نہیں ہوگا، لہذا سر میں آپ سے Sorry کرنے آیا ہوں کہ ابھی میں یہ ختم کرنے لگا ہوں۔ جب بچے بڑے ہو جائیں گے تو پھر دوبارہ شروع کر دوں گا۔ میرے پوچھنے پر ٹینکر صاحب نے بتایا کہ رات کو جیسے ہی میں نے پڑھائی شروع کی کہ پہلے تو میرے جسم پر شدید باؤ، پھر وزن ختم ہو گیا۔ پھر مختلف رنگ نظر آنے شروع ہو گئے تو میں نے گھبرا کر پڑھائی بند کر دی اور بھاگ کر کمرے سے نکل کر صحن میں آ گیا۔ میرے اوپر شدید گھبراہٹ طاری تھی۔ میری بیوی بھی میرے پیچھے صحن میں آ گئی تو وہ میری حالت دیکھ کر ڈر گئی کیونکہ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے علاوہ بھی کمرے میں بہت سارے لوگ ہیں یا صحن میں بھی ادھر ادھر جا رہے ہیں۔ جب میں نے یہ بات اپنی بیوی سے کی تو وہ بھی ڈر گئی اور سختی سے کہا کہ آج کے بعد کوئی دھرم لہیرہ یا چلہ نہیں ہوگا۔ اس کے بعد ٹینکر صاحب پچھلے دس سالوں میں میرے پاس دو یا تین بار بیوی سے چھپ کر

آئے ہیں اور یہی کہتے ہیں کہ ابھی میں نے بہت سارے کام کرنے ہیں۔ زندگی کے آخری حصے میں روحانیت کی سیکھوں گا اور میں مسکرا کر کہہ دیتا ہوں ”بینکر صاحب اگلے لمحے کا کس کو پتہ ہے۔“

روحانی خلافتوں کا شوق

قارئین اس طرح کے واقعات میری زندگی میں بے شمار آچکے ہیں۔ جب کوئی دیوانہ بڑی شدت کے ساتھ روحانی سفر شروع کرتا ہے اور پھر بھاگ جاتا ہے اور بہت سارے تو دوبارہ کبھی ملنے بھی نہیں آئے۔ جس طرح بہت سارے لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ روحانیت سیکھنی ہے۔ انہی لوگوں میں ایک بہت بڑا سرکاری آفیسر بھی آتا تھا جس نے ساری زندگی بزرگوں، ملنگوں، جوتھیوں اور گدی نشینوں کے پیچھے پھر پھر گزری ہے۔ میرے پاس تقریباً ۱۵ بزرگوں کی خلافتیں بھی ہیں۔ اتنے لاکھ فلاں ورداتنے لاکھ فلاں ورد لیکن میں ابھی تک اندھے کا اندھے ہوں۔ کوئی لکھا مشاہدہ، خواب یا روشنی مجھے کبھی نظر نہیں آئی۔ کیونکہ یہ بہت بڑے سرکاری آفیسر تھے، اس لیے گدی نشین اور نام نہاد بزرگوں ان کو فل پر ڈھکول دیتے، ان کے دفتر میں بھی ہر وقت مجمع لگا رہتا۔ نعت خواں، قوال، بزرگ اور گدی نشینوں کا ہجوم ہوتا تھا وہ اسی نشے میں سرشار رہتے کہ آج فلاں عظیم بزرگ مجھے فیض دے گیا ہے جبکہ اصل بات ایسی بالکل بھی نہیں تھی مراقبہ، ریاضت، مجاہدہ اور جس دم سے نہیں گزرے تھے اور اللہ کی مشیت کے تحت ابھی وقت بھی نہیں تھا اس لیے وہ فلاں پر خلافتیں اکٹھی کیے جا رہے تھے۔ میری جب ان سے ملاقات ہوئی تو مجھے بھی کہا کہ مرید کر لیں اور مجھے خلافت عطا کریں۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں اس قابل کہاں، میں تو خود ابھی طالب علم ہوں لیکن وہ بار بار کہتے کہ کچھ دکھائی دے گا۔ یہ تقاضا اکثر لوگ کرتے ہیں۔ لوگ روحانی بزرگوں کو بھی بازی گریا جا دو گرجھتے ہیں اس لیے کوئی شعبہ داری کرامت دیکھنا چاہتے ہیں۔

ایسے بڑے لوگوں کے پاس جو نام نہاد بزرگ آتے ہیں وہ آکر انہیں کہتے ہیں کہ فوری طور پر صدقہ دیں یا میں نے آپ کو خواب میں بہت بلند مقام پر دیکھا ہے۔ ہر کوئی جھوٹ پر جھوٹ بول رہا ہوتا ہے۔ انہیں جھوٹے بزرگوں کا ایک اور جھوٹ یہ بھی ہوتا ہے کہ میں نے فلاں بزرگ کا سارا فیض چھین لیا ہے، اب وہ فارغ یا خالی ہو گیا۔ کئی پاگل میرے بارے میں بھی یہ کہہ چکے ہیں کہ ہم نے پردیسر صاحب سے سب کچھ چھین لیا ہے۔ وہ اب خالی ہیں اور میں ایسے لوگوں کی باتیں سن کر حیران ہوتا ہوں کہ یہ مذہب اور تصوف سے کھیلنے سے بھی باز نہیں آتے۔

جب یہ سرکاری آفیسر میرے پیچھے بہت زیادہ پڑ گئے تو میں نے مقررہ وقت پر وظیفہ کرنے کو کہا۔ تہہ کے وقت انہوں نے پڑھائی شروع کر دی۔ میں نے بھی ان کو ذہن میں رکھ کر توجہ شروع کر دی۔ جب مجھے احساس ہوا کہ ان کی کچھ بیداری ہو گئی ہے تو اپنے ذکر اذکار پر لگ گیا۔ صبح ہی مجھے فون آ گیا کہ پردیسر صاحب آج مجھے عجیب لگا رہا ہے۔ میرے آس پاس جیسے روحانی لوگ آگئے ہوں۔ میری کمر اور سر میں شدید لہریں اٹھ رہی تھیں۔ روحانی پائلس

فیض یا روحانیت کا خاتمہ

جب سے میں روحانیت میں آیا ہوں اور اللہ پاک کا مجھ پر کرم ہوا تو تب سے بہت سارے لوگ، افسران اور لوگ آتے ہیں اور عزت بھی کرتے ہیں تو بہت سارے لوگوں میں دلوں میں یہ چاہت بیدار ہوتی ہے کہ عبد اللہ بھٹی کو مال پہلے کچھ نہ تھا ہمارے جیسا تھا آج تھوڑا بہت پڑھ لکھ کر یہ پیر بن گیا ہے تو ہم بھی کیوں نہ پیر بن جائیں۔ بہت سے لوگوں کا دل کرتا ہے کہ وہ بھی پیر یا فقیر بن جائیں تاکہ دنیا ہمارے آگے پیچھے پھرے۔ ایسے ہی دو واقعات میں

از شاہ ولی اللہ علیہ السلام نے لکھا ہے: **روحانی سفر**

حافظ صاحب کا لالچ

میں سردیوں کی چھٹیاں گاؤں گزرنے آتا تو بہت سارے لوگ مجھ سے ملنے آتے۔ سارا دن رش لگا رہتا اور گاؤں کے لوگ بھی تماشا دیکھنے کے لیے آتے اور دیکھتے کہ میں کیا کرتا ہوں۔ انہی آنے والوں میں ساتھ کے گاؤں سے ایک حافظ صاحب بھی آتے اور سارا دن دیکھتے کہ میں کیا کرتا ہوں۔ حافظ صاحب دم جھاڑے پر یقین اور لوگوں کو کرتے ہیں اور چھوٹے موٹے چلے بھی کیے ہوئے تھے اور لوگوں کو دم بھی کرتے رہتے تھے۔ وہ پہلے تو میرا جائزہ لیتے رہے۔ اب ان کا دل مان گیا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ مجھے بھی کوئی عمل کرائیں اور کوئی شرطیہ عمل کرائیں جس میں کچھ نظر بھی آئے۔ انکار ہونا چاہیے۔ میں پہلے تو حافظ صاحب کو ٹالتا رہا لیکن جب انہوں نے بہت ضد کی تو میں نے قرآن پاک کا بہت بڑا عمل پائل کاف اُن کو شروع کرایا۔ چہل کاف کی پوری تفصیل میری وظائف کی کتاب ”سرمایہ درویش“ میں ہے۔

حافظ صاحب پرانے کھلاڑی تھے۔ ارباب علم و فن اس عمل کے جلال اور قوت سے بخوبی واقف ہیں۔ میں حافظ صاحب کا ”یار قیب“ سے حصار کرتا رہا تاکہ کوئی مسئلہ نہ ہو۔ اکتالیس دن کا عمل تھا۔ پچیس دن گزر گئے۔ حافظ صاحب روزانہ آکر شکایت کرتے کہ آج رات بھی خاموشی سے گزر گئی، کچھ بھی نہیں ہوا۔ جب حافظ صاحب کی شکایتیں بہت بڑھ گئیں تو میں نے ایک رات حافظ صاحب کا حصار نہیں کیا۔ صبح ابھی میں اٹھا بھی نہیں تھا کہ حافظ صاحب میرے گھر

کے دروازے پر کھڑے تھے۔ میں نے حافظ صاحب سے پوچھا ”جی رات کیسی گزری؟ کچھ نظر آیا یا نہیں؟“ تو جناب پروفیسر صاحب، رات تو کمال ہی ہو گیا۔ جیسے ہی میں نے پڑھائی شروع کی، میرے چاروں طرف تاریک پٹاخوں کی بہت زیادہ اونچی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ میں ڈر نہیں۔ میں نے اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ میں لاٹکے آواز تو برداشت کرتا رہا لیکن اچانک میرے کمرے کی آدھی چھت زوردار دھماکے کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گئی۔ بات یاد تھی، میں اپنی پڑھائی کرتا رہا اور خدا خدا کر کے مکمل کی۔ ساری رات سویا بھی نہیں۔ صبح ہونے کا انتظار کرتا۔ اب آپ کے پاس آ گیا۔ میں نے حافظ صاحب کو حوصلہ دیا کہ حافظ صاحب آپ خود ہی تو کچھ دیکھنا چاہتے تھے۔ ہمت رکھو اور نظارہ کرو لیکن حافظ صاحب اور ان کے گھر والے بری طرح ڈر چکے تھے۔ حافظ صاحب عمل چھوڑنے لگے۔ میں نے ان کو حوصلہ دیا تو وہ عمل پورا کرنے پر تیار ہو گئے، لہذا ڈرتے ڈرتے حافظ صاحب کی پڑھائی مکمل ہو گئی۔ باقی دنوں میں بھی بہت تماشے ہوئے جو میں یہاں بیان کروں تو قارئین نہیں مانیں گے۔ حافظ صاحب کو اس فائدہ ہوا کہ ان کے بہت سارے حجاب اٹھ گئے اور وہ باطن کی دنیا بھی دیکھنا شروع ہو گئے بلکہ ان کے اندر روحانی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ اہل روحانیت چہل کاف کی طاقت اور افادیت سے بخوبی واقف ہیں۔ میں نے حافظ صاحب کو حوصلہ دیا اور کہا کہ اب آپ لوگوں کا روحانی علاج شروع کریں۔ خصوصاً سحری و آسپینی مریضوں کو دم کریں، لہذا صاحب نے لوگوں کا علاج کرنا شروع کر دیا کیونکہ میں گاؤں میں صرف چھٹیاں گزارنے آتا تھا۔ جب میں واپس آیا تو جو لوگ مجھ کو بلاتے، میں ان سے کہتا تھا میں نے حافظ صاحب کو طریقہ علاج بتا دیا ہے۔ آپ ان سے رابطہ لیں لہذا حافظ صاحب کے پاس لوگ آنا شروع ہو گئے۔ جب میں نے حافظ صاحب کو روحانی علاج کی اجازت دی تھی تو سے کہا تھا کہ کیونکہ آپ غریب آدمی ہیں، آپ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اس لیے آپ ایک سو روپے لے لیا کریں وہ بھی ان سے جو دے سکیں۔ اگر کوئی نہیں دے سکتا تو اس سے نہیں لینے۔ ہاں اگر کوئی اپنی خوشی سے زیادہ بھی دے دے تو لے سکتے ہیں۔ اگر زندگی میں کبھی آپ نے زیادہ پیسے ایسے لوگوں سے لیے جو دے نہ سکتے ہوں تو ایک تو اس عمل کی طاقت ختم ہو جائے گی اور دوسرا آپ کو نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ حافظ صاحب نے وعدہ کیا کہ میں اس کا خیال رکھوں گا۔ کیونکہ حافظ صاحب کی سفارش کر رہا تھا اور حافظ صاحب کا دم چل بھی رہا تھا، حافظ صاحب کی شہرت تیزی سے پھیلنا شروع ہو گئی۔ اب حافظ صاحب نے خود کو عامل کامل اور بہت بڑا پیر سمجھنا شروع کر دیا۔ مجھے ایک دن میرے کسی دوست کا ٹون آ گیا کہ میری خالہ کی بیٹی پر بہت خطرناک جنات کا قبضہ ہے۔ برائے مہربانی ہم مریضہ کو آپ کے پاس لانا چاہتے ہیں۔ میں نے انہیں حافظ صاحب کا پتہ بتایا کہ وہ بہت طاقتور روحانی عامل بن چکے ہیں۔ میرے دوست نے کہا کہ کیس بہت خطرناک ہے۔ بہت سارے بزرگ بابے مارکھا کر بھاگ چکے ہیں۔ آپ اچھی طرح سوچ لیں۔ میں نے انہیں حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ حافظ صاحب کو اپنے ساتھ مریضہ کے گھر لے جائیں۔ وہ اس مریضہ کا علاج کر دیں گے اور گھر کو بھی چھوڑ دیا۔ وغیرہ سے صاف کر دیں گے۔

اب آگے کیا ہوا، وہ میرے دوست کی زبانی سنیں تاکہ آپ اپنے طریقے سے سمجھ سکیں۔

پہلی صاحب! میں آپ کے کہنے پر حافظ صاحب کے پاس گیا اور حافظ صاحب کو آپ کا پیغام دیا اور کہا کہ بھئی
 آپ کے لئے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میری ایک کزن ہے جس کو بہت دورے پڑتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ چل کر
 لائی کا علاج کر دیں۔ حافظ صاحب بڑے مغرور انداز میں بولے، کوئی مسئلہ نہیں۔ ایسے کئی کیس آئے جو میں نے حل
 کر دیے ہیں۔ لیکن اس کام کے لیے کچھ خرچہ ہوگا، تب میں جاؤں گا۔ میں نے پوچھا، جناب کتنے پیسے؟ تو حافظ صاحب بولے
 "اوپر سے خرچہ ہوگا۔" میں نے کہا حافظ صاحب وہ بہت غریب اور مزدور خاندان ہے۔ آپ پیسے تھوڑے کر دیں لیکن
 حافظ صاحب نے کہا، ایک روپیہ بھی کم نہیں ہوگا، لہذا میں گھر جا کر کسی سے ادھار پیسے پکڑ کر لایا اور حافظ صاحب کو پیش کیے
 حافظ صاحب کو لے کر مریضہ کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ جب ہم اس گلی میں پہنچے تو حافظ صاحب نے ڈیمانڈ کی کہ مجھے
 لے کر دو اور دو ڈیمیاں سگریٹ کی۔ میں مجبور تھا، حافظ صاحب کی فرمائش پوری کی اور انہیں لے کر مریضہ کے گھر میں
 پہنچا ہوا۔ ہاتھ ہی حافظ صاحب نے فرمائش کی کہ مجھے دودھ سوڈا پلایا جائے، لہذا حافظ صاحب کی یہ فرمائش بھی پوری
 کر دی۔ حافظ صاحب کے سامنے بٹھایا گیا۔ حافظ صاحب نے دوسرا پان نکال کر منہ میں ڈالا اور سگریٹ سلگا کر
 کھانا کھا اور مغرور انداز میں بولے، کیا مسئلہ ہے اس بچی کو؟ تو ان کو بتایا کہ اس پر کسی خوفناک آئینی قوت کا قبضہ ہے جو
 اس کو مار رہی ہے۔ بے شمار بابے، ملنگ زور لگا چکے ہیں، لیکن یہ جانے کا نام نہیں لیتی بلکہ بدتمیزی کرتی ہے۔ حافظ صاحب
 نے بولے "آج پھٹے چک دیاں گے۔" (یعنی آج ہر چیز ختم کر دوں گا) ابھی حافظ صاحب یہ بول ہی رہے تھے کہ
 ان کے اوپر وہ چیز حاضر ہو گئی اور بولی "اودھ مولوی تیری یہ اوقات کہ تو مجھے نکالے۔ اب دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کر رہی
 ہوں؟" اسی ناک وہ آئینی قوت لڑکی کو چھوڑ کر حافظ صاحب پر قابض ہو گئی۔ حافظ صاحب کی ٹانگیں اوپر کر دیں کیونکہ حافظ
 صاحب دھتکتے پھرتے تھے، وہ دھتکتے ان کے منہ پر آ گئی اور وہ ننگے ہو گئے اور ان کے منہ سے پانی نکلنا شروع ہو گیا اور وہ
 مارے مارے تھے "پھٹے چک دیں گے۔" اول فول بول رہے تھے۔ گھر والے پریشان ہو گئے کہ یہ تو علاج کرنے آئے
 تھے اور اب ہمارے تھے۔ ان کو پانی لڑکی کے بجائے حافظ صاحب کی پڑ گئی۔ انہوں نے حافظ صاحب کو سیدھا کرنے کی کوشش
 لی لیکن حافظ صاحب تو اپنے آپ میں تھے ہی نہیں، بے ربط بولے جارہے تھے اور اوٹ پٹانگ باتیں اور حرکتیں۔ لیکن
 انہوں نے بہت کوشش کی تو بھی حافظ صاحب کی طبیعت نہیں سنبھلی۔ تب انہوں نے مجھے فون کیا اور میرا دوست گھبرا یا
 مجھے کہنے لگا "جناب پروفیسر صاحب، آپ نے جو حافظ صاحب بھیجے تھے وہ تو خود قابو آ گئے ہیں۔ پورا محلہ اکٹھا ہو گیا
 اور وہ حافظ صاحب کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنے مریض کو بھول چکے ہیں۔ ہمیں تو آپ کے شاگرد کی پڑ گئی ہے۔
 اب ان کی ٹانگیں اوپر ہیں اور وہ پاگلوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔" میں نے فوری اپنے دوست سے پوچھا تو انہوں
 نے حافظ صاحب کے لالچ اور پوری بات مجھے سنائی۔ مجھے سمجھ آ گئی کہ حافظ صاحب نے لالچ میں آ کر اپنی روحانی قوت
 کو ہلکی ہے یا ان کا فیض یا کرنٹ ختم ہو گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر حافظ صاحب کا حصار کیا اور گھر پر بھی توجہ دی تو اللہ
 تعالیٰ سے حافظ صاحب نارمل ہوئے اور گھر والے اور وہ مریضہ بھی ٹھیک ہو گئی۔ حافظ صاحب اس واقعہ کے کافی عرصہ
 تک مجھ سے دور رہے اور شرمندہ بھی بلکہ وہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ بہت دیر بعد ایک رات اندھیرے میں میرے

پاس آئے اور معافی بھی مانگی۔ میں نے حافظ صاحب کو کہا، حافظ صاحب یہ جوشفا اور فیض ہے، یہ ہم نہیں دے سکتے۔ یہ لاچار پاک کے پاس ہے۔ وہی مریضوں کو شفا دیتا ہے۔ جب بھی کوئی پیر فقیر یا بابا یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی سب کچھ ہوں تو اس کی ساری روحانی قوتیں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بن جاتا ہے۔ میں بے شمار ایسے بابوں کو چاہتا ہوں جنہوں نے کسی طریقے سے روحانیت حاصل کر لی لیکن اپنے لالچ سے وہ ختم کر لی۔ طاقت کے نشے میں وہ زمین و آسمان کے مالک کو بھول جاتے ہیں۔

پچھلے واقعے میں جن حافظ صاحب کا ذکر ہوا ہے، جنہوں نے لالچ اور غرور کی وجہ سے اپنی روحانی قوتیں خاتمہ کر لیا۔ یہ بھی ویسا ہی ایک واقعہ ہے۔ حافظ صاحب کے ساتھ ہی ایک مولوی صاحب بھی میرے پاس روحانیت کے لیے آئے جو بچپن سے ذکرِ اذکار اور چلے کر رہے تھے اور بے شمار بابوں، درویشوں کے پاس اپنا بہت سارا وقت گزار چکے تھے۔ جب میری شہرت پھیلی تو وہ بھی مجھے چیک کرنے کے لیے میرے پاس آئے۔ پہلے تو کئی دن وہ چپک کر رہے کہ میں کیا کرتا ہوں اور میرا طریقہ واردات کیا ہے۔ وہ تماشا کی طرح برائے اور بغور میرا جائزہ لیتے رہے۔ دو دن بعد جب دل مطمئن ہو گیا تو ایک رات جب سب چلے گئے تو میرے پاس آئے اور کہا، پروفیسر صاحب مجھے اس وظیفہ یا چلہ شروع کرا دیں تاکہ میں بھی لوگوں کی خدمت کر سکوں۔ اور جو بہت سارے چلے انہوں نے کیے تھے ان کی تفصیل بتائی۔ انہوں نے جو کچھ بتایا اس سے مجھے لگا کہ اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں، روحانیت کے اعمال کر سکتے ہیں اور زیادہ محنت بھی کریں گے، لہذا میں نے ان کو وظائف شروع کرا دیے جو انہوں نے ذوقِ شوق سے شروع کر دیے اور روزانہ آ کر مجھے بتاتے کہ وہ اچھے طریقے سے وظائف کر رہے تھے اور بہت محبت اور محنت سے کر رہے تھے۔ دو ماہ اسی طرح ہی گزر گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کو کچھ اور وظائف کرائے اور آخر میں وہ عمل شروع کرا دیا جو میں نے سے کرانا چاہتا تھا۔ انہوں نے وہ بھی بہت اچھے طریقے اور ذوقِ شوق سے کیا۔ ایک دن میرے پاس آئے، وہ بہت خوش تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ رات کو جب میں آدھی رات کے بعد مسجد میں ذکر کر رہا تھا تو اچانک آسمان سے نور اور روشنی آئی اور وہ مسجد کے مینار کے اوپر کافی دیر دائرے کی شکل میں گھومتی رہی اور میں ساری رات اسے دیکھتا رہا اور پھر وہ روشنی میرے گرد طواف کرتی رہی۔ وہ بہت خوش تھے کہ میری پڑھائی نے اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی اور میں نے انہیں مبارکباد دی کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کا چلہ کامیاب ہو گیا ہے اور اللہ پاک نے آپ پر کرم کر دیا ہے، لہذا اب آپ لوگوں کا علاج اور خدمت شروع کر دیں لیکن آپ کے لیے بھی یہی شرط ہے کہ زیادہ پیسے کسی سے نہیں لینے۔ ہر کوئی دے دے، وہ رکھ لیں اور کسی سے تقاضا نہیں کرنا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا اور کسی غریب سے لے کر پیسوں کا مطالبہ بھی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں دوسرے شہروں میں علاج یا دم وغیرہ کرنے نہیں جاتا تھا، لہذا اگر کوئی

منسٹر نے فقیری مانگی

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب میں مری میں تھا اور اندھے بچے کو اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا کی تھی۔ چاروں طرف دیکھا اور ہر زبان پر میرا ہی ذکر تھا۔ کیونکہ وہ مری کینسل اسلام آباد کے بہت قریب ہے اس لیے بہت سارے وزراء بھی

روحانی آپریشن کا خاتمہ

خاتمہ کر لیا۔ یہ بھی ویسا ہی ایک واقعہ ہے۔ حافظ صاحب کے ساتھ ہی ایک مولوی صاحب بھی میرے پاس روحانیت کے لیے آئے جو بچپن سے ذکرِ اذکار اور چلے کر رہے تھے اور بے شمار بابوں، درویشوں کے پاس اپنا بہت سارا وقت گزار چکے تھے۔ جب میری شہرت پھیلی تو وہ بھی مجھے چیک کرنے کے لیے میرے پاس آئے۔ پہلے تو کئی دن وہ چپک کر رہے کہ میں کیا کرتا ہوں اور میرا طریقہ واردات کیا ہے۔ وہ تماشا کی طرح برائے اور بغور میرا جائزہ لیتے رہے۔ دو دن بعد جب دل مطمئن ہو گیا تو ایک رات جب سب چلے گئے تو میرے پاس آئے اور کہا، پروفیسر صاحب مجھے اس وظیفہ یا چلہ شروع کرا دیں تاکہ میں بھی لوگوں کی خدمت کر سکوں۔ اور جو بہت سارے چلے انہوں نے کیے تھے ان کی تفصیل بتائی۔ انہوں نے جو کچھ بتایا اس سے مجھے لگا کہ اس میدان کے پرانے کھلاڑی ہیں، روحانیت کے اعمال کر سکتے ہیں اور زیادہ محنت بھی کریں گے، لہذا میں نے ان کو وظائف شروع کرا دیے جو انہوں نے ذوقِ شوق سے شروع کر دیے اور روزانہ آ کر مجھے بتاتے کہ وہ اچھے طریقے سے وظائف کر رہے تھے اور بہت محبت اور محنت سے کر رہے تھے۔ دو ماہ اسی طرح ہی گزر گئے۔ اس کے بعد میں نے ان کو کچھ اور وظائف کرائے اور آخر میں وہ عمل شروع کرا دیا جو میں نے سے کرانا چاہتا تھا۔ انہوں نے وہ بھی بہت اچھے طریقے اور ذوقِ شوق سے کیا۔ ایک دن میرے پاس آئے، وہ بہت خوش تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ رات کو جب میں آدھی رات کے بعد مسجد میں ذکر کر رہا تھا تو اچانک آسمان سے نور اور روشنی آئی اور وہ مسجد کے مینار کے اوپر کافی دیر دائرے کی شکل میں گھومتی رہی اور میں ساری رات اسے دیکھتا رہا اور پھر وہ روشنی میرے گرد طواف کرتی رہی۔ وہ بہت خوش تھے کہ میری پڑھائی نے اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی اور میں نے انہیں مبارکباد دی کہ آپ کو مبارک ہو کہ آپ کا چلہ کامیاب ہو گیا ہے اور اللہ پاک نے آپ پر کرم کر دیا ہے، لہذا اب آپ لوگوں کا علاج اور خدمت شروع کر دیں لیکن آپ کے لیے بھی یہی شرط ہے کہ زیادہ پیسے کسی سے نہیں لینے۔ ہر کوئی دے دے، وہ رکھ لیں اور کسی سے تقاضا نہیں کرنا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا اور کسی غریب سے لے کر پیسوں کا مطالبہ بھی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں دوسرے شہروں میں علاج یا دم وغیرہ کرنے نہیں جاتا تھا، لہذا اگر کوئی

میرے پاس آنا شروع ہو گئے تھے۔ انہی وزراء میں سے ایک وزیر یہ بھی تھے جو عرصہ دراز سے ذکر اذکار میں لگے ہوئے تھے اور پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ ساتھ ایران اور عراق کے بے شمار روحانی بزرگوں سے بھی مل چکے تھے۔ ساتھ سال سے زیادہ عمر تھی اور عرصہ دراز سے فقیری اور روحانیت کی تلاش میں تھے۔ کیونکہ بہت بڑے زمیندار تھے اور کئی بار زمینیں رہ چکے تھے اس لیے ان کی رسائی بیروں، فقیروں اور گدی نشینوں کے پاس بہت آسان تھی۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ تمام ان بیروں اور جعلی بزرگ نما عالموں کو ایسے لوگوں کا بخوبی پتہ ہوتا ہے اس لیے ایسے بااثر لوگوں کے دفاتروں اور گھروں میں ہر وقت بیروں، بزرگوں، جوتھیوں اور غیر مرئی قوتوں کے حامل حضرات کا مجمع لگا رہتا ہے۔ ہر کوئی ایسے بااثر لوگوں کی خلافت عطا کرتے رہتے ہیں اور یہ بااثر لوگ بڑے دھڑلے سے کہتے ہیں کہ میرے پاس فلاں فلاں سلسلے کی خلافت ہے۔ لیکن یہ لوگ ایک بات بھول جاتے ہیں کہ پانی کی ٹینگی میں پانی ہوگا تو پانیوں میں آئے گا یا نرسنگ مریم کی ہڈی کی تاروں یا گھروں میں بجلی آئے گی۔ بس یہ خوابوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ایسے نام نہاد بزرگوں کی چاندی ہوتی ہے۔ لوگوں سے پیسے پکڑ کر ان وزیروں سے کام کرواتے ہیں۔

ایک بار تو میں حیران ہی رہ گیا ایک بہت بڑی دنیاوی ہستی کے دفتر جب میں گیا تو اُس کی کرسی پر ایک مکار عامل بزرگ بن کر بیٹھا دعا مانگ رہا تھا اور وہ دنیاوی بڑی ہستی اُس فراڈی مکار پیر کے سامنے غلاموں کی طرح ہاتھ تکی رہتا تھا۔ رونا آتا ہے ایسے جاہلوں پر۔ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے فقیر بنایا ہے میں اس شوق میں یہ لوگ نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ بہت سارے لوگ ایسے بھی میرے پاس آتے ہیں جو آتے ہی کہتے ہیں کہ میں نے بہت ساری پڑھائی کر لی، میں نے بہت سارے دھکے کھالیے، اب میں نے کوئی پڑھائی یا وظیفہ نہیں کرنا مجھے ابھی فقیری دے دیں۔ ہمزاد، جن، موکل، حب، دُب، تسخیر اور سب کچھ دے دیں۔ میں کہتا بھی ہوں یا میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن وہ میرے ارد گرد بہت رش دیکھتے ہیں تو خود بھی پیر اور بزرگ بننا چاہتے ہیں۔

ایسے لوگ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ جب تک اپنے جسم اور روح کو تمام گناہوں اور گندگیوں سے پاک نہیں کر لیتے اور شریعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ اور خالق کائنات کے احکامات کو خود پر لاگو نہیں کر لیتے دنیا کا بڑے سے بڑا بزرگ بھی کسی کو فقیری نہیں دے سکتا۔ ان کو کون بتائے یا سمجھائے کہ جب تک تزکیہ نفس نہ ہو، ترجیح اول اللہ تعالیٰ کی ذات نہ ہو، ہمارے سرکارِ دو عالم کی غلامی نہ ہو، کچھ بھی نہیں مل سکتا۔ لیکن کیا کریں فقیری دینے والا اور فقیری لینے والا سب دونوں کے دل خالی اور کھوکھلے ہوں گے تو دونوں کا اللہ ہی حافظ ہے۔

ایسے لوگ میرے پاس بھی بے شمار آتے ہیں۔ میں روایتی رواداری کے تحت ان کی باتیں سنتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ایسے خوابوں میں رہنے والوں کو ہوش کے ناخن دے، آمین۔

ایسے ہی فقیری کے طلبگاروں میں سے ایک یہ بھی وزیر صاحب تھے۔ انہوں نے میرے پاس آیا کرنا، بہت ادب احترام سے ملنا اور اپنی بے شمار نام نہاد کرامات بتانی کہ فلاں پیر ایسا تھا، فلاں پیر ایسا تھا، اُس بزرگ نے یہ کر دیا، اس

ایک دن میرے پاس ایک بہت غریب آدمی آیا۔ اُس کو ان وزیر صاحب سے کام تھا۔ میں نے خدمتِ خلقی کے تحت وزیر صاحب کو جب فون کیا تو انہوں نے حسب سابق کہا پروفیسر صاحب کام ایک شرط پر ہوگا کہ آپ ان رات کا کھانا میرے پاس آ کر کھائیں گے۔ یہ اُن کی پرانی عادت تھی۔ اس بہانے وہ باتیں بھی کر لیتے اور فقیری کا سامان بھی لے لیتے۔ انہوں نے اپنی گاڑی بھیج دی اور میں ان کے گھر اسلام آباد پہنچ گیا۔ وزیر صاحب نے مجھے اپنی گاڑی میں بٹھایا اور ان کے گھر میں آکر کھانا کھا کر پڑھنے لگا۔ میں بھی مجبوراً ساتھ ساتھ رہا۔ رات 12 بجے کے قریب ہم واپس منسٹر ہاؤس پہنچے۔ گھر کے دروازے کے باہر ایک بوڑھا اور بڑی عمر کی غریب دیہاتی عورت کھڑے تھے۔ بیچاروں نے ہاتھ دھو کر سلام کیا۔ گیٹ کھولنے والے گاڑی کے حلقے سے آئے ہیں اور بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ دونوں بیچاروں کے چہروں سے غربت، ادا سی اور شدید پریشانی بلکہ غم ٹپک رہا تھا۔ وزیر صاحب اپنے گھر میں کھس گئے۔ میں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گیا۔ وزیر صاحب کپڑے وغیرہ بدل کر نہا کر فریض ہو کر میرے سامنے آکر بیٹھ گئے اور اپنا ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیا اور بولے پروفیسر دیکھیں کیا حالات ہیں اور فقیری ملنے میں کتنی دیر ہے۔ ان دوران اُن کے ملازم نے آ کر کہا کہ آپ کے حلقے سے آئے ہوئے جوڑے کو کیا کہوں؟ تو وزیر صاحب بولے انہیں کہ ابھی کسی رشتہ دار کے گھر جا کر ٹھہر جاؤ اور صبح ملنے آئیں۔ ملازم نے کہا سرکار میں نے اُن سے کہا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی رشتہ دار یہاں نہیں ہے۔ مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں نے کہا جناب ابھی مل لیں تو مجبوراً منسٹر صاحب نے کہا لاؤ اور دونوں کو تو وہ غریب دیہاتی بوڑھا اور غریب عورت اندر آ کر زمین پر قالین پر ہاتھ جوڑ کر بیٹھ گئے جیسے کوئی بہت بڑے گھر کا رہو۔ منسٹر صاحب جو عرصہ دراز سے فقیری، بزرگی کی تلاش میں تھے اور بے شمار خلافتوں اور سلسلوں کے مالک بھی تھے انہیں رعوت اور غصے سے بولے کیا مسئلہ ہے۔ آرام نہیں۔ حلقے میں میرے آنے کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ میں جب آتا ہوں وہیں مل لیتے تو غریب بوڑھا بولا۔ سرکار ہم ایک ماہ سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ نے حلقے کا چکر لگایا ہی نہیں تو مجبوراً ہمیں آپ کے پاس آنا پڑا۔ ہم بہت زیادہ تکلیف اور دکھ میں ہیں۔ ہمارا کوئی دانی وارث نہیں ہے۔ آپ کے اہل گھر پر اور تمہارے میں کئی چکر لگا چکے ہیں۔ کسی نے ہماری نہیں سنی بلکہ تمہارے دار نے کہا ہے کہ جب تک وزیر صاحب

مجھے حکم نہیں کریں گے میں آپ کا پرچہ نہیں کاٹوں گا۔ جناب ہم تو بہت غریب ہیں۔ بکری بیچ کر کرائے کے پیسے لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ ہی ہمارے مائی باپ ہیں۔ آپ ہی ہمارے مالک ہیں۔ ہم تو آپ کے در کے کتے ہیں۔ ہم پر رحم کریں۔ ہماری حالت پر ترس کھائیں۔ بوڑھا بلک بلک کر رو رہا تھا اور عورت بے چاری سر جھکائے خاموش تھی۔ وہ نظر اٹھانا بھی گستاخی سمجھ رہی تھی۔ عقیدت و احترام سے سر جھکائے بیٹھی تھی اور منسٹر صاحب فرعون بنے بیٹھے۔

بوڑھا آدمی شدت غم سے رو رہا تھا اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی داستان سن رہا تھا کہ علاقے کے زمیندار کے بیٹے نے اُس کی نو جوان بیٹی کو اغوا کر لیا ہے اور ہماری ساری برادری اُس کے ڈیرے پر گئی ہمارا مائی باپ وہاں تائی نہیں جبکہ چشم دید گواہوں نے خود ہماری بیٹی کو زبردستی اسے کار میں بٹھاتے دیکھا ہے۔ ہم لوگ ایک ماہ تک پکھریوں کے بے شمار چکر لگا چکے ہیں۔ کسی نے بھی ہم غریبوں کی بات نہیں سنی۔ اب آخری امید اور سہارا بھی ہمیں باپ آپ کے پاس آئے ہیں۔ سرکار ہم نسل و نسل کئی پشتوں سے آپ کے غلام ہیں۔ خدا کے لیے ہماری دعا ہے اور اُس ظالم سے ہماری بیٹی کو رہائی دلائیں۔ بوڑھا باپ اپنی بے بسی، بے کسی اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم کی کہانی سن رہا تھا کہ میری آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ منسٹر صاحب سپاٹ چہرے کے ساتھ اُس کی داستان روزمرہ کا معمول تھا کہ وہ رہے تھے اور میں شدت غم اور غصے سے بیچ و تاب کھا رہا تھا کہ میرے سامنے اگر وہ ظالم آجائے تو اس کے گلے مار دوں۔ مجھے پورا یقین تھا کہ منسٹر صاحب کیونکہ عرصہ دراز سے تلاش حق اور انصاف میں ہیں، یقیناً ان کے لیے یہ سب سے زیادہ متعلقہ بندے کو فون کریں گے تاکہ اس غریب بوڑھے کو انصاف مل سکے۔

لیکن مجھے شدید دکھ اس وقت ہوا جب منسٹر صاحب بولے کہ ”ٹھیک ہے میں حلقے میں آؤں گا تو پہلے سب سے پہلے اُس نے واقعی اُس نے تمہاری بیٹی کو اغوا کیا ہے یا تم چار پیسے لینے کے لیے ایک شریف آدمی پر الزام لگا رہے ہو۔ میں حلقے میں آ کر لوگوں سے ملوں گا۔ جب لوگوں نے تمہاری بات کی گواہی دی تو میں کچھ کروں گا۔“

”سرکار اُس ظالم زمیندار کے خلاف کسی کی ہمت نہیں کہ گواہی دے یا اُس کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔ سرکار آپ ہم پر یقین کریں، آپ کوئی بھی قسم لے لیں، ہم مسجد میں حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔ ہم پر بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ مجھے صاف لگ رہا تھا کہ بوڑھا باپ بیچ بول رہا ہے اور اس غریب میں اتنی ہمت کہاں کہ منسٹر صاحب کے سامنے جھوٹ بولے لیکن منسٹر صاحب اغوا کرنے والے کا نام سننے کے بعد دانستہ طور پر اُس ظالم کے خلاف کوئی بھی بات لینے کو تیار نہیں تھے۔ جب بوڑھا باپ منتیں تر لے کر کے تھک گیا تو مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں بولا ”جناب! یہ بوڑھا باپ کبہر رہا ہے۔ اس کا ساتھ دیں، یہ ظلم ہوا ہے۔ ابھی تمہانے دار کو فون کریں۔“

پہلے تو منسٹر صاحب نہیں مانے لیکن جب میں نے بہت زور لگایا تو وہ چاروں چار میرے کہنے پر ایسے ایچ او کو فون کرنے پر تیار ہو گئے اور ایسے ایچ او کو فون بھی کر دیا کہ ان کے ساتھ تعاون کرو۔ بوڑھا باپ اور ماں تشکر آمیز نظروں سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے سلام اور شکر یہ ادا کر کے باہر چلے گئے۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کے لیے نہ میں تیار تھا اور نہ ہی قارئین آپ ہوں گے۔ بوڑھے میاں بھائی کے

کیا ٹیلی پیٹھی سچ ہے؟

توجہ، ارتکاز، مراقبہ، جس دم، سانس کی مشق، ترک حیوانات، کم بولنا، کم سونا، فطرت اور مظاہر فطرت پر غور کرنا، ریاضت، مجاہدہ، تزکیہ نفس، دل پر اللہ کا تصور، تصویر شیخ، وظیفہ جات، فنا فی شیخ، فنا فی رسول، قرب الہی، مشاہدہ حق، حقیقی اور ٹیلی پیٹھی، راہ حق کے مسافر درج بالا تمام امور سے بخوبی واقف ہیں۔ درج بالا کے علاوہ بھی تصوف، ریاضت، شریعت، طریقت، حقیقت، عالم ناسوت، مرشد، مرید کے تعلقات کی باریکیوں پر بفضل خدا میری کتابوں ”المروریش“ اور ”بزم درویش“ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ طالبان حق اپنی روحانی پیاس ان سے بجھا سکتے ہیں۔

یہاں پر میں ٹیلی پیٹھی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرتا ہوں کہ کیا ٹیلی پیٹھی کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے یا یہ خیالوں کی باتیں ہیں۔ بازار میں بے شمار لٹریچر ٹیلی پیٹھی پر موجود ہے کیونکہ موضوع بہت شاندار اور افسانوی ہے۔ اس لیے بے شمار لوگوں نے اس موضوع پر لکھا ہے وہی ٹھکی پٹی باتیں۔ بے شمار نو جوان شیخ بنی اور دائرہ بنی کرتے بھی ہیں لیکن ہندوؤں کے بعد ہی ہمت ہار کر مشقیں ترک کر دیتے ہیں کیونکہ ٹیلی پیٹھی ہر دور کے روحانی طالب علموں کا پسندیدہ اور مفید شعبہ رہا ہے۔

کیونکہ میں نے عرصہ دراز تک بیروں، فقیروں اور جعلی عاملوں کے پیچھے دھکے کھائے ہیں اور روحانیت کا مطالعہ کتابیں لکھنے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ جس طرح میں نے بے شمار لوگوں کے پیچھے دھکے کھائے میرے پڑنے والوں کا وقت برباد نہ ہو اور وہ غلط لوگوں کے پیچھے دھکے کھانے کے بجائے اصل راستہ پر چلیں تاکہ ان کا وقت بھی برباد نہ ہو اور آسانی سے اپنی روحانی قوتیں بیدار بھی کر سکیں۔

قارئین کی خدمت میں ادب سے گزارش ہے کہ ٹیلی پیٹھی خواب یا خیال نہیں ہے بلکہ یہ روز اول سے آج تک تمام اہل روحانیت ایک دوسرے سے رابطہ اور روحانی توجہ دینے کے لیے استعمال کرتے آئے ہیں۔ اس کو سمجھانے کے لیے میں ایک سچا واقعہ بیان کرنے لگا ہوں تاکہ پڑھنے والے آسانی سے سمجھ سکیں۔

قارئین میں ابتدا میں بتا چکا ہوں کہ میرے خاندان میں بہت سارے لوگ روحانیت کو ماننے والے تھے۔ سلوک کی بہت ساری منازل بھی طے کر چکے تھے۔ انہی لوگوں میں میرے ماموں ہارون رشید بھی تھے جن کا ذکر میں ابھی کر چکا ہوں۔ بہت بڑے ولی اللہ تھے اور لوگوں سے ہی روحانیت میں پڑے ہوئے تھے۔ طویل ذکر اذکار، مہاراجہ مراقبہ جات اور ریاضوں کے بعد اپنی روحانی قوتیں بیدار کر چکے تھے۔ ٹیلی پیٹھی کے لیے کامل یکسوئی اور ارتکاز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ یہ مشقیں بھی کر چکے تھے۔ وہ اپنے مرشد کے انتہائی فرمانبردار تھے اور ان سے بہت عشق کرتے تھے۔ میرے بچپن کی بات ہے کہ ایک دن وہ ہمارے گھر آئے اور میرے والد صاحب سے کہنے لگے کہ ہم نے صوفی مرشد عبدالملک سے ملنے جانا ہے۔ میں ابتدا میں صوفی عبدالملک کے بارے میں بھی تھوڑا بہت جانتا تھا کہ بہت بڑے عامل اور متقی بزرگ تھے۔ سورۃ یٰسین کے عرصہ دراز سے عامل تھے۔ میرا الارض پر قادر تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ہوا میں پرواز کرتے ہیں اور گھنٹوں کا سفر گھنٹوں میں کر جاتے ہیں۔ ان کا حلقہ ارادت بھی بہت زیادہ وسیع تھا۔ ہمارے خاندان اور ارد گرد کے دیہات میں ایک نیک بزرگ کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

والد صاحب نے ماموں جان سے پوچھا کہ آپ ان سے کیوں ملنا چاہتے ہیں تو ماموں جان کہنے لگے کہ میں جب بھی مرشد پاک سے روحانی رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو اکثر ہو بھی جاتا ہے لیکن جب صوفی عبدالملک صاحب مرشد سے رابطہ کرتے ہیں تو میرا رابطہ کٹ جاتا ہے یا پوری کوشش کے باوجود نہیں ہوتا۔ اس لیے صوفی صاحب کے پاس ہا کر ان سے درخواست کرنی ہے کہ میری مدد کریں۔

مجھے آج بھی یاد ہے میرے والد صاحب اور ماموں جان تانگے پر بیٹھ کر صوفی صاحب کے گاؤں گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ سارے راستے والد صاحب اور ماموں جان صوفی صاحب کی نیکی اور پارسائی کی باتیں کرتے جا رہے تھے۔ اس دور میں سڑکیں بھی کچی ہوتی تھیں، تقریباً چار گھنٹے کے سفر کے بعد ہم لوگ صوفی صاحب کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ صوفی صاحب کیونکہ والد صاحب اور ماموں جان کے رشتہ دار بھی تھے، اس لیے بہت تپاک سے ملے۔ ان کا رویہ اور گھر میں کھانے کی تیاری سے لگ رہا تھا کہ صوفی صاحب والد صاحب اور ماموں جان کی آمد سے پہلے ہی آگاہ تھے۔ اس لیے انہوں نے صحن میں رنگین پائیوں والی چار پائیاں بچھائی ہوئی تھیں اور دیسی مرغی کے پکنے کی خوشبو سے سارا گھر مہک رہا تھا۔

والد صاحب اور صوفی صاحب کی رشتہ داری کے ساتھ ساتھ دو ہی بھی تھی، لہذا جاتے ہی والد صاحب اور صوفی صاحب کے درمیان مذاق اور چھیڑ چھاڑ کی گفتگو شروع ہو گئی۔ کیونکہ میں سارے راستے میں صوفی صاحب کی کرامات اور کمالات سنتا آیا تھا۔ اس لیے میرے دماغ میں صوفی صاحب کو دیکھنے اور ملنے کا زیادہ اشتیاق بیدار ہو چکا تھا۔ صوفی صاحب کی عمر 70 سال تھی۔ عبادت، ریاضت اور طویل عبادت ان کے چہرے اور جسم سے واضح نظر آ رہے تھے۔ روحانیت ان کے انگلیں سے لپکتی تھی بلکہ نشر ہو رہی تھی۔ ان کا جسم بہت کمزور بلکہ ہڈیوں کا ڈھانچہ معلوم ہو رہا تھا۔ ان کی انگلیاں اگر میں آج ان کی نو عمر دلی تھیں جو ان کی روحانیت کی غماز تھیں۔ اس وقت تو مجھے ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آئی تھیں لیکن آج جب میں ان کا ہاتھ لگاؤں تو سلام کرتا ہوں دونوں بزرگوں کو کہ توجہ، ارتکاز اور مراقبہ میں پرواز پر وہ انتہائی مدلل اور جامع گفتگو کر رہے تھے۔ والد صاحب نے صوفی صاحب کو چھیڑتے ہوئے کہا کہ تم خود کو کیا سمجھتے ہو۔ کسی اور کو بھی موقع دو، ہر چیز پر قبضہ کرنا ہے۔ والد صاحب نے ماموں کی طرف اشارہ کیا کہ ان کو بھی موقع دو تو ماموں جی نے اپنی تمام مشکل ان کے سامنے رکھ کر گزار کر دی۔ صوفی صاحب تمام بات سن کر مسکرائے اور ان کو رابطے کا طریقہ بتایا اور اس رابطے کو مضبوط کرنے کے لیے طریقہ بھی بتایا اور ناظم بھی فحش کر لیا کہ کس وقت کس طرح ماموں جی اگر مرشد پاک سے روحانی رابطہ کریں گے تو اسالی سے اور بہت واضح رابطہ ہوگا اور اگر کوئی بات یا مسئلہ کا حل پوچھنا ہو تو اس کا کیا طریقہ ہے۔ یہاں پر اہم نقطہ یہ بھی ماموں جان کو بھی توجہ اور ارتکاز میں صوفی صاحب سے کمزور تھے اس لیے جب صوفی صاحب مرشد سے رابطے میں آتے تو ماموں جان کا رابطہ کٹ جاتا۔

اس کے بعد ساری رات ماموں جان، والد صاحب اور صوفی صاحب مختلف وظیفہ جات، ان کے اثرات پر گفتگو کرتے رہے۔ اس وقت تو مجھے سمجھ نہیں آئی لیکن جب آج میں غور کرتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ کتنے باکمال اور صاحب تصوف لوگ تھے۔ اتنے عروج پر ہونے کے باوجود کتنی سادہ اور عاجزی کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرا روحانیت کی طرف آنا ان بزرگوں کی دعاؤں کا ثمر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اگلی نسل میں مجھے اس خدمت کے لیے چنا ہے۔ ورنہ میں تو خود کو بہت گنہگار سمجھتا ہوں۔

یہ تو تھا ٹیلی پیٹھی روحانی رابطہ یا دل و دماغ کو پڑھنا اور ایک دوسرے سے رابطے میں رہنا اور میلوں دور دورہ اور حل پوچھنا لیکن تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جب صوفیوں نے گمراہ ہو کر اس روحانی طاقت کا غلط استعمال کیا۔

توجہ یا ٹیلی پیٹھی کا غلط استعمال

قارئین یقیناً پریشان یا الجھ گئے ہوں گے کہ غلط استعمال کیسے تو اس کے لیے بھی میں ایک مختصر واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے پڑھنے والے آسانی سے سمجھ جائیں گے۔

لاہور میں حسب معمول جمعہ کے دن میں آستانہ عالیہ پر لوگوں سے مل رہا تھا۔ آستانہ حسب معمول لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک بوڑھی عورت کافی دیر سے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اسے کئی بار کہا کہ آپ آکر مل لیں تو وہ ہر بار یہی کہتی کہ کوئی بات نہیں، میں سب سے آخر میں مل لوں گی۔ لیکن جب اس بیچاری کو بیٹھے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو میں نے اسے سمجھایا کہ یہ رش تو ساری رات چلتا ہے، صبح کے 4 بجے تک آپ کیسے انتظار کریں گی؟ تو وہ بولیں کہ آپ برائے میری میری بات باہر جا کر اکیلے میں سنیں، لہذا میں ان کو لے کر باہر آ گیا اور ایک کونے میں کرسیوں پر بیٹھ کر کہا کہ جی ماں جی تاکہ کیا مسئلہ ہے؟ تو وہ بولیں، آپ نے اخبار میں فلاں بزرگ کا واقعہ پڑھا ہے تو میں نے کہا، ہاں جنہوں نے امام مہدی کا دعویٰ کر دیا ہے تو وہ بولی، ہاں وہی ہیں۔ پروفیسر صاحب میں بہت مصیبت میں ہوں، خدا کے لیے میری مدد کریں اور مجھے اس مشکل سے نکالیں۔ یہاں پر میں اپنے پڑھنے والوں کی توجہ چاہوں گا اور ایک اہم نقطے کی وضاحت کرنے کی کوشش کروں گا۔

ہر سال آپ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ فلاں صوفی نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے اور گمراہ صوفی کے جانثار مرید بھی ہوتے ہیں۔ اگر پولیس ایسے گمراہ صوفی کو گرفتار یا لٹھی چارج کرتی ہے تو ایسے مرید جان بھی دینے کو تیار ہوتے ہیں بلکہ بعض گمراہ صوفیوں نے تو یہ بھی کہا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، داتا گیلانی جویری رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ معین الدین چشتی اجمیری سلطان الہند کے تمام مقامات اور بزرگی آج سے ختم، اب ماضی کے تمام بزرگوں اور موجودہ بزرگوں کی گردنوں پر میرا پاؤں ہے۔ میں تمام سے افضل ہوں اور حیرت والی بات یہ ہوتی ہے کہ ایسے تمام گمراہ صوفیوں کے مریدین ایسے صوفیوں کے دعوؤں کی تائید کرتے ہیں کہ ہاں ہمارے مرشد ایسے ہی باکمال مقام و مرتبے والے ہیں۔ یہاں پر میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ایسے تمام بزرگ تقریباً توجہ اور ارتکاز میں کمال حاصل کر چکے ہوتے ہیں اور ان کا امر آج آن ہو چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسے گمراہ صوفی توجہ میں مہارت رکھتے ہیں، اس لیے اپنی اس مہارت یا صلاحیت کو استعمال میں لا کر اپنے مریدوں کے دماغوں کو بھی اپنے کنٹرول میں کر لیتے ہیں۔

ایسے گمراہ کن صوفیوں کا مراقبہ جب آن ہو جاتا ہے، ان کے باطن کا اندھیرا دور ہو جاتا ہے اور یہ زمینی اور آسمانی سیر کے قابل ہو جاتے ہیں تو ابلیس شیطان پھر ایک مضبوط جال اور پلاننگ کے ساتھ ان کو گمراہ کرتا ہے۔ کیونکہ شیطان ایک انتہائی طاقتور قوت رکھتا ہے اور لاہوت اور جبروت کے مقامات کی سیر کے دوران صوفی صاحب شیطان کے حربوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور شیطان کی باتوں کے بہکاوے میں آکر کوئی نہ کوئی دعویٰ کر دیتے ہیں۔ اب ایسے صوفی ارتکاز اور توجہ میں مہارت رکھتے ہیں، اس لیے یہ اپنے روحانی تصرف کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے مریدوں کے ذہنوں اور خوابوں میں اپنی مرضی کے مناظر چلاتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق کا مطالعہ کریں تو تقریباً ہر سال کوئی نہ کوئی صوفی کوئی بڑے سے بڑا دعویٰ کرتا ہے اور اس دعویٰ سے پیچھے نہیں ہٹتا بلکہ اس پر سختی سے قائم رہتا ہے۔ میری زندگی میں ایسے بے شمار صوفی اور مرید آچکے ہیں۔ یہاں میں زیادہ ذکر نہیں کروں گا۔ اس طرح میری کتاب طوالت کا شکار ہو کر اصل موضوع سے ہٹ جائے گی لیکن ان گمراہ صوفیوں پر، اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو ضرور لکھوں گا۔

درج بالا تمام بحث سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو ماں میرے سامنے بیٹھی تھی، اس کا بیٹا کس طرح جھوٹے

لیا تھا اور گمراہ صوفی نے کس طرح اپنے مریدوں کو اپنی مرضی کے خواب دکھا کر اپنے چنگل میں پھنسایا ہوا تھا۔ ماں ہماری کہہ رہی تھی کہ ہم نے اپنے بیٹے کو کمرے میں بند کر کے تالا لگایا ہوا ہے کیونکہ ہم جیسے ہی کھولیں گے وہ جیل میں پیر سے مل جائے گا اور سر عام وہی بات کرے گا جو پیر صاحب کرتے ہیں۔ اس طرح یہ بھی گرفتار اور جیل میں بند ہو جائے گا۔

قارئین ایسے گمراہ صوفی اور مرید، اللہ تعالیٰ اور نبی پاکؐ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ میں یہاں لکھ نہیں سکتا، تو بہ ہی توبہ ہے۔

میں نے کبھی ماں سے اس کے گھر کا پتہ لیا اور وعدہ کیا کہ اگلے دن میں ان کے گھر آ کر اس کے بیٹے سے ملوں گا تو وہ شرکاز نظروں سے سلام کر کے چلی گئی۔ میں اگلے دن اُن کے گھر چلا گیا۔ کمرے کا تالا کھول کر میں اس کمرے میں داخل ہوا جہاں مرید صاحب اپنے مرشد کی جدائی کے غم میں اداس اور غصے میں بیٹھے تھے۔ میری کمرے میں آمد ان کو بہت ناگوار گزری۔ وہ حیران اور غصیلی نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا اور اپنی ماں سے بولا "یہ تم کس ڈاکٹر کو اٹھلائی ہو۔ مجھے کوئی بیماری نہیں ہے۔ میں اور میرا مرشد ایک عظیم مشن پر ہیں۔ ہم نے ساری دنیا کو شکست دے دی ہے۔ پوری دنیا پر میرے مرشد کی حکمرانی ہوگی۔" وہ ایسی باتیں کر رہا تھا جو میں یہاں لکھ نہیں سکتا۔ پہلے تو وہ گفتگو کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا لیکن میں نے خود ہی گفتگو شروع کر دی اور چند ایسی حساس باتیں کہیں جن سے وہ چونک پڑا اور اُلٹ ہو کر بیٹھ گیا۔

اسات پیت کی جن سے کسی حد تک وہ بھی گزر چکا تھا۔ اب اس نے میری باتوں میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ایک طویل نشست کے بعد وہ تھوڑا سا بہتر ہو گیا تو میں نے اسے کہا "اب تو میں جا رہا ہوں لیکن تم جن خوابوں کی بنیاد پر اپنی زندگی داؤ پر لگانے کو تیار ہو اور تمہارے جیسے باقی سیکڑوں مرید بھی خود کو امام مہدی کے فوجی سمجھ کر اپنا تن من دھن مرشد صاحب پر وارنے کو تیار ہو، رات کو جو خواب تم آج دیکھو گے اس کے بعد خود ہی فیصلہ کر لینا کہ کون سچا ہے اور کون بھوٹا ہے۔" چونکہ میں نے اس سے ٹھوس دلائل کے ساتھ بات کی تھی اور بہت ساری ایسی باتوں کی نشاندہی کی جو ایسے روحانی گمراہ صوفی اپنے مرید کو پھانسنے یا ترغیب دلانے کے لیے کرتے ہیں، اس لیے وہ کسی حد تک میری باتوں کو سمجھیدی سے سننے لگا۔

اس کے بعد میں اٹھ کر اپنے گھر چلا آیا اور رات کو اُس کو ذہن میں لا کر توجہ کے Process کے ذریعے اُس کو ایک خواب دکھایا کیونکہ وہ اس ارتکاز اور توجہ کی بہت ساری مشقیں کر چکا تھا، اس لیے آسانی سے وہ خواب دیکھنے لگا جو میں اسے دکھانا چاہ رہا تھا۔ جب مجھے یقین ہو گیا تو میں اپنے رات کے ذکر اذکار کر کے سو گیا۔

صبح کو وہ مرید اپنی ماں کے ساتھ میرے گھر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ تو پریشان اور الجھا ہوا تھا لیکن اس کی ماں بہت خوش اور مطمئن نظر آ رہی تھی۔ ماں کا مطمئن ہونا بتا رہا تھا کہ بیٹے کے ہوش ٹھکانے آ گئے ہیں۔

ماں کو الگ بٹھا کر کافی دیر اُس سے رات کے خواب اور گمراہ صوفیوں کی حرکتوں کے بارے میں بات کرتا رہا۔ طویل گفتگو کے بعد اس نے اقرار کیا کہ پروفیسر صاحب آپ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے جو آپ ابھی تک گمراہ نہیں

اسرار روحانیت کے لئے اس کے بعد وہ چلا گیا اور کبھی کبھی اپنے کسی پرانے ساتھی کو لے کر آتا ہے اور کہتا ہے ”پروفیسر صاحب اس گروہ کو بھی سمجھائیں، یہ بھی ابھی تک اسی غلط فہمی کا شکار ہے۔“ یہاں میں تمام روحانی طالب علموں سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ خدا کے لیے مراقبہ کھل جانے کے بعد منزل ملتی نہیں بلکہ سفر شروع ہوتا ہے اور اس وقت ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی مدد اور راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ خدا کے لیے عاجزی اپنائیں، تکبر یا غرور نہیں۔

جسمانی پرواز

ہر دور میں ہر جگہ روحانیت کے ماننے والے اور نہ ماننے والے موجود رہے ہیں۔ روحانی کمالات پر غور اور بحث بھی ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ اگر Discovery چینل یا نیشنل جیو گرافک پر کوئی غیر مسلم روحانی کمال دکھائے تو قبول ہے اور اگر کوئی مسلم صوفی عبادت، ریاضت اور مجاہدے کے بعد اپنی روحانی قوتیں بیدار کر لے تو انکار اور شدہ عقائد کی جاتی ہے۔ بہر حال یہ تعریف تنقید ہر دور میں ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ یہاں میں روحانی بیداری اور ترقی کے عروج بلکہ نقطہ کمال پر جو صوفی ہوتے ہیں، وہ بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

دنیا بھر میں جتنے بھی روحانی طالب علم ہوتے ہیں، وہ عبادت، ریاضت اور مجاہدے کے بعد اور مراقبہ اور انکار کے ذریعہ کیسوئی اور کمال حاصل کرنے کے بعد روحانی پرواز کرتے ہیں۔ پہلے تو وہ روحانی یعنی خیالی اور روح کی پرواز کرتے ہیں لیکن جیسے جیسے وہ روحانی ترقی کرتے جاتے ہیں تو ایک لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب اہل روحانیت اپنی روح یا خیال کے ساتھ ساتھ جسمانی پرواز بھی کر جاتے ہیں یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک بھی چند لمحوں میں جا سکتے ہیں۔ یہ روحانیت کی معراج ہوتی ہے جب سالک زمان و مکان سے آزاد ہو جاتا ہے۔

مری میں جب میں جذب کے دور سے گزر رہا تھا تو شاید مجھ پر بھی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ جب میں پہاڑوں پر اس تیزی بلکہ برق رفتاری کے ساتھ چلتا کہ میرے لوکل دوست اکثر آپس میں باتیں کرتے کہ بھئی صاحب کے جنات اُن کو اڑا کر لے جا رہے ہیں۔ جن لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے وہ مری میں زندہ موجود لوگوں سے تصدیق کر سکتے ہیں کہ واقعی ایسا ہوتا تھا۔

میری زندگی میں بھی کچھ ایسے بزرگ آئے جو جسمانی پرواز یعنی سیر الارض پر عبور رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ چلتے ہوئے اکثر میلوں کا سفر چند منٹوں میں طے ہو جاتا تھا۔

یہاں پر جو سچا واقعہ میں بیان کرنے جا رہا ہوں، وہ بھی جسمانی پرواز کے متعلق ہی ہے جو لوگوں میں ایک جگہ دوسری جگہ پہنچ جاتے تھے۔ ہمارے خاندان میں میرے بچپن میں ایک صاحب کرامت صوفی تھے جو اہل کرامت اور کمال کے مقام پر فائز تھے۔ نیکی اور تقویٰ میں کوئی ان کا ثانی نہ تھا۔

ان کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ وہ سیر الارض یعنی جسمانی پرواز بھی کر لیتے ہیں کیونکہ وہ کبھی بھی اس

جسمانی پرواز کے علاوہ ان کی اور بھی بہت ساری کرامتیں مشہور تھیں۔ بے شمار لوگ ان سے فیض یاب ہوتے تھے اور ان کی شہرت ایک دلی اللہ کے طور پر ارد گرد کے دیہات اور شہروں تک تھی۔

اس وقت میری عمر آٹھ یا دس سال کی ہوگی جب ان کے بیٹے کی شادی تھی اور ہم سب ان کے گھر شادی پر گئے تھے۔ میں ابھی بچہ ہی تھا لیکن ان کی پر اسرار قوتوں کا چرچا ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے میری فطرت میں بچپن سے ہی ایسا عجیب اور کھوج ہے، اس کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں ان کی ذات میں بہت دلچسپی لیتا تھا۔ میرا ایک کزن جو مجھ سے بڑا تھا اور شعوری طور پر پختہ بھی تھا، میں نے اس سے کہا کہ باباجی کے پاس جنات ہیں اور یہ ہوا میں اڑتے ہیں تو ان کی ہلاک ہاں! سنا تو یہی ہے لیکن کوئی موقع ملے تو دیکھیں گے۔ شادی والے گھر میں بہت رش تھا، ہر کوئی مصروف تھا میں اور میرا کزن اس تاک میں تھے کہ باباجی کی کوئی کرامت براہ راست دیکھ سکیں۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ہمیں موقع دے ہی دیا۔ ہوا یہ صبح بیٹے کی بارات تھی لیکن باباجی کی بہن کسی بات پر ناراض تھی اور ابھی تک نہیں آئی تھی کہ اس نے پیغام بھی بھجو دیا تھا کہ وہ شادی پر نہیں آئے گی۔ سب رشتہ داروں نے باباجی کو سمجھایا کہ وہ آپ کی بہن

کا بھائی ہے اور خود ہی اپنی بہن کو منائیں تاکہ سارے رشتہ دار جب شادی پر اکٹھے ہوں گے تو شادی کا مزہ بہت آئے گا۔ پہلے تو باباجی انکار کرتے رہے لیکن جب سب نے بہت زور لگایا تو باباجی بہن کو منانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اب ان کی اپنی سائیکل پکڑی اور کہا کہ میں اس کو منانے جا رہا ہوں۔ باباجی کی بہن کا گاؤں باباجی کے گاؤں سے پانچ کلومیٹر دور تھا۔ باباجی سائیکل پر بیٹھے اور سائیکل چلاتے ہوئے گاؤں سے باہر نکل گئے۔ میرے کزن نے بھی سائیکل لے کر لیا تھا، لہذا ہم دونوں بھی باباجی سے تھوڑا فاصلہ رکھ کر پیچھے پیچھے سائیکل چلانے لگے۔ باباجی برق رفتاری سے سائیکل چلاتے ہوئے ہم سے کافی دور نکل گئے اور آگے جا کر اپنی سائیکل کو فاصلوں کی طرف موڑ دیا یعنی وہ راستے سے اتر کر زمینوں میں گھس گئے اور آگے جا کر بڑی بڑی جھاڑیوں کے پیچھے غائب ہو گئے۔ ہم دونوں بھی تیز رفتاری سے اس جگہ پہنچے جہاں باباجی غائب ہوئے تھے، ہمیں تھوڑی تلاش کے بعد ہی باباجی کی پر اسرار سائیکل نظر آ گئی جو بابا کی مہاڑیوں میں چھپا گئے تھے۔ اب ہمیں سمجھ آ گئی کہ باباجی سائیکل لوگوں کو دکھانے کے لیے لائے تھے جسے وہ یہاں پہنچا کر خود جسمانی پرواز کے ذریعے اپنی بہن کے گاؤں کی طرف پرواز کر گئے تھے۔ اپنی اس بات کی تصدیق کے لیے اب ہم تیزی سے سائیکل چلاتے ہوئے اس گاؤں کی طرف روانہ ہوئے جدھر باباجی کی بہن کا گاؤں تھا۔ ہم تیز رفتاری سے سائیکل چلاتے اُس گاؤں پہنچے اور جب باباجی کی بہن کے گھر پہنچے تو پتہ چلا کہ باباجی یہاں کو منا کر شادی کی تیاریوں کا بہانہ بنا کر واپس بھی جا چکے ہیں اور اب ان کی بہن اور بچے وغیرہ بھی شادی میں شرکت کے لیے تیار ہو رہے تھے جبکہ باباجی کافی دیر پہلے واپس جا چکے تھے۔ اب ہم پھر تیزی سے واپس دوڑے تاکہ جہاں پر باباجی کی سائیکل پڑی ہے، وہاں جا کر دیکھیں کہ باباجی وہاں پہنچے ہیں کہ نہیں۔ میرے کزن کا سائیکل چلا چلا کر سانس

پھولا ہوا تھا۔ بہر حال ہم جب اس جگہ پر پہنچے جہاں پر باباجی اپنی سائیکل چھپا کر گئے تھے تو سمجھ آ گئی کہ باباجی سائیکل لے کر کافی دیر پہلے چائیکے تھے۔ اب ہم باباجی کے گاؤں کی طرف دوڑے۔ جب شادی والے گھر میں داخل ہوئے کھانا کھل چکا تھا اور باباجی دیگوں پر بیٹھے ہوئے کھانا بانٹ رہے تھے۔ پتہ نہیں دیگوں میں چاول وغیرہ تھے کہ نہیں تھے وہ پراتیں بھر بھر کر زردہ بانٹ رہے تھے۔ میں اور میرا کزن بھی اپنی اپنی پلیٹ اٹھا کر باباجی سے چاول لینے لگے۔ جی نے میرے کزن کو اس کے کان سے پکڑ لیا اور پیار سے مارتے ہوئے کہا ”تم بہت شیطانیاں کرتے ہو، دوسروں کی جاسوسی یا پیچھا کرنا اچھی بات نہیں۔“ جب میں نے زردہ، چاولوں کے لیے اپنی پلیٹ باباجی کے سامنے کی تو باباجی نے چاولوں کے ساتھ چھوڑے اور بادام ڈالتے ہوئے میری طرف غور سے دیکھا اور کہا ”دنیاوی کھانے کے ساتھ ساتھ تمہیں روحانی لنگر بھی دے دیا ہے۔ ابھی تو تم بچے ہو لیکن جب بڑے ہو گے تو میری بات کو سمجھ جاؤ گے۔“ کہہ کر ابھی بچہ تھا، مجھے باباجی کی لنگر اور باداموں والی بات اس وقت تو سمجھ نہیں آئی لیکن آج میں اکثر سوچتا ہوں کہ آج اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا عشق اور مخلوق کی خدمت کا جذبہ دے دیا ہے تو یقیناً باباجی کے روحانی لنگر کا بھی کوئی ذکریہ ان کی دعاؤں کا ثمر ہے۔

جب میں تلاش حق کے سفر میں بے شمار نام نہاد جھوٹے اور خالی بزرگوں سے ملتا تو مجھے شدت جی کی کمی محسوس ہوتی کہ کاش اگر وہ ہوتے تو میری مشکل آسان ہو جاتی لیکن اسی میں بھی یقیناً میرے اسرار روحانی کی کوئی مشیت ہوگی۔ مجھے آج بھی باباجی کے زردہ اور بادام چھوڑوں کا ذائقہ یاد ہے اور ان کا روحانی اور دعا بھی۔

روحانی گورنر سے ملاقات

اولیائے کرام سے محبت کرنے والے اور تلاش حق کے مسافر ساری عمر اس تلاش میں رہتے ہیں کہ وقت کے ولی، قطب، ابدال سے ملاقات یاد دہار ہو جائے یعنی اہل ڈیوٹی جو اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے زمین کا اللہ ہا رہے ہوتے ہیں۔ یہ مختلف حلیوں اور روپ میں مختلف جگہوں پر اپنی ڈیوٹی دے رہے ہوتے ہیں۔ میں بھی ساری عمر اس تلاش میں رہا اور کیسے شکر ادا کروں اپنے سوہنے رب کا کہ مجھے کئی ایسے اہل ڈیوٹی بزرگوں کا دیدار اور خدمت کا موقع ملا۔ ایسے بزرگوں کی ڈیوٹی یا صحبت میں ایک لمحہ ساری عمر کی ریاضت سے قیمتی ہے۔ ان کے ہاتھ کا ایک نوالا یا ایک سمندر پینے کے برابر ہے۔ یہ پراسرار اور اس کائنات کے سب سے قیمتی بندے اپنی مستی اور سرور میں عشق الہی کے سطر میں رواں دواں اور رب کعبہ کی دی ہوئی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی گوہر نایاب بزرگوں میں سے ایک سے ملاقات اور دیدار کا ذکر میں کرنے جا رہا ہوں۔

ان دنوں میں مری میں جا کر رہا تھا کہ ایک دن مشیت الہی کے تحت مجھے شدت سے بابا یوسف کی یاد آئی

یوسف سے گلے ملا اور دونوں بزرگوں نے آپس میں بات چیت شروع کر دی۔ بابا یوسف انتہائی ادب اور احترام سے آنے والے مجذوب کی باتیں بلکہ ہدایات سن رہے تھے جیسے کوئی استاد اپنے شاگرد یا مرشد اپنے مرید کو نیا سبق یاد دے رہا ہو اور بابا یوسف ہمہ تن گوش ان کی باتیں سن رہے تھے۔ میرے اندر شدید تجسس اور شوق تھا کہ بابا یوسف مجھے باہر بلا لیں اور مجذوب بابا سے ملائیں کیونکہ میں نے کبھی بھی بابا یوسف کو کسی کا اس طرح عقیدت یا احترام کرتے نہیں دیکھا تھا۔ بابا جی یوسف کا احترام سے کھڑے ہونا بتا رہا تھا کہ آنے والے مجذوب بابا جی میں ان سے بڑے بزرگ یا ان کے مرشد ہیں۔ آنے والے مجذوب بابا جی کی وضع سے لگ رہا تھا کہ وہ ہوش میں نہیں لیکن وہ باتیں ہوش مندوں والی کر رہے تھے۔ دونوں بزرگ کافی دیر تک ایک دوسرے سے راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے اور میں دل ہی دل میں ہار ہار کی خواہش اور دعا مانگ رہا تھا کہ کاش بابا یوسف مجھے بھی باہر بلا لیں تاکہ میں بھی مجذوب بابا سے مل سکوں اور ان کا راز سکوں۔ آخر کافی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ اور بابا یوسف کو میرے اوپر ترس آئی گیا۔ بابا یوسف نے مجھے آواز دی ”اوپر ہمارے پاس آؤ“ میرا دل تیزی سے دھڑکنے شروع ہو گیا۔ میں تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔ جدھر بابا یوسف اور بابا جی کھڑے تھے۔ میری چھٹی حس مجھے بار بار یہ احساس دلا رہی تھی کہ آنے والے مجذوب بابا جی کوئی بہت بڑے بزرگ ہیں جن کے سامنے بابا یوسف انتہائی احترام کے ساتھ کھڑے ہیں، لہذا میں بھی پاس جا کر سلام کہہ کر احترام سے کھڑا ہوا گیا۔ میں خوف، تجسس، ہیبت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت کے زیرِ غلبہ اپنے جیون میں پہلی بار اس قدر غور سے غور کر رہا تھا۔ میں خاموش کھڑا تھا۔ آخر بابا یوسف نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے ”سرکار یہ چلنے والی مانتا ہے۔ عرصہ دراز سے میرے پاس آتا ہے۔ میں اس کو کئی بار سمجھا چکا ہوں کہ فقیری، درویشی تمہارے بس کی بات ہے لیکن یہ باز نہیں آتا۔ جب بھی میرے پاس آتا ہے، فقیری کا تقاضا کرتا ہے۔ پڑھائیاں بہت کرتا ہے۔ سرکار اس پر غور کریں اور اس کو بھی کچھ لنگر دے دیں۔“ بابا یوسف کے چپ ہونے پر مجذوب بابا جی بولے، وہ مکمل ہوش میں تھے۔ وہ میرے مخاطب ہوئے اور کہا ”جی بیٹا کیا چاہتے ہو۔ فقیری، درویشی لے کر کیا کرو گے؟“ اسی دوران میرے حواس بھی نارمل ہو چکے تھے۔ ”بابا جی میں خود نہیں جانتا، میں کیا چاہتا ہوں۔ کس تلاش میں ہوں۔ کیوں ہوں، میرا مقصد کیا ہے۔“ بزرگوں، مزاروں پر کس کی تلاش میں جاتا ہوں۔ فقیری، درویشی کیا ہے۔ میرا اس سے کیا تعلق ہے۔ میں نے کر کہا کہ میں گا۔ مجھے خود اس کی سمجھ نہیں آتی۔ بس مجھے لگتا ہے، جیسے میں کسی کی تلاش میں ہوں۔ میری روح صدیوں سے کسی کی تلاش میں ہے۔ کوئی ایسی پر اسرار پیاس ہے، تلاش ہے کہ میں بھی نہیں جانتا۔ بے چینی اور بے قراری بے پناہ ہے۔ خدا کے لیے میری صدیوں کی پیاس بجھا دیں۔ میرے اندر کے اندھیرے دور کر دیں۔ میں خالی ہوں، میری روح کی گہرائیوں میں پیاس ہے۔ خلا ہے۔ خدا کے لیے اس کو بھر دیں۔ بابا جی میں نے سارے زمانے کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ پتہ نہیں، میں علم کے کتنے سمندر پی چکا ہوں لیکن پیاس اور بے سکونی جاری ہے۔ سارا دن ذکر اذکار، مراقبہ کرتا ہوں۔ عرصہ دراز سے ترک حیوانات کر رہا ہوں لیکن ابھی تک اندھے کا اندھا ہوں۔ میرے من کی پیاس اور اندھیرا ویسے کا ویسا ہی ہے۔ میری آپ سے التجا ہے کہ میری پیاس بجھا دیں۔ بے قراری ختم کر دیں۔ میری تلاش کے سفر کو منزل دے دیں۔ مجھے بتا دیں، میں کس

ہاں۔ میرا میجا کون ہے۔ کدھر ہے، کیا مجھے کبھی کوئی راستہ دکھائے گا یا میری ساری عمر تلاش میں ہی گزر جائے گی۔ میں نے شدت جذبات اور غم سے رونا شروع کر دیا۔ بندے کو رونا اس وقت آتا ہے جب وہ بے بسی کی انتہا پر ہوا ہو اس کی برداشت سے باہر ہو جائے۔ شاید میں بھی ایسی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ مجذوب بابا بہت پیارا اور محبت بھری شخص تھے۔ میری طرف دیکھ رہے تھے اور بولے ”پتہ یہ عشق حقیقی کا روگ ہے۔ یہ رب کعبہ کی تلاش ہے۔ اس پیاس اور غم میں ہی تو سارے زمانوں کا نشا اور سرور ہے۔ ہمت نہ ہارو تمہارا مرشد تمہیں جلد ملنے والا ہے۔ وہ تمہارے پاس ہی ہے۔ اس تمہارے لیے جو لنگر فیض ہے، وہ میں تمہیں آج دے دیتا ہوں۔“ مجذوب بابا جی نے نیچے جھکے اور بابا یوسف کو آگ ہلا کر رکھی تھی، وہ تقریباً بچہ چکی تھی اور را کھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔ وہاں سے ایک چٹکی را کھ کی پکڑی اور مجھے کہا، منہ کھولو اور میرے منہ میں ڈال دی۔ میں اُس وقت ایک سرزدہ معمول کی طرح کھڑا تھا۔ مجھے نہیں پتہ چلا، چٹکی را کھ کا ذائقہ کیا ہے۔ میں بلا سوچے سمجھے اس چٹکی را کھ کو نگل گیا۔ مجذوب بابا جی نے مجھے پکڑا اور سینے سے لگا لیا اور مجھے تھپکی دی۔ ”پتہ ہمارے پاس تمہارے لیے بس یہی تھا۔“ میں اپنے آپ میں نہیں تھا۔ پتہ نہیں میرے جسم کا وزن ختم ہو گیا تھا یا ہزاروں من کا بوجھ میرے اوپر تھا۔ میں زندہ تھا یا مردہ، ہوش میں تھا کہ بے ہوش۔ اس دنیا میں تھا کہ کسی اور دنیا میں، زمین کے اوپر تھا یا نیچے، فضا میں یا آسمان پر، سانس رک چکی تھی کہ پتہ نہیں چل رہی تھی۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی کہ پتہ نہیں چل رہی تھی۔ اس دنیا میں یا اگلی دنیا میں، پتہ نہیں میں بیمار تھا، مجھے بخار تھا یا میں صحت مند تھا۔ میں اور میرا جسم نارمل حالت میں تھے۔ ایک خوابناک حالت اور نشہ کی کیفیت تھی۔ پتہ نہیں شاہد مجذوب بابا جی کے سینے سے میرے سینے میں کوئی چیز داخل ہو گئی تھی۔ بابا جی نے میرے جسم کے اندر کوئی چیخ غرغری کی تھی یا میرے جسم کے اندر کوئی چیز داخل کر دی تھی یا باطن کی باتیں بیدار کر دی تھی۔ بابا جی نے پتہ نہیں میرے جسم کے ساتھ کہ روح کے ساتھ کوئی کارروائی کی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میری کچھ نئی حیات بیدار ہو گئی ہیں۔ میرا جسم کسی تبدیلی سے گزر رہا تھا۔ بابا یوسف اور مجذوب بابا جی اپنی باتیں کرتے رہے۔ مجھے بالکل نہیں پتہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر کار مجذوب بابا جی نے مجھے تھپکی دی اور بابا یوسف سے گلے مل کر دوبارہ بابا جی چلے گئے کیونکہ میں اپنے حواس میں نہیں تھا۔ میں جو عرصہ دراز سے بے شمار بابوں، ملنگوں سے کہتا تھا کہ میں کبھی کرنٹ لگاؤں تو شاید آج مجذوب بابا جی مجھے کرنٹ لگا گئے تھے۔ مجذوب بابا جی کے جانے کے بعد میں اور بابا جی ملے گئے۔ بابا یوسف مجذوب بابا کے مقام و مرتبے کے بارے میں مجھے بتا رہے تھے کہ وہ اہل ڈیوٹی کے لوگوں میں سے ہیں اور آج کل مجذوب بابا جی پنجاب کے روحانی گورنر ہیں اور بابا یوسف بہت زیادہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے کہ آج مجذوب بابا اُن سے ملنے آئے کیونکہ میں ایک خوابناک حالت یا فالجی کیفیت میں تھا، اس لیے مجھے یوسف اہل کی کچھ باتوں کی سمجھ آ رہی تھی، کچھ کی نہیں۔ مجھے بابا جی کی باتوں سے یہ بھی احساس ہوا کہ بابا یوسف کو بھی کوئی روحانی ہوا ہے یا اس مقام میں ترقی ہوئی ہے یا کسی نئے علاقے میں بابا یوسف کی ڈیوٹی لگی ہے۔ بابا جی کافی دیر تک مجذوب بابا جی کی باتیں کرتے رہے۔ انہی باتوں کے دوران ہی پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی۔ میں ساری رات خواب دیکھتا رہا کہ

میں اپنے لوگ موجود ہوں گے جن کو زندگی میں کبھی کبھی سچا خواب آیا ہو آپ نے خواب دیکھا اور وہ بعد میں پورا ہوا، اہمیت سارے لوگ ایسے بھی ہوں گے جو نیند کے عالم میں خواب میں ہوا میں اڑتے ہیں اور زمین اور آسمان کی باتیں کرتے ہیں۔

ایسے لوگ تو میرے پاس بے شمار آچکے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ رات کو خواب میں آسمانوں میں اڑتے ہیں یا مقامات مقدسہ کی زیارت یا مختلف شہروں اور بزرگوں کے مزارات پر سیر کرتے ہیں۔

یہ صلاحیت میرے اندر بھی بچپن سے تھی کہ سیکڑوں بار میں خواب میں اڑ چکا ہوں اور ہر بار میں خواب میں یہی خواب کی بار خواب نہیں ہے بلکہ اب کی بار میں سچ میں اڑ رہا ہوں۔ اصل میں جن لوگوں میں روحانی قوت زیادہ یا کم ہوتی ہے وہ اکثر رات کو ہوا میں اڑتے ہیں۔ میرے پاس کچھ لوگ تو ایسے آئے کہ وہ اپنے سچے خوابوں سے کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اگر وہ کسی کو خواب میں مرا ہوا دیکھیں تو چند دن بعد وہ مر جاتا ہے اور اگر کسی کو زخمی حالت میں دیکھیں تو چند دنوں بعد بعض نے تو اگلے ہی دن اُس کو اصل میں زخمی حالت میں دیکھ لیا اور وہ اپنے ان خوابوں کی وجہ سے مر گیا اور پریشان ہیں۔ کیونکہ جب وہ اپنے کسی عزیز رشتہ دار یا دوست کو خواب میں زخمی مرا ہوا دیکھ لیتے ہیں تو شدید دکھ اور کرب میں وقت گزارتے ہیں۔

میرے اندر خواب میں اڑنے کی صلاحیت تو بچپن سے ہی موجود تھی لیکن مجھے سچے خواب کم ہی آتے تھے لیکن اب مجھے سرکارِ مدینہ سرور و دعوایِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیر خدا مولا علی کرم اللہ وجہہ کی خواب میں زیارت ہوئی اور اعلیٰ گورنر سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے راکھ کی چٹکی میرے منہ میں ڈالی اور روحانی توجہ بھی کی تو مجھے ایک اور مذہبی یا زیارتوں والے خوابوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ بہت سارے روحانی خواب بھی شروع ہو گئے۔

اب میں اکثر خود کو خواب میں اڑتے ہوئے دیکھتا کہ میں اڑتا اڑتا بہت بلند ہوتا جا رہا ہوں اور خلا میں آسمان کی بہت بلندی پر چلا جاتا اور خلا میں مختلف گوشوں کی سیر کرتا۔ اکثر میں سیر کرتا کرتا بادلوں سے بھی اوپر یا ان کے اندر میں چلا جاتا۔ سرمئی اور سفید بادلوں میں اُن کی ٹھنڈک کا بھی احساس ہوتا اور ریشم کی طرح نرمی کا بھی میں محسوس کرتا۔ ادھر ادھر اڑتا رہتا اور عجیب سی سرشاری محسوس کرتا۔ بعض اوقات اچانک بادل صاف ہو جاتے اور ہر طرف لکھا سا آجالا پھیلا ہوتا۔

ایک رات میں آسمان کی سیر کرتے کرتے ایک ایسی پر اسرار جگہ پر چلا گیا جہاں پر مجھے بہت سارے لوگ نظر آ رہے تھے۔ ان میں کچھ ایسے چہرے بھی تھے جو فوت ہو چکے تھے۔ میں بڑی دیر تک اُن چہروں میں اپنے والد صاحب اور بہن صاحب کو ڈھونڈتا رہا لیکن وہ مجھے کہیں بھی نظر نہ آئے تو مجھے یہ اندیشہ ہوتا کہ یہ میرا صرف خیال ہے یا اس کا حقیقت ہے؟ کوئی تعلق ہے۔ ایک رات اڑتے ہوئے میں ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر بہت سارے نورانی چہروں والے لوگ سلیڈ کینزوں میں ملبوس نظر آ رہے تھے۔ اُن میں سے دو بزرگوں نے میرے ساتھ اڑنا شروع کر دیا۔ وہ میرے ساتھ ہر پرواز تھے اور اچانک پتہ نہیں دے کر کدھر چلے گئے یا غائب ہو گئے۔ اکثر خواب میں جنات، ملائکہ اور ارواح سے

میں زمین اور آسمان پر اڑ رہا ہوں اور پتہ نہیں کتنی دور تک میں ہوا میں اڑتا رہا۔ بے شمار نئے علاقوں کی سیر بھی کی۔ میں نے مجھے جلدی اٹھا دیا کیونکہ بابا جی نے بھی کہیں اور جانا تھا، لہذا ناشتہ کرنے کے بعد میں نے مری کی طرف سفر شروع کیا بابا جی سے بہت ساری دعائیں لے کر شاید میری زندگی کا نیا دور شروع ہونے جا رہا تھا۔ شاید میری تلاش ختم ہو گئی تھی۔ میں منزل کے قریب آ گیا تھا۔

سچے اور پروازی خواب

دورانِ مراقبہ جب فرد تزکیہ نفس سے گزرتا ہے اور دل کا آئینہ تمام روحانی بیماریوں سے صاف ہو جاتا ہے تو سچے خوابوں اور رنگین خوابوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اکثر جو رات کو خواب میں نظر آتا ہے وہ ثابت ہو جاتا۔

خالق کائنات نے حضرت انسان کو جسمانی اور روحانی بہت ساری خوبیوں سے نوازا ہے۔ ہم اس طور پر کام کرتے ہیں لہذا یہاں پر زندگی کو بھرپور طریقے سے گزارنے کے لیے اور چیزوں کے درک کے لیے اللہ تعالیٰ انسان کو اس خسر یعنی دیکھنا، سوکھنا، سننا، چکھنا اور چھونا سے نوازتا ہے جس کے ذریعے انسان ایک بھرپور اور کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ کیونکہ انسان جسم اور روح دو چیزوں کا مرکب ہے۔ جس طرح ہمارا مادی وجود اس دنیا میں رہتا ہے اسی طرح ہمارے باطن کے اندر بھی ایک پوری کائنات آباد ہے اور باطن کے بھی محسوسات ہیں لیکن باطن تک رسائی کے لیے ہمیں اس طرح باطنی حواس بیدار کرنے پڑتے ہیں۔ کچھ لوگوں میں کیونکہ فطری طور پر لطافت زیادہ ہوتی ہے لہذا ان کے اندر باطنی حواس بیدار ہوتے ہیں۔ ہمارے شعور دل و دماغ کو معلومات مختلف ذرائع سے ملتی ہیں مثلاً انبیاء اور پیغمبروں کی وحی، فرشتہ جبرائیل لے کے آتا تھا۔ اب کیونکہ سرکارِ مدینہ دعوایِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو گیا ہے۔ اب نہ ہی کوئی نبی آئے گا۔ یہ تو تھی نبیوں اور پیغمبروں کی بات۔ کیونکہ خالق کائنات بہت ہی رحیم و کریم ہے۔ وہ انسانوں کی فلاح کے لیے مختلف قسم کی معلومات انسانوں کو دیتا رہتا ہے۔ مثلاً کشف، الہام، القاء، وجدان، استدراج اور کسبِ حس۔ ان تمام کے بارے میں میری کتاب ”بزمِ درویش“ آپ پڑھ سکتے ہیں جس میں پوری تفصیل سے میں نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

درج بالا ذرائع کے علاوہ ایک اور بھی ذریعہ ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات اکثر انسانوں کو اشاریہ واضح معلومات دیتی ہے وہ ہے خواب، جب بھی ہم خوابوں کی بات کرتے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام کے خوابوں کا تذکرہ موجود ہے۔ خواب میں نیند کے عالم میں جب اللہ تعالیٰ کی ذات سمجھتی ہے تو خواب میں دکھا دیتی ہے۔ لوگوں کا بھی روحانی ترقی اور لطافت کے ساتھ بہت ہی گہرا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو چھٹی حس اور کسی نہ کسی حد تک مستقبل بینی کی صلاحیت دے رکھی ہے۔ وہ الگ بات ہے کہ کسی میں کم اور کسی میں زیادہ۔ مثال کے طور پر آپ اللہ

ملاقات ہوتی۔ اکثر خوابوں میں پہاڑوں، صحراؤں، کھیتوں، باغوں اور سمندروں کے اوپر پرواز کا عمل جاری رہتا ہے۔ بہت ہی حسین باغ میں چلا جاتا جہاں پر بہت ہی عالی شان قسم کے محلات ہوتے۔ ویسے محلات رُوعے زمین پر نہیں ہوتے تھے جو میں خوابوں میں دیکھتا۔ ایسے پر رونق اور دل کش نظارے ہوتے کہ میں اُن میں حقیقت سمجھ کر کھو جاتا اور دل کش ساری عمر یہیں گزار دوں۔ عجیب و غریب مناظر ہوتے۔ بعض اوقات بہت نورانی لوگوں سے ملتا اور اگر کسی میں سوال پوچھتا تو وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتے تھے۔ ایک رات میں خواب میں مجھ پر پرواز تھا اور ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں پر ہر طرف نور ہی نور تھا۔ اور میں جا کر اس نور میں غوطہ زن ہو گیا۔ میں کافی دیر اس نور میں نہاتا رہا۔ چاروں طرف نورانی روشنی کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ میں اس نور کے سیلاب میں اتنا نہایا کہ مجھے لگا میرا جو بھی روشنی کا بن گیا ہے۔ میری گردن اور نرس سے روشنیاں اُبل رہی تھیں۔ یہ ایک ایسا جہاں تھا جہاں پر چاروں طرف سے روشنیوں کی برسات اور ان میں اس روشنی کے دریا یا سیلاب میں غرق تھا۔ کبھی کبھی جب میں ایسے دلکش نظارے دیکھتا تو مجھے لگتا کوئی نادرہ روح ہے جو مجھے ایسے مقامات پر لے کر جاتی ہے کیونکہ اکثر مجھے محسوس ہوتا کہ دورانِ خواب کوئی اور بھی میرے مجھ پر پرواز ہے لیکن مجھے نظر نہ آتا۔ بہر حال ایک حیرت کدہ تھا، میں جس میں مجھ پر پرواز یا سفر کر رہا تھا۔

ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ میں اپنے کمرے میں بیٹھا مراقبہ اور نماز پڑھ رہا ہوں کہ میرے کمرے میں بہت سارے نورانی چہروں والے بزرگ آ گئے ہیں اور ان کے خوفناک اور خوفناک سے بہت سی باتیں کہتی ہیں۔ ہمتیاں آتی جا رہی تھیں اور اتنی آری تھیں کہ میرا کمرہ اُن نورانی بزرگوں سے بھر گیا۔ اتنے سارے نورانی بزرگوں کے چہروں میں میرے دل و دماغ پر وجدانی کیفیت اور نشہ و سرور چھاتا جا رہا تھا۔ اتنا سرور اور نشہ کہ میرے اعصاب پر بد ہوشی پھال رہی تھی۔ سرور اور نشہ کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ نشے سے میری آنکھیں بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ نشہ، سرور، مستی، کھلم کھلا وجدانی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُن بزرگوں کے چہرے اتنے زیادہ روشن اور نورانی تھے جیسے اُن کے چہرے پر ہلکی سی پھیلی ہو، اُن کے چہروں پر ہلکوتی حسن اور نور پھیلا ہوا تھا۔ اُن کے جسموں سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں اور ان شعاعوں سے پورا کمرہ سفید اور دودھیا روشنی سے بھر گیا تھا۔ پھر اُن بزرگوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں۔ پھر اُن کے چہرے گئے لیکن صبح کو جب میں جاگا تو میرے کمرے میں وہی رات والی مسکورتن خوشبو آ رہی تھی۔ اب پتہ نہیں چل رہا تھا کہ حقیقت تھی۔ بعض اوقات دورانِ خواب جب میں خلا میں مجھ پر پرواز ہوتا تھا تو ایک بہت ہی خوفناک شکل کا آدمی میری طرف تیزی سے اُڑتا ہوا آتا۔ اُس کے تیور بہت خطرناک ہوتے تھے جیسے وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ مجھے اکثر لگتا کہ وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے زخمی کر دے گا یا وہ مجھے ڈراتا تھا کہ میں اُس علاقے میں سیر یا کیوں اُڑ رہا ہوں۔ لیکن بہت قریب آ جاتا تو اچانک غائب ہو جاتا یا دوسری طرف چلا جاتا۔ جیسے ہی اُس کی خوفناک شکل میری نظروں سے اوجھل ہوتی تو میں اکثر اٹھ جاتا یا میرے خواب کا سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ ایک دن تو بہت ہی عجیب خواب دیکھا کہ اڑتے اڑتے میں ایک سمندر پر آ گیا اور میں نے سوچا کہ آج سمندر کے اندر نیچے گہرائی میں سیر کرنی چاہیے لیکن پھر مجھے ڈر لگا کہ سمندر کے پانی کے اندر نہیں جاسکتا۔ لیکن مجھے شدید حیرت اُس وقت ہوئی جب میں پانی کے قریب آیا اور پانی کے اندر

خوفناک اور خوفناک سے بہت سی باتیں کہتی ہیں۔ ہمتیاں آتی جا رہی تھیں اور اتنی آری تھیں کہ میرا کمرہ اُن نورانی بزرگوں سے بھر گیا۔ اتنے سارے نورانی بزرگوں کے چہروں میں میرے دل و دماغ پر وجدانی کیفیت اور نشہ و سرور چھاتا جا رہا تھا۔ اتنا سرور اور نشہ کہ میرے اعصاب پر بد ہوشی پھال رہی تھی۔ سرور اور نشہ کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ نشے سے میری آنکھیں بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ نشہ، سرور، مستی، کھلم کھلا وجدانی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔ اُن بزرگوں کے چہرے اتنے زیادہ روشن اور نورانی تھے جیسے اُن کے چہرے پر ہلکی سی پھیلی ہو، اُن کے چہروں پر ہلکوتی حسن اور نور پھیلا ہوا تھا۔ اُن کے جسموں سے نورانی شعاعیں نکل رہی تھیں اور ان شعاعوں سے پورا کمرہ سفید اور دودھیا روشنی سے بھر گیا تھا۔ پھر اُن بزرگوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں۔ پھر اُن کے چہرے گئے لیکن صبح کو جب میں جاگا تو میرے کمرے میں وہی رات والی مسکورتن خوشبو آ رہی تھی۔ اب پتہ نہیں چل رہا تھا کہ حقیقت تھی۔ بعض اوقات دورانِ خواب جب میں خلا میں مجھ پر پرواز ہوتا تھا تو ایک بہت ہی خوفناک شکل کا آدمی میری طرف تیزی سے اُڑتا ہوا آتا۔ اُس کے تیور بہت خطرناک ہوتے تھے جیسے وہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ مجھے اکثر لگتا کہ وہ مجھ پر حملہ کر کے مجھے زخمی کر دے گا یا وہ مجھے ڈراتا تھا کہ میں اُس علاقے میں سیر یا کیوں اُڑ رہا ہوں۔ لیکن بہت قریب آ جاتا تو اچانک غائب ہو جاتا یا دوسری طرف چلا جاتا۔ جیسے ہی اُس کی خوفناک شکل میری نظروں سے اوجھل ہوتی تو میں اکثر اٹھ جاتا یا میرے خواب کا سلسلہ ٹوٹ جاتا۔ ایک دن تو بہت ہی عجیب خواب دیکھا کہ اڑتے اڑتے میں ایک سمندر پر آ گیا اور میں نے سوچا کہ آج سمندر کے اندر نیچے گہرائی میں سیر کرنی چاہیے لیکن پھر مجھے ڈر لگا کہ سمندر کے پانی کے اندر نہیں جاسکتا۔ لیکن مجھے شدید حیرت اُس وقت ہوئی جب میں پانی کے قریب آیا اور پانی کے اندر

ذکر اذکار، مراقبہ، جس دم، ترک حیوات اور ارتکاز کی مشقتوں کے بعد میں کافی عرصہ خالی پن یا اپنے من میں خلا کا احساس ہوتا تھا۔ شروع میں جب میں No Mind یا خالی پن کا شکار ہوا تو مجھے اکثر لگتا کہ شاید میں پاگل پن کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ لیکن اب اگلے ہو گیا ہوں۔ میرے من میں تاریکی کا سمندر بہت گہرا تھا۔ اس گہرائی میں پتہ نہیں کیا تلاش کر رہا تھا، روح اور تاریکی کی تاریکی گہری سے گہری ہوتی جا رہی تھی اور میں اس میں روز بروز اترا جا رہا تھا۔ میں اپنے من کے سمندر میں جتنا اترتا تھا ایک تاریک غار یا پاپ کے اندر جا چکا تھا، یہاں سے واپسی ناممکن تھی کیونکہ اگر وہاں سے کوئی واپسی کی کوشش کرے تو وہ پاگل یا مجذوب یا مست یا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ یہ وہ حالت یا کیفیت ہوتی ہے کہ آپ کو آگے ہی بڑھنا پڑے۔ آپ واپسی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ تاریک اندھیرے سمندر میں نیچے اور نیچے اترتے جا رہے ہوتے ہیں۔ میں ایک بار اس کیفیت کا شکار ہو چکا تھا اور شاید میرے اندر پر اسرار قوتیں پروان یا بیدار ہو رہی تھیں۔ اکثر کامل استغراق کی حالت طاری ہو جاتی۔ جب میں اندھیرے میں نیچے اتر رہا ہوتا تھا تو کبھی کبھی اچانک میرے ہوش و حواس گم ہو جاتے اور مجھے بالکل پتہ نہ ہوتا کہ میں کہاں اور کس دنیا میں ہوں۔ کبھی کبھی تاریک اندھیرے میں اچانک چاروں طرف روشنیوں کی برسات شروع ہو جاتی جیسے ہزاروں آفتابوں کی روشنیاں میرے وجود اور باطن میں پڑ رہی ہیں اور مجھے لگتا میرا سراپا نورانی اصل گیا ہے اور میں روشنی اور نور ہی نور ہوں۔ اکثر احساس ہوتا کہ میرے ہاتھوں کی انگلیوں سے نیلے رنگ کی روشنیاں پھوٹ رہی ہیں۔ جب میں دل پر اللہ کا تصور یعنی اسم ذات کرتا تو میرے دل کے اندر روشنی پھیل جاتی جیسے کوئی

بلب یا چراغ روشن ہو گیا ہے۔ اس کی تابانی سے دل و دماغ منور ہو گئے ہیں اور جسم روشنی سے جگمگ کرنے لگا ہے۔ اکثر دل پر ارتکاز کرتے ہوئے بایاں پہلو گرم ہو جاتا۔ اکثر ریزہ کی ہڈی میں درد ہوتا۔ ایک لہری دماغ کی طرف ہاتھ میرے اوپر ایک نشہ ساطاری ہو جاتا اور کسی چیز کا احساس نہ رہتا۔ اکثر دل سے روشنی خارج ہونا شروع ہو جاتی۔ اکثر میرے دماغ میں روشنیاں پھیل جاتیں۔ کبھی سیٹیاں بجے لگتیں۔ بعض اوقات سینے کی آواز بہت تیز ہو جاتی اور اکثر روشنی جھمکا کا ہو جاتا اور میرا جسم نشے سرور میں ڈوب جاتا۔

مراقبہ کے دوران جب کامل استغراق حاصل ہوتا تو میرا جسم اکثر اکر جاتا بلکہ بے حس یا فالجی جسم معلوم ہوتا۔ ایسی حالت میں جسم گرمی، سردی کے احساس سے عاری ہوتا۔ میں اکثر خود کو حرکت بھی نہ دے پاتا بلکہ اسی حالت میں اگر کوئی مجھے چٹکی بھرتا یا انجکشن بھی لگاتا تو شاید احساس نہ ہوتا۔

اکثر مجھے احساس ہوتا کہ اب شاید میری سانس بھی رک چکی ہے۔ میں شاید موت کے قریب ہو جاتا تھا۔ دماغ فالج زدہ یا پاگل کہ تمام حیات ختم ہو جاتی اور میں لکڑی کے تختے کی طرح جام اور اکڑ جاتا۔ اس دوران اکثر میرا جسم مری کی شدید سردی میں پسینے میں شرابور ہوتا۔ کبھی محسوس ہوتا کہ میرا وزن ختم اور جسم بہت ہلکا ہو گیا ہے۔ ایسی ہی حالت میں کبھی لگتا کہ میرے علاوہ بھی میرے جیسا کوئی میرے سامنے پیٹھا ہے۔

جب میں اندھیرے میں نیچے جانے کی کوشش کرتا تو کبھی لگا کہ میں تار یک گڑھے میں گر رہا ہوں اور خوف میرے ہوش و حواس گم ہو جاتے کہ پتہ نہیں کس تار یک گڑھے میں گر رہا ہوں شاید موت کے قریب جا رہا ہوں یا مر رہا ہوں۔ ایک رات میں مراقبہ کر کے سویا تو اچانک رات کے آخری پہر میری آنکھ کھل گئی تو یہ دیکھ کر میں شدید خوف کا شکار ہو گیا کہ میرے جیسا نورانی جسم میرے کمرے میں میرے پلنگ کے پاس کھڑا تھا۔ میں شدید خوفزدہ تھا، میرا جسم اکڑ چکا تھا اور میں چپ چاپ اپنے ہی جسم کو دیکھ رہا تھا۔ میں پلنگ پر بھی تھا اور کمرے میں بھی کھڑا تھا۔ اچانک مجھے احساس ہوا کہ میرے پاؤں سے کوئی لہریا چیز میرے دل و دماغ کی طرف آرہی ہے۔ مجھے لگا شاید خوف اور دہشت سے میری روح میرے جسم سے نکل جائے گی اور میں مرجاؤں گا یا پھر میری روح اگر میرے جسم سے نکل گئی تو کبھی واپس نہیں آئے گی اہلہا میں نے یار قریب کا ورد شروع کر دیا اور ہمت کر کے اٹھ کے بیٹھ گیا۔ میرا جسم پسینے سے شرابور تھا اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ خواب تھا کہ حقیقت میں۔ میرے اوپر سکتہ سا طاری تھا۔ سکتے کا یہ عالم تھا کہ میں حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے میرے جسم میں بجلی کی رومیرے جسم کے کلکڑے کلکڑے کرنا چاہتی ہے۔ مجھے لگ رہا تھا کہ نا دیدہ ہر لی لہریں میرے جسم میں دوڑ رہی ہیں۔ مجھے لگ رہا تھا کوئی طاقت، نشہ، کرنٹ میرے جسم میں داخل ہو گیا ہے یا اندر سے ہی نمودار ہو رہا ہے۔ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ طاقت اتنی زیادہ تھی کہ گویا میں پھٹ جاؤں گا۔ یہ بیان کرنا مشکل تھا کہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے، کیا رومنا ہوگا۔ خوف، سرشاری یا پاگل پن یا مجذوبیت اپنے عروج پر تھی۔ ایک انوکھی کیفیت یا دنیا میں تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ اس ازرجی سے میرا وجود پاش پاش ہو جائے گا اور میں ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر کائنات میں بکھر جاؤں گا۔ ریت کے ذروں میں تبدیل ہو جاؤں گا یا ہوا میں تبدیل ہو کر تحلیل ہو جاؤں گا۔ میرا ذہن

میرا دل ہوا رہا تھا۔ مجھے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ میری آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں۔ آنکھوں کو کھلا رکھنا بھی دشوار ہو رہا تھا۔ کچھ ہونے والا تھا۔ شاید موت میرے سر پر آ کر کھڑی ہوگئی تھی کیونکہ میں سکتے کے عالم میں اکڑ چکا تھا۔ اس لیے میں موت کے خوف سے آزاد ہو چکا تھا، پتہ نہیں میں جاگ رہا تھا کہ سو رہا تھا، یہ بہت ہی عجیب حالت تھی۔ میں زندگی اور موت دونوں کے درمیان تھا یا میرے جسم میں زندگی اور موت مل گئی تھیں۔ میرا جسم اکڑا ہوا یا سویا ہوا تھا لیکن میں جاگ رہا تھا۔ میں نیند اور بیداری، زندگی اور موت کے درمیان تھا۔ کافی دیر تک میں ایسی حالت میں بیٹھا رہا پھر میرے دل میں ال آیا کہ میں کمرے سے بھاگ جاؤں اور باہر کھلے آسمان کے نیچے چلا جاؤں کیونکہ خوف و دہشت سے میرا دم گھٹ رہا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ اگر میں اس حالت اور کمرے سے نہ نکلتا تو موت میرے اوپر قبضہ کر لے گی، لہذا میں یار قیوب کا دھڑکتے کرتے ایک جھٹکے سے اس کیفیت سے نکل آیا اور بھاگ کر کمرے سے باہر صحن میں آ گیا۔ میرے گھر کے سامنے درخت کے لمبے لمبے درخت آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ چاروں طرف چاند کی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر آتے ہی میری حالت آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگی۔ باہر آتے ہی میرا جسم ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ میرے لیے کشش ثقل ختم ہو چکی تھی۔ آسمان کے مکان کے پیچھے پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا جہاں میں اکثر مرا قبہ اور غور و فکر کرتا تھا۔ پتہ نہیں میں چل رہا تھا کہ اڑ رہا تھا۔ میں تیزی سے اُس جانب جا رہا تھا، اپنی مخصوص جگہ پر جا کر میں آرام اور سکون سے بیٹھ گیا۔ پتہ نہیں میں کتنی دیر

شب بیاہا کیونکہ اس جگہ پر نہیں سالوں سے فطرت اور فطرت کے مظاہر کو انجوائے کرتا تھا۔ اس لیے مجھے اپنائیت کا احساس ہو رہا تھا، وہاں پر گھاس، جھاڑیاں اور درخت سب سے میں مانوس تھا۔ وہ سب میرے دوست تھے۔ ہم سب لہرے تھے اور سمندر کی تلاش میں تھے۔ میں پہلے بھی اُس جگہ پر کئی بار آچکا تھا لیکن آج کچھ الگ ہی بات تھی۔ آج مجھے ایک نئی دنیا کے منکشف ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ آج مجھے لگ رہا تھا کہ یہ درخت، جھاڑیاں اور گھاس وغیرہ مجھ سے مل کر رہے ہیں۔ پہاڑی، پھول اور بھی پیارے لگ رہے تھے۔ میں موت کے بہت قریب سے ہو کے آیا تھا، لہذا اب ہر اذرا بھی ختم ہو گیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں خالی ہوں کہ لبریز، زندہ ہوں یا مردہ عجیب حالت میں۔ پتہ نہیں میں مارکی میں موت سے ٹکرایا تھا کہ زندگی سے پتہ نہیں جو میرے ساتھ ہوا تھا، یہ سب روحانی طالب علموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے میں اُسی حالت میں بیٹھا رہا۔ آخر جب فجر کی اذان آئی تو میں نے نیچے اترنا شروع کیا اور آ کر نماز پڑھ لی اور نوافل پڑھنے شروع کر دیئے۔ صبح ہونے تک میں نوافل پڑھتا رہا۔ کالج ٹائم پر میں کالج چلا گیا۔ اس دن پتہ نہیں میرے جسم کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ پتہ نہیں میں نے جسم کے کس اندرونی بن کو آن کر دیا تھا یا کس چیز کو چھیڑ دیا تھا۔ میری تمام نوازشیں دم توڑ گئیں۔ اب مجھے کسی بھی چیز کی خواہش نہ رہی۔ میں اکثر خاموش بیٹھا رہتا یا مراقبہ کرتا۔ پتہ نہیں میں کس منزل کی طرف رسائی پانا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں میں جدھر جانا چاہتا تھا، ادھر کون تھا جو بہت طاقتور متناطسی کشش کے تحت اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اپنی طرف بلا رہا تھا۔ میں ہر صورت اُس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ میں اس دروازے کی تلاش میں جس کے پار میری منزل تھی، اس دروازے کو کون کھولے گا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کون مجھے اس دروازے تک لے جائے گا، کون میری اہلی پکڑ کر اس دروازے سے گزار دے گا، ایک عالم مدہوشی، پاگل پن، فالجی کیفیت یا مجذوبیت میں ہی ان دیکھی منزل کی

اداسی کنارے پر گلابی سورج میری نظروں کے سامنے پہاڑوں کے پیچھے اوجھل ہو جاتا، اکثر اوقات میں اس کو دیکھتے
تھے کہ کون کھو جاتا، پتہ نہیں جہاں دور سورج ڈھونڈتا تھا، میرا دلبر جانی بھی وہیں کہیں تھا۔ میری یہ اداسی اکثر جنون کی شکل
لے لیتی۔ طویل مراقبہ، ترک حیوانات اور سخت مجاہدوں کی وجہ سے میرے اُنک اُنک سے نقاہت ٹپکتی تھی۔

اکثر جدائی اور شدت کرب سے میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہو جاتی اور میں بلاوجہ روتا رہتا۔
کہیں کہیں؟ شاید میری روح کسی تکلیف یا کرب میں یا جدائی میں تھی اور جدائی کا زہر میری برداشت سے باہر ہو چکا تھا۔
مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اب میں کیا کروں، کس جگہ پر جاؤں، کون سا کام کروں یا اپنے جسم کے ساتھ کیا
کرنا کر ڈالوں کہ اس کی بے قراری، سرشاری میں ڈھل جائے۔ میرا اضطراب سکون میں ڈھل جائے۔ ایک دو نام نہاد

لوگوں سے جب میں نے اپنی یہ کیفیت شیئر کی تو وہ کہنے لگے، تم نے بے شمار وظیفے، چلے کیے ہیں تم رجعت کا شکار ہو گئے
کیونکہ نے کہا تمہارے اندر بہت ساری ارواح حلول کر گئی ہیں اور وہ تمہیں تکلیف دیتی ہیں۔ لیکن نہیں ایسی بات نہیں
ہو سکتی۔ میری کیفیت کو وہی جان سکتا تھا جو اس پل صراط سے گزرا ہو۔ جو اس تاریک وادی سے گزرا ہو کیونکہ میں جب بھی
رہتا تھا تو تاریکی کے اندھے گڑھے میں نیچے سے نیچے اترتا جاتا لیکن مجھے دروازہ نظر نہ آتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا،
ان دنوں میں 55 ہزار روزانہ اللہ کے ناموں اور سورتوں کا وظیفہ کر رہا تھا، باقی وقت مراقبہ اور جس دم۔ جب میری یہ
اداسی اکر ب حد سے بڑھ گیا تو ایک دن اچانک میرے ذہن میں بابا جمال الدین سرکار کی ڈائری کا خیال آیا تو میں نے

اداسی کو پوچھنا شروع کیا۔ اس ڈائری کی وجہ سے ہی تو میں اس دنیا کا مسافر بنا تھا۔ اس ڈائری نے ہی تو میری کایا پلٹ
لائی۔ فطرت کے پان کے تحت اس ڈائری نے ہی تو میری زندگی کی سمت تبدیل کر دی تھی۔ میں جو سارا سارا دن تھقبے
کا تھا، دُش کے پروگرام دیکھتا، مری مال روڈ پر سیر کرنا اور رنگ برنگے لوگوں کو دیکھنا، کرکٹ اور ٹیبل ٹینس خوب کھیلنا اور
اداسی کے ساتھ گپ شپ کرنا یہ ساری سرگرمیاں میں ترک کر چکا تھا۔ اگر کوئی دوست زبردستی آ بھی جاتا تو ایک مشین کی
طرح ایک Drill کے طور پر اس سے بات کرتا۔ میرے کالج کے ساتھی میری اس تبدیلی سے واقف تھے کہ یہ کسی پراسرار
کاری کا شکار ہو چکا ہے یا کسی وظیفے یا چلنے نے اس شخص کا دماغی توازن خراب کر دیا ہے۔

مجھے اکثر لگتا کہ میں نے اداسی اور جدائی کے ہزاروں ڈرم پی لیے ہیں۔ میرے اندر جدائی اور اداسی کے کئی
انداز بہہ رہے ہیں۔ دن بدن میں اس اداسی اور جدائی کے سمندر میں گہرے سے گہرا اترتا یا ڈوبتا جا رہا تھا۔ اپنی طرف
میں کئی بار اس کیفیت سے نکلنے کی کوشش کر چکا تھا لیکن مجھے کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔ میں ایک تنکے کی طرح تھا جو
سمندر کی طوفانی لہروں میں گھر چکا تھا یا میں وہ کئی پتنگ تھا جو بغیر دھاگے کے تیز طوفانی ہواؤں کے دوش پر پتہ نہیں کدھر جا
رہی تھی۔ میں اکثر سوچتا کہ بے خبری یا بے دھیانی میں کہیں میں نے کسی غلط راستے کا انتخاب تو نہیں کر لیا۔ میں کسی غلط
اداسی کا مسافر تو نہیں بن گیا۔ میں نے اپنے جسم کے ایسے بنوں کو تو نہیں چھیڑ دیا جن کو نہیں چھیڑنا چاہیے تھا لیکن میں اس
کے بغیر بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ پتہ نہیں میں اس اداسی سے نکلنا چاہتا تھا کہ اس میں اور گھسنا چاہتا تھا۔ کیونکہ میں رات رات بھر
ہاتھ یا مراقبہ کرتا، اس لیے بعض اوقات مجھے لگتا کہ میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ میں اعصابی اور عضلاتی طور پر

تھی۔ جیسے میں ہر لمحہ اداسی کے سمندر میں گرتا جا رہا تھا۔ یہ کیفیت روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ جب اداسی کی شدت میری
برداشت سے باہر ہو جاتی تو میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات برسا شروع ہو جاتی اور میں بلاوجہ روتا رہتا کیوں کہ
انسان روتا اس وقت ہے جب درد یا غم برداشت سے باہر ہو جائے کیونکہ میں عرصہ دراز سے مختلف کوششیں کیے جا رہے تھے
مجھے جو بھی کوئی بتاتا تو میں بلاسوچے سمجھے شروع کر دیتا اور جب کامیابی نہ ہوتی تو اداسی میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔ عقل اور
جدائی کا روگ کیا ہے، یہ وہی جانتے ہیں جو اس سے گزرے ہوں۔ جو اس درد اور تلاش کو نہیں جانتے وہ تو پاگل کہہ کر گزار
جاتے ہیں۔

اداسی میں آپ دنیا و مافیہا سے اور اپنی ذات سے بھی بے خبر ہو جاتے ہیں۔ آپ اپنی کیئر کرنا بھی بھول
دیتے ہیں۔ میرے اوپر جب اس اداسی کا شدت سے حملہ ہوتا تو میرا اکثر دل کرتا کہ دور جنگل میں جا کر چھپ جاؤں یا
دریا کے کنارے کوئی جھوپڑی بنا کر ساری عمر وہیں گزار دوں یا سمندر کے پتھوں کوئی ریت کا ٹیلہ ہو یا کوئی جزیرہ
جس پر کوئی نہ رہتا ہو، میں وہاں چلا جاؤں۔ دل کرتا ہر چیز چھوڑ چھاڑ کر کہیں دور جا کر چھپ جاؤں۔ کبھی دل کرتا تھا
میں چلا جاؤں اور بند کوٹھڑی میں بند ہو جاؤں۔ اکثر بیٹھے بیٹھے میرے اوپر استغراقی حالت طاری ہوتی تو میں انتظار میں
بیٹھ جاتا، نیم وا آنکھوں سے انتظار ہوتا کہ کب درشن ہوں گے، کب ملاقات ہوگی، کب حجابات اٹھ جائیں گے، کب
قطرہ سمندر میں ملے گا؟

عجیب سا خالی پن تھا۔ نہ کوئی آرزو نہ خواہش نہ جینے کی تمنا۔ ایک بہت بڑا خلا میرے من کے اندر پیدا ہو گیا
تھا۔ پتہ نہیں یہ خلا کس طرح بھرنا تھا۔ یہ ادھر واپس پتہ نہیں کب تک رہنا تھا۔ انتظار انتظار اور بس انتظار تھا اور اس انتظار کی
شدت میں ہر لمحہ اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ یہ اداسی جب حد سے بڑھی تو مجھے کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہا۔ صبح شام دوسرا دل
روٹی کے سلاکس کھا لیے۔ وہ بھی جبر کرنا پڑتا، زبردستی کھانا پڑتا کہ دل ہی نہ کرتا۔ بعض اوقات یہ اداسی اس قدر بڑھ جاتی کہ
دل کرتا کہ اب جو ہونا ہے، وہ ہو جائے۔ اب انتظار برداشت نہیں ہوتا، اب جدائی بس سے باہر ہو چکی ہے۔ اگر یہ اداسی
میرے جسم کے فنا ہونے سے ختم ہوتی ہے تو میرا جسم فنا ہو جائے۔ اگر موت کے بعد یہ اداسی ختم ہوتی ہے تو موت آ جائے۔
ایسی حالت تھی کہ پتہ نہیں مجھے موت کا انتظار تھا کہ زندگی کا بہر حال یہ اداسی اور تلاش اب اپنے نقطہ عروج پر پہنچ چکی تھی۔
جسم اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ جیسے میری روح اور جسم کا تعلق ایک باریک دھاگے سے ہی رہ گیا ہے جو کسی بھی وقت ٹوٹ سکتا
تھا۔ میں گھڑی کے پنڈولم کی طرح زندگی اور موت کے درمیان جھول رہا تھا۔ پتہ نہیں زندگی قریب آ رہی تھی کہ موت؟ اس
اداسی میں، میں ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو چکا تھا۔

اس اداسی نے میری روح اور جسم کو گھائل کر کے رکھ دیا تھا۔ کیا کروں کدھر جاؤں، کون مجھے راستہ دکھائے۔
میں دوڑ دوڑ کر تھک گیا تھا۔ مجھے کسی نے بھی دردازے کا راستہ نہیں بتایا تھا۔ کسی نے بھی میری انگلی نہیں پکڑی تھی لیکن کوئی
نادیدہ ہاتھ مجھے پکڑ کر چلا بھی رہا تھا۔ میں اداسی سے تنگ آ گیا تھا۔ اس اداسی کی وجہ سے یا اس اضطراب کی وجہ سے مجھے
ایک پل بھی سکون نہیں تھا۔ اپنے مکان کے اوپر پہاڑی پر بیٹھ کر میں اکثر ڈوبتے ہوئے سورج کا نظارہ کرتا، دور افق کے

شدید ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا تھا۔ کوئی اپنے جسم کے ساتھ حد سے زیادہ ظلم کر سکتا تھا تو وہ میں بھی کر چکا تھا۔ میں نے ہونے بھی یہ کیے جا رہا تھا۔ اداسی، جدائی یا بد ہوشی عجیب کیفیت تھی۔ ایسی حالت میں میں نے ایک تو اپنا اچھی طرح کیا کہ اس سارے سفر کے دوران میں نے کیا کیا پنکے لیے، کہاں غلطی ہوئی یا کون سا ایسا کام ہے جو میں نے ابھی تک کیا۔ اگر میں اپنی منزل سے دور ہوں تو اس میں میری کیا غلطی ہے۔ میں کئی دنوں تک ایسی سوچوں میں گم رہا لیکن مجھے بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ پچھلے کئی مہینوں سے میں تصوف کے تمام اجزاء پر اپنی سوچ کے مطابق عمل پیرا تھا کیونکہ پچھلے کئی سالوں سے میں بے شمار صوفیوں، درویشوں کے حالات زندگی پڑھ رہا تھا اور اس نسخے کی تلاش میں تھا جس پر عمل پیرا ہوں۔ میں اپنی منزل پاسکوں۔ اس کیفیت یا اندھے کنویں سے نکل سکوں۔ پچھلے کئی مہینوں سے میں جس کیفیت سے دوچار تھا وہ نہیں باقی تلاش حق کے مسافروں پر بھی یقینی ہوگی۔ شاید وہ بھی انہی جان لیوا حالات سے گزرتے ہوں۔ پتہ نہیں کہ جس الجھن میں میری جان پھنسی ہوئی تھی، تلاش حق کے باقی مسافروں کو بھی جدائی کے زہر کے پیالے اسی طرح پڑتے ہوں۔ میں اسی آنکھ پھولی میں کبھی ڈوبتا کبھی تیرتا کیونکہ عرصہ سے میں حیات اور میٹھا نہیں استعمال کر رہا تھا۔ کے باوجود ابھی میرے جسم کو کسی بڑی تبدیلی سے گزرنا تھا جس کے بعد میرے من کا اندھیرا دور ہو جائے گا۔ اضطرابی اور بے قراری سرشاری میں ڈھل جائے گی۔

بابا جمال دین سرکار کی ذاتی بیاض پڑھتے پڑھتے میں ایک بار پھر اسی مضمون پر آ کر ٹھہر گیا جس کو پڑھ کر میں نے **خوش ہو گیا**۔ بابا جمال دین سرکار کا سفر بتاتا تھا۔ بابا جمال دین سرکار نے اپنے تمام تر تعلیمات کبھی نہیں۔ سب سے اہم بات جو انہوں نے بیان کی تھی وہ یہ تھا کہ دورانِ وظیفہ وہ روزانہ صرف ایک پاؤدھ استعمال کرتے تھے اور آخری گیارہ دن انہوں نے دودھ بھی آدھا کر دیا تھا۔ یہ سارا وظیفہ انہوں نے دریا کے کنارے ایک جھونپڑے میں کیا تھا۔ روزانہ ان کا ایک مرہ ایک پیالہ دودھ رکھ دیتا جس کو وہ استعمال کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کھایا۔ اب پھر میرے دماغ سوئی اس وظیفہ پر آ کر اٹک گئی تھی۔ بہت عرصہ پہلے اسی وظیفہ نے میری زندگی کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ بابا جمال دین سرکار نے سوا کروڑ کا وظیفہ کیا تھا جو وہ کافی عرصہ سے کر رہے تھے لیکن آخری اکتالیس دن انہوں نے دریا کنارے جھونپڑے میں یہ وظیفہ کیا تھا۔ یہ ایک بہت ہی مشکل وظیفہ یا چال تھا لیکن کیونکہ میں در بدر کی ٹھوکریں کھا کر اب تک یہ وظیفہ اب میں کوئی نتیجہ چاہتا تھا۔ بہت اچھی طرح طریقہ وغیرہ پڑھنے کے بعد میں بھی اس انتہائی مشکل اور جلالی وظیفے کے تیار ہو گیا کیونکہ میں پڑھائی اور مراقبہ کو بہت اچھی طرح سے کر رہا تھا لیکن اس طریقے سے نہیں کیا تھا۔

مرشد کے درشن

محترم قارئین! میں تقریباً پچھپچھ دو سال سے روحانیت کی اس وادی میں در بدر ٹھوکریں کھا رہا تھا اور کیا کیا جیل چکا تھا لیکن میرے باطن کا تالا ابھی تک بند تھا۔ میں ابھی بھی اندھیرے کے تاریک سمندر یا صحرا میں ٹامک ٹوٹا ہوا

روحانیت کی اس پراسرار وادی یا صحرا میں ایک طویل سفر کے بعد بھی میں منزل سے کوسوں دور تھا۔ کنفیوژن زون ختم
کے کام ہی نہیں لے رہا تھا۔ فطرت نے مجھے ایسا جنوں اور اضطراب عطا کیا تھا کہ میں دوڑے چلا جا رہا تھا۔ بغیر کسی
دشمنی کے فطرت میرے ساتھ جو کچھ کر رہی تھی، میں ہونے دے رہا تھا۔ میں خود کو فطرت کے ہاتھوں دے چکا تھا۔

اداسی اور جدائی کی شدت جب حد سے بڑھ گئی تو میں ایک بار پھر بابا جمال دین کی ذاتی بیاض پڑھ رہا تھا اور
عقل کے بعد ان کا وہ خاص وظیفہ کرنے کو تیار ہو گیا تھا جس کے بعد بابا جی زمان و مکان سے آزاد ہو گئے تھے، سیف
اور کن فیکون کے مقام تک رسائی پا گئے تھے۔ بقول بابا جی کے وہ قطرہ تھے اور سمندر میں مل کر مدھوشی کی وہ قوت اور
برے لے کر لوٹے کہ ان کی صدیوں کی پیاس اور تلاش کو منزل مل گئی تھی۔ یہ وظیفہ یا چلہ میں پہلے بھی کر سکتا تھا لیکن شاید اس
بہرہ جسم اس عظیم حادثے کی تبدیلی کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے سمجھا کہ اب میں کسی بڑی روحانی
عملی یا کرٹ کو برداشت کر سکتا ہوں تو اب میرے دل و دماغ میں شدت سے یہ بات آ رہی تھی کہ مجھے یہ وظیفہ اسی طرح
دینا ہے جس طرح بابا جی نے کیا تھا۔

اب میں نے سب سے پہلے اس مرید کا پتہ کیا جو بابا جی کو دودھ دیتا تھا اور دن رات بابا جی کے دریا کنارے
کھڑے یا جھکی کے باہر ایک مستعد مرید اور خادم کی طرح کھڑا رہتا تھا۔ پھر میں ان دو بندوں سے بھی ملا جو آخری دن
بابا جی کو اٹھا کر گھر لائے تھے۔ ان دونوں کے بقول بابا جی نے آخری دنوں میں کچھ بھی نہیں کھایا یا پیا تھا۔ اس لیے جب بابا
جی کے بتائے ہوئے دن یہ لوگ جھونڈے میں داخل ہوئے تھے تو بابا جی پر شدید کمزوری اور نفاذات ظاہر ہو چکی تھی۔ نور اور
روحانیت بابا جی کے چہرے سے برس رہی تھی۔ بابا جی سراپا نور تھے، لہذا بابا جی جو پہلے سے ہی بتا گئے تھے کہ بہت ساری
دلی میرے جسم کے گرد لپیٹ کر آرام سے مجھے گھر پہنچا دیا جائے، اسے کہتے ہیں مر جاؤ مرنے سے پہلے۔ بہت سارے
لوگوں اور مریدوں کی موجودگی میں مقررہ دن بابا جی کو جھونڈے سے نکالا گیا اور ان کی ہدایات کے مطابق ان کے گھر
لے آ دیا گیا۔ کیونکہ بابا جی کمزوری اور نقاہت کی آخری حد کو بھی کر اس کر گئے تھے، اس لیے ان کو نارمل ہونے میں تقریباً
دو روزہ سے بیس دن لگ گئے۔ بقول بابا جی کے آخری دنوں میں انوار اور تجلیات کی جو بارش ان پر ہوئی یا روحانیت کے جو
سراور و رموز ان دنوں میں ان پر وارد ہوئے وہ ساری زندگی پر بھاری تھے۔ سرور و مستی، نشہ و سرشاری کی جو کیفیتیں ان
دنوں بابا جی کے حصے میں آئیں ان کے اثرات ساری زندگی بابا جی انجوائے کرتے رہے۔

جب میں بابا جی کے پرانے مریدوں سے ملا تو یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ بیشتر بزرگ روحانی ترقی اور ہالیدی
۱۲۱ اٹھانے کے لیے ایسے وظیفے یا چلے عرصہ دراز سے کرتے آ رہے ہیں۔ جو کی روٹی یا ایک پیالہ دلیہ کے ساتھ یہ
دارگ مخصوص ذکر اذکار کے ساتھ اکتا لیس دن یا ایک سو بیس دن کا چلہ کرتے ہیں۔ جس سے جسمانی اور روحانی لطافت
کے نقطہ عروج پر پہنچ جاتے ہیں لیکن ایسے تمام بزرگ اس چلہ اعظم یا عمل اکبر کو اپنے مرشد کی زیر نگرانی کرتے ہیں اور میں
مرشد جیسی عظیم نعمت اور سعادت سے ابھی تک محروم تھا۔ میں اس جگہ بھی گیا جہاں پر بابا جی نے قرب الہی کے لیے اپنی جان
لوگوں میں ڈالی تھی یا بقول میاں محمد بخش۔

ادارہ تر لوگ چھٹیوں سے پہلے ہی پنجاب کے کالجوں میں امتحانی ڈیوٹیاں لگوا کر چلے جاتے۔ سردیوں کے دنوں میں کالجوں میں خالی بلکہ دیران ہو جاتا۔ وظیفہ شروع کرنے سے پہلے میں اچھی طرح پائا بنا چکا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ باباجی کے کالج کی طرح میں نہیں کر سکتا تھا لیکن کوشش ضرور کروں گا کہ ان کے قریب قریب کر سکوں۔ کالج میں اپنے خاص دوستوں میں نے ذکر کر دیا تھا کہ میں ایک خاص عمل کرنے جا رہا ہوں جس میں زیادہ سے زیادہ مجھے اپنے گھر میں ہی رہنا ہوگا۔ پوری تیاری کے ساتھ میں نے اپنا مخصوص سفید رنگ کا سوٹ نکالا۔ خوشبو لگا کر دفعل برائے حاجات پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہا۔ اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور مدد مانگی کہ ”اے میرے پروردگار! اس مشکل گھڑی میں مجھے کی طرح اس بار بھی میرا ساتھ دینا۔“

ان دنوں میں بائیس ہزار بار یا جمی یا قیوم پڑھتا تھا۔ اب میں نے یہ کیا کہ دس ہزار دن میں کر لیتا، بارہ ہزار بار کر لیتا۔ اس کے علاوہ چار گھنٹے کا مخصوص وظیفہ کرتا۔ خوراک بہت کم لیتا۔ دوسرے صبح، دوسری رات کو لے لیتا صبح شام کپ کرم دودھ پی لیتا۔ نیند میں چار گھنٹے پر لے آیا۔ جب میں نے یہ وظیفہ شروع کیا تو میرے کالج کے دوستوں میں رونا ہوا کہ میں جنات وغیرہ قابو کرنے کے چکر میں ہوں۔ میں نے دوستوں کو اسی غلط فہمی میں رہنے دیا کیونکہ وہ میرا دکھ نہیں کر سکتے تھے۔

پہلے دن میں تو میرے گھر پر **شاہ ولی** کے گھر سے گئے۔ اس کے بعد مجھے محسوس ہونا شروع ہوا کہ جیسے کشش ثقل ختم ہوتی جا رہی ہے۔ میرا جسم ہلکا ہلکا ہوتا جا رہا ہے۔ مجھے ارتکاز اور مراقبہ کرنے میں بہت زیادہ مزہ آتا۔ پہلے مراقباتی کیفیت کے لیے دروازہ لگانا پڑتا، اب آسانی سے میں اس کیفیت کو پالیتا۔

تقریباً ایکس دن بعد مجھے مراقبہ کے اندر ایک عجیب سرشاری، کشش اور مقناطیسیت کا احساس ہونا شروع ہوا تھا۔ مجھے احساس ہوتا تھا کہ میرے اندر سے کوئی خاص شے رونما ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے انوکھے احساسات رونما ہو رہے تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ میرے شعور اور جسم پر جو بیت رہی تھی وہ خاص تھی۔ میں کچھ نہیں کر رہا تھا بلکہ یہ کہ اسے اوپر خود بخود ہی ہو رہا تھا۔ میں آہستہ آہستہ اس مقام کی طرف جا رہا تھا جو میری منزل تھی۔ جو میرا قرار اور سکون تھا۔ میری تمام خواہشیں دم توڑ چکی تھیں بلکہ میں خالی تھا، یہی خالی پن شاید روحانیت کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے۔ میرا تمام کامل سکون کی حالت کی طرف جا رہا تھا۔ اتنے عرصے میں مختلف دائروں میں گھوم رہا تھا اور ان دائروں میں گھومتے گھومتے آخر کار میں اس جگہ یا مقام کے قریب آ رہا تھا جس کی مجھے تلاش تھی۔

جب میری تمام خواہشیں ختم ہو گئیں تو اسی دن یا اگلے دن کچھ ہونا شروع ہو گیا تھا جس کی تلاش میں کتنے عرصے میں کوشاں تھا۔ جب تک آپ اپنی خواہشوں کے غلام ہوتے ہو، روحانی ترقی نہیں ہوتی۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ اب کوئی خواہش رہنا نہیں رہی تو اسی وقت جب آپ مرجاتے ہو، مرنے سے پہلے اسی لمحے آپ کا نیا جنم ہونے لگتا ہے۔ ایک ماہ بعد میں ایک انوکھی دنیا میں داخل ہو گیا تھا۔ نیم خوابیدگی ہر وقت میرے اوپر طاری رہتی۔ مجھے اکثر لگتا کہ میرا گوشت جسم کا جسم تحلیل ہوتا جا رہا ہے اور میں روشنی کے جسم میں ڈھلتا جا رہا ہوں۔ مجھے اکثر احساس ہوتا کہ میرے اندر کوئی اور بھی

پس گئی جان تھکے اندر جیویں ولین دے وچ گنا

انتابو رسک صرف جنونی یا پاگل یا مجذوب ہی لے سکتا ہے یا جو دنیا سے کٹ گیا ہو یا بقول دنیا داروں کے کاذب تہن تو از ن بگڑ چکا ہو۔ جہاں پر باباجی نے یہ وظیفہ کیا تھا وہ جگہ اور پورا گاؤں دریا برد ہو چکا تھا۔ کافی سال پہلے سیلاب کی تند و تیز موجیں گاؤں کو بہا کر لے گئیں اور آج ایک بھی نشان باقی نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ یہاں پر کبھی بہت سارے انسان زندہ تھے۔ ایک اندازے کے مطابق کہ یہاں پر باباجی نے وہ خاص وظیفہ کیا تھا۔ میں ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھا تھا اور کافی عرصہ باباجی کی باتیں اور سرایا یاد کرتا رہا۔ مجھے شدت سے باباجی کی اور ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں کافی دیر غور فراموشی کے عالم میں دنیا سے کٹ کر بچپن کی یادیں تازہ کرتا رہا۔ مجھے والد صاحب کی بھی بہت یاد آئی۔ ان کا کافی وقت یہاں گزرا تھا اور وہ، ان کے چاہنے والوں، عزیزوں نے یہاں پر ایک بھر پور زندگی گزاری تھی۔ اگر سیلاب نہ آتا تو پورا گاؤں کا پورا گاؤں آج بھی یہاں ہوتا تھا اور شاید میں بھی ادھر ہی کہیں ہوتا۔ میرے والد صاحب، ان کے بہن بھائی میری والدہ محترمہ ناناجی، تایاجی اور ماموں جی سب لوگوں نے یہاں پر اپنا بچپن اور جوانی گزاری۔ آج کل یہاں پر دریائی پانی نہیں تھا۔ اصل میں بارشوں یا سیلابوں کے آنے سے دریا ادھر کا بھی رخ کر لیتا تھا ورنہ وہ اپنے پرانے راستے پر ہی رواں رہتا تھا۔ جن لوگوں کی فطرت میں روحانیت اور قرب الہی کی کھوج ہوتی ہے وہ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ دریا کا پانی دریا کی مٹی اور مٹی کی خوشبو اور دریا کے پانی کا شور روحانی لوگوں پر ایک سحر طاری کر دیتا ہے۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں پہاڑوں کی طرف ریت ہی ریت نظر آرہی تھی۔ ایک پراسرار سا سکوت اور سناٹا چاروں اطراف پھیلا ہوا تھا۔ ریت کے ذرے ذرے اور کہیں کہیں ریت اور مٹی کے ٹیلوں سے خدا کی موجودگی کا شدت سے اظہار ہو رہا تھا۔ میں تو جب کبھی بھی پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور سمندر پر جاتا ہوں تو ایک عجیب سی کیفیت اور سحر میرے اوپر طاری ہو جاتا ہے بلکہ مناظر فطرت مجھے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں اور میرا دل یہی کرتا ہے کہ شہروں کے شور شرابے اور منافقت والی زندگی چھوڑ کر بندہ یہاں آ جائے اور ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہی گزار دے۔ مجھے جب کبھی بھی موقع ملتا ہے تو میں دریا پار کر بہت سارا وقت خاموشی میں گزارتا ہوں۔ اس خاموشی اور سکوت کی بھی اپنی ہی زبان ہوتی ہے۔ آپ کو شدت سے رب کعبہ کی قربت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ میری آج بھی شدید ترین اور اولین خواہش ہے کہ زندگی کے کسی موڑ پر بندہ یہاں آ کر ایک جھگی میں شب و روز قرب الہی اور مراقبہ الہی میں گزار دے۔ میں، میرا اللہ اور اس کا فطری ماحول، باقی کچھ نہ ہو۔ میں دو سے تین گھنٹے اسی سحر میں کھویا رہا، پھر واپسی کا سفر شروع کیا اور مری واپس آ گیا۔

مری آ کر میں نے بہت سارے رس اور جو کادلیہ، خشک دودھ اپنے گھر میں اکٹھا کر لیا۔ یہ وہ وقت تھا جب مری میں سردیوں کی تین ماہ کی چھٹیاں ہوتی ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ چھٹیوں سے تقریباً تین دن پہلے اپنا عمل شروع کروں گا۔ مری میں اپنے ایک مرید نما دوست سے ساری بات شیئر کی اور اسے کہا کہ روزانہ مقررہ وقت پر آ کر وہ مجھ سے بات کیے بغیر چلا جایا کرے گا۔ دوسرا اس کے پاس میرا پی ٹی سی ایل نمبر بھی تھا۔ جو لوگ مری میں رہتے ہیں، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اہل مری سردیوں میں راولپنڈی شفٹ ہو جاتے ہیں اور وہاں ہی سردی کے اختتام پر آتے ہیں۔ یہی حال ہمارے کالج کے اساتذہ کا

ہے جو سو رہا ہے، کبھی وہ جاگ جاتا ہے کبھی وہ سو جاتا ہے۔ خواب یا بیداری میں بے شمار موجودہ اور مستقبل کے اشارے شروع ہو گئے۔ مجھے اپنے اندر پراسرار قوتوں، خارق العادات صلاحیتوں کا احساس بھی ہوتا۔ مدہوشی اور نیم سواری کی حالت میں مجھے گھبراہٹ تھا۔ کامل استغراق جلدی حاصل ہو جاتا۔ ایک دن میں مراقبہ کر رہا تھا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے سر سے روشنی کا گولا ہے اور میرا جسم شیشے کا یا نور کا بن چکا تھا۔ میرے جسم کے اعضاء سے روشنی نکل رہی تھی۔ میں کالی حالت کو انجوائے کرتا رہا۔ کبھی یہ روشنی بہت تیز ہو جاتی، کبھی دودھیا روشنی پورے کمرے میں پھیل جاتی۔ کبھی میرے سر سے روشنی پورے جسم میں پھیلی نظر آتی۔ مجھے لگتا میری رگ رگ سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اکثر مجھے اپنے جسم سے تیز تشنگانے کا احساس ہوتا۔ میرے باطن میں کوئی مخفی خزانہ تھا اور اس کا دروازہ کھل گیا تھا۔ باطنی جسم کی مخفی قوتیں آہستہ بیدار ہو رہی تھیں۔ ایسے خواب نظر آتے کہ میں کسی اور دنیا میں ہوں اور وہاں پر بہت زیادہ بزرگ سفید اور سیاہی میں نظر آتے۔ پتہ نہیں یہ کوئی دنیا کا مقام تھا کہ جنت تھی۔ ایسے ایسے خوبصورت مناظر کہ بتانا مشکل، ایک حیرت انگیز تھی۔ اکثر ان مناظر کو دیکھتے ہوئے کیف و سرور کی ناقابل بیان کیفیت میرے اوپر طاری ہو جاتی اور میں مدہوش ہو جاتا۔ ایک دن میں نماز کے بعد درود شریف پڑھ رہا تھا کہ میرے دل سے نور کا سیلاب چاروں طرف بہنے لگا اور میں مجھ سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ایسی حالت طاری ہوئی کہ اندر باہر ہر طرف نور ہی نور ہوتا تھا۔ ریزہ کی ہڈی میں درد ہوتا، میرے جسم کے مختلف حصوں سے شاید انرجی خارج ہونا شروع ہو گئی تھی۔ جب بھی کس میں درد ہو تو کیف و سرور کی ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ انجمن کے بیان کرنا مشکل ہے۔ میرے اندر مختلف جگہوں سے انرجی نکلنے کا جو احساس ہوتا یہ شاید لطائف تھے یا روحانی جو صوفیائے کرام ریاضت اور مجاہدوں سے بیدار کرتے ہیں۔ میں آہستہ آہستہ عارضی استغراق سے دائمی استغراق کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ان دنوں میں کیف و سرور کی جن کیفیات اور مشاہدات میں سے گزر رہا تھا ان کو بیان کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض اوقات چاروں طرف مسحور کن خوشبوئیں پھیل جاتیں کہ مدہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور میں اپنے وجود اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر نیم بے ہوش یا کمزوری کے عالم میں گر جاتا اور کئی کئی گھنٹے اسی حالت میں ہی گزار دیتا۔ ایک بات کی سمجھ مجھے آج تک نہیں آئی کہ اکثر میرے ہونٹ شہد یا کسی پھل کے ذائقے سے میٹھے ہو جاتے۔ بعض اوقات لذت اور ذائقے آپس میں چپک جاتے اور مجھے لگتا میں نے شہد یا پھل کو اصل میں کھایا ہے۔ خوابوں میں نیک بزرگوں کی بار بار زیارت ہو رہی تھی۔ میں اکثر مراقبہ میں جب اسم ذات یعنی دل پر سنہرا اللہ کا تصور کرتا تو اکثر یوں محسوس ہوتا کہ روشنی کا دودھیا بلب دل میں آن ہو گیا ہے جس کی تیز روشنی سے دل و دماغ اور پورا جسم جگ جگ مگ مگ کرنے لگتا۔ کبھی باپ یا پہلو تشنگانے کا شکار ہو جاتا اور جسم سے ہلکی ہلکی تشنگانے کا احساس ہوتا۔ پتہ نہیں یہ کوئی دنیا سے ناپیدہ قوت تھی جو اپنے سحر میں جلتے پڑتی تھی۔ میں ایک ایسے عالم فراوانی میں تھا کہ لفظوں میں بیان کرنا مشکل۔ میرے جسم کی بہت ساری کثافتیں ختم ہو گئی تھیں۔ اکثر میرے جسم سے خوشبوئیں نکلنے کا احساس ہوتا۔ پورا کمرہ اور میرا جسم مسحور کن خوشبوؤں سے مہک جاتا۔ ایک دن ایسی مدہوشی چڑھی کہ میں سو گیا یا نیم بے ہوش ہو گیا۔ اب میرا دوست آیا کیونکہ میں سو رہا تھا، اہل درمیان یہ طے تھا کہ میں مقررہ وقت پر ڈرائنگ روم کی کھڑکی کے پاس آؤں گا اور وہ مجھے دیکھ کر چلا جائے گا۔ اگر میں غریب

نہ ہوں، خصوصاً جبکہ پر تو وہ زور زور سے دروازہ بجائے گا، لہذا جب میں اسے کھڑکی میں نظر نہ آیا تو اس نے زور سے دروازہ بجا دیا۔ جب میں کافی دیر نہ اٹھا تو اس کے پاس تالے کی چابی تھی، وہ کھول کر اندر آ گیا۔ اب اس نے ڈرائنگ روم کے دروازے کو بجانا شروع کر دیا تو میں اٹھ گیا اور اسے اشارہ کیا کہ میں اوکے ہوں، تم جاؤ تو وہ چلا گیا۔ جب اٹھنے کا دن رہ گئے تو ایک رات کو میں مراقبہ کر رہا تھا تو اچانک میرے دماغ میں تیز آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ کمرے کے دروازے پر بھاری وزن کا احساس ہونا شروع ہو گیا۔ میرے جسم اور خاص طور پر سینے میں بھونچال آیا ہوا تھا۔ درد و ان کا تازہ یاد تھا جیسے کہ میرا جسم آج دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ آنکھیں بند کرتا تو اندر چنگاریاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میرا جسم پلاسٹک کا ہو گیا ہے۔ میں پورے کمرے میں پھیل گیا ہوں۔ بازو بہت لمبا ہو گیا ہے۔ ایک دم مجھے لگا، میرا جسم دو حصوں میں تقسیم ہونے لگا ہے۔ اچانک مجھے لگا میرے جیسا ایک اور جسم سائے کی طرح میں سامنے آتا ہے اور چھپ جاتا ہے۔ کبھی آتا، کبھی چلا جاتا یہ سایہ تھا یا میرا وہم۔ میرے اوپر عجیب خوف اور غم طاری تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرے جسم میں کچھ ایسے تغیرات واقع ہو رہے ہیں جن کی وجہ سے شاید جسم کی حالت کم ہو گئی تھی اور لطافت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ میرے جسم کی کیمسٹری شاید ایک بڑی تبدیلی کے عمل سے گزر رہی ہے۔ کافی دیر یہ حالت قائم رہی پھر میرے اوپر استغراقی حالت آنے لگی اور میں اس میں ڈوبتا چلا گیا لیکن ڈوبنے کے بعد اس میں احساس ہوا کہ میں ایک نئی دنیا میں آ گیا ہوں اور ایک بے کراں ذات میں کھو رہا ہے یا پتہ

نہیں میں کتنی دیر سو یا اور پتہ نہیں رات کا کونسا پہر تھا کہ میں نیند سے جاگ گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ میرے کمرے میں میرے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ نیم تاریک کمرے میں کھڑکی سے تھوڑی تھوڑی روشنی چاند کی آ رہی تھی اور میں چپ چاپ لیٹا یہ دیکھ رہا تھا کہ میرا ہی اپنا ایک اور جسم میرے سامنے موجود تھا۔ میں اس منظر کے لیے بالکل بھی تیار نہ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ خواب ہے یا حقیقت، میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں، لہذا میں ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا تو کمرے کے علاوہ جو بھی کمرے میں تھا ایک دم غائب ہو گیا۔ میں کتنی دیر یہ سوچتا رہا کہ یہ خواب تھا کہ حقیقت۔ جب مجھے کچھ یاد آیا تو میں اٹھا اور وضو کر کے نوافل پڑھنا شروع کر دیے۔ آج میں جب یہ لکھ رہا ہوں تو سوچتا ہوں کہ شاید وہ میرا ہم زاد تھا کیونکہ جب بھی کوئی سالک ارتکاز اور مراقبہ کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے تو ہم زاد خود ہی سامنے آ جاتا ہے۔ وہ رات بہت انوکھی تھی۔ اس رات مجھے لگا کہ شاید میرا وجود پاش پاش ہو کر ہزاروں ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائے گا۔

میرا ہم معدوم ہوتا جا رہا تھا اور ایک نئے وجود کے ہونے یا نمودار ہونے کا احساس بڑھ رہا تھا۔ میں گھنٹوں مراقبہ کرتا۔ جب میں بہت گہرائی میں اترتا تو اکثر مجھے محسوس ہوتا کہ عالم غیب کے دروازے کھلنے لگے ہیں۔ دوران مراقبہ اور نیند میں کانوں میں سرگوشیاں شروع ہو جاتیں۔ کبھی یہ سرگوشیاں مانوس اور کبھی غیر مانوس ہوتی تھیں۔ کبھی بہت واضح اور کبھی مدھم آواز میں۔ اُٹری دنوں میں اکثر یہ بھی محسوس ہوتا کہ کچھ بیوے میرے پاس بیٹھے ہیں یا ادھر ادھر گھوم رہے ہیں اور وہ مجھ سے مخاطب کر رہے ہیں۔ کیونکہ میں بہت ناتواں اور کمزور ہو چکا تھا اس لیے شدید خوف میں گھر جاتا۔ ایک دن تو مجھے محسوس ہوا کہ

میرا تھوس وجود تحلیل ہونا شروع ہو گیا ہے اور شاید آج غائب ہو جائے گا۔ دورانِ مراقبہ مجھے گہری کھائی میں یا محسوس
 جارہا ہوں۔ اچانک یہ کیفیت ختم ہو جاتی اور میں بے سدھ ہو کر گر پڑتا اور اسی نیم خوابیدگی کے عالم میں کتنی دیر جا
 مدہوشی اتنی ہوتی کہ مجھے لگتا میرا جسم اکڑ گیا ہے یا فالج کا شکار ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ سکتہ اتنا شدید ہوتا کہ میں ایک
 بن جاتا اور پتھرائی آنکھوں سے بے حس و حرکت پڑا رہتا اور پھر میری توانائی بحال ہونا شروع ہو جاتی تو میں نارمل ہوا کرتا
 ان آخری دنوں میں اکثر مجھے محسوس ہوتا کہ میرے مادی جسم کے احساسات ختم ہوتے جا رہے ہیں اور
 روشنی یا نور میں ڈھلتا جا رہا ہے یا یہ Feel ہوتا کہ میں خالی وجود سے نوری وجود میں ڈھل رہا ہوں بلکہ ایک ہار
 مراقبہ یا استغراق میں اچانک مجھے لگا کہ میرا مادی وجود غائب ہو گیا۔ میں نے فوری مراقبہ بند کر کے آنکھیں کھول
 لیکن آنکھیں کھولنے کے بعد بھی میرا مادی جسم نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں بار بار دیکھنے اور محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا
 میرا مادی وجود بدستور غائب تھا۔ نہ چھونے کا احساس اور نہ ہی وزن کا احساس ہو رہا تھا۔ اب کیا کروں میرا مادی وجود
 گیا۔ میں کیا کروں وہ کدھر ہے۔ میں نے جھٹکے سے کھڑا ہونے کی کوشش کی تو اچانک میں نے خود کو اپنے مادی وجود
 پتہ نہیں یہ خواب تھا کہ حقیقت تھی۔ اکثر مجھے اپنے مادی جسم کے ارد گرد روشنی کا ہالہ نظر آتا۔ ایک بار مراقبہ کرتے ہوئے
 گہرا استغراق طاری ہو گیا۔ میں اس استغراقی حالت میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ خود فراموشی کی اُس انتہا پر پہنچ گیا کہ مجھے
 سانس رک گیا ہے۔ کیونکہ میں عرصہ سے جس دم بھی کر رہا تھا اس لیے سانس روکنے کے بعد مجھے پتہ تھا کہ کس طرح
 سانس لینا ہے لیکن میرے اوپر ایک ایسی فوجی کیفیت اور کامل استغراق طاری تھا کہ مجھے سانس کی آمد و رفت بھی
 نہیں ہو رہی تھی۔ اور پھر یہ حالت ختم ہو گئی اور مجھے سانس کی آمد و رفت محسوس ہونے لگی۔ اُن آخری دنوں میں بعض اوقات
 اداسی ختم ہو جاتی اور ایسی سرشاری اور نشہ نصیب ہو جاتا کہ دنیا کے تمام دکھ اور پریشانیاں بھول جاتا۔ میں اُس سرشاری
 ایسا کھوتا کہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا۔ اکثر مجھے باطنی نظر کے کھلنے کا احساس ہوتا۔ مجھے لگتا میرے ظاہری اور باطنی
 ایک ہو رہے ہیں، پتہ نہیں عجیب احساسات تھے۔ کیونکہ میں یہ اپنی زندگی کا مشکل ترین وظیفہ یا چلہ کر رہا تھا اور اس
 دوران جو مشاہدات، کیفیات، روحانی اور جسمانی طور پر میں محسوس کر رہا تھا وہ میرے لیے بالکل نئی تھیں، کیونکہ
 ریاضت اور عبادت کے بعد بھی میں اُس موڑ یا مقام پر تھا کہ میرے سامنے واضح راستہ یا لائحہ عمل نہیں تھا۔ کیونکہ اب
 زندگی اور موت کے درمیان کھڑا تھا اور مجھ سے فیصلہ نہیں ہو رہا تھا اس لیے آخر کار پروردگار کو میرے اوپر ترس اور
 طرح پیار آ گیا کہ مجھے میرے مرشد کے درشن کرا دیے جائیں یا اب میرا جسم اس قابل ہو گیا تھا لہذا وظیفہ پورا ہونے
 ابھی دو دن باقی تھے جب مجھے اپنے مرشد کا دیدار ہو گیا اور مرشد کے درشن ہو گئے۔

حضرت بری امام سرکار کے روحانی فیضان کا آغاز

اس روحانی سفر میں مرشد کی تلاش میں کئی مزارات پر جا چکا تھا، بے شمار نام نہاد پیروں بزرگوں سے مل چکا تھا

میں سمجھتی تھی کہ اتنا قریب ہونے کے باوجود میں بری امام شہنشاہ سرکار کے مزار پر کبھی بھی نہیں گیا تھا اور نہ ہی کبھی سرکار کا
 دیکھا تھا۔ میرے ساتھ اتنا کچھ ہو چکا تھا اور ہورہا تھا۔ میں ابھی بھی حیرت اور تجسس میں تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ مرشد کی
 باتوں سے احساس دلاتی کہ کاش میرے مرشد ہوتے۔

میں جن سے راہنمائی لیتا ان سے ہر بات Share کرتا وہ میرے سر پر ہوتے لیکن سرکار تو پہلے دن سے
 میرے سر پر تھے، میں سرکار کی سلطنت میں تھا، وہ میرا تماشا اور سفر دیکھ رہے تھے، بس وقت کا انتظار تھا۔ اب وہ وقت آ گیا
 کہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اب مرشد سے رابطہ ضروری ہے۔

میں استغراق، خواب یا مراقباتی حالت کے عروج پر تھا۔ میرے جسم کی تمام کثافتیں تحلیل ہو چکی تھیں۔ میری
 کئی اور موت ایک کچے دھاگے سے بندھی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میں اس فانی دنیا سے دوسری دنیا یا موت کی وادی میں
 جاؤں اور مادی اور محسوس جسم میرا ساتھ چھوڑ چکا ہے یا میں کثافت کے بجائے لطافت میں ڈھل گیا ہوں۔

پچھلے کئی دن سے میں نے دودھ اور رس یا دلیہ کے علاوہ کچھ نہیں لیا تھا۔ میں روحانی لطافت کے اُس مقام پر تھا
 جس پر جسم کی ضرورت اور بھوک سے نجات پا چکا تھا۔ پچھلے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ سے ترک حیوانات اور طویل مراقبہ
 کرنے میں میرے اندر روشنی کے کئی سمندر بھر دیئے تھے۔ آج جب میں اُس کمزوری اور نقاہت کے بارے میں سوچتا ہوں

کہ شاید بار بار میرے ذہن میں آتا ہے کہ عظمت اپنی مرضی سے میرے ساتھ یہ سب کچھ کر رہی تھی۔ وہ اتنا مجھوں
 سے بڑھ کر کبھی بھی میرے اندر پیدا نہ ہوتی کیونکہ اُس عظیم دن صبح سے ہی میرے اوپر بغیر سانس کے مشقوں یا مراقبہ کے
 طاری طاری تھا۔ استغراق اور مدہوشی کا غلبہ اتنا زیادہ تھا کہ میری آنکھیں بوجھل تھیں۔ اس نشے، سرور اور استغراق کی

ساتھ بار بار میری پٹلیں بند ہو جاتیں اور میں بہت زور لگا کر اُس حالت سے نکلتا۔ شاید میرے حواس اور شعور بکھر چکا تھا۔
 میرا اپنے جسم اور دماغ پر کسی قسم کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ میرے ظاہری حواس پر میرے باطنی حواس غالب آ چکے تھے۔
 میرے جسم اور لاشعور کی مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ نفس تو کئی دن کا مغلوب تھا یا نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ ہے بھی کہ

نہیں۔ آج صبح سے میں نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرا معدہ اپنا کام کرنا بھول گیا ہے یا جسم محسوس غذا کا اب
 دل نہیں رہا۔ میں بے وزن تھا۔ کشش ثقل ختم ہو چکی تھی اور مجھے لگ رہا تھا کہ آج کچھ ہونے والا ہے۔ زندگی یا موت۔
 دل کی بات اور تلاش ختم ہونے والی ہے۔ میں اپنی زندگی کے سب سے کٹھن اور نازک موڑ پر تھا۔ یہ میری زندگی کی عظیم ترین

حالات میں سے ایک تھی کیونکہ بار بار میرے اوپر استغراق اور مدہوشی طاری ہو رہی تھی اور اب رات آدھی سے زیادہ گزر چکی
 تھی میں نے اپنا وظیفہ پورا کر لیا تھا لہذا اب سانس کی مشقوں کے بعد جب میں نے مراقبہ شروع کیا تو جلدی کیفیت بنتا
 جا رہا تھا۔ گویا محسوس ہوا کہ وزن نہیں ہے، میں اپنے اندر اترتا جا رہا تھا جیسے کسی عمارت میں انتہائی گہرائی میں گرتا جا رہا تھا، شاید میں

گہرا جا رہا تھا، ذہن معدوم ہو رہا تھا، کیفیت سرور انگیز بھی تھی، عجیب حالت تھی، بیدار بھی، خوابیدہ بھی، سرور بھی، اذیت بھی،
 دل محسوس بھی، سکون بھی تھا اور بے سکون بھی لگ رہا تھا۔ آج کچھ ہونے والا ہے۔ کبھی گھبراہٹ ہوتی کہ سب کچھ چھوڑ کر
 گھر سے بھاگ جاؤں، کبھی دل کرتا اپنے اندر اتر جاؤں، آگے کیا ہے؟ سینہ پر دباؤ تھا مجھے لگا میرا دم گھٹ رہا ہے، پھر

ایسے لگ رہا تھا کہ کوئی توانائی مجھ پر قابض ہو رہی ہے یا کوئی توانائی باطن سے ابھر رہی ہے جیسے کسی توانائی کے ہاتھوں ہوں۔ ایک دم مجھے احساس ہوا چاروں طرف دودھیا روشنی پھیل گئی ہے۔ میں نے ڈر کر آنکھیں کھول دیں۔ میں وہاں چکا تھا پورے کمرے میں روشنی ہوئی تھی بلکہ مجھے لگا جیسے میں پورے کے پورے کمرے میں پھیل گیا ہوں۔

حیرت اُس وقت ہوئی جب مجھے لگا میرے جسم سے روشنی کا ایک اور جسم نکل کر سامنے کھڑا ہے۔ تجسس اور دلچسپی عالم طاری تھا۔ میرا وہ جسم کمرے میں ادھر ادھر جا رہا تھا۔ میں کھلی آنکھوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا میں اندر میرے جسم سے نکل کر تاتا تھا اب سارا کمرہ روشنی اور نور سے بھرا ہوا تھا۔ میں مراقباتی کیفیت میں بیٹھا بھی تھا اور باہر بھی کھڑا تھا میں اپنے جسم سے باہر کھڑا تھا اور ادھر ادھر جا رہا تھا۔ اچانک میں کمرے سے باہر آ گیا، میں نے اڑنا چاہا تو اڑنا شروع کر دیا، میں آگیا، ادھر ادھر میرا روشنی کا جسم میری مرضی سے پرواز کر رہا تھا، میں زمین پر بھی تھا اور فضا میں بھی، میں اپنی مرضی سے ادھر جا رہا تھا۔ حیرت، تجسس اور ایک عجیب سا خوف اپنے عروج پر تھا، پھر میں اپنے جسم میں واپس آ گیا۔ روشنی اور نور میں بھرا ہوا تھا، میں شدید حیرت میں تھا۔ اچانک مجھے لگا پردہ غیب سے کوئی بہت ہی نورانی بزرگ نمودار ہو گئے ہیں، ان کے خادم بھی ساتھ تھے۔ میں حیرت اور تجسس کی انتہا پر یہ سب دیکھ رہا تھا مجھے لگا کوئی جن موکل وغیرہ آ گئے ہیں۔ (ارے ارے) پوچھا کہ آپ کون ہیں تو خادم نے بتایا شاہنشاہ کو ہزار بری امام سرکار ہیں۔ میں حیرت اور خوف میں تھا مجھے یقین نہ آیا۔

لیکن میں نے ادب سے شہنشاہ کو ہزار کو سلام کیا۔ ہر سرکار کے چہرے پر ایسا نور تھا، آپ کے چہرے پر چاندنی جیسا نور اور ملکوتی مسکراہٹ بھی تھی۔ آپ پیار بھری نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ سرکار کے چہرے پر نور تھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی بہت بڑی روحانی ہستی ہیں۔ کیونکہ میں بہت کمزور ہو چکا تھا اتنا کہ نقاہت نہیں سکتا تھا۔ میں بے جان بت بنا سرکار کو دیکھ رہا تھا۔

سرکار کافی دیر مجھے دیکھتے رہے۔ سرکار کی نظروں میں وجدانی سحر تھا اور میں اُن کے دلفریب اور روح پرور سحر کو گھو گیا تھا بلکہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو چکا تھا۔ میں اپنے جسم اور روح سے بھی بے خبر ہو چکا تھا۔ میں سحر زدہ نظروں سے آپ کو دیکھتا رہا۔ مجھے لگا آپ مجھے اشارے سے اپنے پاس بلا رہے ہیں لیکن میرے وجود میں تو اتنی جان اور ہمت نہیں تھی کہ میں اٹھ سکتا۔ سرکار نے پھر اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا تو مجھے لگا اچانک میرے جسم میں توانائی آ گئی ہے اور میں نے آپ کی تو کھڑا ہو گیا۔ میں لڑکھڑاتے قدموں سے سرکار کی طرف بڑھا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ یہ میں نہیں جا رہا بلکہ کوئی قوت یا سحر روحانی تصرف ہے جس کی وجہ سے میں آپ کی طرف گیا ہوں۔ میں جیسے ہی قریب پہنچا سرکار نے مجھے پکڑا اور اپنے ساتھ قریب کر لیا۔ میں مدہوشی کی انتہا پر تھا۔ سرکار نے میرا کرتا اٹھا کر میرا سینہ تنگا کر دیا اور پھر اپنا کرتا مبارک اغا کر اپنا منہ فرمادیا اور مجھے پکڑ کر اپنے سینے سے لگالیا اور فرمایا لو بچے اپنا لنگر لے لو۔ تمہارا فیض اور حصہ میرے پاس تھا آج جی ہر کے حصہ لے لو۔ میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔ مجھے لگا کہ لاتعداد انوار معرفت اور روشنیاں آپ کے نورانی سیدہ ہمارے سینے میں آ رہی ہیں۔ انوارات اور نور کی بارش اتنی تیز تھی کہ مجھے لگا میرا سینہ اس نور اور انوارات کو برداشت نہیں کر پائے گا اور پھٹ جائے گا۔ میرے اوپر جذب و سحر، مستی چھا چکی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا کہ میرا سینہ اور جسم نور میں اصل

مادی جسم کی جگہ نور ہی نور میرے جسم اور اطراف میں ہے۔ انوارات کی بارش اتنی زیادہ تھی کہ میرا سینہ اور جسم نور سے
 بھرے اوپر ایسی حالت طاری تھی، آسمانوں کی وسعتیں اور زمین کا ذرہ ذرہ اس طرح روشن تھا کہ جیسے میری ہتھیلی یا
 ہاتھ ہر چیز نظر آ رہی ہے۔ ہمیری نظر آسمان اور زمین کے اندر میلوں دور تک دیکھ رہی تھی۔ اسی حالت میں سرکار کا مزار
 دکھایا گیا اور کہا گیا کہ صبح وہاں پر آؤ۔ پتہ نہیں انوارات کی بارش کتنے لمحے یا کتنی صدیاں میرے اوپر ہوتی رہی۔ اس
 گفتگو بھی ہوئی۔ نشہ، سرور، مستی، جذب، استغراق، زندگی، موت، خواب یا حقیقت آخر سرکار مجھے لنگر دے کر چلے
 اس کے بعد روحانی سیر کا وہ سفر شروع ہوا جو آج بھی جاری و ساری ہے اور موت تک جاری رہے گا۔

روشنی ختم ہو گئی اور میں بھی واپس اپنے ہوش میں آ گیا۔ پتہ نہیں یہ خواب تھا یا حقیقت؟ ساری رات حیرت اور غم میں گزر گئی۔ صبح ہوتے ہی سرکار امام بری کے دربار پر پہنچا۔ دور سے ہی دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ یہ وہی دربار تھا جو کبھی مجھے دکھایا گیا تھا۔ میری صدیوں کی تلاش اور صحراؤں کی پیاس کو قہرا آ گیا۔ مجھے میرا مرشد مل گیا میں امر ہو گیا۔ میں رات تک بچر تھا شاداب ہو گیا ایسی نورانی بادش بری کہ سب کچھ مل گیا۔ سرکار امام بری کے دربار پر جا کر میں یقین کی بات کیا گیا۔ پھر سرکار امام بری نے مجھ گناہ گار کو ایسا گلے سے لگایا کہ سمندر پلا دیا۔ میری ساری حسرتیں اور تلاش ختم ہو گئی۔

اس کے بعد میں مختلف درباروں پر حاضری دیتا رہا اور صاحب مزار سے گفتگو اور ملاقات بھی یہ سب کسی اور

سب سے پہلے وہاں کسوں کا نائب بن کر علاج باقاعدہ لکھ دیا گیا، مختلف چیزیں بتائی گئیں۔ اب میں بری امام

الہی غلامی میں آچکا تھا۔ سرکار بری سرکار کی راہنمائی میں ایک نئے سفر کا آغاز ہوا۔ سرکار نے سلوک کی بہت سی منزلیں

تیراوائیں۔ اور مری میں جھوم بڑھتا گیا سینکڑوں سے ہزاروں میں لوگ آتے اور میں بغیر معاوضہ کئی سالوں تک خدمت

کرتا جب رش ہزاروں میں چلا گیا تو رہنا بھی مشکل ہو گیا۔ پھر 10 سال پہلے مجھے لاہور آنے کا حکم ملا تو لاہور آ گیا اور

ابا تھ خواجہ غریب نواز سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی عطاءے رسول نائب رسول کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ پھر

سلطان الہند نے کچھ سال پہلے اجیر بلایا اور مجھے بھر دیا۔

میرے ساتھ جو کچھ بھی ہوا یہ میرے رب کی مرضی تھی اس کا کرم تھا، جو ہے اور رہے گا۔ بفضلہ تعالیٰ

روحانی مسافر متوجہ ہوں

پچھلے صفحات میں میں نے اختصار کے ساتھ اپنا روحانی سفر نامہ بیان کیا ہے۔ تفصیلاً بچپن سے لے کر آج تک کے روحانی واقعات، مختلف بزرگوں سے ملاقاتیں، مزارات پر حاضری، مختلف بزرگوں سے رابطے یا کشف القبور یا صاحب مزار سے روحانی رابطہ اور روحانی فیض یہ تمام چیزیں میں اپنی کسی اور کتاب میں تفصیلاً بیان کروں گا جس میں تفصیل کے ساتھ پاکستان کے مختلف بزرگوں سے رابطہ، ملاقاتیں، وظائف اور فیض کے علاوہ ہندوستان، متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب کے درویشوں سے ملاقاتیں، غارِ حرا، غارِ ثور اور مدینہ منورہ کے بزرگوں سے ملاقاتیں سب کچھ انشاء اللہ بیان

کروں گا جبکہ میرے روحانی معمولات و ذکر و اذکار، روحانی وظائف، برہا برس سے میرے مجربات جو میرے روحانی معمول ہیں، قرآن پاک کی سورتوں اور اللہ کے ناموں کے خواص پر مشتمل کتاب ”سرمایہ درویش“ میں بیان کیا گیا تاکہ عالمین اور روحانی مسافر اس سے بھی استفادہ حاصل کر سکیں۔

اس کے علاوہ کیونکہ روحانیت میں مراقبہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لہذا مراقبہ کیسے کیا جائے؟ تاکہ ہادی حجابات اٹھ جائیں اور باطنی حواس بیدار ہو جائیں، سانس کی مشقیں، جس دم اور دوسری تمام ضروری معلومات کو اپنی کتاب بعنوان ”مراقبہ“ میں تفصیلاً درج کروں گا۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا المیہ جادو، نظر بد، جنات اور شیطانی قوتوں کے پیدا کردہ مسائل ہیں اور علاج ان مسائل کے حل پر برہا برس سے میرے تجربات، روحانی وظائف اور تھیں / حقیقت اور علاج آسان فہم بنا کر دوسرے روحانی جنات حقیقت اور علاج میں تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ تصوف اور روحانیت پر باقی بہت ساری کتب بھی لکھنے کا ارادہ ہے تاکہ روحانی مسافروں کی مشکلات کو آسان کیا جاسکے۔

آخر میں چند باتوں کی وضاحت کرتا ہوں۔

میں ایک گناہ گار اور عاجز بندہ ہوں میرا رب ہی سب کچھ ہے پیرے رب کا خاص کرم ہے وہی اس سفر پر از شاہ و چ مانچسر حصہ دوم لاچار انسان کی لاج رکھتا جا رہا ہے۔

میں نے روحانی سفر نامہ مشاہدات اور کیفیات اس لیے بیان کی ہیں کہ روحانی مسافر ترغیب حاصل کریں اور ہمت نہ ہاریں آخر اللہ کی ذات منزل دے دیتی ہے۔ نہ میں عالم دین ہوں نہ ہی ادیب، اس لیے آپ سے التماس ہے کہ اغلاط کی نشاندہی کر دی جائے تاکہ آئندہ اشاعت میں اصلاح کی جاسکے۔

نوٹ: محترم قارئین پچھلے صفحات میں میرا تلاش حق کا سفر آپ نے پڑھا اب کتاب کے دوسرے حصے میں مختلف روحانی محافل میں میرے ہونے والے روحانی لیکچرز ہیں جن میں روحانیت، تصوف، شریعت، طریقت، فقہانیت، سلوک و معرفت، مرشد مرید کے تعلقات کی باریکیاں، روحانیت کے تمام اسرار و رموز آسان زبان میں بیان کیے گئے ہیں تاکہ متلاشیان حق اور روحانیت کے طالب علم ان سے اپنی پیاس بجھا سکیں۔ جو روحانی طالب علم آنے والے صفات میں بیان کیے گئے اسرار و رموز پر عمل پیرا ہوں گے وہ یقیناً اپنی منزل کو پہنچیں گے، انشاء اللہ۔



روحانیت کیا ہے؟

علم روحانیت وہ علم ہے جو انسان کے اندر کی دنیا یا دوسرے لفظوں میں ”من کی دنیا“ کو دریافت کرنے کے لئے اور ضابطوں پر بات کرتا ہے۔ انسان اپنے من کی دنیا کو پاتا اسی وقت ہے جب اس کی روح بیدار ہو جائے، اسی حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تاجدار ولایت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:

اَتَزْعُمُ اَنَّكَ جَرَمٌ صَغِيرٌ وَفِيهِ اَنْطَوٰى الْعَالَمُ الْكَبِيرُ

ترجمہ: کیا تو یہ بیان کرتا ہے کہ تو کائنات کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر ایک بہت بڑا عالم آباد کیا ہوا ہے۔

جب انسان کی روح بیدار ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنے اندر کی کائنات کی وسعتوں سے آشنا ہو جاتا ہے بلکہ اپنے انسان کے سامنے خارجی کائنات کی حقیقتیں کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کائنات کی ماورائی حقیقتیں اس کے ہر کاب اور ہموا ہوتی ہیں اسی حقیقت کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

اپنے ہی من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

اس علم کو عربی میں علم الاشراق، لاطینی میں مکیزم اور یورپ میں سپر نیچول ازم کہتے ہیں، علم روحانیت تمام مذاہب میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے۔ ہندو، بدھ، عیسائی، یہودی، حتیٰ کے لامذہب بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور ماورائی قوتوں کو حاصل کر سکتا ہے۔ تاریخ کے اوراق میں ایسے ہزاروں واقعات پھیلے ہوئے ہیں کہ غیر مذاہب کے لوگوں نے بھی علم روحانیت کے ضابطوں اور اصولوں پر عمل کر کے غیر مرئی قوتوں کو تسخیر کرنے کے عملی کارناموں کا مظاہرہ کیا۔ اس طرح کے واقعات کو شہرہ آفاق مصنف ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب مرحوم نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے ہم یہاں بطور تمثیل کچھ کو بیان کر رہے ہیں۔

ایک شخص نے لندن میں اعلان کیا کہ وہ لوہا پگھلانے والی بھٹی میں داخل ہو سکتا ہے۔ مدعی تبت کا نان مسلم تھا۔ اس نے مظاہرہ کیا۔ بھٹی روشن ہوئی۔ جب درجہ حرارت 500 ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچا تو وہ شخص بغیر کپڑے اتارے اور اس میں داخل ہو گیا تقریباً آدھ گھنٹہ بھٹی میں رہا اس کے کپڑوں کا ایک تار بھی نہ جلا جبکہ بکرے کی ایک ٹانگ اسی اثنا میں

جب بھٹی میں ڈالی گئی تو فوراً ہی وہ کونکہ بن گئی۔ اب یہ وہ طاقت ہے جس کو سمجھنے سے عقل اپنی تمام تر جولانوں کے عاجز ہے۔

اسی طرح ایک شخص نے یورپی ممالک کے مختلف شہروں میں چار افراد سے ملاقات کی اور وقت ایک ایک کو جرمنی میں، ایک کو برطانیہ میں، ایک کو سویٹزر لینڈ اور ایک کو چین میں ملا۔ سبھی کا وقت ملاقات ایک ہی تھا۔ ایک وقت چار مقامات پر کیسے ملاقات کر سکتا ہے؟ اس پر خود یورپی سائنسدان بھی حیران ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ جعفر زمان صاحبؒ جو کہ ضلع لہ کے ایک بہت بڑے مرد درویش گزر رہے تھے کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں کے زمانے میں ایک ہندو ”کنول نین“ تھا جو تحصیل کلہاں میں محسٹریٹ تھا۔ یہ کنول نین رائے بہادر ملوک چند ڈی سی کا بیٹا تھا۔ یہ شہر میں اس کی ایک کوٹھی بھی تھی جو اب محسٹریٹ میں سکول میں تبدیل کر دی گئی ہے۔ وہ یہاں کا رہنے والا تھا اسے ٹی بی ہو گئی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ صحت افزا پہاڑی مقام پر چلے جاؤ جہاں ہوا کا دباؤ کم ہو۔ وہ فوراً کانگرہ تحصیل کلہاں گیا جو مری ہلز کے علاقہ ہے جگہ ہے وہاں اس نے سرکاری ریست ہاؤس میں قیام رکھا۔ گرمیوں کی وجہ سے اس وقت کا گورنر بہاؤ گورنر بھی وہاں قیام پزیر تھا۔

انگریز گورنر اور ہندو محسٹریٹ کے درمیان دوران قیام مذہب کی بحث چل نکلی۔ گورنر عیسائیت کو ماننے دیتا تھا جبکہ محسٹریٹ ہندو ازم کے حق میں دلائل دیتا تھا۔ ایک دن ہندو محسٹریٹ سیر کرتے ہوئے ریست ہاؤس میں دور نکل گیا آسمان پر بادل چھا گئے اور بارش ہونے لگی ریست ہاؤس دور تھا قریب ہی اسے ایک جھونپڑہ نظر آیا۔ وہ اس کی خاطر اس جھونپڑے کے قریب گیا دیکھا کہ ایک سادھو آسن جمائے آلتی پالتی مارے مصروف ریاضت ہے۔ اس کے پناہ طلب کرنے پر اس ہندو سادھو نے پوچھا:

مہاراج! ہندو آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہے؟ محسٹریٹ نے جواب دیا کہ مریض آدمی ہوں مجھے سردی لگ رہی ہے چائے کی ضرورت ہے مگر وہ آپ کی جھونپڑی میں کہاں مل سکتی ہے؟

ہندو جوگی نے محسٹریٹ کو جھونپڑی کے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ محسٹریٹ جھونپڑی میں داخل ہوا تو وہ حیران رہ گیا کہ وہاں ایک میز کرسی لگی ہوئی ہے اور ایک آدمی کیلئے گرما گرم چائے رکھی ہے۔ اس نے چائے نوش کیا اور سادھو کا شکریہ ادا کر کے واپس ریست ہاؤس پہنچ گیا۔ اس کے بعد جب دوبارہ انگریز گورنر اور محسٹریٹ کی ملاقات ہوئی محسٹریٹ نے ہندو ازم کے حق میں پرزور دلائل دیے اور ہندو سادھو کا واقعہ بطور مثال سنایا کہ وہ بھگوان کے کس قدر متبع رہا ہے۔ اس بحث میں اُن دونوں نے فیصلہ کیا کہ ایک مرتبہ دونوں اکٹھے جا کر ہندو سادھو کے چنتکار کا معائنہ کریں گے چنانچہ وہ دونوں مل کر پہاڑی کے دامن میں ہندو سادھو کے پاس پہنچے۔

انگریز گورنر نے فرمائش کی کہ میں کرامت تب تسلیم کروں گا اگر ہندو سادھو انگلیٹنڈ کے فلاں ہوئیں۔ اسی لیے اسی وقت کھانا منگوادے۔ ہندو سادھو نے دونوں کو جھونپڑی کے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ محسٹریٹ اور گورنر معائنہ

کھانے کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دو آدمیوں کیلئے واقعی انگلیٹنڈ سے منگوایا ہوا کھانا رکھا ہوا ہے۔

انگریز گورنر نے تارخ اور وقت نوٹ کر لیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اسی پہاڑی پر وہ سیر کرتے ہوئے ذرا دیر کے لئے کچھ فاصلے پر انہیں اسی طرح کا ایک اور ہندو آلتی پالتی مارے بیٹھا نظر آیا۔ یہ دونوں اس کے پاس پہنچے اور انہماں داری چاہی۔ ہندو سادھو نے کوئی پیشکش کرنے کے بجائے بیزار سے معذرت طلب کی اور کہا کہ وہ اس علاقہ میں گوشہ نشین ہے اور کچھ پیش نہیں کر سکتا اس جواب پر اُن دونوں نے کہا کہ پہلے ہندو سادھو نے تو ان کی خاطر مدد کرتی ہے یہ سن کر ہندو سادھو چونکا اور ”پوچھا“ کہ کس نے دعوت کی ہے؟ انہوں نے پہلے والے سادھو کا اشارہ کیا۔ ہندو سادھو نے پہلے والے کی طرف یہ کہتا ہوا لپکا کہ ”وہ کون ہوتا ہے ہمارے راز افشا کرنے والا“ وہ لپکتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔ یہ دونوں بھی اس کے پیچھے بھاگے لیکن وہ سادھو ان دونوں سے پہلے راستے کی پروا کیے بغیر اُٹھ چکا تھا۔ جب وہ دونوں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوسرا سادھو پہلے والے سادھو کو قتل کر چکا تھا دوسرے سادھو کے ہاتھوں سے یہ دونوں افسران چشم پوشی نہ کر سکتے تھے اسے ان کے کہنے پر گرفتار کر لیا گیا اور اس پر مقدمہ قتل چلایا گیا۔

جس دن عدالت میں سادھو کی پیشی ہوتی ہے اس کو ہتھکڑی لگا کر کچہری میں لاتے ہیں۔ سادھو کے دونوں ہاتھوں میں لپی ہوئی ہے۔ انہیں ایک پولیس کا نیشنل کی بیٹ میں ہوتا ہے۔ کچہری کے احاطہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ کچہری میں کچھ دیر ہوئی تو سادھو نے کانٹیل سے کہا کہ مجھے سردی لگ رہی ہے کبل دو۔ اسے کبل فراہم کیا گیا وہ کبل کاٹ کر بیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد جب سماعت کیلئے آواز پڑتی ہے پولیس کا نیشنل سادھو کو اٹھانے کیلئے ہتھکڑی کی زنجیر ہلاتا ہے۔ کانٹیل کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔ کبل ہٹاتا ہے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ سادھو غائب ہے۔

بعد میں انگریز گورنر نے انگلیٹنڈ کے اس ہوٹل سے بذریعہ ٹیلی فون تصدیق کی اس تاریخ کو اس وقت میں وہاں سے کوئی کھانا لے گیا تھا تو ہوٹل کی انتظامیہ نے تصدیق کی کہ واقعی ایک سادھو مذکورہ وقت پر دو آدمیوں کا کھانا لے کر گیا تھا۔

اب آپ خود سوچیں یہ کارنامہ کس کا ہے؟ ایسا کام علم روحانیت کے ساتھ حاصل کی گئی غیر مرئی قوتوں کو بروئے کار لایا گیا جاسکتا ہے۔

ہم اس سے بھی پیچھے چلے جائیں تو ہمیں دور آئمہ اہل بیت میں بھی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ غیر مسلموں نے علم روحانیت کے ضابطوں پر عمل کر کے ماورائی قوتوں کو تسخیر کرنے کے عملی مظاہرے کیے۔

جیسا کہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ بنو عباس کے دور خلافت میں ایک شخص نے دربار میں آکر اپنے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کیا ہزاروں لوگوں نے امتحان لیا تو درست پایا کہ واقعی وہ غیب کی خبریں دیتا تھا اور ہر خبر عین واقعہ کے مطابق تھی۔ وہ شخص ہندو تھا اس کے زیر اثر بہت سے لوگ ہندو دھرم کو اپنانے لگے۔ نام نہاد خلیفہ وقت کا دماغ چکر ا گیا۔

محافظان اسلام کے جیسے تاجدار، سیدنا امام موسیٰ کاظمؑ کو دربار میں بلایا گیا آپ کے سامنے جب اس ہندو کو ہتھایا

گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہاتھ دراز کر رہا ہوں جب ہاتھ واپس آئے تو بتانا کہ اس میں کیا ہے۔ اس نے لول کہا اور
نے دست مبارک دراز فرمایا مٹھی بند ہوئی اور وہ بند مٹھی اس کے سامنے لا کر فرمایا بتاؤ اس میں کیا ہے؟
اس نے عرض کی حضور یہاں سے سیکڑوں میل دور ایک پہاڑ ہے اس کی ایک کھوہ میں ایک چھوٹا
پرندے نے دو انڈے دیئے ہیں ان میں سے ایک آپ کے دست مبارک میں ہے۔ امام پاک نے ہاتھ کھولا اور
ایک چھوٹا سا انڈہ آپ کے ہاتھ میں تھا تو ثابت ہوا اس کا علم درست تھا۔ امام نے فرمایا اچھا تم یہ انڈہ لو اور وہاں
رکھ دو جہاں سے ہم نے اٹھایا ہے یہ سن کر اس نے سر جھکا کر اقرار بخیر کیا کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔
دیکھو جہاں تک تمہارا علم کام کر سکتا ہے وہاں تک ہمارا ہاتھ جاسکتا ہے۔ وہ فوراً قدموں میں گر گیا اور کلمہ بھی پڑھا۔
کے بعد سر کرنے فرمایا ذرا یہ تو بتاؤ تمہیں یہ قوت کس طرح ملی؟ اس نے کہا کہ حضور علم روحانیت کے اصولوں اور
ضابطوں پر عمل کر کے مجھے یہ قوت ملی۔

عارفان حق نے کس طرح بھنگی ہوئی انسانیت کی تقدیریں بدلیں اس کا اندازہ ان بے شمار واقعات سے لگایا
سکتا ہے جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ ہم یہاں چند ایک کو بطور تمثیل ذکر کریں گے۔

والی کامل وغرنی کی طرف سے رائے راجو کو پنجاب کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ بعض روایتوں کے مطابق
عملیات میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے پنجاب کے لوگ اسے راجو جی کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک
جھوٹی اپنی درس گاہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے کہ ایک ہندو عورت سر پر دودھ کا مٹکا اٹھائے ہوئے سامنے
گزری۔ آپ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا۔

”خاتون! اگر تم یہ دودھ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو گی تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تمہاری گائیں بہت سارا
دیں گی اور ان کی صحت پر بھی خراب اثر نہیں پڑے گا۔“

”بابا! ہم یہ دودھ رائے راجو کو دینے پر مجبور ہیں۔“ ہندو عورت نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔
”اگر ہم رائے راجو کو دودھ نہ دیں تو ہمارے جانوروں کے تھنوں سے دودھ کے بجائے خون نکلنے لگتا ہے۔“
”انشاء اللہ! اب ایسا نہیں ہوگا۔“ حضرت سید علی ہجویریؒ نے فرمایا۔ ”تم تجربہ کر کے دیکھ لو۔“

ہندو عورت حضرت داٹا صاحب کی روحانی شخصیت سے کچھ اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے دودھ کا مٹکا آپ
کے حوالے کر دیا۔ آپ نے دودھ کی قیمت ادا کی، پھر تھوڑا سا دودھ پیا اور باقی دریا میں ڈال دیا۔

عورت نے شام کے وقت اپنے جانوروں کو دودھ پاتا تو حیرت انگیز طور پر گھر کے سارے برتن بھر گئے اور گائوں کے
تھنوں میں دودھ بھر بھی ختم نہیں ہوا۔ پھر یہ خبر آنا فانا قرب و جوار کے دیہاتوں میں پھیل گئی۔ غریب لوگ دور دراز کے
علاقوں سے دودھ لے کر حضرت داٹا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ تھوڑا سا دودھ پی لیتے اور ہاتھ
میں ڈلوادیتے، جب وہ دیہاتی دوبارہ اپنے جانوروں کو دودھ پتے تو ایسا لگتا کہ بھینسوں اور گایوں کے تھنوں سے دودھ کی آبار
اُبل رہی ہے۔ نتیجتاً لاہور کے تمام گوالوں نے رائے راجو کو دودھ دینا بند کر دیا۔ آخر کار پنجاب کا حاکم حضرت علی ہجویریؒ کی

میں تو اتنا حقیر و عاجز ہوں کہ اپنے ارادے سے اپنے ہاتھ کو بھی جنبش نہیں دے سکتا۔ حضرت داٹا صاحبؒ نے
اسی کے حکم سے ہو رہا ہے جو مالک الملک ہے، پرستش کے لائق ہے اور اپنی ذات میں واحد ہے۔ ہاں! اگر
اپنے ساحرانہ کمالات پر ناز ہے تو شوق سے دکھاؤ۔
رائے راجو بہت بڑا شعبہ باز تھا مگر جب اس نے حضرت سید علی ہجویریؒ کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا چاہا
تو اسے ہلکے ہلکے مسوں ہوا جیسے اس کا پورا جسم پتھر کا ہو گیا ہے اور وہ اپنی تمام ساحرانہ صلاحیتوں سے محروم ہو چکا ہے۔ آخر رائے
نے عاجز آ کر حضرت سید علی ہجویریؒ کے سامنے زمین پر سر رکھ دیا۔

پھر اہل لاہور نے یہ حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پنجاب کا حاکم اپنے باپ دادا کے عقائد سے
اپنے اوپر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضرت سید علی ہجویریؒ کے دست حق پرست پر مسلمان ہونے والا یہ پہلا شخص تھا۔
سید داٹا صاحبؒ کی ہجویریؒ کے در اقدس سے ہی فیض یاب ہونے والے خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ذکر بھی ہم
کے حوالے کر رہے ہیں کہ آپ کی روحانی عظمت کے مالک تھے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ ”سرزمین عرب و عجم کے مختلف شہروں شرقہ، بخارا، بغداد، ہمدان، تبریز،
ہمدان سے علم اور روحانی فیوض و برکات سپینے ہوئے جب لاہور پہنچے تو داٹا صاحبؒ کے مزار اقدس پر چلے کھی فرمائی آپ
نے وقت رخصت یہ شعر پڑھا۔

سج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل، کا ملاں را راہنما

لاہور سے روانہ ہو کر آپ دہلی سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہنچے۔ اجمیر شریف میں جس جگہ آپ نے قیام
لے لیا وہاں پر تھوڑی راج کے اونٹوں کے باندھنے کی تھی۔ شام کو جب ساربان اونٹوں کو اس جگہ پر باندھنے کے لیے آئے تو
انہوں نے حضرت خواجہ صاحبؒ سے کہا کہ آپ یہاں سے کسی دوسری جگہ چلے جائیں یہاں پر تھوڑی راج کے اونٹ
نہیں گے۔ آپ وہاں سے ”انا ساگر“ تشریف لے گئے اور چلتے ہوئے فرمایا ”کہ تم وہاں سے چلتے ہیں اب تمہارے
راج کے اونٹ ہی بیٹھیں گے۔“

صبح کے وقت جب ساربان اونٹوں کو چراگاہ کی طرف لے جانے کیلئے اٹھانے لگے تو ہزار کوشش کے باوجود کوئی
اونٹ کڑا نہ ہو سکا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹوں کو زمین نے جکڑ لیا ہے۔ عاجز آ کر وہ اپنے راج پر تھوڑی راج کے پاس پہنچے
اور اللہ سنایا۔ اس نے کہا کہ یہ اس فقیر کی بددعا ہے جاؤ اس کو تلاش کرو اور اس سے معافی مانگو۔ ساربان حضرت خواجہ
صاحب کی خدمت میں پہنچے اور معافی مانگی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا: ”اللہ مہربان ہے۔“

جب اس واقعہ کی شہرت ہوئی تو بے شمار ہندو آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کی شفقت آمیز اور ایمان افروز باتیں سن کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

اس طرح سرزمین ہند پر آپ کا تبلیغاتی نظام قائم ہو گیا۔ اجیر آپ کے اس نظام کا مرکز قرار پایا۔ آپ نے اپنے خادم کو وضو کے لیے پانی لینے کیلئے بھیجا۔ جب آپ کا خادم پانی لینے کے لیے ”اناساگر“ کے تالاب گیا تو وہاں خلاف معمول راجپوت سپاہیوں کی بھیڑ نظر آرہی تھی۔ حضرت خواجہ کے خدمت گار نے ان لوگوں کو بکسر لگا کر ان کے تالاب سے پانی بھرنا چاہا، لیکن پرتھوی راج کے سپاہیوں نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ ”تم لوگ اچھوت ہو، تالاب کو تمہارے گندے ہاتھوں سے ناپاک نہیں کروا سکتے۔ اگر پانی چاہیے ہو تو کوئی اور جگہ تلاش کرو۔“ پانی تو جانوروں پر بھی بند نہیں کیا جاتا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خادم نے نہایت شائستگی سے کہا۔

ہاں!..... ہم لوگ جانوروں پر پانی بند نہیں کرتے، مگر تم حیوانوں سے بھی بدتر ہو۔ پرتھوی راج یہاں سپاہیوں نے انتہائی نفرت آمیز لہجے میں حضرت خواجہؒ کے خدمت گار کو جواب دیا۔

اتمامِ حجت کے طور پر آپ کے خادم نے راجپوت سپاہیوں کو سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر وہ طاقتور اکثریت کے نشے سے سرشار تھے اس لئے انسانیت اور تہذیب کی زبان سے لکھے والی کوئی لفظ بھی ان کے دماغ پر انداز نہیں ہو رہا تھا۔ خادم مجبوراً واپس چلا گیا اور اپنے پیرومرشد سے تمام واقعہ بیان کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے خادم کی گفتگو کو غور سے سنا اور کچھ دیر تک سوچتے رہے۔ مسلمانوں کی یہ مختصر جماعت اپنے شیخؒ کی خاموشی پر دم بخود تھی، انہیں بھی اس بات سے شدید اذیت پہنچی تھی کہ پرتھوی راج کے حرکتوں پر اتر آیا تھا اور جس کے نتیجے میں ان کے پیرومرشد وضو کے پانی سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ راجپوت مسلمانوں کی ناطقتی اور بے سروسامانی پر بیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

حضرت خواجہؒ نے اپنے عقیدت مندوں کو صبر کی تلقین فرمائی، پھر اسی خادم کو جو کچھ دیر پہلے پانی لینے چلا تھا اپنے استعمال کا برتن دیتے ہوئے کہا کہ یہ برتن لے کر پانی لینے جاؤ۔

خادم حکم پاتے ہی دوبارہ ”اناساگر“ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب راجپوت سپاہیوں نے اسے اپنی جانب آگے ہوئے دیکھا تو وحشیوں کی مانند قہقہے لگانے لگے۔ خادم نے قریب پہنچ کر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے اللہ دہرا دیئے۔ خادم کا لہجہ ایک درخواست گزار کا لہجہ تھا اس لئے راجپوت کچھ دیر تک مسلمان کی بے چارگی اور اپنی برتری کے احساس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر ایک سپاہی نے بڑی حقارت سے کہا۔

”جا!..... آج تو تجھے ہم نے پانی کے چند قطرے بخش دیئے، مگر کل ادھر کا رخ نہ کرنا۔“ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا خادم بڑے سکون سے تالاب کے کنارے پہنچا اور اس نے اپنے پیرومرشد کے استعمال کا برتن پانی سے بھر لیا۔ چند لمحوں کی بات تھی۔ راجپوت سپاہیوں کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

ہم پر اسی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ ”اناساگر“ کا پانی ایک چھوٹے سے کوزے میں سمٹ آیا تھا۔ کچھ دیر پہلے پانی پر طاقت کے ذریعے پابندیاں لگائی جا رہی تھیں، اس کی حقیقت ظاہر ہو چکی تھی۔ راجپوت سپاہی پتھرائی ہوئی اگلوں سے اس تالاب کو دیکھ رہے تھے جس سے کل تک پورا علاقہ سیراب ہو رہا تھا اور اب اس میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ رہا تھا۔ راجپوتوں کے بقول یہ جادوگری کا ایک عظیم الشان مظاہرہ تھا۔ اگرچہ راجھستان کی پوری سرزمین ساحروں سے لبریز ہوئی تھی، لیکن پھر بھی ہندو ساحروں کے بقول مسلمان فقیر کا جادو ان سب پر حاوی تھا۔ یہ ناقابل یقین منظر دیکھ کر پرتھوی راج کے سپاہیوں پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ خود حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا خادم بھی لرزتے قدموں سے واپس آیا اور کانپتے لہجے میں واقعہ سنانے لگا۔ آج اسے پہلی بار اپنے پیرومرشد کی روحانی طاقت کا اندازہ ہوا تھا۔

”وہ کیسی ناپائیدار چیز پر جھگڑا کر رہے تھے۔“ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے انتہائی پر جلال لہجے میں خدا مطلق کی اس مختصر جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ ”جس تالاب کا پانی قدرتِ خداوندی سے اس فقیر کے کوزے میں سمٹ آیا ہے وہ خشک بھی ہو سکتا تھا۔ اگر اس کائنات کا خالق سمندر کو بھی سوکھ جانے کا حکم دے تو اسے اس کے ارادے سے کون باز رکھ سکتا ہے؟“

حضرت خواجہؒ کی ایمان افروز گفتگو سن کر مسلمان راجپوتوں کے افسردہ چہرے شاداب ہو گئے تھے۔ ہونٹوں کی گم شدہ مسکراہٹ لوٹ آئی تھی اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے پرتھوی راج چوہان کی طاقتور فوجوں سے اپنی شکست کا انکسار لے لیا ہو۔

پورے اجیر میں ہنگامہ برپا تھا جس نے بھی ”اناساگر“ کے خشک ہونے کی خبر سنی حیران رہ گیا۔ کوئی بھی اس حیرت انگیز واقعہ پر یقین کرنے کیلئے آمادہ نہیں تھا لیکن جب شہر کے باشندے تالاب کے کنارے جمع ہوئے تو انہیں اس خبر پر اظہارِ کرنا پڑا کہ صدیوں پرانا ذخیرہ آب ختم ہو چکا ہے۔ جن سپاہیوں نے اپنی آنکھوں سے ”اناساگر“ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے کوزے میں سمٹتے دیکھا تھا، وہ وحشت زدہ سے پرتھوی راج کے سامنے کھڑے تھے اور گریہ و زاری کے انداز میں اپنے حکمران سے کہہ رہے تھے۔

”مہاراج! ہم شرمندہ ہیں کہ آپ کے حکم کی تعمیل نہ کر سکے، لیکن اس کوتاہی میں ہمارے ارادوں کو کوئی دخل نہیں تھا، وہ سادھو اتنا بڑا جادوگر ہے کہ ہماری شمشیریں تک بے نیام نہ ہو سکیں۔ ہمارے ہوش و حواس، دست و پاؤں، جوش و خروش، عزم و شجاعت سب اس کے طلسم کے زیرِ اثر تھے۔ ہم اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کر سکے۔ اے راجپوتوں کے عظیم سردار! ہمیں معاف کر دیجئے کہ ہم بے قصور ہیں۔“ راجپوت سپاہیوں کی آواز خوف و دہشت سے لرز رہی تھی۔

خود پرتھوی راج بھی یہ اطلاع پا کر سراسیمہ ہو گیا تھا مگر وہ ان سپاہیوں کی موجودگی میں اپنی فکر و پریشانی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اناساگر پر متعین فوجیوں کو سخت ست کہہ کر دربار سے رخصت کر دیا اور دوسرے ہی لمحے اپنے چند رازدار مشیروں کو لے کر خلوت میں چلا گیا۔ پرتھوی راج ایک مسلمان فقیر کے بڑھتے ہوئے

اثرات سے خائف تھا۔ اس نے فوری طور پر اس مشکل کا حل تلاش کرنا چاہا، لیکن مشیروں نے اسے صبر و ضبط کی تلقین کی۔ ان کے خیال میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا مقابلہ صرف ہندوستان کے بڑے جادوگر ہی کر سکتے تھے اور اس سے چشم پوشی کرنی چاہیے تھی تاکہ مسلمان فقیر اپنی روحانی طاقت کے سلسلے میں حد سے زیادہ خود اعتمادی کا فکار نہ کرے۔ پھر عالم بے خبری میں ساحروں کے ذریعے اس کا کام تمام کر دیا جائے۔ پرتھوی راج کو اپنے مشیروں کی یہ جو بات لگائی اس نے فوری طور پر حضرت خواجہ کی خدمت میں معززین شہر کا ایک وفد روانہ کر دیا۔

اجمیر کے چند سربراہ اور وہ افراد نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے سپاہیوں کے گستاخانہ رویہ پر مبالغہ مانگی اور اس کے ساتھ درخواست کی کہ ”انا ساگر“ کی سابقہ حالت بحال کر دی جائے۔ ورنہ بہت سے انسان ہلاک ہو جائیں گے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کافروں کی اس شرارت سے باخبر تھے، مگر آپ نے اسلام کی رواداری اور رحمی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

”یہ تو حق کے نافرمانوں کیلئے ایک ہلکی سی تنبیہ تھی ورنہ ہمارا مذہب تو کسی کتے کو بھی پیاس سے تھکا دیکھ سکتا، یہ کہہ کر آپ نے خادم کو حکم دیا برتن کا پانی تالاب میں واپس ڈال دیا جائے۔

خادم اپنے بیرومرشد کے حکم کی تعمیل کیلئے ”انا ساگر“ کی طرف روانہ ہوا تو آپ نے راجپوت قوم کے لوگوں سے دوبارہ فرمایا۔ ”قدرت بار بار سرکشوں کو مہلت نہیں دیتی، اس لیے کہ تمہارے آباؤ اجداد کی زمین میں تمہاری جڑیں نہ بٹ جائے۔ بت پرستی کو چھوڑ کر خدائے واحد پر ایمان لے آؤ۔

راجپوتوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔ یہ کوئی احساسِ ندامت نہیں تھا دراصل وہ حضرت خواجہ چشتی سے نظر ملا کر ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ بھی اپنے دوسرے ہم مذہبوں کی طرح مسلمان فقیر کے جادو کا شکار نہ ہو جائیں۔ حضرت خواجہ اپنا فرض پورا کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد برپا کرنے والوں نے محبت کا یہ پیغام سنا، مگر ان کی نفرتیں کچھ اور شدید ہو گئیں۔ وہ اپنے سینوں میں سازش و انتقام کی آگ روشن کیے ہوئے چلے گئے۔

جب وہ لوگ واپسی پر ”انا ساگر“ کے قریب سے گزرے تو پہلے کی طرح پورا تالاب پانی سے بھرا ہوا تھا۔ پرستوں کے ذہن جلنے لگے اور وہ اسی حالت میں پرتھوی راج کے سامنے حاضر ہوئے اور اپنے حکمران کو تمام صورتحال آگاہ کیا۔ دوبارہ تنہائی میں مشورے ہونے لگے۔ بہت غور و فکر کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے مقابلے کے لیے شادی دیو کا انتخاب کیا گیا۔ ”شادی دیو“ ایک درازِ قامت اور تنومند جادوگر اجمیر کے سب سے بڑے مندر کا پہاری تھا۔ اپنے طاقتور جسم اور ساحرانہ کمالات کے باعث ایک دیو کی حیثیت رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ آس پاس کے علاقوں میں شادی دیو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ پرتھوی راج نے اس نازک مرحلے پر شادی دیو کو طلب کر کے ہندو مذہب کو درپیش خطرات کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس سے درخواست کی کہ وہ اپنے جادو کی بے پناہ طاقت کے سہارے دیوتاؤں کی ہستی کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر دے۔

شادی دیو نے اپنے سفلی علوم کے ذریعے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کا روحانی مقام جاننے کی کوشش کی۔

اس کی موت کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمان فقیر کو آسانی سے شکست نہیں دی جاسکتی۔ شادی دیو نے اپنے تابع کو طلب کیا۔ ایک شیطان نے اس سے سرگوشی کی۔ شادی دیو کے چہرے پر سرت و شادمانی کے گہرے سائے رقص کرنے لگے۔ اس نے پرتھوی راج کو خوشخبری سنائی کہ بالآخر وہ مسلمان درویش پر قابو پانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے مہین کی سانس لی اور شادی دیو حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ شادی دیو نے مختصر سے عرصے میں اپنے چیلوں کو نئے منتر سکھائے اور پھر ساحروں کی فوج لے کر اس طرف بڑھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قیام فرماتے۔ جیسے ہی جادوگروں کی یہ جماعت حق پرستوں کے قریب پہنچی تو وہ ہلاکت جو نئے نئے حلقہ اسلام میں داخل ہوئے تھے کچھ گھبرا سہ گئے۔ ان لوگوں نے ڈرتے ڈرتے حضرت خواجہ سے دعا کی کہ وہ اسے روکیں۔

”وہ پہلے بھی آئے تھے اور ناکام ہو کر چلے گئے تھے۔ اب ان کی دوبارہ آمد سے ہمارے کاموں میں کیا خلل آئے گا؟“ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اطمینان سے فرمایا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔

شادی دیو نے اپنا جنگی منصوبہ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ وہ اور اس کے ساتھ بہت سے چیلے طلسم پڑھتے ہوئے شادی دیو کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ ایک خاص فاصلے پر تمام جادوگر گھبر گئے۔ شادی دیو نے ان سے آگے بڑھنے کیلئے کہا کہ اس کے چیلے یہ کہہ رہے تھے کہ یہاں سے آگے جانے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ دراصل وہ یہ چاہتے تھے کہ شادی دیو مسلمانوں پر حملہ آور ہو اور وہ اس کی مدد کیلئے پچھلی صف میں رہ کر اپنے جادو کا استعمال کرتے رہیں۔ شادی دیو کی ساحرانہ قوت کے نشے میں ڈوبا ہوا تھا اس لئے وہ بے اختیار آگے بڑھا اور ساتھ ہی اپنے پیروکاروں کو ہدایت بھی کرتا گیا کہ وہ مسلسل منتروں کا ورد کرتے رہیں۔ اس طرح جو مسلمان اس کے حملے سے فرار ہو کر اس طرف آئے گا جل کر خاک ہو جائے گا۔ عجیب منصوبے تھے اور عجیب خوش فہمیاں تھیں۔

من در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال

ترجمہ: میں کس خیال میں الجھا ہوا ہوں اور آسمان کیا سوچ رہا ہے۔

شادی دیو حالتِ قہر میں اپنے ساحرانہ کمالات کا مظاہرہ کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں اور منہ سے بھڑکتے ہوئے شعلے نکل رہے تھے۔ یہ ایک دہشت انگیز منظر تھا اور اس کی ہولناکی میں شادی دیو کی گہرا ڈراؤ نے مزید اضافہ کر دیا تھا۔

مسلمان سن لیں کہ ان کی موت کا وقت قریب آ گیا ہے جب تک میں خاموش رہا تم عافیت میں رہے..... مگر آج میں نیند سے جاگ گیا ہوں اور میری یہ بیداری دیوتاؤں کے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے گی۔ شادی دیو اس قسم کی لاف رانی کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا لیکن ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا ہوگا کہ وہ اچانک رک گیا۔ اس کے منہ اور آنکھوں سے لعل والے شعلے پکا پک بھج گئے۔ شادی دیو چند لمحوں تک حیرت زدہ کھڑا رہا۔ پھر اس نے چیختے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر اپنے جسم کو جہنم تک نہ دے سکا۔ دوسری بار چننا چاہا تو زبان بھی ساکن ہو گئی۔ شادی دیو کے معاون جادوگر

اپنے گرو کی اس خاموشی کو کسی نئی حکمت عملی سے تعبیر کر رہے تھے اور خود زور زور سے ان معزول کو پڑھ رہے تھے اس کی ایک طویل عرصے تک مشق کرائی گئی تھی۔

اس دوران حضرت خواجہ معین الدین چشتی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ جب مریدوں نے شادی کے ساتھیوں کے حملے کی اطلاع دی تو آپ اپنی خانقاہ سے باہر تشریف لائے۔ کچھ فاصلے پر شادی دیو ساکت ہوا تھا۔ حضرت خواجہ نے اسے ایک نگاہ جلال سے دیکھا۔

شادی دیو کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ بلند آواز میں ”رحیم رحیم“ پکارنے لگا۔ صدیوں سے ”راہم“ کرنے والی بت پرست جماعت کا ایک باکمال فرد اپنی آبائی زبان بھول گیا تھا اور ایک ایسے کلمے کو بار بار دہرا رہا تھا جس سے کچھ دیر پہلے تک اس کے ہونٹ نا آشنا تھے۔

جب شادی دیو کے شاگردوں نے اپنے استاد کا یہ حال دیکھا تو غصے سے بے قابو ہو گئے اور شدید دھم دھم عالم میں ہڈیاں کھینے لگے۔ پھر انہیں جس قدر نازیبا الفاظ یاد تھے وہ سب کے سب شادی دیو کے نام کے ساتھ کر دیئے۔ شادی دیو بہر حال اپنی قوم کا معزز ترین فرد تھا۔ اس لئے دشنام طرازی برداشت نہ کر سکا۔ آگے بھائے وہ پیچھے کی طرف پلٹا اور جو لکڑی اور پتھر اس کے سامنے آیا وہ اپنے شاگرد جادو گروں پر برسائے لگا۔ یہ بڑی تہذیبی تھی۔ اہل باطل کی ساری تدبیریں خود انہیں پر الٹ دی گئیں تھیں۔ شادی دیو نے اپنے ساتھیوں کو ہار دیا اور جو باقی بچے، وہ فرار ہو گئے۔

شادی دیو کا جنون بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اس کی بگڑتی ہوئی کیفیت دیکھی اور ایک خادم کے ہاتھ پانی کا ایک پیالہ بھر کر بھیجا۔ جیسے ہی شادی دیو نے وہ پانی پیا کفر کی ساری تاریکیاں دل و دماغ مٹ گئیں اور وہ بڑے عقیدت مندانہ انداز میں حضرت خواجہ کی قدم بوسی سے سرفراز ہوا۔ خدا پرستوں کی صف میں ایک اور کلمہ گوا اضافہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف کفر کے قلعے میں ایک اور گہرا شکاف پڑ گیا تھا۔

جب پرتھوی راج چوہان نے ہندو دھرم کے رکھوالوں کی تازہ شکست کا احوال سنا تو اس کے ماتھے پر ہاتھ مار کر ٹکئیں ابھرائیں اور وہ قہر آلود لہجے میں اپنے مشیروں سے کہنے لگا: میں آخر کب تک اس آفت ناگہانی کو برداشت کر رہوں گا۔ اگر پہلے ہی میری تجویز پر عمل کر لیا گیا ہوتا تو آج ذلت و رسوائی کے یہ مناظر سامنے نہ آتے۔ بس اب میرے ہاتھ مضبوط کی انتہا ہو چکی ہے۔ اسی وقت فوج کو حکم دو کہ ان مٹھی بھر بھکاریوں کا نام و نشان مٹا کر راجپوتوں کی دھرتی کو پاک کر دے۔ پرتھوی راج اس طرح بول رہا تھا جیسے میدان جنگ میں اعلیٰ نسل کا گھوڑا زخمی ہو کر بے لگم ہو جائے۔

مشیروں نے بڑے تدبیر سے پہلے اپنے حکمران کا غصہ ٹھنڈا کیا اور پھر مسلمانوں سے نجات پانے کیلئے اپنی فوج پیش کی۔ ”شادی دیو کے ذریعے ہم نے اپنی جنگ کا آغاز کیا تھا۔ ابھی یہ معرکہ اپنے انجام کو نہیں پہنچا ہے۔ ابھی ہمارے ترکش میں کئی زہریلے تیر باقی ہیں جب تک جوگی جے پال زندہ ہے ہمیں اپنی فتح سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔“

جوگی جے پال کا نام سنتے ہی پرتھوی راج کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جوش و غضب میں اس عظیم جادو گرو کو

اپنے چیلوں کو برا بھلا کہتا ہوا حضرت خواجہ کی طرف بڑھا اس وقت وہ اکیلا تھا۔ جب مسلمان راجپوتوں نے جے پال کو

پورے ہندوستان میں میرے علم کی حکومت ہے۔ میں یہاں بیٹھے بیٹھے جسے چاہوں اسے اُس کے عہدے سے ہٹا دوں اور جسے چاہوں اقتدار سونپ دوں۔ مجھے خود اپنی غفلت پر افسوس ہے کہ میں گرد و پیش سے بے خبر رہا اور مسلمان فقیر نے میری مملکت میں اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کر دیا؟ یہ کہتے کہتے جوگی جے پال جوش و غضب سے کاٹنے لگا۔ آج اس کا رنج نہیں کرے گا۔ جوگی جے پال کا گھبراہٹ اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ وہ پرتھوی راج کے خلوت کدے سے اس طرح اٹھا اور اقبال پورہ ہندوستان اس کے زیر نگین ہوا اور وہ ایک نافرمان غلام کو سخت ترین سزا دینے جا رہا ہو۔

جوگی جے پال نے پہلے اپنے شاگردان خاص کو حکم دیا کہ وہ مسلمان فقیر اور اس کے خدمت گاروں کا کام تمام کر لیں۔ اس ہدایت کے ملتے ہی تقریباً پانچ سو جادو گروں نے بیک وقت اپنے ساحرانہ کمالات کا آغاز کیا۔ ناگہاں اشد کان اجمیر نے دیکھا کہ پہاڑیوں سے آگ کے شعلے بلند ہوئے اور یہ شعلے تیزی سے اس طرف سفر کرنے لگے جہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قیام فرماتے تھے۔ پرتھوی راج اور اس کے درباری، جادو گروں کی اس شعبہ بازی سے مطمئن نظر آرہے تھے مگر انہیں یہ خبر نہیں تھی کہ یہ آگ حضرت خواجہ تک پہنچنے سے پہلے ہی بجھ جاتی تھی۔ اپنے اس حربے کی ناکامی کے بعد جوگی جے پال کے چیلوں نے لاکھوں سانپ پیدا کر دیے۔ جو بچھن اٹھائے ہوئے اس طرح بڑھے جیسے مسلمانوں کے مسوں میں اپنا زہر داخل کر کے انہیں ہلاک کر ڈالیں گے لیکن جادو کے ذریعے پیدا ہونے والے ان سانپوں کا بھی وہی مشر ہوا جو کچھ دیر پہلے بھڑکتی ہوئی آگ کا ہو چکا تھا۔ تمام سانپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے قریب پہنچ کر سر پیچھے کر دیے اور دوسرے ہی لمحے غائب ہو جاتے تھے۔ جادو گروں کے دونوں خوفناک ترین مظاہروں کی ناکامی کے بعد شاگردوں نے استاد کے سامنے اعتراف شکست کر لیا۔

جوگی جے پال کو آج تک ایسی نامرادی اور بے چارگی سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے شدید حالت غضب میں اپنے چیلوں کو برا بھلا کہتا ہوا حضرت خواجہ کی طرف بڑھا اس وقت وہ اکیلا تھا۔ جب مسلمان راجپوتوں نے جے پال کو

آتے دیکھا تو اپنے پیرومرشد سے عرض کرنے لگے۔

یہ تمام ساحروں کا گرو اور پرتھوی راج کی امیدوں کا آخری سہارا ہے۔

جواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا: جس خدا نے دوسرے جادو گروں کو تفریق کیا ہے وہی ہے پال کو بھی ذلیل و رسوا کرے گا۔ ابھی آپ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے کلمات کی کوئی ایسی چیز پال نزدیک آگیا۔

میں جوگی ہے پال ہوں اس نے آتے ہی اپنا تعارف کروایا اور بلند و بانگ دعوے شروع کر دیے۔ اس کے تمام دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں اور شہروں پر میری حکومت ہے۔ اس سے پہلے کہ میں تم بے یار و مددگار لوگوں کی قہر کی طرح نازل ہو جاؤں بہتر ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں تمہیں فرار کیلئے راستہ دے دوں گا اور اب تک تم اس قدر جس قدر ہنگامے برپا کر چکے ہو ان کا حساب طلب نہیں کروں گا۔

ہم یہاں سے جانے کے لیے نہیں آئے ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آسمانی قہر کس پر نازل ہوگا؟

بس ایک اسی کا دعویٰ سچا ہے باقی تمام وہم و گمان ہے حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اپنے اللہ کی طرف سے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

جوگی ہے پال ایک خدا پرست کی بے نیازی پر بھڑک اٹھا۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ کو فضا میں اٹھایا اور دیکھا کہ ایک سیڑھی برآمد ہوئی جس کا ایک سر زمین پر اور دوسرا تھلک نظر آتا تھا۔ اس نے اپنے سر پر پال نے اس سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دیا۔ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہندوستان کا سب سے بڑا جادوگر حضرت خواجہ دوبارہ مخاطب ہوا۔ میں آسمان کی طرف جارہا ہوں وہاں سے برق کی شکل میں میرا عذاب نازل ہوگا۔ یہ کہہ کر پال اوپر چڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ فلک نیلگوں نے اسے نگل لیا۔ سی بدستور موجود تھی مگر بے پال غائب تھا۔

جوگی ہے پال کے روپوش ہوتے ہی حضرت خواجہ نے اپنی نعلین کو اتارا۔ جیسے ہی آپ نے نعلین کو اتارا انہوں نے فضا میں پرواز شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ کے نعلین جوگی ہے پال کے سر پر گرنے لگیں۔ ہنی گرز کی طرح برس رہے تھے۔ یہاں تک کہ بے پال اپنے ساحرانہ کمالات کے باوجود بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ واپس آیا اور کھلے الفاظ میں شکست تسلیم کرنے لگا۔ پھر اس نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے پائے مبارک پر رکتے ہوئے کہا۔ جس شخص کو سارے ہندوستان کے جادوگر تلاش نہیں کر سکتے تھے اسے ایک مسلمان کے جو توں نے زمین کی پستیوں میں دھکیل دیا۔ میری ساری عمر کی یہ ریاضت تھی جو چند لمحوں میں برباد ہو گئی۔

اتنا کہہ کر بے پال رونے لگا۔ فرط اندامت سے اس کا سر نہیں اٹھتا تھا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اسے تسلی دینے کیلئے محبت آمیز لہجے میں فرمایا۔ جس علم کی کوئی حقیقت اس میں اس کی بربادی پر انسان کو غمزہ نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا میں صرف خدا پرستوں کی بات حق ہے اور بالآخر حق کو ساری کائنات پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا۔ آپ کے ان فرمودات کے بعد بے پال کے دل و دماغ کی تاریکی دور ہو گئی اور اس

اور بلند و بانگ دعوے کر اپنے آباؤ اجداد کی صدیوں پرانی رسم کو پامال کر ڈالا۔

قبول اسلام کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے جوگی ہے پال کا نام عبداللہ صحرانی تجویز کیا۔ آج تک وہ ہند کے بے شمار خوش عقیدہ لوگ اس روایت پر اعتبار کرتے ہیں کہ بے پال نے حضرت خواجہ کی خصوصی دعا سے حیات دوام حاصل کی تھی۔ وہ اس وقت بھی زندہ ہے لیکن کسی کو ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے عرس مبارک میں ہر سال لاکھوں انسان شریک ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی شخص تارا گڑھ کی طرح کے پُر پیچ راستوں میں بھٹک جاتا ہے تو بے پال (عبداللہ صحرانی) اس گم کردہ راہ زائر کی رہنمائی کرتا ہے۔ لوگوں کے نزدیک یہ ایک متنازع مسئلہ ہے۔ ہم بھی اس پر کوئی بحث نہیں کرتے کہ بے پال مر گیا یا زندہ جاوید

خدا علیم و خبیر ہے، وہی اپنے رازوں کو بہتر سمجھ سکتا ہے۔ اس واقعے کو بیان کرنے سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کی جو طاغوتی قوتیں بظاہر ناقابل شکست نظر آتی تھیں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی یک جنبش آبرو نے سر کر لیا تھا اور پھر وہ مغلوب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گئی تھیں۔ بڑے سے بڑا جنگ نظر اور متعصب ہندو تاریخ نویس اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے سامنے جوگی ہے پال کی تمام ساحرانہ قوتیں سلب ہو کر رہ گئیں تھیں اور وہ خدائے واحد کی قدرت لازوال پر ایمان لے آیا تھا۔ بس یہی نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ایک مرد حق پرست نے بت حاند ہند میں اذان دی تھی تو سارے قوی الجہ اصنام..... منہ کے بل گر کے ملو اللہ احد کہنے لگے۔

چشتی سلسلے کے ہی فیض یافتہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء جن کا لقب تھا ”محبوب الہی“ اس لقب کے ساتھ شہر ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہر وہ صفت جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے وہ آپ میں موجود تھی اسی لیے ”محبوب الہی“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت محبوب الہی نے پوری زندگی سلاطین ہند کی رفاقت کو پسند نہیں فرمایا اور اپنے لیے غربت، سادگی اور فقر کو ترجیح دی۔ آپ کے دروازے غریب اور مساکین کے لیے ہمیشہ کھلے رہے۔ اگر کسی سائل نے درشت لہجے میں بھی اس کی تو آپ نے خندہ پیشانی سے جواب دیا اور اس کی مدد فرمائی۔

علم روحانیت کی عظمتوں کو آشکار کرنے کے لیے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے حوالے سے بھی ایک ایسا واقعہ مشہور ہے کہ جس کو تاریخ میں سند کی حیثیت حاصل ہے۔

سلاطین زمانہ کی طرح سلطان غیاث الدین تغلق جو اس زمانے میں وہاں کا بادشاہ تھا اس کی بھی یہ خواہش تھی کہ دوسرے درویشوں اور صوفیوں کی طرح حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء بھی ان کے دربار میں آئیں مگر جب اسے اندازہ ہوا کہ محبوب الہی کسی بھی حال میں اس چیز کو پسند نہیں کرتے تو اس نے انہیں ایک قبر نامہ تحریر کیا کہ ”نظام الدین اب تمہارا وجود میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ میری سلطنت کی حدود سے بلا تاخیر نکل جاؤ۔ میں دشمنوں کی سرکوبی کے لیے لکھنؤ (بنگال) جا رہا ہوں جس میں تقریباً دو ماہ لگ جائیں گے۔ میرے واپس آنے تک تم یہ جگہ چھوڑ کر

کھیں اور چلے جاؤ۔ اس سے زیادہ میں تمہیں مہلت نہیں دے سکتا۔ اگر تم نے یہ علاقہ خالی نہ کیا تو میں تم سب کو مہرہ کا سزا دوں گا۔“

خواجہ اقبال نے محبوب الہی کی مجلس میں یہ قہر نامہ پڑھا۔ حضرت امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کی کور پروری سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ کے حضور درخواست کی کہ سلطان کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے کوئی احتیاط تدبیر کرنا بہت ضروری ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا:

”خسرو! اب تغلق کو راہ راست پر نہیں لایا جاسکتا۔“

حضرت محبوب الہی اللہ تعالیٰ کے سچے عاشق تھے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور توکل کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے۔ چنانچہ آپ قطعاً پریشان نہیں ہوئے۔ آپ نے قلم دوات منگوائی اور سلطان کے فرمان کو زمین پر رکھ کر اس کی پٹیلی پر مختصر الفاظ تحریر کیے: ”ہنوز دلی دور است“

یعنی ابھی دلی دور ہے اس وقت سلطان جنگی مہم پر روانہ ہو چکا تھا۔ جب شاہی قاصد سلطان کے حکم نامے پہنچا کر وہ جواب لے کر سلطان کی خدمت میں پہنچا تو یہ تحریر دیکھ کر سلطان نے انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں اپنے امراء کے سامنے کہا:

”شیخ نظام الدین اب میرے قہر سے نہیں بچ سکیں گے۔ میں انہیں ہتھکڑیاں لگا کر دلی جیل سے دور نہیں کر دوں گا۔“

تدوموں کے نیچے ہے۔“

سلطان فوجی مہم میں کامیاب و کامران ہو کر واپس دلی کی طرف روانہ ہوا۔ حضرت امیر خسروؒ نے شدید اضطراب کی حالت میں اپنے پیرومرشد کی خدمت میں عرض کی:

”سیدی! سلطان اپنے ناپسندیدہ افراد کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ غلام نہیں چاہتا کہ اس کے آقا کو معمولی سی کمی تکلیف پہنچے۔“

حضرت محبوب الہی نے تبسم فرمایا اور کہا: ”خسرو اپنے ذہن کو پریشان نہ کرو۔ ہنوز دلی دور است۔“

جس وقت یہ اطلاع ملی کہ سلطان غیاث الدین تغلق دلی سے تقریباً چار پانچ میل کے فاصلے پر شہزادہ محمد تغلق کے بنوائے ہوئے نئے محل کے قریب پہنچ چکا ہے تو حضرت امیر خسروؒ حضرت محبوب الہیؒ کے ہاتھ پکڑ کر روئے گئے اور عرض کیا:

”اب تو دلی زیادہ دور نہیں ہے۔“

حضرت محبوب الہیؒ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ”ہنوز دلی دور است۔“

تقریباً اسی وقت جبکہ سلطان غیاث الدین شہزادہ محمد تغلق کے بنوائے ہوئے محل میں موجود تھا۔ محل کی چھت اچانک اس کے سر پر گر پڑی اور سلطان اس کے طے میں دب کر ہلاک ہو گیا۔ پورے ہندوستان میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت محبوب الہیؒ کو دلی سے نکل جانے کا حکم دینے والا سلطان دنیا سے ہی رخصت ہو گیا ہے۔ شہزادہ محمد تغلق پر اس واقعہ کا

اس تجزیے کے بعد ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ایک تو ہم ان چیزوں کے کوائف اور اصول کو سمجھ بغیر عمل کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارے طریقہ کار میں کہیں نہ کہیں نقص موجود ہے۔ اور ہماری عبادات میں کسی نہ کسی چیز کی کمی ضرور ہے۔

اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھیے گا جس نظام کو دین کہا جاتا ہے ہمیشہ اس کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں۔

روحانیت اور عصر حاضر

جب ہم اپنے ماحول اور معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارا مشاہدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جس سوسائٹی میں ہم رہ رہے ہیں وہاں مذہبی بیزاری ہر گزرنے والے دن کے ساتھ بڑھ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو لوگ زندگی کی بے پناہ مصروفیت کی وجہ سے ویسے ہی مذہب سے دور ہیں۔ اور جو لوگ کسی نہ کسی طرح مذہب کے اندر ہیں ان میں بھی روحانیت کا فقدان ہے۔ آپ خود دیکھیں کہ جو لوگ نمازیں، روزے، حج، زکوٰۃ جیسے اعلیٰ روحانی اعمال بجالا رہے ہیں کیا ان سے ان کے اندر ہمیں کوئی روحانی اور اخلاقی ترقی نظر آتی ہے۔ ہمارا عمومی مشاہدہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جو لوگ ان پرستار سال سے عمل کر رہے ہیں ان میں سے بھی ایک غالب اکثریت روحانیت سے خالی نظر آتی ہے۔ جب ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں تو پھر ہمیں خود احتسابی کر کے اس حقیقت کو درک کرنا ہو گا کہ کیا یہی بے جان نمازیں اور روزے اور زیادہ عبادات اور اعمال صالحہ روحانی ترقی کے لیے کافی ہو سکتے ہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو ہمیں یہ کافی کیوں نہیں ہو رہے ہم روحانی اور اخلاقی ترقی کے بجائے حزن کی طرف کیوں جا رہے ہیں؟

اس تجزیے کے بعد ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ ایک تو ہم ان چیزوں کے کوائف اور اصول کو سمجھ بغیر عمل کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارے طریقہ کار میں کہیں نہ کہیں نقص موجود ہے۔ اور ہماری عبادات میں کسی نہ کسی چیز کی کمی ضرور ہے۔

1- مادی اور ظاہری دنیاوی پہلو

2- روحانی اور باطنی پہلو

دنیاوی پہلو میں معاشرتی، عمرانی و اخلاقی حدود اور قوانین Apply ہوتے ہیں جن کی افادیت یا افادہ معاشرے اور معاشرے کے افراد کو پہنچتی ہے اور بالواسطہ انسان کی ذات کو۔

علمائے اخلاقیات کا یہ کہنا کہ اخلاقیات کی کوئی آفاقی افادیت نہیں ہے کیونکہ یہ انسان کو فطری شر سے نہیں پہنچاتی یعنی دنیا میں کوئی آگ ایسی نہیں ہے جو ایک برے انسان کو جلانے اور نیک انسان کو نہ جلانے۔

اس حوالے سے ہمارا نظریہ یہ ہے کہ جو چیز آفاقی قوانین کیلئے بنی ہی نہیں اسے وہاں اپلائی کرنا بھی مناسب نہیں بلکہ اخلاقیاتی، عمرانیاتی و معاشرتی قوانین و احکامات کی سب سے بڑی افادیت یہ ہے کہ ان کے رواج و نفاذ سے انسان خود انسان کے شر و ضرر سے محفوظ رہتا ہے اور اس سے بڑی افادیت کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود اپنی نوع کے شر سے محفوظ ہو جائے۔ لیکن اس کی ایک اخروی افادیت بھی ہے وہ یہ کہ ایک انسان جب دوسرے کو ضرر اور نقصان پہنچاتا ہے تو اس کی آخرت میں ایک سزا معین ہے انسان اخلاقی احکامات کی پابندی کر کے اس سزا سے بھی بچ جاتا ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عصر حاضر کا انسان مذہب، دین، عقیدہ و عبادات سے بد دل نظر آتا ہے ہم اگر اس کی وجوہات پر غور کریں تو اس کی ایک طویل فہرست ہے۔ مگر میں یہاں چند ایک آپ کے سامنے رکھوں گا اور ان کا اہم ترین پہلو بھی پیش کروں گا۔

1- پہلی وجہ یہ ہے کہ مذہبی اجارہ دار کہتے ہیں کہ اس زندگی میں عمل کرتے رہو جزا آخرت میں ملے گی، یعنی موت کا شمر اس زندگی میں نہیں مل سکتا، اس طرح یہ ادھار بھی ہوتا ہے اور لمبا بھی۔ ان مذہبی اجارہ داروں کا یہ کہنا ان کی مجبوری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علم روحانیت سے قطعی طور پر نا بلند ہیں۔

2- مذہبی پیشوائی کا جو راستہ بتاتے ہیں وہ اتنا لمبا ہوتا ہے کہ انسان عمر و نوح بھی پائے اور ساری زندگی کو شل بھی کرتا رہے تو منزل تو کجا کسی سنگ میل کو بھی نہیں دیکھ پاتا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں علم روحانیت انسان پر حقیقتوں کو واضح کاف کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہے۔

3- ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عام انسان کو ایک ذریعہ پوائنٹ یا سٹارٹنگ پوائنٹ فرض کر لیا جائے تو اس سے اوپر ہونا نیکی ہے اور نیچے جانا برائی ہے۔ یعنی برائی پستی کی طرف ہے اور نیکی بلندی کا نام ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نیچے جانا آسان ہوتا ہے اور اوپر جانا محنت طلب ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر آپ اگر ایک پہاڑ کی ڈھلوان کے درمیان میں کھڑے ہیں اوپر پہاڑ کی چوٹی اور نیچے گہری کھائی ہو تو آپ دیکھیں گے کہ اوپر جانا محنت اور مشقت طلب کام ہوگا اور نیچے گرنے کیلئے ذرا سے بہانے کی ضرورت ہوگی یعنی ذرا سا پاؤں پھسلو تو آپ نہ چاہتے ہوئے بھی نیچے گرتے چلے جا رہے ہوں گے۔ اس لیے انسان اوپر جانے سے بد دل ہو جاتا ہے۔ کوشش اور محنت کرنے کے بجائے خود کو حالات کے سپرد کر دیتا ہے لیکن اگر انسان پر اس حقیقت کو آواز

کہا جائے کہ اگر وہ محنت کرے گا تو اس کو اس کی محنت کا معقول ثمر ملے گا تو پھر کوئی بھی محنت کو مشکل نہیں سمجھتا۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمالیہ کی چوٹیوں کو سر کیا ہے یا ماؤنٹ ایورسٹ اور کے ٹو کی چوٹیوں کو سر کیا ہے کیا انہوں نے محنت کی ہوگی۔ آپ خود سوچیں کہ اتنی محنت مشقت اور جان جو کھوں کی وجوہات کیا تھیں اس کا ایک ہی جواب ملے گا کہ طول ریٹرن اور پرکشش معاوضے کی وجہ سے ہی انسان اپنی زندگی کو ایسے خطروں میں ڈالنا پسند کرتا ہے۔ چونکہ ہمارے دماغی پیشوا لوگوں کو عبادات کی طرف راغب تو کرتے ہیں لیکن ان عبادات کے اندر لوگوں کو کسی قسم کا ریٹرن نظر نہیں آ رہا ہوتا اس وجہ سے لوگ مذہب سے بیزار ہیں۔ اگر انہیں بتایا جائے کہ اگر وہ روحانیت میں محنت کریں گے تو اس میں جو معاوضہ ملنا ہے اس کا ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ کتنا ہے اور کس قدر قیمتی ہے۔ کیونکہ عامۃ الناس روحانیت سے ملنے والے معاوضے کو سمجھتی اس لیے وہ روحانیت سے دور ہیں اور مذہب سے بیزار ہیں یہی وہ مقام ہے کہ جہاں عصر حاضر کے گم گشتہ اور بے ہودہ انسان کی رہنمائی صرف ایک ایسا روحانی مرشد ہی کر سکتا ہے کہ جو اسرار روحانیت سے آشنا ہو جو اسے طمانیت قلبی اور سرور ابدی سے روشناس کروا سکے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ کہ جن کو کسی مرشد کامل کا قرب نصیب ہو۔

دین سے بد دل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان غلط طریقے اختیار کرنے کی وجہ سے روحانی لذت حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے جسمانی مشقت اذیت اور بوجھ بن جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب جسمانی مشقت و اذیت سے روحانی یا ذہنی لذت اور ریٹرن بڑھ جائے تو جسمانی محنت کی اذیت کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً آپ ایک آدمی سے کہیں کہ اگر شدید گرمی کی دوپہر میں 20 کلو ہبے کا ٹکرا اٹھا کر اپنے گھرنیک لے جائے جو وہاں سے 50 کلو میٹر دور ہے تو یہ لوہے کا ٹکرا اسی کو دے دیا جائے گا۔ تو اس شرط پر کوئی شخص یہ کام کرنے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ کیونکہ محنت زیادہ ہے اور معاوضہ کم ہے۔

لیکن اگر آپ اس جگہ 40 کلو سونے کا ٹکرا دے کر کہیں کہ اب اسے اٹھا کر گھرنیک لے جائے تو یہ تمہارا ہے۔ تو ہر آدمی اسے اٹھانے پر تیار ہو جائے گا۔ چاہے اس کا گھر 100 کلو میٹر دور ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی جسمانی اذیت کے مقابلے میں معاوضہ زیادہ مل رہا ہے اس لیے اس محنت کی اذیت کا احساس ختم ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے ملنے والے معاوضے کی قیمت جانتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر انسان کو روحانیت اور تزکیہ نفس کی محنت سے ملنے والے معاوضے کی قیمت کا اندازہ ہو جائے تو اس کے لیے یہ ساری اذیتیں بے وقعت ہو جائیں جو اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان کسی مرشد کامل کے لڑلگ جائے۔

5- مذہب سے بیزاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان جب عبادات کرنا چاہتا ہے تو اسے خشک اور بے رنگ عبادات پر لگا دیا جاتا ہے۔ جب انسان وہ عبادات کوائف اور اس کے اصولوں کے بغیر کرتا ہے تو اسے اس کا روحانی ریٹرن نہیں ملتا۔ وہ کچھ عرصہ وہ اعمال کرتا رہتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس میں کوئی روحانی ترقی نہیں آ رہی تو وہ بد دل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسے روحانی لذات کے حصول تک کوئی پہنچانے والا بھی نہیں ملتا۔ کیونکہ بتانے والا بھی صرف لفظوں کی حد تک جانتا ہے۔

دوسری طرف دنیا کی ساری لذتیں نقد ہیں اور آخرت کے معاملات کو ادھار پر نالا جاتا ہے۔ اب نورانی ایک آدمی سے یہ کہا جائے کہ وہ ساری زندگی محنت کرتا رہے اور اسے اس کا معاوضہ اس وقت تک نہ ملے گا جب تک وہ زندہ رہے گا تو کیا ایسے کام کو کوئی پسند کرے گا۔ کیونکہ انسان ویژن ایبل (Visionable) منافع کو پسند کرتا ہے ان چیزوں کا وعدہ اور وہ بھی موت کے بعد کا ہو تو مادیت پسند انسان ایسا کاروبار کیسے کر سکتا ہے؟

اس طرح سارا ماحول اور معاشرہ اس کی ٹانگیں کھینچ رہا ہوتا ہے کہ بیٹے تمہیں اس تجارت سے کچھ ملے والا ہے تم ایک گنہگار اور دنیا پرست آدمی ہو تمہارا یہ کام نہیں ہے یہ تو اللہ کے نیک بندے ہی کر سکتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک اسرار روحانیت کا گنجینہ رکھنے والے کسی مرشد کامل کی انسان کی زندگی میں ضرورت محسوس ہوتی ہے جو روحانی ماحول سے اسے آشنا بھی کر سکے اور روحانیت کی وادی میں اس کی رہنمائی بھی کر سکے۔

6- مذہب سے بیزاری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب تک انسان کو کوئی رہنما نہ ملے جو اس کے معاملات روحانیت میں رہنمائی کرے اس کے لیے عبادات پر بلا کچھ دیکھے قائم رہنا عموماً ناممکن ہوتا ہے۔ انسان کی یہ تعلیم اس وقت ختم ہو سکتی ہے جب اس کا رابطہ کسی مرشد کامل کے ساتھ ہو۔

7- ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انسان عبادات کی باضابطہ طور پر کسی روحانی رہنما سے تعلیم حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی تعلیم کے دو ہی ذرائع ہوتے ہیں ایک تو وہ پروفیشنل علمائے دین کی عبادات منتخب کر لیتا ہے اور دوسرا وہ پروفیشنل علمائے دین کی عبادات منتخب کر لیتا ہے۔ اس کا دوسرا ذریعہ تعلیمی کتابیں ہوتی ہیں حالانکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ دنیا کا کوئی علم بغیر استاد کے کسی کتاب سے حاصل کرنا ناممکن ہے۔ حتیٰ کہ آپ کھانا وغیرہ بھی کسی کتاب کے ذریعے تیار کرنا نہیں سیکھ سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ پہلے سے کسی استاد سے کچھ سیکھا ہوا ہو۔ کتاب میں سے کسی درج شدہ ترکیب کو دیکھ کر آپ کوئی کھانا یا ڈش تیار کر لیں۔

ہمارا مطالعہ یہ کہتا ہے کہ یہ سارا کچھ دنیا پرست لوگوں کا پروپیگنڈہ ہے کہ روحانیت اور روحانی اعمال کا یہاں ویژن ایبل ریٹرن (Visionable Retrun) نہیں ملتا۔ یقین کریں روحانیت کا یہاں جو ریٹرن ملتا ہے ایک تو ویژن ایبل (نظر آنے والا) ہوتا ہے ساتھ ہی انتہائی لذیذ اور قیمتی ہوتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اعمال کو روحانی اصولوں کے مطابق بجالائیں۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگ اس حقیقت سے نا آشنا ہیں۔

مالک کائنات انسان کی فطرت کو بنانے والا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ انسان پہلے دیکھے گا پھر مانے گا۔ ورنہ انسان تو لے گا یقین نہیں کرے گا اور اگر یقین کر بھی لے گا تو زیادہ دیر تک وہ یقین قائم نہ رکھ سکے گا۔ اسی لیے اس ذات نے روحانیت کے ضابطہ اعمال میں مکاشفات کو لازم قرار دیا ہے۔ ایسا نہیں کہ کچھ بھی دیکھا نہیں جاسکتا۔ عارفین حق کا دستور رہا ہے کہ وہ اپنے ارادتمندوں کیلئے مکاشفات کے دروازے کبھی کبھی کھول دیتے تھے تاکہ ان کا یقین قائم رہے اور وہ ابلیس کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

ہم ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتے ہیں جو یہ کہا جاتا ہے کہ روحانیت کا ریٹرن جلدی نہیں ملتا۔ اس

اب ہم اس بات کو ذرا اور مزید واضح کر دیں آپ دیکھیں اگر آپ ساہیوال سے لاہور جا رہے ہیں تو آپ کو

میل کے کنارے Mile Stones (میل) نظر آئیں گے۔ جو آپ کو بتائیں گے کہ ایک تو آپ کا سفر طویل ہے ساتھ ہی یہ بھی بتائیں گے کہ کتنا سفر باقی ہے۔ اس طرح آپ کا سفر کرنے کا حوصلہ بھی تازہ رہے گا کہ واقعی اس سفر کی طرف جارہے ہیں۔

قارئین! ہم نے کہا تھا کہ روحانیت کا ریٹرن (منافع یا جزا) دنیاوی امور سے بھی جلدی اور واضح ملتا ہے۔ کیلئے آپ دنیاوی منافع کی پیڑھ دیکھیں اگر کام جزوقتی ہو تو اس کا منافع پورے دن کے بعد ملتا ہے جیسے ایک مزدور کا کام دن کے کام کی اجرت شام کو مل جاتی ہے۔

مگر ہم نے جو کچھ کا عمل بتایا ہے اپنی محنت دیکھیں اور جزا کی پیڑھ دیکھیں۔

اگر کام کچھ لمبے عرصے کا ہو تو اجرت ایک ماہ بعد ملتی ہے۔ لیکن روحانیت کی ایک جزا تو اس کے ارادہ کرنے سے عطا فرمادی جاتی ہے۔ پھر آدمی جب روحانی امور انجام دیتا ہے تو اسے اس کی جزا چند دنوں میں ہی مل جاتی ہے۔ ایک چلدا انسان کی کسی قوت کو ساری زندگی کیلئے کافی ہو جاتا ہے۔

قارئین! آپ زراعت کو دیکھیں پہلے آپ کتنی محنت کرتے ہیں سب کچھ مٹی میں ملا آتے ہیں اس کے بعد واپسی کی امید بچاس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ فصل کو کوئی وائرس لگ سکتا ہے، کوئی آسمانی یا زمینی آفت آ سکتی ہے سیلاب یا کوئی اور آفت آنے کا امکان ہوتا ہے۔ اور پھر پانچ، چھ ماہ کی مسلسل محنت بگڑانی اور ایک لمبا انتظار اس کے بعد جا کر کچھ ملتا ہے۔

اب آپ کسی روحانی ماہر کی نگرانی میں اس محنت سے آدھی محنت اور آدھے عرصے کیلئے کوئی عمل کریں گے۔ کیلئے انوار الہی کی بارش ہو سکتی ہے اور آپ مکاشفات سے نہا کر رہ جائیں گے۔

ہمارے موجودہ نظام عبادت میں یہ نقص ہے کہ ہمیں جس راستے پر چلایا جا رہا ہے ایک تو اس میں کوئی میل ہے اور نہ ہی یقین دلانے والی کوئی علامت کہ ہم واقعی درست جا رہے ہیں۔ ہمارا سفر اس طرح ہے کہ ہم اندھے مل کر ایک منزل کی طرف جا رہے ہوں اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہو کہ واقعی ہم درست سمت میں جا رہے ہیں یا نہیں۔ اپنے سفر کی درستی کا ثبوت ساتھیوں کے قدموں کی چاپ ہی کو سمجھ رہے ہوں اور یہ گمان کر رہے ہوں کہ یہ سارے اندھے ہیں اسی سمت جا رہے ہیں لازماً یہ راستہ درست ہی ہے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہو کہ وہ راستہ درست بھی ہے۔

اسی طرح ہم بھی مصروف سفر ہیں اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی سفر کر رہے ہیں اور ہم نے ٹوہ بگڑا کر دیکھا۔

اس دور میں دین کا جو راستہ بتایا جاتا ہے اس میں ناقابل عبور طوالت ہے کہ انسان اس کو دیکھ کر ہی سوچ لے کہ یہ ہمارے بس کا روگ نہیں ہے۔

اس دور میں تو انسان بہت زیادہ مصروف ہے اور اس کو بیوی بچوں کے پاس بیٹھنے کا وقت بھی نہیں ملتا۔

دوستو! اس دور میں دین سے بددی کی ایک وجہ خود انسان کا احساس کمتری ہے۔ اس کی وجہ ایک غلط پروپیگنڈہ ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کر دی گئی ہے کہ ہم تو گنہگار ہیں لاکھ کوشش کریں ہم انوار الہیہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور نہ ہم مادی آلاتوں کو دور کر کے روحانی مادرائی قوتوں کو اپنی طرف مائل کر سکتے ہیں۔

انسانی نفسیات کو سمجھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ انسان ویژن و ویژن Visionable (مادی آنکھوں سے نظر آنے والے) منافع ہی کو مانتا ہے۔ اور جو نفع و نقصان غیر مری (نظر نہ آنے والا) ہو اس پر انسان گمان ناقص تو کر سکتا ہے۔ یقین نہیں کر سکتا کیونکہ اس کیلئے دو چیزیں ہیں۔

شاہ ولی اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ

1- ایک تو اس منافع پر بات کرنے والے کے بارے میں سچا ہونے کا یقین ہو۔

2- جس منافع کا وہ ذکر کر رہا ہے وہ دکھا دے۔

ہمارے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں مالک مطلق نے فرمادیا کہ مجھ پر یقین رکھو تمہیں منافع ملے گا اس پر ہمارے ضمیر نے الارادہ کرنے دیا۔ اس لیے ہم نے زبان سے مان لیا کہ یہ سچ ہے مگر جب انہوں نے کچھ نہ دکھایا تو ہم اس پر عملی یقین کا ہمارے سر سے لٹکے یعنی وہ راستہ ہم نے اختیار ہی نہ کیا گویا ہم نے عملی طور پر انکار کر دیا۔ یعنی ہمارا اس راستے کو اختیار نہ کرنا ایک طرح کا انکار ہی ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس دور میں دین کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمیں ان طریقہ ہائے عبادات سے واقف کروایا جائے کہ جن میں فوری مکاشفات یا سفر روحانیت کے سنگ ہائے میل نظر آئیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روحانی اور عباداتی منازل سفر میں سنگ ہائے میل کیا ہوتے ہیں؟

دوستو! یاد رکھو روحانیت اور عبادات کے راستے کے مسافر کو درستی راہ کے ثبوت ملتے رہتے ہیں اور قدم قدم پر ان علامات موجود ہوتی ہیں جو ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ ہم اس وقت کہاں اور کس حال میں موجود ہیں۔ اور ہم اپنے سفر کے نقطہ

آغاز سے کتنے اوپر چکے ہیں۔ جیسا کہ ہوائی جہاز میں بلندی بتانے والے آلات نصب ہوتے ہیں اور وہ بتاتے ہیں اب جہاز کتنی بلندی پر پرواز کر رہا ہے۔ اسی طرح روحانیت کی بلندی پر جانے والے کو مالک مطلق ایسے آلات نوازتا ہے جو اسے بتاتے چلے جاتے ہیں کہ وہ کس اونچائی تک جا چکے ہیں۔

11۔ اس دور میں مذہب کے حوالے سے جو چیز رکاوٹ بنتی ہے یا بددلی کا موجب بنتی ہے ان میں سے ایک وہ ہے جسے جملہ عرفاء نے لکھا ہے۔

العلم هو الحجاب الاکبر

ترجمہ: یعنی انسان اور خالق کے درمیان سب سے بڑا حجاب اور مانع بذات خود علم ہے۔

عرفان کے بارے میں عرفاء فرماتے ہیں: حقیقت عرفان دو چیزوں کے اسباب پر منحصر ہے یعنی ایک ”ذلت عبودیت“ کا اثبات اور دوسری ہے ”عزت ربوبیت“ کا اثبات۔

فلاسفہ اور علمائے علوم متداولہ و مروجہ انہی دو چیزوں کا اثبات کرنے کے لیے کمال علم اور دلائل و براہین علمی و سہارا لیتے ہیں اور طرح طرح کے استدلال و استنباط، احتجاج، اور منطق کے کلیات کا سہارا لیتے ہیں اور یہی ثابت کرتے ہیں کہ عزت ربوبیت کیا ہے؟ اور ذلت عبودیت کیا ہے؟ مگر جب کوئی ادراک حقیقت کے لیے یہی راستہ اختیار کرتا ہے تو اسے سامنے یہی علم ہی حجاب بن جاتا ہے۔ اور وہ اس سے آگے نہیں جاسکتا اور روایت اور زیارت محبوب سے محروم ہو جاتا ہے۔

اثبات حقیقت دو طرح سے ہوتا ہے ایک کا نام ”بیان کیفیت“ ہے اور ایک کا نام ”حصول کیفیت“ ہے۔ اثبات حقیقی ”بیانی“ نہیں ہوتا بلکہ وہ ”حصولی“ ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں شاید آپ میرا مافی الضمیر سمجھ جائیں۔ ایک آدمی ایسا ہے جو بہت زیادہ پڑھا لکھا ہے مگر اس نے زندگی میں کبھی آم نہیں دیکھا اور نہ اس نے اس سے تیار شدہ کوئی چیز کھائی ہے۔ اب وہ آدمی کسی پڑھے لکھے شخص کے پاس جاتا ہے کہ مجھے آم کے بارے میں سب کچھ بتا دو، وہ کیسا ہوتا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہوتا ہے؟ اس کی شکل کیسی ہوتی ہے؟ اس کا ذائقہ کیسا ہوتا ہے؟ اس کے اندر کیا کیا ہوتا ہے؟ اور اس کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟ اسے کس طرح کھایا جاتا ہے اور اس کی کتنی اقسام ہوتی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

اب وہ آدمی اسے کسی بہت بڑے سکالر کا ایک مقالہ تمنا دیتا ہے اس میں اس کی بات سے متعلق ساری معلومات موجود ہیں۔ اس میں اس کے کیمیائی تجزیوں سمیت اس کی گتھلی سے لے کر جزئیات کے خواص اور اس کے رنگ و اقسام کا بحث ہوئی ہے۔ مگر یہ مقالہ ایک ہزار صفحات پر مبنی ہے۔ وہ آدمی اس مقالے کو حفظ کر لیتا ہے۔ یہ ہے ”بیان کیفیت“۔ اب وہی آدمی ایک باغبان کے پاس جا کر آم کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو وہ اس وقت آم چوس رہا ہوتا ہے وہ کہتا ہے میاں! مجھ سے کیا پوچھتے ہو یہ لو آم اور اس کی ایک چسکی لے لو۔ اب وہ آدمی اسے صرف ایک بار چوس لیتا ہے۔ ”حصولی کیفیت“۔

اب آپ غور کریں کہ جو اثبات اس ایک ”چسکی“ سے ہوا ہے اس کا مقابلہ وہ ہزار صفحات کا مقالہ بھی کر سکتا۔

روحانیت کا مقصد تو ہے رُخ محبوب حقیقی کے جلووں کی لذت کا حصول۔ مگر ہم کتابوں میں اس کے وجود کے آثار پر احادیث و فرامین اور علمی و منطقی دلائل دیکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اسی پر اکتفا کر لیتے ہیں اور یہی وسط علم ہی سب سے بڑا حجاب بن کر ہمارے اور ہمارے محبوب کے مابین حائل ہو جاتا ہے۔ اور ہمیں اس کے قرب کی لذت سے محروم رکھتا ہے۔

اس دور کی یہی سب سے بڑی خامی ہے کہ انسان کسی مسئلے یا عقیدے میں کتابوں کے انبار تو پڑھ لیتا ہے مگر اس کے ”لس کر کے“ ”روحانی عروج“ حاصل نہیں کر پاتا۔ لوگ ”عقیدہ“ من کر نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں کیونکہ مسلمہ ثابت ہے۔

”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“

بیان کیفیت اگر چہ لذت دہکتی ہے مگر روحانی عروج، اس سے لاکھوں، کروڑوں گنا اعلیٰ چیز ہے۔ دوستو! دین سے بیزاری کی جو وجوہات ہیں ان میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان اس وقت الیکٹریک سپیڈ سے مصروف سفر ہے۔ انسان کے پاس لمبے لمبے اعمال کے لیے وقت نہیں ہے کہ وہ خود کو اس کے لیے وقف کر سکے اور لذات روحانی کا ذائقہ چکھ سکے۔ اور جب تک انسان کسی چیز کو خود چکھ نہ لے اس کی لذت کو نہیں سمجھ سکتا۔

اس دور میں ضروری لگتا ہے کہ انسان کو ایسے اعمال سے متعارف کروایا جائے جس سے وہ ایک مرتبہ روحانیت کو لے لے تاکہ اس میں اس کے حصول کا شوق پیدا ہو۔ اس کیلئے میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں تاکہ آپ اس حقیقت کا ادراک کر سکیں۔

حکایت

ایک دور دراز پہاڑی علاقہ میں ایک بستی تھی۔ وہاں تک جانے کا کوئی معقول راستہ بھی نہ تھا نہ وہاں بجلی تھی نہ کوئی دیگر جدید ترقی کے اسباب تھے۔ کیونکہ وہ پوری دنیا سے کئی ہوئی ایک بستی تھی وہاں غربت اور افلاس کا دور دورہ تھا ہماری اور بے روزگاری تھی حتیٰ کہ ان کے پاس پہننے کو کوئی ڈھنگ کا لباس بھی نہ تھا اور نہ کوئی کھانے کی چیز اور نہ بٹنے کو کوئی مکان تھا بس وہ جمونہ بیڑیوں میں رہتے تھے۔

ان سے دس، بیس کوس دور ایک بہت بڑا پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ پر ایک عبادت گزار عارف رہتا تھا جو کبھی کبھار ان لوگوں میں آ جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ عبادت گزار اہل ان کے پاس آیا اور ان کا حال دیکھا تو کہا کہ بھائیو! میں جس پہاڑ پر رہتا ہوں اس میں ایک غار ہے اور اس غار میں ایک بہت بڑا خزانہ موجود ہے۔ اگر آپ لوگ میرا ساتھ دیں تو میں وہ خزانہ تمہارے حوالے کر دوں گا اور اس طرح تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے غربت دور ہو جائے گی۔ یہاں سڑک اور بجلی آ جائے گی ہسپتال کھل جائیں گے اور ہر آدمی عالی شان محلات بنوا سکے گا اور تم دنیا کے امیر ترین لوگ بن جاؤ گے۔

دوستو! اس سوراخ والی مثال سے کبھی یہ نہ سمجھ لینا کہ انسان اعلیٰ مقامات کو کسی چور دروازے سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے صرف مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ حصول کے لیے وہی طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا جو اولیائے کرام نے فرمایا ہے۔ اس کے حصول کے لیے وہی لمبا پراسیس ہوگا۔ خاردار جنگل ہوں گے اور اس میں خواہشات نفس کے سانپ رہ رہے ہوں گے۔ لذات دنیا کے درندے ہوں گے ان سے لڑنا پڑے گا۔ اہلیس جیسا موذی مقابلے میں آئے گا، نفس امارہ چیتے کی طرح چھپ کر حملہ کرے گا اور اس میں زخمی ہونا پڑے گا۔ طالبان دنیا Wild dogs کی طرح کاٹ کھانے کو دوڑیں گے۔ ان سے لڑنا پڑے گا۔ غرض کہ ہر قسم کے داخلی اور خارجی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہونا پڑے گا۔ لیکن اس کا ایک نسخہ ہوگا کہ آپ کو اپنے راستے کی صداقت اور درستی کا سو فیصد یقین ہو جائے گا اور ملنے والا ریٹرن سامنے موجود ہوگا۔ اس لیے آپ میں روحانیت کے پرخطر راستے پر چلنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے گا۔

روحانیت کی افادیت

انسانی زندگی میں روحانیت کی افادیت کیا ہے اسکی وضاحت بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ انسان کی زندگی میں

ایک نہیں کئی فائدے ہیں مثلاً:

روحانیت سے انسان کا عالم ماوریٰ سے رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔

انسان اسی دنیا میں عالم مابعد الموت کا مشاہدہ کر کے آخرت کا یقین حاصل کر لیتا ہے۔

عام حالات میں انسان کی آخرت غیر یقینی ہوتی ہے مگر روحانیت سے یقینی ہو جاتی ہے۔

انسان ان مادی آنکھوں سے عالم ملکوت و انوار اور عالم ارواح کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

اس دنیا سے چلے جانے والوں سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے اور وہاں کے حالات انہی کی زبانی سن سکتا ہے اور اس

سے آخرت پر یقین کے ساتھ اطمینان قلب کا حصول بھی ہوتا ہے۔

روحانیت ہی سے انسان مکاشفات کی منزل تک جاتا ہے اور مکاشفات کے کئی فائدے ہیں یعنی سفر خیر کے

سنگ ہائے میل نظر آتے ہیں جو درستی سفر کی علامات ہوتی ہیں اور اس سے شوق سفر بڑھتا ہے۔

عبادت میں لذت پیدا ہو جاتی ہے اور انسان عبادت میں بوریٹ محسوس نہیں کر سکتا۔

نجات بھی یقینی ہو جاتی ہے۔

ان سے دین پر اعتماد بحال رہتا ہے۔

علم روحانیت سے اپنے خالق و مالک پر اعتماد بحال رہتا ہے۔

روحانی مضبوطی سے عقائد میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

روحانی علوم سے صعوبات دنیا سے ٹکرانے کا حوصلہ قائم رہتا ہے۔

ان لوگوں نے کہا یہ تو آپ نے ہمارے لیے بڑی بات کہہ دی ہم آپ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں اور ہم اگلی اور اسی وقت ساتھ چلنے کو تیار ہیں۔ یہ سن کر اس درویش نے کہا بابا ایک بات اور بھی سن لو کہ وہ غار کسی آسان جگہ پر نہیں ہے بلکہ یونہی جاکر خزانے سمیٹ لائیں گے بلکہ ہمیں ایک طویل جنگل سے گزرنا پڑے گا اور اس جنگل میں خونخوار شیر، بھڑیے اور سانپ اور بہت سے موذی جانور رہتے ہیں۔ ہمیں اس غارتگ جانے کیلئے جان ہتھیلی پر رکھ کر ان درویشوں سے لڑنا پڑے گا۔ ان میں سے ایک آدمی بولا کہ بھائیو! میں تو یہ یقین سے کہتا ہوں کہ اس درویش نے کبھی ہوسٹ کس کو مارا مگر اسے اشتباہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اس نے جس چیز کو خزانہ سمجھا ہو وہ خزانہ نہ ہو، اس لیے ہمیں اس کے ساتھ جانے سے پہلے سوچنا چاہیے۔

اسی طرح دیگر لوگوں نے بھی تقریریں کیں تو لوگوں نے کہا کہ درویش بابا ایک ان دیکھی اور غیر یقینی چیز کے لیے کون اپنی زندگی کو مصیبتوں میں ڈالے گا؟ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم درندوں سے لڑیں مصیبتیں اور اذیتیں برداشت کر لیں وہاں سے ہمیں وہ خزانہ کسی بڑی مقدار میں حاصل ہی نہ ہو۔

اس پر اس درویش بابا نے کہا بھائیو! میں تمہاری بات سمجھ چکا ہوں اس لیے آپ کو ایک اور راستہ بتاتا ہوں۔ یہ ہے کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف سے ایک راستہ جاتا ہے جو اس غار کی پشت کی طرف سے آتا ہے اس میں ایک طرف ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ اگر سوراخ سے صبح کے وقت جھانکا جائے تو وہ خزانہ سامنے نظر آتا ہے اور وہ راستہ بالکل آسان یعنی اس راستہ میں کوئی درندہ مدخلت نہیں کرتا۔ اس لیے تم ایسا کر دسارے لوگ میرے ساتھ چلو میں صبح کی پہلی کھانے کے ساتھ تمہیں وہ خزانہ دکھا دوں گا مگر اس سوراخ سے خزانے کو صرف دیکھا جاسکتا ہے حاصل نہیں کیا جاسکتا اسے حاصل کرنے کیلئے وہی درندوں والا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔

یہ سن کر سارے لوگوں نے کہا چلو بھائی ہم اس خزانہ کو دیکھ لیں۔

اس پر درویش بابا انہیں لے کر گیا اور اس سوراخ سے انہیں وہ خزانہ دکھایا تو پھر واپس آ کر سارے لوگ درویشوں سے لڑنے کیلئے تیار ہو گئے۔

دوستو! عصر حاضر کے انسان کو ایک تو کسی پر پورا یقین نہیں جو انسان ایک لاکھ چوبیس ہزار اہل علم و السلام کی تعلیمات اور ان کی مقدس کتابوں کو ہضم کر چکا ہے وہ چند غرقاء کی تبلیغ سے کیسے بدلا جاسکتا ہے؟ اب اس کے لیے کوئی شارٹ کٹ ہی تلاش کرنا پڑے گا۔ جب تک یہ ظاہر بین اور مادیت پرست انسان عالم ماوریٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لے گا کبھی اس کے حصول کی کوشش نہ کرے گا۔ اب اس دور میں لمبے لمبے اعمال اور طویل Process کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ کسی خفیہ سوراخ سے ایک مرتبہ عالم ماوریٰ کے خزانے اسے دکھانا پڑیں گے۔ جب یہ ان کی ایک جھلک دیکھ لے گا تو پھر یہ لالچی اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کرے گا۔ یہ انسان لمبے اور ان دیکھے ادھار پر نقد لذتوں کو کبھی قربان کر سکتا۔ اس لیے اس دور میں سب سے اول اسے کچھ دکھانے کی ضرورت ہے پھر یہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو جائے گا۔

- ☆ خواہشاتِ نفس اور دنیا کی مخالفت کے سامنے سینہ سپر رہنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔
- ☆ آلام و مصائب میں انسان ان سے لطف اندوز ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر ان کے مبداء پر ہوتی ہے۔

اپ دہم

روحانیت کی اخروی افادیت

دوستو! روحانیت کے آخرت میں بھی لاتعداد فائدے ہیں مثلاً

- ☆ انسان اس سے جنت کے بجائے خدمتِ سلطانی پر مامور کیا جائے گا جو جنت سے اربوں گنا زیادہ اعلیٰ درجہ کی حامل ہوتی ہے۔
- ☆ ساتوں جنتوں کے بجائے قربِ محبوبِ حقیقی حاصل ہوگا اور یہی وہ رضوانِ الہی ہے جس کے بارے میں لایا گیا ”رضوان من اللہ اکبر“
- ☆ بروز حکومتِ الہیہ اسے مہمان کے بجائے شرفِ میزبانی ملے گا۔

حقیقتِ روح

حکما کے نزدیک روح کی تعریف

الرُّوحُ جَوْهَرٌ مُّجَرَّدٌ عَنِ الْمَادَّةِ فِي ذَاتِهِ وَ مُتَعَلِّقٌ بِهَا فِي صِفَاتِهِ يُشِيرُ إِلَيْهِ كُلُّ وَاحِدٍ بِقَوْلِ

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچسٹر

روح ایک جوہر ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے مادے سے خالی ہے۔ اور اپنی صفات کے اعتبار سے مادے کو انکار کرتا ہے۔ ہر شخص اس کی طرف سے اپنے ہر کام میں میں اور تو کے ساتھ اشارہ کرتا ہے۔

افلاطون کا قول ہے کہ روح (نفسِ ناطقہ) کی جگہ عالم بالا ہے۔ یعنی وہ کوئی مادی یا دنیاوی چیز نہیں ہے۔ روح بذاتِ خود غیر فانی ہے اور خدائی صفات رکھتی ہے۔ لیکن مادی جسم سے متحد ہونے کی وجہ سے اکثر پابندیاں اس پر وارد ہو گئی ہیں۔

مصادیقِ روح قرآن کی نظر میں

اس سے پہلے کہ ہم انسان کی روح کے بارے میں قرآن کا نظریہ پیش کریں ہم اس بات کو واضح کرتے جائیں کہ لفظ روح قرآن میں کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

سورۃ الشعراء میں یہ اس معنی میں آیا ہے:

”قَوْلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ“

اے جبریل امین! لے کر نازل ہوئے ہیں، یہ آپ کے قلب پر نازل ہوا ہے تاکہ آپ لوگوں کو عذابِ الہی سے ڈرائیں۔

سورۃ معارج میں اس کا استعمال اس طرح ہوا۔

تَفْرُجُ الْمَلَكُوتَ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ مَسِينَةٍ

جس کی طرف فرشتے اور روح بلند ہوتے ہیں اس ایک دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال برابر ہے۔

سورہ قدر میں ارشاد ہوا ہے۔

”تَنْزِيلُ الْمَلَكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ“

اس میں ملائکہ اور ”روح القدس“ اذنِ خدا کے ساتھ تمام امور لے کر نازل ہوتے ہیں۔

لیکن جب انسان کے حوالے سے روح کا تذکرہ کیا تو روح کی حقیقت ان لفظوں میں بیان کی۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

اے (میرے حبیب) کہہ دیجئے کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے۔

انسان حامل روحِ خدائی

اور اسی طرح سورہ حجر میں خلقتِ آدم علیہ السلام کے بعد جب خالق نے اس میں روح پھونکنے کا ذکر کیا

استعمال کیے۔

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي

اس میں (آدم علیہ السلام) میں اپنی روح حیات پھونک دوں۔

پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ انسان حامل روحِ خدائی ہے۔ کیا صرف روحِ انسان روحِ خدا ہے؟

ارواح کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ اور اگر باقی ارواح کا خدا سے تعلق ہے تو پھر کیوں انسان کے لیے فرمایا کہ

پھونک دی ہے؟

ان سوالوں کا جواب یہ ہے کہ تمام چیزیں خدا سے اور خدا ہی کے لیے ہیں۔ تمام مکان اور زمان خدا کے

ہیں۔ لیکن پھر بھی کہتا ہے۔ ”بیٹی“ میرا گھر جیسے سورہ بقرہ میں کہا۔

أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي لِمَنْ يَنْفَعُنِي

میرے گھر کو پاک و پاکیزہ بنا طواف کرنے والوں کے لیے۔

اسی طرح تمام انسان خدا کی مخلوق ہیں پھر بھی کہتا ہے ”عبادی“ میرے بندے جیسے سورہ فجر میں ارشاد فرمایا

فَاذْكُوبْنِي بِمِثْلِي عِبَادِي

پھر میرے بندوں میں شامل ہو جا۔

خدا سے ان چیزوں کی نسبت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ خدا صرف انہیں بیت، روح، مکان اور زمان کا خالق ہے۔

کیونکہ انسان تمام موجودات میں ایک خاص شرافت رکھتا ہے لہذا فرمایا:

”نَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي“ اسی طرح کعبہ تمام مکانوں کی نسبت ایک خاص خصوصیت کا حامل ہے۔ لہذا فرمایا

”بیٹی“

اسی طرح انسانوں میں ”مومن“ کی بڑی شان ہے اور ”مومن“ ایک خاص اہمیت اور شرافت کا مالک ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت رکھتا ہے لہذا فرمایا ”عبادی“

اسی طرح انسان کی روح کی بھی ایک خاص اہمیت ہے۔ آدم علیہ السلام پہلے بھی جسم کی صورت میں تھے لیکن

ان کو کعبہ کے کا حکم نہ ہوا۔ لیکن جب روح پھونکی گئی تو آدم ابو البشر علیہ السلام موجود ملائکہ قرار پائے۔ پس یہی روح ہے

اس کی معرفت خدا کی معرفت کے مساوی ہے۔ انسان کی روح کس طرح معرفتِ خدا کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس

سوال سے عارفین حق کے دس اقوال ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

روح بدن کا مدبر ہے اور ہم جانتے ہیں کہ جہان ہستی کیلئے بھی کوئی مدبر ہے۔

روح تنہا ہے اور دلالت کرتی ہے خدا کی تنہائی اور یکتائی پر۔

روح بدن کو حرکت میں لانے کی قدرت رکھتی ہے لہذا یہ دلیل ہے قدرتِ خدا پر۔

روح بدن سے واقف ہے۔ یہ دلیل بنتی ہے خدا کی آگاہی پر۔

روح اعضا پر غلبہ رکھتی ہے۔ یہ دلیل ہے کہ خدا کے تسلط اور غالب ہونے پر ہے۔

روح بدن سے پہلے موجود تھی اور بدن کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہے گی، یہ دلیل ہے خالق کی ازلیت اور

ابدیت پر۔

انسان کا حقیقی نفس ہے آگاہ نہ ہونا دلیل ہے کہ ذاتِ خدا کی گہرائی کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔

روح کے لیے انسانی بدن میں کوئی خاص جگہ معین نہیں، اسی طرح یہ دلیل ہے کہ خدا کے لیے بھی کوئی محل نہیں۔

روح کو کوئی چھو نہیں سکتا۔ یہ دلیل ہے خدا کو کوئی چھو نہیں سکتا۔

روح اور نفس انسان کو دکھائی نہیں دیتے۔ یہ دلیل ہے اس پر کہ خالق روح مری نہیں۔

جسم لطیف

بعض عرفاء روح کو جسمِ لطیف سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس جسمِ خاکی کے اندر ایک اور جسمِ داخل

ہے جو بخاراتِ آبی سے زیادہ لطیف ہے حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسمِ خاکی وفانی ہے اور وہ غیر فانی۔ جب ہم سو جاتے ہیں

جسمِ لطیف خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے

ہیں، اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے۔ ورنہ نیند کے بعد جسمِ لطیف، جسم

خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فِيمِنْهُكَ الَّتِي قُضِيَ عَلَيْهَا الْمَوْتُ

(وَلَمْ يَسْأَلِ الْأَنفُسَ إِلَّا أَجَلُ مُسَمًّى ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ) (سورۃ الزمر)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جو دو طرح سے روحوں کو قبض کرتا ہے، موت کے وقت اور نیند میں، وہ مرنے والوں کی روحوں

کو اپنے ہاں روک لیتا ہے، لیکن باقی ارواح کو ایک خاص میعاد کے لیے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے۔ اس میں اہل فکر کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں۔

عالم مثال یا آسٹرل ورلڈ

جسم لطیف یا آسٹرل ہاڈی عالم خواب میں جس دنیا کی سیاحت کرتے ہیں عرفان اسلامی کے عالم اولیٰ اس کو عالم مثال کہا ہے جبکہ یورپی سیرچلسٹ اس کو آسٹرل ورلڈ کہتے ہیں۔ اس آسٹرل ورلڈ میں غیر شر ہرود کی موجود ہیں جن کو Positive Forces اور Negative Forces کہا جاتا ہے۔ اللہ کے سامنے ہنک ہانک ہمارا رشتہ تو اے خیر سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور بدی ہمیں شیطان سے منسلک کر دیتی ہے۔ اب انسان کا تعلق ان دونوں سے جس کے ساتھ بھی ہوا سکے فکر و عمل پر آسٹرل ورلڈ کی وہی قوت اثر انداز ہوتی ہے۔ انسان کے ذہن میں جو بھی گہرائی ہے وہ آسٹرل ورلڈ کی قوتوں کے زیر اثر آتی ہے۔

اگر انسان نیک کام کرے نیک لوگوں سے تعلق رکھے یا کسی نیک روحانی سلسلے کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو اس کے Positive Forces سے بن جاتا ہے۔ پھر اس کے ذہن میں جو بھی چیز آتی ہے وہ نیک ہوتی ہے۔ اگر انسان بدکار ہو تو پھر اس کی زندگی آسٹرل ورلڈ کی Negative Forces کے زیر اثر ہوتی ہے اور اس کے ذہن میں جو بھی تجاویز آتی ہیں وہ شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ اس نظریے کی تصدیق قرآن سے یوں ہوتی ہے۔

إِنَّ الْبَلِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخٰفُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَالْاَنۡفُسُ السَّاجِدَةُ اَلَّذِيۡنَ كُنْتُمْ تُوعَدُوْنَ

ترجمہ: ”جو لوگ اللہ کو اپنا آقا تسلیم کرنے کے بعد اس راہ پر جم جاتے ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور موت، نہ غم کھاؤ اور اپنی موجودہ جنت کے حصول پر خوشیاں مناؤ۔ ہم اس زندگی نیز اگلی میں تمہارے دوست رہیں گے اور جو چاہو گے وہاں مل جائے گا۔“

الشَّيْطٰنُ يَعِدُّكُمْ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۤءِ۔

شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔

شیاطین کی یہ ترغیب بدکاری اور فرشتوں کی حوصلہ افزائی کا تعلق عالم مثال یا آسٹرل ورلڈ کے ساتھ ہے۔



روحانیت اور مذاہب عالم

انہی ان جہاں کی نظر میں مذہب کی تعریف

ہمز مارٹینو: ”ایک ابدی اور سرمدی خدا پر اعتقاد“ مذہب“ کہلاتا ہے۔“

ہرٹ اسپنسر: ”تمام چیزیں ایک قادر کی تخلیقات ہیں جو ہماری شناخت سے بالاتر ہے۔ اس مطلب کی بنیاد پر مذہب کہلاتا ہے۔“

ایف۔ ایچ بریڈلی: ”انسانی وجود کے تمام پہلوؤں کے ذریعے ہر چیز کی واقعیت اور حقیقت کو دکھانے کی کوشش“ مذہب“ کہلاتا ہے۔“

سی۔ پی۔ ٹائیکل: ”دین وہ حالت و حرمت آمیز روح ہے جس کو پرہیزگاری کہتے ہیں۔“

علامہ طباطبائی: ”دین عبارت ہے زندگی کے اس خاص طریقہ سے جس میں حیات دنیوی کی فلاح و بہبود ہے اور دینی کمال اور دائمی حقیقی زندگی پروردگار کے قرب و جوار میں میسر آتی ہے۔“

ان تمام تعریفوں سے ثابت ہوا کہ خدا کا تصور دنیا کے تمام مذاہب میں موجود ہے۔ پس اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام مذاہب میں روحانیت کسی نہ کسی رنگ میں موجود ہے۔

اقوام عالم میں جن مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ ان مذاہب میں علم روحانیت کو کس قدر مانا گیا ہے اب ہم یہ بیان کریں گے۔

روحانیت اور ہندومت

ہندو دھرم میں روحانیت کی سب سے اہم کتاب ”بھگوت گیتا“ ہے۔ گیتا مہا بھارت کی جنگ کے دوران مہاراج کرشن اور ان کے شاگرد اور پچا زاد بھائی ار جونا کی بات چیت پر مشتمل ہے۔ اس میں مہاراج کرشن ار جونا کو

روحانیت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس عرصے میں ان کی پوری دوسلیں مر گئیں۔ جب یہود بابل والوں کی غلامی سے چھوٹے تو ان کے ایک اسرار نامی اسرار نے 140 سال کے بعد تورات دوبارہ اکٹھی کی۔ چونکہ کوئی پرانا نسخہ نہ بچا تھا اس لیے اس نے یہودیوں سے 70 اہل لیے جن پر لوگ اعتبار کرتے تھے، ان 70 آدمیوں کی یادداشت کی مدد سے تورات دوبارہ لکھی گئی۔ یہودیوں کے آج کلین اہم فرقے ہیں۔ یہودیوں کا روحانی فرقہ قبائل کہلاتا ہے۔

روحانیت اور عیسائیت

عیسائیوں کی روحانیت ان کی مذہبی کتاب ”بائبل“ کے گرد گھومتی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے کوئی کتاب خود نہیں لکھوائی تھی، مگر ان کی سب باتوں کو ان کے بارہ حواریوں نے لکھا جس سے بائبل بنی۔ پھر انہی بائبلوں سے آگے سیکڑوں بائبل بنائی گئیں جو کہ کوئی ڈھائی سو سال پہلے ختم کر کے اب کی موجودہ بائبل بننے دی گئیں۔ عہد نامہ جدید کے کل 27 باب ہیں، اس طرح عہد نامہ قدیم و جدید کے ملا کر کل 66 باب ہیں جن میں عہد نامہ جدید کے چار مشہور رائیڈیشن ہیں جو کہ مارک، متی، لوقا اس اور جان کی بائبل کے نام سے مشہور ہیں۔

اسلامی روحانیت اور مذاہب عالم کا تقابلی جائزہ

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچستر

بحیثیت مسلمان دیگر الہامی کتابوں زبور، انجیل اور تورات کو ماننا ہم پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں اس امر کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے جیسا سورہ التین میں اس اہمیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

”قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سنن کی اور شہر امن والے کی“، محققین عامہ و خاصہ کے نزدیک کہ التین اور الزیتون سے ان دو پہاڑوں کی طرف اشارہ ہے جن کے قریب بیت المقدس واقع ہے وہاں یہ درخت بکثرت پائے جاتے ہیں اور وہی مولد و مبعث حضرت عیسیٰ کا ہے۔ اور طور سنن یا طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں پر حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور امن والا شہر مکہ معظمہ ہے جہاں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآن پاک اتارا گیا۔

روحانیت کے تمام مکاتب فکر میں ورد اور ذکر جن کو ہندو دھرم کی اصطلاح میں منتر کہا جاتا ہے کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس میں استاد اپنے شاگرد کو کوئی نہ کوئی ورد یا ذکر دہرائے گا کہتا ہے جیسے ہندوؤں میں منتر اوم ہے۔ یہ منتر (ورد) بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ایک خاص ہندو فرقہ کرشنا میں منتر ہرے کرشنا ہے۔ اسی طرح ہر فرقہ روحانیت میں ورد، ذکر یا منتر پائے جاتے ہیں۔ مسلم روحانیت میں منتر کے بجائے ذکر یا ورد بتایا جاتا ہے جیسا کہ مسلم صوفیاء ”اللہ ہو“ یا کوئی نہ کوئی اسم الہی پڑھنے کو کہتے ہیں۔ ورد یا منتر ہر مذہب کی مخصوص زبان میں ہی کرواتے جاتے ہیں۔ یہ اسی زبان میں کئے جاتے ہیں جن میں وہ مذہبی کتاب میں موجود ہیں۔ اگر ان کا ترجمہ کیا جائے تو ان کا مطلب تو وہی ہوتا ہے لیکن اثر ختم ہو جاتا ہے۔

مثلاً اگر آپ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں اس کے بجائے آپ یہ پڑھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو آپ کو

ہندوؤں کی روحانیت میں تیاگ دنیا کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جس میں انسان گھربار، بیوی، بچہ، گھر، کرئیں لے لیتا ہے تاکہ انسان کسی بھی دوسرے بھجنت میں توانائی ضائع کرنے کے بجائے پوری توہمہ روحانیت پر دے سکے۔

روحانیت اور بدھ مت

مہاتما بدھ کسی نئے مذہب کو لے کر نہیں آئے تھے انہوں نے صرف ہندو مذہب میں علم روحانیت کی ایک نئی جہت کو متعارف کروایا جس میں اواگان (بار بار پیدا ہونا اور مرنا) سے نجات کا راستہ بتایا تھا۔

مہاتما بدھ نیپال میں کوئی 500 سال قبل مسیح میں ایک ہندو کھتری قبیلے کے گھر میں پیدا ہوئے، ان کی تعلیم بنیادی طور پر یہ ہے کہ زندگی سزا suffering اور Misery ہے، جس سے نجات ممکن ہے۔ اگر انسان لالچ، نفرت اور کینہ چھوڑ دے تو دائمی سکون (نروان) مل جائے گا ورنہ انسان بار بار پیدا ہوتا اور مرتا رہتا ہے۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات سیدہ چلتی رہیں۔ جب یہ تعلیمات تبت پہنچیں تو انہوں نے اس کا لامہ ازم بنالیا۔ نروان ملنے کے بعد مہاتما بدھ نے پانچ سو چار عظیم سچائیوں (نوبل ٹروٹھ) کے نام سے جانا جاتا ہے۔

1- زندگی کی ایک کشت (Suffering) ہے۔

2- اس سزا سے رہائی ممکن ہے۔

3- اس سزا سے رہائی کا ایک راستہ ہے۔

4- اس سزا سے رہائی ملنے کو ہی نروان کہتے ہیں

انہوں نے فرمایا کہ انسان لالچ کی وجہ سے ہی بار بار پیدا ہوتا رہتا ہے اور اگر انسان لالچ، نفرت اور کینہ چھوڑ دے تو نروان (دائم سکون) مل جاتا ہے۔ نروان کی تشریح یہ ہے:

تمہیں کچھ نہیں کرنا چاہیے، کہیں نہیں جاننا چاہیے کچھ بھی نہیں بننا چاہئے علاوہ اس کے جو کچھ موجودہ حال میں ہیں۔

روحانیت اور یہودیت

یہودیت میں روحانی تقویت کا سہارا ان کی مذہبی کتاب تورات ہے جو عہد نامہ قدیم میں موجود ہے۔ عہد نامہ قدیم کے کل 39 باب ہیں۔

586 ق م میں جب بخت نصر بادشاہ بابل نے یروشلم پر حملہ کیا تو یہاں کی سلیمانی کو تباہ کر کے یہودیوں کو غلام کر لے گیا، ان کی سب مذہبی کتابیں و دستاویزات جلادی گئیں۔ یہودی ان کی غلامی میں تقریباً 50 سے 80 سال تک

پڑھا جائے۔ اصل چیز یقین کامل ہی ہے۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کا اپنے والد محترم کے ساتھ یہ مکالمہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ اس زمانے کی بات ہے جب اقبال کا بچپن تھا۔

اقبال صاحب اس وقت بیچے تھے انہوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا تھا تو ان کے والد بولے ”اقبال قرآن مجید کج طرح سے پڑھنے کی کوشش کر؟“ اقبال نے پوچھا وہ کس طرح؟ والد صاحب بولے ”قرآن اس طرح اُچار کر دیکھ قرآن پاک رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب اترتا تھا اس کیفیت میں پڑھو۔“

دنیا سے بے خبر ہو کر اور قرآن کے معنی میں جذب ہو کر پڑھنے والے اس کیفیت میں بھی جاسکتے ہیں۔ کامل انسان کے ساتھ ایسا کریں۔ کھوکھور پڑھتے وقت کئی لوگوں کو وہ واقعے بھی آنکھوں سے نظر آ جایا کرتے ہیں جن واقعات کے بارے میں قرآن پاک کی یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

اگر آپ کسی آیت کا ورد رکھتے ہیں تو آپ میں بھی اس آیت کے لفظوں کی صفات آ جاتی ہیں۔ ہر آیت کی اپنی الہی انرژی، وابہریشن یا مؤکلات ہیں۔ یہ مؤکلات تا دیر نہیں رکھتے لیکن یہ مؤکلات اس آیت کا چلہ وغیرہ کرنے کی صورت میں انسان کے ساتھ مستقلاً موافقت کرتے ہیں۔

ہرزبان کے روحانیت والے جب بھی یکسوئی سے ورد کرتے ہیں تو وہ پرانی اصلی زبان کے لفظ ہی استعمال کرتے ہیں اور یہ لفظ ان کی بڑی روحانی ستیوں اور پیغمبروں وغیرہ کے بتائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ترجمہ پڑھنے سے کام نہیں چلتا لیکن اہم بات یہ بھی ہے کہ جس چیز کا بھی آپ ورد رکھتے یا لگا تار پڑھتے رہتے ہیں، ان کے مطلب بھی ذہن میں آجائیں ورنہ اس کا پورا فائدہ نہیں ہوتا۔

مطلب یاد ہونے کے بعد جب کسی آیت یا ورد کو دہرایا جاتا ہے تو اس کی طاقت بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہ انسان کے ذہن میں بھی گہرا اثرات چلا جاتا ہے، ذہن میں مطلب بیٹھے ہوں تو پڑھتے وقت توجہ نہ ہونے کے باوجود بھی اس کا اثر ہوتا رہتا ہے۔ قرآن کی آیتوں کو خالی سننا بھی اثر کرتا رہتا ہے۔ ویسے بھی کسی ورد کا ذہرانا ضائع نہیں جاتا چاہے انسان کی توجہ کسی اور طرف ہی لگی ہو، مگر توجہ کے ساتھ پڑھنے کا اثر لازمی طور پر زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن پڑھنے کا صحیح طریقہ ٹھہر کر پڑھنے کا ہے۔

آیتوں کی اہمیت اور ان کے استعمال میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مشہور واقعہ واضح ثبوت دیتا ہے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سید بن اعصم یہودی اور اس کی بیٹیوں نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ ہمارے بیمار تر ہوتے چلے گئے۔ پھر حضرت جبرائیل آئے اور آپ کو جادو کے سامان کے بارے میں اطلاع دی جو یہودی مذکور نے ایک کنوئیں میں ایک پتھر کے نیچے داب دیا تھا۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو بھیجا جو کنوئیں سے آپ کے بال نکال کر لائے اور ایک کمان جس پر گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ سورۃ فلق اور سورۃ الناس کی کل گیارہ آیتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے اور ایک گرہ کھولتے گئے۔ گرہیں کھلتی ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحت مند ہونے لگے۔

کیا بغیر پڑھے اللہ کے حکم سے گرہ نہیں کھل سکتی تھیں؟ کیا ممکن نہ تھا؟ یہ بالکل ممکن اور اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل

کوئی فائدہ نہ ہوگا یا بہت کم فائدہ ہوگا۔

روحانیت میں طالب علموں کو روحانی طاقت بڑھانے کے کئی طریقے بتائے جاتے ہیں مثلاً ذکر و اذکار، مراقبہ اور تکیا توجہ، کم کھانا، کم بولنا، کم سونا، تھکر کائنات، عزت نشینی اور مرشد کی روحانی توجہ وغیرہ شامل ہیں۔ مرشد کی روحانی توجہ میں وظیفے اور روحانی فیض شاگرد یا روحانی طالب کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔

ہندو مذہب میں ورد کو منتر کہا جاتا ہے۔ اہل ہندو کا عقیدہ یہ ہے کہ جوں جوں انسان ورد میں کثرت کرتا ہے اس کی روحانی قوت بڑھتی جاتی ہے اور اس کے دہرانے سے دل کی کثافت ختم ہو جاتی ہے۔ ہندو دھرم کے مطابق منتر کا زیادہ مخفی رکھا جائے گا اس کی طاقت بڑھتی جائے گی۔ یہ ان لوگوں کا منتر کے بارے میں عقیدہ تھا۔

مسلم روحانیت میں قرآن پاک کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کے نام بھی کراثاتی اثرات رکھتے ہیں۔ صرف وہ یقین اور وہ کیفیت طاری کر کے پڑھا جائے جو کہ اسکے لیے ضروری ہے پھر آپ ان کے اثرات دیکھیں۔ اور اعتقاد اس میں بھی اہم ترین شے ہوتی ہے۔ قرآن میں اسی لیے ایک اعراب تک کی تبدیلی بھی نہیں ہوئی اور نہ اس کی تبدیلی کی کوئی گنجائش رکھی گئی ہے۔ کہ اس میں الفاظ اور ورد کی طاقت کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ قرآن میں جہنم میں فرشتوں کی تعداد انیس بتائی گئی ہے۔

ایک مصری عالم دین نے قرآن میں سے کچھ آیتیں منتخب کر کے کمپیوٹر میں ڈالیں جن کا آغاز مخصوص حرف سے ہوتا ہے۔ ان آیتوں میں شامل سب کے سب لفظ انیس پر مکمل تقسیم ہو جاتے ہیں۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کمپیوٹر وغیرہ کا تصور بھی نہ تھا، اس وقت اتنی جزئیات اور باریکیوں کو ملحوظ خاطر رکھنا اہل مغرب اور دیگر مذاہب کے لیے قرآن کو انسانی کلام کے بجائے الہامی کلام ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

روحانیت میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے آسان اور صحیح طریقہ ہے جس پر عمل کر کے ہر مسلمان ہر جلدی ترقی کر جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تفکر فی القرآن کرے کیونکہ قرآن میں ہر اس امر کو بیان کر دیا گیا ہے جو روحانیت کی منزل عظمیٰ تک رسائی کے لیے ضروری ہے۔ تلاوت قرآن کے حوالے سے جب ہم احادیث نبویہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تلاوت قرآن کی اہمیت اس امر میں ہے کہ قرآن پاک عربی زبان میں پڑھا جائے، محض ترجمہ کلام نہیں کرے گا اور حکم قرآن کہ

ذَکَّلَ الْقُرْآنَ تَرْتِیلاً

ترجمہ: قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرو

اس حکم قرآن کی وضاحت کرتے ہوئے عرفاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیات مجیدہ کو مخصوص اوقات اور شرائط کے ساتھ پڑھا جائے تو ان آیات قرآنی کے ساتھ وابستہ مؤکلات انسان کے ساتھ مانوس ہو جاتے ہیں۔ مختصر یہ سب کچھ قرآن میں موجود ہے۔

قرآن میں منازل روحانیت کے تمام اسباق موجود ہیں۔ صرف ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو یقین کے

ایمان والوں کو اغتباہ ہے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! دیکھو عیسائیت میں بہت سے عابد اور اللہ سے غلامی طور پر ڈرنے والے ہیں جنہوں نے لوگوں کا مال ہضم کرنا شروع کر دیا اور اللہ کے راستے میں حائل ہو گئے اور انہوں نے سونے چاندی کے خزانے جمع کر لئے اور ایک پیسہ بھی راہِ خدا میں خرچ نہ کیا بس ان لوگوں کو ”عذاب الیم“ کی سزا دے دو۔

اس آیت میں بھی واضح طور پر ان افعال کی مذمت ہے اور یہ افعال اہل اسلام کے لیے بھی اتنے ہی مذموم ہیں جتنے کسی اور مذہب کے لیے ہیں۔ یہ اخلاقی برائیاں ہیں جنہیں لاندہب بھی پسند نہیں کرتے۔ کسی کا مال ہضم کرنا دولت کو ہارنا اقتصاد کی نکتہ نگاہ سے بھی قبیح ہے خاص طور پر اہل اسلام کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ سونے چاندی کے خزانے جمع نہ کرو، ہمارے لئے آخرت میں عذاب بن جائیں گے مگر یہ ان افعال کی مذمت ہے۔

لیکن اس آیت سے بذاتِ خود رہبانیت کو برا کیسے کہا جاسکتا ہے۔

سورۃ المائدہ میں ہے اے ایمان والو تمہارے بدترین دشمن یہودی ہیں اور تمہارے بہترین دوست عیسائی ہیں انہیں کرنے والے نصاریٰ ہیں اور اس کی وجہ جو بتائی ہے وہ یہ ہے کہ

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَتَلُوا نَبِيَّكُمْ وَأَنَّهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ

کیونکہ ان میں سے ایک نبی آپ کو قتل کر دیا اور وہ سیکھ نہیں کرتے

یہاں راہبین کو جذباتی لحاظ سے اسلام دوست قرار دیا جا رہا ہے اور اچھے الفاظ میں یاد کیا جا رہا ہے پھر سورۃ

مائدہ میں ہے کہ جناب عیسیٰ کو انجیل عطا ہوئی اور نصاریٰ کے بارے میں ہے۔

وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً ۖ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ط وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝

اور نصاریٰ کے دلوں میں اتباعِ عیسیٰ علیہ السلام سے رافت اور رحمت کو داخل کیا گیا اور انہوں نے رہبانیت کا حق ادا نہ کیا اس کا لحاظ نہ رکھا اور ان میں سے جو صاحبِ ایمان تھے انہیں تو اجر عطا کیا گیا اور کثرت سے ان میں ایسے لوگ تھے جو فاسق تھے بُرے تھے۔

یہ ہیں وہ آیات جن میں رہبانیت کا تذکرہ ہے، اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ رہبانیت کس حد تک مذموم ہے اور کہاں تک ترکِ دنیا مذموم اور قابلِ ملامت ہے۔

اسلام نے دونوں رُخوں پر مکمل بحث کی ہے جہاں عبادات کا ذکر فرمایا ہے وہاں عبادات کو اجتماعی شکل دے کر امت پر احسان فرمایا ہے نماز باجماعت کے فضائل نماز منفردہ سے کئی گنا زیادہ بتائے ہیں یعنی اگر مومنین کی جماعت میسر ہے تو کنارہ کشی اور غلو ت حرام ہے، اگر جماعت مومنین میسر نہیں تو کنارہ کشی مباح ہے، عزلت حلال ہے، حکم دیا ہے کہ بہتر ہے کنارہ کش ہو جائیں اور حکم دیا ہے کہ بہتری اسی میں ہے کہ گھروں کے فرش بن جائیں، محافل اور اجتماعات سے بچنے میں عافیت ہے۔

آسان تھا لیکن اس کا مقصد ہم مسلمانوں تک یہ پیغام پہنچانا تھا کہ سورتوں کو استعمال کرو۔ اور ان کی اہمیت واضح کی گئی۔ اور عملی ثبوت دیا ورنہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس کی طاقت تھی کہ جادو کر سکتا۔ اس سے جادو کے موجود ہونے کا بھی سبب ثبوت مل گیا۔

انسان پر کیفیت طاری کر کے سورتیں پڑھنے کے بارے میں قرآن پاک میں سورہ زمر میں اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں، بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کاٹنے لگتے ہیں اس کے پڑھنے سے بدن ان کے جوڑ رتے ہیں اپنے پروردگار سے، پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف، یہ اللہ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے جس کے ذریعے جسے چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اسلام اور مذاہبِ عالم کی روحانیت میں بنیادی فرق

اسلام اور مذاہبِ عالم کی روحانیت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ باقی تمام مذاہب کے روحانی نظام میں کسی نہ کسی شکل میں رہبانیت پائی جاتی ہے جبکہ شارعِ اسلام کا حکم یہ ہے:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اسلام میں رہبانیت کے بجائے زہد اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اب ہم اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ رہبانیت کیا ہے اور زہد کیا ہے۔ تاکہ اسلام اور مذاہبِ عالم کی روحانیت میں بنیادی فرق کو سمجھا جاسکے۔

دیکھیں قارئین! رہبانیت کا ذکر کلامِ الہی میں پانچ یا چھ مرتبہ ہوا ہے مگر کہیں بھی رہبانیت کو بذاتِ خود برا نہیں کہا گیا اس کی مذمت نہیں کی گئی مثلاً سورۃ توبہ میں ہے:

اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

عیسائیت کے علمبرداروں میں سے جو ان کے عابد اور راہب تھے انہوں نے اللہ کے علاوہ خدا بنا لئے تو اگلی مذمت ہوئی۔ عمل کی نہیں عقیدے کی ہو رہی ہے۔ کیونکہ اسلام کے لبیل میں نماز و روزہ کی ادائیگی کے ساتھ اگر غیر اللہ کو اللہ ماننے پر مجبور کرے تو فسادِ عمل میں نہیں عقیدے میں ہے۔ یا یوں سمجھ لیں یہاں مذمت رہبانیت نہیں یا ترکِ دنیا کی مذمت نہیں بلکہ غیر اللہ کو اللہ ماننے کی ہے۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ہوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَكُلُّونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝

مومن کے دس فضائل میں فرمایا کہ مومن کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ اعتدال المخلوۃ کہ وہ خلوت کو تلاش کرتا ہے۔
 اصحاب صفہ نے زہد کا جو مظاہرہ دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فرمایا وہ تاریخ کے دامن کا نالہ ہے۔ انہوں نے گھریا چھوڑے عزت کی، غربت پسندی، ترک لذات کیا، صبح و شام ٹھہریا بھر بھجور پیا کٹھا کیا، نہ دھو نہ نہ مال نہ جائیداد نہ گھر نہ مویشی، سب کچھ چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں حاضر رہے لباس تھے تو داغی سے بھجور کے پتوں کے جگہ جگہ پیوند، کپڑوں سے ناگوار بو آتی تھی۔ جملہ صعوبات حیات برداشت کر کے قرب حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی گزارنے کو ترجیح دی کیا یہ بھی رہبانیت ہے؟

رہبانیت اور زہد میں ایک طرح کا یہ فرق بھی ہے کہ رہبانیت ہے پانی سے دور رہ کر پانی کے لیے ٹھہرنا، محروم تصور کر کے اسی کے تصور میں زندگی بھر چٹارے لینا۔ اور زہد یہ ہے کہ پانی میں رہ کر پانی سے مستغنی رہنا، قہر و لباس تر نہ ہونے دینا، مرغابی کی طرح پانی میں رہ کر خشک رہنا۔
 جیسے شہد کی مکھی خود شہد بناتی ہے مگر اس میں پھنس کر نہیں مرنی۔ دوسری مکھی دور ہو تو حسرت میں مرنی ہے۔
 جائے تو پھنس کر مرنے جاتی ہے۔ رہبانیت کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

اگرچہ پاک ہے طینت خوش رہی جیویے سر فر از شہد
 ترس رہی ہے مگر لذت گناہ کے لیے

لذت گناہ کے لیے دور رہ کر ترسنا رہبانیت ہے اور زہد یہ ہے کہ ”مَوْثِقًا لِّأَنْ تَمُوتُوا“ کہ موت سے دل مر جاؤ۔ یہی راز ہے کہ جب تم خود کو مردہ تصور کرو گے تو افتخار و لذت کی اقدار بدل جائیں گی۔ کسی دنیاوی مقصد کے لیے سونے کے تخت پر بیٹھنا اور مزبلہ (گندگی کے ڈھیر) پر بیٹھنا برابر ہوگا، سونے چاندی کے ڈھیروں کی انگلیں میں نہیں ہوگی، تخت حکومت پر بیٹھ کر خود کو قوم کا غلام سمجھو گے۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا ملک عظیم کس سے مل گیا ہے، جنات و انسان، وحوش و طیور اور ابرو باد کی حکمرانی کے باوجود اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا اور لذائذ سلطنت سے بے نیاز رہنا یہ زہد ہے۔

سلطنت کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہونا رہبانیت ہے، تخت پر بیٹھ کر خود کو گوشہ نشین تصور کرنا یہ زہد ہے اور زہاد کی صلاحیت جہاں بیان ہوئے ہیں وہاں فرمایا گیا:
 علم ان کی حقیقت اور بصیرت قلبی پہجوم کرتا ہے اور وہ ہمیشہ یقین کی روح کے ساتھ رہتے ہیں۔ ان پر ہر وہ آسان ہو جاتی ہے جو دوسروں کے لیے صعوبت شدید ہوتی ہے۔ وہ ہر اس چیز سے مانوس ہو جاتے ہیں جس سے جاہل و مشرک زہد رہتے ہیں۔ وہ بدنی زندگی (جسمانی طور پر) تو ساری دنیا کے ساتھ رہتے ہیں اور اہل دنیا کی صحبت میں رہتے ہیں مگر ان کی رو جس محل اعلیٰ میں معلق ہوتی ہیں۔ بدن لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں مگر روح گوشہ خلوت میں مجاہد تکاف ہوتی ہے۔
 حکیم بلو ہرنے زاہدین کی غذا (کھانے وغیرہ) کے ضمن میں بتایا کہ اگر ایک بادشاہ کو باغیوں کے ڈر سے ہمارا

زادہ جنگل میں جا کر پنا لے اور وہاں کھانے کو کچھ نہ ہو اور اس کے ساتھ اس کے بیوی بچے بھی ہوں اور ان میں سے ایک بچہ بھوک سے مرجائے اور باقی افراد کنبہ کی جان بچانے کے لیے اس کا گوشت بھون کر کھانے پر مجبور کیا جائے تو تم بتاؤ اس بچہ کی ماں اس کا کتنا گوشت کھائے گی۔

اسی سے قوت لایموت کے معنی سمجھ لو کہ کیا ماں بھی گوشت کی لذت کو انجائے Enjoy کرے گی بس اسی طرح اہل لذت سے لطف اندوز نہیں ہوتا۔ کیونکہ زہد ہے ہی ترک لذات میں۔ حکم ہے زندہ رہنے کے لیے کھاؤ نہ کہ کھانے کے لیے زندہ رہو میرا ذاتی خیال ہے کہ اخروی نقطہ نظر سے بذات خود نہ کوئی حلال ہے نہ کوئی حرام، اصل چیز اضطراب ہے یعنی اگر اضطراب کی حالت میں حرام بھی کھایا جائے تو حلال ہے اور اگر لذت نفس کے لیے حلال بھی کھایا جائے تو حرام ہے۔ یاد رہے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں حرام اضطراب میں حلال ہے مگر صرف اخروی نقطہ نظر سے لیکن دنیاوی مضرت لازمی ہیں۔
 زہد ترک لذت کا نام ہے اس کے بالمقابل قرآن مجید فرقان حمید میں ”ہوا“ اور ”شہوت“ کا ذکر آیا ہے۔
 ہوا اور شہوت میں کیا فرق ہے شہوت کے معنی ہیں فطرتی خواہشیں اندر سے اٹھنے والی تحریکیں مثلاً نیند کی تحریک، بھوک کی تحریک، پیاس کی تحریک، بولنے کی خواہش، آرام کی خواہش وغیرہ اور ”ہوا“ کے معنی ہیں مہیجائے خارجی۔
 اب کچھ شہوات ہیں جو فطری ہیں، ان پر اعتدال سے بڑھنے میں مذمت ہے یعنی رزقی حلال و طیب بھی سیر ہو کر

زیادہ سونا بھی دماغ کو کند کرتا ہے اور روحانیت کے لیے زہر ہے۔ یہی وجوہات ہیں کہ احیاء (شب باری) کے فضائل ہیں، قائم اللیل یعنی شب بھر عبادت کے لیے جاگنے والے کو سراہا گیا ہے اور صائم انھار یعنی دن کو روزہ رکھنے والے کی مدح کی گئی ہے۔ گویا عبادات کو بھی ترک لذات کی بنیاد پر موزوں کیا گیا ہے۔ یہ سب رہبانیت کے دائرے میں نہیں آتے۔
 جناب زکریا علیہ السلام نے ایک مرتبہ ابلیس کو طلب فرمایا اور دریافت فرمایا کہ کیا ہمارے اعمال میں تمہارا بھی کوئی حصہ ہے؟ اس نے عرض کی حاشا للہ ایسا نہیں ہو سکتا، آپ اللہ کے نبی ہیں مگر آپ کی صرف ایک بات سے مجھے کچھ ملتی ہوتی ہے کہ آپ سیر ہو کر کھانا تناول فرماتے ہیں۔ انہوں نے فوراً قسم اٹھالی کہ آئندہ سیر ہو کر کبھی نہیں کھاؤں گا۔
 دوستو! خواہشات نفس کی مخالفت عین اسلام ہے نہ کہ رہبانیت ہے۔ اسی بات کی طرف آئمہ اہل بیت اور صحابہ کرامؓ نے اشارہ فرمایا ہے کہ بندہ مومن کی پہچان یہ ہے کہ اگر یہ دنیا زرو جو اہر میں بدل دی جائے اور ایک گٹھڑی باندھ کر اس کے سپرد کر دی جائے اور گٹھڑی گر جائے تو پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے کہ کہاں گری ہے۔ یعنی مومن دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ زہد کی کوئی حد نہیں ہے۔
 اب خود سوچیں کیا ہم اس پر رہبانیت کا لبیل لگا سکتے ہیں؟ جبکہ یہ ہمارے لئے زہد کا درس تھا۔ اصل غلطی یہی ہوئی ہے کہ آج تک کسی نے زہد اور رہبانیت کے مابین کوئی خط تمیز نہیں کھینچا اور ان دونوں کے حدود اور بعد کو غلط ملط کر دیا گیا ہے، اس سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں۔

رہبانیت کے جو عام معنی لئے جاتے ہیں یہ تو انتہائی آسان اور سستا کام ہے یعنی نہ اپنی خبر نہ دوسرے کی خبر نہ اپنا نہ دوسرے کا گھاٹ۔ پاگل بن کر برہنہ پھرنا انتہائی آسان ہے۔ چند دن لوگ تالیاں پیٹتے ہیں بچے پتھر وغیرہ مارتے ہیں پاگل ڈیکلیرے کر کے کوئی اس کی کسی بات کا نوٹس نہیں لیتا۔ لیکن دنیا کے ساتھ رہ کر اس سے معاشرت نہ کرے ان سے علیحدہ رہنا، ایناے دنیا کے محفلوں میں رہ کر انہی لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنا، اپنی سفید پوشی قائم رکھنا اوراری بھگتنا، انہی کے ساتھ گھل مل کر رہتے ہوئے دین، چنانا انتہائی مشکل ہے۔ کیونکہ صحرا میں بیٹھ کر کپڑے نہ بھینگنے انتہائی آسان ہے مزہ تو یہ ہے کہ دریا میں غرق ہو اور لباس بھی تر نہ ہو۔

جنگل میں بیٹھ کر جو کھانا یا درختوں کے پتے کھانا انتہائی آسان ہے، مدائن کا گورنر بن کر جو کھانا انتہائی مشکل ہے۔ ہزاروں اور گھائیوں میں رہ کر کھد کر کا پھنسا ہوا لباس پہننا آسان ہے، پورے عرب کی سلطنت کے تخت پہ بیٹھ کر کھد کر کھانا پہننا مشکل ہے۔ خود کو مسجد میں پابند کر کے اللہ اللہ کرنا انتہائی آسان ہے، لیبارٹری میں ہاتھ تجربہ بات میں لگ جانا اور دل میں ذکر الہی ہو یہ بات مشکل ہے۔ اپنی کوشی، کار، بینک بیلنس کے لیے دن رات محنت کرنا انتہائی آسان ہے، دوسروں کو غلامی سے نجات دلانے کے لیے محنت کرنا انتہائی مشکل ہے۔

شادی کرنا عیب نہیں، محبوب حقیقی کو بھول جانا کفر ہے، دنیا داری اور امور سلطنت سنبھالنا عیب نہیں، اپنے مالک کو بھول کرنا کفر ہے۔ جہاں تک رہبانیت کا تعلق ہے تو اسے معیوب نہیں سمجھنا چاہئے وہ دین عیسیٰ علیہ السلام ہے گو اسے لئے واجب العمل نہیں مگر اپنے زمانے اور دور کے لحاظ سے وہ بھی خدا کا دین حق تھا۔ اسلام نے اسے منسوخ نہیں کیا بلکہ زیادہ سخت کر دیا ہے۔ جیسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے کم نہیں ہوئی بلکہ اسے رہبانیت کا تقدس اسلام کے ظہور کے بعد پامال نہیں کیا جاسکتا بلکہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو انبیاء ما قبلہم السلام کی عظمتوں کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح اسلام نے انبیاء ماسلف کی شریعتوں کو جلا بخشی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ زنا نہ کرنا جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بری نگاہ بھی نہ کرنا کہ یہ بھی زنا ہے۔ اور شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم زنا کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ تم حشے کے مکان میں آگے بڑھ کر گئے تو وہ مکان اگر جل نہ سکے گا تو سیاہ ضرور ہو جائے گا پس اسی طرح زنا کا خیال کرنا بھی نقصان دہ ہے۔ اسی طرح اسلام نے سابقہ شریعتوں سے قدم آگے بڑھایا ہے، پابندیاں سخت کر دی ہیں، احکام کو شدید کر دیا ہے۔ رہبانیت اصل میں گمراہی اور فرار اختیار کرنا تھا۔ اسلام نے فرمایا کہ دشمنوں میں رہ کر خود کو محفوظ رکھو۔ یہ انتہائی مشکل کام ہے دنیا کی گونا گوں باتوں میں رہ کر ان سے بے رغبت رہنا۔

اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیا کو تاج دو بلکہ اس کا پیغام یہی ہے کہ شواہد کائنات کا مطالعہ کرو۔ سائنس فعل خالق ہے، اس کے عرفان میں فاعل کا عرفان مضر ہے۔ زردیسم کے سمندر میں چھماقی کی طرح رہنا چاہئے کہ چاہے ہزاروں سال کی باتوں میں رہے مگر اسلام کی حرارت کو پانی سے متاثر نہ ہونے دے۔

ایک راہب سے جب رہبانیت کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ میں ایک کاٹنے والا کتا ہوں، میں نے خود کو

سیدنا امام موسیٰ کاظم کا واقعہ ہے کہ خلیفہ وقت نے ایک مرتبہ عرض کی کہ حضور کے اجداد گرامی تو سادہ لباس زیب بدن فرماتے تھے اور آپ شاہانہ لباس پسند فرماتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو امام پاک نے گریبان کھول کر دکھایا اس ظاہری لباس کے اندر ایک اور پیرا ہن تھا جو اوٹی اور سخت قسم کا تھا۔ پھر فرمایا کہ یہ ظاہری شاہانہ لباس آپ کے لیے ہے اور اندرونی لباس میرے اپنے لئے ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ رہبانیت اور زہد میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ظاہر اذ دنیا ترک کرنا رہبانیت ہے۔ اور ظاہر ترک کرنا زہد ہے۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ظاہر میں ترک نہ کرو اور باطن میں ترک کرو۔

حقیقت ہے یہ کہ رہبانیت اور زہد میں یہی بنیادی فرق ہے کہ رہبانیت دنیا کو بر باد کر دیتی ہے اور زہد دنیا کو آباد کرتا ہے۔ اگر کما حقہ اسے سمجھا جائے تو اس سے بڑا معاشرتی نظام کسی دستور حیات میں نہیں ہے کیونکہ انسان کو فلاح و بہبود زہد میں ہے۔ ڈاکٹر چارلس ڈارون نے انسان کو بحیثیت انسان کے دیکھا تو ارتقاء کے تین بنیادی اصول بیان کیے اور اجتماعی طور پر انہیں جہد لبقا کا نام دیا جس کے ماتحت پورے عالم حیوان کی طرح انسان کو بھی ثابت کیا ہے انسان جب دوسری انواع کی زندگی سے اپنی بقا کے لیے کھیتا ہے تو اسے انٹرسپیسفک سٹرگل (Inter Specific Struggle) یعنی بین الانواعی جہد لبقا کا نام دیا۔ جس میں انسان کبھی نباتات کو خوراک بناتا ہے کبھی حیوانوں کو ذبح کر کے کھاتا ہے اور بقاء کے لیے دوسروں کی جان لیتا ہے۔

زہد اس جنگ میں اعدا پیدا کر کے انسانیت کو حسن عطا کرتا ہے اور ہر چیز کو اپنی بقا پر فدا کرنے کے ساتھ اپنے اصولوں پر فدا ہونے کا درس بھی عطا کرتا ہے اور جملہ انواع کو خوراک کے نقطہ نظر سے دیکھنے کے لیے ایک ”حسن کل“ کے مظاہر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

دوسرا اصول ہے بین النوعی جہد لبقا، یہ حیوانوں کی طرح انسان کی بحیثیت حیوان کے اپنی نوع انسان سے جنگ ہے یعنی ضروریات حیات کی طلب کی شدت میں یا بقائے نسل کے لیے جو جنگ ہوتی ہے اور اسی حیوانی فطرت کے تحت انسان اپنی نوع کے افراد سے لڑتا ہے اور بقائے نسل کے لیے اپنے جوڑے پر رقابت کرتا ہے اور اپنی حیوانی صفات کی وجہ سے انسان بھی حیوان بن جاتا ہے۔ اور اگر اسلامی اقدار کو سمجھا جائے تو زہد اور دین کے بین النوعی اختلافات کا خاتمہ ہو جائے۔ اس کے بعد ہے ماحول سے برسر پیکار (Environmental Struggle) سردی، گرمی، بارش، ہوا، کبر، خشکی اور بقائے ذات کے لیے ماحولیاتی چیزوں سے ٹکر لینا۔ ان چیزوں میں انسان کو محدود کرنا کتنی بڑی زیادتی ہے حالانکہ ان اصول ثلاثہ میں سے کوئی شق بھی انسانیت کے نقطہ نگاہ سے پوری نہیں اترتی یہ تو صرف انسان کی حیوانیت کی آئینہ دار ہیں، جبکہ انسان سوچتا ہے، احساس کرتا ہے، تکبر کرتا ہے۔ انسان کے ارتقاء کے ذہن اور جسم کے محرکات اسے محدود نہیں ہیں۔ اسلام نے ان حیوانات کی سرشت کے اصولوں سے ماوری ایک نظام کا تصور پیش کیا ہے جہاں اپنی ہلاکت کے لیے کچھ نہیں کیا جاسکتا، یعنی اپنی بقائے نسل و ذات کے لیے برسر پیکار رہنا حیوانیت ہے اور پوری کائنات کی فلاح کے لیے اپنی فناء طلب کر لینا اسلام ہے اور یہی انسانیت کا طرہ امتیاز ہے کہ جو انسان کو حیوان سے جدا کرتا ہے۔

صومعہ میں باندھ رکھا ہے تاکہ مخلوق خدا مجھ سے محفوظ رہے۔ مگر اسلام کہتا ہے کہ مخلوق میں رہ کر اسے ایذا نہ پہنچا دے۔
سے مشکل اور بدرجہا افضل کام ہے۔ ہاں اگر احتمال ضرر باقی رہے تو پھر تنہائی بہتر ہے۔

اسلامی تصوف اور صوفیاء کے غیر مسلم روحانی پیشواؤں پر اثرات

یہ حقیقت ہر ذی شعور پر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اہل بیت اطہار اور جید صحابہ کرام کے بعد دینی احکام کے فروغ کا سبب صوفیائے کرام ہی بنے ہیں۔ صوفیائے کرام جہاں ایک طرف اپنے حسن خلق کے ساتھ ساتھ دینی احکام کو بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہ ہدایت پر لاتے ہوئے شرق و غرب میں اسلام کو کچھیلانے کا موجب بنے وہاں دوسری طرف ان کے حسن کردار اور الہی نظریات و افکار سے غیر مسلم روحانی پیشوا بھی شدید متاثر ہوئے۔

سرزمین ہند پر اسلامی تصوف اور صوفیاء نے غیر مسلم روحانی پیشواؤں پر کیا اثرات مرتب کئے اس کا اندازہ ان مشہور ہندو مؤرخ پروفیسر ڈاکٹر تارا چند کی ان تحقیقات سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE میں پیش کی ہیں۔ ڈاکٹر تارا چند جیسے محقق اور منصف مزاج مؤرخ تاریخی حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ شکر آچاریہ، رامانند، بھگت کبیر اور ان کے تمام چیلے اور شاگرد چیلے صوفیائے کرام اور اولیائے اسلام سے تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کر کے ہندو روحانی مروجہ کو پسپا کر دیا۔
ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ شمالی ہند میں مسلمانوں کو فتوحات اور حکومت سے بہت پہلے پہلے جنوبی ہند میں آبادیوں کے ذریعے ہندو اور باب روحانیت سے تصوف کے میدان میں اثرات قبول کرنا شروع کر دیے تھے۔ اس تاریخی حقیقت سے اس بات کی بھی نفی ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے بزورِ شمشیر غیر مسلموں کو مسلمان بنایا یا ان کو اسلام پر چند کے الفاظ ہیں۔

شکر آچاریہ

جنوبی ہند میں شکر آچاریہ اور ان کے شاگردوں کی روحانی تعلیمات اور اسلامی تصور کی تعلیمات میں جو مشابہت مشابہت ہے..... شکر کی پیدائش کے وقت تک اسلامی نظریہ توحید (MONOTHEISM) جنوبی ہند میں بڑا کمزور تھا۔ اس لحاظ سے شکر آچاریہ اپنے عہد کی پیداوار تھے اور ایک نئے مذہب یعنی مذہب توحید کے بانی تھے جو برہمنوں کی مذہب کے برعکس تھا۔ شکر کے اس نظریہ توحید کو اسلام کے سخت توحید پسند مذہب سے بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ شکر اس وقت پیدا ہوئے جب مسلمانوں نے جنوبی ہند میں قدم جما کر وہاں کے ایک راجا کو مسلمان کر لیا تھا اور اپنی تبلیغی کوششوں میں مصروف ہو چکے تھے۔ ان کی جائے پیدائش بھی وہ جگہ تھی جہاں عربستان اور ایران سے جہاز آ کر ٹھہرتے تھے لہذا اگر شکر کو نیا نظریہ توحید اسلامی توحید کی ایک گونج قرار دیا جائے تو کوئی نئی اور حیرت کی بات نہ ہوگی۔ چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اثرات ہندو ازم میں پوری قوت سے داخل ہوئے اور اس پر اسلامی رنگ چڑھا دیا۔

مہاراقے لنگا (جگنماں) اور سدھار پر اسلامی تصوف کے اثرات

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ جنوبی ہند کا ذکر چھیڑنے سے پہلے دو اور ہندو فرقوں کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہے کہ ان فرقوں پر اسلامی اثرات مذکورہ بالا سب فرقوں سے زیادہ ہوئے ہیں۔ ان فرقوں کے نام لنگایت (جگنماں) اور سدھار ہیں۔

ہندو مت کے ان دونوں فرقوں کی عادات و خصائص، عقائد و اعمال برہمنوں سے اس قدر مختلف اور اسلام سے زیادہ مشابہ ہیں کہ ہندو اور یورپین مؤرخ اسلامی اثرات کی ہرگز نفی نہیں کر سکتے۔

رامانند اور بھگت کبیر

پروفیسر تارا چند شمالی ہند میں اسلامی تصوف کے اثرات بیان کرتے ہوئے رامانند اور بھگت کبیر جیسے نامور روحانی پیشواؤں کی مثال پیش کرتے ہیں۔ جو تصوف سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

رامانند جنوبی اور شمالی ہند کے درمیان بھگتی تحریک کا پل (واسطہ) ہے۔ بھندکار اور گرین (GRIESEN) میکن لیف (MACANLIFE) کہتا ہے کہ وہ 1291ء میں پریاگ (الہ آباد) کے ایک گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ ایک آزاد ذہنیت کے مالک تھے اور اپنے علم کو دھارنے کے لیے انہوں نے سارے ملک کا سفر اختیار کیا۔ میکن لیف کہتے ہیں کہ اس سفر کے دوران وہ مسلم علماء و صوفیاء سے ملے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اپنے پرانے مذہب کے خیالات ترک کر دیے۔ رامانند کے بارہ چیلوں کے نام یہ ہیں۔ اٹھانندا، کبیر، چپا، بھوانندا، سوکا، سرسور، پدماتی، نہاری، رائیدا، دھانا، سینا اور سرسور کی بیوی۔ 1398ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے ان کو اپنے استاد رامنند کی زیادہ صحبت نہیں ملی تھی۔ وہ اکثر پڑھتے رہتے تھے۔ ایک لوگوں سے ملتے تھے۔ وہ زیادہ تر مسلم صوفیاء کی صحبت میں رہے جس کا ذکر وہ اپنی نظم رامائن میں بھی کرتے ہیں ان کی اول مالک پور میں تھی جہاں وہ مدت تک شیخ تقی کی صحبت میں رہے۔ اسی طرح بھگت کبیر نے جام پور اور جھانسی کے علاقے میں مسلم بیروں سے تصوف کی تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اس علاقے میں بیک وقت اکیس پیر رہتے تھے جو مساجد میں خطبات دیا کرتے تھے۔ بھگت کا ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام باپ کی طرح اسلامی نام تھا بیٹے کا نام کمال اور بیٹی کا نام کمالی تھا۔

ان کا مذہب بھگتی (محبت) تھا۔ جو صوفیاء سے اخذ کیا۔ کبیر کی تعلیمات وہی تھیں جو صوفیاء کی تھیں۔ ہندو دھرم میں ان کا کوئی پیشوا نہیں تھا۔ مسلم صوفیاء ہی ان کے پیشوا تھے۔ ان کی تعلیمات وہی تھیں جو صوفیاء کی تھیں۔ ان کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شیخ فرید الدین عطارؒ کا چند نامہ بھی پڑھا تھا اور جلال الدین رومیؒ اور سعدیؒ کے کلام سے بھی متاثر تھے۔ مثلاً کبیر کہتے ہیں کہ جب تم دنیا میں آئے تو لوگ ہنستے تھے اور تم رورہے تھے، تم دنیا میں اس طرح زندگی گزارو کہ ہماری موت پر لوگ روئیں اور تم ہنسو۔

یہ شیخ سعدیؒ کی رباعی کا لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں کبیر نے انسان اور خدا کے باہمی تعلق کو شیخ عبدالکریم جیلی اور دوسرے صوفیاء کی بیان کیا ہے مثلاً ایک جگہ پر کبیر کہتے ہیں:

یہ زندگی ایک بحر کنارے میں ایک حباب کی مانند ہے جس کا وجود سمندر سے علیحدہ نہیں۔ نہ ہائے باطن پائے رفتن۔ کبیر عبدالکریم جیلی اور دیگر صوفیاء کی طرح ذات حق کو سمندر اور انسان کو سمندر کی لہر کی مثال دیتے ہیں۔ وہ دوسرا، عاشق و معشوق و محبت اور محبوب کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ نیز وہ گل و بلبل اور حال و مقام میں بھی اکثر استعمال کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑی حد تک صوفیاء کے احسان مند ہیں۔ انہوں نے کبیر کے کلام کا ترجمہ کیا ہے جس میں دوسرے زائد عربی اور فارسی کے الفاظ ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کبیر کا اثر گہرا اثر تھا۔ کبیر پر صوفیائے کرام کے اثرات کا سب سے بڑا ثبوت ان کی تعلیمات ہیں۔ مثلاً وہ خدا کو ان کے یاد کرتے ہیں۔ ”اللہ بے چوں خدا سائیں گوندا“ وغیرہ۔ سب سے زیادہ پیارا خدا کا نام ان کے نزدیک صاحبِ جوہر وقت وہ استعمال کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ ذات حق الوری ہے۔ وہ پاک ذات ہے۔ وہ کہتے ہیں خدا کا نور ہے اور یہ گہرا صوفیانہ اثر ہے۔ کبیر کہتا ہے ذات حق ایک نور ہے جو ساری کائنات کو سموائے ہوئے ہے۔ سندھ مالِ حقیقی ہادی خالص نور ہے۔ یہ شیخ عبدالکریم جیلی اور بدر الدین شیخ کے الفاظ کی گونج ہے۔

یاد رہے کہ رامانند اور کبیر ہندوؤں کے پیران پیر ہیں جنہوں نے مسلم صوفیائے کرام سے تصوف کی تعلیم حاصل کیں۔ ان تینوں باپ بیٹے اور بیٹی کے اسلامی نام تھے اور اس قدر اسلامی زندگی بسر کرتے تھے کہ جب کہ ان کا حال ہوا تو مسلمان ان کو دفن کرنے اور ہندو جلانے کے لیے جنازہ پر پہنچ گئے لیکن جب دیکھا تو پھولوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

کبیر کے چیلے

کبیر کے بے شمار چیلے تھے جن کے ذریعے ان کی تعلیمات شمالی ہند اور دکن میں پھیل گئیں۔ ان کے روحانی سلسلے میں بارہ شاخیں تھیں اور ہر شاخ کا علیحدہ سربراہ تھا۔ کبیر کے مندرجہ ذیل چیلے (خلفاء) تھے۔

- 1- سرت گوپال داس جن کا مرکز بنارس تھا۔
- 2- مگھر
- 3- جگن ناتھ
- 4- دوارکا
- 5- بھگوداس جنہوں نے کبیر کی نظم بیچک کو مرتب کیا۔
- 6- دھرناداس جن کی نظموں میں کبیر ان کے سوالات کا جواب دیتے ہیں۔
- 7- جیون داس جو ست نامی فرقہ کے بانی ہیں۔

کمال ابن کبیر کے مریدین زیادہ تر مغربی ہند میں رہتے تھے۔

دادو دیال جو کبیر کے خلفاء میں سے سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

دادو دیال کے مندرجہ ذیل اقوال بالکل صوفیانہ رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

”جب نفس غالب آجاتا ہے تو تکبر، غصہ، خودی، ووکی، جھوٹ، حرص، ضد ابھرتے ہیں اور نیکی ختم ہو جاتی

اور روح کا مقام یہ ہے کہ جب محبت، عبادت، اطاعت، وحدت، تزکیہ، رحم، حق اور نیک خوئی جمع ہو جاتے ہیں تو آدمی

راست پر آجاتا ہے۔ یہ صوفیائے کرام کی اصطلاحات تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے سوا اور کیا ہے ایک جگہ پر تو وہ صاف

دلدادہ انداز میں کہتے ہیں کہ:

”میں نے صاف بتا دیا کہ مجھے کیا مقام حاصل ”پیر“ کے ذریعے ”مرید“ کو محبوب کا راستہ ملتا ہے۔“

داس اور ملک داس

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ: دادو دیال کا خلیفہ (خلیفہ) کلہا تھا اور کلہا کا خلیفہ ملک داس تھا۔ انہوں نے بھی دادو کا

ملک اختیار کیا ایک مقام پر ملک داس لکھتے ہیں کہ:

وہ شخص جو پانچ عناصر کی خدمت سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ وہ شخص جو پیاسے کو پانی پلاتا ہے

ان کا یہ کام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک بڑی عبادت ہے۔

سندر داس

دادو دیال کے ایک اور نائب سندر داس ہیں۔ آپ سال 1596ء میں جے پور کے قریب ایک گاؤں میں پیدا

ہوئے۔ انہوں نے فتح پور سیکری میں اقامت اختیار کی اور صوفی شاعر نواب الف خاں اور ان کے بیٹے دولت خاں اور صابر

خاں کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے۔ ان کا انتقال 1689ء میں ہوا۔ وہ سنسکرت کے بڑے سکالر تھے اور فارسی بھی

پہانتے تھے ان کا مسلک بھی کبیر کا مسلک تھا۔

ویر بھان

دادو دیال کے معاصر ایک فقیر ویر بھان تھے جو سادھو اور ستنام فرقے کے بانی ہیں۔ وہ رائے داس کے شاگرد

تھے، اور ان کا مسلک بھی تصوف ہے۔ وہ گرو (مرشد) کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس کو مالک کا حکم قرار دیتے ہیں۔ ان

کی تعلیمات کا مجموعہ ایک کتاب ہے جس کا نام پوتھی ہے جو روزانہ جملہ گار (جماعت) کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ ان کی

تعلیمات کا علاقہ دہلی، رتھک، آگرہ، فرخ آباد، مرزا پور اور جے پور تک پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب میں ان

کے دس حکموں کی تفصیل لکھی ہے جو اسلام اور تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

گرونا تک

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ گرونا تک جو سکھ مذہب کے بانی ہیں 1469ء میں پیدا ہوئے۔ ان کی مشہور کتاب کا نام راجہ رام تھا جو نواب دولت خان لودھی کا ملازم تھا۔ نواب دولت خان سلطان بہلول لودھی کا رشتہ دار تھا۔ مشہور ہے کہ گرونا تک کو بلا کر نواب دولت خان کے ہاں محاصل زکوٰۃ کا نشی تعینات کرایا۔ تین سال کے بعد انہوں نے ملازم سے ہٹ کر گھر بار چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی۔ گرونا تک نے ہندوستان، لٹکا، ایران اور عرب کے چار سفر کیے اور چالیس سال کے مسکینوں میں مقدس مقامات کی زیارت میں مشغول رہے۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی کے پاس وہ ایک دو سال رہے۔ علاوہ ازیں وہ مشائخِ مکتان کی صحبت میں بھی رہے اور بابا فرید کے خاندان میں شیخ بہرام (ابراہیم) کے شاگرد بن گئے۔ فیض حاصل کیا۔ تاکہ کا مشن ہندو اور مسلمانوں کو ایک کرنا تھا۔ صوفیائے اسلام کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ہندو مت پرستی، اوتار وغیرہ کے عقائد ترک کر دیئے۔ انہوں نے اعلان کیا کہ: خدا ایک ہے اور اس کا خلیفہ تاکہ ہے۔

ڈاکٹر تارا چند لکھتے ہیں کہ: ”اس سے صاف ظاہر ہے کہ گرونا تک پیغمبر اسلام کو اپنا راہبر سمجھتے تھے اور ان کی تعلیمات پر بھی یہی اسلامی رنگ ہے۔ پیغمبر اسلام کی طرح تاکہ بھی اپنے پیروکاروں سے خدائے واحد کی اطاعت کا مطالبہ کرتے تھے۔ صوفیوں کی طرح تاکہ بھی گورو (راہبر) کی اطاعت ضروری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک مشائخِ مکتان کے چار مراحل تھے۔ سون کھنڈ، اتان کھنڈ، کرم کھنڈ اور بچ کھنڈ۔

اسلامی تصوف کے یورپ پر اثرات

اسلامی تصوف پر ڈی بی میکڈانلڈ کا نظریہ

ڈی۔ بی میکڈانلڈ سرزمین یورپ کے بہت بڑے عیسائی مشنری تھے اور اپنے مذہبی پیشواؤں کے علم پر مشرک تبلیغی عیسائیت پر مامور تھے۔ اپنی کتاب ASPECTS OF ISLAM میں اسلامی تصوف اور صوفیاء کی ملامت کا بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

”جہاں تک زندہ اولیا کا تعلق ہے ہماری مغربی دنیا میں ان کا بہت فقدان ہے اس لئے

میں اکثر متونی اولیا کی تلاش میں رہتا تھا جن کی اسلامی دنیا میں کوئی کمی نہیں۔ ان کے مزارات پر میں احترام سے جاتا تھا اور فاتحہ پڑھتا تھا۔ معلوم نہیں قبر والوں کو اس سے فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ جو لوگ وہاں جاتے ہیں ان کو بھی کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ البتہ مجھے یہ معلوم ہے کہ مجھے اس سے بہت فائدہ ہوا ہے اور میں نے وہاں (یعنی مزارات پر) جا کر خدا کا قرب محسوس کیا۔

دیکھیں ایک غیر مسلم پادری کو بھی مزارات سے فیض حاصل ہوا اور اُسے محسوس بھی ہوا کہ مجھے فیضان (INSPIRATION) ملا ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجلس ذکر میں شمولیت کی اور یہ ان کے تاثرات ہیں۔

”میں یہ نہیں کہتا کہ وہاں مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ میں پر زور الفاظ میں کہتا ہوں کہ مجھ پر بہت اثر ہوا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ غیب سے میرے سمیت تمام حاضرین پر ایسی روحانیت چھاری تھی جو اور کسی جگہ نہیں ملتی۔“

اسلامی تصوف پر ایچ سی ہاپولڈ کا بیان

ایچ سی ہاپولڈ کا شمار بھی سرزمین یورپ کے روحانی لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی کتاب مسٹی سزم میں لکھتے ہیں کہ: ”اسلام جیسے سب سے زیادہ تہذیبی مذہب کے اندر شاندار روحانی عروج کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اگرچہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشاہدات عام طور پر دینی تھے۔ جو دوسرے مذاہب کے ارباب روحانیت کے ہوتے ہیں لیکن صوفیاء میں یہ خاص عناصر ہیں جو روحانیت کے طالب علم کے لئے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ صوفی کے لیے ترک دنیا ضروری ہے۔ صوفی کا ترک اور قسم کا ہے۔ صوفی طالب مولا ہوتا ہے اور طلب مولا میں صوفی کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کو ترک کرے۔ اس پس پشت نہ ڈال دے بلکہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت اور ماہیت کو پالے۔ یہ بات باقی ارباب روحانیت میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ صوفی کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ دنیا کے اندر گھس کر اس کی حقیقت معلوم کرے اور اس بات کے لیے اسے تزکیہ نفس کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ تکبر سے بالاتر ہو کر رائے قائم کرے اور نفسانیت سے بالاتر ہو کر لوگوں سے معاملہ کرے اور اپنے جذبات اور خواہشات پر قابو پاسکے۔ اور یہ بات دنیا میں رہ کر حاصل ہو سکتی ہے خدا تک پہنچنے کا یہی اور صرف یہی راستہ ہے جس کے بعد وہ ذات حق کے ساتھ ایک ہو کر حقیقتِ اشیاء کو سمجھتا ہے اور سورج ستاروں کی حرکات کو اس نور سے دیکھتا ہے۔ چونکہ صوفی ذات حق میں گم ہو جاتا ہے وہ دنیا کی حقیقت کو بہتر سمجھ سکتا ہے اور کائنات کو ایسے دیکھتا ہے جیسے خدا (یعنی خدا کی بصیرت سے دیکھتا ہے) اس کے بعد دنیا اس کو کچھ اور نظر آتی ہے اس کو دنیا کی قباحت کے لیے عین حسن اور نقائص کے نیچے کمال نظر آتا ہے۔ وہ ہر چیز میں نیاراگ سنتا ہے، ہر شے میں نیارنگ دیکھتا ہے اور ہر جگہ اس کو نئی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ یہاں پر دونوں قسم کے مشاہدات جمع ہو جاتے ہیں مشاہدہ حق اور مشاہدہ کائنات۔ بعض صوفیاء کے منہ سے بے ساختہ غیر شرعی کلمات نکل گئے لیکن غزالی جیسے اکابر صوفیاء نے میدان میں آ کر تصوف اور شریعت کو ایک ثابت کیا اور فنا فی اللہ جیسے مشکل مقامات کو ایسے الفاظ میں بیان کیا جو شریعت سے متصادم نہیں ہوتے۔“



روحانیت اور اسلام

جب ہم مذاہب عالم کی روحانیت کا مطالعہ کرنے کے بعد دین اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ فرقہ مذاہب عالم اور اسلام کی روحانیت میں بتایا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں بھی اگرچہ روحانیت ہے لیکن وہ غیر تبلیغی دین ہیں۔ جیسے ہندو مت، عیسائیت وغیرہ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان مذاہب میں ہلکا سا روحانیت کو اختیار کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ مثلاً ہندو مذہب کا ہر آدمی سادھو بن جائے اور سواکرمی ہو جائے۔ عیسائیت میں جو رہبانیت ہے اگر اسے ہر آدمی شروع کر دے تو ساری دنیاوی ترقیاں برباد ہو جائیں۔ اسی طرح عیسائیت میں جو رہبانیت ہے اگر اسے ہر آدمی معاشرے پر اپنائی کر دیا جائے تو ساری دنیا کا وجود شدید متاثر ہو جائے۔ کیونکہ اس میں شادی کرنا حرام ہے۔ اس طرح ایک نسل تک یہ دین باقی رہے گا اس کے بعد کوئی ایسا انسان دنیا میں نہ رہے گا جو ان مذاہب کا نام لینے والا ہو۔ یہ ساری ترقیاں، سائنسی ایجادات اور فلاحی اصلاحات مٹ جائیں، سرکس اور شہر ویران ہو جائیں، تہذیبوں کا ارتکال ہو جائے اور اس طرح پوری انسانیت صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے۔

لیکن اس کے برعکس اسلام تبلیغی دین ہے اور اس کے ہر حکم میں روحانیت کسی نہ کسی رنگ میں شامل ہے۔ بات کسی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن ہمارے خیال میں کاملاً درست نہیں ہے۔ اسلام تبلیغی دین ہے لیکن بعض مقامات پر غیر تبلیغی بھی نظر آتا ہے۔ اب ہم اس بات کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

دیکھیں قارئین! بنیادی طور پر ہمیں انسانوں کے اندر دو قسم کے لوگ نظر آتے ہیں ان میں اول الذکر وہ ہیں جو یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی رنگینیوں سے بھی استفادہ کرنے کی اجازت ہونی چاہیے اور آخرت بھی ہاتھ سے نہ چاہے۔ یعنی وہ دین اور دنیا دونوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دنیا میں نقد لذتوں کو بھی نہیں گنونا چاہتے اور آخرت میں "مارک" لینا ہی کافی سمجھتے ہیں تاکہ جہنم سے گلو خلاصی ہو جائے۔ ایسے لوگ آخرت کے اعلیٰ عہدوں اور درجہ کے منتظر نہیں ہوتے بلکہ وہ آخرت کی کسی ہلکی پھلکی سزا کو بھی قبول کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا کی لذتوں اور آزاد یوں سے محروم نہ ہوں۔

دوسری طرف ایک طبقہ ایسا ہوتا ہے جو دین کے اعلیٰ درجات اور بلند مقامات کا متقاضی ہوتا ہے۔ جو اس دنیا کی لذتوں کو بھی نہیں چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ استعمال کر رہا ہے وہ آخرت ہی سے اٹھا کر اسے فانی میں بدل کر دیا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ یہاں کم سے کم خرچ کر کے اپنا زیادہ سے زیادہ حصہ آخرت میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں۔ انسانوں کی اس قسم کے بیش نظریہ دین اسلام میں شریعت کے اندر ان دونوں اقسام کے لوگوں کے لیے گنجائش موجود ہے۔ یعنی اگر وہ دنیا، زمین کا پیسا ہو تو اس کے لیے شارع نے ایسے آسان اصول دیئے ہیں کہ وہ اپنی پیاس کو شرعی قوانین کے تحت بجھا سکے اور موت کے بعد کسی بڑی سزا سے بھی ہر ممکن حد تک بچ سکے۔

پس اسلام نے اچھے اور لذت کھانوں پر پابندی نہیں لگائی مگر اس پر حلال و طیب ہونے کی شرط رکھی ہے۔ یعنی اس کے ذرائع بھی غلط نہ ہوں اور اس میں سے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کوئی حق تلف بھی نہ ہو۔ ظاہر بھی ہے کہ ان اہل ایمان صحت کے اصولوں کے خلاف بھی نہ ہو۔

اسی طرح ازدواج کے قوانین میں جو انہماک کی جنسی بھوک کو سمجھ کر بنائے گئے ہیں اور اس پر پابندی نہیں لگائی کہ اسلام نے چار بیویوں تک اجازت دے رکھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی یہ بھوک کسی غلط طریقے سے نہ کی کوشش نہ کرے اور آخرت میں کسی بھی بڑی سزا سے بچ جائے اور معاشرے میں فساد بھی واقع نہ ہو۔

اس باتوں سے کوئی یہ سمجھ لے کہ اسلام سارے کا سارا ہی تبلیغی دین ہے تو یہ بات درست نہیں ہوگی کیونکہ ان کا جو دوسرا طبقہ ہے کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہمیں آخرت میں اعلیٰ عہدے ملیں، اس دنیا میں روحانی ترقی کریں، اسی طرح ان کا شلوات روحانی حاصل کریں تو ان کے لیے اسلام نے تزکیہ اور زہدنی دنیا کا درس بھی رکھا ہوا ہے۔

اس بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروانا چاہیں گے جس کو قرآن نے ہر طرف حاصل ہے وہ یہ کہ شارع مقدس نے ایک طرف بیوی، اولاد اور مال کو اپنی نعمت قرار دیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف خالق بے نیاز نے ان چیزوں کو فتنہ قرار دیا ہے۔ جس کا بیان قرآن میں ان لفظوں سے موجود ہے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ

ترجمہ: تمہارا مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہے۔

اب چیز ایک ہی ہے، ایک طرف شارع اسلام نے اس کو ممدوح قرار دیا ہے جبکہ دوسری طرف وہی چیز مذموم قرار دی جا رہی ہے۔ اصل میں جو چیز یہاں بنیادی طور پر سمجھنے والی ہے وہ یہ ہے کہ فی نفسہ یہ چیزیں نہ تو ممدوح ہیں اور نہ مذموم۔ مسئلہ تو یہ ہے کہ انسان کا تعلق کس کینٹینگری سے ہے۔ مذکورہ بالا دو قسموں میں سے اگر تو وہ اول الذکر لوگوں یا دوسرے لفظوں میں عامۃ الناس سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے لیے بیوی، مال اور اولاد نعمت خداوندی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ان کو حلال طریقے سے حاصل کرے۔

لیکن اگر وہ اعلیٰ روحانی مقامات کا متلاشی ہے تو پھر یہ چیزیں اس کے لیے مذموم ہیں، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ ان چیزوں کی طرف مائل ہو کر انسان اپنی متعین کردہ روحانی منازل عظمیٰ کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ اسی کا عملی مظاہر ہمیں

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ باقاعدہ علم کی شکل اختیار کر گیا اور دنیائے اسلام میں اسے علم تصوف کے نام سے منسوب کیا گیا۔

علم تصوف کا منشا اور مبدا

علم تصوف کی شہرہ آفاق کتاب ”عوارف المعارف“ کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی علم تصوف کا منشا اور مبدا اس طرح بیان کرتے ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک میری اور اس چیز کی مثال جس کے ساتھ میں نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس شخص کی سی ہے جو ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم واقعی میں نے اپنی آنکھوں سے لکھ دیکھا ہے اور میں تم کو ڈرانے والا ہوں، ہاں چلو بھاگ چلو اور بچو یہاں زیادہ دیر بھی نہ بٹھرو تو اس کا کہنا اس کی قوم کے ایک گروہ نے تو مان لیا اور سرشام وہ گروہ، وہاں سے چل کھڑا ہوا آہستہ آہستہ چل کر وہ دور نکل گیا اور لشکر کی دست برد نہ لگائی۔ لیکن ایک گروہ نے اس کی بات جھٹلائی اور جہاں تھے وہیں رہے وہیں ان کو صبح ہوئی اور صبح ہی اس لشکر نے اس کو مار ڈالا اور اس کو قتل کر کے کھدوایا۔ پس یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری پیروی کی اور ان لوگوں کی جنہوں نے میرا کہا نہ مانا، جو چیزیں حق سے لایا تھا اس کی تکذیب کی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم اور ہدایت کی مثال کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا اس موسلا دھار بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی تو اس بارش سے زمین کے اس قطعہ نے جو قابلِ زراعت تھا اسی کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اس میں خوب گھاس پیدا ہوئی اور سبزہ آگاہ۔ اس زمین کا ایک قطعہ تالاب اور جھیل کی طرح بن گیا جب اس میں بارش کا یہ پانی رکا اور جمع ہوا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو نفع پہنچایا، لوگوں نے خود بھی وہ پانی پیا اور دوسروں کو بھی پلایا اس سے کھیتی باڑی میں بھی کام لیا۔ اور ایک قطعہ اس زمین کا بالکل بخر تھا اس میں سبزہ آگاہ اور نہ پانی ہی اس میں بٹھہر سکا۔ پس یہ مثال اس کی ہے جو دین الہی میں فقیہ ہو اور اس کو اس شے نے نفع بخشا کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا تھا۔ پر جب وہ خود صاحبِ علم ہوا تو اس نے دوسروں کو بھی علم سکھایا۔ اور بخر تختہ مثال اس شخص کی ہے جس سے متنبہ اور بیدار نہ ہوا اور نہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس ہدایت کو قبول کیا۔

شیخ ابوالخیر سہروردی نے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اس کی لہریت اور پذیرائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قلوب صافی اور نفوسِ قدسی بنائے تب صفائی کا فرق اور طہارت کا تفاوت، فائدہ اور نفع کی شکل میں ظاہر ہوا، تشریح اس کی یہ ہے کہ بعض قلوب تو اس زمین کے مانند ہیں جو زراعت کے لیے خوب ہی موزوں اور قابل ہیں جس سے گھاس اور سبزہ پیدا ہوا ہے اور یہ وہ قلوب ہیں جنہوں نے فی نفسہ علم سے فائدہ اٹھایا اور ہدایت یافتہ ہوئے اور ان کو ان کے علم نے نفع بخشا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے طفیل ان کے علوم نے

سیرت صحابہ کرام و ائمہ اہل بیت اور اولیائے کرام میں بھی نظر آتا ہے جیسا کہ سید الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ مولا علیؑ کی حیات مبارکہ کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ باوجود اس کے کہ اسلام نے لذیذ کھانوں کی بات نہیں لگائی مگر آپؐ سرکارِ شاہِ ولایت ہوتے ہوئے ہمیں بھی ساری زندگی نان جو پر گزارا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح اسلام نے اگرچہ کہ بہترین لباسوں پر پابندی نہیں لگائی مگر روحانیت کے لیے بے تاج بادشاہی کی ساری حیات مبارکہ میں کھدر کے ایسے لباس استعمال فرماتے نظر آتے ہیں جن کو کھجور کے پیوند لگے ہوتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس ذاتِ مبارکہ کے ایک باغ کی فصل کی آمدنی نوے ہزار دینار ہو اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے ہزار غلام خرید کر آزاد فرما رہے ہوں کیا وہ ایک اچھا لباس Afford نہیں کر سکتے تھے؟

صورتحال یہ تھی کہ ایک طرف تو ان کے فرزند ارجمند شہزادہ امن امام حسنؑ کے دسترخوان پر عوام کے لیے انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے تھے اور دسترخوان امام حسنؑ کی عام شہرت تھی۔ تو کیا وہ اپنے والد بزرگوار کے لیے کوئی پر تکلف کھانا فراہم نہیں کر سکتے تھے؟ اسلام نے قائم اللیل اور صائم انھار کی مدح کی ہے تو کیا اسے روحانیت کہا جاسکتا ہے؟ اولیائے کرام اور زہاد کی زندگیوں کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کی رعایتوں سے استفادہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے لیے مشکل ترین راستہ پسند کیا کہ جو تزکیہ نفس و جفاکشی اور صوماء و رخصت راستہ تھا۔ انہوں نے اسے اختیار کیا۔ آخرت کے اعلیٰ مقامات کے حصول کے لیے انہوں نے اس دنیا کی لذتوں سے انکار کر دیا اور اس دنیا میں روحانیت کے وہ اعلیٰ مقام پائے جو کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے۔

حضرت شہباز قلندرؒ کی زندگی کا مشاہدہ کریں، اس میں لذات دنیاوی کا نام و نشان تک نہ ملے گا حتیٰ کہ انہوں نے کبھی کوئی لذیذ کھانا تناول نہیں فرمایا، زندگی بھر شادی نہیں کی اور بہترین قسم کا لباس نہیں پہنا بلکہ پوری زندگی شاہ و لادہ مولا علیؑ کی سنت میں نان جو اور پھنسا ہوا لباس پسند کیا۔

قارئین کرام! یہ بھی یاد رکھیں کہ دین اسلام کے اندر وہ حصہ جس کو ہم غیر تبلیغی کہہ رہے ہیں اس کو غیر تبلیغی کہنا مقصد یہ ہے کہ اس کو اپنانا ہر کسی کے لیے ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ علامۃ الناس کے بس میں نہیں کہ وہ اس کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کا روح رواں بھی یہی حصہ ہے یا یوں سمجھ لیں کہ دین اسلام کا اصل پیرواں غیر تبلیغی حصہ ہے۔ مگر انسانی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے خالق بے نیاز عوام کو بہت سی رعایات عطا فرماتا ہے کیونکہ اس کا فرمان ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

کہ وہ کسی انسان پر اس کے نفس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا اس لیے اس نے عوام کی کمزوریوں کے پیش نظر ایک سادہ اور سہل دین (شریعت) انسان کو عطا فرمادیا تاکہ کوئی محروم نہ رہ جائے۔ شریعت کو شریعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ دین کے دریا کا گھاٹ ہے جس سے عوام سیراب ہوتے ہیں۔ طبقہ خاص کے مسافروں کو صاحبانِ طہارت و فقیر کا نام دیا جاتا ہے۔

صراطِ مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

فقر و تصوف کیا ہے؟

عرفِ عام میں فقر کا مفہوم

عرفِ عام کے مطابق اور لغوی مفہوم کے اعتبار سے تو فقر، محتاجی، غربت اور تنگ دستی کا نام

صوفیاء کے نزدیک فقر کا مفہوم

صوفیاء کے ہاں یہ ایک ایسا مقام ہے کہ جب بندہ اس پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے دل کے

کے ڈھیلے میں چنداں فرق نہیں رہتا اور وہ خدا کا اس قدر محتاج بن جاتا ہے کہ ساری دنیا سے سہ لگا ہوا

حضرت سید علی ہجویریؒ جو کہ برصغیر پاک و ہند کے نہایت ممتاز معارف اور عقائد کے

گزرے ہیں نے اپنی لازوال اور شہرہ آفاق کتاب ”کشف المحجوب“ میں اشاعتِ فقر کے بارے

باب قائم کیا ہے۔

فقیر کون ہے؟ کے عنوان کے تحت آپ لکھتے ہیں۔

”فقیر وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور کسی چیز کے حاصل ہونے سے اسے کوئی

اسباب دنیا کے موجود ہونے سے اپنے آپ کو غنی نہ سمجھے اور ان کے نہ ہونے سے اپنے آپ کو غریب

میں اسباب کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔“

آپ نے آگے چل کر ایک بادشاہ اور ایک درویش کا مکالمہ نقل کیا ہے فرماتے ہیں

”ایک درویش سے بادشاہ کی ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھ سے کچھ مانگو، درویش

غلاموں کے غلام سے کچھ مانگنا اپنی تو بین سمجھتا ہوں۔ بادشاہ کو اس بات پر قدرے غصہ اور غم

آپ کے غلاموں کا غلام کیسے ٹھہرے؟ اس درویش نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ”حرص اور تمہاری

ہیں اور تم حرص اور امید کے غلام ہو۔“

اسی کتاب میں اسی عنوان سے ایک اور جگہ آپ نے بڑی معنی آفریں اور نوازش

لکھتے ہیں:

”امرا صاحبِ صدقہ ہوتے ہیں اور فقرا صاحبِ صدق، اور صدقہ ہرگز صدق کے

کے حقیقت فقر و فاقہ کا نام ہے۔ فقیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو کچھ نہ ہو اور کسی چیز کے حاصل ہونے سے اسے کوئی

”انی بندہ خوب کہا۔ ٹھیک اسی طرح سلیمان کو ملک و حکومت ملنے پر بھی ”نعم العبد“ فرمایا جب خدائے
ماصل ہوگی تو فقر ایوب اور غنائے سلیمان میں کچھ فرق نہ رہا۔“

میں تصوف کا مفہوم

تصوف کے بارے میں عام خیال یہی ہے کہ یہ درود و وظائف، چلہ کشی، تسبیح گردانی اور کشف و کرامات کے

کے نزدیک تصوف کا مفہوم

”ہم اور حقیقی صوفی کے نزدیک تصوف --- مال --- نہیں ایک --- حال --- ہے جو بندے پر وارد ہوتا
ہے اس کے ظاہر اور باطن کا تضاد دور ہو جاتا ہے۔ اور قلب و دماغ تزکیہ و طہانیت کا مرکز بن جاتا ہے۔“

تصوف کی آراء

خوش حبیب جو **سب فرار از شاعری** کے مصنف ہیں، نے تصوف کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:.....

”تصوف مخلوق کی موافقت کرنے سے دل کو پاک رکھنا، بشری صفات (مذمومہ) سے
انفصال کی اختیار کرنا، نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا، روحانی نفوس سے میل جول رکھنا، علوم حقیقی
کی تلاش رکھنا، ہر لحظہ ایسے کام بجالانا جو اولیٰ اور افضل ہوں تمام امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
پیرائوں کرنا حقیقی طور پر اللہ سے وفا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی
کرا ہے۔“

شیخ الحدادؒ سے بھی پیشتر تصوف کے ممتاز رہنما اور مشہور صوفی شیخ عبداللہ تسریٰ مسلک تصوف کی یوں

تصوف کے مسلک کے سات اصول ہیں۔

۱۔ المسلم بکتاب اللہ (کتاب اللہ سے مضبوط تعلق)

۲۔ القداء بر سول اللہ (پیروی رسول)

۳۔ اکل الحلال (رزق حلال)

۴۔ کف الاذى (ایذا رسانی سے پرہیز)

۵۔ التواضع (گناہوں سے بیزاری اور نفرت)

6- التوبہ (اللہ کی جانب رجوع)

7- اداء الحقوق (خدا اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی)

اسی بات کو صوفیائے دوسرے لفظوں میں یوں بیان فرمایا ہے۔

(1) اداء الفرائض (فرائض کی ادائیگی اور حقوق کی رعایت)

(2) اجتناب المحارم (خدا کی حدود کی پاسداری، منکرات سے پرہیز اور محرمات کی پابندی)

(3) قطع العلائق (دنیا اور اہل دنیا سے دل ہٹا کر خدا کے لیے یکسو ہو جانا، تمام رشتوں کو چھوڑ کر خدا سے رشتہ دار ہونا)

(4) معانقہ الفقر (آسائش کے بجائے آزمائش کی زندگی بسر کرنا اور مصائب و آلام کا خوش دلی سے استقبال کرنا)

(5) ترك الطلب (دل کو آرزوں سے خالی کر لینا، امیدوں کو مختصر کرنا اور خدا کے علاوہ کسی سے حاجت نہ مانگنا)

توقع نہ رکھنا)

(6) انقطاع الى الله (سب سے کٹ کر اللہ کا ہو جانا اللہ کے لیے کٹنے اور جڑنے کا جذبہ پیدا کر لینا)

تصوف کے چمن میں بکھرے رنگارنگ پھولوں سے دامن سجاتے اور ان کی خوشبو سے مشام ہاں کو مہلک کر دیتے ہیں۔

اور رنگ و بو کی سیر فرماتے ہوئے آگے چلیں اور دیکھتے تصوف کیا ہے؟ کسی نے شیخ جنید بغدادیؒ سے پوچھا اللہ کی طرف سے کیا ہے؟

جواب میں فرمایا:

”حق تعالیٰ کے ساتھ پیوست ہو جانا یہ کیفیت صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب نفس، روح کی طرف سے

حق کے ساتھ قائم رہنے کی وجہ سے اسباب سے بے تعلق ہو چکا ہو۔“

شیخ ابوالحسن نوری یوں گویا ہیں۔

”تصوف کیا ہے؟ تمام خطوط نفس کو ترک کر دینا“

حضرت شیخ ابن عطاء کا ارشاد ہے:

”حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔“

شیخ ابوبعلی قزوینیؒ فرماتے ہیں:

التصوف هو الاخلاق اشرفیہ (تصوف اچھے اخلاق کو کہتے ہیں)۔

شیخ ابوبعلی رود باریؒ لب کشا ہیں:

”تصوف؟ یہ مذہب ہمہ تن بنجیدگی ہے، لہذا اس میں ہنسی اور مذاق کو نہ چلاؤ“

حضرت شیخ ابوجہر جریریؒ کا تبصرہ:-

”یہ ہر اعلیٰ اخلاق میں داخل اور ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے“

حضرت رویمؒ فرماتے ہوئے نظر آتے ہیں:

”تصوف یہ ہے کہ تو اپنے نفس کو اللہ کے ساتھ اس طرح چھوڑ دے کہ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔“

حضرت جنید بغدادیؒ کے استاد حضرت شیخ محمد بن علی قصابؒ کا بصیرت افروز تجزیہ:-

”تصوف وہ کریمانہ اخلاق ہیں جو کریم زمانے میں کریم آدمی سے کریم لوگوں کے ساتھ ظہور پذیر

”ہو۔“

حضرت شیخ سمنونؒ کی فلسفہ آمیز رائے:-

”تصوف کیا ہے؟ تصوف یہ ہے کہ تو کسی چیز کا مالک نہ بنے اور نہ کوئی چیز تمہاری مالک بنے“

حضرت شیخ ابوبکر اکتائیؒ کا بے تکلف اظہار خیال:-

”تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے جس کے اخلاق تم سے بہتر ہو گئے وہ صوفی ہونے میں بھی تم سے بہتر ہوگا“

حضرت شیخ ابوبعلی رود باریؒ کا محبت بھرا جملہ:-

”محبوب کے در پر ڈیرے ڈال دینے کا نام تصوف ہے خواہ وہ دھکے ہی کیوں نہ دیں“

انہی کا فرمانا ہے:-

”خالی ہاتھ دل کی خوشی کا نام تصوف ہے۔“

شیخ ابوالحسن مزینؒ کا فرمانا ہے:-

”حق تعالیٰ کی اطاعت کرنے کا نام تصوف ہے“

شیخ الاسلام ابوہل صعلویؒ ارشاد فرماتے ہیں:-

”تصوف اللہ کی قضا پر اعتراض نہ کرنے کا نام ہے“

برصغیر پاک و ہند میں تشریف لانے والے قدیم صوفی بزرگ، مایہ ناز روحانی شخصیت اور عوامی محبت و عقیدت

کے نام بلند پر فائز مرشد کامل شیخ علی الجہوریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”کشف المحجوب“

اس صوفی کے موضوع پر مختلف بزرگان دین اور اہل صوفیاء کے اقوال کا انتخاب پیش فرماتے ہوئے شیخ ابوالحسنؒ کا قول نقل

کیا ہے:-

لیس التصوف رسوما ولا علوما ولكنه الاخلاق

”تصوف کسی خاص وضع قطع یا علمی سنات کا نام نہیں بلکہ اخلاق حسنہ کا نام ہے“

حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ تصوف کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:-

التصوف هو الحرية والفتوة وترك التكلف ولا السخاء وبذل الدنيا

تصوف دل کی آزادی، جو اس ہمتی، رسمی تکلفات سے دستبرداری، سخاوت اور زرو مال سے بیزارگی کا نام ہے۔

جناب داتا صاحبؒ خود تصوف کی تعریف یوں کرتے ہیں:-

”دین کی اصل روح اور اس کی جان احکام الہی کی اخلاص و محبت کے ساتھ پیروی ہے۔۔۔ اور اس کو ہم تصوف

کہتے ہیں۔

حضرت شیخ حسریؒ کا تصوف کے بارے میں کیا نقطہ نظر ہے، ملاحظہ ہو۔

”تصوف نام ہے ضمیر کو خالصتاً حق سے محفوظ رکھنے کا“

حضرت مرتضیٰ نے فرمایا:

”تصوف اچھے اخلاق کا مجموعہ ہے“

حضرت ابوعلی قزوینیؒ نے فرمایا:

”تصوف ایسے اخلاق کو کہتے ہیں جن سے رب راضی ہو“

حضرت ابوالحسن نورانیؒ نے فرمایا:

”تصوف علم و فن کا نام نہیں بلکہ مجموعہ اخلاق کا نام ہے“

حضرت احمد خضرویہؒ نے فرمایا:

”تصوف باطن کی گندگی اور کدورتوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے“

حضرت محمد بن احمد المکزیؒ نے فرمایا:

”تصوف اپنے احوال کو سچ پر قائم رکھنے کا نام ہے“

حضرت ابوحنیفہ نیشاپوریؒ نے فرمایا:

”تصوف آداب ہی آداب ہیں ہر وقت کا ادب، ہر جگہ کا ادب، ہر حال کا ادب“

حضرت معروف کرہؒ نے فرمایا:

”تصوف ہر چیز کی حقیقت جاننے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے مایوس ہونے کا نام ہے“

حضرت ابوالحسن شجرہؒ نے فرمایا:

”ایک وقت تھا کہ تصوف حقیقت تھی بے نام، آج نام ہے بے حقیقت“

حضرت ابوحمزہ بغدادیؒ نے فرمایا:

”تصوف درگزر کو اختیار کرنا، اچھے کاموں کا حکم دینا اور جاہلوں سے اعراض کرنا ہے“

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاریؒ نے فرمایا:

”تصوف یہ ہے کہ اجتماعی معاملہ تفصیلی ہو جائے اور استدلالی معاملہ کشفی ہو جائے“

حضرت شیخ الحدیث محمد زکریاؒ نے فرمایا:

تصوف کی ابتدا ہے ”إِنَّمَا الْآدَمَاءُ بِالْبَيَاتِ“ (بے شک اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے)

اور تصوف کی انتہا ”أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَمَا أَنْتَ تَرَاهُ“ (یہ کہ تو اللہ کی عبادت کر گویا کہ تو اس کو دیکھ رہا ہے)

حضرت مولانا احمد لاہوریؒ نے فرمایا:

”تصوف یہ ہے کہ اللہ کو عبادت سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطاعت سے اور مخلوق کو احسان سے

انسانی زندگی ایک بہرا ہے جسے تراشنا انسان کا اپنا کام ہے۔ رب کائنات نے حضرت انسان کو کہیں ”جَاعِلٌ

لِأَرْوَاحٍ خَلْقَ خَلْقَةٍ“ کا ہار گلے میں ڈال کر عزت افزائی کی۔ کہیں ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا“ کا تاج پہنایا اور کہیں

”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا“ کا ہار گلے میں ڈال کر عزت افزائی کی۔ انسان کو چاہیے کہ ”أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کے یثاق کو پیش نظر رکھتے ہوئے

”بِسْمِ اللَّهِ تَبَتَّلَا“ کی منزل پر پہنچ کر دم لے۔

کسی بھی گاڑی کو منزل پر پہنچنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک تو سڑک ٹھیک ہو، دوسرا گاڑی میں

دھار ہو۔ اگر سڑک ٹھیک نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ اگر پٹرول نہ ہو تو بھی گاڑی نہیں چل سکتی۔ دونوں چیزیں

ضروری ہیں۔ پس انسان کی مثال گاڑی کی سی ہے، شریعت کی مثال راستے کی سی اور طریقت کی مثال پیٹرول کی سی ہے۔

اگر رسول الی اللہ کی منزل پر پہنچنا چاہے تو اسے شریعت کے راستے اور طریقت کے پیٹرول کی ضرورت پڑے گی۔ لہذا

شریعت و طریقت میں سے کسی ایک چیز کے بھی منکر ہیں وہ اپنی گاڑی کو راستے میں ہی رکا ہوا پائیس گے۔ کامیاب

انسان ہے کہ ”فَقِفُوا إِلَى اللَّهِ“ کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے ”تَخْلُقُ بِأَخْلَاقِ اللَّهِ“ کے مطابق اخلاق

پر عمل کرتا ہو۔ مثلاً اور اوصاف محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہو کر زندگی گزارے تاکہ ”أَنَابُوا إِلَى اللَّهِ“ کی جماعت

میں شامل ہو کر ”لَهُمُ الْبُشْرَى“ کی بشارت اور ”وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ الْكَبِيرِ“ کی منزل پر پہنچے۔ اسی کا نام تصوف ہے۔

سوال کون ہوتا ہے؟

”حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد عبدالواحد بن زیدؒ سے پوچھا گیا صوفیا: کون ہوتے ہیں؟ فرمایا:

”جو اپنی عقلوں کے ذریعے اپنے ارادوں پر قائم ہوتے ہیں اور اپنے دلوں سے اس پر ڈٹے رہتے ہیں اور

ہمس کے شر سے بچنے کی خاطر اپنے آقا کو مضبوط پکڑے رہتے ہیں۔“

حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

”صوفی وہ ہے جسے جتنو تھکا نہ سکے اور محرومیت کی وجہ سے بے چین نہ ہو“

حضرت ابومحمد رومیؒ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

”جس کا کردار اس کی گفتار کے موافق ہو۔“

کسی عارف نے اسی سوال کا جواب دیا:

صوفی آں باشد کہ صافی شود از کدر پر شود از فکر

در قرب خدا منقطع شود از بشر یکساں شود در چشم او خاک و زر

”جو ہر قسم کی میل پچیل سے پاک ہو، ہمہ وقت بخیر و برکت ہو، مخلوق کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو اور اس کے نزدیک
لے کی ڈلی اور مٹی کا ڈھیلا کیسا اہمیت رکھتا ہو۔“

حضرت داتا گیلانی صوفی کی رائے کو نقل کرتے ہیں:-

”الصوفی اذا نطق بانطقه عن الحقائق وان سكت نطقت عنه الجوارح بقطع العلائق“
”اس کی گفتگو حقیقت کی ترجمان ہو اور اس کی خاموشی حقائق و علائق دنیا سے بیزاری کی غماز ہو“

خاصہ کلام

پس صوفی وہ ہوتا ہے جس کو جانوروں کی آواز، ہر ایک سوز و ساز، چیزوں کی چپک، پھولوں کی مہک، سبزے کی
چوہرات کی دھک، سورج کی چمک، سماء و سمک، درختوں کے رنگ، شیشہ و سنگ، پتھر کی سختی، خوشحالی و بدبختی، زمین کی
آتش کی گرمی، دریا کی روانی، کواکب آسمانی، پہاڑوں کے ابھار، بیابان و مرغزار، خزاں و بہار، غرض ہر چیز ایک ہی
ہستی کی یاد دلائے۔ اللہ اللہ اللہ

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچسٹراحوال صوفیا

جب ہم صوفیائے کرام کے احوال کے بارے میں جاننے کے لیے ان کی زندگیوں میں جھانک کر ان کی مجالس
مائل کے بارے میں کچھ پڑھتے ہیں اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کی محفل و مجلس ایسا چمنستان نظر آتی ہے
اس میں ہر گل اپنا رنگ اور اپنی مہک رکھتا ہے، جس کا رنگ آنکھوں کو سرور بخشتا اور خوشبو مشام جان کو معطر کرتی ہے، جب
یارگوں کی محفلیں عروج پر پہنچتی ہیں تو دلکش مثالوں اور حکایتوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے عمیق ترین حقائق چٹکیوں میں حل
ہوتے جاتے۔ محفل پر کبھی جذب و جنون طاری ہوتا کبھی عقل و خرد کی جلوہ آرائی، کبھی ایمان و عرفان کی اور کبھی جنت کی
لذات و ادایوں کا ذکر اور کبھی جہنم کی وادیوں کا تذکرہ، محفل میں رحمت و شفقت حق کا ذکر آتا تو چہرے تہمتا اٹھتے، عذاب و عتاب
کی بات چلتی تو آنسوؤں کی جھریاں لگ جاتیں، احترام انسانیت کا موضوع چھڑتا تو موتی لٹتے، تعلیم آدمیت کا مسئلہ آتا تو
دریا بہتے، خدا کے عدل پر لب کشائی ہوتی تو چیخیں نکل جاتیں، اس کے فضل پر زبانیں کھلتیں تو باچھیں کھل جاتیں، غیرت
کا مضمون نوک زبان پر ہوتا تو ان یورپین نشینوں اور خرقہ پوشوں کے سر میں سکندر کا دماغ آ جاتا، خدمت خلق کی بحث نطق
آشنا ہوتی تو پندار و ناموس کے آئینے چھٹا کے سے ٹوٹ جاتے، ”مع اللہ“ کا تصور پیش ہوتا تو درمیان میں سے مخلوق نکل
جاتی، ”مع الخلق“ پر اظہار خیال ہوتا تو نفس غائب ہو جاتا۔ صوفیائے کرام کی باتیں ایسا جادو و اختصار کا بہترین مرقع ہوتی
ہیں۔ قطرے میں دریا اور ذرے میں صحرا کو انہوں نے سو کر دکھادیا، صوفیائے کرام کی مجلسوں میں اپنوں اور غیروں کی
یکہائی کا عجیب سا نظر آتا، نہ کسی پر تنقید نہ کسی پر تعریف، گفتگو میں نہ مناظرانہ بین اور نہ کسی کی دل آزاری کا شائبہ، بات

صوفی وہ ہوتا ہے جو میل سے صاف، پر فکر ہو، خدا کے قرب میں مخلوق سے دور ہو اور اس کی نگاہ میں
برابر ہو۔

حضرت شبلی نے فرمایا:

”صوفی وہ ہے جو مخلوق سے کٹے اور اللہ سے جڑے“

سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں:

”صوفی کی مثال زمین کی سی ہے جسے نیک اور بدکار دونوں روندتے ہیں یا بادل کی سی ہے جو ہر جگہ گھومتا ہے“

شیخ حسین بن منصور اس سے بھی کڑا معیار پیش کرتے ہیں۔

”صوفی کی ذات یکتا ہوتی ہے۔ نہ کوئی اللہ کے سوا اسے قبول کرتا ہے اور نہ یہ اللہ کے سوا کسی کو قبول کرتا ہے۔“

شیخ ابوالحسن نورانی کے الفاظ میں صوفی کی تعریف:

”صوفی کی تعریف یہ ہے کہ اسے محتاجی کے وقت سکون ہو اور اگر کچھ پاس ہو تو ایثار کر دے۔“

شیخ ابوبکر شبلی کا تعارف کرانے کا انوکھا انداز:

”صوفیائے کرام حق تعالیٰ کی گود میں بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔“

فکر انگیز لہجے میں شیخ ابوتراب ”بخشی صوفی کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

”صوفی کے دل کو کوئی چیز میلا نہیں کر سکتی، مگر اس سے ہر چیز کو صفائی حاصل ہوتی ہے۔“

اس موضوع پر شیخ ابوالحسن سیروانی نے جن الفاظ سے جادوگری کا کام لیا ہے اور الفاظ کو اس خوبصورتی سے

کیا ہے کہ ہار میں شاید موتی بھی اس خوبصورتی سے نہ پرویا جاسکے:

”صوفی واردات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اد کے ساتھ نہیں۔“

حضرت شیخ محمد ابوبکر اسحاق نے اپنی کتاب ”العرف لمدھب اہل تصوف“ میں ”صوفی“ کے بارے میں

صوفیائے کرام کی آراء درج کی ہیں، کچھ اقوال روح کی تازگی اور دل کی بالیدگی کے لیے ملاحظہ فرمائیے، سب سے پہلے
خود مولف کی رائے پیش کی جاتی ہے فرماتے ہیں:

”جو نہ کسی چیز کا مالک ہو اور نہ کوئی اس کا مالک، بالفاظ دیگر یہ کہ دنیوی حرص و طمع نے اسے اپنا غلام نہ بنا رکھا ہو۔“

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

”صوفی وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اگر مالک بنے تو اسے خرچ کر ڈالے۔“

حضرت ابویعقوب سوسی کی نظر میں صوفی کا کیا مقام ہے؟

”صوفی وہ ہے جو کسی چیز کے چمن جانے سے بے قرار نہ ہو اور نہ کسی چیز میں اپنے آپ کو تھکائے۔“

حضرت شیخ سہیل بن عبد اللہ تستری سے دریافت کیا گیا، صوفی کون ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا:

اور اس کا آخری گناہ ہو، تم گناہگار بن جاؤ اور وہ نیکو کار بن جائے۔

شعلہ و شبنم کی یکجائی، آتش شوق اور باران اشک کی ہم آغوشی جیسی محاذی کیفیت کو حقیقت کا روپ شیخ ابو بکر شبلیؒ نے دیا؟ ملاحظہ ملاحظہ ہو۔ آپ مجلس میں صدر نشین تھے، قریب ہی گیلی لکڑیاں جل رہی تھیں ایک طرف آگ تھی، دوسری طرف پانی رس رہا تھا۔ آپ حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا:

”اگر یہ بات سچ ہے کہ تمہارے دل آتش شوق میں جل رہے ہیں، تو تمہاری آنکھوں میں آنسو رواں کیوں نہ آئے؟“

لوگ نہ جانے عقل و دولت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کیا نشانی ہے؟ اس مسئلہ میں شیخ ابو علی محمد بن عبد الوہابؒ کا طرز بصیرت آموز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی، فرماتے ہیں:

”اف ہے دنیا کے کاموں پر جب وہ اٹھ کر آجائیں، اور اف ہے دنیا کی حسرتوں پر جب وہ جاتی رہیں، عقلمند کی طرف ہرگز توجہ نہیں دیتا، کہ آئے تو مشغولیت کا سبب ہو اور جائے تو حسرت کا۔“

نہایت زنا سے سخت اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف، لگہ اخلاقی پستی کی انتہا لیکن یہ سب کچھ بدگوئی کا مال ہے، مگر بدخواہی کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

”اگر تمہارا بھائی مگر بھائی جانتا اس سے بھی بدتر ہے“

”اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرو“ یہ قرآن مجید کا حکم ہے کتنا خرچ کرو؟ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرح مقرر کر دی، رہے صدقات نافدان کی صرف ترغیب ملتی ہے، مگر اس اہم ترین مسئلہ پر جس نے پوری اس کو ناپٹ اور دماغ چاٹ رکھا ہے، صوفیائے کرام کس نظر سے دیکھتے ہیں؟ حضرت ابو بکر شبلیؒ کا رنگ ملاحظہ ہو،

اللہ والے نے پوچھا:

”زکوٰۃ کب اور کتنی واجب ہے؟ فرمایا مذہب کی فقہ کی رو سے یا مذہب فقر کی نظر میں؟ سائل نے کہا دونوں سے ارشاد فرمائیے۔ جواب ملا، فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ سال گزرنے پر سو درہم میں سے ڈھائی درہم نکال دو اور فقراء کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت ہو، سب خدا کی راہ میں لٹا دو۔“

انسان فطر تابدنی الطبع ہے۔ مل جل کر رہتا ہے اور لو اور دو کے اصول پر عمل کرتے ہوئے زندگی بسر کرتا ہے، اس کو کفر انفس ہیں اور کچھ حقوق۔ انسانوں کی بستی میں مفادات ٹکراتے بھی ہیں اور جھگڑے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ مگر کرام انسان کو زندگی گزارنے کا کیا ڈھنگ سکھاتے ہیں؟ تجارتی بنیادوں پر زندگی؟ کچھ لو اور کچھ دو کے اصولوں پر؟ جیو اور جینے دو کی پالیسی والی زندگی؟ تحفظ خویش کے نظریہ کی زندگی؟ نہیں، یوں نہیں، بلکہ صوفیائے کرام ترک و تار و مروت و اخوت سے معمور زندگی کا درس دیتے ہیں۔ ”بھلا کر بھلا ہوگا“ کے بجائے ”سب کا بھلا“ ان کا نعرہ مستانہ ہے۔ ”دوستوں سے گلہ“ ان کا شیوہ نہیں اور ”شکایت زمانہ“ ان کا شعار نہیں۔ شیخ جنید بغدادیؒ اس نظریے کی یوں اعلیٰ فرماتے ہیں:

وہی کہی جو ہر ایک کے دل کی تھی، دل سے نکلی دل پر بیٹھی، چلہ کھینچنے سے پہلے کھب گئی، کوئی ویران دل لے کر پہلا، لے کر اٹھا، خالی ہاتھ پہنچا دامن بھر کر گیا، تھکا ماندہ آیا، ہشاش بشاش رخصت ہوا، صوفیائے کرام کی مجلس کو یا مسرا کے مسافروں کے لیے گھنے درخت کی ٹھنڈی چھاؤں ہوتی تھی۔

صوفی کس دہشتیں انداز میں لوگوں کی اصلاح و تربیت کرتے تھے، ان کے ہاں بیٹھنے والے کس قسم کے بن کر نکلتے ہوں گے اور محافل و مجالس کیسی ایمان افروز ہوتی ہوں گی۔ جہاں احترام انسانیت، خوف خدا، طہارت، محبت، تقویٰ، اخلاق، عجز و نیاز، ایثار، توکل اور حسن اخلاق کے چرچے ہوتے تھے۔ ایسی ہی چند محافل کی جھلکیاں فرمائیں۔

دہلی میں خانوادہ چشت کے ممتاز رہنما کا دربار سجا ہے، بڑے چھوٹے، ایک ہی مجلس میں برتری اور کمال کے احساس سے بالا ہو کر بیٹھے ہیں، ستاروں کے اس ہالے میں خواجہ نظام الدین دہلویؒ چاند بن کر محفل آرا ہیں اور رہے ہیں:

”ایک شخص نے خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خدمت میں چھری پیش کی، فرمایا مجھے چھری نہ دو، میں کاٹنے نہیں جوڑنے آیا ہوں۔“

یہ ہے ”برائے وصل کردن آمدی“ کی تفسیر۔ علم و عمل کے باہم لازم و ملزوم ہونے اور ان کی اہمیت و ضرورت کتنی ہے اسے شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ خوبصورتی سے واضح کیا، مجلس کی ایک جھلک اور گفتگو کا ایک حصہ ملاحظہ کیجئے:

”تو شیخ کی طرح بن، تو شیخ کی طرح نہ بن، شیخ کی طرح بن بایں معنی کہ تو خود دوسرے کو روشنی پہنچا اور شیخ کی طرح نہ بن بایں معنی کہ تو خود تاریکی میں رہے۔“

توکل اور توکل کی روح کیا ہے؟ حضرت ابو بکر شبلیؒ فرماتے ہیں کہ:

”ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کثیر العیال ہونے کی شکایت کی، فرمایا ان افراد کو گھر سے لالہ جن کا رزق اللہ کے ذمہ نہیں۔“

عجیب و غریب افعال کے صدور اور خرق عادت واقعات کے ظہور ہی کو صرف کرامت سمجھا جاتا ہے۔ اور عام ذہن معیار ولایت قرار دیتے ہیں مگر اس الجھن کو شیخ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے بڑے حسن کارنامہ انداز میں سلجھا دیا۔ لوگوں نے آپ سے کرامت طلب کی تو فرمایا:

”میں کرامت کیا کم ہے کہ اتنے گناہوں کے باوجود ہم روئے زمین پر چل پھر رہے ہیں۔“

صوفیائے ہاں ”خود بینی“ کے بجائے خود شناسی کا رواج زیادہ ہوتا ہے، ”چھو ما دیگرے نیست“ کی پہلے میرزیؒ کا چلن عام ہے، اس ضمن میں خواجہ نظام الدین دہلویؒ کی مجلس کا ایک گوشہ پیش نظر رکھیے، آپ فرما رہے ہیں:

”جسے دیکھو اسے اپنے سے بہتر سمجھو اگرچہ تم اطاعت گزار ہو اور وہ گناہگار ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری

پہنچم

”کوئی شخص اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو جائے کہ ایک طرف رووندتے ہیں اور بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے اور سورج کی طرح نہ ہو جائے جو ہر ذرے کو گرم کر دیتا ہے اور بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔“

تصوف کا دستور اور اہل تصوف کا شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں مقصدیت کے مثالی ہوں۔ ان کے نزدیک ایسا علم محض الفاظ کا گورکھ دھندہ ہے جو عمل سے خالی ہے، وہ الفاظ و حروف کے رٹنے کو صرف دماغی قرار دیتے ہیں۔ عمل کے لئے تو علم ضروری ہوتا ہی ہے مگر علم کے لیے عمل اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ درویشوں کے خیالات کا تانک اور افکار کی شعبہ بازی بن جاتا ہے۔



اسلام میں تصوف کی ابتدا

اس سے پہلے کہ ہم تصوف اور عرفان کے نظری اور عملی پہلوؤں پر بات کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے عرفان اور تصوف کی پہلی صدی ہجری سے کم از کم دسویں صدی ہجری تک کی مختصر تاریخ بیان کریں۔ اس کے بعد جہاں تک گنجائش ہوگی عرفان کے مسائل پر بحث کریں گے اور پھر ان مسائل کا کچھ تجزیہ پیش کریں گے۔ یہ سب کچھ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اور کم از کم پہلی صدی ہجری میں عارف یا صوفی نام کا کوئی گروہ مسلمانوں میں موجود نہیں تھا۔ صوفی کا لفظ دوسری صدی ہجری میں وجود میں آیا۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو ہاشم کوئی کو اس نام سے پکارا گیا۔ ابو ہاشم دوسری صدی میں گزرے۔ ابو ہاشم ہی مسلمانوں کے مقام رملہ میں مسلمان عابدوں اور زاہدوں کی ایک جماعت کی عبادت کے لیے ایک خانقاہ (صومعہ) بنائی۔ صحیح معلوم نہیں کہ ابو ہاشم کب فوت ہوئے مگر وہ سفیان ثوری کے استاد تھے جو 161ھ میں فوت ہوئے۔ مشہور عارف و صوفی ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ 200ھ سے قبل رائج نہیں تھا۔ نکلن بھی یہی کہتا ہے کہ یہ نام دوسری صدی ہجری کے اواخر میں وجود میں آیا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ ابو ہاشم کوئی پہلے شخص تھے جو صوفی کہلائے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ سفیان ثوری متوفی 161ھ کے استاد تھے تو یہ نام دوسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں رائج ہو گیا تھا نہ کہ دوسری صدی کے اواخر میں جیسا کہ نکلن دہیرہ کہتے ہیں۔ بظاہر اس میں بھی شبہ نہیں کہ صوفی اس لیے صوفی کہلائے کہ وہ صوف یا اون کا لباس پہنتے تھے۔ صوفیا اپنے زہد اور ترک دنیا کے سبب نرم لباس سے اجتناب کرتے تھے اور خاص طور پر اون کا موٹا جھوٹا لباس پہنتے تھے۔

مگر یہ لوگ کب سے اپنے آپ کو عارف کہلانے لگے اس کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اہل بات یقینی ہے اور سری سقطی متوفی 243ھ کے ملفوظات سے بھی معلوم ہوتی ہے (تذکرۃ الاولیاء، شیخ عطار) کہ یہ اصطلاح تیسری صدی ہجری میں رائج ہو چکی تھی لیکن ابونصر سراج طوسی کی کتاب اللمع (صفحہ 427) جو تصوف کی ایک معتبر

”کوئی شخص اس وقت تک عارف نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ زمین کی طرح نہ ہو ہمارے کلمات اور باتیں
روندتے ہیں اور بادل کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز پر سایہ کرتا ہے اور سورج کی طرح نہ ہو ہمارے کلمات اور باتیں
ہے اور بارش کی طرح نہ ہو جائے جو ہر چیز کو سیراب کرتی ہے۔“
تصوف کا دستور اور اہل تصوف کا شروع سے یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ہر کام میں مقصد صحت کے ساتھ ہی رہے
ان کے نزدیک ایسا علم محض الفاظ کا گورکھ و حندہ ہے جو عمل سے خالی ہے، وہ الفاظ و حروف کے لئے کوہِ صوفیہ کی مانند
قرار دیتے ہیں۔ عمل کے لئے تو علم ضروری ہوتا ہی ہے مگر علم کے لئے عمل اس سے بھی زیادہ ضروری ہے اور علم کے لئے
خیالات کا نالک اور افکار کی شعبہ بازی بن جاتا ہے۔



اسلام میں تصوف کی ابتدا

اس سے پہلے کہ ہم تصوف اور عرفان کے نظری اور عملی پہلوؤں پر بات کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم
سب سے پہلے عرفان اور تصوف کی پہلی صدی ہجری سے کم از کم دسویں صدی ہجری تک کی مختصر تاریخ بیان کریں۔ اس کے
پہلے یہاں تک گنجائش ہوگی عرفان کے مسائل پر بحث کریں گے اور پھر ان مسائل کا کچھ تجزیہ پیش کریں گے۔
پہلے تو مسلم ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں اور کم از کم پہلی صدی ہجری میں عارف یا صوفی نام کا کوئی گروہ
مسلمانوں میں موجود نہیں تھا۔ صوفی کا لفظ دوسری صدی ہجری میں وجود میں آیا۔

کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو ہاشم کوئی کو اس نام سے پکارا گیا۔ ابو ہاشم دوسری صدی میں گزرے۔ ابو ہاشم ہی
عالمین کے مقامِ رملہ میں مسلمان عابدوں اور زاہدوں کی ایک جماعت کی عبادت کے لیے ایک خانقاہ (صومعہ) بنائی
جو کچھ معلوم نہیں کہ ابو ہاشم کب فوت ہوئے مگر وہ سفیان ثوری کے استاد تھے جو 161ھ میں فوت ہوئے۔
مشہور عارف و صوفی ابوالقاسم قشیری کہتے ہیں کہ صوفی کا لفظ 200ھ سے قبل رائج نہیں تھا۔ نکلن بھی یہی کہتا
ہے کہ یہ نام دوسری صدی ہجری کے اواخر میں وجود میں آیا۔

اگر یہ صحیح ہے کہ ابو ہاشم کوئی پہلے شخص تھے جو صوفی کہلائے اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ سفیان ثوری متوفی 161ھ کے
استاد تھے تو یہ نام دوسری صدی ہجری کے نصف اول ہی میں رائج ہو گیا تھا نہ کہ دوسری صدی کے اواخر میں جیسا کہ نکلن
دہلوی کہتے ہیں۔ بظاہر اس میں بھی شبہ نہیں کہ صوفی اس لیے صوفی کہلائے کہ وہ صوف یا اون کا لباس پہنتے تھے۔
صوفیا اپنے زہد اور ترک دنیا کے سبب نرم لباس سے اجتناب کرتے تھے اور خاص طور پر اون کا موٹا جھوٹا لباس
پہنتے تھے۔

مگر یہ لوگ کب سے اپنے آپ کو عارف کہلانے لگے اس کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔
اٹنی بات یقینی ہے اور سری سقطی متوفی 243ھ کے ملفوظات سے بھی معلوم ہوتی ہے (تذکرۃ الاولیاء، شیخ عطار) کہ یہ
اصطلاح تیسری صدی ہجری میں رائج ہو چکی تھی لیکن ابونصر سراج طوسی کی کتاب اللمع (صفحہ 427) جو تصوف کی ایک معتبر

ابن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے زہد اور ترک لذات میں بہت مبالغے سے کام لیا ہے، اس سلسلے میں ان کے لئے بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ 135 ہجری میں فوت ہوئے۔

ابن ادم

یہ (خراسان کا مشہور شہر) کے رہنے والے تھے۔

آپ بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے ایک دن شکار کرنے کے لیے نکلے، لومڑی یا جنگلی خرگوش کے پیچھے گئے، اسی حال میں رہے تھے کہ ایک غائبانہ آواز آئی: اے ابراہیم! کیا تمہیں اس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ بعد ازاں ان کے ہاتھ ان سے بھی آواز آئی کہ بخدا تمہیں اس کام کے لیے پیدا نہیں کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہی گھوڑے سے اترے اور اپنے والد کے چرواہے سے ملاقات ہوئی، اس سے اونچی چونٹ لے کر پہن لیا۔ گھوڑا اور اپنا ساز و سامان اسے دے دیا اور نکل کر نکل گئے۔ پھر تے پھرتے مکہ پہنچے۔ وہاں حضرت سفیان ثوری اور حضرت فضیل بن عیاض سے ملاقات کی اور اس شام چلے گئے۔ 163 ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

خوش حیوے سرفراز شاہ وچ مہم کا ابتدائی دور

دوسری صدی کے عارف

حسن بصریؒ

حضرت ابراہیم بن ادم فصل کاٹ کر اور باغوں کی حفاظت کر کے محنت مزدوری کی روزی کمایا کرتے تھے۔ ایک دن جنگل میں ایک آدمی دیکھا جس نے آپ کو اسم اعظم سکھایا، آپ نے اس کی وساطت سے دعا کی تو حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت ہو گئی، انہوں نے بتایا: وہ میرے بھائی حضرت داؤد علیہ السلام تھے جنہوں نے تمہیں اسم اعظم سکھایا ہے۔

حضرت ابراہیم بن بشار کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابراہیم بن ادم کی مجلس میں تھا، ان سے کہا کہ آپ نے کب سے دنیا ترک کر دی ہے؟ اس پر انہوں نے مذکورہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابراہیمؒ پر ہیز گاری کے عظیم منصب پر فائز تھے ان کا یہ قول ملتا ہے کہ:

”حلال روزی کم کر کھاؤ تو تمہیں تہجد گزاری اور روزہ داری ترک کرنے سے نقصان نہ ہوگا۔“

ایک دن آپ سے کسی نے کہا کہ دیا کہ گوشت مہنگا کتنے لگا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسے چھٹی دے دو یعنی نہ خریدا کرو اور پھر ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم یہ ہے:

”جب کوئی شے مجھے مہنگی معلوم ہوتی ہے تو میں اسے لینا بند کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ جتنی مہنگی معلوم ہوتی تھی اتنی ہی سستی معلوم ہونے لگتی ہے۔“

صاحب ہمارا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح دوسری صدی میں پیدا ہوئی۔

بہر حال پہلی صدی ہجری میں صوفی نام کا کوئی گروہ موجود نہیں تھا۔ یہ نام دوسری صدی ہجری میں پیدا ہوا اور بظاہر اسی صدی میں صوفیوں نے ایک خاص گروہ کی شکل اختیار کر لی۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ یہ تیسری صدی میں پیدا ہوا صحیح نہیں ہے۔

پہلی صدی ہجری میں ہر چند کہ کوئی خاص جماعت صوفی یا عارف یا ایسے ہی کسی دوسرے نام سے نہ تھی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ممتاز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین صرف عابد و زاہد ہی تھے، وہ محض ایک ہی طریقہ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور ان کی کوئی روحانی زندگی نہیں تھی۔

شاید بعض نیک اور اچھے صحابہ صرف عابد و زاہد ہی تھے لیکن کچھ صحابہ روحانی زندگی سے بھی مالا مال تھے۔ سب ایک درجہ پر نہیں تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی زندگیوں کا اگر ہم مطالعہ کریں تو ہمیں ان کے بارے میں بھی روحانی منازل کے حوالے سے واضح تفاوت نظر آتا ہے۔ جو صحابی جس قدر عشق رسول ﷺ سے سرفراز تھا، زیادہ قرب الہی کی منزل پر تھا۔

اب ہم دوسری صدی سے دسویں صدی تک کے عرفاء اور صوفیا کا تذکرہ کرتے ہیں۔

سن 22ھ میں پیدا ہوئے، 88 سال کی عمر پائی۔ ان کی نوے فیصد عمر پہلی صدی میں گزری ہے۔ حسن بصری صوفی نہیں کہلاتے تھے، ان کا شمار صوفیا میں اس لئے ہوتا ہے کہ انہوں نے ”رعاۃ حقوق اللہ“ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ جو تصوف پر پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کا واحد نسخہ آکسفورڈ لائبریری میں ہے۔ نقل سن 1870ء میں حسن بصری پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے صوفی طریقہ زندگی کے بارے میں لکھا۔ مقامات عالیہ تک کے لیے تصوف کا جو طریقہ بعد کے مصنفین نے جو یز کیا ہے وہ ہے: اول توبہ اور اس کے بعد مختلف دوسرے اعمال، ان میں سے ہر عمل ایک مقام سے دوسرے بالاتر مقام پر پہنچنے کے لیے کیا جاتا ہے۔“

بعد میں تصوف میں جو سلسلے شروع ہوئے ہیں وہ مختلف طریقوں سے حسن بصری تک پہنچتے ہیں اور پھر ان کے واسطے سے امیر کائنات مولا علیؑ سرکار تک پہنچتے ہیں۔ علمائے تاریخ کا کہنا ہے کہ حسن بصریؒ نے اصحاب بدر میں سے صحابہ کا زمانہ پایا تھا۔

ان کی تاریخ وفات معلوم نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ سفیان ثوری (متوفی 161ھ) کے استاد تھے۔
یہی پہلے شخص تھے جو صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے سفیان ثوری کا قول ہے:
”اگر ابو ہاشم نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیاں نہ سمجھ سکتا۔“

ابوعلیٰ حضرت شفیق بن ابراہیم بلخی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشائخ خراسان سے تھے زندگی بھر توکل کا درس دیتے رہے۔ حضرت حاتم الاصم کے استاد تھے۔
حضرت شفیق بلخی کی توبہ

آپ کی توبہ کا سبب یوں ہے کہ آپ امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ تجارت کی غرض سے ترکستان گئے۔
ابھی نو عمر تھے کہ ایک بت خانہ میں جا پہنچے۔ ایک خادم بتاں کو دیکھا جس نے سر اور داڑھی منڈوا رکھی تھی اور ارغوانی رنگ
کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ حضرت شفیق نے اس خادم سے کہا: تمہیں بنانے والا زندہ ہے، علم والا ہے اور قدرت رکھتا ہے۔
تم اس سے مانگو، ان بتوں کو پوجنا بند کر دو جو نہ فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان۔
وہ کہنے لگا: اگر تم سچ کہتے ہو تو وہ قدرت رکھتا ہے کہ تمہارے شہر میں تمہیں روزی دے دے، یہاں بلخ

تجارت تمہیں دقت سے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات سنتے ہی حضرت شفیق چونک گئے اور راہ زہد و عبادت اپنائی۔
کچھ کہتے ہیں ان کے زہد کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے زمانہ قحط میں ایک غلام کو اچھلتے کودتے دیکھا حالانکہ لوگ
قحط سے پریشان تھے۔ حضرت شفیق نے غلام سے پوچھا کہ تم خوشیاں کیوں منارہے ہو؟ کیا تمہیں قحط میں جتنا لوگوں کی
پریشانی نظر نہیں آ رہی؟ غلام کہنے لگا مجھے اس سے کیا غم، میرے مالک کے پاس ایک گاؤں موجود ہے جس سے ہماری
ضروریات پوری ہو سکتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت شفیق چونک پڑے اور کہنے لگے اگر اس کے آقا کے پاس ایک گاؤں موجود
ہے اور یہ اس کا محتاج ہے پھر بھی بایں ہمہ اسے روزی کی فکر نہیں تو ایک مسلمان کو روزی کی فکر کیوں لاحق ہو جبکہ اس کا آقا
غنی اور مالدار ہے۔

ایک قول یہ بھی ملتا ہے جس کی نسبت حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ کی طرف دی جاتی ہے، آپ نے بتایا کہ حضرت
شفیق بن ابراہیم ایک مالدار شخص تھے، نو جوان تھے اور نو جوانوں کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ ان دنوں حاکم بلخ علی بن
عسیٰ ہامان تھا، وہ شکاری کتوں کا دلدادہ تھا۔ اس کا ایک کتا گم ہو گیا تو اس نے ایک شخص پر الزام لگایا کہ کتا اس کے پاس
ہے۔ وہ شخص حضرت شفیق کے پڑوس میں رہتا تھا اس نے اسے تلاش کیا تو وہ بھاگ گیا اور شفیق کے گھر میں پناہ لے لی،
شفیق حکمران کے پاس گئے اور اسے کہا کہ کتا تو میرے پاس ہے اسے جانے دو میں تین دن کے اندر کتا واپس کر دوں گا۔

ابو ہاشم صوفی نے اسے چھوڑ دیا۔ شفیق واپس آئے تو اس کے لیے انتظام کرنے لگے، تیسرا دن بھی آچکا تھا۔ شفیق کے
دعا میں سے ایک شخص بلخ سے غائب تھا اور واپس آ رہا تھا اس نے راستے میں دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کے گلے میں
کالی ہے اس نے اسے پکڑ لیا اور دل میں کہا یہ شفیق کو جا کر دوں گا کیونکہ وہ ان کو پسند کرتا ہے چنانچہ وہ لے پہنچا شفیق کی نظر
پاں تو اس نے پہچان لیا کہ یہ کتا امیر ہی کا ہے۔ وہ خوش ہوا اور کتا امیر کے پاس لے گیا اور یوں اس کی ضمانت پوری ہو گئی
ابو ہاشم صوفی نے اسے سوجھ بوجھ عطا کی اور وہ اپنے کئے پر تاب لب ہو گیا اور پھر زہد اختیار کر لیا۔

ابوعلیٰ حضرت معروف بن فہروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ

یہ اکابر مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کی دعائیں اکثر قبول ہوا کرتی تھیں اور آج بھی قبر اطہر کے توسل سے
اللہ لوگ شفا یاب ہوتے ہیں۔ بغداد کے نزدیک ان کی قبر تخرجہ شدہ تریاق ہے۔ آپ سیدنا علی بن موسیٰ رضا کے آزاد کردہ
لاموں میں سے تھے۔

200ھ میں وصال ہوا اور دوسری روایت کے مطابق حضرت کرخی کا وصال 201ھ میں ہوا۔ آپ حضرت سری
علی رحمۃ اللہ کے استاد تھے۔ ایک دن آپ نے سری سقطی سے فرمایا کہ اگر اللہ سے کچھ مانگنا ہو تو میری قسم دے کر مانگ

شاہ وچ مانجی سٹر

صاحب زمانہ تشریہ عبدالکریم بن ہوازن القشیری کہتے ہیں کہ میں اپنے استاد گرامی حضرت ابوعلی دقاق رحمہ
اللہ کو فرماتے سنا کہ حضرت معروف کرخی کے والدین نصرانی تھے، آپ ابھی بچے ہی تھے کہ والدین نے انہیں ایک عیسائی
استاد کے پاس بٹھا دیا۔ جب استاد یہ کہتا کہ اللہ، تین میں تیسرا ہے تو آپ کہتے کہ نہیں وہ تو ایک ہی ہے۔ اس پر استاد نے
آپ کو بے تحاشا مارا، آپ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ان کے والدین کہا کرتے: کاش معروف واپس آ جائے وہ جس
دین پر بھی ہوگا ہمیں منظور ہے بلکہ ہم بھی اس کا دین اپنالیں گے، چنانچہ آپ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے دست اقدس پر
مسلمان ہو گئے۔ گھر واپس آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی کون ہے؟ تو کہنے لگے: معروف ہوں اہل خانہ نے پوچھا کہ
کونسا دین اپنا چکے ہو؟ آپ نے کہا دین حنیف چنانچہ آپ کے والدین بھی مسلمان ہو گئے۔

حضرت حسین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھا وہ وصال فرما
چکے تھے میں نے پوچھا: اللہ نے آپ سے کیا معاملہ فرمایا ہے؟ آپ نے بتایا کہ اس نے مجھے بخش دیا ہے میں نے کہا:
عبادت گزاری اور پرہیز گاری کی وجہ سے؟ فرمایا نہیں بلکہ اس بنا پر کہ میں نے ابن سناک کی نصیحت قبول کر لی تھی، باقاعدہ
فقیر بن گیا اور فقیروں سے محبت شروع کر دی۔

فضیل بن عیاض

آپ خراسان کے باشندے تھے جو مرو کے قریب واقع ہے۔

کہتے ہیں کہ ابتدا میں رہزن تھے۔ ایک رات بری نیت سے ایک دیوار پر چڑھے، ایک شب زندہ دار قرآن کی آیت سن کر حالت بدل گئی اور توبہ کر لی کتاب مصباح الشریعہ ان سے منسوب ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ کتاب اس سال کا ایک سلسلہ ہے جو انہوں نے سیدنا امام جعفر صادقؑ سے لیے تھے۔

تیسری صدی کے عارف

بشر حافیؒ

مشاہیر صوفیا میں سے ہیں۔ یہ بھی شروع میں اہل فسق و فجور میں سے تھے بعد میں تائب ہو گئے۔ اشراف مال وصال 226 ہجری ہوا۔

ابوالحسین حضرت احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ

دمشق کے رہنے والے تھے حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت پائی اور 230 ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ پھولوں کے گلہ سلی طرح ہیں۔

حضرت احمد بن ابوالحواری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: ”جو شخص دنیا کی طرف نظر محبت سے دیکھتا ہے اور اس سے پیار رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے یقین کا نور اور زہد نکال دیتا ہے۔“

آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ”جس شخص نے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کوئی کام کیا اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“

ابو حامد حضرت احمد بن خضر و یحییٰ بن زبیری رحمۃ اللہ علیہ

یہ خراسان کے اکابر مشائخ میں سے تھے اور ابو تراب بنی کی صحبت میں رہے تھے۔ نیشاپور پہنچے تو ابو حفص کی زیارت کی اور پھر ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ کی زیارت کے لیے ”بسطام“ روانہ ہو گئے۔ بہادری اور فتوحات میں بہت مشہور تھے۔ حضرت ابو حفص رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن خضر و یحییٰ سے زیادہ نہ کوئی باہمت دیکھا اور نہ ہی بچے حال والا۔ حضرت بایزید جب بھی ان کا ذکر کرتے تو یوں کہتے ”ہمارے استاد احمد۔“

حضرت محمد بن حامد رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت حضرت احمد بن خضر و یحییٰ کے پاس تھا جب ان پر حالت

دار الحارثی تھی اور اس وقت وہ 95 سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ اسی دوران ان سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا تو آنکھوں میں آنسو آئے اور فرمایا:

”اے بیٹے! ایک دروازہ تھا جسے میں پچانوے سال تک کھٹکھٹاتا رہا، وہ ابھی کھلنے کو ہے، نہیں معلوم کہ میرے لئے باعث سعادت ہوگا یا باعث بدبختی اب میرے پاس جواب کا وقت کہاں؟“

حضرت محمد بن حامد بتاتے ہیں کہ حضرت احمد کے ذمہ سات سو درہم قرض تھا۔ قرض خواہ قریب ہی تھے آپ نے مالک الموت ہی میں ان کی طرف نظر اٹھا کر کہا:۔

”اے اللہ! تو نے مالداروں کے لیے مال رہن بطور دستاویز قرار دیا ہوا ہے اور یہ مال تو نے ان سے بروز لاپست لینا ہوگا لہذا اب میرا قرض ادا فرما دے۔“

محمد کہتے ہیں کہ اسی وقت ایک شخص نے دروازے پر دستک دی اور کہا کہ احمد کے قرض خواہ کہاں ہیں؟ اور پھر سب کا قرضہ چکا دیا۔ اسی کے ساتھ آپ کی روح پرواز کر گئی اور آپ فوت ہو گئے۔ سن وفات 240 ھ تھا۔ حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:۔

”غفلت سے بڑھ کر کوئی بھی نیند بھاری نہیں ہوتی، خواہش نفسانی سے بڑھ کر کوئی غلامی نہیں ہوتی اور اگر تم پر غفلت کا بوجھ نہ پڑے تو خواہشات نفسانی تم سے دور رہیں گی۔“

ابوالحسن حضرت سری بن سقطی رحمۃ اللہ علیہ

بشر حافی کے دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھے سری سقطی خلق خدا پر بہت مہربان تھے اور سب کے لیے اٹھا کرتے تھے۔ حضرت ابوالعباس بن مسروق رحمۃ اللہ بیان کرتے ہیں:۔

”مجھے اطلاع ملی کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ بازار میں تجارت کرتے ہیں۔ ایک دن معروف کرخی ان کے پاس آئے، ان کے ہمراہ ایک یتیم بچہ بھی تھا۔ کہنے لگے کہ اس یتیم بچے کے لئے کپڑا دے دو، حضرت سری سقطی کہتے ہیں کہ میں نے اسے کپڑے دیے تو حضرت معروف کرخی بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ ”اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں دنیا سے نفرت ڈال دے اور جس مصیبت میں مبتلا ہو اس سے تمہیں رہائی دے دے۔“

حضرت سری سقطیؒ کہتے ہیں: ”اس بات کے بعد میں جب دکان سے نکلا تو دنیا سے زیادہ مجھے کوئی شے بری معلوم نہ ہو رہی تھی چنانچہ میری موجودہ حالت حضرت معروف کرخی کی برکت کی بنا پر ہے۔“

ابن خلکان نے ”وفیات الاعیان“ میں لکھا ہے کہ حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: ایک موقع پر میں الحمد للہ کہہ بیٹھا تو تیس سال سے اس کی تلافی کی خاطر استغفار کر رہا ہوں۔

آپ سے پوچھا گیا کہ وجہ کیا ہوئی؟ آپ نے بتایا ایک مرتبہ بغداد میں آگ بھڑک اٹھی۔ اسی دوران

مجھے ایک شخص ملا جس نے مجھے اطلاع دی کہ میری دکان بچ گئی ہے چنانچہ میں نے الحمد للہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ پھر اب تیس سال ہونے کو ہیں کہ میں اس کہے پر شرمسار ہوں کہ مسلمانوں کے مشکل وقت میں اپنی پہلائی کا اللہ کیوں کہا تھا۔“

سری سقطی معروف کرفی کے شاگرد و مرید اور جنید بغدادی کے پیر اور ماموں تھے۔ ان سے توحید اور عقل الہی کے بارے میں بہت سے اقوال منقول ہیں۔ انہیں کا قول ہے کہ عارف آفتاب کی طرح سارے عالم پر چمکتا ہے اور ان کی طرح نیک و بد کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھاتا ہے وہ پانی کی طرح ہوتا ہے کہ جس پر تمام دلوں کی زندگی کا دار ہے اور آگ کی طرح اسکی روشنی سب تک پہنچتی ہے۔

سری سقطی نے 257ھ میں 98 سال کی حیات پا کر وصال فرمایا۔

ابو عبد اللہ حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمۃ اللہ علیہ

جنید بغدادی کے دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھے۔ انہیں محاسبی اس لیے کہتے ہیں وہ مراقبہ اور نفس کے کام کا کمال درجہ اہتمام کرتے تھے۔ آپ اپنے دور میں علم، پرہیز گاری، معاملات اور حال کے لحاظ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اصل میں بصرہ کے تھے اور 243ھ کو بغداد میں وصال فرمایا۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ سے یہ روایت ملتی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:

”ایک دن حضرت محاسبی میرے قریب سے گزرے تو میں نے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے۔ میں نے عرض کی: بچا جان! کیا آپ پسند کریں گے کہ گھر میں تشریف لا کر کچھ کھالیں؟ آپ نے فرمایا ہاں، چنانچہ میں انہیں گھر لے گیا اور انہیں پیش کرنے کے لیے کچھ ڈھونڈنے لگا۔ گھر میں شادی سے آیا کچھ کھانا موجود تھا چنانچہ میں نے پیش کیا، آپ نے اس میں سے لقمہ بھر لے کر منہ میں کئی بار گھمایا پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور دلیز پر پھینک کر چلے گئے۔

میں نے کئی دن بعد دوبارہ آپ کو دیکھا تو پھینکنے کی وجہ پوچھی آپ نے کہا مجھے بھوک لگی تھی میں چاہتا تھا کہ کھا کر آپ کو خوش کروں اور دلجوئی کر دوں لیکن کیا کروں؟ میرے اور اللہ کے درمیان یہ بات طے ہے کہ جس کھانے میں خشک و شبہ ہوگا، میرے خلق سے نیچے نہیں جاسکے گا چنانچہ میں وہ لقمہ نگل نہ سکا، یہ بتاؤ کہ یہ کھانا کہاں سے ملا تھا؟ میں نے عرض کیا اس قریبی گھر سے شادی کا کھانا آیا تھا۔ میں نے پھر درخواست کی کیا گھر پر رہنا پسند فرمائیں گے؟ فرمایا ہاں ٹھہروں گا۔ چنانچہ میں نے گھر سے روٹی کا ایک خشک ٹکڑا پیش کیا تو آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا: جب بھی کسی درویش کو کھانا پیش کرو تو ایسا ہی ہونا چاہئے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

خاندانی نام جنید بن محمد، کنیت ابو القاسم۔ آپ نے فقہ کی تعلیم حضرت ابو ثور سے حاصل کی۔ تصوف کے رموز و

لغات حضرت حارث محاسبی سے سکھے اور غرقۂ خلافت مشہور صوفی بزرگ حضرت سری سقطی سے حاصل کیا جو آپ کے حقیقی ماموں بھی تھے۔

جذب و کیف کی انتہائی منزلیں طے کرنے کے باوجود حضرت جنید بغدادی ہمیشہ احتیاط اور ہوش کی حالت میں رہے۔ آپ کی عارفانہ غفلتوں پر تمام اولیائے کرام متفق ہیں۔ اس لئے آج بھی آپ کو سید الطائفہ (صوفیوں کے سردار) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

تقریباً 8 سال کی عمر میں اپنے ماموں کی ہدایت پر حضرت جنید بغدادی مشہور فقیہ حضرت ابو ثور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شاگردی کی درخواست کی۔ حضرت ابو ثور حضرت امام شافعی کے شاگرد و رشید تھے۔ اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلک کے اعتبار سے حضرت جنید بغدادی فقہ شافعی کے پیروکار تھے۔ حضرت ابو ثور نے آٹھ سال کے عرصے میں اپنا سارا علم حضرت جنید بغدادی کو منتقل کر دیا۔ پھر اہل بغداد نے دیکھا کہ ایک بیس سالہ نوجوان بڑی اہانت کے ساتھ فتوے دیا کرتا تھا۔ بڑے بڑے صاحبان علم جن مسائل کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے ان مسائل تک حضرت جنید بغدادی کو رسائی حاصل تھی۔ یہ قدرت کا عطیہ بھی تھا اور استاد گرامی کی صحبتوں کا فیض بھی۔

علم حدیث اور فقہ حاصل کرنے کے بارے میں خود حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں یہ بھی میرے ماموں کی نصیحت اور التفات کا نتیجہ ہے کہ میں ان علوم کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر حضرت سری سقطی میری رہنمائی نہ فرماتے تو میں حدیث اور فقہ سے نا آشنا رہ جاتا اور مروجہ تصوف کی پرہیز گاریوں میں ساری زندگی بھٹکتا رہتا۔ میں ایک دن حضرت سری سقطی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک ماموں مجھ سے مخاطب ہوئے اور نہایت جذب کے لہجے میں فرمایا:

”جنید میں حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں ایسا محدث بنائے جو علم تصوف سے بھی آگاہ ہو۔“ آپ کے ماموں کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ دین اسلام میں علم و عمل کے درخشندہ ستارے ثابت ہوئے۔

آپ کا وصال مبارک 302ھ میں ہوا۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

مصر کے رہنے والے تھے۔ فقہ میں مشہور فقیہ مالک بن انس کے شاگرد تھے۔ جامی ان کو رئیس صوفیا کہتے تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تصوف کے مسائل کو رموز و کنایہ کی اصطلاحات میں بیان کیا تاکہ جو واقف ہیں وہی سمجھ سکیں اور اغیار کچھ نہ سمجھیں۔ آہستہ آہستہ یہی طریقہ رائج ہو گیا۔ مسائل تصوف غزل کی صورت میں یا رموز و کنایہ کے پردے میں بیان ہونے لگے۔

حضرت یوسف بن حسین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کی مجلس میں حاضر ہوا اتنے میں آپ کے ہاں حضرت سالم مغربی رحمۃ اللہ آ پہنچے اور حضرت ذوالنون سے پوچھا کہ آپ نے توبہ کس بنا پر کی تھی؟ انہوں نے کہا یہ ایک عجیب کہانی ہے تم مانو گے نہیں! حضرت سالم نے کہا: آپ کو اپنے معبود کی قسم ضرور بتائیں۔

انسان کے رہنے والے تھے۔ روذات الجنات اور دوسرے تذکروں میں ان کے اشعار اور صوفیانہ اقوال کا ذکر ملتا ہے۔

خواجہ عبداللہ انصاری نے کہا ہے:

سب سے پہلے ذوالنون مصری نے رمز و کنایہ میں بات کی جنیدؒ نے آکر اس علم کو مرتب کیا اور مزید ترقی دی اور اس علم میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ جب نوبت شیلی تک پہنچی تو انہوں نے اس علم کو منبروں تک پہنچا دیا۔ شیلی نے 334ھ 337ھ ہجری کی درمیانی مدت میں 87 سال کی عمر میں انتقال کیا۔

ابو رود باریؒ

ساسانی نسل سے تھے خود کو نو شیر و اس کی اولاد کہتے تھے۔ جنید بغدادیؒ کے مرید تھے۔ ابو عباس بن شریح سے فقہ لیا اور ثعلب سے ادبیات کی تعلیم حاصل کی۔ ان کو شریعت، طریقت اور حقیقت کا جامع کہا جاتا ہے۔ 322ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ابو نصر سراج طوسیؒ

مشہور کتاب الملحہ کے مصنف ہیں جو تصوف کی قدیم اور معتبر کتابوں میں سے ہے۔ 387ھ ہجری میں فوت ہوئے۔ بہت سے مشائخ طریقت ان کے بلا واسطہ یا بالواسطہ شاگرد تھے۔

ابو الفضل سرحسیؒ

ابو نصر سراج کے شاگرد اور مرید مشہور عارف ابو سعید ابوالخیر کے استاد اور پیر تھے۔ 400ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ابو عبد اللہ رود باریؒ

ابو علی رود باری کے بھانجے تھے شام کے مشاہیر صوفیا میں شمار تھا۔ 396ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

ابو طالب مکیؒ

ان کی بیشتر شہرت ایک کتاب کی وجہ سے ہے جو انہوں نے علم تصوف میں تالیف کی تھی۔ اس کتاب کا نام "قوت القلوب" ہے اس کا شمار تصوف کی قدیم اور بہت معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ ابو طالب مکی نے 357ھ یا 372ھ ہجری میں انتقال کیا۔

حضرت ذوالنون نے کہا: میں مصر سے کسی بستی کا ارادہ لیے نکل کھڑا ہوا جنگل میں پہنچا تو راستے ہی میں سو گیا۔ میری آنکھیں تو دیکھا کہ ایک گھونسلے میں سے اندھی چڑیا زمین پر آگری۔ میرے دیکھتے زمین میں شکاف ہو گیا، کیا دیکھا وہ دو کوڑے تھے ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا، ایک میں تو تل تھے اور دوسرے میں پانی۔ چڑیا تل کھائے ہار اسی میں پتی چار رہی تھی۔ یہ ماجرا دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ اس سے زیادہ اور کیا دیکھوں چنانچہ میں نے برے ارادوں سے باز رہا اور ذکر الہی شروع کر دیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے شرف قبولیت سے نوازا دیا۔ آپ کا وصال 245ھ میں ہوا۔

ابو محمد حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ

آپ صوفیا کے اماموں میں سے ایک تھے۔ پرہیزگاری کے معاملات میں اپنی مثال آپ تھے، صاحب کرامت تھے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مکہ آئے تو ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک روایت کے مطابق آپ کا وصال 273ھ کو ہوا۔

حضرت طیفور بن عیسیٰ المعروف بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے دادا بموی (آتش پرست) تھے پھر اسلام لے آئے۔ آپ تین بھائی تھے آدم، طیفور اور علی اور یہ سب کے سب زاہد اور عبادت گزار تھے۔ بایزید ان میں سے زیادہ صاحب عظمت تھے۔ آپ کا شمار اکابر صوفیا میں ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صاف الفاظ میں اللہ کی بات کی۔

بایزید بسطامی نے ایک دفعہ کہا کہ میں بایزید سے اس طرح نکل گیا ہوں جس طرح سانپ کینچلی سے نکل جاتا ہے۔ بایزید کی شیطیات کی وجہ سے کچھ لوگوں نے ان کی تکفیر بھی کی ہے۔ لیکن جید صوفیا کہتے ہیں کہ وہ اصحاب سکر میں سے تھے۔ انہوں نے وہ باتیں جذب و بے خودی کے عالم میں کہیں ہیں جن میں بظاہر خلاف اسلام اور غلط دعوے کیے گئے ہیں۔ آپ کا وصال 261ھ میں ہوا اور دیگر حضرات نے 432ھ قرار دیا ہے۔

چوتھی صدی کے عارف

ابو بکر شیلی رحمۃ اللہ علیہ

جنید بغدادیؒ کے شاگرد اور مرید تھے۔ حلاج سے بھی ملاقات تھی۔ مشاہیر صوفیا میں سے ہیں۔ اصلاً

پانچویں صدی کے عارف

شیخ ابوالحسن خرقانیؒ

مشہور ترین صوفیا میں سے ہیں۔ صوفیا حیرت انگیز داستانیں ان سے منسوب کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پایزید بسطامی کی قبر پر جا کر پایزید کی روح سے رابطہ پیدا کیا تھا اور اپنی مشکلات ان سے حل کرائی تھیں مولانا رومی کہتے ہیں

ابوالحسن بعد از وفات پایزید
از پس آن سالہا آمد پدید
گاہ و بیگہ نیز رفتے بے فتور
بر سر گورش نشستے با حضور
تا مثال شیخ پیش آمدے
تا کہ می گفتے شکالش حل شدے

(پایزید کی وفات کے برسوں بعد ابوالحسن وقتاً فوقتاً ان کی قبر پر جا کر بیٹھتے اور متوجہ ہوتے تھے یہاں تک کہ ان کی شبیہ نے سامنے آکر ان کی مشکلات حل کر دیں)۔

مولانا رومی نے اپنی مثنوی میں جگہ جگہ ان کا تذکرہ کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا رومی کو ابوالحسن خرقانیؒ واقعی عقیدت تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشہور فلسفی بوعلی سینا اور مشہور عارف ابوسعید ابوالخیرؒ سے ان کی ملاقات تھی۔ 425 ہجری میں فوت ہوئے۔

ابوسعید ابوالخیرؒ

ابوسعید ابوالخیر مشہور ترین صوفیا میں سے ہیں۔ عمدہ احوال کے حامل تھے۔ ان کی رباعیاں بڑی شستہ ہیں۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ کہا کہ تصوف یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے سر میں ہوا سے نکال دو، جو ہاتھ میں ہو وہ دے دو اور جو ہو سکے کوشش کرو۔ بوعلی سینا سے ملاقات تھی۔ ابوسعید عمل کی ضرورت اور اطاعت و معصیت کے بارے میں بیان کر رہے تھے۔ بوعلی نے یہ رباعی پڑھی۔

ما نیم بعفو تو تو لا کردہ

وز طاعت و معصیت تیرا کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد
ناکردہ چو کردہ کردہ چوں ناکردہ

(ہم تو تیرے عفو سے محبت کرتے اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں طاعت و معصیت سے ہمیں کوئی سروکار نہیں جہاں اکرام ہو وہاں کردہ اور ناکردہ سب اعمال برابر ہیں)۔

ابوسعید نے فوراً کہا:

برعفو مکن تنگیہ کہ ہرگز بنود
ناکردہ چو کردہ، کردہ چوں ناکردہ

(معافی کے بھروسے پر مت رہو۔ کیونکہ جو کچھ کیا ہوا ہوتا ہے اسے ناکردہ نہیں سمجھنا چاہیے اور جو کچھ ناکردہ ہو

اسے کیا ہوا نہیں سمجھنا چاہیے)

ابوسعید ابوالخیر کا انتقال 440 ہجری میں ہوا۔

ابوعلی دقاق نیشاپوریؒ

شریعت و طریقت کے جامع شمار ہوتے ہیں۔ واعظ اور مفسر تھے۔ چونکہ ان کی مناجاتوں میں گریہ بہت ہے اس لیے ان کا لقب شیخ نوحہ گر ہو گیا۔ 405 یا 412 ہجری میں فوت ہوئے۔

ابوالحسن حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ

حضرت سید علی ہجویریؒ 400ھ یا 401ھ میں غزنی کے ایک محلے ”ہجویر“ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی اور شجرہ نسب براہ راست حضرت سیدنا امام حسینؑ تک پہنچتا ہے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے حصول علم کی خاطر بڑی مشقتیں برداشت کی ہیں۔ کئی بار ہجرت کی، کبھی فرغانہ کو اپنا مسکن بنایا کبھی خراسان جا پہنچے اور کبھی ماوراء النہر کی سکونت اختیار کی۔ جہاں بھی کسی فاضل کا پتلا ملا، اسی کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اس لئے کوئی نہیں جانتا کہ حضرت سید علی ہجویریؒ کے اساتذہ کی تعداد کتنی ہے؟ پھر بھی مشہور ہے کہ مذہبی علوم میں آپ کے استاد حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی تھے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی کا معروف قول ہے..... ”فقر کے راستے میں مرشد کی رضا جوئی سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ پس فقیر کو چاہے کہ ہر وقت مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے۔“

مرشد کے بارے میں حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانی کا یہ قول بھی شہرت رکھتا ہے..... مرشد میں خواہشات نفسانی کے دریا کے پار ترنے کی صلاحیت موجود ہونی چاہیے۔ اگر مرشد ماہر تیراک نہ ہو تو ایک دن خود بھی ڈوبے گا اور مرید کو بھی

اولیٰ کی نشانی ہے۔“

حضرت سید علی ہجویریؒ اپنے پیرومرشد کے بارے میں فرماتے ہیں..... ”میرے شیخ رحمی صوفیوں (دکانداروں) کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی شخص ہیبت ناک (پر جلال) نہیں دیکھا۔ ایک دن میں ہر مشد کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ دفعتاً مجھے یہ خیال گزرا کہ جب سارے کام تقذیر پر منحصر ہیں تو پھر ہم لوگ غلاموں کی طرح اس کی خدمت میں کیوں مصروف رہتے ہیں؟

پیرومرشد نے میری طرف دیکھا اور نہایت شیریں لہجے میں فرمایا..... بیٹا! جو کچھ تمہارے دل میں ہے، مجھے سب معلوم ہے مگر ہر حکم کے لیے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تاج و تخت کسی کے ہر دے تو پہلے اس میں تاج و تخت کے سنبھالنے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور پھر وہی خدمت اس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔“

حضرت شیخ ابوالفضلؒ نے چھپن سال تک ایک ہی لباس زیب تن کیا۔ آپ کسی تکلف کے بغیر اپنے جامے میں نہ لگایا کرتے تھے۔ پھر بیوندوں کی تعداد اس قدر بڑھی کہ اصلی کپڑے کا نشان تک باقی نہ رہا۔

یہ تھے وہ مرد کامل حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن خلیفہ جن کی آغوشِ محبت میں حضرت سید علی ہجویریؒ نے روحانی لہجہ حاصل کی۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف ”کشف الاسرار“ میں بہت سے عجائباتِ زمانہ کا ذکر کیا ہے ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

”غزنی میں ایک پیرومرشد تھے۔ ان کا نام شیخ بزرگ تھا اور وہ اپنے کردار میں بھی حقیقتاً بزرگ ہی تھے۔ ایک دن شیخ بزرگ نے مجھ سے فرمایا۔

”علی! کوئی ایسی کتاب لکھ کہ زمانے میں تیری یادگار رہ جائے۔“

اس وقت میری عمر صرف بارہ سال تھی۔ ایک بچے سے کسی یادگار تصنیف کا ذکر کرنا بڑا عجیب تھا۔ میں نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا۔ حضرت میں ابھی اس قابل کہاں ہوں؟ نہ مجھے علم حاصل ہے اور نہ میں اپنی کم عمری کے سبب علم کے رموز کو سمجھ سکتا ہوں پھر آپ کے حکم کی تعمیل کس طرح ہو سکتی ہے؟

شیخ بزرگ نے جواباً فرمایا..... ”علی! کچھ بھی ہو تجھے کتاب لکھنی ہی پڑے گی۔“

میں نے کچھ دن پہلے ہی ایک کتاب تحریر کی تھی۔ شیخ بزرگ کے اصرار پر وہی کتاب ان کی خدمت میں پیش کر دی۔

شیخ بزرگ کتاب کا مطالعہ کرتے رہے اور میں دل ہی دل میں شرمندہ ہوتا رہا کہ ایک بچے کی تحریر پڑھ کر ان کا کیا تاثر ہوگا؟ آخر کتاب ختم ہوئی اور شیخ بزرگ مجھ سے مخاطب ہوئے..... علی! تو دین کے معاملے میں بڑا بزرگ ہوگا۔

شیخ کا ارشاد سن کر کچھ دیر تک مجھے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا۔ میں حیرت میں ڈوبا ہوا کسی مجسمے کی طرح

ایک بار حضرت سید علی ہجویریؒ اپنے استاد گرامی حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کے دیدار کو حاضر ہوئے۔ حضرت شیخؒ طوس کی ایک مسجد میں تنہا بیٹھے تھے اور مسجد کے ستون سے باتیں کر رہے تھے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ ان میں نے اپنے کانوں سے سنا۔ حضرت شیخؒ کوئی واقعہ ستون سے بیان کر رہے تھے میں کچھ دیر خاموش کھڑا رہا۔ جب استاد گرامی اپنی بات مکمل کر چکے تو میں آگے بڑھا۔ خدمتِ عالیہ میں سلام پیش کرنے کے بعد میں نے عرض کیا۔ محترم! آپ کس سے ہم کلام تھے؟ یہاں مسجد میں تو کوئی دوسرا شخص موجود نہیں ہے۔

حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ نے جواباً فرمایا..... بیٹا! اس وقت اللہ نے مسجد کے ستون کو قوت کو بالیٰ عطا کی ہے۔ اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں اسی سوال کا جواب دے رہا تھا۔

حضرت سید علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ استاد گرامی کا جواب سن کر مجھے اس ستون کا واقعہ یاد آ گیا جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رویا کرتا تھا۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر سے پہلے رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر تعمیر ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیا تو کھجور کا وہ ستون رونے لگا۔ اس کے رونے کی آواز اتنی تیز تھی کہ تمام حاضرین مسجد نے سنی۔ آٹا لے لیا جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس ستون پر رکھا تو وہ خاموش ہو گیا۔

علوم ظاہری تکمیل کے بعد حضرت سید علی ہجویریؒ حضرت ابوالفضل بن سینانؒ کی خدمت پر دستِ مبارک رکھے۔ حضرت ابوالفضلؒ کا روحانی سلسلہ مشہور بزرگ حضرت جنید بغدادیؒ سے ملتا ہے۔ حضرت سید علی ہجویریؒ اپنے اس طریقہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”ایک بار میرے شیخ ”بیت الجن“ سے دمشق تشریف لے جا رہے تھے میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ اتفاق سے رات کو تیز بارش ہوئی تھی جس کی وجہ سے پورا علاقہ کچھڑے بھر گیا تھا اور مسافروں کو چلنے میں بہت دشواری پیش آرہی تھی۔ چلتے چلتے اچانک میری نظر حضرت شیخ کے پائے مبارک پر پڑی اور میں حیران رہ گیا۔ حضرت شیخ کا پا جامہ اور ۱۲ مکمل طور پر کچھڑے محفوظ تھا۔

”شیخ محترم! یہ کیا ہے؟“ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ اس واقعہ کی مجھ پر بہت ہیبت طاری تھی۔

جواب میں پیرومرشد نے فرمایا..... ”سید! جب سے میں نے اپنی نئی کی اور توکل اختیار کیا، اسی دن سے اللہ نے میرے قدموں کو ان آلائشوں سے بھی پاک کر دیا ہے۔“

حضرت شیخ ابوالفضلؒ اپنے مریدوں کو کم گوئی اور کم خوابی کی بہت تاکید کیا کرتے تھے۔

حضرت سید علی ہجویریؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”کشف المحجوب“ میں ایک مقام پر اپنے پیرومرشد کا یہ قول مبارک نقل کیا ہے:

”غلبے کے سوانہ سوؤ..... اور جب جاگو تو پھر سونے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ یہ مرید کے واسطے حرام ہے اور

شیخ کے سامنے بیٹھا رہا۔

خواجہ عبداللہ ہرات میں پیدا ہوئے اور وہیں 471ھ میں انتقال کیا۔ اسی وجہ سے ہیرات کے نام سے مشہور

ہوا۔

خواجہ عبداللہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب ’منازل السائرین‘ ہے جو تصوف کی ادبی کتاب ہے اور سیر و سلوک پر بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس کتاب کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ابو حامد محمد غزالیؒ

معروف ترین علمائے اسلام میں سے ہیں۔ شرق سے غرب تک ان کی شہرت کا آواز بلند ہے۔ جامع معقول و منقول تھے۔ جامعہ نظامیہ بغداد کے رئیس الجامعہ اور اپنے زمانہ کے اعلیٰ ترین مذہبی عہدہ پر فائز رہے لیکن انہوں نے یہ افسوس کیا کہ نہ ان کا علم ان کے روحانی اطمینان کے لیے کافی ہے اور نہ ان کا منصب چنانچہ وہ روپوش ہو کر تہذیب و تزکیہ اس میں مشغول ہو گئے۔

دس سال بیت المقدس میں اپنے جاننے والوں کے ہاں دور گزارا۔ انہیں ایام میں ان کی توجہ تصوف اور عرفان کی طرف ہو گئی۔ پھر آخری عمر تک کوئی منصب اور عہدہ قبول نہیں کیا۔ ریاضت میں ایک مدت گزارنے کے بعد اپنی مشہور کتاب ’احیاء علوم الدین‘ تالیف کی۔ 505ء میں اپنے اصل وطن طوس میں وفات پائی۔

خوش جیوے سرفراز شاہ ولیچ ماہیچسٹر

چھٹی صدی کے عارف

بین القضاۃ ہمدانیؒ

بڑے جوشیلے صوفیوں میں سے ہیں۔ محمد غزالی کے چھوٹے بھائی احمد غزالی کے مرید تھے۔ احمد غزالیؒ بھی صوفیا میں سے ہیں۔ انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ان کے اشعار پر لطف اور خوشنما ہیں لیکن شطحیات سے خالی نہیں۔ اسی بنا پر ان پر کفر کا فتویٰ لگا اور قتل کیے گئے۔ لاش کو جلا کر خاک کو برباد کر دیا گیا۔ 525 اور 533 ہجری کی درمیانی مدت میں قتل ہوئے۔

سنائی غزنویؒ

مشہور شاعر ہیں۔ ان کے اشعار میں تصوف کے دقیق مسائل کا بیان ہے۔ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں ان کے اقوال پیش کیے ہیں اور ان کی شرح کی ہے۔ چھٹی صدی کے نصف اول میں فوت ہوئے۔

شیخ نے میری دلی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے ایک بار پھر وہی الفاظ دہرائے..... انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

پھر مجھے یقین آیا کہ شیخ بزرگؒ نے میری طفلانہ تحریر کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔..... حق تعالیٰ نے چاہا تو سارا کام ان دعاؤں کی تاثیر دیکھے گا۔

پھر ایسا ہی ہوا۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ برصغیر پاک و ہند کے اتنے بڑے بزرگ ثابت ہوئے کہ ایک ہزار سال گزر جانے کے باوجود آپ کا فیض روحانی روز اول کی طرح جاری و ساری ہے۔ شیخ بزرگؒ نے جس کتاب کے تحریر کر کے پراصرار کیا تھا دراصل وہ ’کشف المحجوب‘ تھی۔ شیخ بزرگؒ کی چشم معرفت پر یہ بات روشن تھی کہ یہی بارہ سال لاکھ جوان ہو کر ایک ایسی کتاب تحریر کرے گا جسے تصوف کی دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوگی۔

پیر و مرشد کے حکم سے سلطان محمود غزنوی کے دور میں لاہور تشریف لائے۔ آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے شد و اذیتیں برداشت کیں۔ حضرت علی ہجویریؒ کا شمار ان صوفیائے عظام میں ہوتا ہے جن کا ہر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع تھا۔ لوگ فرط عقیدت میں آپ کو ’داتا گنج بخش‘ کہہ کر پکارتے ہیں۔

آپ کا وصال مبارک 465ھ میں ہوا۔

خواجہ عبداللہ انصاریؒ

معروف ترین اور بڑے عبادت گزار صوفیا میں سے تھے ان کے مختصر فقرے مناجاتیں اور شستہ و ہامزہ رہا مہاں موجود ہیں۔ اور خواجہ عبداللہ کی شہرت زیادہ تر انہیں کی وجہ سے ہے۔

ان کا ایک ملفوظ ہے: در طفلی پستی، در جوانی مستی، در پیری سستی، پس گئے خدا پرستی؟ ایک اور ملفوظ ہے۔ بدی را بدی کردن سسکاری است، نیکی را نیکی کردن خرخاری است، بدی را نیکی کردن کار خواجہ عبداللہ انصاری است۔“

یہ رباعی بھی انہیں کی ہے:

عیب است بزرگ بر کشیدن خود را
از جملہ خلق برگزیدن خود را
از مرد مہک دیدہ باید آموخت
دیدن ہمہ کس را ندیدن خود را

(دون کی لینا اور سب سے اپنے آپ کو بڑا سمجھنا بہت بری بات ہے۔ آنکھ کی پتلی سے سبق سیکھنا چاہیے جو سب کو دیکھتی ہے مگر خود کو نہیں دیکھتی۔)

ژندہ پیل کے نام سے مشہور ہیں۔ مشہور عارفوں اور صوفیوں میں سے ہیں۔ ان کی قبر ایران والہاں کی سرحد کے نزدیک تربت جام نامی قصبہ میں ہے۔ اپنی اس دوبیتی میں خوف ورجا کا مضمون باندھا ہے:

غره مشکو کہ مرکب مردان مرد را
در سنگلاخ بادیہ پیا بریدہ اند
نومید ہم مہاش کہ رندان جرعہ نوش
ناگہ بیک ترانہ بہ منزل رسیدہ اند

احمد جامی 536 ہجری کے قریب فوت ہوئے۔

محبوب سبحانی حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

غوث الاعظم صحیح النسب سید تھے، والد محترم کی طرف سے بارہویں پشت میں آپ کا سلسلہ حضرت سیدنا حسن سے مل جاتا ہے۔ آپ کا خاندانی نام محمد عبدالقادر اور لقب محی الدین (مذہب کو زندہ کرنے والا) تھا۔ آپ کی ولادت 407ھ میں ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن ایران کا ایک قدیم قصبہ جیلان ہے۔ آپ رمضان المبارک کی پہلی تاریخ کو دنیا میں تشریف لائے۔ اسی رات آپ کے والد محترم حضرت ابوصالح نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام اور اولیاء معظمہ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں:

”اے ابوصالح! تجھے اللہ تعالیٰ نے فرزند صالح عطا فرمایا ہے وہ میرے بیٹے کے مانند ہے اور اولیا میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔“

آپ کی پیدائش کی رات ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ معتبر مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس رات ہمارے مہر میں جس قدر بچے پیدا ہوئے وہ سب کے سب لڑکے تھے وہ پھر تمام لڑکے جوان ہو کر ولایت کی منزل تک پہنچے۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ عبدالقادر رمضان المبارک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے پورا مہینہ دن کے وقت دودھ نہیں پیا۔ دوسرے سال گھر سے بادل ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند نظر نہیں آسکا اور لوگ شبہ میں پڑ گئے اور قرب و جوار کے چند لوگوں نے حضرت شیخ عبدالقادرؒ کی والدہ ماجدہ سے دریافت کیا۔

”سیدہ! کیا تمہیں روایت ہلال کی کوئی خبر ملی ہے؟“

جواب میں سیدہ نے فرمایا آج میرے عبدالقادر نے خلاف عادت دن کے وقت دودھ نہیں پیا ہے اس لیے میں سمجھتی ہوں کہ آج پہلا روزہ ہے۔

کچھ دن بعد معتبر شہادتوں سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ دوسرے شہروں میں رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا۔ اس بات دور دراز کے علاقوں میں بھی مشہور ہو گئی کہ سادات عجم میں ایک مبارک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

خود حضرت غوث الاعظمؒ نے بھی اپنے ایک شعر میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میرے ابتدائی حالات کے ذکر سے تمام عالم بھرا ہوا ہے اور میرا گہوارے میں روزہ رکھنا مشہور ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے 26 سال کی عمر میں علم قرأت، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام، علم نفع، علم ادب، علم نحو، علم عروض، علم مناظرہ، علم تاریخ کی تکمیل کی۔ جب آپ نے فتویٰ دینا شروع کر دیا تو علمائے ظاہر کی صفوں میں مل چلی گئی۔

عبدالقادر جیلانیؒ نے بے شمار اساتذہ سے علم شریعت اور اس وقت کے مروجہ فنون حاصل کئے۔ آپ کا شاگردی اختیار کرنے اور بزرگوں کی خدمت میں نیاز مندی ظاہر کرنے کا انداز بھی بڑا عجیب تھا۔ اگر کسی بزرگ کی صحبت میں چند لمبے بھی گزارتے تو اپنے اساتذہ کی فہرست میں شامل کر لیتے۔ اگر کسی اہل علم سے ایک سوال بھی کرتے تو وہ شخص مہربان کے لیے آپ کا استاد قرار پاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کی تعداد ہزاروں تک پہنچ جاتی ہے جن سے غوث الاعظمؒ فیض یاب ہوئے۔ آپ نے طریقت کی تعلیم حماد بن مسلم سے حاصل کی۔

آخر میں پیر یا ضحون اور طویل جامدوں کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت ابوسعید مبارک مخزومیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قاضی ابوسعید مبارکؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

غوث الاعظمؒ کو دیکھ کر حضرت قاضی ابوسعید مبارکؒ نے فرمایا۔ بس! اے جان بے قرار! اب گوشہ نشین ہو جا! شیخ! یہ دل مضطرب کسی ایک جگہ بیٹھنے نہیں دیتا۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے عرض کیا۔

”جب تیرا دل ہی قرار نہیں پڑے گا تو پھر مخلوق خدا تجھ سے کس طرح فیض یاب ہوگی؟“ حضرت قاضی ابوسعید مبارک مخزومیؒ نے فرمایا۔

مرشدی! میں نجات چاہتا ہوں۔ حضرت عبدالقادر جیلانیؒ نے دوبارہ عرض کیا۔ ”اللہ نے تجھے تو نجات بخش دی۔ اب ان شکستہ حالوں کا خیال کر جو نجات کی تلاش میں در در بھٹک رہے ہیں“ قاضی ابوسعید مبارکؒ نے فرمایا:

پھر وہ نیک ساعت آ پہنچی جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حضرت قاضی ابوسعیدؒ کے دست مبارک پر بیعت ہو گئے۔

رسم بیعت ادا ہونے کے بعد پیر و مرشد نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا۔ اس واقعے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوسعید مبارک مخزومیؒ نے مجھے کھانا

تو اس وقت بھی کھلایا تھا جب میں ”برج عجی“ میں مقیم تھا اور فاقہ کشی کی حالت میں کئی دن گزر گئے تھے۔ مگر یہ کھانا اس کھانے سے بہت مختلف تھا۔ پیر و مرشد کا عطا کردہ ایک ایک لقمہ شکم میں جاتے ہی عجیب کیفیت پیدا کر دیتا تھا۔ ہر لقمے کے

ساتھ مجھے محسوس ہوتا کہ میرا باطن نور سے بھر گیا ہے۔ وہ ایک عام سادہ سی غذا تھی مگر اس کی لذت بیان نہیں کی جا سکتی۔
کے بہترین کھانے بھی پیچھے تھے۔

حضرت قاضی ابوسعید مبارکؒ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو خرقہ ولایت عطا کرتے ہوئے فرمایا:
”عبدالقادر! یہ وہ خرقہ ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا فرمایا تھا۔
پھر ان سے حضرت حسن بصریؒ کو عطا ہوا تھا۔ اس کے بعد حضرت حبیب عجمیؒ، حضرت شیخ داؤد طائیؒ، حضرت شیخ مصطفیٰ
کرمیؒ، حضرت سری عبدالواحد ترمذیؒ، حضرت شیخ طرطوسیؒ اور حضرت شیخ ابوالحسن علیؒ سے ہوتی ہوئی یہ مقدس امانت ہم تک پہنچی۔
اور اب میں یہ امانت تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ اللہ اس کی حفاظت کرے اور تمہیں اپنے پیران طریقت کے فضل و کرم سے
چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔“

حضرت قاضی ابوسعید مبارکؒ خزیؒ کا لہجہ اس قدر اثر انگیز تھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ پر رقت طاری
ہو گئی۔ ایک موقع پر حضرت غوث اعظمؒ نے اپنی اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔
”ریاضتوں اور مجاہدوں کے دوران مجھ پر عجیب عجیب اسرار منکشف ہوتے تھے۔ پھر جب خرقہ ولایت عطا ہوا
دل و نظری دنیا ہی بدل گئی۔ اس قدر تجلیات الہی کا ظہور ہوا کہ ان کا شمار ہی ممکن نہیں تھا۔“

آپ نے اپنے پیرومرشد حضرت قاضی ابوسعید مبارکؒ خزیؒ کے مدرسے سے وعظ کا آغاز فرمایا تھا۔ آپ کے
وعظ بڑے پرتاثر ہوتے تھے۔ ہر طرح کے لوگ اس میں شرکت کرتے تھے۔ بعض اوقات حاضرین کی تعداد ستر ہزار
پہنچ جاتی تھی۔ 400 کا تب قلم دوات لیے بیٹھے رہتے تھے اور جو لفظ شیخ کی زبان مبارک سے نکلتا اسے فوراً لکھ لیتے۔
شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ کے دو مجموعے ”فتوح الغیب“ اور ”فتح ربانی“ اب بھی دستیاب ہیں۔
آپ کی دو مشہور تصانیف ”غیۃ الطالبین“ اور ”الفیوضات الربانیہ“ ہیں۔

محبوب سبحانی سرکار کے وعظوں میں اگر ایک تاثیر تھی تو ان کے اخلاق میں ایک کشش۔ شیخ ابوالعزم مظفر منصور
ابن المبارکؒ کہا کرتے تھے کہ میری آنکھ نے کسی کو سیدنا شیخ محمد الدین عبدالقادر سے بڑھ کر خلیق، وسیع الصدر کریم النفس،
نرم دل اور حافظہ عہد و پیمان نہیں دیکھا۔ جلالت قدر اور علو منزلت کے باوجود آپ ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرتے تھے۔
گنہگاروں کے ساتھ بیٹھتے۔ فقیروں کی تواضع کرتے۔ لیکن کبھی کسی امیر کے لیے کھڑے نہ ہوتے نہ کبھی کسی وزیر یا سلطان
کے در پر جاتے۔

ساتویں صدی کے عارف

اس صدی میں بھی بہت سے بلند پایہ صوفی گزرے ہیں۔ ہم ان میں سے چند ایک کا انکے سال وفات کی
ترتیب کے لحاظ سے تذکرہ کرتے ہیں:

نجم الدین کبریٰ

مشاہیر اکابر صوفیا میں سے ہیں۔ صوفیا کے بہت سے سلسلے ان سے چلتے ہیں۔ شیخ روز بہان نقوی کے شاگرد،
راہ اور داماد تھے۔ ان کے اپنے شاگردوں اور مریدوں کی تعداد بہت تھی۔ انہیں میں مولانا روم کے والد بہاؤ الدین بھی
تھے۔

خوارزم میں رہتے تھے، اسی زمانے میں خوارزم پر منگولوں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے شیخ نجم الدین کو پیغام بھیجا
کہ آپ اور آپ کے اہل خاندان شہر سے چلے جائیں تاکہ محفوظ رہیں۔ شیخ نجم الدین نے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں امن و
امانت کے دنوں میں اہل شہر کے ساتھ رہا ہوں۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ مصیبت کے وقت انہیں چھوڑ کر چلا جاؤں چنانچہ
انہیں سہارا اور اہل شہر کے ہمراہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ 616 ہجری میں پیش آیا۔

شیخ فرید الدین عطار

درجہ اول کے اکابر صوفیا میں سے ہیں۔ ان کی تصانیف نظم اور نثر دونوں میں ہیں۔ صوفیا کے حالات میں
ذکرۃ الاولیاء لکھی جس کا آغاز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حالات سے کیا اور خاتمہ حضرت امام محمد باقر
علیہ السلام کے حالات پر کیا گیا۔ اس کتاب کے علاوہ کئی کتابوں کا مآخذ رہی ہے۔ اور اسی طرح انکی کتاب ”منطق الطیر“ تصوف کا
نابکار ہے۔

مولانا رومی نے انکے اور سنائی کے بارے میں کہا ہے:

عطار روح بود سنائی دو چشم او
ما از پئے سنائی و عطار می رویم
(عطار روح تھے اور سنائی ان کی آنکھیں، ہم سنائی اور عطار ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں)
مولانا رومی ہی نے کہا ہے:

ہفت شہر عشق را عطار گشت
ماہنوز اندر خم یک کوچہ ایم
(عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کی ہے۔ ہم اب تک ایک گلی کے موڑ پر ہی ہیں)

عشق کے سات شہروں سے مولانا رومی کی مراد ان سات وادیوں سے ہے جن کی تشریح خود عطار نے ”منطق
الطیر“ میں کی ہے۔

محمود ہستری گلشن راز میں کہتے ہیں:

مرا از شاعری خود عار ناید

کہ در صد قرن چوں عطار ناید

(مجھے اپنی شاعری پر اس لیے شرم نہیں آتی کہ عطار جیسے باکمال کہیں ہزاروں برس میں پیدا ہوتے ہیں)

عطار، مجد الدین بغدادی کے شاگرد اور مرید تھے۔ مجد الدین، شیخ نجم الدین کبریٰ کے متوسلین میں سے تھے۔ قطب الدین حیدر کی صحبت سے بھی مستفیض تھے جو اس زمانے کے مشائخ میں سے تھے اور تربت حیدریہ نامی شہر میں مقیم ہیں۔ یہ شہر انہیں کے نام سے منسوب ہے۔

عطار منگول فتنہ کے زمانے میں فوت ہوئے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی

تصوف کی مشہور اور بلند پایہ کتاب ”عوارف المعارف“ کے مصنف ہیں۔ نبی حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر سال مکہ اور مدینہ کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات فی الحال ان کے ہم نشین تھے۔

شیخ سعدی شیرازی اور مشہور شاعر کمال الدین اصفہانی ان کے مریدوں میں سے تھے۔ سعدی ان کے تلامذہ کہتے ہیں:

مراد شہاب
دو اندرز فرمود براہے آب
یکی اینکہ در نفس خود ہیں مباح
دگر آنکہ در جمع بد ہیں مباح

(مجھے میرے دامائے راز مرشد شیخ شہاب الدین نے کشتی میں سفر کرتے ہوئے دو نصیحتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ شر میں مبتلا نہ ہو، دوسرے یہ کہ اوروں کے عیوب مت دیکھو)۔

یہ سہروردی مشہور فلسفی شیخ شہاب الدین سہروردی سے مختلف ہیں جو شیخ اشراق کے لقب سے مشہور ہیں اور 581

اور 590 ہجری کی درمیانی مدت میں حلب میں قتل کر دیے گئے تھے۔

ابن الفارض مصری

ان کا شمار درجہ اول کے صوفیوں میں ہوتا ہے۔ ان کے صوفیانہ اشعار عربی زبان میں نہایت اعلیٰ پایے کے ہیں۔ دیوان متعدد بار چھپ چکا ہے فضلاء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ جن لوگوں نے ان کے دیوان کی شرح کی ہے ان میں سے ایک عبدالرحمن جامی ہیں جو نویں صدی کے مشہور صوفی ہیں۔

عربی زبان میں ان کے عارفانہ اشعار کا فارسی میں حافظ کے کلام سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ محی الدین ابن عربی ابن الفارض سے کہا کہ تم خود اپنے کلام کی شرح لکھو۔ ابن فارض نے جواب دیا کہ آپ کی کتاب ”فتوحات مکیہ“ اس اشعار کی شرح ہے۔

ابن فارض ان لوگوں میں سے ہیں جن کے روحانی حالات غیر معمولی تھے۔ غالباً ان پر جذب کی حالت طاری ہوئی اور اپنے بیشتر اشعار اسی عالم میں کہے۔

ابن فارض نے 632 ہجری میں آخرت کا سفر کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ”نسلی اعتبار سے صحیح المنسب سید تھے۔ آپ کا شجرہ عالیہ بارہ واسطوں سے مولانا غلام ربیع تک پہنچ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ 14 رجب 536ھ کو جنوبی ایران کے علاقے سیستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی خواجہ غیاث الدین حسن بہت دولت مند تاجر اور بااثر شخص تھے۔ کثرت مال کو قرآن حکیم میں سب سے بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے مگر خواجہ غیاث، صاحب ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عابد و زاہد انسان بھی تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے ایک دولت مند گھرانے میں بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش پائی مگر کہنے والے کہتے ہیں کہ عیش و عشرت کی راہ اہل کے باوجود حضرت خواجہ معین الدین چشتی میں بچپن ہی سے ایک عجیب انداز کی قناعت تھی۔

آپ کے والد بزرگوار نے 551ھ میں وفات پائی اس وقت خواجہ معین الدین چشتی کی عمر پندرہ سال تھی۔ مشکل ایک سال گزر رہا ہوگا کہ آپ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی نور بھی خالق حقیقی سے جا ملی۔ تنہائی کی داستان مکمل ہوگئی۔ اب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اس دنیا میں اکیلے تھے۔ آپ کے روحانی سفر کا آغاز حضرت ابراہیم قدوسی سے ملاقات کے بعد شروع ہوا۔ حضرت ابراہیم قدوسی سے ملاقات کے بعد آپ نے اپنا سارا مال و متاع اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے خراسان سے نکل کر سب سے پہلے مشرق کا سفر اختیار کیا۔ ان دنوں شہر قند اور بخارا اسلامی علوم و فنون کے اہم مراکز سمجھے جاتے تھے۔ یہاں حضرت خواجہ نے سب سے پہلے قرآن کریم حفظ کیا، پھر تفسیر، فقہ، حدیث اور دوسرے علوم ظاہری میں مہارت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں کون کون بزرگ شامل تھے اس کا صحیح علم تو کسی کو نہیں مگر بعض روایتوں سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ آپ کے استادوں میں مولانا حسام بخاری بھی تھے جن سے حضرت خواجہ نے قرآن کریم حفظ کیا تھا۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ معین الدین چشتی مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کے قدم بے اختیاری کے عالم میں خانقاہ چشتیہ کی طرف کھینچے چلے گئے۔ ”چشت“ خراسان کے اطراف میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ اس خانقاہ میں آکر آپ حضرت عثمان ہرونی کے ہاتھ پر دست بیعت ہوئے۔

اپنے مرشد کے زیر سایہ جب آپ اپنی روحانی منازل مکمل کر چکے تو حضرت عثمان ہرونی، حضرت خواجہ معین

الدین چشتی کو لے کر مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے بعد شیخ نے بلند آواز میں فرمایا تھا۔ اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اپنے اس عاجز بندے کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔

جواب میں ندائے نبی سنائی دی۔ ہم نے اسے قبول کیا۔ بے شک! یہ معین الدین ہے۔

مکہ معظمہ کے قیام کے بعد شیخ دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ پھر چھ ماہ کو نین کی قربت حاصل ہوئی عثمان ہرونی نے خواجہ معین الدین چشتی کو حکم دیا۔ معین الدین! آقائے کائنات کے حضور سلام پیش کرو۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے گداز قلب کے ساتھ لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ السلام علیکم یا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

وہاں موجود تمام لوگوں نے سنا۔ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جواب آیا۔ وعلیکم السلام یا سلطان الہند۔ اس کے بعد شیخ نے حضرت خواجہ کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا۔ معین الدین! تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں دونوں مقامات پر قبولیت کی سند عطا ہوئی۔ آئندہ بت خانہ ہند تمہاری سرگرمیوں کا مرکز ہوگا۔ اگرچہ وہاں کفر کی گہری تاریکی پھیلی ہوئی ہے لیکن بالآخر تم وہاں اسلام کی شمع روشن کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اس طویل و عریض ملک میں تم ہی سلطان کہلاؤ گے۔

چنانچہ مرشد کریم کے حکم پر آپ نے سرزمین ہند کا رخ کیا اور اس کفرستان میں اسلام کی شمع روشن کی۔ آپ کے دست مبارک پر لاکھوں لوگ مشرف باسلام ہوئے۔ آپ کا وصال مبارک 633ھ میں بمبئی شریف میں ہوا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی 565ھ میں پیدا ہوئے۔ ارضِ ملتان کو آپ کا مقام ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا قریشی الاصل تھے۔ آپ کے خلیفہ سید جلال الدین سرخ بخاریؒ اس بات پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”میرے پیر و مرشد کے آباؤ اجداد عرب کے امرا اور شرفا میں سے تھے اور قریش کے ممتاز قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ میرے شیخ کا یہ نسب نامہ قصی کے حوالے سے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب مبارک سے مل جاتا ہے۔ قصی کے دو فرزند تھے۔ ایک عبد مناف جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد ہیں۔ اور دوسرے عبد العزیٰ جو میرے شیخ کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔

مقامی علما سے اکتسابِ علم حاصل کرنے کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے خراسان کا سفر اختیار کیا ان دنوں خراسان کا شمار علومِ مشرقیہ کے بڑے مراکز میں ہوتا تھا۔

خراسان اور بخارا کی تمام درس گاہوں سے فیضیاب ہونے کے بعد حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی تزکیہ نفس اور باطن کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے مسلسل بیس سال تک سخت مجاہدات کئے اور اعلیٰ

الہام پے فائز ہوئے۔

ایک بار حضرت بابا فرید اور شیخ بہاء الدین زکریا پرانے بغداد کی مسجد کیف میں تشریف فرما تھے اور چند بزرگ علما کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک صاحب نے کہا:

”عشق ایک سلطنت ہے جس کا دار الحکومت ”شوق“ ہے تخت کے اوپر ”رضا“ کے ہاتھ میں ”زُرس“ وصال کی ایک شاخ ہے جس پر ”تغیہ جہر“ اور ”خجھر فراق“ کا پہرہ ہے۔ اگر کوئی عاشق ادھر کا رخ کرتا ہے تو اس پر خجھر اور تلوار کے وار شروع ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی کو ایک لمحہ بھی وصال کا میسر آجائے تو ان تلواروں اور خجھروں سے سیکڑوں اسرار منکشف ہوتے ہیں۔ پس! اے دوستو! جسے دولتِ عشق حاصل ہے ہزار بار اس کی گردن کاٹی جائے وہ اف تک نہیں کرے گا۔“

یہ سنتے ہی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا نے ایک آہ سرد کھینچی اور نہایت رقت آمیز لہجے میں یہ ربائی پڑھی۔

دریا تو اے دوست چناں مدہوشم

صد تیغ اگر زنی سر نہ خروشم!!

آہے کہ زخم بیاد تو وقت سحر

گر ہر دو جہاں ہند واللہ نہ فروشم!

ترجمہ: (اے دوست! میں تیری یاد میں اس قدر مدہوش ہوں..... اگر مجھ پر سیکڑوں تلواریں کھینچی جائیں اب بھی میں سر نہ اٹھاؤں..... میں تجھ کے وقت تیری یاد میں جو آہ بھرتا ہوں..... اگر اس کے بدلے میں مجھے دونوں جہاں دیے دیئے جائیں تو میں اسے فروخت نہ کروں)

یہ اشعار سنتے ہی حاضرین مجلس پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ بعض صاحبانِ دل کسی نعل کی طرح تڑپنے لگے جیسے نادیدہ شمشیرِ عشق نے ان کے جسوں کو زخموں سے بھر دیا ہے۔

آپ کا وصال 7 صفر 661ھ کو ہوا۔

شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی طائی اندلسی

حاتم طائی کی اولاد میں سے ہیں۔ اصل میں اندلس کے رہنے والے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمر کا بڑا حصہ مکہ اور شام میں گزرا۔ چھٹی صدی کے صوفی شیخ ابو مدین مغربی اندلسی کے شاگرد تھے۔ ان کا سلسلہ طریقت ایک واسطے سے محبوب سبحانی شیخ عبدالقار جیلانیؒ تک پہنچتا ہے۔

محی الدین جن کو اکثر ابن عربی بھی کہا جاتا ہے بلاشبہ اسلام میں سب سے بڑے عارف باللہ گزرے ہیں۔ نہ ان سے پہلے کوئی ان کے پائے کو پہنچا اور نہ ان کے بعد۔ اسی وجہ سے ان کا لقب ”شیخ اکبر“ ہے۔

اسلامی تصوف نے صدی بہ صدی ترقی کی ہے اور ہر صدی میں ایسے بزرگ اہل عرفان پیدا ہوئے جنہوں نے عرفان و تصوف کو ترقی دی اور اس کے سرمایہ میں اضافہ کیا۔ یہ تدریجی ترقی تھی لیکن ساتویں صدی میں محی الدین عربی کے

تقوٰنی کی مشہور کتابیں مفتاح الغیب، فصوص اور گللوک ہیں۔ تقوٰنی 672 یا 673 ہجری میں فوت ہوئے۔
(671 ہجری ہی مولانا ناروی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی وفات کا سال ہے۔)

مولانا جلال الدین محمد بلخی رومیؒ

مولوی کے لقب سے مشہور ہیں۔ عالمی شہرت کی مثنوی کے مصنف ہیں۔ مسلمان عارفوں میں بہت ہی غیر معمولی ذہانت کے انسان اور عجائب روزگار میں سے تھے۔ نسب ان کا ابو بکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کی مثنوی حکمت و معرفت کا ایک دریا ہے جو دقیق روحانی، اجتماعی اور عرفانی نکات سے سرشار ہے۔ ان کا شمار ایران کے درجہ اول کے شعرا میں ہوتا ہے اصل میں بلخ کے رہنے والے تھے۔ لڑکپن میں اپنے باپ کے ہمراہ بلخ سے زیارت بیت اللہ کے لئے گئے نیشاپور میں شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات کی۔

مکہ سے واپسی پر اپنے والد کے ہمراہ قونیہ چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ مولوی ابتدا میں مذہبی عالم تھے اور اپنی قسم کے دوسرے علما کی طرح درس و تدریس کا شغل رکھتے اور عزت کی زندگی گزارتے تھے۔ پھر مشہور عارف شمس تبریز سے ملاقات ہوئی تو ان کے شیدائی ہو گئے اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ ان کی غزلوں کا دیوان، دیوان شمس تبریز کہلاتا ہے۔ مثنوی میں جگہ جگہ سوز و گداز سے شمس تبریز کا ذکر کیا ہے۔ 672 ہجری میں

خوش جیوے سرفراز شاہ فرج مانچسٹر

آٹھویں صدی کے عارف

ملاء الدین سمنانیؒ

پہلے دیوانی کا شغل رکھتے تھے بعد میں اس سے کنارہ کش ہو کر عارفوں کے گروہ میں شامل ہو گئے اور اپنی تمام دولت راہ خدا میں لٹا دی۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ نظری عرفان میں ان کا ایک خاص مسلک ہے جس سے عرفان کی کتابوں میں بحث کی گئی ہے 736 ہجری میں فوت ہوئے۔ مشہور شاعر خواجہ جوی کرمانی ان کے مریدوں میں سے تھے انہوں نے ان کی مدح لکھی ہے۔

عبدالرزاق کاشانیؒ

اس صدی کے محقق عارفوں میں سے تھے۔ محی الدین عربی کی فصوص اور خواجہ عبداللہ کی منازل السائرین کی شرح لکھی ہے۔ دونوں شرحیں چھپ گئی ہیں اور اہل تحقیق ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق لائبنگی کے حالات

ہاتھوں تو انقلاب آگیا اور ایک ہی جست میں عرفان و تصوف اوج کمال تک پہنچ گیا۔

شیخ محی الدین نے عرفان کو ایک نئی منزل سے روشناس کرایا جس کی سابق میں کوئی نظیر نہیں تھی۔ تصوف کے علمی اور فلسفی پہلو کی بنیاد انہوں نے ہی رکھی۔ بعد کے اہل عرفان عموماً انہیں کے دست خوان کے زلہ رہا ہیں۔ علاوہ اس کے کہ انہوں نے تصوف کو ایک نئی منزل میں داخل کیا۔ ان کی شخصیت بھی عجائب زمانہ میں سے تھی۔ ان کی حیرت انگیز شخصیت ان کی وجہ سے ان کے بارے میں متضاد رائےیں ظاہر کی گئی ہیں۔

محی الدین کی تصانیف کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ ان کی بہت سی کتابیں اور شاید وہ سب کتابیں جن کے نسخے موجود ہیں چھپ چکی ہیں۔ ان مطبوعات کی تعداد تقریباً تیس ہیں۔ ان کی سب سے اہم کتاب ”فتوحات مکیہ“ ہے جو بہت بڑی کتاب ہے اور حقیقت میں تصوف کی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

ایک اور کتاب ”فصوص الحکم“ ہے جو اگرچہ چھوٹی ہے لیکن تصوف کی بڑی دقیق اور عمیق کتاب ہے۔ اس کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں اور شاید کسی زمانے میں بھی دو تین آدمیوں سے زیادہ ایسے نہیں ہوئے جو اس کا متن سمجھ سکیں۔

محی الدین نے 637 ہجری میں دمشق میں رحلت کی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی قبر ملک شام میں اب بھی مشہور ہے۔

صدر الدین محمد تقوٰنیؒ

محی الدین ابن عربی کے شاگرد، مرید اور سوتیلے بیٹے تھے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی اور مولانا ناروم کے معاصر تھے۔ ان میں اور خواجہ طوسی میں خط و کتابت رہتی تھی اور خواجہ نصیر الدین ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ مولانا نارومی کے ساتھ بھی ان کے مخلصانہ تعلقات تھے تقوٰنی امامت کراتے تھے اور مولانا نارومی ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مولانا نارومی ان کے شاگرد تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن مولانا ناروم، تقوٰنی کی مجلس میں آئے تقوٰنی اپنی مسند سے اٹھے اور مولانا ناروم کو اس پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ مولانا ناروم نے کہا کہ اگر میں آپ کی مسند پر بیٹھا تو خدا کو کیا جواب دوں گا؟ تقوٰنی نے مسند اٹھا کر دوڑ پھینک دی اور کہا کہ اگر یہ تمہارے لائق نہیں تو ہمارے لئے بھی مناسب نہیں۔

محی الدین ابن عربی کے افکار کے بہترین شارح تقوٰنی ہیں۔ شاید اگر تقوٰنی نہ ہوتے تو ابن عربی کا سمجھنا ممکن تھا۔ مولانا نارومی بھی تقوٰنی ہی کے توسط سے ابن عربی کے مدد سے فکری سے آشنا ہوئے۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ مولانا نارومی تقوٰنی کے شاگرد تھے۔ بظاہر اس کا تعلق بھی محی الدین ابن عربی کے افکار و خیالات سے ہے۔ محی الدین کے خیالات کا پر تو مولانا نارومی کی مثنوی اور ان کے دیوان شمس تبریز میں موجود ہے۔ پہلی چھ صدیوں سے تقوٰنی کی کتابیں اسلامی فلسفہ اور تصوف کی تدریس کے مرکوزوں میں بطور نصاب میں شامل رہی ہیں۔

میں صاحبِ روضات الجنات نے لکھا ہے کہ شہید ثانی نے عبدالرزاق کاشانی کی بہت تعریف کی ہے۔ نظری عرفان کے مسائل محی الدین ابن عربی نے پیش کیے ہیں ان کے بارے میں کاشانی اور علاء الدولہ سنائی کے درمیان بڑی گفتگو ہوئی۔ بحیثیت رہیں۔ عبدالرزاق کاشانی نے 735 ہجری میں دنیا سے کوچ کیا۔

خواجہ حافظ شیرازیؒ

اگرچہ عالمی شہرت کے مالک ہیں لیکن انکی زندگی کے حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ اتنا مسلم ہے کہ عالمِ عارف، حافظ اور مفسرِ قرآن تھے۔ خود انہوں نے کئی جگہ اس طرف اشارہ کیا ہے۔

ندیم خوشتر از شعر تو حافظ
ہے قرآن کہ اندر سینہ داری

زحانِ نطق جہاں کس چو بندہ جمع نکرد
لطائفِ حکمی با نکاتِ قرآنی

اس کے باوجود کہ اپنے اشعار میں اکثر جگہ انہوں نے پیر طریقت اور مرشد کی بات کہی ہے، یہ معلوم نہیں کہ ان کے مرشد کون تھے۔ حافظ کے اشعار معرفت کی انتہائی بلند یوں پر ہیں اور ان کے لطائف کو سمجھنا ہر کس کو مشکل کام نہیں۔ ان تمام عارفوں نے جو ان کے بعد ہوئے اس کا اعتراف کیا ہے کہ حافظ نے معرفت کے مقامات عالیہ خود عملاً طے کیے تھے۔

کچھ بزرگوں نے حافظ کے بعض اشعار کی شرح لکھی ہے مثلاً نویں صدی ہجری کے مشہور فلسفی محقق جلال الدین دوانی نے اس شعر کی شرح میں پورا ایک رسالہ لکھا ہے:

بیر ما گفت خطا بر قلم صنع زلفت
آفریں بر نظر پاک خطا پوشش باد
خواجہ حافظ نے 791 ہجری میں وفات پائی۔

شیخ محمود شبستریؒ

انہوں نے معرفت میں ایک نہایت بلند پایہ مثنوی لکھی ہے جس کا نام ”گلشنِ راز“ ہے۔ اس کا شمار تصوف کی نہایت ہی بلند پایہ کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کتاب نے محمود شبستری کے نام کو بقائے دوام بخش دیا ہے۔ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں۔ شاید سب سے بہتر شرح شیخ محمد لاہیجی کی ہے جو چھپ گئی ہے اور مل سکتی ہے۔ شبستری کی وفات 720 ہجری کے لگ بھگ ہوئی۔

سید حیدر آملیؒ

محقق عارفوں میں سے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ”جامع الاسرار“ ہے جو محی الدین ابن عربی کے نظری عرفان کی ایک دقیق کتاب ہے۔ حال میں عمدہ طور پر چھپی ہے۔ ان کی ایک اور کتاب نص الصوص ہے جو خصوص کی شرح ہے۔

نویں صدی کے عارف

شاہ نعمت اللہ ولیؒ

ان کا نسب آلِ نبی اولاد علی سے ملتا ہے۔ مشاہیر عرفاء و صوفیاء میں سے ہیں۔ عصرِ حاضر میں نعمت اللہ سلسلہ، عرف کا مشہور ترین سلسلہ ہے۔ شاہ نعمت اللہ کی قبر کرمان کے علاقے ماہان میں صوفیوں کی زیارت گاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے 95 سال کی عمر پائی اور 820 یا 827 یا 837ھ میں وفات پائی۔ معرفت کے بہت سے

ان کی یادگار ہیں۔
سائن الدین علی ترکہ اصفہانیؒ

محقق عارفوں میں سے ہیں۔ نظری عرفان کے محی الدینی کتب میں یدِ طولی رکھتے تھے۔ ان کی کتاب تمہید التوابع جو چھپ گئی ہے علم عرفان میں ان کے تبحر کی گواہ ہے۔ ان کے بعد سے محققین اس کتاب سے برابر استفادہ کرتے اور اسے سند سمجھتے رہے ہیں۔

محمد بن حمزہ فناری رومیؒ

عثمانی سلطنت کے علما میں سے ہیں، متعدد علوم میں دسترس رکھتے تھے۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں عرفان و تصوف میں ان کی شہرت ان کی کتاب ”مصباح الانس“ کی وجہ سے ہے جو صدر الدین قونوی کی کتاب ”مفتاح الغیب“ کی شرح ہے۔

محی الدین ابن عربی یا صدر الدین قونوی کی کتابوں کی شرح لکھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں۔ فناری نے یہ کام کیا ہے اور بعد میں آنے والے محقق عارفوں نے ان کے اس کام کو درست قرار دیا ہے۔ یہ کتاب تہران میں پتھر کے پھاپے پر مرحوم آقا میرزا رشتی کے حواشی کے ساتھ چھپی ہے۔ میرزا رشتی پچھلی صدی کے محقق عارف تھے۔ بد قسمتی سے ارب چھپائی کی وجہ سے حواشی کا کچھ حصہ صاف پڑھا نہیں جاتا۔

شمس الدین محمد لاہنجی نوربخش

محمود ہستری کی گلشن راز کے شارح ہیں۔ میر صدر الدین دہلوی اور علامہ دوانی کے ہم عصر تھے۔ شیراز میں رہتے تھے۔ قاضی نور اللہ نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے کہ صدر الدین دہلوی اور علامہ دوانی جو دونوں اپنے زمانے کے بہت ممتاز فلسفی تھے، محمد لاہنجی کی بہت عزت کرتے تھے۔

سید محمد نور بخش کے مرید تھے اور سید محمد نور بخش، ابن فہد حلی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے شرح گلشن راز میں الہی بیعت کا جو سلسلہ بیان کیا ہے وہ سید محمد نور بخش سے شروع ہو کر معروف کرنی تک پہنچتا ہے اس کے بعد اسے حضرت سید امام رضاؑ اور ان سے پہلے آئمہ اہل بیتؑ کے واسطے سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا ہے اور اس سلسلہ کا نام سلسلہ الذہب رکھا ہے۔

لاہنجی کی شہرت زیادہ تر گلشن راز ہی کی شرح کی وجہ سے ہے۔ یہ کتاب تصوف کی اعلیٰ کتابوں میں شمار ہوتی ہے جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھا ہے لاہنجی نے اس کتاب کی تالیف کا آغاز 877ھ میں کیا۔ لاہنجی کی وفات کی صحیح تاریخ معلوم نہیں بظاہر 900ھ سے پہلے فوت ہوئے۔

نور الدین عبدالرحمن جامی

ان کا نسب دوسری صدی کے مشہور فقیہ محمد بن حسن شیبانی سے ملتا ہے۔ جامی زبردست شاعر تھے۔ فارسی زبان کے آخری بڑے صوفی شاعر سمجھے جاتے ہیں۔

ابتدا میں دشتی تخلص کرتے تھے لیکن چونکہ صوبہ مشہد کے شہر جام میں پیدا ہوئے تھے احمد جامی (ژندہ بیل) کے مرید تھے اس لئے تخلص بدل کر اپنا تخلص جامی رکھ لیا۔ وہ خود کہتے ہیں:

مولد	جام	د	رحمہ	قلم
جرعہ	جام	شیخ	الاسلامی	است
زیں	سبب	در	جریدہ	اشعار
بہ	دو معنی	مخلصم	جامی	است

(میری جائے پیدائش جام اور میری تحریریں شیخ الاسلام (احمد جامی) کا فیضان ہیں۔ ان وجوہات سے اشعار میں میرا تخلص جامی ہے)۔

جامی جامع علوم تھے وہ مختلف علوم جیسے نحو، صرف، فقہ، اصول، منطق، فلسفہ اور تصوف میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انہوں نے کثیر تعداد میں کتابیں لکھی تھیں۔

ان کی تصانیف میں محی الدین کی نصوص الحکم کی شرح، فخر الدین عراقی کی لمعات کی شرح، ابن فارض کی قصیدہ

نامہ کی شرح، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں قصیدہ بردہ کی شرح، فرزدق نے جو قصیدہ ہمدیہ حضرت امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کی مدح میں کہا تھا اس کی شرح، بلوآج، بہارستان جس میں گلستان سعدی کے طرز کی پیروی کی ہے اور صوفیا کے حالات میں نجات الانس وغیرہ شامل ہیں۔

روحانی سلسلے

سلسلہ زیدیہ

یہ سلسلہ حضرت عبدالواحد بن زید کے نام سے موسوم ہے جن کو ایک خرقہ خلافت حضرت کمیل بن زیادؑ سے بھی ملا۔ نیز صحابی رسولؐ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے خاندان کے پانچ افراد بھی اس سلسلے میں داخل ہوئے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ نے آخر عمر میں دو مریدوں کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ اور حضرت خواجہ ابویعقوب السویؒ۔

سلسلہ عیاضیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کے نام سے منسوب ہے اور آپ ہی سے شروع ہوا۔ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کو آئمہ اہل بیتؑ سے بھی روحانی فیض حاصل ہوا۔ آپ نے حضرات تابعین کی بھی صحبت پائی ہے اور فیض حاصل کیا ہے یہودی حضرات ہیں جو اس زمانے میں کثرت سے موجود تھے۔ اور مسلمانوں کو علم شریعت اور علم حقیقت کی تعلیم دینے میں مصروف تھے۔

سلسلہ ادھمیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ سے منسوب ہے جو حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت سیدنا امام باقرؑ سے بھی ملا ہے جو نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کے پوتے تھے۔

سلسلہ ہبیریہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابوہبیرہ امین الدینؒ سے شروع ہوا جو حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت خواجہ ابراہیم بن ادھمؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ اہل آخرہ۔

سلسلہ چشتیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ محمد علی دینوریؒ سے شروع ہوا جو حضرت خواجہ ابوہبیرہ امین الدین بصری کے مرید و

خلیفہ تھے۔ خواجہ مشاہد علی دیوڑی کے خلیفہ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی تھے جن کو اپنے شیخ علیہ رحمۃ سے پشت میں قیام کرنے کا حکم ہوا۔ قصبہ پشت افغان میں ہرات کے قریب واقع ہے خواجہ ابواسحاق شامی پہلے شیخ ہیں جو خواجہ ابواسحاق چشتی کے نام سے مشہور ہوئے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ وجود میں آیا۔ آپ نے خواجہ ابواحمد ابدال کو خرقہ خلافت عطا کیا۔ جن کا شمار پشت کے رؤسا میں ہوتا ہے خواجہ ابواحمد کے خلیفہ حضرت خواجہ ابو محمد چشتی اور آپ کے خلیفہ حضرت ابو یوسف چشتی ہیں اور آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی ہیں۔ پشت کے یہ پانچ مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے پانچ ستون (ارکان) کہلاتے ہیں۔ ان کو پانچ پیران پشت بھی کہتے ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اس سلسلے کو کمال تک لے گئے۔

سلسلہ عجمیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ حبیب عجمی سے ہے جو حضرت خواجہ حسن بصری کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلہ طیفوریہ

یہ سلسلہ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی سے منسوب ہے جن کا اصلی نام طیفور تھا۔ ”تذکرہ الاولیاء“ مصنف شیخ فرید الدین عطار میں لکھا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی کے ایک مہوار مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل کیا وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے بارہ سال سیدنا حضرت سیدنا امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں رہ کر فیضان حاصل کیا بعض کا خیال ہے کہ انہوں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بطریق اویسیہ اخذ فیض کیا۔ یعنی ان کے وصال کے بعد مزار مبارک پر بیٹھ کر۔ حقیقت خواہ کچھ ہوا خذ۔ فیض کے یہ دونوں طریقے مشائخ طریقت کے نزدیک مستند ہیں۔ لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ ان کو ایک خرقہ خلافت حضرت خواجہ حبیب عجمی سے بھی ملا۔

سلسلہ کرزہ

سلسلہ کرزہ حضرت خواجہ معروف کرخی سے شروع ہوا جن کو حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظمؑ سے خرقہ خلافت حاصل ہوا جو آئمہ اہل بیت کے ساتویں امام تھے۔ ان کو ایک خرقہ خلافت حضرت داؤد طائی سے بھی ملا جو خواجہ حبیب عجمی کے خلیفہ تھے۔

سلسلہ سقطیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ سری سقطی سے شروع ہوا جو خواجہ معروف کرخی کے مرید و خلیفہ تھے اور حضرت جنید بغدادی کے ماموں اور پیر تھے۔

سلسلہ جنیدیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ جنید بغدادی سے منسوب ہے جو خواجہ سری سقطی کے مرید و خلیفہ تھے۔ ان حضرات کے مراتب اس قدر بلند تھے کہ ان میں سے ہر ایک صاحب سلسلہ ہوا۔

سلسلہ گازیرونیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ ابواسحاق گازیرونی سے شروع ہوا ہے جو گازیرون کے بادشاہ تھے۔ آپ تخت و تاج چھوڑ کر حضرت خواجہ عبداللہ خفیف کے مرید ہوئے جو حضرت خواجہ رویہ کے مرید و خلیفہ تھے جو خواجہ جنید بغدادی کے مرید و خلیفہ تھے۔

سلسلہ طوسیہ

اس سلسلہ کے بانی مہمانی حضرت شیخ علاؤ الدین طوسی تھے جو حضرت خواجہ وجہ الدین ابو حفص کے مرید و خلیفہ تھے جو خواجہ جنید بغدادی کے خلفا میں سے تھے شیخ علاؤ الدین طوسی حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کے ہمصر دوست تھے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ یورپ کے مشہور روحانی پیشوا سینٹ فرانس آف ایسی کے معاصر تھے۔ آپ کو ملنے کی خاطر سینٹ فرانس نے بغداد کا طویل سفر اختیار کیا لیکن سنی وجہ سے بغداد نہ پہنچ سکے اور نا کام واپس چلے گئے۔

سلسلہ سہروردیہ

یہ سلسلہ حضرت شیخ ضیاء الدین ابونجیب سہروردی سے شروع ہوا جو شیخ وجہ الدین ابو حفص کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ احمد العرلا سے بھی حاصل ہوا جن کا سلسلہ طریقت پانچ واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتا ہے۔

سلسلہ فردوسیہ

اس سلسلہ کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ ہیں۔ آپ فردوس کے اکابرین میں سے تھے اور شیخ ابونجیب سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے۔ مولانا عبدالرحمن نقات الانس میں لکھتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبریٰ کو ایک خرقہ خلافت شیخ عمار یاسر سے بھی حاصل ہوا۔ شیخ عمار یاسر مرید و خلیفہ تھے حضرت ابونجیب سہروردی کے جن کا سلسلہ چھ واسطوں سے خواجہ جنید بغدادی سے جاملتا ہے۔ چنانچہ یہ چار سلاسل طریقت یعنی فردوسیہ، سہروردیہ، طوسیہ، گازیرونیہ حضرت خواجہ جنید بغدادی سے جاملتے ہیں۔ خواجہ جنید کو ایک خرقہ خلافت ایک واسطہ سے حضرت سیدنا امام علی رضا سے بھی حاصل ہوا۔ جو سیدنا امام موسیٰ کاظم کے فرزند ارجمند تھے۔ اور آپ سیدنا امام جعفر صادقؑ کے، آپ سیدنا امام باقرؑ، آپ سیدنا امام زین العابدینؑ

مہدالائق عید وائی آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے آپ خواجہ علی فارمدی کے آپ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کے اور خواجہ ابوالقاسم کا سلسلہ تین واسطوں سے حضرت خواجہ جنید بغدادی سے جاملتا ہے۔ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کا سلسلہ کئی واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی جاملتا ہے۔

سلسلہ نوریہ

یہ سلسلہ حضرت ابوالحسن نورئی سے منسوب ہے آپ قصہ بغور کے رہنے والے تھے جو ہرات اور مرد کے درمیان واقع ہے آپ حضرت خواجہ سری سقطی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اور شیخ ابوالحسن نورئی، شیخ محمد علی قصاب کے ہم عصر اور دوست تھے جو ذوالنون مصر کے نام سے مشہور ہیں۔

سلسلہ خسرویہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ احمد خسرویہ سے شروع ہوا جو خواجہ حاتم اصم کے خلیفہ تھے آپ شیخ شفیق بلخی کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ خواجہ ابراہیم بن ادھم کے خلیفہ تھے اور آپ حضرت خواجہ فضیل ابن عیاض اور سیدنا امام باقر کے خلیفہ تھے۔

سلسلہ شطاریہ عشقیناچسٹر

یہ سلسلہ عبداللہ شطاری سے منسوب ہے جو خلیفہ تھے خواجہ محمد عارف کے آپ خلیفہ تھے شیخ محمد علی اسحاق کے آپ شیخ خداقلی رانبری کے آپ ابوالحسن العشقی کے آپ ابی مظفر مولانا ترک طوسی کے آپ بایزید العشقی کے آپ محمد مغربی کے آپ شیخ بایزید بسطامی کے حتیٰ کہ باقی تمام سلسلوں کی طرح یہ سلسلہ بھی حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔ شیخ عبداللہ شطاری اپنے سلسلہ کے پہلے بزرگ ہیں جو اپنے شیخ کے حکم سے ہندوستان آئے اور جس جگہ جاتے تھے شاہانہ ٹھانڈے سے کیچ لگاتے تھے باوردی رہتے تھے اور ہر جگہ پہنچ کر ٹکے کی چوٹ پر یہ اعلان کرتے تھے۔ اگر کسی کو خدا سے ملنے کی خواہش ہے تو آئے میں اسے خدا سے ملا دوں گا۔

سلسلہ سادات کرام

یہ سلسلہ حضرت شیخ جلال الدین بخاری گل سرخ کے پوتے سید جلال الدین مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے شروع ہوا۔ آپ کو خرقہ خلافت اپنے آباؤ اجداد یعنی آئمہ اہل بیت سے حاصل ہوا۔ آپ کے اور سیدنا مولانا علی سرکار کے درمیان چند واسطے ہیں۔ آپ کو ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ رکن الدین سہروردی سے حاصل ہوا جو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے اور آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاں کو ایک خرقہ خلافت حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے حاصل ہوا جو حضرت محبوب الہی خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی کے خلیفہ تھے آپ

اور آپ نواسہ رسول حضرت امام حسین کے فرزند ارجمند تھے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت مولانا علی سرکار کے بڑے بیٹے سیدنا امام حسن بھی ان روحانی واسطوں میں آتے ہیں۔ نجات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ ابونجیب کو ایک خرقہ خلافت حضرت کمیل بن زیاد سے بھی حاصل ہوا جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ یہ سلسلہ اس طرح پر ہے۔ شیخ ابونجیب، شیخ اسماعیل مصری، شیخ محمد بن موکل، شیخ محمد بن داؤد، شیخ ابوالعباس بن ادریس، شیخ ابوالقاسم بن رمضان، شیخ ابویعقوب رابری، شیخ ابوعبداللہ عثمان الہکی، شیخ ابویعقوب نہر جوری، شیخ یعقوب السوسی اور کمیل ابن کبریٰ کے ستر خلفاء تھے۔ جو لوگ حضرت شیخ کے ہم پلہ تھے۔ آگے چل کر آپ کے سلسلہ عالیہ کی دو شاخیں ہو گئیں۔ سلسلہ فردوسیہ اور سلسلہ کر برویہ۔

سلسلہ قادر یہ غوثیہ

یہ سلسلہ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب ہے آپ مرید و خلیفہ تھے حضرت شیخ ابوسعید خدری کے آپ حضرت شیخ ابوالحسن علی العشری کے آپ حضرت شیخ ابوفرح طرطوسی کے آپ حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد یثربی کے آپ شیخ ابوبکر شبلی کے اور آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کے خلیفہ تھے۔ حضرت سیدنا غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی کو ایک خرقہ خلافت گیارہ واسطوں سے اپنے آباء و اجداد یعنی آئمہ اہل بیت سے بھی حاصل ہوا کیونکہ آپ حسنی و حسینی سادات تھے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کا شمار امت کے اکابرین اولیاء اللہ میں ہوتا ہے آپ غوث الوقت تھے۔ آپ کا ایک لقب محبوب سبحانی بھی ہے۔ آپ امت محمدیہ کے افراد میں شمار ہوتے ہیں۔ (افراد کا مرتبہ تمام اولیاء اللہ سے زیادہ بلند شمار کیا جاتا ہے۔ افراد فرد کی جمع ہے۔ فرد وہ ہوتا ہے جو اپنا تعین کھو کر ذات حق میں ایک ہو جائے۔ یہ حالت زندگی کے بالکل آخری مراحل میں آتی ہے۔

سلسلہ یوسیہ

یہ سلسلہ حضرت شیخ احمد یوسی سے شروع ہوا جو شیخ ترکستان کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ خواجہ یوسف ہمدانی کے خلیفہ تھے آپ خواجہ علی فارمدی کے آپ خواجہ ابوالقاسم گورگانی کے آپ شیخ ابوعثمان مغربی کے آپ ابوبکاتب کے آپ شیخ ابوعلی رود باری کے، آپ سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادی کے اور آپ کئی واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت شیخ احمد یوسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور واسطے سے بھی خلافت ملی تھی یعنی حضرت محمد حنفیہ کے ذریعے سے جو فرزند ارجمند ہیں حضرت علی کے۔

سلسلہ نقشبندیہ

یہ سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کے نام سے منسوب ہے۔ آپ مرید و خلیفہ تھے حضرت امیر سید کاں کے آپ خواجہ محمد سماسی کے آپ خواجہ علی رامینی کے آپ خواجہ محمود ابوالخیر فتویٰ آپ خواجہ عارف ربویری کے آپ خواجہ

سلسلہ قلندریہ

اس سلسلے میں کئی سلاسل طریقت کے مشائخ شامل ہیں۔ اس سلسلہ کا نام قلندریہ اس لیے مشہور ہو گیا ہے کہ اس کے اندر قلندر مشرب کے مشائخ شامل ہیں۔ جو اکثر سکرو استغراق میں مست رہتے ہیں۔ یہ حضرات اپنے حال میں مست ہوتے ہیں اور خدمت رشد و ہدایت انجام نہیں دے سکتے۔ قلندروں میں سے بعض یہ ہیں:

شیخ محمد قلندر، شاہ حیدر قلندر، شاہ حسین بلخی، شاہ شمس تبریزی، شیخ فخر الدین عراقی، خواجہ اسحاق مغربی، خواجہ حافظ فیروزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان میں سب سے بڑے قلندر حضرت شاہ خضر رومیؒ ہیں جو سلطان شمس الدین التمش کے امیر تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے۔ حضرت خواجہ قطب نے ان کو خرقہ خلافت تو عطا فرمایا لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ قلندر نہ لباس ترک نہ کرنا۔ شاہ نجم الدین قلندر بھی آپ کے مرید و خلیفہ تھے۔ قلندر نہ لباس ترک نہ کرنے کا حکم حکمت سے خالی نہیں۔ دراصل مشرب قلندری ہی سب سے زیادہ قوی مشرب ہے جس میں اپنی ہستی ساز و سامان گھربار سب کچھ تہہ کر کے محبوب حقیقی پر قربان کیا جاتا ہے لیکن اسلام میں رشد و ہدایت کا سلسلہ ہماری رکھنے کے لئے قلندری چھوڑ کر عبدیت اختیار کرنی پڑتی ہے، اس میں بھی حکمت کے خزانے پوشیدہ ہیں۔

برصغیر کے ایک اور معرفت قلندر شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی ہیں جنہوں نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بطریق اویسیہ فیضان حاصل ہوا۔ شاہ بوعلی قلندر ایک بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ آپ کا ایک مشہور شعر یہ ہے۔

گر عشق بنوے و غم عشق بنوے
چندیں سخن نغز کہ گفتے کہ شنیدے

برصغیر کے ایک اور بڑے قلندر شہباز قلندر ہیں جن کا مزار سندھ کے قصبہ سہون شریف میں زیارت گاہ خلعت



حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اور آپ سلطان الہند خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن بختیاری چشتی اجمیری قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو ہا ہلہ ایک سو چالیس مشائخ سے خرقہ خلافت حاصل ہوا۔ آپ نے سارے عالم اسلام کا دورہ کیا۔ آپ کا مزار مبارک ساہیو ریاست بہاول پور کے قصبہ اوج شریف میں واقع ہے۔

سلسلہ زاہدیہ

یہ سلسلہ حضرت شیخ بدر الدین زاہد کے نام سے منسوب ہے جو مرید و خلیفہ تھے خواجہ صدر الدین سمرقندیؒ کے، آپ خواجہ ابوالقاسمؒ کے، آپ خواجہ قطب الدین عبد الماجدؒ کے، آپ خواجہ ابواسحاق گاڈروٹیؒ کے، آپ خواجہ حسین بازدارائیؒ کے، آپ خواجہ محمد رومیم کے اور سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادیؒ کے تاسید ناعلی المرتضیٰ۔

سلسلہ انصاریہ

یہ سلسلہ شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاریؒ سے منسوب ہے جو پیر انصار کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار ہرات میں ہے۔ آپ خواجہ ابوالحسن خرقانی کے خلیفہ ہیں اور آپ خواجہ بابا بید بسطامیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ ایک خرقہ خلافت آپ کو شیخ ابوالعباس قصاب سے بھی ملا جو خلیفہ ہیں شیخ ابو محمد عبداللہ طبری کے اور آپ ابو محمد جریری کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ غوث الوقت تھے اور سید الطائفہ خواجہ جنید بغدادیؒ کے خلفا میں سے تھے۔ خواجہ عبداللہ انصاری بھی غوث الوقت تھے۔

سلسلہ صوفیا

یہ سلسلہ حضرت شیخ صفی الدین اسحاق اردبیلیؒ سے منسوب ہے جو شیخ زاہد گیلانی کے خلیفہ تھے، آپ میر سہ جمال الدین تبریزیؒ کے آپ شیخ شہاب الدین ابہری کے آپ شیخ رکن الدین سجازیؒ کے آپ شیخ قطب الدین ابہری کے آپ شیخ ابونجیب سہروردیؒ کے جن کا سلسلہ حضرت جنید بغدادیؒ سے جا ملتا ہے۔

سلسلہ اوروسیہ

جو عبداللہ الہکی اوروسی سے منسوب ہے۔ آپ شیخ ابوبکر کے خلیفہ تھے۔ آپ شیخ عبدالرحمن کے آپ شیخ علی کے آپ شیخ علوی کے آپ شیخ محمد بن علی المدرم کے اور آپ شیخ ابو محمد مغربی کے اور آپ کئی واسطوں سے حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ شیخ کو ایک خرقہ خلافت سلسلہ سہروردیہ سے بھی حاصل ہوا ہے۔ آپ کا سلسلہ زیادہ عرب اور ہندوستان میں پھیلا ہے۔

فقیر کی اصل شان

پس فقیر کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی حاجتیں پیش کرے تو اللہ تعالیٰ یا تو وہ چیزیں اس کو عطا فرما دے گا یا ان کی خواہش اس کے دل سے دور کر دے گا یا اس کو ان خواہشوں پر صبر عطا فرما دے گا۔ خداوند بزرگ و برتر حق کے لیے حکمت و قدرت کے بہت سے دروازے ہیں وہ ان دروازوں میں سے حکمت و تدبیر کا دروازہ کھول دے گا قدرت کی راہ سے فقیہ فرما دے گا اور بطور خرق عادت اس کے پاس کچھ نہ کچھ پہنچ جائے گا۔ جس طرح حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے پاس آذوقہ پہنچ جاتا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:-

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ط قَالَ يَمْرُئُومَ اَنْتِ لَكَ هَذَا ط قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

جب کبھی (حضرت) زکریا (علیہ السلام) ان کے پاس آتے تھے محراب (عبادت خانہ) میں تو ان کے پاس رزق موجود پاتے تھے۔ (چنانچہ انہوں نے ایک بار) پوچھا! اے مریم یہ رزق تمہارے پاس کہاں سے پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

اللہ تعالیٰ فقیر پر قدرت و حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے

ایک درویش اپنا واقعہ (اس سلسلہ) میں بیان کرتے ہیں میں ایک دفعہ بہت بھوکا تھا اور میرے حال کا تقاضا تھا کہ میں کسی سے کچھ مانگوں، میں بغداد کے کچھ گھروں کے سامنے سے گزرا کہ شاید کسی گھر سے مجھے کچھ مل جائے اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ہاتھ سے مجھے کچھ دلاو دے لیکن کچھ بھی تو کہیں سے نہیں ملا اور میں اسی طرح بھوکا سو گیا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ فلاں جگہ جاؤ اور وہ جگہ مجھے خواب میں دکھا دی اور کہا کہ جا ایک میلے کپڑے میں روٹی کے کچھ ٹکڑے ہیں ان کو اپنے خرچ میں لا (چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا)۔

پس جو شخص مخلوق سے قطع تعلق کر لیتا ہے اور صرف اللہ کا ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ ایسے بے نیاز سے وابستہ ہو جاتا ہے جس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اس پر حکمت و قدرت کے دروازے جیسے چاہے کھل جاتے ہیں۔

درویش کے لئے بہتر یہ ہے کہ جب وہ اپنے نفس سے کسی چیز کا مطالبہ کرے تو صبر جمیل کا مطالبہ کرے۔ مخلص انسان کا نفس اس کا کہنا مان لیتا ہے (اگر صبر جمیل چاہے گا تو اس کو میسر آ جائے گا)۔

صاحب عوارف المعارف شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی اپنے استاد بزرگوار حضرت ابو انجیب سہروردی سے مروی یہ حکایت منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک روز میرے پاس میرا فرزند آیا اور مجھ سے کہا کہ مجھے ایک داغ ہا بیے میں نے اس سے کہا کہ بیٹا داغ کو کیا کرو گے۔ اس نے کہا کہ میں اس سے فلاں چیز خریدوں گا! پھر کہا کہ اگر آپ اہانت دیں تو میں کسی سے قرض لے لوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ ہاں جاؤ اپنے نفس سے قرض لے لو کہ اس سے قرض لینا دوسروں سے قرض لینے سے بہتر ہے۔

پس اس حقیقت کو یاد رکھیے گا کہ فقیر صحیح معنوں میں انسان بننا ہی اس وقت ہے جب اس کا نفس اس کے قابو میں ہو کسی دانشور کا قول ہے کہ:

”جو ملکوں کو فتح کرے وہ فاتح ہوتا ہے لیکن جو اپنے نفس کو فتح کرے وہ عظیم ہوتا ہے۔ چونکہ فقر کا نفس ان کے قابو میں ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فقیر پر قدرت اور حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

عرفاء مغلوبی نفس کے لیے کس قدر مستعد رہتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت بایزید بسطامی نے اپنے طفل نفس کو دیکھا کہ اس کا تمام جسم ضعیف، نحیف اور دبلا ہوا ہے لیکن اس کا سر تھموتا ہے۔ حضرت بایزید نے اپنے نفس سے پوچھا کہ اے نفس! تیرا سارا جسم بہت دبلا پتلا ہے لیکن تیرا سر تھموتا کیوں ہے۔ نفس نے کہا یہ بات بتانے کی نہیں۔ بایزید نے کہا یہ بات تجھے ضرور بتانی پڑے گی۔ نفس نے کہا بات یہ ہے کہ میرے وجود کو آپ نے مجاہدوں، ریاضتوں اور بھوک پیاس سے بہت کمزور اور ناتواں کر دیا ہے لیکن لوگوں میں بے حد رجوعات، تعظیم و تکریم اور تعریف و توقیف سے میرے سر کو ایک خمار اور نشہ چڑھتا ہے جس سے میرا سر پھولتا اور موٹا ہوتا ہے۔ سر کے اس قدر موٹا ہونے کی وجہ یہی ہے۔ بایزید نے دل میں کہا کہ اس باطنی کفر اور انانیت کا علاج چاہیے چنانچہ رمضان کا مہینہ تھا۔ دل کے اس باطنی مرض کے سبب روزے کی نیت نہ کی اور ایک روٹی اپنے ساتھ لے کر مریدوں اور طالبوں کے مجمع کے ہمراہ بازار میں چلے گئے۔ جب بازار میں داخل ہوئے تو روٹی کا ایک نوالہ توڑ کر کھاتے پاتے تھے بایزید کے اس غیر شرعی فعل کو دیکھ کر تمام لوگ ان سے پھر گئے اور جا بجا ان کی شکایت ہونے لگی۔ اس کے بعد بایزید نے اپنے نفس کو حاضر کر کے اس کی طرف دیکھا تو اب کی دفعہ سر بھی دیگر جسم کی طرح بہت چھوٹا اور کمزور تھا۔ نفس نے بایزید سے کہا کہ میں نے اپنے سر کے موٹے اور بڑے ہونے کا سبب تجھ پر ظاہر کر کے اپنا ستیاناس کر دیا۔ بایزید نے کہا اے نفس! شکر ہے کہ تیرا کفر ٹوٹا میرے لیے رمضان کے ایک روزے کا کفارہ ادا کرنا آسان ہے لیکن تیری انانیت کا توڑنا بہت مشکل اور دشوار کام تھا۔ الحمد للہ اس کی تدبیر بن گئی۔

یہ ایک روز روشن کی طرح تین حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو تسخیر کر لیتا ہے کائنات اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ آسمان معرفت کے بدر منیر، شاہ ولایت حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام نے بھی معرفت رب کو

معرفتِ نفس کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ چنانچہ آپ کا فرمانِ ذیشان ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ

غرفاء آپ کے اس فرمانِ ذیشان کی تعبیریوں بیان کرتے ہیں کہ چونکہ انسان نفسانی آلائشوں کی وجہ سے اپنی روح کو داغ دار کر لیتا ہے۔ پس اسی وجہ سے وہ معرفتِ رب سے دور ہوتا ہے۔ قانونِ منطق یہ ہے کہ:

تَعْرِفُ الْأَشْيَاءَ بِأَصْدَادِهَا

کہ چیزوں کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔ پس احکاماتِ نفس احکاماتِ الہیہ کے بالکل برعکس اور مخالف ہوتے ہیں۔ پس جیسے جیسے وہ احکاماتِ نفس کی مخالفت کرتا جائے گا ویسے ویسے معرفتِ رب حاصل کرتا جائے گا۔

دین اسلام میں روحانیت کا محور معرفتِ رب ہے اور ہماری مذکورہ بالا گفتگو اس حقیقت کو عیاں کرتی ہے کہ معرفتِ رب اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان معرفتِ نفس حاصل نہ کرے۔

معرفتِ نفس

عمومی طور پر جب خلقتِ انسان کے حوالے سے بات ہو تو جو بات جمہور عوام الناس کے ذہنوں میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان دو چیزوں کا مرکب ہے۔ ”جسم“ اور ”روح“ لیکن جب علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ناظر میں ہم خلقتِ انسان کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم جسم اور روح کی حقیقتِ اصلہ دیکھتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بدن فنائے محض ہے اور روح بقائے محض۔ انسان کا بدن سراسر پستی ہے جو اس دنیا کی مادی چیزوں سے مل کر بنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ بدن بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں وٹامن کی کمی ہوگئی ہے، کیمیشیم کی کمی ہوگئی ہے، آئرن کم ہوگیا ہے وغیرہ۔ تو جو چیز بدن میں کم ہوئی چونکہ اس کی خلقت دنیا کی مادی چیزوں سے مل کر ہوئی ہے اس لیے ڈاکٹر، اطباء، حکماء، خارج سے وہ چیز لے کر جسم میں داخل کر دیتے ہیں اور اس طرح بدن ٹھیک ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس روح سراسر بلندی ہے کیونکہ اس کا تعلق عالمِ امر سے ہے تو ہماری اس گفتگو سے چلا کہ بدن اور روح آپس میں ضدین ہیں اور قانون۔ عقل یہ ہے کہ اجتماعِ ضدین محال ہوتا ہے۔ جس طرح آگ اور پانی یکجا نہیں ہو سکتے اسی طرح ان کا آپس میں تعلق پیدا ہونا ناممکن ہے۔ جیسے پانی آگ سے بلا واسطہ استفادہ حرارت کرنے سے قاصر ہے اس طرح ان کا ایک دوسرے سے استفادہ بلا واسطہ وسیلہ محال ہے۔ اگر درمیان میں ایک واسطہ ہو تو پھر ممکن ہے۔ مگر واسطہ اور وسیلہ کے لیے لازم ہے کہ وہ ایک طرف بلندی سے استفادہ کرے اور پستی تک استفادہ پہنچائے۔ جیسے آگ پر ایک لوہے کا برتن رکھ دیں تو یہ واسطہ بن جائے گا۔ آگ سے حرارت لے گا اور پانی کو منتقل کر دے گا۔ بس ہماری اس مثال سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ بلا واسطہ اجتماعِ ضدین محال ہوتا ہے۔ اگر آپس میں ملانا ہو تو ایک تیسری چیز کی ضرورت پڑے گی جو ان کے مابین رابطہ بنے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جسم اور روح یہ آپس میں

فدین ہیں، ایک عین پستی ہے اور دوسرا عین بلندی ہے۔ اب اس فنا اور بقا کے مابین ایک چیز کی ضرورت ہے جو دونوں کی ملاقات اپنانے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہو یعنی جو بلندی سے متصل ہو تو عین بلندی نظر آئے اور جب پستی متصل ہو تو عین پستی نظر آئے۔ بس خلقتِ انسان کا وہ تیسرا عنصر جو دونوں کے جذب و وصول کی استعداد کا حامل ہو اس چیز کا نام ہے ”نفس“۔ گو یا نفس ایک ایسا ”ٹوچین“ (2 Chain) ہے جس کا ایک سر بلندی سے متصل ہے اور دوسرا پستی سے جڑا ہے۔

اب آپ اس پر غور کریں کہ انسان کی موت کیا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ نہ جسم مرتا ہے نہ روح کیونکہ روح بقائے محض ہے جس پر موت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ جسم فنائے محض ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ موت کس کو آتی ہے؟ روح پر موت ماضی نہیں ہو سکتی اور انسانی جسم فنا ہی فنا ہے۔ تو اس حقیقت کو رد کرنے کیلئے جب ہم قرآن مجید فرقانِ حید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی یہ نہیں ملتا کہ ”كُلُّ رُوحٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ یا ”كُلُّ جَنْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ بلکہ جہاں بھی آیا ہے ان میں ہے ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ موت کا اطلاق صرف نفس پر ہوتا ہے۔ یہی ”ٹوچین“ ٹوٹ جاتا ہے جسم بلام و کاست موجود رہتا ہے۔ روح پرواز کر جاتی ہے جسم میں سے کوئی مادی چیز کم نہیں ہوتی۔ روح میں کمی واقع ہوتی ہے بلکہ نفس میاں فنا ہو جاتے ہیں۔

دو متضاد اور مختلف الاصل چیزیں بلا واسطہ ایک دوسرے سے استفادہ نہیں کر سکتیں۔ اس کے لیے ایک اور حسی مثال پیش کر رہا ہوں۔ مثلاً آپ سلور کا برتن لیں، اس میں کاسک سوڈا اور پانی ملا کر آگ پر چڑھا دیں۔ اب آگ اور پانی دو متضاد چیزیں ہیں، پانی بلا واسطہ آگ سے استفادہ نہیں کر سکتا، یہ درمیان میں ایک برتن ہے جو آگ سے حرارت وصول کر کے پانی میں منتقل کر رہا ہے۔ جو نمی کاسک سوڈے نے برتن کو سوراخ لگا دیا تو پانی سیدھا آگ پر گرا اور اب پانی چاہے کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو مگر آگ کی تو موت ہے، اب یہ بلا واسطہ حرارت لینے آیا تو بی بی آگ رخصت ہو گئی یعنی واسطے کا ٹوٹنا ہی موجب فنا ہوا ہے یہی قانونِ خالق و قانونِ فطرت ہے کہ دو متضاد چیزوں کو مربوط کرنے کے لیے ایک وسیلہ بنایا جاتا ہے جو دونوں سے مناسبت رکھتا ہو جیسے مندرجہ بالا مثال میں سلور کا برتن، اسی طرح خالق نے نفس کو روح و بدن کے مابین رابطہ بنایا ہے خود انسان کے جسم میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔ آپ دیکھیں انسان کا بدن بنیادی طور پر تین چیزوں سے مرکب ہے یعنی گوشت، اعصاب اور ہڈیاں گوشت کیا ہے؟ پلپلاہٹ نرمی ہی نرمی اور ہڈیاں کیا ہیں؟ ایک صلابت اور سختی۔ اب ان دونوں سے کام لینے کے لیے ایک ایسی چیز کی ضرورت ہے جو دونوں سے مناسبت رکھتی۔ ہو سختی سے ملے تو اس کی صفات اپنا سکے نرمی سے ملے تو اس کی صفات اوڑھ لے تو اس مقصد کے لیے خالق نے درمیان میں اعصاب کو رکھا ہے تاکہ جسم فعال بن سکے۔

یہ اعصاب (پٹھے) اگر جسم سے نکال دیں تو جسم بیکار محض ہو جائے بلکہ ان کو نکالنا تو علیحدہ بات ہے صرف اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں یا ان کی اگر گرفت کم ہو جائے تو جسم کو ٹھنڈا بننا شروع ہو جاتا ہے، جسم میں گوشت کی کپکپاہٹ آ جاتی ہے اور انسان ہاتھ ہلانے کی بھی قدرت نہیں رکھتا۔ اعصاب باوجود کمزوری کے سر تھامتے تو ہیں مگر پھر بھی کانپنے کا

عمل جاری رہتا ہے بس اسی نظام کی طرح نفس کو روح و بدن کے مابین وسیلہ اور رابطہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ جب بدن اتصال کرتا ہے تو عین صفات عناصر کی جھلکیاں دیتا ہے اور جب روح سے متصل ہوتا ہے تو عالم امر کی مخلوق نظر آتا ہے۔ دونوں کی صفات کو اپنانے کی صلاحیت رکھتا ہے، دونوں کا ترجمان ہے، دونوں کا مشترکہ مظہر ہے، اسی کو نفس نامطہ کہتے ہیں۔ تو ہماری اب تک کی گفتگو ہمارے اس باب میں قائم کردہ موضوع معرفت نفس کا مقدمہ تھی جس میں ہم نے بات ثابت کی انسان تین چیزوں کا مرکب ہے، بدن، نفس اور روح۔ انہیں ارکان ثلاثہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اپنی ضروریات ہیں۔ جب ہم ان ضروریات کے تناظر میں ان تینوں کا جائزہ لیں گے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان سمجھ میں آجائے گا کہ کس طرح معرفت نفس معرفت رب کا زینہ ہے۔

ضروریات ارکان ثلاثہ

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ارکان ثلاثہ بدن، نفس اور روح کی اپنی اپنی ضروریات ہوتی ہیں کچھ بدن کی ضروریات ہوتی ہیں کچھ روح کی مگر ان دونوں کے مابین پیغام رساں یہ نفس ہی ہوتا ہے۔ اب بدن کی ضروریات کو دیکھا ہے کہ اس کی ضروریات صرف یہ ہیں رنگ، روغن اور صرف جسمانی بقا کی ضروریات پر مبنی ہے، اسے صرف اپنی بقا غرض ہے اور اس کی بقا و ثامن (حیاتین) اور پروٹینز (لحمیات)، کیلورین (حراریت) وغیرہ ہیں۔ اسے یہ سونے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام، اسے اپنی غذا جہاں سے بھی میسر آئے گی وہ حاصل کر لے گا۔ اسے حواس عشر کی لذات سے کوئی تعلق نہیں ہے مثلاً اسے گوشت کی ضرورت ہے کہ اس میں سے وہ اپنی بقا کا سامان اخذ کر سکے اور اس کا مدعا ہے کہ گوشت معدے میں پہنچے چاہے وہ کتے اور خنزیر ہی کا کیوں نہ ہو۔ اسے دودھ کی ضرورت ہے چاہے وہ کسی جانور ہی کا کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اسے مذہب و اخلاق کو سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اسے تو اچھائی اور برائی یا اپنے نفع و نقصان تک کا شعور نہیں ہے۔ جسم خاکی شعور سے عاری ہے مثلاً اگر معدے میں زہر پہنچا دیا جائے تو وہ کوشش کریگا کہ اس سے بھی کوئی قوت ضرور حاصل کرے چاہے وہ خود اسے فنا ہی کیوں نہ کر دے۔ انسان کا بدن ایک نوزائیدہ معصوم بچے کی طرح ہے جسے چوسنے کی خواہش ہوتی ہے چاہے وہ نپل ہو یا بھینس کا تھن یا کوئی دوسری چیز۔ وہ تو ہر وہ چیز جو اسے میسر آئے گی اسے دودھ سے معمور سمجھ کر چوسنے لگے گا، چاہے سانپ کا سر ہی اسے تھما دیں وہ فوراً ہی منہ میں ڈال کر اسے چوسنا شروع کر دے گا کیونکہ وہ عرفان سے عاری ہے۔

دوسرا رکن ہے روح یہ انسان کے ارکان میں سے سب سے بلند رکن ہے، اس کی بھی اپنی خواہشات ہیں اسے بھی غذائی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ مادی رکن نہیں ہے بلکہ لطیف ترین رکن ہے اس لیے اس کی غذائی مادی نہیں ہے بلکہ اس کی غذا ذکر ہے۔ اور دوسرا اس کی غذا علم و اخلاق حسنہ ہے کیونکہ جب اس کے بارے میں سوال ہوا تو خالق لم یزل نے ارشاد فرمایا۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي

ترجمہ: کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے۔

تو اب جس کا تعلق امر اللہ سے ہو اس کی اصل غذا بھی رضائے الہی کو ہونا چاہیے۔ چونکہ انسان کے خاکی بدن (جسم) کے اسباب حیات خاک سے جنم لیتے ہیں اور خاک ہی کی طرف اس کی رجعت ہے روح کے پیکر امری کا تعلق امر رب سے ہے تو اس کے اسباب حیات بھی اوامر رب سے ہی آسکتے ہیں پھر اسی کی طرف اس کی رجعت ہونا چاہیے کیونکہ مسلمہ ہے کہ

”كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَى أَصْلِهِ“

ترجمہ: کہ ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے۔

گویا روح پر موت نہیں ہے مگر غذا کی ضرورت تو اسے بھی ہے بقول شخصے موسیقی روح کی غذا ہے دراصل یہ قول ان مذاہب کا ہے کہ موسیقی جن کے مذہب میں شامل ہے۔ جیسے ہندو دھرم، عیسائیت وغیرہ ان کی عبادات آلات غنائے مرتب ہیں۔ موسیقی روح کی غذا ہوتی تو بڑے بڑے پنڈت اور خان صاحبان، ماہرین موسیقی علمائے ربانی ہوتے اور علم موسیقی سے نابلد علماء روحانیت سے خالی ہوتے۔ اسی لیے ماننا پڑیگا کہ روح کی غذا اطاعت امر کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق ہی عالم امر سے ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسان کے ارکان ثلاثہ اپنے معاملے میں خود غرض ہوتے ہیں اس لیے روح بھی باحیثیت رکن خود غرض ہوتی ہے اور اپنی اغراض سے دستبردار نہیں ہو سکتی۔ یہ کہتی ہے کہ مسٹر انسان میری خواہشات پر بدن اور نفس کی خواہشات کو قربان کر دو، جسم پر مجھے حکمران مطلق العنان بنادو، یہ انسان کو سمجھاتی ہے کہ اے اہل حق انسان تو ہر چیز میرے لئے قربان کر دے، کل مالکِ روز جزا کے سامنے تمہاری طرف سے مجھے جواب دینا ہوگا۔ تمہاری نمائندہ بن کر ”مالکِ یوم الدین“ کے حضور مجھے پیش ہونا ہے اور جب جوابدہ میں ہوں تو اختیار بھی مجھے ہونا چاہیے۔ بات تو معقول ہے مگر خود غرض انسان کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے نہیں آتی ہے، کیونکہ جس طرح سے روح کی خواہشات ہیں اسی طرح نفس کی بھی خواہشات ہیں۔ چونکہ انسان کی ہر چیز خود غرض ہے اس لیے یہ ارکان بھی خود غرض ہیں۔ خود غرض کیا ہے؟ خود غرضی ہوتی ہے اپنی خواہشات کو ترجیح دینا، اپنی ذات پر دوسروں کو قربان کرنا، اپنی ہر خواہش کی تکمیل چاہنا۔ اب صورت حال یہ ہوئی ہے کہ بدن اور روح کی ضروریات کی ترجمانی میاں نفس کرتے ہیں کیونکہ یہ جسم اور روح کے درمیان رابطہ ہیں اور چونکہ اس کا دونوں سے رابطہ ہے یہ دونوں کا ترجمان ہے اس لیے یہ دونوں کی ضروریات میں ٹانگ اڑانے کا عادی ہے۔ یہ ضروریات بدن میں بھی اپنے مفادات داخل کر دیتا ہے اور ضروریات روح میں بھی۔ اصل بات یہ ہے کہ ارکان ثلاثہ بذات خود اندھے گونگے بہرے ہیں، یہ کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے۔ ان کے ادراک کے وسائل یہی حواس خمسہ و عشر ہیں جو تینوں کے مشترک ہیں۔ مثلاً آنکھ ہے تو روح و بدن اور نفس تینوں نے دیکھنے کا کام اسی سے ہی لینا ہے۔ کان ہے تو سننے کا کام تینوں نے اسی سے لینا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی کی خواہش پوری نہیں ہو سکتی جب تک ان پر مکمل قبضہ نہ ہو۔ اگر روح کا قبضہ ہوا تو اس نے اعضاء و جوارح کو امر الہی کا پابند کر دیا۔ بدن کا قبضہ ہوا تو کھانے پینے کا کام لیا، نفس کا قبضہ ہوا تو اس نے اپنی لذات کے لیے استعمال کیا۔ گویا یہ حواس و اعضاء ایک تلوار کی طرح ہیں۔ بدن کا

ہاتھ قبضہ پر پڑ گیا تو ربوز کاٹ کر کھانے کا اہتمام کر لیا۔ روح کی گرفت قبضہ پر پڑ گئی تو اطاعتِ خدا میں تلوار کا فروں چلانا شروع کر دی۔ اور اگر شریر نفس کا ہاتھ لگ گیا تو مؤمنین پر چلا دی۔ گویا اعضا کا کام ہی چلنا ہے۔ اصل قوت وہی ہے جس کی گرفت میں یہ ہیں۔ چونکہ نفس مکار اور عیار ہے اس لیے حواس و اعضا کو یہ اکثر اپنے قبضہ میں رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ روح اور بدن کے مفادات میں اپنی لذات کو داخل کر دیتا ہے۔ کیونکہ ہر ضرورت کو پورا تو انہیں کے توسط سے ہوتا ہوتا ہے اس لیے نفس وسائل کو قبضہ میں رکھنے کو عین مصلحت وقت سمجھتا ہے۔ یہ اتنا ناک چڑھا ہے کہ اپنی خواہشات کی تکمیل نہ ہونے میں موت سمجھتا ہے اور یہ اپنی موت سے بچنے کے لیے ہر داؤ استعمال کرتا ہے۔ گویا مملکتِ جسم کا میکاؤلی مزاج سیاستدانِ نفس ہے۔ یہ چنگیز خاں کی طرح اپنے ہر حکم کی تکمیل چاہتا ہے، یہ ہر راستہ اور داؤ جانتا ہے اور انسان کی کمزوریوں کو بھی خوب سمجھتا ہے اس لیے یہ اپنے دونوں ہاتھوں میں رکھتا ہے۔ جسم کی خواہشات میں اپنی خواہشات کی تکمیل رکھتا ہے اور روح کی ضروریات میں بھی اپنی ہوس کو داخل کرتا رہتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر عموماً انسانی زندگی اکثر کشمکشِ حیات کا شکار ہو جاتی ہے نفس کے دھوکے میں آ کر انسان اپنی زندگی کو ان راستوں کا مسافر بناتا جہاں اسے سوائے کرنا کیوں کے کچھ نہیں ملتا۔

ضروریاتِ بدن میں مداخلت

نفس جسم کی خواہشات اور ضروریات میں اپنی خواہشات کو کیسے داخل کرتا ہے مثال دیتا ہوں مثلاً جسم کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی اس نے پانی طلب کیا اس نے فوراً اپنی خواہشات کو شامل کر دیا۔ اعضا کو حکم دیا مسٹر بدن کو پانی کی ضرورت ہے فوراً پانی پلا دو، دیکھو مٹی کے پیالے کے بجائے شیشے کے گلاس میں لانا، دیکھو عام گلاس جو پڑا ہے وہ نہیں وہ جو سامنے سبز رنگ کا خوبصورت گلاس ہے اس میں لانا۔ اب آپ خود سوچیں جسم کو صرف پانی کی ضرورت ہے جو ہاتھ کی اوک سے بھی پیا جاسکتا ہے یا مٹی کے پیالے سے بھی پیا جاسکتا ہے کیا شیشے کے خوبصورت گلاس میں پانی کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔ کیا سفید گلاس میں پینا یا سبز اور سنہری گلاس میں پینا جسم کے لیے زیادہ مفید و فائدہ مند ہے؟ نفس کی انہیں کارستانیوں کی وجہ سے اسے برا کہا گیا ہے۔ اور یہاں تک فرمایا گیا ہے

اغْذِي عَذْوَكَ نَفْسَكَ الْيَبْنَ جَنَنِيكَ

تمہارا سب سے بڑا دشمن یہی نفس ہے۔ جو تمہارے پہلوؤں کے درمیان ہے۔

کیونکہ یہی نفس ہموائے ابلیس ہوتا ہے اور مملکتِ بدن پر مکمل تصرف چاہتا ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ بدن اور روح کے مابین وسیلہ ہے اور بحیثیت وسیلہ کے یہ اکثر اوقات ان دونوں کی ترجمانی میں خیانت کرتا ہے اور بہت کچھ اپنی طرف سے داخل کرتا رہتا ہے۔ جو روح و بدن کی ضروریات ہوں ان میں اپنی خواہشات کو داخل کرتا رہتا ہے یعنی یہ ہر معاملے میں ٹانگ اڑانے کا عادی ہوتا ہے۔ کیونکہ نفس و بدن و روح جب تک قیدِ عناصر میں مقید رہتے ہیں اندھے بہرے اور گونگے ہوتے ہیں ”بالذات“ کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے، یہ تینوں ارکان صرف بدن کے وسائل کو استعمال کر کے کام

پہاتے ہیں یعنی یہی انسان کے حواسِ خمسہ عشر ہیں جو ان تینوں کے وسائل حصول و وصول ہیں۔ کیونکہ لطیف ارکانِ مادے کی قید میں رہ کر بالذات کچھ حاصل نہیں کر سکتے اور ان حواس کے اوپر ایک ”حسِ مشترک“ ہے جو ان حواس کی نگرانِ اعلیٰ ہوتی ہے اور یہی حس سب سے پہلے نفس تک مدرکات پہنچاتی ہے، پھر نفس روح اور بدن تک پہنچاتا ہے یعنی حسِ مشترک بھی ایک وسیلہ اور رابطہ ہے اور انہیں وسائل و وسائل و روابط سے ارکانِ ثلاثہ بولتے سنتے اور افعال کے مرتکب ہوتے ہیں یعنی آنکھ نے دیکھا ہے، رویت نے پرکھا ہے، پھر حسِ مشترک کے ذریعہ تصویرِ نفس تک پہنچتی ہے، پھر اس پر ارکانِ ثلاثہ کی دوری فیصلہ صادر کرتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے مثال دی ہے کہ جسم کو پانی کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ جسم کی ضرورت کا نام ہے ”احتیاج“، یعنی جہاں انسان کا جسم نباتات کی طرح غذائیت کی کمی کو پورا کرنا چاہتا ہے وہاں اس میں نباتاتی اشتراک کی وجہ سے احتیاج پیدا ہوتی ہے اور احتیاج میں روحان اور غایت دونوں لاشعور میں ہوتے ہیں تو وہاں جسم حیوانات کی طرح ضرورت کو روحان میں لاتا ہے اور جسم کو ایک خواہش ہوتی ہے جسے ”اشتہا“ کہا جاتا ہے۔ تو بدن کو جب پانی کی کمی محسوس ہوئی تو اس نے احتیاج اور اشتہا کو محسوس کیا تو نفس کو اشارہ دیا کہ جسم کو پانی کی ضرورت ہے۔ اب اس نے اپنی ہوس کی تسکین کو بھی اس میں شامل کر دیا اعضا کو حکم دیا کہ بدن کو پانی کی ضرورت ہے فوراً پانی لاؤ یہ تو قحطیِ بدن کی ضرورت۔ مگر اس نے اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ مٹی کے پیالے کے بجائے شیشے کے سبز گلاس میں لاؤ، عام سفید گلاس بھی نہ ہو، بہتر ہے شربت لاؤ اور تھوڑا سا میٹھا بھی ہو تو زیادہ اچھا ہے اور ہاں برف ڈالنا ہرگز نہ بھولنا۔

قارئین! اب خود دیکھیں کہ کیا شیشے کے گلاس میں پانی کی افادیت میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے کیا سبز رنگ کے گلاس میں جسم کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوئی اضافی صلاحیت موجود ہے؟ کیا سونے چاندی کے گلاسوں میں پانی کی قوت بڑھ جاتی ہے؟

سوچیں گے تو جواب نفی میں ملے گا کیونکہ مٹی کے پیالے اور اوک سے پانی پینا اتنا ہی مفید ہے جتنا شیشے یا سونا چاندی کے گلاسوں میں پانی پینا۔ بس جسم کو تو صرف پانی کی ضرورت تھی بقایا تمام کاروائی صرف اور صرف حضرتِ نفس کی تسکین کے لیے تھی۔

حالانکہ انبیاءِ علیہم السلام نے درختوں کے پتے کھا کر زندگی گزاری ہے، نرسوں کی جھونپڑیوں میں رہے، پیٹ پر پتھر باندھ کر گزرا کیا، ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اوک سے پانی پیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس طرح سے بھی زندگی گزر تو سکتی ہے۔

پھر یہ مختلف قسم کے واٹریٹ، ٹی سیٹ، کوٹھیاں، کاریں، روم کولر، آئس فیکٹریز، ائر کنڈیشنرز یہ جملہ عیش و عشرت کے سامان و اسباب کس کے پیدا کردہ ہیں؟ تو لازماً ماننا پڑے گا کہ یہ صرف خواہشاتِ نفس کی تسکین کے سامان ہیں اور ان کی ملت غائی صرف تسکینِ ہوس ہے یعنی جملہ فساداتِ زر، زن اور زمین کے جھگڑے حضرتِ نفس کی کارستانیوں ہیں۔

ایک اور مثال بھی عرض کر دوں تاکہ میری بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بتائے نسل کے لیے اختلاطِ زوجین کی لذت و دیعت کی گئی ہے کہ ہر ذی روح اس لذت کے لیے اختلاط کرے اور

لا شعوری طور پر سلسلہ تولید و تناسل چلا رہے گا یہ لذت قوت لامہ کے ماتحت ہے۔ خالق نے یہ لذت ان ویران Unvisionable جراثیم سے لے کر بڑے سے بڑے جانور کو عطا فرمائی ہے حتیٰ کہ کتے اور خنزیر کو بھی اختلاط زوجین سے لذت محسوس ہوتی ہے۔ بدن کے لیے لامہ کے لحاظ سے ایک خوبصورت اور جوان سالہ دو شیرہ اور بد صورت جانور برابر ہیں یعنی ان دونوں کا جسمانی لحاظ سے ٹیسٹ TASTE ایک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بد بخت لوگ جانوروں سے ہر فطری فعل کے مرتکب ہوتے ہیں کیونکہ جسم جانور اور انسان میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

یہ لذت تو بقائے نسل کے لیے عطا ہوئی تھی جب جسم نے بھوک کی طرح اس خواہش کو ظاہر کیا تو نفس نے فوراً جوڑا تلاش کیا اور اس خواہش میں بھی ہوس کو داخل کر دیا یعنی ایک عورت میسر آئی آنکھ سے پوچھا کیسی ہے؟ آنکھ نے حلیہ بتایا کہ رنگ سانولا ہے، ناک چمپی ہے، جسم قدرے بے ڈول سا ہے، قد بھی چھوٹا ہے مگر بچے پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے، نفس نے فوراً ناک بھونچ کر حائلے اور کہا اچی چھوڑیے کیا یہی عورت دنیا میں باقی رہ گئی ہے کیا ساری دنیا کی عورتیں مر گئی ہیں۔

حالانکہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ اکبر بادشاہ سے کسی نے بیربل دزیر کی لڑکی کی تعریف کی تو اس نے بیربل سے کہا کہ مجھے اپنے گھر دعوت دو وہ اس کی لڑکی کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس بات کو بیربل بھانپ گیا اور لڑکی کو سمجھایا اور دعوت دے دی۔ بادشاہ جب آکر دسترخوان پر بیٹھا تو سامنے سات رنگوں کی علیحدہ علیحدہ ڈشیں رکھی تھیں۔ اکبر نے ہر ڈش کو چکھا تو وہ ایک ہی فیرونی تھی صرف رنگ علیحدہ علیحدہ تھے تو اکبر نے سوال کیا اے لڑکی! کیا ہے دوسرے کھانے تیار کرنا نہیں آتے کہ ایک ہی فیرونی میں کئی رنگ بنادے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا:

بادشاہ کا اقبال سلامت جیسے ان مختلف رنگوں کا ذائقہ ایک ہے اس طرح ہر عورت کا لامہ بھی ایک ہے صرف رنگ جدا جدا ہیں۔

اگرچہ یہ ایک فرضی داستان بھی ہو سکتی ہے مگر حقیقت یہی ہے کہ ذائقہ کے لحاظ سے ہر عورت ایک ہی فیرونی کی طرح ہے، صرف رنگوں کا انتخاب نفس کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اکثر اختلاف رنگ سے اختلاف ذائقہ وابستہ نہیں ہے مگر پھر بھی یہ نفس کسی کے منہ پر تعریف کروا رہا ہے تو کسی کا گلہ اور کسی کو کسی کے پیچھے فرادو مجتوں بنا رہا ہے۔ دراصل نفس کے خواہشات و لذات تھے جسے اس نے ضروریات میں زبردستی داخل کر دیا ہے۔

ضروریاتِ روح میں مداخلت

دوستو یہ نفس جس طرح ضروریاتِ بدن میں اپنی خواہشات کو داخل کرتا رہتا ہے اسی طرح ضروریاتِ روح میں بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے پہلو تلاش کرتا ہے مثلاً روح کی ضروریات ”رضائے الہی کے حصول کے اسباب“ ہیں لیکن جب انسان ان اسباب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو بھی یہ اپنی ناگ اڑا دیتا ہے۔

ایک شخص نصف شب کے بعد عبادت کے لیے محراب میں پہنچا۔ بالکل تنہائی میں انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت شروع کر دی، آنکھ موتی برسانے لگی، اعضاء و جوارح روح کے تصرف میں کام کرتے رہے اور مسر نفس سوتے رہے یعنی من کے کسی گوشے میں دیکے یہ تماشا دیکھتے رہے کہ اچانک قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی بس حضرت نفس فوراً ہونکے ہو گئے فوراً جسم کو تنبیہ کی کہ تمہیں معلوم ہے کہ دیکھنے والا آگیا ہے، اب ذرا سنبھل کر عبادت کرو، یہ دیکھنے والا لوگوں میں کیا کہتا پھرے گا، بس اب جی لگا کر بہترین عبادت کا مظاہرہ کرو۔ بس اسی کے ساتھ جسم کا چارج نفس نے سنبھال لیا اور روح منہ دیکھتی رہ گئی۔ پھر کیا ہوتا ہے کہ بدن نفس کے تصرف میں ایک سرسبز کرتار بنتا ہے اور روح تڑپ کر دور ہو جاتی ہے یہ ہے وہ طریقہ واردات کہ جس سے نفس روح سے بدن کو چھین کر متصرف ہو جاتا ہے۔ بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ام تاریخ کے دامن سے ایک مثال کا ذکر کرتے ہیں۔

شہر کوفہ کا ایک زاہد تھا وہ ہر رات مسجد حنظلہ میں جا کر عبادت کیا کرتا تھا۔ اس وقت یہ مسجد ویرانے میں تھی۔ ہر طرف ایک سکوت طاری ہوتا تھا اس طرح عبادت کا لطف بڑھ جاتا تھا کیونکہ عبادت میں یکسوئی جزو لازم ہے۔

ایک رات وہی صاحب جب مسجد کو روانہ ہوئے تو تاریک رات تھی اور سردی بھی تھی اور بارش بھی گرج چمک کے ساتھ تھی جب وہ عبادت کے لیے مسجد میں پہنچا تو سردی بڑھ گئی اور عبادت کے لیے دل حاضر نہ ہو رہا تھا اور ایک کسالت غالب تھی مگر انہوں نے سجادے پر کھڑا ہونا خود پر واجب کر لیا اور ٹوٹے دل سے عبادت کرنے لگے۔ نصف شب کے بعد دروازے کی سمت سے قدموں کی چاٹ محسوس ہوئی تو زاہد صاحب فوراً سنبھل گئے کہ شاید کوئی دوسرا عبادت گزار آن پہنچا ہے۔ بس پھر تو تھکن جاتی رہی اور باقی رات خوب جی لگا کر عبادت کی۔ جب صبح ہوئی تو سجدہ شکر ادا کیا اور پیچھے مڑ کر دیکھا کہ آنے والا کون تھا؟ تو دیکھا کہ مسجد کے ایک کونے میں ایک بھیگا ہوا کتا مزے کی نیند سو رہا تھا۔ اب زاہد صاحب کا شعور بیدار ہوا کہ میں نے کتنی غلطی کی ہے کہ دکھاوے کی عبادت میں رات بسر کی اور مطلب بھی پورا نہیں ہوا۔

دراصل یہ اس زاہد کا قصور نہیں تھا بلکہ وہ مسر نفس کی شرارت تھی کہ کوئی بہانہ ملے اور مملکتِ بدن سے روح کو بے دخل کیا جائے۔ نفس نے کانوں پر اعتماد کرتے ہوئے دھوکہ تو کھایا ہے کہ شاید کوئی انسان ہوگا مگر اس نے بدن پر تصرف حاصل کرنے کا موقع ایک سیکنڈ کے لیے بھی ضائع نہیں کیا اور پوری رات کی عبادت کا ستیاناس کر دیا۔ بالکل اسی طرح یہ روح کی تسکین کے جملہ اعمال میں بھی اپنی ہوس کی تسکین کے سامان تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہ نفس شریکِ شرارت تھی کہ جس نے روح کی ضرورت میں اپنی خواہشات کو داخل کر دیا مگر وہ زاہد یہ تشخیص نہیں کر سکا کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ نفس ہمیشہ روح اور بدن کی ضروریات میں اپنی خواہشات کو داخل کرتا رہتا ہے۔

بعض اوقات یہ بدن کو روح کے پیغامات دیتا ہے یعنی اپنی طرف سے بدن کو روح کے فرضی احکامات بھی دیتا رہتا ہے مثلاً ایک امیر آدمی کو آتے دیکھا نفس نے دیکھا کہ یہ میری فلاں خواہش کی تکمیل کر سکتا ہے، فوراً جسم کو حدیث سنا دی کہ انکسار تواضع اور عجز بہت اچھی چیزیں ہیں۔ بدن فوراً امیر آدمی کے قدموں میں جھک گیا، روح تڑپ گئی، احمق یہ کیا غضب کر دیا، یہ بے موقع حدیث کیوں سنا دی یہاں تو یہ فرمان سنا تا کہ ”متکبر کے سامنے تکبر بھی عبادت ہے“ یہ کیا کیا کہ

ترجیحاتِ نفس

دوستو! نفسِ شریر کے سامنے جب لذات و خواہشات کا اجتماع ہوتا ہے تو یہ کوشش کرتا ہے کہ ہر خواہش اہل ہوتی ہو۔ اگر ان خواہشات میں ایک دوسرے سے تصادم کی فضا پیدا ہو جائے تو یہ پھر مختلف حواس کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھاتا ہے اور خود مرے لیتا ہے۔

دیکھئے زبان ہے تو حسِ ذائقہ سے مملو ہے اس لیے یہ صرف ذائقے کا ادراک کر سکتی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ مجھ تک ہمیشہ میرے پسندیدہ ذائقے ہی پہنچتے رہیں، کانوں کو چاہے لاکھ بدترین دشنام ہی کیوں نہ سننے پڑیں۔

کان ہے کہ آوازوں کا ادراک کر سکتا ہے اس لیے یہ چاہتا ہے کہ مجھ تک سرور و ساز کی دل نواز دھنیں پہنچتی رہیں چاہے اللہ کی لعنت ہی کیوں نہ برتی رہے۔

آنکھ ہے تو حسِ جمالیات سے مملو حسنِ مناظر کا ادراک کرنے والی ہے۔ یہ بھی کہتی ہے مجھے تو پسندیدہ چہرے دکھاتے رہو چاہے محرم کے ہوں یا غیر محرم کے۔ مجھے تو حسنِ بنی چاہیے چاہے سارا جسم جہنم میں ہی کیوں نہ چلا جائے مگر میں تو گھر بھونک تماشا ضرور دیکھوں گی۔

ناک ہے تو خوشبو کے سوا کچھ نہیں جانتا صرف سوگندھ سکتا ہے۔ اسے تو پھول کی خوشبو کی ضرورت ہے چاہے ہاتھ دھوی ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ ہاتھوں کو اپنی ہوس کی بھیٹ چڑھا کر یہ اپنی لذت کی تسکین چاہتا ہے۔

اگر آپ حواس کی حد تک دیکھیں گے تو محسوس کریں گے کہ یہ سارے حواس و اعضا بہت خود غرض ہیں اور ایسا لگے گا کہ انسان میں خود غرضی کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ہی جسم کے اعضاء و جوارح ایک دوسرے پر علی الاعلان خود غرضی کر رہے ہیں اپنی ذات پر دوسرے کو قربان کرنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن یہ اعضاء و حواس کی جنگ نہیں ہے بلکہ یہ تو میاں نفس ہی ہیں جو ان میں اپنی ترجیحات کے مطابق تصادم کروا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ تو حواس ہی کے ذریعے اپنی ساری خواہشات کی تکمیل چاہتا ہے اگر حس ہی موجود نہ ہو یا عضو ہی موجود نہ ہو تو یہ کیسے خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہے۔ آپ خود سوچیں کسی اندھے کا دماغ خراب ہے کہ وہ مری اور شملہ کے دلکش مناظر دیکھنے جائے یا نیا گرا آبشار دیکھنے جائے اور گر کر ہلاک ہو جائے، یا نی دی پر پاکستان اور فن بال کے مقابلہ دیکھنے کی سوچے۔ حقیقت یہ ہے کہ جملہ اسبابِ عیش و طرب اسی حضرت نفس کے پیدا کردہ ہیں۔

ہوائے نفس

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواہشِ نفس کیا چیز ہے جو سارے فسادات کی جڑ ہے؟ دوستو! بحیثیتِ رکنِ انسان

کے بدن کا خاصہ ”شہوت“ ہے اسی طرح بحیثیتِ رکنِ نفس انسان کا خاصہ ”ہوا“ (ہوس) ہے۔

ربِ ذوالجلال والا کرام جل جلالہ نے جو احکام فرمائے ہیں اس میں شہوات میں اعتدال کا حکم فرمایا ہے کیونکہ شہوات انسان کی مجبوری ہیں مثلاً بھوک ہے یا پیاس ہے یہ شہوات میں سے ہیں۔ انھیں کچھ حد تک روکا تو جاسکتا ہے مگر بالکل ختم کرنا بنی نوع انسان کے لیے محال نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے اس لیے ان کی افراط (زیادتی) کی مذمت فرمائی گئی ہے مگر انہیں حرام نہیں کہا گیا لیکن ”ہوائے نفس“ کو بالکل ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہی ”ہوائے نفس“ جب حوصلہ افزائی پاتی ہے تو پورے جسم پر اللہ کی طرح حکمران ہو جاتی ہے۔

مالک مطلق جل جلالہ نے اتباعِ نفس کو سب سے بری بلا بیان فرمایا ہے یعنی یہ انسان کیلئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے اور اس آزمائش میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو ہوائے نفس کی سرکوبی کرتا ہے، کیونکہ یہ مالک کی رضا کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اسی لیے فرمایا گیا ہے۔

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّهُمَا بَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ (القصص: 50)

اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ لوگ آپ کے اعلانِ پبلیک کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کو معلوم ہی ہے وہ تو اپنی خواہشاتِ نفس (ہوا) کی اتباع میں مصروف ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ”ہوائے نفس“ کی اتباع میں لگن ہو یعنی اتباعِ ہوائے نفس ہی دینِ حق کو قبول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اسی طرح سورۃ جاثیہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً (الجاثیہ: 23)

اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جس نے اپنا الہ ”ہوائے نفس“ کو بنا رکھا ہے اور اللہ نے تو اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور اس کی سماعت اور قلب پر مہر لگا دی ہے اور بینائی پر حجاب ڈال دیئے ہیں۔

اسی طرح بلم باعور کے بارے میں سورۃ الاعراف میں آیا ہے کہ

وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَفَشِلَتْهُ فِتْنَةُ الْكُلْبِ إِنَّ تَحْمِيلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ (اعراف: 176)

یعنی بلم باعور ہوائے نفس کی اتباع میں نکلا تو فرمایا کہ جو بھی اتباعِ ہوا ہو اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ اس پر بوجھ لا دو تو پھر بھی زبان نکالے۔ اگر چھوڑ دو جب بھی اس کی زبان نکلی رہتی ہے۔

یعنی واضح فرمایا جا رہا ہے کہ ہوا و ہوس ایک ایسی محبوبہ ہے کہ جس کے جملہ احکام کی تعمیل میں اگر انسان اپنی زندگی بھی لٹا دے تو وہ کبھی راضی نہیں ہو سکتی، اس کا سہہ حوس کبھی پُر نہیں ہو سکتا۔ یہ کبھی نہ راضی ہونے والا معشوق ہے کیونکہ جب انسان زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے لیے وقف کر دیتا ہے تو آخر کو یہی کہنا پڑتا ہے۔

خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

شہوت بدن کی ضروریات کا اور اس کے مطالبوں کا نام ہے اور ”ہوائے نفس“ میاں نفس کی پیدا کردہ ہوتی ہیں۔ نفس ہمیشہ بنیادی شہوات کے ساتھ اپنی ”ہوائے نفس“ کو قرضی کر دیتا ہے۔ انسان اسے بھی بنیادی ضروریات میں سے سمجھتا ہے اور دھوکہ کھا جاتا ہے مثلاً زندگی کی ضروریات کے ساتھ جب طولِ اہل (لمبی امید) ناطہ جوڑ لیتی ہے خواہشات کو بھی زہر آلود کر دیتی ہے۔ یا لذتِ بدن سے حبِ نساء و اولاد وابستہ ہو جاتی ہے تو فتنہ آفرینیاں کرتی ہے۔ ضروریات سے حبِ جاہ و جاہت شامل ہو جاتی ہے۔

نفس کا مشیر اعلیٰ ابلیس ملعون ہوتا ہے تو یہ بھی اسے نئے نئے مشورے دیتا ہے کیونکہ اسے بھی اہلِ حاصل ہے کہ اولاد آدم علیہ السلام کو بہکاؤ، بس یہ دونوں مل جاتے ہیں اور ابلیس لمبی لمبی سوچیں دلاتا ہے۔ فقر و فاقے سے ڈراتا ہے اور دولت جمع کرنے کے احکام صادر کرتا ہے اور جب روح کہتی ہے کہ راہِ حق پر چل کر تو یہ اپنی چال چلتا ہے، الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ کہ شیطان فقر سے ڈراتا ہے اور ذخیرہ اندوزی جیسی اعمالی برائی کا مرتکب کرتا ہے۔ کٹھی، کار، زمین، جائیداد، دولت وغیرہ پر اکساتا ہے تو خالقِ کائنات نے اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

ذُئِنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِطْرِ
الْخَيْلِ الْمَسْؤُومَةِ وَالْآنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۚ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَبَازِ (ال عمران: 14)

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچسٹر مہلکات

مہلکات کی پہلی قسم میں تو دس چیزیں ہیں۔

تکبر

تکبر کی لغوی تعریف:

”الكبر والتكبر والا ستكبار التقارب فالكبر الحالة التي يتخصص بها الانسان اعجابه بنفسه وذلك ان يرى الانسان نفسه اكبر من غيره“

کبر، تکبر اور استکبار معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کے قریب ہیں لہذا کبر ایک ایسی حالت ہے کہ انسان جس کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور ممتاز سمجھتا ہے اور اس صفت کیساتھ مخصوص بن جاتا ہے۔

روحانیت کے طالب علم کے لئے لازمی ہے کہ وہ تکبر سے جہاں تک ہو سکے بچے۔ بعض اوقات تکبر کرنے والے دراصل احساسِ کمتری کا شکار ہوتے ہیں، لوگوں پر یہ جتا کر کہ وہ ان سے بہتر ہیں اپنی اس حس کی تسلی کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ شک گھسا ہوتا ہے کہ لوگ انہیں بیوقوف یا ادنیٰ سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اسے جتا کر اپنا شک دور کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ لوگوں میں عاجزی و انکساری سے رہیں روحانی سالک کو ایسا کا حکم ہے۔

سب انسان آدم کی اولاد ہیں، سب ایک برابر ہیں، کیسا تکبر اور کیسا غرور۔ روحانیت کے طالب علم کے لیے

عورتوں اور بچوں کو فطری بقاءئے نسل کے حیوانی تقاضوں کے پیشِ نظر بیان فرمایا ہے، سونے چاندی کے سکوں کو خوراک کی فطری ڈیمانڈ کے اعتدال سے تجاوز کرنے کی صورت میں لایا گیا ہے، زمین و جائیداد کو خوراک کی طلب میں شدت کے معنی میں بیان فرمایا ہے۔ دنیا کا لفظ ”دنو“ سے مشتق ہے یعنی گھٹیا، تو یہ گھٹیا زندگی کی منظر کشی ہے اگر یہی کائنات ہی انسان کی معراجِ سعادت ہے تو پھر کفر کیا ہے؟

دوستو! ہوائے نفس کو اللہ جل جلالہ نے ایک معبودِ باطل قرار دیا اور معبود کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ جس کے احکام کی بلا سوچے سمجھے تعمیل کی جائے اور انسان اپنی خواہشاتِ نفس کی تکمیل ہمیشہ بلا سوچے سمجھے کرتا ہے اس لیے اسے بھی معبود قرار دیا۔ اور لا الہ الا اللہ کا عرفانی مطلب یہ ہے کہ خواہشِ نفس بھی معبود نہیں اور جہاں بھی کوئی خواہشِ حکمِ الہی سے متصادم ہوئی وہاں اس کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی۔ حبِ دنیا میں جو چھ چیزیں شامل ہیں وہ ساری کی ساری ہوائے نفس

سب سے بہتر یہ ہے کہ لوگوں کی رائے کی بالکل پروا نہ کرے۔ خود کسی سے زیادتی نہ کرے مگر لوگ چاہے اسے بُرا کہیں یا اچھا اس کو اس کی کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ انسان کا نفس ہزار طریقے سے روحانی طالب علموں کا راستہ روکتا ہے کسی سے تعریف سنا اور اس پر خوش نہ ہونا بڑا مشکل ہے۔ لیکن پھر بھی چاہیے۔ اس کی پروا نہ کرے ورنہ پھر لوگوں کی خوشی ناخوشی کے چکر میں ہی پڑا رہے گا۔

بابا فرید الدین گنج شکر فرماتے ہیں۔ اگر ساری خلقت کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو تکبر بن جاؤ۔ تکبر تین قسموں پر مشتمل ہوتا ہے۔

تکبر خدا کے مد مقابل

خدا کی عبادت اور اطاعت سے تکبر کرنا یعنی خدا کے سامنے جھکنے سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا، یہ تکبر موجب کفر بنتا ہے سورہ بقرہ کی یہ آیت مجیدہ اس حوالے سے قابل غور ہے۔

”اَبٰی وَاَسْتَكْبَرُ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ“ (بقرہ: 34)

اس نے انکار اور غرور سے کام لیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ابلیس ایک سجدہ کے انکار سے کافر ہو گیا تو مستقل سجدہ کو ترک کرنے والوں کا انجام کیا ہوگا؟ اس نکتہ پر صاحب شعور کو غور کرنا چاہیے۔

خدا نے ابلیس سے ”انکار“ کی وجہ پوچھی۔

قَالَ يٰۤاِبٰلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِیْهِ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ (سورہ

ص: 75)

تو خدا نے کہا کہ اے ابلیس تیرے لئے کیا شے مانع ہوئی کہ تو نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کیا جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے، تو نے غرور اختیار کیا یا تو عالین میں سے ہو گیا ہے۔

شیطان کی 6 ہزار سالہ عبادت ایک غرور میں فنا ہو گئی۔

اس آیت میں عالین آیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟

لفظ عالین کی تشریح

ایک روایت میں ابو سعید الخدری بیان کرتے ہیں: ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ راستے میں ایک شخص پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آیا اور عرض کی، مجھے اس آیت سے متعلق بتا دیجئے کہ جس میں خداوند عالم نے ابلیس سے فرمایا:

اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ

یہ کون لوگ ہیں جو ملائکہ مقربین سے بھی افضل اور اعلیٰ ہیں؟ جواب میں پیغمبر اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”اَنَا وَعَلٰی وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ“

عالین سے مراد میں، علی، فاطمہ، حسن، حسین ہیں

ہم عرش کے گرد تسبیح پڑھتے تھے ملائکہ نے ہم سے تسبیح کرنا سیکھی اور خدا کی تسبیح کی۔ یہ آدم کی خلقت سے ۱۱ ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ جس وقت خدا نے آدم علیہ السلام کو خلق کیا ملائکہ کو حکم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے لیے ہدے کریں یہ حکم نہیں ہوا مگر ہمارے لئے! ابلیس کے سوا باقی تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ابلیس نے تکبر کیا خدا نے اسے فرمایا:

”قَالَ یٰۤاِبٰلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتَ بِیْهِ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعٰلِیْنَ“

اے ابلیس تیرے لئے کیا شے مانع ہوئی..... یا تو واقعاً بلند لوگوں میں سے ہے۔ یعنی تم بھی ان لوگوں

کی طرح ہو (کہ جن کے نام سداوق عرش پر لکھا ہے)۔

”فَلَنُحْنُ بَابَ اللّٰهِ الَّذِیْ یُوْنِیْ مِنْهُ وَبِنَا یَهْدِی الْمُهْتَدُوْنَ“

ہم خدا کے دروازے ہیں کہ جس دروازے سے وہ عطا کرتا ہے، ہماری وجہ سے ہدایت پانے والے، ہدایت دیتے ہیں اور جو ہم سے محبت کرتے ہیں خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے، اور جو ہم سے بغض رکھتے ہیں خدا بھی ان سے بغض رکھتا ہے اور انہیں جہنم میں دھکیل دیتا ہے۔ اور حدیث کے آخر میں فرمایا:

”وَلَا یُجِبُّنَا اِلَّا مَنْ طَابَ مَوْلَدُهُ“

ہمیں دوست نہیں رکھتا مگر وہ کہ جس کی ولادت پاکیزہ ہو۔

تکبر انبیاء و اولیا کے مد مقابل

فرعون اور اس کے ساتھی، موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کی نسبت کہتے ہیں۔

”فَقَالُوْا اَنْتُمْ مِّمَّنْ یُّبَشِّرٰنَ مِثْلَنَا وَفُوْهُمَآ لَنَا عٰبِدُوْنَ“

تو ان لوگوں سے کہہ دیا کہ کیا ہماری قوم ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئی جبکہ ان کی قوم خود ہماری

پرستش کر رہی ہے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے عمرو بن جوح اور کفار کی طرف سے ابو جہل میدان میں نکلے، دونوں کا میدان جنگ میں آمنا سامنا ہوا۔ عمرو نے ابو جہل کی ران پر ایک ضرب لگائی اور ابو جہل نے عمرو کے ہاتھ پر ضرب لگائی کہ جس کی وجہ سے عمرو کا ہاتھ جدا ہو کر پوست سے آویزاں ہوا۔ عبداللہ بن مسعود یہ منظر دیکھ کر ابو جہل کی طرف بڑھے اور ابو جہل اس وقت خون میں غوطہ کھا رہا تھا۔ ابو جہل کے قریب آ کر کہا ”خدا کا شکر ہے کہ جس نے تجھے ذلیل کیا۔ ابو جہل یہ سن

کر بول اٹھا خدا تجھے ذلیل کرے۔ ابن مسعود کہتے ہیں:

اس وقت میں اس کے سینہ پر چڑھا ہوا جہل یہ دیکھ کر بول اٹھا۔ افسوس اے کاش ابوطالب کا کوئی بھائی نہ ہو جاتا کہ نہ تم جیسا چرواہا! تم ایک بلند جگہ پر چڑھے ہو۔ اب اگر تم میرا سر میرے بدن سے جدا کرنا چاہو تو میرے سر سے جدا کر دتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے اصحاب کی نظروں میں ہیبت طاری کر سکیں۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ”اگر یہی بات ہے تو پھر میں تیرے منہ اور ہونٹ سے جدا کروں گا تا کہ تو پست اور ذلیل نظر آئے اور حق تعالیٰ اسے دے۔“

تکبر لوگوں کے مد مقابل

جیسے: يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ (سورہ سبا: 31)

اور جن لوگوں کو کمزور سمجھ لیا گیا ہے وہ اونچے بن جانے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم درمیان میں نہ آ گے ہوتے تو ہم صاحب ایمان ہو گئے ہوتے۔

عبرت ناک واقعہ

حسد

اب یہاں ایک عبرت ناک واقعہ جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں پیش آیا نقل کرتا ہوں۔

حسد کی تعریف

الْحَسَدُ تَمَنَّى زَوَالِ نِعْمَةٍ عَنْ مُسْتَحَقِّ لَهَا

مستحق نعمت سے نعمت کے زائل ہونے کی آرزو کرنے کو حسد کہتے ہیں۔

خداوند عالم نے اپنے حبیب احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسد سے اور حاسدین کے شر سے خدا کی پناہ لینے کا علم دیا ہے۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (فلق: 5)

ترجمہ: ”اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے جب بھی وہ حسد کرے۔“

حسد کا شمار انسان کی روح کو داغدار کرنے والے بڑے مفسدات میں ہوتا ہے۔ حسد کے روحانی فسادات کی

نشاندہی کرتے ہوئے سرکار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْحَسَدُ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (مشکوٰۃ الانوار ص 310)

ترجمہ: ”حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔“

ایک اور جگہ سرکار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”تکبر“ قرآن کی نظر میں

سورۃ مومن میں ارشاد ہوا:

”إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ“ (سورۃ مومن: 60)

”کہ انسان کے دل میں حسد اور ایمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔“

جتنا یہ قوف انسان ہوگا اتنا ہی حاسد ہو سکتا ہے۔ لیکن عقلمند بھی اس کمزوری سے مبرا نہیں، یہ انسانی اند

شامل ہے۔

بابا فرید گنج شکر فرماتے ہیں کہ:

اگر آسودگی چاہتے ہو تو حسد مت کرو۔

حسد کے بارے میں ایک بات آپ کو یہ بھی معلوم ہونی چاہیے کہ حسد کرنا تو غلط اور گناہ ہے ہی مگر حسد کرنا بھی اس سے کم نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک آدمی مالی طور پر بہت ترقی کر گیا ہے اور وہ اپنے قریبی داروں اور ساتھیوں کو یہ بتاتا رہے کہ وہ بہت مالدار ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھی عموماً اپنی روزی بھشک لکھا رہے ہیں۔ ان کو اس بات کی خوشی کم اور حسد زیادہ ہوگا اور دلی طور پر ان کی خواہش یہ ہوگی کہ یہ بھی واپس ہماری طرح ہو جائے۔

اسی چیز کے بارے میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”اگر تم اچھا اور مہنگا کھانا کھا رہے ہو تو اچھا غریب پڑوسیوں کے سامنے مت کھاؤ۔“ ہم میں سے اکثر لوگ حسد کرنے سے بچ جاتے ہیں مگر اس دوسری طرف کم اس توجہ دیتے ہیں۔ حسد کا علاج رشک میں ہے جس کی اسلام میں اجازت ہے۔ رشک یہ ہوتا ہے کہ جب بھی آپ کسی کامیاب آدمی کو دیکھیں تو اللہ سے کہیں کہ اسے دیا ہے تو مجھے بھی دو (چاہے اس سے زیادہ مانگیں)۔ حاسد کی صحیح مثال اس آدمی سے دی جاسکتی ہے جو کسی آگے بڑھ جانے والے دوسرے آدمی کو دیکھ کر یہ نہیں کہتا کہ وہ دوسرا آگے بڑھ گیا ہے بلکہ اپنے منہ پر ایک زور کا تھپڑ مار کر کہتا ہے کہ میں تو پیچھے رہ گیا ہوں۔ وہ تھپڑ اسے ایک بار نہیں دن میں کئی بار پڑتا ہے (یعنی جتنی بار دن میں وہ حسد کرے گا) پھر یہ آدمی لازمی پیچھے رہنا شروع ہو جائے گا چونکہ منفی اور Pessimistic سوچ کا اس پر غلبہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

مشکلہ خیز حقیقت یہ ہے کہ حاسد ایسا آدمی ہے جو کسی دوسرے شخص کو آگے بڑھتے دیکھ کر بجائے خدا سے مانگے کہ مجھے بھی یہ کامیابیاں دے (یعنی رشک جس کی اسلام میں اجازت ہے) یہ مانگتا ہے کہ اے اللہ اس آگے جانے والے کو بھی پیچھے کھینچ کر میرے برابر کر دے۔ اور جوں جوں وہ یہ سوچ سوچتا ہے، اس کے ڈر کے نتیجے میں اس کی اپنی الٹی دوسرے کو آگے بڑھنے میں مزید مدد کرتی ہے۔ (یہ تو انائی اور انرجی کا اصول ہے کہ اسے دباؤ یا کسی چیز سے ڈر جائیں تو یہ ان کا کام شروع کر دیتی ہے۔)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں حسد سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے:

”إِيَّاكُمْ فَلَا تَحْسَدُوا“ (ارشاد القلوب، ج 1 ص 255)

ترجمہ: ”تمین خصلتوں سے بچو کیونکہ یہ تمین خصلتیں گناہوں کی جڑ ہیں۔“

۱۔ تکبر سے بچو

کیونکہ شیطان نے تکبر کی وجہ سے آدم کو حیدہ نہیں کیا تھا اور خدا نے اس پر لعنت کی اور درگاہ الہی سے نکال باہر

۲۔ لالچ سے بچو

”کیونکہ لالچ ہی نے آدم کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے پر مجبور کیا۔“

۱۔ حسد سے بچو

”کیونکہ قابیل نے حسد ہی کی وجہ سے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا۔“

حسد اور اقوال صوفیا

بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ حسد کرنے والا شخص دراصل انکار کرنے والا ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ حسد کرنے والا کبھی سرداری نہیں لے سکتا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فُلْ إِنْ مَّا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ (اعراف: 33) (فرمادیتے میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں، جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ”ما بطن“ سے مراد ”حسد“ ہے۔

ایک (آسانی) کتاب میں ہے کہ ”حاسد“ میری نعمتوں کا دشمن ہوتا ہے۔

حضرت اسمعیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس سال کی عمر کا ایک بدود دیکھا تو پوچھا: کتنی لمبی عمر ہے تمہاری؟ اُس نے کہا: چونکہ میں نے حسد چھوڑے رکھا اس لئے میں بچ گیا۔

حضرت ابن مبارکؒ نے فرمایا: اس اللہ کا شکر ہے جس نے میرے امیر کے دل میں وہ بات ڈالی جو مجھ سے حسد کرنے والے کے دل میں ڈال رکھی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ پانچویں آسمان میں ایک فرشتہ ہے کہ بندے کے ”سورج کی روشنی“ جیسے اعمال اس کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ کہتا ہے، ٹھہر جاؤ کیونکہ میں فرشتہء حسد ہوں لہذا میں اسے حاسد کے منہ پر ماروں گا۔ کیونکہ یہ حاسد ہے۔

غیبت

غیبت کی تعریف

”الْغَيْبَةُ أَنْ تَذْكُرَ أَخَاكَ مِنْ وَرَائِهِ بِمَا فِيهِ مِنْ عَيُوبٍ يَسْتُرُهَا وَيَسُوُّهُ ذِكْرُهَا“

غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کی پیٹھ پیچھے اُن عیوب کو کہ جنہیں وہ پوشیدہ رکھتا ہے اور ان کے ناش ہونے کو پسند نہیں کرتا اُسے تو بیان کرے۔

غیبت احادیث کی روشنی میں

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

”يَا كُفَّيْ وَالْغَيْبَةَ فَإِنَّ الْغَيْبَةَ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، ثُمَّ قَالَ، إِنَّ الرَّجُلَ يَزْنِي ثُمَّ يَتُوبُ، فَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِ،

إِنْ صَاحِبَ الْغَيْبَةِ لَا يَغْفِرُ لَهُ حَتَّى يَغْفِرَ لَهُ صَاحِبُهُ“

تم غیبت سے بچو! یقیناً غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ پھر فرمایا: آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کرتا ہے اور خدا اس کی توبہ قبول فرماتا ہے لیکن جو شخص غیبت کرتا ہے خدا بھی اسے معاف نہیں کرتا جب تک کہ وہ شخص کہ جس کی غیبت ہوئی ہے معاف نہ کرے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”الْمُغْتَابُ وَالْمُسْتَمْعِ شَرِيكَانِ فِي الْإِثْمِ“

”غیبت کرنے والا اور غیبت کے سننے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔“

ایک اور جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تُحْرَمُ الْجَنَّةُ عَلَى ثَلَاثَةٍ عَلَى الْمَنَانِ وَعَلَى الْمُغْتَابِ وَعَلَى مُدْفِنِ الْخُمْرِ“

جنت تین گروہوں پر حرام ہے۔

1- احسان جتانے والا 2- غیبت کرنے والا 3- شراب پینے والا

اسی طرح ایک جگہ اور سرکار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”عَذَابُ الْقَبْرِ مِنَ النِّمِيمَةِ وَالْغَيْبَةِ وَالْكَذْبِ“

چغل خوری، غیبت اور جھوٹ عذاب قبر کا باعث بنتے ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

”الْغَيْبَةُ أَمْرٌ فِي دِينِ الرَّجُلِ مِنَ الْاِكْلَةِ فِي جَوْفِهِ“

☆ کہا جاتا ہے کہ حسد کرنے والا شخص ایسا ظالم اور غاصب ہوتا ہے جو نہ تو کسی چیز کو بچنے دیتا ہے اور نہ ہی دیتا ہے۔

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے فرمایا کہ میں نے آج تک ایسا ظالم نہیں دیکھا جو حاسد سے بڑھ کر ظالم کی مشابہت رکھتا ہو، کیونکہ حاسد ہمیشہ غم میں رہتا ہے۔

☆ کہتے ہیں کہ حاسد کی علامات میں سے ہے کہ وہ سامنے آنے پر چالوسی شروع کر دیتا ہے، وہ انسان چلا جائے تو پھر چغلی شروع کر دیتا ہے اور جس سے حسد رکھتا ہے اُس پر مشکلات آئیں اور خوشی مناتا ہے۔

☆ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی میں تمہیں سات چیزوں کے بارے میں وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، میرے نیک بندوں کی غیبت کبھی نہ کرنا اور نہ ہی میرے نیک بندوں سے کبھی حسد کرنا، اتنا سنتے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے یہی نصیحتیں کافی ہیں۔

☆ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرش الہی کے قریب ایک شخص کو دیکھا تو رشک کیا اور پھر پوچھا کہ اس میں کیا صفت پائی جاتی ہے؟ چنانچہ کہا گیا کہ یہ ان لوگوں پر حسد نہیں کرتا تھا جنہیں اللہ نے اپنے فضل و مہربانی سے نوازا تھا۔

☆ کہتے ہیں کہ حاسد کسی میں نعمت کو دیکھتے ہی مبہوت و پریشان ہو جاتا ہے لیکن جب کسی میں غلطی دیکھتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔

☆ کہتے ہیں کہ اگر حاسد سے بچنا چاہتے ہو تو ایسے کام کرو جن میں شبہ پڑ جائے۔

☆ کہتے ہیں کہ جس شخص میں کوئی گناہ نہیں ہوتا، حاسد اس پر غضبناک ہوا کرتا ہے اور ایسی چیزوں میں بھی ہل دکھانے لگتا ہے جن کا وہ مالک بھی نہیں ہوتا۔

☆ کہا جاتا ہے کہ جو شخص تم پر حسد کرتا ہے اس سے دوستی میں تھکنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تمہاری کسی بات کو اچھا نہیں مانے گا۔

☆ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی پر بے رحم دشمن مسلط کر دے تو اس پر حاسد کو مسلط کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ شعرا کی موقع پر پڑھتے ہیں۔

”مسی بھی شخص کے لئے یہ بات ایک حادثہ سے کم نہیں کہ اس کے حاسد بھی اس پر رحم کھانے لگیں۔“

یہ شعر بھی کہتے ہیں۔

”ہر دشمنی کے بارے میں یہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ ختم کر دی جائے گی لیکن حسد کی بنا پر تم سے دشمنی رکھنے والے کی دشمنی ختم نہ ہو سکے گی۔“

غیبت کرنا جسم انسانی کے اندر کوڑھ کی بیماری سے زیادہ تیزی سے ایک شخص کے دین پر اثر انداز ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؓ سے مروی سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی قابل غور ہے۔
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت ایک شخص کو حساب و کتاب کے مقام پر لائیں گے اور اس کا نامِ اعمال اسے دیں گے اور وہ اس میں اپنے نیک اعمال نہیں پائے گا تو کہے گا: اے میرے خدا! نامِ اعمال میرا نہیں ہے کیونکہ میں اس میں اپنے نیک اعمال نہیں دیکھتا تب اس سے کہا جائے گا تیرا پروردگار نہ گمراہ ہوتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ تیرے اعمال لوگوں کی غیبت کرنے کی وجہ سے ختم ہو گئے۔ پھر دوسرے شخص کو لایا جائے گا اور اس کا نامِ اعمال اسے دیں گے وہ اس میں بہت زیادہ نیک اعمال دیکھے گا تو کہے گا۔ اے میرے خدا! یہ میرا نامِ اعمال نہیں ہے کیونکہ میں نے اپنے نیک اعمال انجام نہیں دیئے تو اس سے کہا جائے گا۔ فلاں شخص نے تیری غیبت کی تھی جس کی وجہ سے اس کے نیک اعمال تیرے نامِ اعمال میں لکھ دیئے گئے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے معراج کی رات جہنم میں ایک ایسا گروہ بھی دیکھا کہ جو مردار کھا رہا تھا۔ آپؐ نے جبریلؑ سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریلؑ نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں کہ جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی دنیا میں غیبت کرتے ہیں۔

غیبت کے بارے میں اقوالِ صوفیا

☆ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کو ایک دعوت پر بلایا گیا تو آپ پہنچ گئے۔ لوگوں نے نہ آنے والے ایک شخص کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا کہ کیا وہ زیادہ بوجھل ہے؟ یہ سن کر حضرت ابراہیمؒ نے کہا: یہ معاملہ (غیبت سننے کا کام) میرے نفس کی وجہ سے سرزد ہو گیا ہے کہ میں ایسے مقام پر آیا ہوں جہاں لوگ غیبت کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہاں سے نکل گئے اور تین دن تک کھانا نہیں کھایا۔

☆ حضرت سفیان ثوریؒ سے قول رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ”اللہ تعالیٰ اس گھرانے کے موٹے تازے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے“ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: ”یہ فرمان ان کے بارے میں ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے تھے اور ان کا گوشت کھاتے تھے۔“

☆ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ہاں غیبت کا ذکر چھڑا تو آپؒ نے فرمایا: ”اگر میں کسی بھی شخص کی غیبت کرنا چاہوں تو اپنے والدین کی کروں گا کیونکہ میری نیکیوں کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہیں۔“

☆ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا:

کہ مومن کے حصے تین خصلتیں آنی چاہئیں:

(1) تجھے اس کی تعریف اچھی نہیں لگتی تو برائی بھی نہ دو

(2) اگر اسے خوش نہیں کر سکتے تو غمگین بھی نہ کرو۔

(3) اگر اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ دو۔

☆ حضرت جنید بغدادیؒ نے بتایا کہ میں مسجد شونیزہ میں بیٹھا ایک جنازے کا انتظار کر رہا تھا کہ نمازِ جنازہ پڑھ سکوں۔ ادھر اہل بغداد بھی اپنے اپنے مقام پر بیٹھے انتظار میں تھے، اسی دوران میں نے ایک فقیر دیکھا اُس پر عبادت کی علامات تھیں اور وہ لوگوں سے مانگ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا کاش یہ شخص کاروبار کرتا اور ان لوگوں سے اپنے آپ کو بچاتا۔

فارغ ہو کر میں گھر پہنچا۔ رات کو وظیفہ کرنا تھا یعنی روزانہ کا کام اور نوافل وغیرہ مگر یہ بوجھل معلوم ہوئے۔ میں نے وہیں بیٹھے صبح کر دی۔ ادھر مجھے نیند آگئی تو خواب میں وہی فقیر دیکھا جسے ایک لمبے خوان پر لایا گیا اور مجھ سے کہنے لگے کہ اس کا گوشت کھا لو کیونکہ تم نے اس کی غیبت کی تھی۔ اب مجھ پر حال کھلا تو میں نے کہا میں نے زبانی غیبت تو کی تھی صرف دل ہی میں تو خیال کیا تھا۔ اس پر مجھے کہا گیا کہ تم ان لوگوں میں سے تو شمار نہیں ہوتے جن کی ایسی باتیں بھی پسند کر لی جائیں، جاؤ اور اس سے معافی مانگو۔

☆ صبح ہو چکی تھی۔ مسلسل اسے تلاش کرتا رہا تھا حتیٰ کہ اسے اس مقام پر دیکھا جہاں پانی کی زیادتی کے سبب بھری کے گرنے والے پتوں کو چن رہا تھا جو دھوتے وقت گرے تھے۔ میں نے اسے سلام کیا تو اس نے کہا۔ اے ابوالقاسم! اب پھر دوبارہ ایسا کرو گے؟ میں نے کہا نہیں کروں گا۔ اس پر اس نے کہا: اللہ ہمازی اور تمہاری بخشش فرمائے۔

☆ حضرت ابو جعفر ثقفیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں بلخ کا ایک جوان تھا، وہ مجاہدے کرتا اور عبادت کیا کرتا تھا لیکن عادت یہ تھی کہ لوگوں کا گلہ کرتا رہتا اور کہتا فلاں شخص ایسا ہے، فلاں ایسا ہے، ایک دن میں نے اسے دیکھا کہ کپڑے دھونے والے بیچڑوں کے پاس سے نکلا ہے، میں نے پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ سزا لوگوں کی برائی کی وجہ سے ملی ہے کہ جس نے مجھے اس مقام پر پہنچا دیا ہے، میں ان میں سے ایک بیچڑے پر عاشق ہو گیا ہوں اور اسی کی وجہ سے ان سب کی خدمت کر رہا ہوں۔ میرے سب (نیکیوں کے) احوال ختم ہو گئے۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائے۔

☆ کہتے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو غیبت کیا کرتا ہے، اس شخص جیسا شمار ہوتا ہے جس نے مخفیق نصب کر رکھی ہو اور اس سے اپنی نیکیوں کو نشانہ لگا رہا ہو۔ کبھی کسی خراسانی کی غیبت کرتا ہو اور کبھی کسی ترکی کی اور یوں وہ اپنی نیکیاں بکھیر رہا ہو گا اور جب اٹھے تو اس کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔

☆ صوفیا کہتے ہیں کہ ایک شخص کو اس کا نامِ اعمال دیا جائے گا وہ اس میں ایسی نیکیاں لکھی دیکھے گا جو اس کے علم

میں بھی نہ ہوں گی۔ چنانچہ کہا جائے گا یہ وہ نیکیاں ہیں جو اس وجہ سے لکھی گئی ہیں کہ لوگوں نے تمہاری غیبت کی تھی اور تمہیں پیہ بھی نہ چل سکا تھا۔

غصہ

روحانی طمانیت، ذہنی سکون اور خوش رہنے کے لیے غصہ سے بچنے کی بڑی ضرورت ہے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے کو ضبط کرے۔ ہر ایک سمجھدار آدمی یہ کہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے غصے سے بچیں کیونکہ غصے کی حالت میں عقل ماری جاتی ہے۔ انسان کچھ بھی کر سکتا ہے جو کہ عام گالی گلوچ سے لے کر کسی کو قتل کرنے تک ہو سکتا ہے، پھر جب غصہ اترتا ہے تو انسان اپنے کئے پر پچھتا رہا ہے۔ بقرطی کہتا ہے:

”غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو بھی بے وقوف بنا دیتا ہے۔“

اس کا مرکز دماغ نہیں بلکہ انسان کا دل بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسرے جذبات جیسے پیار وغیرہ کا مرکز بھی دل ہوتا ہے۔ گو کچھ لوگ پیار بھی دماغ سے ہی کرتے ہیں اور پیار میں بھی ہر وقت نفع نقصان کا ہی سوچتے رہتے ہیں۔ اگر بغور ان لوگوں کے احوال کا مطالعہ کیا جائے تو یہ لوگ قابل رحم ہیں۔ اب اس سے بچنے کی ترکیب کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ علاج جس چیز کا بھی کیا جاتا ہے۔ پہلے اس کو سمجھیں کہ اس کی وجہ کیا ہے اور یہ کہاں سے پیدا ہوا ہے؟ پیار اور غصہ عام سطحی دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ زیادہ گہرائی سے آتے ہیں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دل کی پیداوار ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو ذہن کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔

غصہ اور سیرت صحابہ کرامؓ

روایت میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے غلام نے (جوان کی بکریاں چراتا تھا) ان کی ایک بکری کی ٹانگ توڑ دی، جب بکریاں ابوذرؓ کے پاس آئیں تو انہوں نے دریافت کیا کہ اس بکری کی ٹانگ کس نے توڑ دی۔ غلام نے کہا میں نے توڑی! اس نے کہا اس لئے کہ آپ کو میرے غل سے غصہ آئے اور آپ مجھے غصہ میں ماریں اور گنہگار ہوں۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا ”بیشک جب تو مجھے غصہ پر ابھارے گا تو میں ضرور غصہ کروں گا! جائو آزاد ہے۔“

اسی طرح ایک اور روایت حضرت ابوذر غفاریؓ کے حوالے سے ہی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذرؓ اپنے اونٹ کو ایک حوض سے پانی پلا رہے تھے، کچھ لوگوں نے تیزی دکھائی تو وہ حوض ٹوٹ گیا۔ آپ بیٹھ گئے اور پھر لیٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ:

”غصہ آجائے تو بیٹھ جایا کرو، اگر زائل ہو جائے تو بہتر ورنہ لیٹ جایا کرو۔“

انجیل شریف میں ہے۔

”اے میرے بندے! تجھے غصہ آجایا کرے تو مجھے یاد کیا کر، کیونکہ پھر میں بھی تمہیں اپنے غصہ کی حالت میں یاد کروں گا۔“

ایک عورت نے حضرت مالک بن دینار سے کہہ دیا کہ اے ریاکار! آپ نے فرمایا اے فلاں عورت! تم کو تو ہر اوہ نام معلوم ہو گیا ہے جو بصرہ میں کسی کو معلوم نہیں ہے۔

تین نمایاں چیزیں

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا تین ایسی چیزیں ہیں جو تین افراد ہی کے پاس ہوا کرتی ہیں۔

(1) انسان کی بردباری کا پتہ چلتا ہے تو صرف غصہ کی حالت میں۔

(2) انسان کی بہادری جنگ کرنے ہی پر معلوم ہو سکتی ہے۔

(3) ضرورت پڑے تو بھائی کے پیار کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ”الہی! میرا ایسا وصف بیان نہ کیا جائے جو میرے اندر موجود نہ ہو، چنانچہ

اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے موسیٰ! یہ بات تو تم نے میری خاطر کی ہے تو میں تمہاری خاطر اسے کیوں کروں گا؟

حضرت یحییٰ بن زیاد حارث کا ایک بد اخلاق اور بد تمیز غلام تھا۔ اُس کے بارے میں آپ سے کہا گیا کہ یہ غلام

آپ نے کیوں رکھا ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بردباری سیکھنے کے لیے۔ فرمان خداوندی ہے:

وَأَسْبَغْ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً (سورہ لقمان: 20)

اللہ تعالیٰ نے کثیر تعداد میں تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔

اس حوالے سے عرفاء کہتے ہیں کہ ظاہر نعمتیں یہ ہیں کہ ہر چیز کو اللہ نے ایک خاص صورت میں پیدا فرمایا ہے اور

باطنی نعمتوں کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اخلاق سے مزین کیا جائے۔

حضرت فضیلؒ نے فرمایا: ایک فاجر و فاسق مگر اچھے اخلاق والے کو میں عبادت گزار بدخلق کے مقابلے میں اچھا

سمجھتا ہوں۔

کہتے ہیں کہ رواداری سے لوگوں کی ناقص باتوں کو برداشت کرنا اچھے خلق کی علامت ہے۔

غضب اور غصہ وقار اور حلم کو برباد کرتے ہیں

وقار اور حلم کا برباد کرنے والا غیظ و غضب ہے اور اس کے باعث انسان عدل و انصاف کی حدوں سے گزر کر ظلم و

ستم تک پہنچ جاتا ہے۔ غضب کے باعث دل کا خون جوش مارنے لگتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنے سے بالاتر پر غصہ کرتا ہے

جس پر وہ اپنی بھڑاس نہ نکال سکے تو غیظ و غضب سے جوش مارنے والا خون باہر کی جلد سے آکر دل میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور

غصہ میں یہ بھی دیکھیں کہ آپ کو جس بات پر غصہ آیا ہے کیا وہ واقعی اہم ہے۔ عموماً ہم چھوٹی موٹی چیزوں پر اوجہ ہی ناراض ہو کر اپنی روحانی قوت کو کمزور کرتے رہتے ہیں۔

بخل

بخل کی تعریف

هُوَ الْإِسْرَافُ حَيْثُ يَنْبَغِي الْبَذْلُ، كَمَا أَنَّ الْإِسْرَافَ هُوَ الْبَذْلُ حَيْثُ يَنْبَغِي الْإِسْرَافُ وَ كَلَاهُمَا مَذْمُومَانِ وَالْمَحْمُودُ هُوَ الْجُودُ وَالسَّخَاءُ.

جن چیزوں کو خرچ کرنا چاہیے انہیں روکنا، جیسے فضول خرچی وہ ہے کہ انسان کو جن چیزوں کو خرچ نہیں کرنا چاہیے انہیں خرچ کر دینا اور یہ دونوں یعنی بخل اور اسراف مذموم ہیں اور جو اچھی اور پسندیدہ چیز ہے وہ بخشش اور سخاوت ہے۔

قرآن مجید اسراف اور بخل دونوں کی مذمت کرتا ہے جیسے

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (سورہ فرقان: 67)

اور یہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کجیوی سے کام لیتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان اوسط درجہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

بخل کس قدر مذموم صفت ہے اس کا اندازہ ہمیں اس واقعہ سے ہو جاتا ہے۔

”ایک روز ثعلبہ بن حاطب انصاری پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ خداوند عالم مجھے ثروت عطا کرے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ثعلبہ! وہ قلیل ثروت کہ جس کے ساتھ خدا کا شکر ادا کر سکے، اُس بڑی دولت سے زیادہ بہتر ہے کہ جس کے ساتھ اس کا شکر ادا نہ کر سکے۔ ثعلبہ وہاں گیا پھر دوبارہ واپس پلٹ آیا اور وہی بات پھر سے دہرائی، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھے میری ”پیروی“ کا پاس نہیں، خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو یہ پہاڑ میرے لئے سونے کا بن جائے گا۔ ثعلبہ وہاں سے چلا گیا پھر تیسری بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہی پرانی بات دہرائی اور کہا۔

اگر خدا مجھے ثروت دے تو میں ہر حق دار کو اس کا حق نکال کر دے دوں گا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ خدا یا! ثعلبہ کو کچھ مال عطا فرما۔ ثعلبہ نے کچھ بھیڑیں خرید لیں، آہستہ آہستہ بھیڑوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ ابتدا میں ثعلبہ پانچ وقت کی نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے جماعت سے پڑھا کرتا تھا۔ پھر زیادہ مصروفیت کی وجہ سے صرف ظہر کی نماز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھنے لگا اور باقی نمازیں چھوٹ گئیں۔ پھر بھیڑوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ وہ فقط جمعہ کی نماز پڑھنے میں نہ آتا تھا۔ کچھ دنوں بعد یہ سلسلہ بھی ٹوٹا۔ لیکن جمعہ کے دن وہ گزرگاہ

اس سے غم اور حزن کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اندوہ نہانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صوفی ایسی لغویت کی طرف توجہ نہیں دیتا (پس ان پر رنج کرنا بیکار ہے) صوفی تسلیم و رضا کا پیکر ہے اس کو اطمینان و یقین حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے غیظ و غضب اور غم و حزن کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ یعنی اگر طاقت و کمزور سے جھگڑا کرتا ہے تو غیظ و غضب ظاہر ہو جاتا ہے اور اگر اپنے سے زیادہ طاقت والے سے اس کا جھگڑا ہے تو وہ اپنے اس غضب کو غم کی شکل میں چھپا لیتا ہے۔ حزن بھی ایک قسم کا غضب ہے مگر یہ اس وقت ظہور میں آتا ہے جب کوئی دوسرا شخص اس پر غیظ و غضب کرتا ہے (یہ شخص منفذ و معتبہ ہو) اور اگر کسی کو اپنے ایسے برابر والے پر غصہ آئے جس سے انتقام لینے میں تردد ہو تو اس صورت میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے (جذبہ انتقام کینہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے)۔ صوفی کا قلب اس کینہ سے پاک و صاف ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”وَنُوعِنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ“ (سورہ الحج: 47)

ترجمہ: ”ہم نے ان کے سینوں سے کینے کو نکال لیا۔“

غصہ اور اس کا علاج

اس کا علاج کرنے کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ تو عام لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ غصے کو کنٹرول کریں۔ اس کے لیے آپ کو اپنی قوت ارادی استعمال کرنا ہوگی۔ آپ کی قوت ارادی جتنی مضبوط ہوگی آپ غصے کو قابو کرنے میں اتنا ہی جلدی کامیاب ہونگے۔ اس کی ایک ترکیب اسلام میں یہ بتائی گئی ہے کہ جب غصہ آئے تو آپ وضو کر لیں تو غصہ غائب ہو جائے گا۔ جو بڑی اچھی ترکیب ہے۔ لیکن اگر غصے ہونا عادت میں شامل ہو جائے تو اس کو ختم کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ جب بھی آپ کو غصہ آئے تو آپ خاموش بیٹھ کر اپنے ذہن میں اس کو محسوس کریں۔ اپنے غصہ کی حالت کی فلم دماغ میں دہرائیں، یہ چیز آپ چند منٹ تک کریں اس میں غصہ کو دبانے کی کوشش نہ کریں بلکہ چپ چاپ اس کو محسوس کریں اور دیکھیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ چند بار ایسا کرنے کے بعد آپ کو غصہ آنا بند ہو جائے گا۔

ایسا کرتے وقت اگر آپ یہ تصور کریں کہ غصہ آپ کو نہیں کسی اور کو آ رہا ہے۔ آپ علیحدہ ہیں اور بیٹھے دیکھ رہے ہیں تو نتیجہ اور بھی اچھا نکلے گا۔ لیکن ایسا کرنے میں انسان کو زیادہ یقین کا مالک ہونا چاہیے۔ ہر آدمی کے لیے یہ آسان نہیں حالانکہ یہ ترکیب ہر بری عادت کی اصلاح کے لئے بڑی کامیابی سے استعمال کی جاسکتی ہے۔

آپ جس بری عادت کو ختم کرنا چاہیں تو اس کی بہترین ترکیب یہ ہے کہ ہر روز ایک مخصوص وقت پر پندرہ سے بیس منٹ گوشہ تنہائی میں آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں اور خود کو یہ کرتا دیکھیں۔ ایسا دیکھیں کہ جیسے ٹی وی پر فلم دیکھ رہے ہیں۔ دو سے تین ہفتوں میں یہ عادت ختم ہو جائے گی۔

پہ جاتا اور ہرگز رنے والے سے مدینہ کے حالات دریافت کرتا۔ ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کا حال پوچھا تو بتایا گیا کہ ثعلبہ کے گوسفندوں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوا ہے کہ اب مدینہ میں ان کے رہنے کی کوئی جگہ میسر نہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: حیف ہے ثعلبہ پر! کچھ مدت بعد زکوٰۃ کی آیت اتری۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم اور جہینہ سے دغفر کا انتخاب کر کے انہیں جمع آوری زکوٰۃ کا دستور دیا اور ثعلبہ اور بنی سلیم کے ایک شخص کے نام خط بھی لکھا۔ وہ لوگ ثعلبہ کے پاس گئے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط پڑھ کر سنایا اور زکوٰۃ کی درخواست کی۔ ثعلبہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہا: یہ جزیہ ہے یا شبہ جزیہ ہے (جو کفار اسلامی ملک میں زندگی بسر کریں اسلام ان سے جزیہ لینے کا حکم دیتا ہے) فی الحال چلے جاؤ۔ دوسروں سے لینے کے بعد دوبارہ آنا۔

یہ لوگ بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس گئے جب وہ حالات سے باخبر ہوا تو بہترین اونٹوں کا انتخاب کر کے زکوٰۃ میں دے دیئے۔ اسے کہا گیا تھے بہترین اونٹوں کا انتخاب کر کے دینے کا حکم نہیں دیا تھا؟ اس نے جواب دیا میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے۔ اور لوگوں سے بھی زکوٰۃ لی۔ پھر دوبارہ ثعلبہ کے پاس پلٹ کر گئے۔ ثعلبہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط مانگا اور خط پڑھنے کے بعد پھر وہی جواب دہرایا کہ ابھی جاؤ میں سوچوں گا۔ یہ جزیہ ہے یا شبہ جزیہ ہے۔

یہ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لوٹ کر آئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا سارا قصہ نقل کرنے سے پہلے ہی فرمادیا۔ افسوس اور حیف ہے ثعلبہ پر۔ اور بنی سلیم کے شخص کے حق میں دعا کی۔ مامورین زکوٰۃ نے سارا قصہ آپ کو سنایا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ ءَاتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّآ ءَاتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهٖ (سورہ توبہ: 75-75)

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا کہ اگر وہ اپنے فضل و کرم سے عطا کر دے گا تو اس کی راہ میں صدقہ دیں گے اور نیک بندوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جب خدا نے اپنے فضل سے عطا کر دیا تو بخل سے کام لیا۔ یہ آیت ثعلبہ کے لیے نازل ہوئی۔ (اسد الغابہ ج 1 ص 237-238)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ: ”بندہ مومن کے دل میں ایمان اور بخل دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔“

لا لچ

روحانیت میں لا لچ کو ختم کرنے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ مہاتما بدھ کے الفاظ ہیں کہ ”جب نفرت لا لچ اور کینہ کی آگ بجھ جاتی ہے تو انسان کو نروان (داعی سکون) مل

جاتا ہے“ لا لچ کی کوئی حد نہیں ہوتی انسان لا لچ کے چکر سے کم ہی بچ سکتا ہے۔ لا لچ مختلف قسم کا ہوتا ہے کسی کو روپے پیسے کا لا لچ ہوتا ہے، کسی کو طاقت و عہدے کا، کسی کو تعریف سننے کا، کسی کو جنس مخالف کا، کسی کو لوگوں کی توجہ ملنے کا۔

دنیا میں تقریباً ہر آدمی میں کسی نہ کسی قسم کا لا لچ موجود ہوتا ہے، گویا مادی دنیا میں آپ کو ہر چیز کی ایک نہ ایک حد تک ضرورت ہوتی ہے لیکن ضرورت کی بھی ایک حد ہے۔ اس کے بعد سب چیزیں لا لچ میں آ جاتی ہیں۔

ایک دلچسپ محاورہ ہے کہ جب تک لا لچ زندہ ہے ٹھکوں کو کوئی فکر نہیں۔

اسلام میانہ روی کا مذہب ہے، آپ کو اس دنیا میں رہنا ہے، تیاگ دنیا کی اجازت نہیں ہے۔ ہر چیز کی آپ کو ضرورت ہے لیکن طمع کسی چیز میں مت کریں۔ روحانیت میں بڑا خطرہ لوگوں کی تعریف و تکریم سننے کا ہوتا ہے، یہ بھی ایک لا لچ ہوتا ہے جب آپ کو کوئی مادی چیز ملتی ہے تب یا تو انسان کو اس کے کھودینے کا خوف رہتا ہے یا اس کا لا لچ بڑھ جاتا ہے کہ مزید ملے۔ اس لیے دوسرے مذاہب کے روحانیت والوں نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی کہ کچھ پاس مت رکھو۔ کوئی خواہش ہی نہ رکھو تا کہ انسان ان لالچوں سے آزاد رہے۔

لیکن اسلام کی روحانیت میں حکم یہ ہے کہ سالک کو چاہیے کہ کسی چیز سے اتنا پیار بھی نہ کرے کہ اس کے کھونے کا افسوس ہو۔ جب بھی کسی چیز کا لا لچ ہوتا ہے تو اگر وہ مل جائے تو کسی وجہ سے اسے کھونے کا ڈر رہتا ہے اور جس چیز سے ڈرو وہی ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں لا لچ کے لیے ہلوع کا لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ خالق نے سورہ معارج میں ارشاد فرمایا

”اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكٰ فٰسِقٌ“ (سورہ معارج: 19)

ترجمہ: بے شک انسان بڑا لالچی پیدا ہوا ہے۔

”ہلوع مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی بہت زیادہ لالچی ہونے کے ہیں۔“ لا لچ انسان کو غلام بناتا ہے اور یہ انسان کو دونوں جہان میں رسوا کرتا ہے۔ اس حقیقت کو اس واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک روز حجاج بن یوسف ثقفی بازار میں گشت کر رہا تھا۔ ایک دودھ فروش کو دیکھا کہ جو خود ہی سے کچھ بول رہا تھا۔ حجاج ایک طرف کھڑا ہوا اور اس کی باتیں چپکے سے سننے لگا جو یہ کہہ رہا تھا ”اس دودھ کو بیچوں گا، اس کی قیمت اس قدر ملے گی اور اس طرح آئندہ جو کاروبار کروں گا یعنی دودھ بیچوں گا اس کی قیمت اور اس کے پیسے سے ایک بھیڑ خرید لوں گا، پھر اس کے دودھ سے بھی فائدہ اٹھاؤں گا باقی پیسہ جمع کر کے ایک دن سرمایہ دار بن جاؤں گا۔ یہاں تک کہ ایک حساب معین کر کے یہاں تک پہنچا کہ کچھ سالوں کے بعد ایک بڑا سرمایہ دار بن جاؤں گا اور بہت سارے بھیڑ، بکری اور گاؤں کا مالک بنوں گا۔ اس وقت حجاج بن یوسف سے بیٹی کی خواستگاری کروں گا۔ حجاج کی بیٹی سے شادی کے بعد ایک باوقار آدمی بن جاؤں گا۔ اگر کسی دن حجاج کی بیٹی نے میرا کہنا نہ مانا تو میں اس کو پاؤں کے ساتھ ایسی ٹھوک ماروں گا کہ اس کے دانت گرادوں گا۔ یہ کہہ کہ پاؤں اٹھایا اور پاؤں دودھ کے برتن سے جا لگا جس کی وجہ سے سارا دودھ زمین پر بہہ گیا۔“

اتنے میں حجاج سامنے آیا اور اپنے دو سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے لٹایا جائے اور سو کوڑے مارے جائیں۔ دودھ فروش کہ جو خیالی پلاؤ پکار رہا تھا کہ وہ ابھی آرزو کے محل کے گرنے سے رنجیدہ تھا۔ حجاج سے پوچھتا ہے کہ بے گناہ مجھے کیوں مارتے ہو؟ حجاج جواب دیتا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ میری بیٹی کو لیتے تو اسے اس طرح ٹھوکر مارتے کہ اس کے دانت ٹوٹ جاتے؟ ابھی اس (خالی) ٹھوکر کے بدلے میں سو (حقیقی) کوڑے کھاؤ۔

ریا کاری

روح کو داغ دار اور بیمار کرنے والی ایک خطرناک بیماری جو انسان کے دین و ایمان کو ختم کر دیتی ہے ”ریا ہے“۔ بہت کم لوگ اس بیماری سے بچ نکلتے ہیں اور معاشرے کے بیشتر افراد اس مہلک بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں سورہ ماعون میں خالق نے اس بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرما رہا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَءَوْْنَ

ترجمہ: تو تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں اور دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں۔ لفظ ریا روایت سے ماخوذ ہے اور اصطلاح میں اس معنی میں ہے کہ انسان اس کے ذریعے مقام اور منزلت دوسروں کے دل میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اسی لیے اچھے اچھے اعمال صرف اور صرف دکھانے کے لیے انجام دیتا ہے۔ اس حوالے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانِ ذیشان قابلِ غور ہے۔

سب سے زیادہ میں جس چیز سے ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں وہ ہے شرکِ اصغر۔ کہا گیا: اے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا: قیامت کے دن بندوں کے حساب و کتاب کے وقت پروردگار ان سے فرمائے گا۔ جن کو دکھانے کے لیے دنیا میں تم نے عمل کئے تھے آج انہیں کے پاس چلے جاؤ اور دیکھو کیا ان کے پاس تمہارے لئے کوئی جزا اور ثواب ہے؟

یہ بے دینی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان اپنے کئے ہوئے اعمالِ صالح کو وہم و خیال کے پیچھے برباد کر ڈالتا ہے۔ صرف دین ہی اس کے اعمال کو بطلان سے بچا سکتا ہے۔

جھوٹ

جھوٹ کی لغوی تعریف

”هُوَ مَا يُقَابِلُ الصِّدْقَ“

ترجمہ: وہ چیز جو صدق اور سچ کے مقابل میں ہو۔

جھوٹ کی اقسام

1۔ گفتار میں جھوٹ:

جس کی نشاندہی خالق نے سورہ آل عمران میں کی ہے۔

”وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ“

ترجمہ: یہ خدا کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں

2۔ کردار میں جھوٹ:

سورہ علق میں اس جھوٹ کا ذکر خالق نے ان لفظوں میں کیا ہے۔

كَذَّابًا لَّيِّنًا لَّمْ يَنْتَهِ لَنْسِفًا بِالْأُنَاصِيَةِ نَاصِيَةً كَازِبَةً خَاطِئَةً (سورہ علق: 15)

ترجمہ: یاد رکھو اگر وہ روکنے سے باز نہ آیا تو ہم پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جھوٹے اور خطا کار کو پیشانی کے بل۔

3۔ مادی امور میں جھوٹ:

سورہ یوسف میں اس جھوٹ کا بیان اس طرح آیا ہے۔

”جَاءَ وَأَعْلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ“ (سورہ یوسف: 18)

ترجمہ: اور یوسف کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر آئے۔

4۔ معنوی امور میں جھوٹ:

سورہ نجم میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

”مَا كَذَّبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَى“ (سورہ نجم: 11)

ترجمہ: دل نے اس بات کو جھٹلایا نہیں جس کو آنکھوں نے دیکھا

5۔ مطلقاً جھوٹ:

سورہ عنکبوت میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے

”فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَذِبِينَ“

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان میں کون لوگ سچے ہیں اور کون لوگ جھوٹے ہیں۔

جھوٹ کی مذمت میں ارشاداتِ خداوندی

سورہ زمر میں ارشاد ہوا:

وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ (سورہ زمر: 60)

ترجمہ: اور تم روز قیامت دیکھو گے کہ جن لوگوں نے اللہ پر بہتان باندھا ہے ان کے چہرے سیاہ ہو گئے ہیں۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

”وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ“ (سورہ بقرہ: 10)

ترجمہ: اب اس جھوٹ کے نتیجہ میں انہیں دردناک عذاب ملے گا۔

سورہ زمر میں ارشاد ہوا:

”كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَّهَمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ“ (سورہ زمر: 25)

ترجمہ: اور ان کفار سے پہلے والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تو ان پر اس طرح سے عذاب وارد ہو گیا کہ انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔

سورہ زمر میں ایک اور جگہ اس طرح ارشاد ہوا:

”فَإِذَا قُضِيَ لِلَّهِ الْحُكْمُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِلْعَذَابِ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ“ (سورہ

زمر: 26)

ترجمہ: پھر خدا نے انہیں دنیاوی زندگی میں دنیا میں ذلت کا مزہ چکھایا اور آخرت میں عذاب تو بہر حال بہت بڑا ہے اگر انہیں معلوم ہو سکے۔

سورہ اعراف میں ارشاد ہوا:

”وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ“ (سورہ اعراف: 147)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ ہنرے گو تھے تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

ظلم

ظلم کی تعریف

”وَضَعُ الشَّيْءُ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهِ الْمُخْتَصُّ بِهِ“

کسی چیز کا اپنے مخصوص مقام سے ہٹ کر کسی دوسری جگہ قرار پانا ظلم کہلاتا ہے۔

”إِضَاعَةُ الْحَقِّ وَ عَدَمُ تَأْدِيبِهِ مَا هُوَ الْحَقُّ“

ترجمہ: حق کا ضائع کرنا اور اس چیز کا کہ جو حق ہے ادا نہ کرنا ظلم کہلاتا ہے۔

قرآن کی نظر میں ظلم کے معنی

قرآن مجید میں ظلم کے تین معنی ہیں:

1۔ تاریکی اور ظلمت

سورہ انعام میں:

”وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ“ (سورہ انعام: 1)

ترجمہ: اور تاریکیوں اور نور کو مقرر کیا ہے۔ اس آیت میں ظلم تاریکی کے معنی میں آیا ہے۔

2۔ کمی

سورہ کہف میں:

”وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا“ (سورہ کہف: 33)

ترجمہ: اور کسی طرح کی کمی نہیں کی۔

3۔ گمراہی مطلقاً

سورہ بقرہ میں ظلم کی اس طرح تعریف ہے:

”يُخَوِّجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ“ (سورہ بقرہ: 257)

ترجمہ: جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھروں میں لے جاتے ہیں

قرآن کی نظر میں ظلم کی اقسام

قرآن میں ظلم کی تین قسمیں بتائی گئیں ہیں:

1۔ خدا پر ظلم کرنا

سورہ انعام میں یوں آیا ہے:

”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا“ (سورہ انعام: 21)

ترجمہ: اس سے زیادہ ظالم ہو کون سکتا ہے جو خدا پر بہتان باندھے۔

2۔ لوگوں پر ظلم کرنا

”إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ“ (سورہ شوری: 42)

ترجمہ: الزام ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔

3۔ اپنے آپ پر ظلم کرنا

”فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ“ (سورہ فاطر: 32)

ترجمہ: ان میں سے بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں

ان تینوں مقام پر ظلم درحقیقت اپنے آپ پر کرنا ہے کیونکہ ابتدا ہی سے جب انسان ظلم کی طرف بڑھتا ہے اور کفر، شرک اور نفاق میں مبتلا ہوتا ہے یا دوسروں کے حقوق پہ تجاوز کرتا ہے تو درحقیقت انسان اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور دائمی عذاب اپنے لئے خریدتا ہے لہذا قرآن مجید بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے:

”وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ“ (سورہ نحل: 33)

ترجمہ: اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا ہے جو خود ہی اپنے نفس پر ظلم کرتے رہے ہیں۔

ظلم کے مصادیق قرآن میں

1- کفر

”وَ الْكُفْرُ وَ هُمْ الظَّالِمُونَ“ (سورہ بقرہ: 254)

ترجمہ: اور کافرین ہی اصل میں ظالمین ہیں۔

2- شرک

”إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ“ (سورہ لقمان: 13)

ترجمہ: شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

3- تکذیب رسالت

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ هُمْ ظَالِمُونَ (سورہ نحل: 114)

ترجمہ: اور یقیناً ان کے پاس رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کر دی تو پھر ان تک عذاب آپہنچا کہ یہ سب

ظلم کرنے والے تھے۔

4- خدا پر بہتان باندھنا

”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا“ (انعام: 21)

ترجمہ: اس سے زیادہ ظلم کون کر سکتا ہے جو خدا پر بہتان باندھ لے۔

5- حق بات کی تکذیب

”لَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ“

(سورہ زمر: 32)

ترجمہ: تو اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا..... اور جب اس کے پاس سچی بات آئے تو اس کو جھٹلا دے۔

6- گواہی مخفی رکھنا

”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ“ (سورہ بقرہ: 140)

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواہی (موجود) ہو اور پھر وہ چھپائے

7- مساجد کو آباد کرنے سے روکنا

”وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَ سَعَى فِي خَرَابِهَا“ (سورہ بقرہ: 114)

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا جو مساجد خدا میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش

کرے۔

عجلت پسندی

عجلت پسندی بھی ایک ایسا نفسانی مرض ہے جو انسان کی روح کو داغ دار کر کے اس کی روحانی پرواز میں مانع

ہوتا ہے۔

جلد بازی سے قرآن منع کرتا ہے اور اسے پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتا خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

جلد بازی سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ مریم میں خالق نے ارشاد فرمایا:

”فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ط إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَذَابًا“ (سورہ مریم: 84)

ترجمہ: آپ ان کے بارے میں عذاب کی جلدی نہ کریں ہم دن خود ہی شمار کر رہے ہیں۔

اور پھر سورہ طہ میں ارشاد ہوا

”وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ“ (طہ: 114)

ترجمہ: اور آپ وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن کے بارے میں عجلت سے کام نہ لیا کریں۔

قرآن مجید جلد بازی کی مذمت بھی کرتا ہے اور انسان کو اس سے منع بھی کرتا ہے کیونکہ یہ راہِ کمال میں رکاوٹ

ہے۔

جلد بازی کے حوالے سے یہ داستان قابلِ غور ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے گھر میں کتاب پال رکھا تھا، ایک دن کتے کا مالک خریداری کے لیے گھر سے باہر جاتا

ہے۔ گھر میں ایک شیر خوار بچہ ہے۔ اس امید کے ساتھ کہ جلد ہی واپس لوٹے گا، وہ کتے کو گھر میں کھلا چھوڑ کر ہی چلا گیا۔

جب وہ خریداری کر کے گھر کی طرف لوٹا تو کتا خون آلودہ پنجوں کے ساتھ اس کے استقبال کے لیے دوڑتا ہے۔ جوں ہی

اس کی نظر کتے پر پڑی، سوچا ضرور کتے نے بچے پر حملہ کر کے اسے چیرا ہوگا۔ غصے کے عالم میں اس نے جب سے پستول

نکال کر کتے پر گولی چلا دی اور جلدی سے گھر کے اندر داخل ہوا لیکن گھر کے اندر کا احوال کچھ اور ہی تھا۔ قصہ کچھ یوں تھا کہ

ایک بھیڑ یا اس گھر میں جو شہر سے باہر واقع تھا اور دروازہ کھلا تھا، داخل ہو جاتا ہے اور کمرے میں گھس کر بچے پر حملہ آور

ہوتا ہے۔ کتا بچے کی مدد کو دوڑتا ہے اور بھیڑیے کو دانتوں اور پنجوں کے سہارے باہر نکالتا ہے اور اسے زخمی کر کے بھاگتا ہے

لیکن صاحب خانہ کی جلد بازی باعث بنی کہ کتے کی قدر دانی کے بجائے اسے مار ڈالا۔

صاحب خانہ اپنے فعل پر نادم ہوتا اور کتے کی طرف دوڑ پڑتا ہے تاکہ اسے موت سے نجات دے سکے لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی کتا مر چکا تھا۔ صاحب خانہ کہتا ہے کہ میں نے کتے کی آنکھوں پہ جو کھلی تھی نظر کی اور اس فریاد کو دل کے کانوں سے سنا کہ اے انسان تو کتنا جلد باز ہے تو نے کیونکر اندر گئے بغیر مجھے مار ڈالا! صاحب خانہ بعد میں اسی ماجرا سے متعلق ایک مضمون اس عنوان سے لکھتا ہے: ”(اے انسان تو کتنی جلدی میں فیصلہ کرتا ہے)“

منجیات

اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو روحانی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔

اخلاص

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ“ (سورہ زمر: 3)

ترجمہ: یاد رکھو کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے

تین باتوں میں خلوص دل کی شدید ضرورت

حضرت انس بن مالکؓ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تین ایسی چیزیں ہیں کہ مسلمان کے دل میں ان کے بارے کھوٹ نہیں ہونا چاہیے:

1- اللہ کے لئے کوئی کام کرنا ہو،

2- والیان حکومت سے خلوص نیت،

3- مسلمانوں کی جماعت کا ساتھ دینا۔“

حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کہ اگر انسان طور پر صرف حق تعالیٰ کی عبادت کا نام ”اخلاص“ ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی عبادت گزاری کے وقت صرف اللہ تعالیٰ سے قرب کا ارادہ رکھے، اس کے علاوہ اور کوئی چیز پیش نظر نہ ہو جیسے مخلوق کو دکھلاوا کرنا، لوگوں سے اپنی تعریف کی خواہش کرنا، لوگوں کی تعریف کرنا اور اللہ کے قرب کے علاوہ کوئی مقصد سامنے رکھنا۔

علاوہ ازیں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے لئے اپنے اعمال کو صاف رکھنے کا نام ”اخلاص“ ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہوں سے بچ جانے کا نام ”اخلاص“ ہے۔

ایک مستند حدیث میں آتا ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سنا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ”کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص میرا ایک راز ہے جسے میں اس کے دل میں رکھتا ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔“

وضاحت اخلاص میں حدیث قدسی

میں نے حضرت شیخ ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے سوال کیا کہ ”اخلاص“ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی بن سعیدؓ اور احمد بن محمد بن زکریاؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت محمد بن جعفر اسافؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے تو انہوں نے بتایا تھا کہ میں نے حضرت احمد بن بشارؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے تو انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت ابو یعقوب شریطیؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟

تو انہوں نے بتایا کہ میں نے حضرت احمد بن غسانؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عبد الواحد بن زیدؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے کہا تھا کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اخلاص

خوش جیوے سرفراز شاہ وچ مانچسٹر

تو انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا تھا کہ میں نے رب العزت سے پوچھا تھا کہ اخلاص کیا ہوتا ہے؟ تو اس نے فرمایا:

”یہ میرا ایک راز ہے جسے میں اس بندے کے دل میں رکھتا ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔“

علامات اخلاص

حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کا پتہ تین علامات سے چلتا ہے:

1- لوگوں کا تعریف کرنا یا بد کہنا بندے کے سامنے ایک جیسا ہو جائے۔

2- عمل کے دوران اپنے اعمال کو بھول جائے۔

3- آخرت میں اپنے اعمال کے ثواب کو بھول جائے۔

اخلاص اور اقوال صوفیا

حضرت ابو یعقوب سوسیؒ فرماتے ہیں کہ جب لوگ اپنے اخلاص میں خلوص کا مشاہدہ کرتے ہوں تو ان کا

”اخلاص“ اخلاص پر محتاج ہوتا ہے۔

حضرت سہلؒ فرماتے ہیں کہ صرف غلط ہی ریا کی پہچان کر سکتا ہے۔

حضرت ابو عثمانؓ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی رویت کو خالق کی طرف دائمی نظر کی وجہ سے بھلا دینا اخلاص کہلاتا ہے۔
حضرت حذیفہؓ معشوقی فرماتے ہیں:

”ظاہر و باطن میں بندے کے افعال کی یکسانیت ”اخلاص“ ہے۔“

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: کہ وہ شخص اللہ کی نظر سے گر جاتا ہے جو لوگوں کو اپنی ایسی صفات دکھانے کی کوشش کرے جو اس میں موجود نہیں۔

صدق (سچائی)

صدق کی تعریف

نیت اور ضمیر کے مطابق خبر دینا ”صدق“ کہلاتا ہے۔

صدق قرآن کی نظر میں

سورۃ احزاب میں ارشاد ہوا:

”مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ“ (سورۃ احزاب: 23)

ترجمہ: مومنین میں ایسے بھی مرد میدان ہیں جنہوں نے اللہ سے کئے وعدہ کو سچ کر دکھایا ہے۔

پھر سورۃ نساء میں ارشاد ہوا:

”وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا“ (سورۃ نساء: 87)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ سچی بات کون کرنے والا ہے۔

سورۃ قلم سے آواز آئی:

”أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ“ (سورۃ قلم: 41)

ترجمہ: یا ان کے لیے شرکاء ہیں تو اگر یہ سچے ہیں تو اپنے شرکاء کو لے آئیں۔

سورۃ اسراء میں صدق کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”وَقُلْ رَبِّ اَذِخْلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ“ (سورۃ بنی اسرائیل: 80)

ترجمہ: اور یہ کہ کہنے کہ پروردگار مجھے اچھی طرح سے آبادی میں داخل کرو اور بہترین انداز سے باہر نکال۔

صدق وہ ہے جو سچ بولتا ہو اور سچا کام کرتا ہو اور سچ کے برخلاف کوئی عمل انجام نہ دیتا ہو۔

صدق اور کذاب کون؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بتاتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”بندہ جب مسلسل سچ بولتا اور سچائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے ہاں ”صدق“ نام دے دیا جاتا ہے۔ یونہی

مسلسل آدمی جھوٹ بولتا اور جھوٹ کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ کے ہاں اسے کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔“

استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی دینی کام کا ستون ”صدق“ ہوتا ہے اور دین اسی سے مکمل

ہوتا ہے۔ اسی سے اس کا نظام ہے اور نبوت کے بعد دوسرا مرتبہ اسی کا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ (سورۃ نساء: 69)

ترجمہ: تو یہی لوگ انعام پانے والے نبیوں اور صدیقین کے ساتھ ہوں گے

صدق اور اقوال صوفیا

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا: ”صدق“ ایک ایسی الہی تلوار کا کام کرتی ہے کہ جس پر چلے گی کاٹ کر رکھ

دے گی۔

حضرت ابراہیم بن دوحد، ابراہیم بن سنان کے ہمراہ جنگل کو نکلے تو ابراہیم بن سنان نے کہا دنیاوی چیزیں پھینک

دو، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دینار کے علاوہ ہر شے پھینک دی، انہوں نے پھر کہا، میرا دل مشغول نہ رکھو اور ہر دنیاوی چیز

پھینک دو چنانچہ میں نے دینار بھی دور پھینک دیا۔ پھر فرمایا:

اے ابراہیم! باقی چیزیں بھی پھینک دو! مجھے یاد آیا کہ جوتے کے تھے موجود ہیں چنانچہ وہ بھی نکال

پھینکے۔ راستہ بھر میرا یہی حال رہا کہ جب مجھے تسمے کی ضرورت پڑتی تو مل ہی جاتا اس پر حضرت ابراہیم بن سنان نے فرمایا

کہ صدق دل سے اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا یونہی ہوتا ہے۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: کہ اپنی باجھوں (منہ) تک حرام کو نہ جانے دینا ”صدق“ کہلاتا ہے۔

حضرت عبدالواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں: کہ عمل کے ذریعے حقوق الہی کی ادائیگی ”صدق“ ہوتا ہے۔

حضرت واسطیؒ نے فرمایا: کہ توحید کے صحیح ہونے کا اقرار ہی ”صدق“ ہے۔

زہد فی الدنیا

حضرت ابوخلاد صحابیؒ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”جب ایسا شخص دیکھو جو دنیا میں زہد کر رہا ہے اور

دنیا سے منہ پھیر لینے کی ہدایت کر رہا ہے تو اس کا قرب حاصل کرو کیونکہ وہ داناتی سکھاتا ہوگا۔“

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: جس مال دنیا سے ہاتھ خالی ہوں اس سے دل کا خالی ہونا ”زہد“ کہلاتا ہے۔
حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا کہ: ”مکدڑی“ زہد کی علامت ہوتی ہے۔ لہذا زہد کو نہ چاہیے کہ مکدڑی تو
ملن درہم کی پسینہ اور دل میں پانچ درہم کی خواہش موجود ہو۔
ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ تم دنیا سے بے غرض کیوں ہو؟ اس نے کہا کہ اس لئے کہ وہ مجھ سے بے غرض ہے۔

حسنِ خلق

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلقِ عظیم کا حامل کب کہا گیا؟
عارفین کا کہنا ہے کہ جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرزمینِ حجاز میں مبعوث فرمایا گیا تو اس وقت
آپ کو تمام دنیاوی قوتوں اور خواہشوں سے روک دیا گیا، آپ کو غربت و کرب میں ڈال دیا گیا جب آپ ان آزمائشوں
سے گزر کر برگزیدہ اخلاق کے مالک بن گئے اس وقت آپ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

”وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ“ (سورہ قلم: 4)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا حضور وہ کون سے اخلاق ہیں جن سے متصف ہونے
کے باعث زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”حسنِ اخلاق اور تقویٰ“ پھر دریافت کیا گیا کہ دوزخ میں کثرت
سے کن چیزوں کی بدولت لوگ داخل ہوں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خوشی اور غم! یعنی غم سے مراد فانی
لذتوں کے ضائع ہونے پر غم کرنا، جن کے باعث انسان پریشان اور ناراض ہوتا ہے قدرت پر اعتراض کرنا، اور قسمت پر
شا کر و صابر نہیں ہوتا (راضی برضا نہ ہونا) خوشی سے مراد دنیاوی کامرانیوں اور کامیابیوں پر خوشی سے پھولے نہ سناٹا۔
حالانکہ اس خوشی کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

”لَا تَتَّبِعُوا الْهَوَاۓَ الَّتِي لَا تَنفَعُكُمْ وَلَا تَضُرُّكُمْ“ (سورہ حدید: 23)

”ترجمہ: تم کسی چیز کے زیاں پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو حاصل ہو اس پر خوش مت ہو“

اور یہی وہ خوشی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ“ (سورہ قصص: 76)

ترجمہ: یعنی جس وقت قارون سے اس کی قوم نے کہا کہ تو (اس دولت پر نہ اترا) خوش مت ہو، اللہ تعالیٰ (اس

طرح) خوش ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔“

لیکن جو خوشی آخرت سے تعلق رکھتی ہے یعنی انبساطِ اخروی ہے وہ محدود و پسندیدہ ہے (اس سے نہیں روکا

حضرت سفیان ثوریؒ نے فرمایا: دنیا سے منہ موڑ لینا (زہد) یہ ہے کہ انسان لمبی لمبی امیدیں نہ لگا کر
مفہوم نہیں کہ انسان ثقیل روزی کھاتا رہے اور عبا پہن لیا کرے۔

حضرت سری سقطیؒ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء سے دنیا چھین رکھی ہے۔ اپنے اصنیاء کو اس سے
رکھا ہے اور اہل محبت کے دلوں سے نکال دیا ہے کیونکہ اللہ اسے ان کے لئے پسند نہیں فرماتا۔

زہد کے مفہوم کے لیے اللہ کا یہ فرمان دیکھو:

”لَا تَتَّبِعُوا الْهَوَاۓَ الَّتِي لَا تَنفَعُكُمْ وَلَا تَضُرُّكُمْ“ (سورہ حدید: 23)

ترجمہ: اس لئے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو۔ اس پر جو تم کو دیا

چنانچہ زہد کا یہ کام ہوتا ہے کہ دنیا میں موجود کسی چیز پر خوشی کا اظہار کرے اور نہ ہی ہاتھ سے جانے والی
افسوس کرے۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں: کہ زہد یہ ہوتا ہے کہ تم مالی دنیا چھوڑ دو تو پھر یہ پروا نہ کرو کہ وہ مال کس کے
رہا ہے۔

استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: زہد یہ ہوتا ہے کہ تو دنیا کو جوں کا توں چھوڑ دے یہ نہ کہے کہ میں
بناؤں گا یا مسجد تعمیر کروں گا۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا: کہ زہد، قبضے میں چیز کی سخاوت کرنا سکھاتا ہے اور محبت یہ سکھاتی ہے کہ روح کی
بھی سخاوت کر دو۔

حضرت ابن جلاءؒ نے فرمایا: زہد یہ ہوتا ہے کہ تم مال دنیا کو فنا ہونے والا دیکھو۔ یوں یہ تمہاری نظر میں حقیر ہوگا
جسے چھوڑنا تمہارے لئے آسان ہوگا۔

حضرت ابن خفیفؒ کا فرمان ہے: کہ اپنے قبضے میں مال کے نکل جانے پر تم سکھ کا سانس لو تو پہچان لو کہ یہ زہد
ہے۔

نیز فرمایا: زہد یہ ہے کہ مال تلاش کرنے کے اسباب کو دل میں جگہ نہ دے اور اپنے قبضے میں موجود چیزوں سے
ہاتھ جھاڑ لے۔

کہتے ہیں کہ نفس کا بلا تکلف دنیا سے اعراض ”زہد“ ہوتا ہے۔

حضرت نصر آبادیؒ نے فرمایا کہ: زہد دنیا میں کم دکھائی دیتے ہیں اور عارف آخرت میں خال خال
ہوں گے۔

سچے زہد کے پاس مال دنیا کھینچا چلا آتا ہے اور اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر آسمان سے ٹوٹی گئی تو اس پر جواے

”وَخَافُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ“

ترجمہ: اگر ایماندار ہو تو مجھ سے ڈرتے رہو۔

نیز فرمایا: ”وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهِينَ اثْنَيْنِ ۖ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ط فَإِنِّي لَأَرَاهُمُونَ“ (سورہ

نحل: 51)

ترجمہ: اللہ نے فرمایا دو خدا نہ ٹھہراؤ، وہ تو ایک ہی معبود ہے۔ تو مجھی سے ہی ڈرو۔

اور پھر اللہ نے اس خوف کی بنا پر مومنوں کی تعریف فرمائی کہ:

”يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ“ (سورہ نحل: 50)

ترجمہ: اس رب سے ڈرتے ہیں جو (عظمت میں) ان کے اوپر ہے

خوفِ خدا اور احادیثِ نبویؐ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”وہ شخص جہنم میں داخل نہ ہوگا جو اللہ کے خوف سے روتا ہے یہاں تک کہ (بفرض محال) تھنوں میں دودھ واپس

نہ چلا جائے اور ایک بندے کے تھنوں میں راہِ خدا کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔“

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ”اگر تم جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہشتے اور زیادہ روتے۔“

یہ اس لیے فرمایا کیونکہ ”خوف ایک ایسی حالت ہے جس کا مستقبل سے تعلق ہوتا ہے کیونکہ یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں

کوئی غیر پسندیدہ بات نہ ہو جائے یا محبوب چیز نہ چلی جائے اور یہ دونوں ہی اچھی چیز سے متعلق ہیں جو آئندہ وقت میں

ہونے والی ہوتی ہے اور جو موجودہ وقت میں پائی جاتی ہے اس سے خوف کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہؓ بتاتی ہیں کہ میں نے عرض کی ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے جو فرمایا ہے کہ

ترجمہ: ”وہ لوگ عمل کر رہے ہوتے ہیں پھر بھی وہ ڈرتے جاتے ہیں۔“

کیا یہ وہ لوگ تو نہیں جو چوری، زنا، اور شراب خوری کا ارتکاب کرتے ہیں؟ فرمایا! ”نہیں“ بلکہ اس سے مراد وہ

لوگ ہیں جو روزے رکھتے، نمازیں پڑھتے، صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ تاہم پھر بھی انہیں خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ سب

قبول ہونے سے رہ نہ جائے۔

خوف کی اقسام

حضرت ابوالقاسم حکیمؒ فرماتے ہیں کہ خوف کی دو قسمیں ہیں:

گیا ہے) کہ خوشی میں اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر ہوتا ہے اور اس کی حمد کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا“ (سورہ یونس: 57)

ترجمہ: اے پیغمبر کہہ دیجئے! یہ خدا کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی ہے تو اس پر خوش ہونا چاہیے۔

شیخ عبد اللہ بن مبارکؒ نے حسن اخلاق کی تعریف و تفسیر اس طرح کی ہے کہ ”حسن خلق کا مفہوم یہ ہے کہ کلامِ

روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ بھلائی کی جائے اور لوگوں کو اذیت نہ پہنچائی جائے۔“

حسن خلق اور اقوالِ صوفیا

حضرت ابو حفصؒ سے ”حسن خلق“ کے بارے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

یہ تو وہ اعلیٰ مرتبہ ہے کہ جو خدا نے اپنے اس قول

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ (سورہ اعراف: 199)

ترجمہ: معاف فرماتے رہئے اور بھلائی بتاتے رہئے

کے ذریعے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔

حضرت شاہ کرمانیؒ نے فرمایا: حسن خلق کی علامت یہ ہے کہ کسی کو تکلیف دینے سے رک جائے اور وہ تکلیف

پہنچائیں تو برداشت کر لے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے غمگین کون زیادہ ہے؟ تو فرمایا: ”کہ سب سے برے

اخلاق والا۔“

حضرت وہبؒ نے فرمایا: جس بات کو آدمی چالیس دن تک اپنی عادت بنا لے تو وہ عادت اور خلق اس کی طبیعت

میں سا جاتا ہے۔

خوفِ خدا

خوفِ خدا اور فرامینِ خداوندی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”يَذْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَ طَمَعًا“ (سورہ سجدہ: 16)

ترجمہ: وہ اپنے رب کو خوف اور طمع کی بنا پر پکارتے ہیں۔

اللہ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کہیں اسے اس دنیا یا آخرت میں سزا نہ دے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے

اپنے بندوں پر فرض کر رکھا ہے کہ وہ اس سے ڈرتے رہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”رہبت والا ڈرے تو راہ فرار اختیار کرتا ہے جبکہ ”خشیت“ والا اللہ کے ہاں پناہ لیتا ہے۔

رہب اور ہرب کا معنی بھی ایک ہی ہے لہذا جو بھاگ گیا، وہ اپنی خواہش کے تقاضوں میں چلا گیا جیسے وہ راہب لوگ جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں تو جب علم کی لگام انہیں قابو میں لے لے اور وہ شریعت کے حقوق ادا کرنے لگیں تو یہی ”خشیت“ ہے۔

شکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”لَنْ شَكَرْتُمْ لَا زِيدُنْكُمْ“ (سورہ ابراہیم: 7)

ترجمہ: اگر تم شکر ادا کرو گے میں تمہیں زیادہ دوں گا۔

حقیقتِ شکر کیا ہے؟

حضرت استاد ابوعلی دقاقؒ فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق کے ہاں حقیقتِ شکر یہ ہے ”نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو شکر کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شکر کی جزا دیتا ہے چونکہ شکر کی جزا شکر ہی ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا“ (شوری: 40)

ترجمہ: برائی کی جزا اسی برائی کی طرح ہوتی ہے۔

اللہ کے شکر کا یہ بھی معنی ہے کہ تھوڑے عمل پر زیادہ انعام دے دینا، لغت میں ہے ”دلہ شکور“ جب چارہ کی پست و جانور بھی زیادہ دکھائی دینے لگے تو یہ الفاظ بولتے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ درحقیقت شکر احسان کرنے والے کے احسان پر اس کی تعریف کرنا ہو۔ لہذا بندے کی طرف سے اللہ کا شکر یہ ہوگا کہ بندہ اللہ کے انعامات پر اس کا شکر گزار ہو جائے اور بندے کا ”حقیقی شکر“ یہ ہے کہ زبان سے اللہ کی تعریف کرے اور دل سے اس کے انعامات کا اقرار کرے۔ بندے کی طرف سے تعریف یہ ہوگی کہ یہ اس کی عبادت کرے اور اللہ کے احسان کا مطلب یہ ہوگا کہ اپنا شکر کرنے کی توفیق دینے کا انعام فرمائے۔

اقسامِ شکر

شکر کی طرح سے ہوتا ہے:

1- زبان سے

نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کا اقرار کرنا

2- بدن اور اعضا سے

وفاداری اور خدمت دکھانا

3- دل سے

اللہ کے احترام کا خیال کرتے رہنا اور دائمی طور پر اس کے احسان کو پیشِ نظر رکھنا۔ کہا جاتا ہے کہ

1- ایک شکر عالموں کا ہوتا ہے جو ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

2- ایک عبادت گزاروں کی صفت بنتا ہے جو ان کے عملوں سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

3- ایک عارفوں کا شکر ہے جو اپنے عام حالات میں اللہ کی نعمتیں دیکھتے ہیں اور ان پر کامل یقین دکھاتے ہیں۔

حضرت حمدونؒ فرماتے ہیں کہ:

شکر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تم اپنے نفس کو عارضی سمجھو اور ایک طفیلی خیال کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ: شکر میں ایک سبب موجود ہوتا ہے کیونکہ شکر کی ادا یگی کرتے وقت انسان

اپنے نفس کے لیے زیادہ مانگ رہا ہوتا ہے تو گویا وہ اللہ کے سامنے اپنے نفس کے لالچ کی خاطر کھڑا ہوتا ہے۔

حضرت ابو عثمانؒ فرماتے ہیں کہ:

شکر اس پہچان کو کہتے ہیں جو شکر سے عاجزی کی بنا پر حاصل ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ شکر کرنے پر شکر ادا کرنا، عام شکر سے افضل ہوتا اور وہ یوں کہ تم اپنے شکر کو اللہ کی توفیق سمجھو جس کا

سبب یہ ہوگا کہ وہ تم پر انعام کرنا چاہتا ہے تو گویا تم شکر پر شکر کر رہے ہوتے ہو یوں دوبارہ شکر پر شکر کر د جس کی انتہا نہ ہو۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ شکر یہ ہوتا ہے کہ تو اپنے آپ کو نعمتوں کا اہل نہ سمجھے

حضرت رویؒ فرماتے ہیں کہ: شکر کا مفہوم یہ ہے کہ تو پوری قوت سے انعام کرنے والے کی اطاعت کرے۔

رجا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

”مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنْ أَجَلَ اللَّهُ لَكَ لَاتٍ“ (سورہ عنکبوت: 5)

ترجمہ: جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو پھر اللہ کی طرف سے موت آئی رہی ہے۔

حضرت علاء بن زیدؒ بیان کرتے ہیں کہ:

میں مالک بن دینارؒ کے ہاں گیا تو شہر بن حوشب کو وہاں دیکھا ہم وہاں سے نکلے تو میں نے حوشب سے کہا کہ

اللہ تمہیں سلامتی دے، مجھے کچھ سناؤ! حضرت مالکؒ نے کہا ہاں! سنا تا ہوں، مجھے میری پھوپھی ام الدرداءؒ نے حدیث

سنائی، انہوں نے کہا ”تمہارا پروردگار فرماتا ہے:

”اے میرے بندے! جب تک تو میری عبادت کرتا اور مجھ سے امید لگائے ہوئے ہے اور میرا شریک نہیں بناتا تو تم سے جو برائے ہو جائے گا میں معاف کر دوں گا۔ اگر تو زمین کی وسعت جتنے گناہ اور لغزشیں لے کر بھی میرے پاس آئے گا تو میں تمہیں اتنی بخشش سے نواز دوں گا اور تمہیں بخش دوں گا کیونکہ مجھے کسی سے ڈر نہیں۔

رجا کا مطلب

مستقبل میں جلد حاصل ہو جانے والی چیز سے دل کے تعلق کو ”رجا“ کہتے ہیں اور جیسے خوف، مستقبل کے زمانے میں ہونے والے کام سے تعلق رکھتا ہے ویسے ہی ”رجا“ اس چیز سے تعلق رکھتی اور اس سے حاصل ہوتی ہے جس کی زمانہ آئندہ میں امید ہو اور اسی ”رجا“ سے دلوں میں زندگی کی رُمق موجود ہے اور انہیں استقلال حاصل ہے۔

رجا اور تمنا میں فرق

یہ ”تمنا یا آرزو“ آرزو مند کے دل میں سستی پیدا کر دیتی ہے اور وہ کسی سخت راستے میں نہیں پر سکنا نہ ہی اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔ لیکن ”امید“ والا بالکل اس کے برعکس ہے، اس لئے ”رجا“ ایک بہتر عمل ہے جبکہ ”تمنا“ ایک ناقص فعل ہے۔

صوفیاء کے ”رجا“ کے بارے میں بہت سے ارشادات ہیں، چنانچہ حضرت شاہ کرامانیؒ فرماتے ہیں:

”اچھی عبادت اس بات کا پتہ دیتی ہے اس شخص میں ”رجا“ موجود ہے۔“

رجا کی اقسام

حضرت ابنِ خلیفہؒ فرماتے ہیں کہ ”رجاء“ تین قسم کی ہوتی ہے۔

- 1- ”رجا“ اس آدمی میں پائی جاتی ہے جو نیک کام کرنے اور ان کی قبولیت سے پُر امید ہو۔
- 2- اس آدمی میں ہوتی ہے جو برائی کرے۔ پھر توبہ کر لے اور بخشش کی امید رکھے۔
- 3- وہ جھوٹا آدمی جو مسلسل گناہ کرتا رہے اور مغفرت کی امید رکھے (یہ بھی تو ”رجا“ ہے) جو شخص یہ جانتا ہے کہ اس نے برے کام کئے ہیں اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ رجا کے مقابلے میں دل کے اندر خوف خدا زیادہ رکھے۔

کہتے ہیں کرم فرما۔ نے والے اور محبت رکھنے والے کی طرف سے امید سخاوت ”رجا“ کہلاتی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے جلال و عظمت کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام ”رجا“ ہے۔

کچھ صوفی فرماتے ہیں کہ دلوں کے اللہ کی مہربانی سے قرب کو ”رجا“ کہتے ہیں۔ کچھ صوفیاء کا قول ہے کہ اچھے انجام (حسن خاتمہ) پر دلوں کے خوش ہونے کو کہتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ: ”کہ اللہ کی وسیع رحمت کو دیکھنے کا نام ”رجا“ ہے۔“

الْجُوعُ وَقَوْلُكَ الشَّهْوَةَ (بھوک اور ترکِ خواہش)

اللہ تعالیٰ سورہ بقرہ میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ“ (سورہ بقرہ: 155)

ترجمہ: ہم کچھ خوف اور بھوک کے ذریعے تمہاری آزمائش کریں گے۔

پھر آیت کے آخر میں فرمایا:

”وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ“ یعنی آپ انہیں خوشخبری دے دیں کہ تمہاری بھوک کے اندازے کے مطابق صبر کرنے پر تمہیں اچھا ثواب ملے گا۔

پھر آگے چل کر سورہ حشر میں خالق نے ارشاد فرمایا:

”وَيُؤْتُونَكَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ“ (سورہ حشر: 9)

ترجمہ: اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیں گے اگرچہ خود ضرورت مند ہوں۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ از سرِ اسلام اللہ علیہا فرماتی ہیں کہ:

میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئی تو آپ نے پوچھا فاطمہ (سلام اللہ علیہا)! یہ ٹکڑا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی میں نے ایک روٹی پکائی تھی تو میرے دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اکیلی کھا جاؤں چنانچہ یہ ٹکڑا آپ کے لیے لائی ہوں۔

اس پر آپؐ نے فرمایا کہ یہ پہلا کھانا ہے کہ تین دن کے بعد تیرے باپ کے پیٹ میں جا رہا ہے۔ اسی سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے بھوک صوفیاء کی صفات میں شمار ہوتی ہے اور مجاہدے کا ایک رکن ہے۔ کیونکہ اہل سلوک نے آہستہ آہستہ بھوکا رہنے کی عادت ڈالی اور کھانے سے رکتے گئے۔ پھر انہیں اس بھوک کے نتیجہ میں حکمت کے چشمے ملے۔

اس بارے میں صوفیاء کی بہت سی حکایتیں ملتی ہیں۔

☆ حضرت سعد بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں کہ:

جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا فرمایا تو شکم سیری میں نافرمانی و جہل کو رکھا اور بھوک میں علم و حکمت کو رکھا۔

☆ حضرت یحییٰ بن معاذؒ نے فرمایا:

بھوک مریدین کے لئے ایک ریاضت ہے، توبہ کرنے والوں کے لیے تجربہ، زاہدوں کے لیے سیاست اور عارفوں کے لیے ایک بزرگی کی حیثیت رکھتی ہے۔

☆ حضرت عبدالعزیز بن عمر فرماتے ہیں کہ:

پرندوں کی ایک قسم چالیس دن تک بھوکا رہی پھر ہوا میں اڑ گئی جب چند دن بعد واپس آئے تو ان کی خوشبو آتی تھی۔

☆ حضرت سہل بن عبداللہ جب بھوکے رہتے تو قوی نظر آتے اور جب کھالیتے تو کمزور ہو جاتے۔

انہیں سے پوچھا گیا: اس آدمی کے بارے میں بتائیں جو دن میں ایک بار کھانا کھاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدیقین کا طریقہ ہے۔ اس نے پوچھا کہ جو دو دفعہ کھائے تو؟ انہوں نے بتایا کہ مؤمنین کا طریقہ ہے۔ اگر تین بار کھائے تو؟ آپ نے کہا: اس کے گھر والوں سے کہہ دو اس کے لیے تھان (جسے پنجابی میں کھڑی کہتے ہیں) تیار کر دیں۔

☆ حضرت سلیمان دورانی فرماتے ہیں کہ:

دنیا کی چابی شکم سیر ہو کر کھانا ہے اور آخرت کے اجر کی چابی بھوک ہوتی ہے۔

☆ حضرت ابوالقاسم جعفر بن احمد راضی کہتے ہیں کہ حضرت ابوخیثمہ عسقلانی کو سال بھر مچھلی کھانے کی خواہش رہی انہیں حلال طریقے سے کھانے کا موقع ملا۔ جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مچھلی کا ایک ٹکڑا ان کی پیشانی پر چبھ گیا جس سے ان کا ایک ہاتھ ضائع ہو گیا۔ انہوں نے عرض کی، اے رب! تو اس شخص کا حال جس نے حلال طریقے سے کھانے کی طرف خواہش سے ہاتھ بڑھایا تو پھر اس شخص کا حال کیا ہوگا جو خواہش سے حرام کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے۔

صبر

اللہ تعالیٰ سورہ نحل میں ارشاد فرماتا ہے:

”وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ“ (نحل: 127)

ترجمہ: صبر کیجئے اور یہ اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہ ہے۔

روحانیت میں صبر ایک اہم ترین چیز ہے۔ اگر صبر کی صفت نہ ہو تو کوئی انسان یقیناً کامل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دنیا کی ہر کامیابی میں چاہے وہ مادی ہو یا روحانی، صبر بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ جس نے اسے سمجھ اور سیکھ لیا اس کے آدھے سے زیادہ مسائل حل ہو گئے اور آدھی کامیابی مل گئی۔ بے صبر انسان وادی روحانیت میں ناکام رہتا ہے۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھنے کی بات ہے کہ ”صبر“ کیا ہوتا ہے۔

کچھ لوگ صبر کے معنی مشکلات یا ظلم کے وقت ”اف“ تک نہ کرنے کو کہتے ہیں۔

دوسرے لوگوں کے نزدیک مشکلات میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جانے کا نام صبر ہے۔

کچھ لوگوں کے نزدیک ”ناکامی یا شکست“ ہو جانے کے بعد دوبارہ تیاری کرنے اور کامیابی کے موقع کی تلاش میں رہنے کو صبر کہتے ہیں۔

ایک مغربی دانشور پینزن کہتا ہے کہ ”صبر مایوسی کی وہ قسم ہے جسے خوبی کا نام دے دیا گیا ہے۔“

لیکن اس کے برعکس قرآن میں جگہ جگہ صبر کی تلقین کی گئی ہے اور ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ ”اللہ سے امید رکھو“ صبر کا ایک مطلب یہ بھی ہے، دل نہ چھوڑنا اور پرامید رہنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خواہ وہ الجھنے کے بجائے امید اور موقع کے انتظار میں رہو اور ناکامی کی وجہ سے بدل نہ ہو جاؤ۔

قرآن میں صبر کا مطلب جسے رہنا ہے۔

صبر کا مکمل مطلب یہ ہے کہ آپ خود کو سکون کی حالت میں رکھیں حالات جیسے بھی ہوں۔ ”پرامید رہیں“۔ بے مہرے ہو کر خود حالات سے نہ لڑیں۔ اپنے آپ کو وقت کے بہاؤ کے ساتھ چلنے دیں۔ تھوڑے وقت کے بعد مواقع خود نمودار آپ کے سامنے آجائیں گے وقت کے بہاؤ کے ساتھ چلتے چلتے۔ ہر چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی اچھی یا بری ہر چیز میں اللہ کی طرف سے کوئی بہتری سمجھنی چاہیے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جیسے آپ نہر میں تیر رہے ہیں۔ اب اگر آپ بہاؤ کے ساتھ آسانی سے تیرتے چلے جائیں، بغیر کسی مشکل کے پرامید اور خوش باش رہیں۔ زمانے کی اسی نہر کے اندر ہر چیز تیرتی جا رہی ہے اور کچھ وقت تیرنے کے بعد آپ کو خود بخود اچھے مواقع ملنے شروع ہو جائیں گے۔

اقسام صبر

صبر کئی طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ صبر جو انسان اپنے کئے پر کرتا ہے اور دوسرا وہ جس میں اس کا اپنا دخل نہیں ہوتا۔ پھر اپنے صبر کی دو قسمیں ہیں۔ اولاً وہ کام جن کے کرنے کا اللہ نے حکم دے رکھا ہے اور ثانیاً ایسے کاموں سے رکنا جن کو سرانجام دینے سے اللہ نے منع کیا ہوا ہے۔ جس صبر میں انسان کا اپنا دخل نہیں اس میں صبر یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے آنے والی مصیبت کی تکلیف پر صبر کرے۔

مشکل صبر

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ:

مومن کے لیے دنیا سے آخرت کو جانا آسان ہے لیکن اللہ کی خاطر مخلوق کو چھوڑ دینا مشکل ہوتا ہے۔ پھر خواہشات چھوڑ کر اللہ کی طرف توجہ اس سے بھی مشکل ہے، اور ہر وقت اللہ پر نظر رکھ کر صبر تو اور بھی مشکل ہے۔

ایک اور موقع پر جنید بغدادی سے صبر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

”جانے بغیر کڑوی چیزوں کا گھونٹ پی لینا صبر کہلاتا ہے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ:

اللہ کے ”صبر“ فرمانے میں عبادت کا حکم ہو رہا ہے اور ”مَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ“ میں آپ کی عبودیت کی طرف اشارہ ہے، اور جو شخص ”لَكَ“ سے ”بِكَ“ کی طرف ترقی کر جاتا ہے وہ درجہ عبادت سے بڑھ کر درجہ عبودیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

قناعت

قناعت روحانیت کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے۔

اگر یہ انسان میں موجود نہ ہو تو انسان کبھی بھی خوش نہیں رہ سکتا، کیونکہ لالچ کی کوئی انتہا نہیں ہوتی اور لالچ بہت بڑی کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر وہ ہزاروں روپے کما رہا ہے تو لاکھوں کے چکر میں رہتا ہے اور جب لاکھوں کما لے شروع کر دیتا ہے تو پھر کروڑوں کے چکر میں پڑ جاتا ہے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

”اگر مالدار بننا چاہتے ہو تو سوائے قناعت کے کچھ طلب نہ کرو کہ یہی سب سے عمدہ دولت ہے۔“

قناعت اور احادیث نبویؐ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

”قناعت ایک ایسا خزانہ ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا۔“

حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”پرہیزگار بن جا کہ اس کے ذریعے سب سے زیادہ عبادت گزار شمار ہوگا، قناعت کر کہ اس سے شکر گزار بن جائے گا۔ لوگوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرو جو اپنے لئے پسند ہے کہ اس کے ذریعے مومن بن جائے گا، پڑوسی سے بہتر برتاؤ کر مسلمان بن جائے گا۔ کم سے کم فہم، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے۔“

قناعت اور اقوال صوفیا

حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ:

”قناعت ایک فرشتہ ہے جس کا ٹھکانہ مومن کے دل کے سوا کہیں نہیں ہوتا۔“

حضرت سلیمان دورانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”قناعت ”رضا“ ہی سے شمار ہوتی ہے جیسے درع کو زہد سے گنتے ہیں۔ قناعت گویا رضا کی ابتدا ہے اور درع

زہد کی۔“

کہتے ہیں کہ فقیر لوگ مردہ ہوتے ہیں۔ ہاں ایسے فقیر مردہ نہیں ہوتے جنہیں اللہ تعالیٰ قناعت کی عزت دے کر زندہ رکھے۔

صوفیا کہتے ہیں کہ انسان کو پیاری لگنے والی چیزوں کے نہ ہونے پر اطمینان و سکون ہونے کو ”قناعت“ کہتے ہیں۔

حضرت محمد بن علی ترمذیؒ نے فرمایا کہ:

قناعت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے رزق پر دل راضی ہو جائے۔

حضرت وہبؒ فرماتے ہیں کہ:

عزت اور امیری دونوں پھرتی رہیں کہ کوئی دوست مل جائے چنانچہ ”قناعت“ سے ملاقات ہوگی تو دونوں کو قرار

آگیا۔

صوفیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزیں پانچ مقامات پر رکھی ہیں۔

1- عزت کو فرمانبرداری میں رکھا۔

2- دولت کو نافرمانی میں رکھا ہے۔

3- رعب کورات کے قیام میں رکھا ہے۔

4- دانائی کو خالی پیٹ میں رکھا ہے۔

5- بے پروائی کو قناعت میں رکھا ہے۔

حضرت کتانیؒ فرماتے ہیں کہ:

جس نے قناعت کرتے ہوئے حرص چھوڑنے کا سودا کر لیا تو عزت اور مروت پا گیا۔

زبور شریف میں لکھا ہے کہ قناعت پسند غنی ہوتا ہے اگرچہ بھوکا ہو۔



دیکھ لیا عین یقین اور جب آپ نے اس چیز کو پرکھ کر ٹٹول کر استعمال کر کے دیکھ لیا اور جب ہر قسم کا شک دور ہو گیا تو اسے حق یقین سمجھ لیں۔

یقین کا سب سے بڑا دشمن شک و شبہ ہے جہاں شک و شبہ آیا وہاں یقین کامل ختم ہونے لگ جاتا ہے۔ دراصل شک و شبہ سے لڑنے سے ہی یقین بڑھتا ہے۔

عام زندگی میں اس کو حاصل کرنے کے تین قدم (درجے) ہیں جن سے گزر کر آدمی اس کو حاصل کر لیتا ہے:

1- کامیابی

2- اعتماد

3- یقین

سرچشمہ روحانیت

یقین کامل

1- کامیابی

یقین حاصل کرنے میں یہ پہلا قدم ہے۔ آپ جب بھی کوئی کام کرتے ہیں اور اس میں آپ کو کامیابی ہوتی ہے تو یہ خود اعتمادی کی طرف پہلا قدم ہوتا ہے۔ چند بار کامیابی سے آپ کو اعتماد حاصل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں سورہ بقرہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔

”الْمَ ذَٰلِكَ الْكِتَٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ“

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔

اسلام کی روحانیت میں یقین کے تین درجے ہیں:

1- علم یقین

2- عین یقین

3- حق یقین

خوش جیوے سرفراز بننا چاہنا چاہیے

چند بار کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب آپ کو خود اعتمادی ملتی ہے، پھر کچھ اور کامیابیوں کے بعد یہ اعتماد اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

3- یقین

اعتماد کے من میں بیٹھ جانے کو یقین کہتے ہیں۔ جب آپ کامیابیاں حاصل کرنے لگتے ہیں تو پھر آپ کے اندر یقین گہرا ہوتا جاتا ہے۔

یقین کی اہمیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک دن حضرت عیسیٰ اپنے حواریوں کے ساتھ سفر پر تھے۔ راستے میں ایک پہاڑ نظر آیا جس کے پیچھے ایک جمیل تھی۔ آپ اپنے حواریوں سے کہنے لگے کہ یہ پہاڑ جو تم دیکھ رہے ہو اگر چاہو تو یہ پیچھے جمیل میں غرق ہو جائے۔ حواریوں نے پوچھا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ حضرت عیسیٰ نے کہا کہ صرف تمہیں یقین ہونا چاہیے، مکمل یقین، پھر یہ ہو جائے گا۔ اس واقعہ سے یہ محاورا بنا ہے کہ

Faith can move the mountains

ترجمہ: یقین کامل پہاڑوں کو ہٹا سکتا ہے۔

علم یقین عام یقین کو، عین یقین درمیان درجے کے یقین کو اور حق یقین سب سے اوپر والے درجے کے یقین کو کہتے ہیں جس کی اونچائی کی کوئی حد نہیں۔ بات کو واضح کرنے کے لیے ہم یہاں ایک تمثیل کا سہارا لیتے ہیں۔ پرانی مثال سہی مگر یہی مناسب ترین اور عام فہم ہے۔

اگر آپ کہیں گھرے کو دیکھیں تو اس کو باہر سے کچھ گیلا دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پانی موجود ہے۔ اس کو آپ یقین کہیں گے۔ پھر آپ قریب گئے تو آپ نے پانی آنکھوں سے دیکھا آپ کو کوئی شک و شبہ نہیں رہا کہ پانی ہے یا نہیں، پھر آپ نے پانی کو جسم میں محسوس بھی کر لیا۔ اس کو آپ حق یقین کہیں گے۔ دیکھنے کے بعد بھی شک ہو سکتا ہے کہ آنکھیں دھوکا کھا سکتی ہیں لیکن پانی پینے اور اپنے جسم کے اندر محسوس کرنے کے بعد کوئی شک نہ رہا کہ یہ خواب نہیں حقیقت ہے اور پانی کی حقیقت کیا ہے، یقین کے انہیں درجوں کے درمیان روحانیت کی پوری کہانی گھومتی ہے۔

اسلام کی روحانیت میں اس کا مزید ذکر کیا گیا ہے۔

سادہ طور پر آپ یقین کو یہ سمجھیں کہ آپ کا سننا کہ یقین کوئی چیز ہے علم یقین، جب آپ نے اس چیز کو قریب

یقین کامل کسی نہ کسی حد تک ہر انسان میں موجود ہوتا ہے۔

وادی روحانیت میں انسان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں سے ایک بہت بڑی مشکل انسان اندر پائی جانے والی بے یقینی ہے۔

مرشد کامل اسی بے یقینی کی فضا کو ختم کرتا ہے اور سالک کے اندر اعتماد دلاتا ہے۔ وہ اعتماد کہ جس کے بارے میں فلاسفر کہتے ہیں کہ انسان کی وہ کیفیت کہ:

جس سے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکتا ہے، انسان کا اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہے۔

یقین کامل آپ کو ہر ممکن بلندی تک لے جاسکتا ہے، ہر طرح کی دنیاوی اور روحانی کامیابی دے سکتا ہے۔ انسان پھر بھی انسان رہتا ہے اللہ نہیں بن سکتا۔

یہاں پر قضا اور قدر (جبر و اختیار) کا مسئلہ آجاتا ہے۔

قدر انسان کی کوششوں کو کہتے ہیں۔

قضا اللہ کی مرضی کو کہتے ہیں۔

انسان اپنی کوششوں سے بہت اوپر تک جاسکتا ہے لیکن ایک حد کے بعد اس کا بس ختم ہو جاتا ہے پھر اللہ کی مرضی

چلتی ہے۔

یہی وہ مقام ہے کہ جس کی نقاب کشائی مولانا علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے اس فرمان میں کی ہے کہ میں نے اللہ

اپنے ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا۔“

ایک حد کے بعد انسان کا بس ختم ہو جاتا ہے ورنہ انسان شاید خدائی کا پکا دعویدار بن جاتا۔ لیکن انسان کی حد

بہت آگے تک ہے جس کا تعین آپ کا یقین کامل اور توکل علی اللہ ہی کرتا ہے۔ سیانے کہتے ہیں خدا کی بنائی ہوئی دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں، ناممکن صرف یہ ہے کہ ممکن چیز کو ناممکن طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

دراصل سب روحانیت اور طاقت ہمارے اندر ہی موجود ہے بات صرف اس پر یقین کرنے کی ہے۔ جتنا جلد

یقین آگیا اتنا جلدی سب کچھ مل جائے گا۔

توکل علی اللہ

اکثر ماہرین روحانیت کہتے ہیں کہ پہلے خدا کو بناؤ پھر خدا تمہیں بنائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اللہ کو

طرح سے مانو پھر ہی باقی کام ہو سکتے ہیں۔

یقین کے سب سے اونچے درجوں پر لے جانے والی چیز توکل بر خدا ہے اس کے بغیر یقین، یقین کامل میں نہیں

تبدیل ہو سکتا۔ مادی دنیا میں یقین کی اہمیت زیادہ ہے جبکہ روحانیت میں توکل علی اللہ کا مقام اہم ہے۔ اسلام کی روحانیت

اس سے اہم پہلو توکل علی اللہ ہے بلکہ اس کے بغیر اسلام کی روحانیت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

”سالک روحانیت میں اتنا ہی اوپر جاسکتا ہے جتنا زیادہ اس کا اللہ پر توکل ہے۔“

اللہ پر توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اللہ ہی نے کرنا ہے اور انسان کو اس پر اندھا یقین ہونا چاہیے۔ اس میں

گنے کی بات یہ ہے کہ اللہ ظاہری اسباب کے بغیر بھی کام کرتا ہے۔

انسان جب ظاہری اسباب کی طرف ہی دیکھتا رہتا ہے تو پھر اس کا یقین، یقین کامل میں تبدیل نہیں ہو سکتا۔

اس میں کسی بھی کام کے ہونے پر سالک کو یہ یقین ہونا چاہیے کہ بفضلِ خدا یہ کام ضرور ہوگا۔ کیسے ہوگا؟ یہ اللہ کا مسئلہ ہے ہمارا نہیں لیکن کام ضرور ہوگا۔

اللہ کے پاس کسی بھی کام کو کرنے کے بے شمار راستے ہیں گو ہماری نظر ایک آدھ راستے تک ہی محدود ہے۔ اس

میں ایک چیز آپ نے ہمیشہ ذہن میں رکھنی ہے کہ اگر آپ کا کوئی کام وقت پر نہیں بھی ہو رہا تو اس میں بھی آپ کی بہتری ہے آپ کی آسانی کے لیے مثال دے دوں۔

مثلاً آپ کو پیسوں کی ضرورت پڑ گئی اب یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ آس پاس کے لوگوں کی مدد ہی تلاش کرتا

رہتا ہے کہ میرا فلاں رشتے دار یا فلاں دوست ہی اس مسئلے میں مدد کر سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس ہی زیادہ پیسے موجود ہیں۔

آپ انہیں لوگوں کے پاس جا کر پیسے مانگیں گے۔ لیکن اصل یہ طریقہ ہے کہ آپ کو اللہ پر پورا توکل ہونا چاہئے، پھر آپ کی کوئی آدمی آکر ضرور مدد کر جائے گا چاہے آپ کا یہی دوست یا رشتے دار کرے یا کوئی ایسا واقف یا ناواقف آدمی کام

آجائے جو عام طور پر آپ کے خیال میں نہ آ سکتا ہو۔

یقین کی طاقت ہر چیز کو کھینچ کر خود ہی آپ کے پاس لے آتی ہے۔

گوسب کی جستجو ضرور کریں مگر اللہ پر توکل مضبوط رکھیں۔

اسی بارے میں مشہور صوفی حسن بھریؒ اور ان کے شاگرد حبیبؒ عجی کا واقعہ قابلِ غور ہے۔ حبیبؒ عجی پہلے سود پر

لوگوں کو پیسے دیا کرتے تھے۔ پھر ایک دن اس سے توبہ کر لی۔ اپنا سارا پیسہ اور گھر بار غریبوں میں تقسیم کر کے وہ اپنی بیوی کے

ساتھ دریا کے کنارے ایک جھونپڑی سی بنا کر رہنے لگے ایک دن حسن بھریؒ ان کے مہمان تھے۔ کھانے کا وقت ہو گیا

حبیبؒ عجی کے گھر میں اس وقت صرف ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن موجود تھا۔ انہوں نے وہی جناب حسن کے سامنے رکھ

دیا۔ ابھی حسن بھریؒ نے کھانا شروع کیا تھا کہ باہر ایک بھوکے سائل نے صدا لگائی۔ حبیبؒ عجیؒ نے وہی روٹی ان کے

سامنے سے اٹھا کر اس سائل کو دے دی۔

حسن بھریؒ کو بڑا تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا وہ حبیب سے کہنے لگے ”تم مہمان داری کے آداب سے واقف نہیں

ہو، اگر سائل کو دینا ہی تھا تو اس روٹی میں سے ایک ٹکڑا توڑ کر دے دیتے یا آدمی روٹی دے دیتے۔ تم نے سب روٹی دے

دی اور اپنے مہمان کو بھوکا رکھا۔“ حبیب یہ بات سن کر خاموش رہے۔

تھوڑی ہی دیر میں دروازے پر دستک ہوئی۔ حبیب نے دروازہ کھولا تو باہر ایک خادمِ دعوت کے بہت سے

لوازمات سے بھرا برتن لے کر کھڑا تھا، کسی امیر آدمی نے اس کو حبیب کی طرف بھیجا تھا۔ حبیب بولے کہ میں آپ کو ہرگز
کے عالم اور نیک آدمی ضرور ہیں لیکن کاش تو کل کا یہ درجہ بھی آپ کو حاصل ہوتا۔ حسن بصریؒ بڑے شرمندہ ہوئے۔
جناب حبیبؒ کو یہ پورا توکل تھا کہ اگر اللہ نے سائل بھیجا ہے تو پھر ان کی مدد بھی وہ ضرور کرے گا۔ انہیں اس کا
توکل رکھنا چاہیے۔

وہ اس طرح ہے کہ ایک طالب خدا تھا، کچھ روحانی مسائل تھے جو اسے سمجھ نہیں آرہے تھے۔ وہ بہت روز
لوگوں سے ملا۔ جہاں بھی کسی کا پتہ چلا ان کے پاس حاضر ہوا مگر تسلی نہ ہوئی۔ تھک ہار کر آخر ایک دن جنگل میں ایک
بیٹھ گیا کہ اب اللہ ہی اس مسئلے کو حل کرے گا۔

ادھر جنید بغدادیؒ اپنی گھوڑی کو پانی پلانے نکلے۔ گھوڑی نے بجائے پانی کی طرف جانے کے جنگل کی راہ لی
جنید متعجب ہوئے کہ یہ کیا کر رہی ہے۔ پھر ان کو خیال آ گیا کہ اس میں بھی اللہ کا کوئی راز ہے۔ گھوڑی جنگل میں بہت
طے کرنے کے بعد ایک جگہ پر رک گئی، وہاں پاس ہی وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

جنید نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟ اس نے اپنی کہانی سنائی۔ جب اس نے اس
مسائل بیان کئے تو جنید نے اسے تمام مسائل کا جواب دیا اور اسے ان کی پوری تعلیم بھی دے دی۔ پھر فارغ ہو کر
واپس چلنے لگے تو اس آدمی سے کہنے لگے کہ اگر آئندہ کوئی مشکل پڑے یا کوئی مسئلہ ہو تو مجھے یاد کر لیا کرو اس شخص نے
دیا ”اللہ خود ہی کسی کو پکڑ کر میرے پاس لے آئے گا جیسے وہ آپ کو لے آیا ہے۔ آپ مجھے اس بڑے دروازے سے
چھوٹے دروازے کی راہ بتا رہے ہیں۔“

جنید بولے ہر صوفی کا توکل ایسا ہی ہونا چاہیے، سب کو تم سے سبق سیکھنا چاہیے۔ جب انسان کا توکل ایسا ہو
اللہ خود ہی سبب بناتا جاتا ہے۔

مشہور صوفی خلیفہ بن موسیٰ نہرملکی کا فرمان ہے کہ: زاہدوں کا آخری قدم متوکلین کا پہلا قدم ہوتا ہے۔

درد و غم

غم کے لئے عربی میں حزن کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

حزن ایک ایسی حالت کا نام ہے جو دل کو غفلت کی وادیوں میں پریشان پھرنے سے روکتی ہے اور یہ اہل سلوک
کی ایک صفت ہوتی ہے۔

حضرت اسحاق ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ صاحب حزن اللہ تعالیٰ کے راستے کو ماہ بھر کے اندر اتنا طے کر
جاتا ہے جتنا غم کے بغیر شخص کئی سال میں بھی طے نہیں کر سکتا، حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ ہر غم و حزن والے دل سے محبت فرماتا ہے۔“

توریت میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے محبت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں رونے دھونے کا جذبہ
پیدا کرتا ہے۔ اور جب کسی پر ناراضگی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے دل میں خوش ہونے کا جذبہ پیدا فرمادیتا ہے۔

حضرت بشر بن حارث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حزن ایک فرشتہ ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتا
ہے تو کسی اور کا وہاں ٹھہرنا پسند نہیں کرتا۔

کہتے ہیں کہ جس دل میں حزن نہ ہو وہ ویران ہو جاتا ہے جیسے کسی گھر میں کوئی ٹھہرنے والا نہ ہو تو وہ ویران ہو
جاتا ہے۔

حضرت ابوسعید قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حالت حزن میں رونا اندھا کر دیتا ہے اور شوق میں رونا کمزور تو
کرتا ہے لیکن اندھا نہیں کرتا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اَبْيَضْتُ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ (سورہ یوسف: 84)

ترجمہ: غم کی بنا پر ان کی بینائی چلی گئی اور وہ مغموم تھے

حضرت ابن خفیف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حزن نفس کو خوشی کے لیے اٹھنے سے روکنے کا نام ہے۔

حضرت رابعہ عدویہؒ نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا کہ ”وا حزننا“ تو فرمایا کہ یوں کہو اقللہ حزننا، اگر تو غمناک
ہوتا تو سانس نہ لے سکتا۔

صوفیائے کرام نے غم کے بارے میں گفتگو کی ہے تو سب نے کہا ہے کہ غم آخرت اچھی چیز ہے لیکن غم دنیا
پسندیدہ چیز شمار نہیں ہوتی۔ البتہ ابو عثمان حیرتیؒ نے ان کے اس قول کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ حزن ہر لحاظ سے ایک مرتبہ
ہے، اور مومن کے اجر میں زیادتی کا سبب ہے جب تک گناہ کی وجہ سے نہ ہو مومن کے لیے زیادتی مراتب کا باعث ہے،
کیونکہ اگر بالفرض یہ درجات انسانی بلند نہیں کرتا تو گناہ یقیناً صاف کرتا ہے۔

اگر دل میں درد و غم پیدا ہو جائے تو یہ ایک ایسا تیزاب ہے جو نفس کے جملہ رنگ اکھاڑ کر اپنے آپ میں تحلیل
کر دیتا ہے۔ درد ایک ایسی آگ ہے جو نفس کی گیلی لکڑی کے گیلے پن کو ایک پل میں جلا کر خالص کر دیتی ہے۔ جب اس
آگ کا انگارہ دکھتا ہے تو وہ خالص حرارت ہوتی ہے، پانی کا اس میں نام و نشان نہیں ہوتا۔ اسی طرح درد دل کی آتش سے
دہکنے والے نفس میں مادیت کی نمی کا نشان تک نہیں رہتا۔ درد بہت تلخ ہے، اس کا ذائقہ بہت کڑوا ہے، مگر اس کا سرور شہد
سے بھی میٹھا ہے، اس کا خمار شراب سے بھی دیر پا ہے۔

شراب کا ذائقہ کتنا تلخ ہوتا ہے مگر پینے والے ہزاروں لذیذ مشروبات کو اس کی تلخی پر قربان کر دیتے ہیں صرف
اس لئے کہ اس میں نشہ ہے جو رگوں میں ایک میٹھا سا سرور دوڑا دیتا ہے۔ یہ درد بھی ایک انتہائی تلخ مشروب ہے مگر اس
کے سرور کا اور نشہ کا تو وہی بتا سکتا ہے جو اس سے کبھی لطف اندوز ہو چکا ہو۔

شیکسپیر کہتا ہے کہ جب انسان درد و غم سے لطف اندوز ہونا شروع ہو جاتا ہے تو ولی بن جاتا ہے یعنی
خوشی کا رنگ پائیدار نہیں ہے۔ درد ایک ساتھی ہے، خوشی ایک ہرجائی محبوبہ ہے، درد ایک وفادار دوست ہے۔

اب خود فیصلہ کریں کہ کسے اپنانا چاہیے؟

تجرد

اس دنیا میں بڑا بننے کے لیے کچھ قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ جو انسان اپنے بچوں کے مستقبل کو بہتر دیکھتا ہے وہ بچپن سے انہیں اعلیٰ اداروں میں داخل کرواتا ہے، انگلش میڈیم اپنی سن کالج وغیرہ میں داخل کرواتا ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بچہ ایک بڑا افسر بنے۔ اسی طرح جب وہ بچہ Competition کی تیاری کر رہا ہو تو اس دوران وہ اگر باپ سے کہے آپ میری شادی کر دیں تو باپ بالکل راضی نہیں ہوگا اور کہے گا کہ جب تک تم کچھ بن نہیں جاتے شادی کا نام نہ لو۔ کیونکہ اس بات کو ہر آدمی سمجھتا ہے کہ اہل وعیال ترقی کے راستوں میں ایک طرح کی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب پہلوان اپنے چٹھے شاگرد تیار کرتے ہیں تو ان پر سب سے اولین شرط تجرد کی رکھتے ہیں کہ وہ انہیں معلوم ہے کہ تجرد کے بغیر ترقی ناممکن ہے۔

اسی طرح دینی امور میں اگر کوئی اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہو تو جب تک منزل کا حصول نہ ہو تو اس کے لیے ہر روز بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ دیگر پریشانیوں سے بچ کر یکسوئی کے ساتھ عمل کر سکتا ہے۔ ہاں جب وہ منزل پر پہنچ جائے تو پھر وہ اس کی لینا سنت ہے۔

اگر ترقی نفس کے مراحل میں کہیں گناہ کا خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر گناہ سے بچنے کے لیے فوراً شادی کرے کیونکہ اس مقام پر شادی واجب ہو جاتی ہے۔ جو آدمی اکیلا ہوتا ہے وہ آزاد ہوتا ہے اور جس کے کندھوں پر اہل وعیال کا بوجھ ہوتا ہے وہ آزادی کے ساتھ ترقی کے راستوں پر گامزن نہیں رہ سکتا کیونکہ اس پر گھر کی ذمہ داریاں آ جاتی ہیں تو عبادات کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کافی اولیائے کرام نے پوری زندگی شادی نہیں کی گویا انہوں نے لذات دنیا کے ساتھ اپنی اولاد کی بھی قربانی دے دی اور خود کو مالک کے لیے وقت رکھا۔ مگر یہ باتیں عام آدمی کے بس کا روگ نہیں ہوتیں۔ اس لئے ہر انسان کو کسی نہ کسی وقت شادی کر لینا چاہیے خصوصاً گناہ سے بچنے کے لیے اور نسل کے جاری رکھنے کے لیے۔

یہ بھی ہے کہ ہر آدمی کو کچھ وقت یکسوئی سے اعمال خیر بجالانے کے لیے اور ترقی نفس کے لیے بھی نکالنا چاہیے اور وہ شادی سے قبل کا دور سنہری دور ہوتا ہے۔ اس لئے شادی میں غلبت نہیں کرنا چاہیے تاکہ کچھ نہ کچھ بننے کے بعد اس میں قدم رکھے۔

عزالت

انسان ترقی کی خواہ جس منزل پر پہنچ جائے اسے پھر بھی تنہائی میں کچھ وقت رہ کر یکسوئی اور عبادات اور مراقبہ

کی ضرورت اسی طرح رہتی ہے جس طرح ابتدا میں رہتی تھی اس لئے ہر حال میں تنہائی کو معمول میں شامل رکھنا چاہیے کیونکہ انسان مقام قرب تک نہیں جاسکتا جب تک تنہائی کو شعار نہ بنائے۔

اگر انسان میں اچھائی کا جذبہ ہو تو تنہائی ایک بہترین معاون ہے اور یہ بھی ہے کہ اگر انسان میں خباثت کا مادہ زیادہ ہو یا گناہ آلود ذہنیت ہو تو پھر تنہائی زہر قاتل بھی ہے کیونکہ اس طرح انسان تنہائی میں بُرے بُرے خیالات کی یلغار میں آ جاتا ہے، اور اس صورت میں اچھے لوگوں کی صحبت سے دوری اختیار نہیں کرنا چاہیے۔

خاموشی

فرمان ہے: دین کی سلامتی کے دس حصے ہیں، اس میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں۔

انبیائے سلف علیہم السلام کے زمانے میں ایک روزہ خاموشی کا بھی ہوا کرتا تھا۔ اس دور میں جب کوئی عبادت کی طرف راغب ہوتا تھا تو خاموشی سیکھتا تھا اور کئی لوگ اس کے لیے منہ میں کنکر بھی رکھ لیتے تھے، اور بارہ بارہ سال تک خاموشی سیکھتے تھے۔ جب اس پر کامل عبور حاصل ہو جاتا تھا تو پھر عبادات کے باقی مراحل کی طرف سفر کرتے تھے۔ اور جو شخص خاموشی نہیں سیکھ سکتا تھا وہ عبادات کے میدان سے باہر آ جاتا تھا کہ اب عبادات فضول ہیں کیونکہ جو کچھ بھی میں عبادات سے حاصل کروں گا وہ تو زبان کے ذریعے برباد ہو جائے گا، اس لئے یہ محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

فرمان ہے اکثر مخلوق زبان کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہے۔ فرمایا کہ ہر صبح سارے اعضاء بدن زبان سے کہتے ہیں کہ خدا کے لیے کوئی اتنی سیدھی بات نہ کر دینا کیونکہ جرم تو کرے گی اور سزا ہمیں بھگتنا پڑے گی۔

ایک ہوتی ہے بدکلامی یہ تو حرام ہے ہی۔ ایک ہے بے فائدہ کلام یہ بھی مذموم ہے ایک ہے بلا ضرورت کلام کرنا اس سے بھی اجتناب کرنا لازم ہے۔ جس آدمی کو یقین ہو گیا کہ میرا مالک میری ہر بات کو سن رہا ہے اس کی زبان بند ہو جاتی ہے۔

مثبت سوچنا

روحانی مدارج بڑھانے میں مثبت سوچ کا کردار بہت اہم ہے۔ ایمان مثبت سوچ کا ہی نام ہے۔ ہر حال میں پُر امید رہنے کو آپ مثبت سوچ کہہ سکتے ہیں۔ ہر حال میں پُر امید رہنے کی کیفیت اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کی روح میں توکل علی اللہ اور یقین کامل راسخ ہو۔

اسلام کے بنیادی پیغام میں پُر امید رہنا شامل ہے۔ ناامید یا مایوس ہونے کو کفر کہا گیا ہے۔ انسان کے اندر منفی سوچ مایوسی کی وجہ سے آتی ہے جبکہ ہر حالت میں پُر امید رہنا بہتری اور کامیابی کی امید رکھنا مثبت سوچ کہلاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ منفی سوچ کی کوئی حد نہیں، آپ اپنے لئے ہر قسم کی پریشانیاں خود ہی کھڑی کرتے ہیں۔ وادی روحانیت میں انسان جب منفی سوچ اختیار کرتا ہے تو پھر اکثر اس کے سیدھے کام بھی اٹنے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس

”بے اطمینانی سب سے بڑا دکھ ہے، اور اطمینان سب سے بڑا سکھ ہے۔“
روحانیت میں ترقی کے لیے انسان کے اندر قلبی اطمینانیت بڑی اہم چیز ہے۔ اور یہ اسی وقت آتی ہے جب انسان مطمئن رہے۔

پُر سکون رہنا ایک ایسی چیز ہے جس کے ہزاروں فائدے ہیں، نقصان ایک بھی نہیں۔
ساری دنیا کے مذاہب اور روحانیت کے سکولوں کا بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو پُر سکون اور خوش رکھیں۔
مسلمانوں پر پانچ وقت نماز کیوں فرض کی گئی؟ اس کی بڑی وجہ انسان کے پریشان اور نروس ذہن کو سکون کی حالت میں لانا ہے۔ پُر سکون نہ رہنے والا بد قسمت ہوتا ہے۔ آپ اسے بیوقوف بھی کہہ سکتے ہیں۔ ذہن سکون کی حالت میں نہ ہو تو ہم اپنی اپنی اور جسمانی توانائی خواہ مخواہ ضائع کرتے رہتے ہیں۔ پُر سکون حالت میں ہی ہماری جسمانی اور ذہنی توانائی اکٹھی ہوتی اور بڑھتی ہے۔ روحانی علاج و کشف و کرامات سب اک پُر سکون رہنے والے ذہن کا کام ہے۔ ہر حالت میں پُر سکون Relax رہنے والا انسان چاہے تو اپنی صرف ذہنی طاقت سے ہی بہت سے بظاہر مافوق الفطرت کام کر سکتا ہے۔ خود کو مکمل Relax کرنے کے لیے انسان کو اپنے جسم کو مکمل ڈھیلا اور بغیر تناؤ کے کرنا، پھر اپنے دماغ کو بالکل آرام کی حالت میں لانا اور اسے بغیر سوچ یا بہت کم سوچ کے ساتھ رکھنا ہوتا ہے، اور اس طرح انسان اپنے محسوسات Feelings کو آرام اور کمزوریوں کو دور کر سکتا ہے۔ Relax کرنا یوگا کے اصولوں میں بھی شامل ہے۔

پُر سکون رہنے والا کم ہی بیمار ہوتا ہے۔ اس کی ذہنی اور روحانی طاقت پوری طرح کام کرتی ہے۔ جب کہ گھبرایا ہوا ذہن صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا پُر سکون انسان کی جسمانی طاقت بھی زیادہ بہتر کام کرتی ہے۔
اہم مسئلہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی حالت میں نہیں گھبراتے مگر بہت سے کام کرتے وقت وہ اندرونی طور پر ڈر رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اس کام میں اکثر ناکام رہتے ہیں مگر اس اندرونی گھبراہٹ کا انہیں بھی کم ہی علم ہوتا ہے۔

اگر ماں باپ پُر سکون رہتے ہوں تو عموماً بچے بھی پُر سکون اور خوش باش ہوتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اطمینان کا تعلق صحبت سے بھی ہے۔ ایک سچے اور سچے مرشدِ کامل کی یہ نشانی ہے کہ لوگ اس کے پاس بیٹھ کر خود کو خوش باش اور پُر سکون محسوس کرتے ہیں۔ وہ شخص روحانیت میں کوئی ترقی نہیں کر سکتا جو Relax رہنا نہ سیکھ لے۔



لیے روحانی سالک کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ ہمیشہ مثبت رکھے۔ کوئی بھی انسان مثبت سوچ کے بغیر خوش نہیں رہ سکتا۔ سوچ سوچنے والا اپنا دماغ خواہ مخواہ ہی خراب کرتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے لوگوں کے بارے میں مثبت سوچیں، اس سے آپ بہت سی روحانی پریشانیوں سے بچ جائیں گے۔ آپ کے روحانی مدارج میں ترقی ہوگی اور آپ کی زندگی آسان ہو جائے گی۔

دنیا جنت ہے یا دوزخ یہ آپ کی سوچ ہی پر انحصار کرتا ہے۔ انسان کی نفسیات ہی میں یہ بات شامل ہے کہ اگر ایک بری یا منفی بات سوچتا ہے تو پھر بری اور منفی سوچوں کی ایک قطار لگ جاتی ہے۔ ایک کے بعد دوسری، تیسری، چوتھی ایسی ہی سوچ آتی چلی آتی ہے ایسا سوچنے سے انسان کی روحانی قوت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

اس لیے چاہیے کہ منفی سوچ ذہن میں آتے ہی اسے شروع میں ہی جھٹک دیں اور مثبت چیزوں کے بارے میں سوچنا شروع کر دیں۔ مثبت باتوں کو سوچنے سے انسان کو سکون اور توانائی ملتی ہے۔

احساسِ کمتری، ماضی کی کوتاہیاں و غلطیاں، جادو وغیرہ سب سوچوں کے پیچھے یہی اصول کام کرتا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ منفی سوچ تو غلط ہے ہی مگر اس کا دہرانا بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اس زہر کو ذہن سے نکالنا بہت ضروری ہے ورنہ یہ سوچ آپ کو پیچھے ہی پیچھے لے جاتی ہے۔

اہلِ بصیرت کو اور بھی کئی چیزیں اس پیغام میں مل سکتی ہیں۔ اور اسی طرح اچھی سوچوں کو دہرانا ہی روحانیت کا بنیاد ہے۔ مگر اس میں بھی بڑی چیزوں کو ہی دہرائیں۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے پاس ہی نہ گھومتے رہیں۔ زیادہ منفی سوچیں والا آہستہ آہستہ دنیا کو منفی سوچ کی عینک لگا کر دیکھنا شروع کر دیتا ہے اور پھر اس کے نزدیک دنیا ایک بڑی جگہ بن جاتی ہے۔ اور پھر وہ بڑی جگہ کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کرتا ہوا خود غرض اور بُرا بننا چلا جاتا ہے۔

دنیا کو بُرا کہنے والا عموماً خود بُرا ہوتا ہے۔ اچھا کہنے والا خود اچھا ہوتا ہے۔ اس میں سمجھنے والی بات یہ ہے۔ ایک دو دشمنوں کو بُرا کہنے والا عام آدمی بُرا نہیں ہوتا مگر زیادہ تر لوگوں کو بُرا سمجھنے والا بُرا ہوتا ہے یا بُرا جاتا ہے۔ بہر حال اس چیز کو بیوقوفانہ طریقے سے کرنے کے بجائے عقلمندانہ طریقے سے کریں۔

اعتدال کا ایک صحیح طریقہ یہ ہے کہ اتنے پیٹھ نہ بنو کہ ہر کوئی کھا جائے نہ اتنے کڑوے ہو جاؤ کہ ہر کوئی تھوکتو کرے۔ شروع میں انسان کو مثبت سوچنے کی عادت ڈالنی پڑتی ہے اور اس میں کوشش اور قوتِ ارادی کا استعمال ہوتا ہے۔ مگر کچھ عرصہ ایسا کرنے اور کچھ کامیابیوں کے بعد انسان کا ذہن خود ہی اس ڈگر پر چل پڑتا ہے۔ پھر آپ کو ایسی کوششوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر یہ چیزیں انسان کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اس کے بعد مثبت سوچ انسان کی شخصیت سے ٹپک رہی ہوتی ہے، کامیابیاں اس کے قدم چومتی ہیں۔ ایک روحانی اور مردِ مومن کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مطمئن اور پُر سکون رہنا

مہاتما بدھ کا قول ہے:

فَوَيْلٌ لِلنَّفْسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰهِ (سورہ زمر: 22)

ترجمہ: افسوس ان لوگوں کے دل پر جن کے دل ذکر خدا کے لیے سخت ہو گئے ہیں۔

وَ اَنَّا ظَنَنَّا اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهُ هَرَبًا (سورہ جن: 12)

ترجمہ: جو بھی اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرے گا اسے سخت عذاب کے راستے پر چلنا پڑے گا۔

الہی احادیث نبوی کی روشنی میں

ترجمہ: عبداللہ بن مسر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ مجھ پر اسلام کے بہت سے احکام واجب ہو گئے ہیں اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسی چیز و عمل یا عبادت بتا دیں کہ میں اسکو ہمیشہ کیا کروں (ان کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیں کہ باعث ثواب کثیر، جامع اور آسان ہو) آپ نے جواب فرمایا ”تیری زبان سے ہر وقت الہی کا ورد جاری رہے“ اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ ﷺ سے بوقت رخصت عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسا عمل اور عبادت زیادہ پسندیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مرتے وقت تیری زبان اللہ کے ذکر سے شاداب ہو۔

ذکر الہی کی فضیلت میں احادیث اس قدر کثرت سے اور ایسے الفاظ میں وارد ہوئی ہیں کہ ان کے مطالعہ سے ہر صاحبِ انسان حیرت منور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا یہاں تک کہ ذکر الہی کرنے والوں کو تمام دیگر بندوں کے مقابلے میں اعلیٰ فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ اس حوالے سے یہ حدیث مبارکہ قابلِ توجہ ہے۔

أَفْضَلُ الْعِبَادَةِ عِبَادَةُ اللَّهِ الْكَبْرُ

ترجمہ: اللہ کے افضل بندے اس کا ذکر کرنے والے بندے ہیں۔

ذکر الہی کے لیے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہر جگہ انسان خدا کو یاد کر سکتا ہے۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ خدا کو مخصوص اوقات میں یاد کرنا چاہیے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ خدا کو مخصوص اوقات میں یاد کرنا خاص اہمیت کا حامل ہے جیسے:

- 1- اذکرونی بطاعتی اذکرکم بعوننی
تم مجھے اطاعت کے ذریعے یاد کرو، میں تمہیں اپنی مدد کے ساتھ یاد کروں گا۔
- 2- اذکرونی بطاعتی اذکرکم برحمتی
تم مجھے اطاعت کے ساتھ یاد کرو۔ میں تمہیں اپنی رحمت کے ساتھ یاد کروں گا۔
- 3- اذکرونی علی ظہور الارض اذکرکم فی بطنہا
تم مجھے زمین کے اوپر یاد کرو۔ میں تمہیں زمین کے اندر (قبر میں) یاد کروں گا۔
- 4- اذکرونی فی البعۃ والرحاء اذکرکم فی الشیۃ والبلاء

روحانیت اور ذکر الہی

روحانیت میں ذکر الہی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ذکر الہی کی کثرت سے ذکر میں مذکور کا خیال ہوتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ خیال ترقی کر کے محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ باطنی قوی بیدار ہو جاتے ہیں جس سے قلب صاف ہو کر منور ہو جاتا ہے۔ باطنی پوشیدہ بیماریاں نظر آنے لگتی ہیں۔ ان کے علاج میں ذکر الہی سے بڑی مدد ملتی ہے۔ دل کی طرف رغبت بڑھتی ہے اور گناہوں سے انسان کو کراہت ہونے لگتی ہے۔ طالبِ روحانیت اپنے اندر انقاہ برقرار رکھتا ہے۔

چونکہ خداوند کریم اپنی مخلوق پر بے انتہا مہربان ہے اس کی منشا یہی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ روحانی مدارج طے کرے، اس لیے اس نے انسان کو اپنے ذکر پاک کی مداومت پر آمادہ کرنے کے لیے بذریعہ ترغیب و ترہیب متوجہ فرمایا ہے۔ اور واضح روشن احکام صادر فرما کر کسی بھی حال میں اپنے ذکر پاک کو ترک کی اجازت نہیں دی ہے۔ اس حوالے سے یہ ارشادات ربانی قابلِ غور ہیں۔

وَمَنْ يُعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُفِیْضٌ لَّہٗ شَیْطٰنًا فَہُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ (سورہ زخرف: 36)

ترجمہ: اور جو کوئی رحمن کی یاد سے غفلت کرتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پس وہ اس کا ہم نشین رہتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا (سورہ احزاب: 41)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

اے مسلمانو! نہ تمہارے مال اللہ کی یاد سے غافل کریں اور نہ تمہاری اولاد اللہ کی یاد تمہارے دل سے فراموش کرے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَّہٗ مَعِیْشَةً ضَنْکًا (سورہ طہ: 124)

ترجمہ: اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا اس کے لیے زندگی کی ٹنگی بھی ہے۔

تم مجھے نعت و آسائش کے وقت یاد کرو میں تمہیں سختی اور مصیبت کے وقت یاد کروں گا۔

5- اذکرونی فی الدنيا اذکرکم فی العقبی

تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تمہیں آخرت میں یاد کروں گا۔

6- اذکرونی بالدعاء اذکرکم بالاجابة

تم مجھے دعا کے وقت اور دعا کے ساتھ یاد کرو میں تمہیں اسکی مقبولیت کے ساتھ یاد کروں گا۔

7- یا بن آدم اذکرونی حین تغضب اذکرک حین الغضب

اے ابن آدم تم مجھے غضب کی حالت میں یاد کرو میں تجھے اپنے غضب کے وقت یاد کروں گا۔

ذکر الہی اور روحانی طاقت

جس طرح موتی حاصل کرنے کے لیے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے اسی طرح روحانی توانائی کے لامحدود ذخائر تک رسائی کے لیے ذکر الہی اور فکر و خلوت کے طویل دور سے گزرنا ہوتا ہے۔ ذکر الہی میں یکسوئی پیدا کرنے کے لیے بعض لوگ غاروں میں جا بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہیں رہ جاتے ہیں۔ اور جو واپس آتے ہیں وہ طاقت کا اتنا بڑا خزانہ ساتھ لاتے ہیں کہ جدھر نگاہ اٹھاتے ہیں دلوں میں آسمانی محبت کی مقدس آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔ جن میں ان کے سامنے سجدہ ہونے کیلئے بے تاب ہو جاتی ہیں۔ وہ چاہیں تو آگ سے حرارت چھین لیں اور دریاؤں سے روانی، وہ اشارہ کریں تو پتھر گل میں جان پڑ جائے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ یہ مہیب طاقت دل کی گہرائیوں میں نہاں اور صرف ذکر و فکر سے عیاں ہوتی ہے۔ یہ طاقت انبیاء کے بعد اولیا کو بھی بقدر مراتب ملتی ہے۔

ذکر الہی کی کثرت سے طالب حق میں حق سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ وہ جس کا ذکر کرتا ہے اس کی جستجو کا شوق اس کو اپنے اندر کروٹیں بدلتا محسوس ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ اسے نفسانیت سے جو اس کے مقصود جستجو کو چھپانے والی ہے نفرت ہو جاتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جودل حب دنیا اور ہوا ہوس سے خالی نہ ہو، اس میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ذکر خدا داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک دل میں ایک ہی وقت میں دو خیال کبھی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے حب دنیا کو دل میں جگہ دے کر بدکاریوں میں مبتلا ہو جانے کو جو خدا سے غفلت کا باعث ہے اور انسان کے لیے اس کے مبداء کی طرف ترقی کرنے میں حائل ہے اور دوزخ کا دعوت نامہ کہا جائے تو بے جا نہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

ترجمہ: جس نے دنیا کا جینا بہتر سمجھا ہو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

طالب حق ذکر الہی کے پہ درپے محلوں سے نفس اور شیطان کو شکست دے کر دل سے باہر نکال کر ڈالتا ہے اور اخلاق ذمیرہ کو دفع کر کے اعلیٰ صفات کو اختیار کر لیتا ہے۔

ذاکر بغیر ذکر خداوندی کے ایک لمحہ نہیں گزرتا۔ ذکر کی قدر و منزلت ذاکر ہی کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اسرار معرفت اسی پرواہوتے ہیں جو زبان ظاہر اور باطن دونوں سے سراپا اخلاص ہو کر ہر حال اور ہر وقت ذکر الہی میں

مشغول رہے۔ پس وہ انسان جو حواس ظاہری میں اسیر ہے اور جو ان کی رہبری سے ہر چیز کو سمجھنا اور حاصل کرنا چاہتا ہے وہ مملی تصوف اور اس کے حال سے واقف نہیں ہو سکتا۔ وہ شریعت اسلامی کی روح کو نہیں پاسکتا۔ کیونکہ بارگاہ قدوس میں مادی عقل و حواس کا گز نہیں۔ جو اقوال، افعال، اعمال اور اذکار حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں وہ عالم جسمانیت یعنی دنیا سے آگے نہیں جاسکتے، جسمانی آنکھ سے کیفیات قلب نہیں دیکھی جاسکتیں۔ البتہ حواس باطنی سے جو اعمال کیے جائیں ان کے بارگاہ قدوس میں پہنچنے اور مقبول ہونے کی امید بے جا نہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ کے ہاں قلب کا اعتبار ہے جسم کا نہیں۔

جز نیاز و بندگی و اضطراب اندریں حضرت ندارد اعتبار

تو پس جو انسان کثرت ذکر الہی سے باطنی حواس کو بیدار کر کے ان کی سواری پر حق تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا سفر شروع کر دیتا ہے تو اسے چاہیے کہ ظاہری حواس کی زنجیروں کو دنیا و مافیہا کی محبت سے مضبوط نہ کرے۔ دنیا کی محبت و صدمات، امید و یاس، نفع و نقصان، عروج و زوال کے خیالات روح کیلئے مستقل پردہ بن کر عالم ملکوت سے اس کا تعلق منقطع کر دیتے ہیں۔ اس طرح وہ غیر صالح خواہشات اور نفسانی لذات کی خوگر ہو کر مدارج عالیہ پر فائز ہونے سے محروم ہو جاتی ہے۔

جو بھی روحانی اسرار کا طالب ہو اسے چاہیے کہ اس سفر عظیم کو طے کرنے کے لیے کسی سوختہ عشق واقف راہ کے سایہ میں آجائے تاکہ غول بیابانی اسے گمراہ اور تباہ نہ کر سکے۔

روایت میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دنیا میں کسی ایسے بندے کو دیکھو جو گفتگو کرتا ہو اور اس نے زہد اختیار کیا ہو تو اسکی محبت میں رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسکو حکمت اور دانائی تعلیم کرتا ہے۔ جب ہم اولیائے کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عشاق کے دلوں میں بے شمار لاہوتی اسرار اور حکمت و عرفان کی باتیں القافریا کرتا ہے جو بے انتہا موثر ہوتی ہیں۔ اسی حقیقت کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

نہ تخت و تاج نہ لشکر و سپاہ میں ہے

جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

ہمیں اس بات سے خبر دار رہنا چاہیے کہ کسی زاہد خشک کے بہکانے سے بزرگان دین کی کشش برداری ترک نہ کر بیٹھیں۔ کیونکہ بے ادبی مردودی کا پھل دیتی ہے۔

حضرت بولے دقاق فرماتے ہیں کہ جو مرشد کامل کی مخالفت کرتا ہے وہ طریقت سے خارج ہو جاتا ہے اگرچہ

ایک ہی جگہ پیر کے ساتھ کیوں نہ رہتا ہو۔

حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

حافظ جناب پیر مغال مامن وفاست

من ترک خاک بوی این در نمی کنم

یعنی اسے حافظہ پر ہر مغالہ ہی حصول دولت کی جگہ ہے میں اس دروازے کی خاک چومنے سے ہرگز باز نہ آؤں گا۔

ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگی اور بالخصوص روحانی ترقی کے لیے ذکر الہی کی فرضیت اور اہمیت کو سمجھیں اور اس اہم فرض کی بجا آوری کے لیے صدق اور خلوص سے کوشش کریں۔ اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی بھی اسم اس ذات مقدس کا ہر وقت ہر جگہ اور ہر حال میں کثرت سے اپنے در و زبان رکھو۔ اس راز سے بہت کم انسان واقف ہیں کہ ہر اسم الہی اسم اعظم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کسی مرد کامل سے با اجازت ہو۔

نیک لوگ طالب روحانی کو عموماً اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم اعظم تعلیم فرماتے ہیں اور ہدایت یہ کی جاتی ہے کہ اول و آخر مہر تہ درویش شریف کے ساتھ اس اسم اعظم کو ساڑھے بارہ ہزار مرتبہ ورد کیا جائے ہمارے پاس ایسے ہزاروں کیس بطور حوالہ موجود ہیں کہ جب لوگوں نے میرے بتائے ہوئے اسم اعظم کو مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق ورد کیا تو ان کے دل و دماغ کے جن میں پریشان خیالات اور تفکرات کا ہجوم رہتا تھا، وہ رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں کثرت ذکر خداوندی کی برکت سے اس طرح دور ہو گئے جس طرح موسم گرما کے سورج کی تپش سے برف پگھلنی شروع ہو جاتی ہے۔ مسائل حیات سلجھنے لگے اور کچھ ہی عرصے میں زندگی کے خزاں رسیدہ گلشن پر بہا آ گئی۔

اگر ہم عصر حاضر کے انسان کے جسمانی اور روحانی مسائل کا جائزہ لیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ ان کو سوائے ذات پروردگار کے اور کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اس لیے ہمیں سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم غلامی اور باطنی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ صرف اسی کے فضل و کرم سے ممکن ہے۔

ہمارے اس دعوے کی دلیل ہمارے اولیائے کرام ہیں۔ آپ کی ذات بابرکت کے طفیل بے شمار جسمانی بیماریوں اور روحانی پریشانیوں میں مبتلا لوگوں نے جب ذکر الہی کا ورد شروع کیا تو چند ہی دنوں میں اس ذکر کی برکت سے وہ لوگ اپنے مسائل کے گرداب سے باہر نکل گئے۔ اس لیے ہماری فلاح اسی میں ہے کہ اسی کے در رحمت کی طرف عاجزی اور انکسار سے رجوع کریں۔ ہمیں یہ بات لوح دل پر نقش کر لینی چاہیے کہ اگر ہم غلامی اور باطنی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو یہ صرف اسی کے فضل و کرم سے ممکن ہے۔

اس کے علاوہ کوئی نہیں جو ہماری حاجتوں کو پورا کر سکے۔ اس لیے ہماری فلاح اسی میں ہے کہ اسی کے در رحمت کی طرف عاجزی اور انکسار سے رجوع کریں۔ اس کے ذکر پاک کو اپنے اوپر لازم کر لیں اور کوشش کریں کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہوں۔ عقلمند انسان وہ ہے جو با اہتمام ادب و اخلاص اس سے اسی کو طلب کرتا جائے۔ نفسانی جذبات کے غلبہ کی وجہ سے اپنی عبادت کے صلے میں بارگاہ خداوندی سے فانی چیزوں کے لیے دعا کرنا حوصلہ مندی نہیں ہے۔ پس ہمیں عبادت کے صلے میں کچھ ملنے یا نہ ملنے اور کامیابی یا ناکامی کے خیال سے اپنے اخلاص و یکسوئی کو خراب نہیں کرنا چاہیے۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ.....

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن

کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(عبادت سالکوں کی طرح مزدوری کی شرط پر مت کرو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ اپنے غلاموں کی سرپرستی کا طریقہ خود بخوبی جانتا ہے)

دانا وہ ہے جو اپنی روح کو نقوش ماسواۃ اللہ سے پاک کرے۔ ہمت بلند کر کے محبت کی روشنی میں راہ حق دیکھے۔ ذات حق کی طلب میں اپنی ہستی کھودے کہ یہی زندگی کی شاندار فتح ہے۔ تسکین خواہشات اور جسمانیہ کی محبت کی وجہ سے اضطراب اور بے چینی میں نہ رہے کیونکہ روح کی مسرت اور حقیقی سکون قلب تو ذکر الہی میں ہے۔

قارئین کرام! یہ بات ہرگز نہ بھولی چاہیے کہ ذکر الہی وہ نعمت ہے جو دنیا بھر کے مصائب سے انسان کی گلو خلاصی کر سکتی ہے۔ یہ وہ خدا کی بخشش ہے جس کے حصول سے انسان کے دین و دنیا دونوں سنور جاتے ہیں۔ یہ وہ عطیہ کبریائی ہے جس سے انسان کے قلب کو دنیا ہی میں آسانی سرور اور بہشتی مسرت حاصل ہوتی ہے، اس کی روح مست و پیچود ہو جاتی ہے اور وہ جیتے جی نجات ابدی تک پہنچ جاتا ہے۔

سواگر ہم کثرت سے ذکر الہی کی مشق شروع کر دیں تو ہماری کل ذاتی آرزوئیں برآئیں گی اور کل مشکلات کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سب بگڑے معاملات درست ہو جائیں گے لیکن شرط یہ ہے کہ ہم ذکر الہی سے کسی صورت بھی غافل نہ ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہونے کا واقعہ مشہور ہے۔ ایسے خطرناک حالات میں حضرت کا اللہ تبارک تعالیٰ کو یاد کرنا ہی کام آیا۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام جب فضائے عظمت مایہ کی پریشانیوں میں گھر گئے، جب بے چینی زیادہ بڑھی تو آنجناب پر ایسی حالت طاری ہو گئی تو نہایت پر جوش عالم میں پروردگار کائنات کو اس طرح پکارنے لگے۔ ان کی اس صدا کو قرآن مجید فرقان حمید نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ (سورۃ انبیاء: 83)

ترجمہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ تو پاک ہے میں ہی ظالموں میں سے ہوں۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ ایسے مشکل وقت میں جب حضرت نے خالق کا اس انداز میں ذکر کیا تو یہ ذکر الہی کا انداز بارگاہ رب العزت میں اتنا محبوب قرار پایا کہ اس کی برکت سے آپ کو اس مصیبت سے نجات ملی۔

اگر ہم تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ صرف ان ذوات مقدسہ پر ہی بارگاہ احدیت سے لطف و کرم نہیں ہوا بلکہ پرستار ان حق جس دور میں بھی ذات واجب سے ملتی ہوئے ہیں تو اللہ نے انکو ظاہری و باطنی رنج و غم سے نجات اور امداد حسب طلب پہنچائی ہے، چنانچہ اسی حوالے سے قرآن میں ارشاد باری ہوا ہے۔

فَاسْتَجِبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: ہم نے (یونس علیہ السلام) کی دعا قبول کی اور اس کو غم و الم نے سے نجات دی۔ اور ہم اسی طرح مومنوں

کونجات دیتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ فضل ربی کے نتیجے میں جب حضرت نے مچھلی کو حکم دیا تو اس نے دریا کے کنارے آپ کو اُگل دیا اور اس طرح آپ کو رنج و الم سے نجات ملی۔ یہ ایک مثال ہے کہ خالق کس طرح اپنے مقرب بندوں کو نجات عطا فرماتا ہے۔ لیکن یہاں اس حقیقت کی طرف توجہ بھی ضروری ہے کہ اسکی یہ رحمت خصوصیت کے ساتھ ان عقلمندوں کے لیے ہے جو اپنی زندگی کا ہر لمحہ اسکی یاد میں گزارتے ہیں۔ اور اگر ان سے بمتضائے طبیعت کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ تو وہ فوراً اس کا احساس ہوتے ہی اللہ کی طرف رجوع کر کے اس کا ذکر پاک کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ

(سورہ عمران: 135)

اور وہ لوگ جب کوئی فحش کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

کیونکہ قانون ہے کہ مقرب حق ہونے کا مقام ذکر باری تعالیٰ اور مجاہدہ کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔ علم مشقت کے آج تک کسی کو یہ اعلیٰ درجہ نہیں ملا۔ پس طالب حق کو چاہیے کہ اپنے خیالات کو دنیا کی طرف سے روکے اور افزودنی مال و عز و جاہ و دنیوی کے لیے کبھی دعا نہ مانگے۔ خدا سے خدا کو طلب کرے کیونکہ اس کی درگاہ عالی میں نفسانیت کی تحریک پر ناجیز اور فانی اشیاء کی درخواست کرنا یہ اپنے آپ کو حقیر بنانا، اپنی قدر و منزلت کھونا اور روحانی تاثیر کو خراب کرنے کا عمل ہے۔ مرد بن کر خدا کیلئے اپنی خواہشات کی قربانی دے۔ اگر دعا مانگے تو اپنی نشاط روحانی و عروج باطنی اور قرب الہی کے لیے مانگے۔ جو ابدی سرور و انبساط کا باعث ہے۔

ذکر الہی کا مقصد محبت و معرفت الہی کی راہ دریافت کرنا اور اسکی حقیقت سے خبر پاکے خود سے فانی ہو کر بقائے دوام اور درجہ توحید حاصل کرنا ہے۔ اعمال جسمانی کا خلاصہ ذکر اور ذکر کا خلاصہ مذکور میں غرق ہونا ہے۔ اس بات کو یاد رکھو کثرت ذکر کے بغیر وصال حق ناممکن ہے۔

لیک باید کار فرمائی

ورنہ خون خوردن ولم بچہ کار

پس سالک کو چاہیے کہ عقل و حواس سے کام لے کر عملی روشنی کے اجالے میں جادہ راہ عمل پر بڑھتا چلا جائے۔ عبادت کہ عادت الہیہ کی حیثیت سے ادا نہ کرے اور کبھی صدق و اخلاص کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ جسمانی عبادات سے اعلیٰ و ارفع عبادت قلبی و روحانی کی طرف متوجہ ہو کر ان کو پوری طاقت اور ذوق و شوق سے ادا کرے، ان کا اثر دل و دماغ پر امید افزا ہوگا۔ اور روح کو مسرت حاصل ہوگی۔ جس کا بفضلہ تعالیٰ لازمی نتیجہ وصول الی اللہ ہے۔

ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ ماں شیر خوار بچہ کو تھوڑا تھوڑا دودھ بکمال محبت پلا کر رفتہ رفتہ کھانے پینے کا سبق دیتی ہے تاکہ وہ عادی ہو کر آئندہ زیادہ غذا کھائے اور طاقت ور ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو صوم و صلوٰۃ

اور ظاہری عبادات کی چاشنی چکھا کر باطنی استعداد کے لیے تیار کرتا ہے۔ تاکہ ان میں بتدریج عقل کی صفائی اور ترقی سے باطنی توانائی اور قابلیت پیدا ہو جائے تو انوار و اسرار الہی کے پردے اٹھا کر حرم کبریا کا دروازہ ان پر کھول دیا جائے۔

اب جو بھی طالب حق ہو اسے دنیا کے نام و نمود اور مال و دولت کی طلب میں اپنی عمر عزیز کو تلف نہیں کرنا چاہیے۔ مال و دولت کا لاناگ ہے، اس کے ساتھ رہ کر اس سے بچنا نہایت مشکل ہے اس کے کائے کا منتر ہر ایک کو نہیں آتا۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں گیا، آپ کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے۔

”رب کعبہ کی قسم وہ لوگ بہت ہی نقصان میں ہیں۔“

ابو ذرؓ کہتے ہیں میں نے پوچھا حضورؐ آپ کن لوگوں کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔

آپؐ نے فرمایا: ”وہ لوگ جن کو اللہ نے زیادہ مال دیا ہے اور وہ اس کو صرف مادی آسائشات پر خرچ کرتے ہیں۔“ (بخاری)

باقی کے مقابلہ میں فانی کی طلب میں فنا نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ کے لیے اللہ کا ذکر پاک کی کثرت سے سالک کا دل اللہ کی محبت سے معمور ہوگا اور اس کا نام مقربان حق میں لکھا جائے گا۔ جو لوگ اس کے دیدار اور محبت پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں وہ اس کی بارگاہ سے دور پھینک دیئے جاتے ہیں۔

عقور کرنا چاہیے کہ انسان اللہ کو چھوڑ کر غیر کو کیوں پسند کرتا ہے؟ نفس کی پیروی اسے فانی کی محبت میں مبتلا کر کے تباہی کے اس غار میں ڈال دے گی جہاں سے نکلنا اس کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔ انسان کی روحانی بیماریوں کا علاج اور ترقیوں کا راز سچائی سے ذکر الہی کرنے میں ہے جو اس کے لیے خود لاثانی حکمتوں کے مالک نے تجویز فرمایا ہے اسے سوچنا چاہیے کہ کیوں اس کی ہدایت پاک پر عمل نہیں کرتا؟

”خلق سے قطع تعلق کر کے یا بالفاظ دیگر جو دنیا و مافیہا سے قطع تعلق کر کے اسکی طرف رجوع کرے اور اس کا بن جائے اور جو اس کے اسماء میں سے کسی ایک اسم کا ہر وقت ہر جگہ اور ہر حال میں کثرت سے ذکر کرے۔ اس کا ہی ہو کر رہے تو وہ اس کا ہو جائے گا“ اے اللہ کے ڈھونڈنے والے اسکی طرف دوڑ۔ اگر تو اس کی طرف دوڑ کر جائے گا، وہ بڑھ کر اپنی رحمت سے تیرا استقبال کرے گا۔

جب ”طالب روحانی“ آسمان معرفت پر پہنچنے کیلئے اپنی نفسانی خواہشات اور ماسواء اللہ کے خیالات کو خیر باد کہہ کر اپنے اندر صفات الہیہ پیدا کرے اور اپنے آپ کو ربانی رنگ میں رنگ لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے ربانی رنگ میں رنگ دیا جاتا ہے۔ اسی روش پر چلتے ہوئے جب طالب صادق کثرت سے ذکر باری میں معرفت اور اس کے فکر میں مشغول رہتا ہے تو سب سے ترک تعلقات کر کے عشق الہی سے معمور ہو جاتا ہے اور اس طرح وہ ریاضت و مجاہدہ کر کے منازل معرفت طے کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی ذات کو ترک کر دیتا ہے۔ اسکی خودی باقی نہیں رہتی وہ بے خود ہو جاتا ہے۔ اس کے دماغ پر ”سکر“ اور ہونٹوں پر مہر سکوت ثبت ہو جاتی ہے۔

اللہ حقیقت کو اپنے خیال پر ہر وقت چھایا ہوا، دل کی گہرائیوں میں مخفی طور سے موجود فکر میں اس کی ہستی کو حاضر اور قوت
ماللہ میں اس کو محفوظ رکھتا ہے تو رحمت حق کو جنش ہوتی ہے اور اس کو قہر مذلت سے نکال کر بام عروج پر پہنچا دیا جاتا ہے۔
طے کنندگان منازل الفت ہمیشہ اللہ اور رسول کی اہم ترین تعلیم یعنی ذکر خداوندی میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ
اس امارہ کی خوشنودی سے آرام نہیں پاتے، ان کی راحت تو ذکر الہی میں ہے۔ وہ راتوں کو جاگتے ہیں اور دن کو غیر ضروری
کاموں سے علیحدہ اللہ کی یاد میں مصروف نظر آتے ہیں۔

جیسا کہ ہم مسلسل اس حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ تمام عبادتوں کا مقصد نفسانی کدورتوں
اعلیٰ رجحانات اور بیکسی صفات سے دل کو پاک صاف کر کے ذکر الہی کو اس خالص سے خالص تر حیثیت میں حاصل کرنا ہے
ہر لغزش غیر اللہ کے تمام داغوں سے پاک اور وہم ماسواء اللہ سے کلیتاً صاف ہو۔ چونکہ حق تعالیٰ سے غافل رہ کر انسان اپنی
زندگی کے اعلیٰ اور حقیقی مقصد سے دور چاڑھتا ہے اس لیے ہر عبادت و عمل جو بظاہر کتنا ہی عمدہ معلوم ہوتا ہو اگر اللہ تعالیٰ کی یاد
پاک کو اپنے دامن میں نہ لیے ہوئے ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے جسم بے روح ایسی عبادت ایک خوبصورت ڈھانچہ تو کہی جا
سکتی ہے لیکن بے جان ہونے کی وجہ سے بارگاہ الہی میں پہنچنے کے قابل نہیں ہوتی۔

ذکر الہی کی کثرت انسان کو اس مقام توحید پر لے جاتی ہے جہاں ہر قسم کی ظاہری اور باطنی تفریق کا نام و نشان
مٹ جاتا ہے۔ وہ مشاہدہ کرتا ہے کہ تمام انسان اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کے قبضہ قدرت میں مقہور اور مطیع ہیں۔ جو بھی
مسلمان ہے اس کے لیے راہ عمل یہی ہے کہ رسول کریم کی سچے دل سے ایسے اتباع کرے جیسے ہمارے برگزیدہ اسلاف
نے کی۔ وہ علم ظاہری حاصل کرنے کے بعد باطن کی طرف مشغول ہوتے تھے۔ اس زمانے میں اکثر علماء شریعت کا علم
حاصل کر کے وادی روحانیت میں قدم رکھ کر آگے گام زنی کرتے جاتے تھے۔ اور آخر کار ایک روز بام کمال پر پہنچ کر
دوسروں کو بھی اوپر کھینچ لیتے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتی جیسے مرد صالح اور دوسرے اولیائے کرام کے سلاسل اس حقیقت کا
کھلا ثبوت ہیں۔ اولیاء اللہ کے گروہ مبارک نے اپنے آقائے نادر رسول کریم کی اتباع میں ریاضت، مجاہدہ اور ذکر و فکر کا
بار بخوشی برداشت کیا اور بفضلہ تعالیٰ لافانی عروج پر پہنچے۔

اسم سے مستی کی طرف راستہ مل سکتا ہے۔ اسم سے مستی کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ اور خالص اطاعت کا شعور
پیدا ہوتا ہے۔ بغیر معرفت الہی صحیح اطاعت کا ہونا مشکل ہے کیونکہ پہلے معرفت ہے اس کے بعد اطاعت سے پہلے علم کا ہونا
ضروری ہے۔

ذکر الہی کی کثرت سے اعتماد مضبوط ہوتا ہے اور اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ نہیں رہتا۔ بداعتمادی سے سب
اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ اسم مستی کو خیال مصور عقل میں موجود شعور میں مقبلی اور فکر میں عیاں کرتا ہے۔ گویا اسم ظاہر اور
مسمیٰ باطن ہے۔ اسم ذات کا تقاضا کرتا ہے اور فکر کو اس کی طرف رجوع کرواتا ہے۔ اسم اور صفت سے ہٹ کر اللہ کی
معرفت کا کوئی راستہ نہیں۔ اسمائے حسنی سے ذکر الہی کا مقصد یہ ہے کہ سالک اسمائے الہی کا ورد کر کے ان کے معنی اور
کیفیات کا عالم ظاہر میں اپنی قوت فکر سے مشاہدہ کرے اور اس کے بعد ان کو اپنی ذات میں تلاش کرے تاکہ اسے اس

ہمارے روشن ضمیر اسلاف خداوند تعالیٰ کے ذکر پاک کے بے اندازہ فوائد سے واقف تھے۔ وہ نورانی اللہ کی
طلب میں ذکر و فکر، ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس نعمت غیر مترقبہ سے مستفیض فرماتے تھے۔ اسلاف
کرام اور مشائخ عظام کی تمام تر مساعی جلیلہ کا مقصد انسان کو مادی حصار سے نکال کر ذکر الہی کی راہ پر ہی لگانا تھا۔ اس
تلخ میں زیادہ سے زیادہ عامۃ الناس کو ذکر الہی کی مٹھاس اور شیرینی سے آگاہی دلانے اور ذکر الہی کے فروغ کے لیے
روحانی طالبین کے پر زور اصرار پر ایک منظم جدوجہد کے لیے ادارہ ترقیات روحانیت کا آغاز کیا گیا ہے۔

یہ ادارہ اسلامی تصوف کے حوالے سے اسلاف کی قائم کردہ اس درخشندہ روایت کو تابندہ کرنے کے لیے
خدمات سرانجام دے گا کہ جس کے تحت خدا کی توحید کے حوالے سے ایسے اعلیٰ خیالات، لطیف نکات اور حیران کن اسرار
خداوندی سے طالبان حق کو روشناس کروایا جائے گا تاکہ عامۃ الناس بالعموم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ بالخصوص اس حقیقت سے
آگاہی حاصل کر کے جان پائے کہ تصوف کی رہنمائی میں انسان کہاں سے کہاں پہنچ سکتا ہے۔

اس ادارہ کا اصل ہدف انسان کو اس کے مقصد حیات سے آگاہ کرنا ہے۔ کیونکہ مادیت کی دلدل میں رہنے والا
انسان جس کو زندگی سمجھ رہا ہے حقیقتاً وہ زندگی نہیں ہے۔ کسی مرد کامل کی سرپرستی میں جب انسان اللہ کا ذکر کثرت سے کرے
گا تو اسے معلوم ہوگا کہ زندگی کیا ہے۔۔۔۔۔؟ اس حقیقت کی نقاب کشائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں
فرمائی ہے کہ۔۔۔

ترجمہ: ”جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرے اور جو نہ کرے ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہی ہے۔“
ایسی عبادت کسی کام کی نہیں جس کے ذریعے نفسانیت کی تکمیل کا ارادہ ہو اور جو انسان میں رعونت اور تکبر پیدا
کرے، جو اسے خود اپنی نظروں میں بڑا دکھلائے۔ اس سے تو وہ گناہ بہتر ہیں جس سے انسان میں تواضع اور نیستی پیدا ہو اور
وہ دل کی عاجزی سے مغفرت کا طلب گار ہو۔ حکیم سنائی فرماتے ہیں۔

بیزارم ازاں طاعت کہ مرا بچب آرد
آن معصیت مبارک کہ مرا بعذر آرد
حدیث قدسی میں وارد ہے ”جو میرا ذکر کرے گا میں اس کا ہمنشین ہوں گا۔ جو میرا شکر کرے اور مجھ سے محبت
رکھے میں اس کا حبیب ہوں۔“

لَا يَصِلُ أَحَدٌ إِلَى اللَّهِ إِلَّا بِذِكْرِهِ
کوئی عمل اللہ تک نہیں پہنچاتا صرف اس کا ذکر ہی کامیابی کا بوازا رہتا ہے۔ اسم مستی سے ایسی نسبت ہے جسے
جسم کا تعلق روح سے۔ اسم سالک کو مستی سے شفاف کرتا ہے۔ اور اس کے دماغ سے خس و خاشاک ماسواء اللہ کا استحصال کر
کے یہاں تک پاکیزہ نظر اور بلند فکر کر دیتا ہے کہ اس کو گلشن عالم میں ہی حسن ازل کی جلوہ گری کا دریا موجیں مارتا ہوا محسوس
ہوتا ہے۔ وہ اپنے ذہن جاذب میں سیلاب نور اور حسن و کمال کی دوزخی ہوئی ضیاء پاش ابروؤں کا بصیرت سے مطالعہ کرتا
ہے۔ اس کا حسن فہم اس مخزن لطف و کرم کی طرف خود بخود کھینچا جاتا ہے۔ جب شوق میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے ثابت

یاد الہی کو نہ چھوڑے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک کثرت سے جاری رہے گا تو یہ حالت نہ رہے گی بلکہ جب انوار و تجلیات ربانی دل کو منور کر دیں گی تو نفس و شیطان کا مکر تباہ ہو جائے گا۔

اگر کچھ عرصہ توجہ کے ساتھ ذکر الہی اور اسمائے حسنی کا ورد کیا جائے تو قلب میں جذبات خضوع و خشوع ابھرتے اور محبت حق پیدا ہوتی ہے۔ جب ذکر الہی کی کثرت سے محبت کا درجہ بلند ہو جاتا ہے تو محبوب کے علاوہ جو کچھ دل میں ہوتا ہے اس کو محبت مٹا دیتی ہے۔ ابتداً سالک نے اپنے نفس کو دوزخ کے خوف اور حور و قصور کے لالچ سے روک کر خالص اللہ کے لیے جو عبادت کرنے میں دشواری محسوس کی تھی، جذبہ محبت نے اس کو زائل کر لیا۔ اب اس کو اللہ کے علاوہ نہ کسی اجر کی آرزو رہی اور نہ کسی جزا کی طلب جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَ خَيْرٌ عُقْبًا (سورۃ کہف: 44)

ترجمہ: ”وہی بہتر ثواب اور بدلہ ہے۔“

جب سالک کو اپنا فعل ہی نظر نہیں آتا تو وہ کس کام کا اجر طلب کرے؟ اللہ کا طالب بن کر ماسوا پر نظر ڈالنا طلبِ صدق کو ظاہر نہیں کرتا۔

جب سالک اللہ پاک کا ذکر اس قدر کثرت سے کرے کہ انوار ذکر اس کے دل و دماغ پر چھا جائیں اور اس کی روح کا جسمانی صفات و کیفیات سے کوئی لگاؤ نہ رہے تو پھر اس کو سکون دائمی حاصل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب کوئی گروہ ذکر الہی کے لیے بیٹھتا ہے تو اس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت نازل ہوتی ہے اور خداوند متعال اپنے قریبی لوگوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت ممشاد نیورٹیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ خدا کا دروازہ کہاں ہے؟

آپ نے فرمایا ”جہاں تو نہ ہو۔“

حضرت عبداللہ مغربیؒ فرماتے ہیں کہ:

مشاہدہ اسی ذکر کو نصیب ہوتا ہے جو خود سے غیر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

طالب حق کو چاہیے کہ اپنے عارضی وجود کی کشتی کو توڑ ڈالے تاکہ انوار ذات کے بے پایاں سمندر سے آشنا ہو سکے۔ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈے۔ وجود حقیقی سے یگانگی اختیار کرے، بیگانگی کی راہ پر چلنے سے انسان بیگانہ ہو جاتا ہے۔

ذکر کا مطلب حق تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ طالب روحانیت ذکر الہی میں مشغول ہونے کے باوجود حق تعالیٰ سے غافل اور دنیا و مافیہا کے ساتھ حاضر رہے۔ ایسی حالت میں تیرا ذکر غیر مذکور کا ذکر کہا جائے گا۔

طوطے کی طرح میاں مٹھوکی رٹ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ معلم نے ہی طوطے کا نام میاں مٹھوکی لکھا تھا لیکن وہ اپنی نا سمجھی کی وجہ سے اس راز سے واقف نہ ہو سکا اور بے سمجھے بوجھے برابر میاں مٹھوکی رٹ لگا دیتا ہے۔

اس راستہ میں چند قدم تو عقل کی روشنی ساتھ دیتی ہے لیکن جب عشق الہی کی زوردار آندھیاں چلنا شروع ہوتی

حقیقت کا عین یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنانے سے پہلے اس کو اپنی صفت سے موصوف فرمایا۔ یہی منشاء ذکر ہے مگر اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے فکر کی خاص ضرورت ہے۔ اگر ذکر و فکر کی برکات سے بہرہ ور نہ ہو جائے تو ذکر عامل بن جاتا ہے اور کشف و تنخیر حاصل کر کے دنیائے دوں کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ لیکن جب ذکر و فکر اکٹھا کیا جائے تو رفتہ رفتہ وہ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے درجہ بدرجہ ایک دن عرفان پر فائز ہو کر عارف بن جاتا ہے۔

ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما

مطرب بگوئے کار جہاں شد بکام ما

ذکر الہی وہ ملکوتی عبادت ہے جس کیلئے کوئی زمانی و مکانی قید نہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ جس کا ذکر بکثرت اور اچھائی سے کرتا ہے اس کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے۔ جو لوگ اہل و عیال، مال و زرو نام و نمود اور عزت و شہرت کا ذکر زبان پر رکھتے ہیں ان کے دل ان فانی اشیاء کی محبت اور کیفیات سے خالی نہیں ہوتے۔ قابلِ افسوس ہیں وہ لوگ جو دنیا اور اس کی لذتوں کا رونا تو روتے ہیں لیکن یاد الہی سے نہ صرف غافل ہیں بلکہ اگر کسی طالب حق کو اللہ کے ذکر کی طرف راغب دیکھتے ہیں تو اس کو بھی روکتے اور مختلف پھندوں میں پھانس کر برباد کر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا کر یہ تھانے میں

کہ اکبر نام لیتا ہے خلعت کا اس زمانے میں

کس قدر افسوس ناک حالات ہیں کہ انسان ماں باپ، دوست احباب، تجارت اور دیگر مالی دنیا کے لئے نقصان وغیرہ کے فکر کے ذکر کو تو پسند کرے لیکن اللہ عزوجل کے ذکر سے دور ہے۔ کاش وہ اپنے اعمال کو دیکھے اور ان کے نتائج کا خیال کرے۔ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جو کھانے پینے سونے جاگنے اور دوسری نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں رکھتے وہ کون ہیں اور وہ کیا ہیں۔۔۔؟

قابل غور بات ہے کہ جن کو جانور کہا جاتا ہے وہ کیا کام کرتے ہیں۔ اکثر جانوروں میں کل کے لیے جمع کرنے کی حرص مطلق موجود نہیں۔

یاد رکھیں جس طرح ظاہری قلم و قلم سے جسم برباد ہو جاتا ہے اسی طرح حق سے غفلت کی وجہ سے قلب مردہ کر دیا جاتا ہے۔ اور یہی حال عقول اور ارواح کا ہوتا ہے۔ نا اہل صرف جسم اور جسمانیات کو دیکھتے اور ان کی نمود پر داخت پر لگے رہتے ہیں۔ جب وہ ذکر الہی میں اپنے حواس کو نہیں لگاتے تو حق سے غافل رہتے اور خود پر ظلم کرتے ہیں، یہ ظلم جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو حواس مسخ کر دیے جاتے ہیں اور حواس کے مسخ ہونے کے بعد وہ اپنے نفس کی ماہیت اور حقیقت جاننے کے قابل نہیں رہتا اور بہائم سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ الْكَلْبُ الَّذِي لَا يَعْقِلُونَ (سورۃ انفال: 22)

ہندے میں نفسانی خطرات اور شیطانی وساوس ہر وقت موجیں مارتے اور اس کی تصدیق و ایمان کو خراب کرتے رہتے ہیں۔ لہذا اس کو چاہیے کہ ان کو ابھرنے نہ دے اور ان کا مقابلہ ہمت و استقلال سے کرتا جائے۔ دلی اعتقاد اور

ہیں تو عقل اپنے لغوی معنوں کے بموجب پاؤں کا بندھن معلوم ہونے لگتی ہے جس کو عشق کی طرح برداشت نہیں

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

جب انسان ذکر الہی ہر ممکن اخلاص و ادب کے ساتھ کرتا ہے تو نتیجتاً رحمت الہی جوش میں آکر اس کا
روحانیت واکر دیتی ہے۔

اسم اعظم کا بیان

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا یعنی شہزادی بلقیس کا تذکرہ قرآن مجید فرقان مجید میں ایک واقعہ کی صورت
میں بیان ہوا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنا روحانی لوہا منوایا۔

قرآن نے اس واقعہ کا آغاز اس طرح کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنا حکم نامہ ایک غیبی موکل ہدیم کے
ایسی حالت میں شہزادی بلقیس کی طرف پہنچایا جب وہ اپنے دار الخلافہ شہر سبا کے اندر سو رہی تھی اور ارد گرد ایسے سخت گرم
لگے ہوئے تھے کہ کسی پرندے کا بھی وہاں سے گزرنے کا امکان نہ تھا۔

خط کا مختصر مضمون یہ تھا:

إِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ أَلَّا تَعْلَمُوا عَلَيَّ وَأَتُونِي مُسْلِمِينَ

(سورہ نمل: 30-31)

ترجمہ: ”یہ خط خدا کے پیغمبر سلیمان کی طرف سے ہے اور اسے اللہ تعالیٰ رحمن اور رحیم کے نام کی طاقت
بادشاہی حاصل ہے جس کا مقابلہ کرنا مادی طاقت والے بادشاہوں کا کام نہیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ تم مجھے ہدیم
برتری اور بہتری کا خیال ترک کر کے میرے پاس مطیع فرمانبردار اور مسلمان بن کر آ جاؤ۔“

ملکہ بلقیس نے سلیمان کا یہ عجیب و غریب خط پاتے ہی اپنے امیروں اور وزیروں کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا
کہ میرے پاس سلیمان پیغمبر کی طرف سے کتاب کریم یعنی بڑی عزت اور شان والا خط موصول ہوا ہے جس کے درجہ
انہوں نے ہم کو دین اسلام کی طرف دعوت دی ہے۔ اب تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ خط والے کی باطنی طاقت
اور روحانی عظمت اس خط اور اس کے غیبی طور پر پہنچنے کی عجیب و غریب نوعیت سے نمایاں تھی۔ کیونکہ وہ ایک معمولی خط تھا
جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ چنانچہ دربار میں اس معاملے پر خوب بحث و تمحیص ہوئی اور مختلف آراء دی گئیں۔ اس زمانے میں
یمن کے علاقہ سبا میں ملکہ بلقیس کی بڑی وسیع اور عظیم الشان سلطنت تھی۔ وہ لوگ سورج دیوتا کی پرستش کیا کرتے تھے۔

آخر درباری امر اور راء نے متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ

قَالُوا لَنْحْنُ أَوْ لَوْ قُوَّةٌ وَأُولَؤْا نَاسٌ شَدِيدٌ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانْظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ۔ (سورہ نمل: 33)

یعنی ”ہمارے پاس بڑی زبردست فوجی طاقت ہے جس کے ذریعے اطراف عالم میں لوگوں کے دلوں کے اندر
الغول و ہراس چھایا ہوا ہے۔ اے ہماری ملکہ! حکومت کی باگ دوڑ تیرے ہاتھ میں ہے اب تو خود سوچ سمجھ کر اپنا
الہی فیصلہ ظاہر کر کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنی رائے یوں ظاہر کی
”إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ“

(سورہ نمل: 34)

چنانچہ اپنی اس رائے میں ملکہ نے جنگ و جدال اور خوں ریزی سے یہ کہتے ہوئے پہلو تپکی کیا کہ ”ہمیشہ سے
الہوی بادشاہوں کا یہ وتیرہ اور طریقہ چلا آیا ہے کہ جب انہیں اپنے مخالف فریق پر فتح اور غلبہ حاصل ہوتا ہے تو وہ ان کے
لٹکے چڑھ دوڑتے ہیں اور جذبہ انتقام میں تخت و تاج اور اسے تہہ دہالا کر دیتے ہیں۔“

یعنی جنگ کا نتیجہ بنی نوع انسان کی تباہی اور بربادی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا ساتھ یہ بھی کہا:

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ (نمل: 35)

یعنی میں سلیمان کو کچھ تحفے تحائف بھیج کر راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیونکہ اکثر دنیا کے حریص بادشاہ
ان باتوں سے خوش اور مطمئن ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پیغمبر آخر کس بات کے خواہاں ہوتے ہیں۔
فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِي بِسَبَإٍ فَمَا آتَنِي اللَّهُ خَيْرٌ مِمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ
لَمَّحُونَ إِنْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ عِلْمًا كَلَّا إِنَّهُمْ يَرْتَبُونَهَا عِزًّا وَمَا هُمْ بِدَائِرِينَ

ترجمہ: ”جب سلیمان کے پاس بلقیس کے قاصد تحفے تحائف لے کر پہنچے تو سلیمان نے فرمایا تم لوگ مجھے اپنے
مال کا لالچ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو باطنی دولت مجھے بخشی ہے وہ دنیا کی تمام مادی دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ تم ہی
جو اس قسم کے مادی تحائف سے خوش ہوتے ہو۔ اپنے یہ تحفے واپس لے جاؤ۔ اگر تمہاری ملکہ مطیع فرمان ہو کر میرے
پاس آتی ہے تو فیہا ورنہ میں ایسے ظاہری اور باطنی لشکر کے ساتھ تمہارے ملک پر چڑھ آؤں گا کہ جس کے مقابلے کی تاب
تمہیں ہرگز نہ ہوگی اور میں تمہیں ذلیل اور خوار کر کے اس ملک سے نکال دوں گا۔“

(نمل: 36-37)

چنانچہ جب قاصدوں اور ایچیوں نے واپس آ کر اپنی ملکہ کو حضرت سلیمان کی ظاہری اور باطنی سلطنت اور
غفیری شان و شوکت کا حال سنایا تو بلقیس پر آپ کی نبوت اور صداقت عیاں ہو گئی اور مزید تحقیقات اور اطمینان خاطر کے
لئے خود بنفس نفیس حضرت سلیمان کی زیارت اور ملاقات کے لیے روانہ ہو گئی کیونکہ ملکہ بلقیس نے خیال کیا کہ سلیمان کے
پاس اس قسم کی کوئی غیر مرئی غیبی طاقت موجود ہے جو آنکھوں سے اور جمل کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر ظاہری
اسباب بطور اپورٹس (APPORTS) ایک دم میں پہنچا سکتی ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنا خط غیر مرئی طاقت سے مجھ تک
پہنچا دیا تھا۔ سو اگر سلیمان کوئی بڑی بھاری چیز بھی اس طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا کر لے جا سکتا ہے تب تو وہ
ہمارے خزانوں اور سامان حرب پر آسانی سے قبضہ کر سکتا ہے۔

اسماء ہیں جن کا کل مجموعہ 234 ہے۔ پس اس فارمولا کے تحت ان اسماء الہیہ کا 234 مرتبہ روزانہ ورد محمد عبد اللہ کے لیے اس اسم اعظم کا درجہ رکھتا ہے۔

حروف ابجد کے اعداد

ا	ب	ج	د	ه	و	ز	ح	ط	ی
1	2	3	4	5	6	7	8	9	10

ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
20	30	40	50	60	70	80	90	100	200	300	400

ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
500	600	700	800	900	1000

اسمائے حسنیٰ

اللہ	66	اللہ کا ذاتی نام ہے
الرَّحْمَنُ	298	بے حد رحم کرنے والا
الرَّحِيمُ	285	بڑا مہربان
الْمَلِكُ	90	حقیقی بادشاہ
الْقُدُّوسُ	170	عیبوں سے پاک ذات
السَّلَامُ	131	سلامتی دینے والا
الْمُؤْمِنُ	136	امن و ایمان دینے والا
الْمُهَيِّمُ	145	نگہبان
الْعَزِيزُ	94	سب پر غالب
الْجَبَّارُ	206	سب سے زبردست

پس ایسے زبردست روحانی طاقت والے پیغمبر کا مقابلہ کرنا ہماری مادی طاقت سے بالاتر ہے۔ دوسری بات حضرت سلیمانؑ نے فوراً ملکہ بلقیس کے سنہری تخت کو جو کئی سو سن وزنی تھا اپنے پاس اٹھا کر لانے کا بندوبست کیا تھا۔ بلقیس ابھی راستے میں تھی کہ آپ نے اپنے موٹکوں اور مصاحبوں کو حاضر کر کے ان سے دریافت کیا کہ:

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُوْا إِلَيْكُمْ يَا بُنَيَّ بَعْرُ شَيْءٍ قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (النمل: 38)

ترجمہ: حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اے میرے دانش مند اور ہنرمند مصاحبو! تم میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کے تخت کو اٹھا کر اس کے یہاں مطہر فرمان ہو کر پہنچنے سے پہلے میرے سامنے پیش کر دے۔

قَالَ عَفَرْتُ مِنَ الْحَيِّ اَنَا اِيْلِكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَاِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيْ اٰمِيْنٌ ۝

(سورہ نمل: 39)

ترجمہ: ”ان مصاحبوں میں سے ایک عفریت نامی جن سردار تھا اس نے کہا پیغمبر اس کے کہ آپ اپنی ہاتھ نشست سے اٹھ کر کھڑے ہوں میں وہ تخت لا کر حاضر کر دوں گا اور مجھے اس قدر طاقت حاصل ہے اور میں اس بات کا یقین ضامن ہوں کہ میں اس تخت کے زور و جواہر میں کسی چیز کی خیانت نہ کروں گا۔“

”قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ اَنَا اِيْلِكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يُّرْتَدَّ اِلَيْكَ ظُرْفُكَ“ (النمل: 40)

ترجمہ: ”اس کے بعد آپ کے ایک مصاحب (آصف برخیا) جس کے پاس آسمانی کتاب کی دعوت کا علم تھا، کہا کہ میں طرفہ العین یعنی آنکھ جھپکنے کے اندر وہ تخت حاضر کر دوں گا۔“

جب حضرت سلیمانؑ نے آصف بن برخیا کو حکم دیا تو آصف بن برخیا نے پلک جھپکنے سے پہلے میلوں دور پڑے ہوئے کئی سو سن وزنی تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ قرآن مجید فرقان حمید میں منقول اس واقع کی تمام تفصیلات کو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کا مقصد اس حقیقت کو عیاں کرنا تھا جو ہم اب آپ کے سامنے بیان کرنے جا رہے ہیں کہ آصف عارفان حق سے پوچھا کہ آصف بن برخیا کے پاس وہ کونسی طاقت تھی جس کے ساتھ انہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا تو ہم اس بات کا جواب ارشاد یہ ملتا ہے آصف بن برخیا کے پاس اسم اعظم کا علم تھا۔ اسم اعظم اکابر صوفیاء اور مشائخ عظام کے درمیان بڑا معرکہ الآراء موضوع رہا ہے۔

یہاں ہم سیدنا امام جعفر صادقؑ سے منقول اسم اعظم کے حصول کا ایک طریقہ درج کر رہے ہیں۔

مثال کے طور پر میرا نام محمد عبد اللہ ہے اب میں نے ”محمد عبد اللہ“ کے حروف ابجد نکالے

92

محمد

142

عبد اللہ

234

کل میزان

اب ہم اسماء الہیہ میں سے کسی ایسے اسم کا انتخاب کریں گے کہ جس کا عدد بھی 234 ہو اگر ہمیں ایک اسم نہ ملے تو پھر ہم دو یا تین ایسے اسماء کا انتخاب کریں گے کہ جن کے اعداد کا مجموعہ 234 ہو۔ اللہ کے اسماء میں یا علی یا معبود ایسے

جمالی	232	بہت بڑا
جمالی	998	سب کا محافظ
جلالی	550	صاحب اقتدار
جمالی	80	سب کے لیے کافی
جلالی	73	صاحب قدرت و جلال
جمالی	270	سخاوت و بخشش کرنے والا
جمالی	312	محافظ و نگہبان
جلالی	55	دعائیں قبول کرنے والا
	137	فراخی دینے والا
جمالی	78	حکمت والا
جمالی	20	بڑی محبت کرنے والا
جمالی	57	کرم و بخشش کرنے والا
جمالی	573	جزا و سزا دینے والا، زندہ کرنے والا
جمالی	319	جس سے کچھ بھی پوشیدہ نہ ہو
جلالی	108	برحق و برقرار رہنے والا
جمالی	66	بڑا کارساز
جلالی	116	وہ طاقتور ذات جس پر کبھی بھی ضعف طاری نہ ہو
جمالی	500	شدید قوت والا
جمالی	46	مددگار اور حمایتی حاکم مطلق
جمالی	62	لائق تعریف
جلالی	148	احاطہ کرنے والا
جلالی	56	پہلی بار پیدا کرنے والا
جلالی	124	پلٹانے والا دوبارہ پیدا کرنے والا
جمالی	58	زندگی دینے والا
جلالی	490	موت دینے والا
جلالی	18	ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا
جلالی	156	سب کو قائم رکھنے اور سنبھالنے والا

الْكَبِيرُ
الْحَفِیْظُ
الْمُقِیْتُ
الْحَسِیْبُ
الْجَلِیْلُ
الْكَرِیْمُ
الرَّقِیْبُ
الْمُحِیْبُ
الْوَاسِعُ
الْحَكِیْمُ
الْوَدُوْدُ
الْمَجِیْدُ
الْبَاعِثُ
الشَّهِیْدُ
الْحَقُّ
الْوَكِیْلُ
الْقَوِیُّ
الْمَتِیْنُ
الْوَلِیُّ
الْحَمِیْدُ
الْمُحْصِیُّ
الْمُبْدِیُّ
الْمُعِیْدُ
الْمُحِیُّ
الْمُمِیْتُ
الْحَیُّ
الْقَیُّوْمُ

جلالی	262	بڑائی اور بزرگی والا
جمالی	731	پیدا کرنے والا
جلالی	213	جان ڈالنے والا
جمالی	336	صورت گری کرنے والا
جمالی	1281	درگزر کرنے والا
جلالی	306	سب کو اپنے قابو میں رکھنے والا
جمالی	14	بے حساب عطا کرنے والا
جمالی	308	روزی رسانی میں کافر و مومن کا فرق نہ رکھتی ہو۔
جمالی	489	ہر عقدہ (بندش) کو کھولنے والا
جمالی	150	ہر مخفی بات سے باخبر
جمالی	903	سخت گرفت والا
جمالی	72	روزی فراخ کرنے والا
جمالی	1481	پست کر دینے والا
جمالی	351	بلند کرنے والا
جمالی	117	عزت دینے والا
جلالی	770	ذلت دینے والا
جلالی	180	سب کچھ سننے والا
جمالی	302	سب کچھ دیکھنے والا
جمالی	68	حاکم مطلق
جمالی	104	عدل و انصاف کرنے والا
جمالی	129	لطف و کرم کرنے والا
جمالی	812	باخبر۔ آگاہ
جمالی	88	بڑا بردبار
جمالی	1020	صاحب عظمت
جمالی	1282-6	بہت زیادہ بخشے والا
جمالی	526	شکر قبول کرنے والا
جمالی	110	بلند تر

الْمُتَكَبِّرُ
الْخَالِقُ
الْبَارِئُ
الْمُصَوِّرُ
الْغَفَّارُ
الْقَهَّارُ
الْوَهَّابُ
الرَّزَّاقُ
الْفَتَّاحُ
الْعَلِیْمُ
الْقَابِضُ
الْبَاسِطُ
الْخَافِضُ
الرَّافِعُ
الْمُعِزُّ
الْمُذِلُّ
السَّمِیْعُ
الْبَصِیْرُ
الْحَكَمُ
الْعَدْلُ
الْلَطِیْفُ
الْخَبِیْرُ
الْحَلِیْمُ
الْعَظِیْمُ
الْغَفُوْرُ
الشَّكُوْرُ
الْعَلِیُّ

جلالی	1001	ضرر پہنچانے والا خسارہ دینے والا
جمالی	201	نفع پہنچانے والا
جمالی	256	روشنی، ہدایت و بصارت دینے والا
جمالی	20	مخلوق کو ہدایت دینے والا
جمالی	86	بغیر اسباب کے بنانے والا
جلالی	113	ہمیشہ باقی رہنے والا
جلالی	707	ہر چیز کا حقیقی وارث
جمالی	514	صحیح راہ پر چلانے والا
جلالی	298	بڑے صبر و تحمل والا



حوش جیوے سر فراز شاہ وچ مانچسٹر

جلالی	14	ہر چیز کو پانے والا	الْوَاٰجِدُ
جلالی	48	بزرگی اور بڑائی والا	الْمَاجِدُ
جلالی	19	ایک	الْوَاٰحِدُ
جلالی	13	ایک اکیلا	الْاَحَدُ
جلالی	134	بے نیاز	الْصَّمَدُ
جلالی	305	قدرت والا	الْقَادِرُ
جلالی	644	قوت ظاہر کرنے والا	الْمُقْتَدِرُ
جلالی	184	سب سے پہلے (موجودہ)	الْمُقَدِّمُ
جلالی	846	سب سے آخر رہنے والا	الْمُؤَخِّرُ
جلالی	37	ہر مخلوق سے پہلے	الْاَوَّلُ
جلالی	801	ہر وجود کے فنا ہونے کے بعد بھی رہنے والا	الْاٰخِرُ
جلالی	1106	ظاہر و آشکارا (اپنی قدرت کی علامتوں سے)	الْظَّاهِرُ
جمالی	62	فکر و نظر کی گرفت سے پوشیدہ و نہاں	الْبَاطِنُ
جمالی	47	مالک و کارساز	الْوَالِي
جلالی	551	سب سے بلند و برتر	الْمُتَعَالٰی
جمالی	202	نیکی دینے والا	الْبَرُّ
جمالی	409	بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا	التَّوَابُ
جلالی	630	بدلہ لینے والا	الْمُنْتَقِمُ
	156	معاف کرنے والا	الْعَفُوُّ
جمالی	286	لطف و کرم کرنے والا	الرَّؤُفُ
جلالی	212	کائنات کا مالک	مَالِكُ الْمَلِكِ
جلالی	1100	جلال اور کرامت والا	ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ
جلالی	209	عدل و انصاف قائم کرنے والا	الْمُقْسِطُ
جلالی	114	سب کو جمع کرنے والا	الْجَامِعُ
جمالی	1060	غنی کرنے والا	الْغَنِيُّ
جمالی	1100	بے نیاز و غنی بنا دینے والا	الْمُغْنِي
جلالی	161	روک دینے والا	الْمَانِعُ

لڑنے اور وحدانیت کا وہیہ ہوتا ہے۔

سو خجگان عشق الہی پر آتش جہنم حرام ہے۔ جس دل میں محبت الہی نہیں وہی دوزخ میں جلتے گا اور حلاوت ایمانی سے بے بہرہ رہے گا جیسا کہ حدیث پیغمبرؐ اس پر شاہد ہے۔

لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهُ

ترجمہ: خبردار جس کو محبت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں۔

اعمال جوارح بغیر محبت الہی بھی ادا کیے جاسکتے ہیں مگر اعمال قلب جو نتیجہ ایمان سے ہیں بلا محبت نہیں ہو سکتے کیونکہ محبت قلب سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ جوارح سے۔ ایمان محبت کے بغیر کامل نہیں ہو سکتا۔

علمائے شریعت کا نظریہ ہے کہ اللہ کو بندہ کے ساتھ یہ الفت ہے کہ اس کو زندگی میں نیک اعمال ایسے افعال کی ہدایت اور عبادت کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں اس کو جزائے خیر عطا کرے۔ اور بقول ان کے بندہ کی محبت خدا کے ساتھ اس صورت میں ظاہر ہو سکتی ہے کہ اپنے جسم فانی کو اللہ کے مقررہ فرائض و اعمال یعنی عبادت الہی کی ادائیگی میں ہر وقت مصروف رکھے اور اپنی راحت اخروی کے لیے کوشاں رہے۔

اہل طریقت کے نزدیک خداوند تعالیٰ کو بندہ سے یہ انس ہے کہ اپنے بندہ مجبور و لاچار، سراسیمہ و پریشان حال، یکدہ و تنہا اور بے یار و مددگار کو اپنی رحمت سے نواز کر اپنی درگاہ بے نیاز سے قربت عطا کرے، اور بندہ کو ذات واجب کے ساتھ ایسی محبت ہوئی چاہیے کہ اپنی نظر کو غیر اللہ سے ہٹائے تاکہ اس کے دل میں ماسوائے اللہ کے مختلف دل فریب اور رنگین خیالات نہ آنے پائیں۔ دل کو محبوب حقیقی کے لیے پاک و صاف رکھے اور دائرہ محبت کو وسیع کرتا رہے۔ ہر دم اس کی یاد سے دل کو تازہ رکھے۔ اپنی ہستی عشق کے لیے وقف کر دے۔ یا محبوب میں ایسا بے خود ہو جائے کہ اپنی بھی مطلق خبر نہ رہے۔ جس طرح کسی لبریز تالاب کا بند شکستہ ہونے پر اس کا پانی زور و شور سے بہہ نکلتا ہے اور خس و خاشاک کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا ہے اسی طرح جس دل میں عشق کا جذبہ عظیم پیدا ہو جائے تو پھر یہ روکنے سے نہیں رکتا اور بوجہ شعلگی دل کا روکا ہوا سیلاب جب بہہ نکلتا ہے تو خواہشات ماسوائے اللہ دل سے غائب ہو جاتی ہیں اور وہ دنیوی دولت و آرام سے بے پروا اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

عشق الہی اور ذکر الہی

ارباب معرفت یہ بھی کہتے ہیں کہ محبت اور ذکر لازم و ملزوم ہیں اپنے قول پر وہ حضور کریمؐ کا یہ فرمان پیش کرتے

ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

مَنْ أَحَبَّ شَيْئًا أَكْثَرَ ذِكْرُهُ

ترجمہ: جو شخص جس چیز کو زیادہ دوست رکھتا ہے وہ زیادہ تر اسی کا ذکر کیا کرتا ہے۔

حب محبت، محبوب، طلب، طالب، مطلوب، عشق، عاشق، معشوق یہ تین حالتیں ہیں۔ حب و طلب اور عشق کا

روحانیت اور عشق الہی

روحانی بیداری اور باطنی لطافت جس کے زیر اثر انسان انوار الہیہ کے فیوض و برکات سے کاملاً بہرہ مند ہو اس وقت تک ناممکن ہے جب تک اسے عشق الہی کا ساغر نصیب نہ ہو۔

عشق الہی کا معنی یہ ہے کہ انسان کی زندگی سٹ کر ایک مرکز پر آجائے اور بال و پر پکارنے لگے:

اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

ترجمہ: بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک عالمین کے پروردگار

اللہ کے لیے ہے۔ صوفیا کا کہنا ہے کہ عشق الہی ہی راز حیات ہے۔ اگر اس کی آگ دل میں نہ ہو تو وہ گوشت کا ایک بے ہاں گدا ہے اور اگر اس میں الہی حرارت ہو تو انوار الہیہ کا محل۔

سلامتی دل عشاق از محبت تست

وگر نہ این دل پر خوں چر جائے منزل تست

وادی عشق کے مسافر کی قلبی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اسے ایک لمحہ بھی اللہ کے بغیر چین نہیں ملتا۔

شبلی رحمت اللہ علیہ کا یہ قول اس امر کی غمازی کرتا ہے۔

الْفَقِيرُ مَنْ لَا يَسْتَغْنِيْ بِشَيْءٍ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ترجمہ: فقیر سوائے ذات حق کے کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔

عارفان اسرار حق کا کہنا ہے کہ عشق الہی کے سبب ہی انسان اپنی وہی ہستی کو فراموش کرتا ہے۔ محبت ہی کی

حرارت اس کی اعتباری ہستی کو جلا کر انانیت حقیقی سے فیض یاب کرتی ہے محبت محبت کے دل سے ماسوائے محبوب کے ہر چیز

کو سوخت کر دیتی ہے۔ محبت کا ہر سانس محبوب حقیقی کی یاد میں گزرتا ہے۔ جس دل میں خداوند تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وہ اسرار معرفت کا

راز سالک پر ظاہر ہوتا ہے تو وہ محبت، محبوب، طالب، مطلوب اور عاشق و معشوق کی حقیقت سے باخبر ہو جاتا ہے اور بالآخر وہ مقام آتا ہے جس کے بارے میں ذات واجب کا فرمان ہے۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ

ترجمہ: تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس نظارہ معیت کے لیے ضروری ہے کہ دل کا آئینہ مساویہ اللہ سے پاک اور نفسانی کدورتوں سے صاف ہو۔ یہ معیت مادی عقل سے مشہود نہیں ہوتی بلکہ ذوق و شوق اور فکر کی آنکھ سے اس سے مطلع ہوا جاسکتا ہے۔

جب عاشق بادہ خوار جام عشق الہی پیتا ہے تو اس کے جذبات و کیفیات کا عجیب عالم ہو جاتا ہے۔ اس کے ظاہر اور باطن سے حقیقی مسرت کی ایسی دلکش موجیں اٹھتی نظر آتی ہیں کہ دوسرے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ شراب عشق الہی پینے کے بعد حیرت، سوز و گداز اور دردِ دل پیدا ہوتا ہے۔

جب عشق حقیقی کو جنبش ہوتی ہے تو فوراً جلوہ محبت کی ایک بجلی سی اس کے رگ و پے میں پوری طاقت سے دوڑتی اور جاگزیں ہو جاتی ہیں۔ سوائے مطلوب کے کل موجودات اس کے لیے معدوم ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ اس کو اپنا عزیز ترین وجود بھی لاش اور بیچ معلوم ہوتا ہے۔ بادہ عشق کا مصفا جام اور اس کا لطیف نشہ لفظوں میں نہیں آسکتا ہے۔

محبت حقیقی ایک پر لطف اور اہم جذبہ قلبی ہے جو انسان کے دل میں حق تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کا بکثرت ذکر کرانے ان کے معانی میں فکر کرنے اور اس کی صفات پاک میں غور کرنے یا ان کا ذکر خیال کی صورت میں پیدا ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ طلبِ صادق بن کر بھڑک اٹھتی ہے اور بامِ ترقی پر چڑھنے اور وصالِ محبوب کے لیے رہبر بن جاتی ہے۔ یہ ان بیخواروں کا حصہ ہے جن کے خیالات کی بلندی اور اعلیٰ تصوراتِ ذہنی کا مقصد سوائے ذاتِ حق کو پانے کے اور کچھ نہیں۔ خیالات کا اثر انسانی زندگی پر بہت کچھ ہوتا ہے۔ اگر کسی کے تصوراتِ اعلیٰ وارفع ہیں تو اس کے افعال بھی پاکیزہ اور ارزاں و ادنیٰ ہیں تو اس کے اعمال بھی پست ہوں گے۔

جیسا کہ مجاہد صادق اور عاشقانِ الہی کو قرآن مجید میں ہدایت فرمائی گئی ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (سورۃ آل عمران: 31)

اے نبی کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری ظاہری و باطنی پیروی کرو تا کہ اللہ تم کو دوست رکھے۔

آج کل پیشہ ور صوفیوں اور دنیاوی ملاؤں نے اس لاہوتی گوہر کو ریاکاری کے عوض فروخت کر دیا ہے اور لوگوں پر اپنا محرابِ خدا اور ریل ہونا ظاہر کر کے دنیا کمار ہے ہیں۔ وہ اپنے برگزیدہ اسلاف کے سوز و گداز اور ریاضت و مجاہدہ کا مطالعہ کر کے اس کی عملاً اتباع نہیں کرتے۔

حضرت امام قیصریؒ فرماتے ہیں کہ:

اپنی ہر چیز پر اس مالک حسن بے مثال و محبوب لاثانی کو برتری دینا شیوہ محبت ہے اور واقعی محبت حق میں اعلیٰ کمال یہ ہے کہ اپنی صفاتِ گم کر کے دل کو غیر اللہ سے صاف کرے۔ اس میں محبوب و لفریب کو رکھے اور اس کے جلوہ کا

شاہدہ کرتا رہے۔

نورِ محبت حصہ عاشق ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل سے رہا رکھتے اور روحانی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اس راہِ تاشک کا نام جذبہ محبت ہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

محبت کے لائیکل عقدے کو محبت اس لیے کہتے ہیں کہ سچے و فادار اور محبتِ صادق کے دل سے جوشِ محبت میں محبوب کے سوا ہر معدوم ہونے والی شے یہاں تک محو ہو جاتی ہے کہ اس کو اپنی بھی مطلق خبر نہیں رہتی۔

محبت اس کو کہتے ہیں کہ حاملِ محبت کی کل صفات بشری محو ہو کر محبوب کے کل صفاتِ محبت کے وجود میں رونما ہو جائیں۔

شیخ عبدالکریم فرماتے ہیں کہ

محبت کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

- 1- فعلیہ
- 2- صفاتیہ
- 3- ذاتیہ

فعلیہ

یہ محبت خواص کی ہے جو خدا تعالیٰ کے احسانات کے سبب وہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

صفاتیہ

یہ محبت خواص کی ہے جن کا مطمح نظر جمال اور جلالِ الہی ہے۔ وہ بلا امید و معاوضہ اس سے محبت کرتے ہیں۔

ذاتیہ

یہ محبت اخص الخواص و مقربین کی ہے کہ وہ بمقتضائے وافی انفسکم اقلًا تَبْصِرُونَ اپنی ذات میں بس جلوہ محبوب دیکھتے اور خود سراپا محبوب بن جاتے ہیں۔

عشقِ الہی، قربِ خدا کا تیز ترین ذریعہ

روحانیت میں منزلِ کمال کا حصول اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک سالک آتشِ عشقِ الہی سے اپنی انانیت شخصی کو پھونک نہ دے۔ جب آتشِ عشقِ الہی سالک کے دل میں موجود خواہشات کے اصنام اور مادی آلام کو خاکستر بنا ڈالتی ہے تو پھر مشکل سے مشکل مجاہدوں میں مدام مشغول رہنے کی وجہ سے اس پر تجلیاتِ الہی کی ہمیشہ جلوہ ریزیاں ہوتی رہتی ہیں اور یہی وہ مقام ہوتا ہے جہاں سالک کو عشق، عاشق اور معشوق کی حقیقت سے آگاہی ملتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

محبت کا مد و جز رموج زن ہے اور اس کے انوار خاموشی کے ساتھ عاشق کے دل میں اثر کرتے چلے جاتے ہیں۔
کو وہ اچھی طرح سمجھ رہا ہے اس کی روح میں انبساط حقیقی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ سرشار محبت کو کسی سے تعلق نہیں ہے۔
ایز و برتر کی محبت کی خوشگوار چاشنی چکھ لیتا ہے وہ ماسوا کو قابل توجہ نہیں سمجھتا۔

گرا نقدر محبت حقیقی کا حامل اور بندہ تسلیم و رضا اپنی عزیز ہستی کو فانی الحبوب کرنے کے بعد میقات اللہ کا
نوش رندِ خراباتی ہوتا ہے۔ اور وہ محافظ اسرار و وفا کے بلند نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اللہ جل شانہ اس پر
مرتبہ محض اپنی ذاتِ عالی مرتبت کے سوا کسی کو محبوب نہیں رکھا۔ جو حسین و صاحب جمال ہوتا ہے وہ اکثر آئینہ سے دل بہت
رکھتا ہے اس کا آئینہ سے محبت رکھنا آئینہ کی ذات کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ آئینہ میں وہ اپنا حسن و خوبی دیکھنے کے لیے اس
دوست رکھتا ہے۔ اس کو آئینہ سے محبت نہیں بلکہ فراوانی محبت کی بنا پر اس نے خود کو اپنا پیارا اور محبوب سمجھ کر اپنے نظارہ اعمال
سے محبت کی اب اسے محبت اور محبوب کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ حدیث میں وارد ہے:

الْمُؤْمِنُ مِرَاةُ الْمُؤْمِنِ

ترجمہ: مومن مومن کا آئینہ ہے۔

مومن اسمائے حسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، اس لیے حق تعالیٰ عارف کا اور عارف حق تعالیٰ کا آئینہ

ہے۔

عشق الہی اور مرشدِ کامل

پس جو بھی سالک راہِ سلوک ہوا سے چاہیے کہ کسی مرشدِ کامل کا دامن سچائی اور عقیدت سے تقام لے تاکہ وہ اس
پر اس کے عیوب اور کمزوریاں واضح کرے۔ مرشدِ کامل کی رہنمائی کے بغیر اکثر انسان اپنے آپ کو مجسم کمال خیال کر
ہے۔ چونکہ اس طرح وہ اپنے عیوب پر مطلع نہیں ہو سکتا اس لیے وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا۔
بھی سالک راہِ سلوک ہو، اسے چاہیے کہ اپنے نقائص معلوم کر کے اور سخت سے سخت ریاضت و مجاہدہ کر کے اپنی اصلاح
کرے اور روحانی ترقی کر کے منزلِ مقصود کو پالے۔ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ اس میں قدم قدم پر غول بیابانی گمراہ
کرنے کو موجود ہیں جن کے پھندوں سے بغیر پیرِ کامل کی رہنمائی کے سالک کا بچنا بہت مشکل ہے۔

مرشدِ کامل کی تلقین اور تائیدِ محبت سے سالک کے دل میں جذبہ محبت پیدا ہوتا ہے اور پھر طلبِ حق میں اس کے
لیے عزت و آبرو، آرام و آسائش اور دل جان کی بازی لگانا آسان ہو جاتا ہے۔ رازِ حقیقت سے آگاہ ہونے کے لیے
سالک کو سخت آزمائش کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بے درپے امتحان دینا پڑتا ہے یہ عشق الہی ہی ہے کہ جس کی وجہ
سے عاجز و ناتواں انسان ایسے کٹھن امتحانوں کی وادی سے گزرنے کا حوصلہ پیدا کر لیتا ہے کہ جس میں اس کو دل و جان بھی
بخوشی قربان کرنے پڑ سکتے ہیں۔ یہ جذبہ محبت ہی ہے جو عاشق سے وہ کچھ کر لیتا ہے جس کا عقل محتاط کو گمان بھی نہیں ہو سکتا
ہے۔ جیسا کہ ارشادِ بانی ہے:

اور البتہ ہم تم کو کسی قدر خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان کے نقصان سے آزمائیں گے۔ کیا لوگوں نے
سمجھ لیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے کہہ کر چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا کے ہاں کسی بندے کے لیے ایسا مرتبہ مقرر کیا جاتا ہے کہ
وہ اپنے اعمالِ صالح سے اس کو حاصل نہیں کر سکتا ہے تو خدا اس کو جسمانی و مالی ابتلا و مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے یعنی یا تو وہ
بیمار ہو جاتا ہے یا اس کا مال ضائع ہوتا ہے یا اولاد کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور پھر خدا اس کو صبر عطا فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس
مرتبہ کو پہنچا دیا جاتا ہے جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ (ابوداؤد)

نیز حدیث میں وارد ہے کہ

سب لوگوں سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام امتحانات میں مبتلا ہوتے ہیں، پھر جو ان سے نزدیک تر ہیں، پھر جو ان
سے نزدیک تر ہوں یعنی درجہ بدرجہ (ترمذی)

سالک کے مرشدِ کامل کی محبت میں رہنے کے جہاں اسے اور بہت سے فوائد ہوتے ہیں، وہاں وہ ذکر کے فوائد
کا مٹلی یقین بھی حاصل لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ بانی ہے:

ترجمہ: اور ذکر کرو، بے شک ذکر سے ایمان والوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ (الذاریت)

کثرتِ ذکر سے بندہ محبتِ خداوندی بیدار ہو جاتا ہے محبتِ الہی تمام معرکوں میں انسان کی کامیابی کا
باعث ہوتی ہے۔ تمام دکھوں اور مصیبتوں کو بھی خوشی جھیلتا چلا جاتا ہے اور آخر کار وہ محبوبِ حقیقی کے قرب سے
بالنصیب ہو جاتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

ترجمہ: آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا۔ (بخاری)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایمان کے بعد صحابہؓ کو اتنی خوشی کسی چیز سے حاصل نہیں ہوئی جتنی اس حدیث
مبارک سے ہوئی۔ (ترمذی)

اس جہانِ فانی سے کوچ کرتے وقت جب حضرت بلالؓ کی اہلیہ پریشان ہونے لگیں تو آپؐ نے فرمایا:

وَاطْرِبَاهُ بِلِقَاءِ الْأَحِبَّةِ

ترجمہ: یعنی اب بڑی خوشی کا وقت ہے کہ اپنے محبوبوں سے ملاقات ہوگی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ:

مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللَّهِ أَحَبَّ اللَّهُ لِقَاءَهُ

ترجمہ: جو اللہ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے اللہ اس سے ملنے کو دوست رکھتا ہے۔

ارشاداتِ نبویؐ کے معنوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محبت کی لطیف رفعتوں میں محبت، محبت اور

محبوب کی غیریت اعتباری کا نام بھی نہیں رہتا۔ انسان کامل ذات الہی کی محبت میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کی تعین وہی باقی نہیں رہتا۔ بعد اور جدائی کے تمام قرینے ختم ہو جاتے ہیں۔ جب محبت کامل اور شہاب ہو تو بعد کا کیا ذکر؟

طالب جلوہ حق، یمن میں رہتے ہوئے بھی ہر وقت اس ذات بے نیاز کے قریب ہے۔ ایک ہالہ آشنا اور غافل اگر بظاہر کعبہ میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو وہ بجائے قریب ہونے کے دور ہے۔ سوختگان محبت کے دل محبوب کے کیف محبت سے سرور اور زندہ ہیں۔

بندہ کی صحیح محبت جب ہی سمجھی جاسکتی ہے کہ اس کے ذکر میں محاور اس کی آیات کی فکر میں اپنی ہستی اور کل احوال علم جو اس کے دل و دماغ اور حواس سے متعلق ہے نکل جائے۔ اللہ کے عشق میں کامل وہی ہے جس کی نظر خودی سے الگ جائے اور ماسوا کو بھول جائے۔

مرشد کامل کی محبت سے طالب راہ سلوک کے باطن سے انانیت شخصی جو روحانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑا مانع ہے کیخ کنی ہوتی ہے، انانیت حقیقی سے غیریت کے حجاب اٹھ جاتے ہیں اور عرفان ربانی کا عالم طاری ہو کر انسان اہل حق سے عین الحقین اور اس کے بعد حق الحقین کے درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے اندر ایک ایسا جذب و کیف پیدا ہوتا ہے کہ جس سے وہ رسم و رواج باطلہ ملاؤں کی بنائی ہوئی رگی چار دیواری اور زمان و مکاں کی جکڑ بند یوں سے آزاد ہوتا ہے۔ اس طرح اس کو حقیقی آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

زادہوں اور عاشقوں کے مقام میں فرق

زادہ ظاہری صفائی رکھتے اور اعلانیہ عبادت کرتے ہیں لیکن علم غیر خدا کے رکھنے کی وجہ سے باطنی صفائی سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کا دل پنساری کی دکان ہے جہاں سوائے خدائے واحد کی محبت کے ہزاروں دوسری چیزیں ہو سکتی ہیں۔ اس کے برخلاف اللہ کے مجذوب فقرا جو عبادت ظاہری سے آراستہ نہیں ہوتے لیکن محبت حق سے سرشار، نہایت بلند ذوق اور بے حد بلند پرواز ہوتے ہیں ان کا دل محبت حق کی دولت سے معمور ہے اور یہی ان کا اعلیٰ حیات ہوتا ہے۔

عارفان ربانی کہتے ہیں کہ زندگی کی وہ سانس جو بغیر محبت ذات باری تعالیٰ ہو، ناکارہ ہے اور کوئی عبادت بھی بغیر محبت کے کارآمد نہیں ہو سکتی کیونکہ ایسی عبادت سے انسان منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا۔ نظارہ حق کا لطف وہ کیسے اٹھا سکتے ہیں جن کے دل ماسوا اللہ میں مشغول ہوں۔۔۔؟

مولانا رام اپنی مثنوی میں ایک چرواہے کا قصہ نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سوختہ دل چرواہے کو جس کے دل میں دریائے محبت خداوندی موجزن تھا اور مسرت کے جوش میں اس کی آنکھیں بند تھیں، جذبہ انبساط سے عجب کیفیت طاری تھی اور وہ خود سے بے خبر جذبات محبت کی رو میں ذات باری کی شان میں کچھ ایسی باتیں کہہ رہا تھا جو خلاف شرع معلوم ہوتی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس خلاف شرع تقریر پر زجر و توبیخ کی۔ مبدا

ذاتی بارگاہ بے نیاز میں عاشق کے جذباتی کلمات پسند تھے۔ ذات واجب کو آپ کا چند نصیحت کرنا پسند نہ آیا اور جناب الطالب ہوا۔ مولانا رام فرماتے ہیں:

آخر کار آنحضرت علیہ السلام کو اسی طرح اظہار جذبات کرنے کی عاشق کو اجازت دینا پڑی۔ پس اس سے یہ کلمات بے نقاب ہوتی ہے کہ وہارفنگان عشق الہی سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرنا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ فکیر کی حالت کا اندازہ کرنا ظاہری عقل کے معیار سے باہر ہے کیونکہ وہ فانی الذات ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ:

ترجمہ: میرے دوست میری رحمت کی چادر میں پوشیدہ ہیں ان کو میرے سوا کوئی شناخت نہیں کر سکتا۔ سوزش عشق خداوندی سے عاشق کی ناپائیدار زندگی اور اس کا عارضی وجود جل کر اکسیر، اس کی حرمت سے نفس کی تمام صفات خبیثہ جل کر خاک سیاہ، اور اس کے نور سے کل جوارح روشن اور روح منور ہو جاتی ہے۔ اس کی آنکھیں جلوہ عظیم الشان سے بھر پور، اس کا دماغ جلوہ ایزد و برتر سے معمور اور اس کا دل حسن عالم آرا کی جلوہ ریزیوں سے ہر دم مست اور دنیا کی فکر اور آخری رنج و الم سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔

ساکبہ روحانی کے امور ظاہری و باطنی کی کیفیت کو بغیر اکرم سے مروی اس حدیث قدسی سے سمجھا جاسکتا ہے: جب میرا بندہ فلوں کے ذریعے قرب حاصل کر لیتا ہے تو یہاں تک میں اس سے مانوس ہو جاتا ہوں کہ میں ہی اس کے کان، ہاتھ، پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں وہ میرے ہی کانوں سے سنتا، میری ہی آنکھوں سے دیکھتا، میرے ہی ہاتھوں سے پکڑتا، میری ہی زبان سے بولتا اور میرے ہی پاؤں سے چلتا ہے۔

عبد مقرب بالوافل کو ان جملہ امور، حرکات، بود و باش، رفتار، گفتار وغیرہ کا شعور معشوق حقیقی کے ساتھ اس لیے ہو جاتا ہے کہ حق اس سے انیت فرماتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ معبود کو عبد سے ہر وقت انس ہے مگر اس کا شہود تقرب ادائے نوافل یعنی محو فی الصفات ہونے سے ہوتا ہے۔ اس طرح بندہ صاحب ولایت ہو جاتا ہے۔ یہ مرتبہ بجز فقرائے کاملین کے ظاہر پرستوں کو اس لیے حاصل نہیں ہوا کہ وہ اس عمل و عبادت سے سرتابی و روروانی کرتے ہیں۔

جو محبت اپنی ہستی حق کے حوالے کر دے گا اس کو امور مشاغل و ذکر خداوندی سے فرصت نہ ملے گی۔ وہ استطاعت سے زیادہ قادر و ذوالجلال کے فکر میں مجور ہے گا اور اپنے پیکر حیات یعنی فضاء ہستی سے گزر جائے گا۔ اس کے معصوم اور محبت سے لبریز دل پر آفتاب حقیقت پوری شان و شوکت سے چمکتا ہوا نمودار ہوگا۔ اس کی رگ رگ میں ضیائے نور حق برقی رو کی طرح دوڑے گی۔ اس پر صحیح حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ دل و دماغ میں تغیر عظیم پیدا ہوگا۔ وہ خود کچھ نہ رہے گا۔

اس کا نشان بے نشان، اس کا مکان لامکان، اور اس کی ہستی عین حق ہوگی۔ اس عظیم الشان کامیابی پر اس نادر الوجود، معصوم مزاج، قصور محبت کے دل سے غیر حق کی عظمت ایسے بہہ جائے گی جیسے سورج کی تپش سے برف پگھل کر بہہ جاتی ہے۔ اس حالت میں وہ غلصہ منور بادہ حقیقت کل دینی اور دنیاوی مراسم سے چھوٹ جاتا ہے اور شرعاً مذہبی قیود سے

مستغنی ہو کر مرفوع القلم ہو جاتا ہے۔

عاشق اس حالت ”سکر“ میں اپنے کل افعال کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تصور کرتا ہے۔ وہ اپنی سماعت، بصارت، کلام اور نفس پرستی سے دستبرار ہو کر کل حرکات و سکنات اور افعال اللہ جل شانہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ نفس اور دنیا و آخرت سے روگرداں ہو کر فانی الذات ہو جاتا ہے۔

جب سالک کو معرفت حق نصیب ہوتی ہے تو اس کے علم میں غیر حق کا وجود ہی نہیں رہتا۔ وہ خلق کی حرکات و سکنات کو خدا ہی کی حرکات و سکنات سمجھتا ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ اپنی کل صفات کو حق میں فنا کر کے سب سے افسوس ہو جائے۔ انسان میں ایک وصف ہے کہ جس سے دل لگتا ہے اس کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے سالک کو چاہیے کہ اپنے دل کو حق سے لگائے۔

دانا شخص وہ ہے جو اپنے کل افعال و اعمال جو قابل جزا ہیں ان کو آتش عشق میں جلا دے۔ یہ تصور کرے کہ میں نہیں ہوں اور جب میں نہیں ہوں تو میں نے کوئی عمل بھی نہیں کیا اور نہ کوئی عبادت کی۔ سالک کو غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اس کی ذات ذات الہی میں فنا ہے۔

جب محبت الہی نے کسی کے دل میں آگ لگا دی، جب عشق الہی نے سینہ کو گرم کر دیا تو وہ آگ دم بدم بڑھتی اور سینہ کی گرمی میں لحظہ بہ لحظہ زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ عشق کا شعلہ اور محبت کی آگ اس کے وجود عارضی کو ہلا کر غاہری اعمال سے فارغ کر کے بظاہر تارک الدنیا بنا دیتی ہے۔

اولیاء کا وہ مبارک وجود جس کو ہم آسمان معرفت اور محبت الہی کا درخشاں آفتاب کہہ سکتے ہیں ایسا پیارا وجود وہ ہے جس کو اعمال ظاہری کی حاجت نہیں رہتی کیونکہ عشاق کے دل میں آفتاب محبت اپنی پوری روشنی سے روشن ہے۔ لیکن اسرار و معارف عوام تو کیا ان کی سمجھ سے بھی باہر ہیں جو خود کو عالم اور عابد کہتے ہیں۔

عالم عابد اور صوفی یہ سب مبتدی راہِ حق ہیں۔ بجز عالم ربانی و اولیائے کرام کے کوئی مرد راہِ حق نہیں۔ زاہدان خشک اور محبت کے دعویدار برادرانِ یوسف کی طرح ہیں جنہوں نے آں جناب کی قدر نہ کی اور جناب کو چند کھوٹے سکون کے عوض بیچ ڈالا۔ زاہدان خشک کا دل خدا اور اس کے بندگان خاص کی محبت اور جذباتِ عشق سے خالی ہوتا ہے۔ زاہد خشک کی کوئی قدر و منزلت نہیں گو وہ اپنے خیالِ باطل سے اپنے آپ کو قابلِ قدر اور مقبول سمجھے۔

زاہد خشک، واصلانِ حق کی خاک پا

پس سالک کو چاہیے کہ اہل ریا اور نفسانی عبادت گاہوں کو چھوڑ کر واصلانِ حق کی خاک پا بنے۔ ان کے علاوہ ارادت میں شامل ہو کر خدا کی طلب میں نہایت خلوص و محبت سے اپنی جان و دل اور دنیوی عزت و آبرو کی بازی لگا دے۔ یکسوئی اور یکجہتی اختیار کرے کہ عشق کے قمار خانہ میں دوئی اور دورخی چالیں کام نہیں آتیں۔

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یکدانہ

یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ

(اقبال)

یہی رہبرانِ طریقت کے لیے ترقی کی راہ ہے جس سے فلاح دارین حاصل ہوتی ہے۔

روحانیت میں منزلِ کمال تزکیہ نفس کے حصول کے بغیر ممکن نہیں تزکیہ نفس کامل کے لیے عشق الہی درکار ہے۔ تزکیہ کے معنی ہیں پاک کرنا اور نفس کے تزکیہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو تمام آلائشوں اور گندگیوں سے پاک کیا جائے، اس کی تمام خامیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کی جائے، اس کی تمام رکاوٹوں کو دور کر کے تمام قیود اور زنجیروں کو توڑ دیا جائے کہ وہ اپنی حقیقت سے شناسا ہو سکے۔

جو دل سے دنیا کو محبت الہی کی وجہ سے ترک کر دے اور آخرت سے گزر جائے وہ حضرت سبحانہ کا مقرب بندہ ہوگا۔ جب تک باب الخلق دنیا و آخرت سے نہ نزرے گا باب الرحمان و ذاتِ حق سبحانہ تعالیٰ کو ہرگز نہ دیکھے گا۔ اگر تو خالق کے ساتھ ہے تو اس کا بندہ، اگر تیرا دل مخلوق کے ساتھ ہے تو مخلوق کا بندہ کہلائے گا۔ طالبِ مولیٰ جب کل مخلوقات سے تجرد اختیار کرتا ہے تو وہ خاص بندہ ہو جاتا ہے کیونکہ ”خیالِ غیر“ بندہ اور خدا کے درمیان حجاب ہے۔



شہزاد شاہ وچ مانچسٹر

مرشدِ کامل

روحانیت اور مرشدِ کامل

اسلامی تصوف، ہندو جوگی اور بدھ ازم کے سب سکول یہ بات کہتے ہیں کہ:
”مگر وہ گمیان نہیں ملتا۔“

اسلام کے نظامِ روحانیت میں مرشد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اگر کسی کو صحیح مرشد مل جائے تو پھر اس کے سفرِ سلوک کی منزلیں بہت آسان ہو جاتی ہیں۔ مرشدِ خودا سے درجہ بدرجہ ترقی کرنا اور رہنمائی کرنا چلا جاتا ہے۔ مرید کو مزید کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر مرشد کی اپنی اپنی روحانی طاقت ہوتی ہے۔ کامل مرشد اسے کہا جائیگا جو مرید کو کچھ وقت کے بعد اپنے جیسا بنا لیتا ہے۔ اور مرید میں بھی یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی کہ وہ دوسرے خاص مریدوں کو اپنے جیسا بنالے۔

اصل بات یہ ہے کہ جب یقین کسی شخص کے اندر رچ بس جاتا ہے اور وہ شخص جو بڑے یقین کا مالک، سچا، لائی سے پاک، کھرا، اور Pure ہو جاتا ہے تو پھر وہ جس سے بھی ملتا ہے اور جس پر بھی اپنی نگاہ خاص ڈالتا ہے وہ اسے اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ ایسا شخص ہی مرشدِ کامل کہلوانے کا حق دار ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ مرشدِ کامل کا ملنا ایک بہت بڑی خوش نصیبی ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ
”ایں سعادت بزورِ بازو نیست“

مرشدِ کامل سے صحیح معنوں میں فیض یاب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ مرید کا یقین مضبوط ہو۔ کمزور یقین اور چھوٹی سوچ رکھنے والے کسی مرشدِ کریم سے فیض یاب نہیں ہو سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حکما اور عرفاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ

”یقینِ کامل ہی مرشدِ کامل ہوتا ہے۔“

اس لیے ضروری ہے کہ انسان مرشدِ کامل کو تلاش کرنے سے پہلے اپنے یقین کو مضبوط کرے۔ اگر کوئی مرشدِ کامل کا متلاشی ہو مگر اس کا ذہن شکوک و شبہات کی آماجگاہ ہے تو پھر اسے مرشدِ کامل میں نقص نظر آ جائیں گے یا کچھ بھی نظر نہیں آئے

کا۔ مرشد کو دیکھنے کے لیے خاص نظر اور خاص یقین چاہیے۔ جیسا یقین دل میں لے کر جائیں گے ویسا مرشد ملے گا۔

جیسا کہ عرفِ عام میں مشہور ہے
”جیسی نیت ہوگی ویسی ہی مراد ملے گی“

کیونکہ قانونِ فطرت یہ ہے کہ ہر چیز اپنی ہی قسم کی چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ چور کو چور، جوارے کو جوار یا اور ایک کو نیک اپنی طرف کھینچتا ہے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اس کی مثال دی ہے کہ جس میں کہا گیا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو روحانیت کے جھوٹے دعوے کر دیتے ہیں بلکہ ان میں سے کچھ نبوت اور اللہ ہونے کا بھی دعویٰ کر جاتے ہیں اور حیرانی کی بات یہ ہے کہ ایسے ہر دعویٰ کرنے والے کو اچھے خاصے پیروکار بھی مل جاتے ہیں۔ اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ جیسا مرشد ہوتا ہے ایسے ہی خیالات کے مریدا سے مل جاتے ہیں کیونکہ ہر چیز اپنی قسم کی طرف کشش کرتی ہے۔

مرشدِ کامل کون ہوگا اور وہ کون سی چیز ہے کہ جس سے ہم کسی شخص کی روحانی پاور کا پتہ چلا سکیں۔ ہم نے برسوں اس امر پر کوشش کی کہ ایسا کوئی پیمانہ وضع ہو جائے کہ جس پیمانے سے ہم کسی شخص کی روحانی پاور کا پتہ چلا سکیں۔ اس حوالے سے جو ہمارے مشاہدے اور مطالعے میں طریقہ آیا ہے وہ یہ ہے۔

جب بھی آپ کسی روحانی شخص کے پاس خلوص دل کے ساتھ جائیں گے تو اس کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد آپ کو ایک عجیب سا روحانی کیفیت محسوس ہوگا شروع ہو جائے گا۔ روحانی شخص کی قربت میں جانے کے بعد مسائلِ حیات سلجھنے لگتے ہیں اور شاہراہِ حیات پر خاروں کی جگہ گل بکھرنے لگتے ہیں۔ انسان بدیہی طور پر محسوس کرتا ہے کہ اس کی زندگی آسانیوں سے ہمکنار ہونا شروع ہو گئی ہے۔ بہر حال ہر بندے کی اپنی ایک اندرونی کیفیت ہے جس سے وہ کسی کی روحانی پاور کا اندازہ کر سکتا ہے۔

جب ہم اسلام کے نظامِ روحانیت کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ اسلام کے روحانی نظام میں مرشدِ کامل کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اسلامی عرفاء کا کہنا ہے کہ جس کو مرشد مان لیں اس کو دل سے مانیں، اپنے پرانے خیالات اور علم کا مقابلہ اس سے نہ کریں ورنہ آپ کو خاص فائدہ نہ ہوگا۔ زیادہ علم پڑھے ہوئے لوگ اس لئے روحانیت میں ناکام رہتے ہیں کہ وہ اپنے مرشد سے پوری طرح متاثر (Inspire) نہیں ہو پاتے۔ اس کا اصول یہ ہوتا ہے کہ انسان جس کو مرشد مانے تو پھر اس مرشد کا خیال (Reflection) دل میں رکھ لینا ہوتا ہے۔ دل میں وہی Reflection بیٹھتا ہے جس سے ہم متاثر (Inspire) ہوں۔ اپنے خیالات علم یا روحانیت کا مقابلہ کرنے والا دوسرے سے کیا متاثر ہو سکتا ہے اور کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ صحیح طور پر متاثر نہ ہونے کی وجہ سے مریدین اپنے مرشد سے فیض یاب ہونے میں ناکام رہتے ہیں۔

قانون یہ ہے کہ جب کسی کا تصور (Impression) اور (Reflection) دل میں بیٹھ جاتا ہے تو دل نہ صرف اس کو زندہ رکھتا ہے بلکہ اس کو مزید طاقتور کر کے مضبوط بناتا ہے۔ اس طرح انسان کی اندرونی شخصیت اپنے مرشد

کے سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے اور پھر بالآخر بیرونی شخصیت بھی تبدیل ہونے لگ جاتی ہے۔

مولانا روم اس چیز کی مثال اپنی شاعری میں دیتے ہوئے فرماتے ہیں: میں یہ جسم نہیں جو لوگوں کی نظر سے مقبول نظر آتا ہے بلکہ میں وہ ذوق شوق ہوں جو مریدین کے قلوب میں میرے کلام اور میرے نام سے جوش مارتا ہے۔
کے بارے میں کوئی شک نہ رکھنا، اس سے Impress ہونا اور اپنے علم سے اس کا مقابلہ نہ کرنا، یہ چیزیں اسلامی نظام روحانیت کا جزو ہیں۔

خود سے اور ذکر و اذکار کے روحانیت کو پانے کے بجائے کسی مرشد کے لڑ گئے کا "شارٹ کٹ" زیادہ آسان اور فائدہ مند رہتا ہے کیونکہ زندہ مثال سامنے ہو تو انسان جلدی سیکھتا ہے اور حوصلے میں بھی رہتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اگر روحانیت لفظی علموں یا سائنسی اور نفسیاتی علموں میں موجود ہوتی تو مغرب کے ملکوں میں سب لوگ کامل ہو جاتے، سارے لفظی علم یہ لوگ وہاں لے جاتے ہیں۔ ہندوؤں اور بدھ مت والوں کا سارا لفظی علم وہ اپنے کپیوٹروں میں ادا چکے ہیں اور لفظوں کے علموں کا وہ ان لوگوں سے زیادہ ہی عالم ہو چکے ہیں۔

مگر روحانیت یقیناً کامل Faith کا نام ہے جس میں توکل با خدا سب سے اہم ہے جو ان کے پاس نہیں ہے اور ان کو سمجھ بھی نہیں آ رہا۔ اس لیے آپ بھی پیروں میں لفظی علموں کو زیادہ تلاش نہ کریں، گواہیں اس میں بھی کچھ نہ دیکھیں۔ معلومات ضرور ہوں گی۔ سیری مریدی میں یہ سمجھنے والی بات ہے کہ مرید اگر حوصلے والا ہے تو پیر سے بعض اوقات مرید اور پیر چلا جاتا ہے۔ اس کی سیدھی سی مثال اسلامی تصوف میں جناب شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ ابوالحسن خرقانی ہیں پھر اس اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

تصور متاثر ہو کر اندر رکھنے کے بعد پیوند کی طرح کام کرتا ہے لیکن خیال رکھیں کہ کسی مجذوب کا تصور اندر رکھنے سے آپ بھی مجذوب بنتے چلے جائیں گے اور لالچی اور بھوکے پیر کا تصور آپ کو بھی لالچی اور بھوکا بنا دے گا۔ اور بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے، عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہے۔

انسان خصوصاً سالک کی اندرونی شخصیت بڑی لطیف ہوتی ہے جس سے متاثر ہو، وہی رنگ اختیار کر جاتی ہے استاد سے سیکھنا بہتر اور آسان بھی ہوتا ہے خصوصاً صحیح استاد مل جائے تو بات بڑی آسان ہو جاتی ہے کیونکہ پھر شاگردوں (مریدوں) کے سامنے ایک عملی مثال ہوتی ہے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کئی دفعہ بڑھی ہوئی بات بھی انسان بھول جاتا ہے مگر استاد سے سنی ہوئی بات کبھی یاد رہ جاتی ہے۔ استاد سے سیکھنے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ اس کے سکھانے کے طریقے اور نظام پر بھی آپ کا اعتقاد ہو تو نتیجہ جلد ملے ہیں۔ اگر آپ کو کوئی تھوڑا بہتر پیر مل جاتا ہے تو اس پر پورا بھروسہ کریں۔ عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ اگر آپ اس پر پورا بھروسہ کرتے اور اسے بڑا روحانی سمجھتے ہیں تو وہ آپ کے اعتقاد کی طاقت کی مدد سے اور کچھ اپنی روحانیت سے واقعی اسی قابل بن جاتا ہے۔ پھر وہ آپ کو پورا فائدہ دے گا، چاہے آپ کے دوسرے ساتھیوں کو نہ دے سکے۔

روحانی معاملوں میں استاد کی بڑی اہمیت کی ایک وجہ یہ (جیسے فاصلے پر چیزیں دیکھنا، دوسری جگہ موجود ہونا، جسم

میں سے چھریاں گزارنا، ہوا میں اڑنا) استاد سے سیکھے جائیں تو یہ زیادہ یقینی اور آسان راستہ ہے۔ دراصل یہ چیزیں متعدی ہوتی ہیں یعنی ایک انسان سے دوسرے میں آتی ہیں۔ یقیناً کامل بھی متعدی ہوتا ہے، اسی چیز کو "جاگ" لگنا بھی کہتے ہیں۔ یہ صحیح روحانیت سے دوسروں میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ یہی چیز اسلام کے خانقاہی نظام کی بنیاد ہے۔

ایک دلچسپ وضاحتی مثال

ہندوستان کے کسی بزرگ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: حضرت سنا ہے اللہ کی محبت بڑی پر لطف ہوتی ہے۔ مجھے بھی اللہ کی محبت میں کامل کر دیں تاکہ ہر شے کی محبت سے بے نیاز ہو کر اور ہر محبت سے رشتہ توڑ کر بس اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے لگوں اور اسی کا ذکر کرتا رہوں۔ وہ بزرگ آنے والے کی طلب صادق پر اس سے پوچھنے لگے کہ تجھے اپنے گھر میں کس چیز کے ساتھ سب سے زیادہ محبت ہے؟ وہ بولا اور تو کوئی چیز اتنی محبوب نہیں، ہاں ایک بھینس ہے جو مجھے ابنا سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔ اور پھر بھینس کی صفات بیان کرنے لگا کہ اس کا رنگ ایسا ہے، اس کی آنکھیں ایسی ہیں، اس کی دم ایسی ہے، اس کی ٹانگیں ایسی ہیں، وہ اتنا دودھ دیتی ہے، ہر روز اسے نہلاتا ہوں، اس کا خیال رکھتا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ انہوں نے اسے مزید کریداً تو کہنے لگا، مجھے اس بھینس کو دیکھ کر سکون ملتا ہے، جی چاہتا ہے ہر وقت اسے دیکھتا ہوں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے بس تیرا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کو چند ضروری ہدایات دے کر گھر واپس بھیج دیا اور فرمایا کہ تین چار ماہ بعد میرے پاس دوبارہ آنا۔ انہوں نے اسے کہا کہ نماز روزہ کی پابندی کے ساتھ اللہ اللہ کرتے رہنا اور بطور خاص سمجھا دیا کہ اس بھینس کو بھی تکتے رہنا اور ہر وقت اس کا تصور کئے رکھنا یہاں تک کہ تمہیں اور کوئی چیز یاد نہ رہے۔

وہ شخص گھر چلا گیا اور حسب حکم بھی معمولات پابندی کے ساتھ جاری رکھے۔ تین چار ماہ بعد دوبارہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ بزرگ فرمانے لگے۔ سناؤ تمہاری محبت کا کیا حال ہے؟ عرض کرنے لگا حضرت! میں تو بھینس میں ہی غرق ہو گیا ہوں، مجھے ہر وقت اس کی یاد رہتی ہے۔ بزرگ نے دیکھا کہ اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے تو دوبارہ مزید ہدایات دیں اور واپس بھیج دیا۔ اس کو کچھ نہیں آ رہی تھی اور حیران و پریشان تھا کہ وہ تو اللہ کی محبت میں راسخ ہونے آتا ہے اور بزرگ بھینس کے ساتھ محبت کرنے کی ہدایت کر کے واپس بھیج دیتے ہیں۔ لیکن ان کے حکم کے مطابق تیسری مرتبہ پھر چار ماہ بعد حاضر ہوا۔ اس دوران بھینس کے ساتھ اس کی محبت میں بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ آتے ہی دروازے پر بزرگ نے پوچھا بتاؤ اب کیا حال ہے؟ کہنے لگا۔ اب کائنات میں دو ہی چیزیں ہیں: میں ہوں یا میری بھینس، باقی کچھ نہیں۔ انہوں نے یہ سنا تو یہ سمجھ کر کہ اسے ابھی تک اپنا آپ نہیں بھولا اسے پھر بھیج دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد جب چوتھی بار وہ آیا تو کہنے لگا، میں دروازے سے اندر کس طرح داخل ہوں؟ میرے سینگ دروازے سے انکڑ رہے ہیں بزرگوں نے دیکھا کہ اب یہ محبت میں کامل ہو گیا ہے تو انہوں نے اسے بلایا اور سینے سے لگا کر ایک توجہ کی۔ وہ فرانس کی ادائنگی کے ساتھ اللہ کی یاد اور توجہ وغیرہ کا تو پہلے بھی پابند تھا۔ اب اس کے حال کو بدل دیا۔ اسے بھینس بھول گئی اور عشق الہی میں کامل ہو گیا۔

باب یازدھم

روحانیت اور ارتکاز

دنیا کے جتنے مذاہب ہیں ان میں روحانیت کے حصول کا ذریعہ ارتکاز ہی رہا ہے مگر یہ بات انہوں نے راز کی طرح مخفی رکھی تاکہ کسی نا اہل کے ہاتھوں میں یہ تلوار نہ آئے تاکہ کوئی بیگناہ نہ مارا جائے یعنی کسی نادان کو دین کے طور پر ہلاک نہ کر دے۔

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اس ارتکاز کو سب سے پہلے کس نے مذہب کی دنیا میں دریافت کیا تاکہ ہم

خوش جیوے سرفراز شاہوچ مانجیسٹر

ارتکاز کو اس مذہب کی پراپرٹی کہہ سکیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ سچ کو سب سے پہلے دین کا حصہ کس نے قرار دیا تھا؟ اسی طرح ہزاروں سچائیاں ہیں جو جملہ مذاہب کا حصہ ہیں مگر کسی مذہب کی پراپرٹی بھی تصور نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح یہ بھی ایک سچائی ہے جو آفاقیت کی حامل ہے جس پر کوئی خاص مذہب اپنا استحقاق نہیں جتلا سکتا۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سچائی جناب آدم علیہ السلام اپنے ساتھ لائے تھے اور ان سے وراثت میں اولاد کو یہ ارتکاز ملا کیونکہ ہم ماضی قدیم میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں جناب نوح سے ارتکاز کے شواہد ملتے ہیں مگر اس کی واضح تصویر جناب ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نظر آتی ہے اور جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو سارے مذاہب کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ یہی ارتکاز رہا ہے۔ اس لئے اولڈ ٹیسٹامنٹ (Old Testament) میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد ارتکاز کے واضح شواہد ملتے ہیں۔

اسی طرح دنیا کے دیگر مذاہب جیسے ہندو ازم ہے، زرتشت ہے، بدھ ازم ہے، جین ازم ہے، ان میں ارتکاز کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کیونکہ اس زمانے کی مقدس کتابوں میں یوگ دویا (آسمانی قوتوں کی ملاقات کا علم) پرانا نام (حصول روح) گیان دھیان جیسی اصطلاحات کو ہر بچہ جانتا ہے۔ آگ پر ارتکاز (جس پر شمع بنی کی بنیاد ہے) زرتشت کے ہاں واضح نظر آتی ہے۔ سوچ پر ارتکاز (جس پر شمس بنی کی بنیاد ہے) ہندو دھرم میں واضح نظر آتا ہے۔ یکسوئی اور مراقبہ (جسے حضور قلب کہتے ہیں) بدھ ازم کا آج بھی حصہ ہے۔ ”ارتکاز“ کے اس قدر اہم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ روح کی قوتوں

لوگوں نے پوچھا حضرت! کیا معاملہ ہے؟ ایک سال تو آپ اس کو بھینس کی محبت میں فنا کرتے رہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی محبت میں گم کر دیا۔ انہوں نے فرمایا ”پہلے ضروری تھا کہ اس کا تعلق محبت بھینس کے ساتھ ہو۔ کیونکہ اسے اس وقت اسی سے محبت تھی۔ میں نے چاہا کہ اسے اسی محبت میں پکا دوں، پھر اتنا پکایا کہ محبت کامل ہوئی اور جب تمام تقاضا ہائے محبت پورے کر دیئے تو اسے اب محبت کے منجائے کمال تک پہنچانا تھا سو پہنچا دیا۔ فرق صرف سب سے تبدیلی کا تھا۔ پہلے بھینس کی محبت میں فنا ہو چکا تھا۔ اب محبت کی ڈوری کو ادھر سے کاٹ کر ادھر لگا دیا تو وہ خدا کی محبت میں کامل ہو گیا۔ میں نے تو صرف ڈوری بدلی ہے باقی محنت و ریاضت تو اس کی اپنی تھی۔

کا انحصار نفس کی تسخیر پر ہے اور نفس کی تسخیر کے حوالے سے ارتکاز سب سے زیادہ زود اثر چیز ہے۔

نفس ”ارتکاز“ کو زہر قاتل سمجھتا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ زبان کچھ کہتی رہے، دماغ کچھ اور سوچے، کان اس کے علاوہ سنے اور آنکھ دوسری چیز دیکھے۔

مثلاً ایک شخص مصروف نماز ہے، زبان الحمد پڑھ رہی ہے اور دماغ انارکلی میں مزگشت کر رہا ہے، کان باہر بچنے والے ریکارڈ کون رہے ہیں اور آنکھ بیقرار ہے، کبھی سجدہ گاہ کو دیکھتی ہے کبھی بند ہو جاتی ہے، کبھی سامنے والی دیوار پر دوڑتی ہے۔ جسم ہے تو قیام و تعویذ کی ایک سرساز کر رہا ہے اور شعور کو اس وقت پتہ چلتا ہے جب نفس اختتام نماز کا اعلان کرتا ہے اور پھر مسجد سے بھاگنے کا حکم دیتا ہے۔

اب اس نفس صاحب کی شرارت دیکھیں کہ اس نے کس طرح ایک پنٹھ سے دس کاج کر لیے ہیں، ایک تیر سے کس طرح بیس شکار رہا ہے؟

ارتکاز

نفس کو زیر کرنے کا واحد عمل ارتکاز ہے کیونکہ یکسوئی اور ارتکاز ایک طرح کی پابندی ہے اور پابندی نفس کی موت ہے۔ اب اگر کوئی صاحب دل حوصلہ پیدا کرے کہ اس سے جزوی آزادی سلب کر لے تو پھر یہ رشوت دیتا ہے اور آزادی کو سلب نہیں ہونے دیتا یعنی کوئی شخص کسی عضو بدن میں ارتکاز پیدا کرنے کے درپے ہو جاتا ہے تو یہ اس عضو بدن سے متعلقہ فوائد کو رشوت میں دے کر آزادی بچاتا ہے۔

مثلاً کوئی شخص ایک طویل عرصے تک آنکھ کو آوارہ گردی سے بچا کر ایک نقطے پر مرکوز کر دیتا ہے یا شمع بنی کرتا ہے تو نفس اپنی مقبوضہ قوت ”تنویم نظر“ دیکر اپنی آزادی بچا لیتا ہے اور انسان ہپناٹزم (Hypnotism) کے کارناموں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ آنکھ کو ایک نقطے پر مرکوز رکھنے سے نفس کو بڑی اذیت ہوتی تھی اس لئے اس نے یہ قوت چشم اسے دیکر خرید لیا اور مجبوراً اسے انسان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا اور یہ قوت دینے کے باوجود کوشش کرتا ہے کہ یہ قوت انسان کے پاس بھی رہے لیکن تصرف اس کا رہے۔

اس بات سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کے تحیر العقول کا رنامے دیکھ کر اسے ولی اللہ یا نبی نہیں مان لینا چاہیے یہ تو اس کی اپنی قوتیں ہیں جو کارنامے دکھا رہی ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ یہ کام سارے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں نے اپنی تنویم نظر نفس کو بہرہ کر رکھی ہے جب کوئی انسان کسی مقبوضہ قوت کو واپس لیتا ہے تو یہ قوت بھی آجاتی ہے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ علم ہپناٹزم جس کی بنیاد ارتکاز پر ہے تو اب ہپناٹزم کو کھیل تماشے سے آگے سرجیل میدان تک وسعت دی گئی ہے اور کراچی میں ایک شخص نے بینک سے چیک کیش کروانے والے کو ہپناٹائز Hypnotise کر کے لوٹ لیا۔ انہی وجوہات کی بنا پر آج برطانیہ میں مسمریزم Mismyrism پر قانونی طور پر پابندی عائد ہے۔ یہ سب امور بتا رہے ہیں کہ ارتکاز نظر سے انسان کو ایک بہت بڑی

قوت مل جاتی ہے۔ کیونکہ نفس کی موت ارتکاز ہے اور نفس سے مقبوضہ قوتوں کو واپس لینے کا واحد ریعہ بھی ارتکاز ہے یعنی ارتکاز جس عضو سے بھی متعلق ہوگا اس کی قوت واپس مل جائے گی۔ اس علم کا ماخذ کیا ہے اس پر بعد میں روشنی ڈالی جائے گی۔

جملہ روحانی علوم کی بنیاد اس ارتکاز کے کلیے پر استوار ہے۔ قدیم عامل اور ماہرین روحانیت اس بات کو بہت پہلے سمجھ گئے تھے کہ نفس کو تسخیر کرنے کا واحد ریعہ ارتکاز ہے اور باقی جو مشقتیں ہیں اس ارتکاز کے حصول کے لیے ہیں۔ اب دیکھیں ہمارا اسلامی علم العمليات بھی اسی کلیے پر بنا ہے۔

علم العمليات

اصل قوت ارتکاز کی ہے جسے یکسوئی بھی کہتے ہیں۔ یہی چیز ہی قوت و طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اب جس کا جی چاہے وہ جس چیز پر ارتکاز کرے یعنی چاہے تو آیات پر ارتکاز کرے یا چاہے تو لغو بے ہودہ فقروں پر کر لے۔ ہر صورت ارتکاز سے قوت ضرور مل جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ہم بنگال کے جادو، مصر کے جادو، افریقہ، روم، ہندستان کے جادو گروں کے قائل ہیں اور ساتھ ہی قرآن مقدس نے بھی جادو کے اثرات کی نفی نہیں فرمائی۔ ویسے تو جادو کی کئی اقسام ہیں مگر سب کے حصول کا ذریعہ یہ ارتکاز ہے۔ ہم جادو کے اثرات کی شرعی توجیہ اس صورت میں کر سکتے ہیں کہ ہم اسے ارتکاز سے وابستہ کر کے نفس کا ایک قوی تر فعل قرار دیں۔ ورنہ کلام پاک اور جادو میں فرق باقی نہ رہے گا اور کہانت اور جادو کو انبیاء علیہ السلام کے معجزات سے ممیز نہیں کیا جاسکے گا کیونکہ افعال و خوارق میں یکسانیت کا پہلو اتنا غالب ہے کہ عوام نے بھی خود انبیاء علیہ السلام کو جادو گر سمجھا۔ اس سے ماننا پڑے گا کہ اصل قوت ارتکاز کی ہے۔

اگر کسی نے زبان کو آوارہ لغویات سے روک دیا اور ایک مخصوص لفظ یا عبارت پر مرکوز کر دیا تو نفس زبان کو قوت عطا کر دیتا ہے۔ اس ارتکاز لسان کو علم العمليات کہتے ہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ ارتکاز لسان ہی قوت کا سرچشمہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم العمليات کے ماہرین حروفِ جہی کی زکوۃ نکالنے کی سفارش کرتے ہیں کہ مبتدی کے لیے ضروری ہے کہ سو الاکھ مرتبہ الف الف، با با، جیم جیم پڑھے اس سے زبان میں اثر پیدا ہو جائے گا۔ اور ماہرین علم العمليات نے تو پورے کلام پاک کو جادو ٹونے کی کتاب بنا دیا ہے کہ فلاں آیت ”حب“ کے لیے ہے، فلاں ”بغض“ کے لیے ہے، فلاں آیت تسخیر کے لیے ہے، فلاں آیت فلاں مرض کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اصل بات ارتکاز ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ اگر ارتکاز لسان کلام مقدس کی آیات پر کر لیا جائے تو عبادت کی عبادت بھی ہے اور ارتکاز کا ارتکاز بھی ہے کیونکہ کلام پاک کی تلاوت بھی عبادت ہے۔

اگر کسی منتر وغیرہ پر ارتکاز کر لیا جائے تو نفع بخش وہ بھی ہے یعنی قوت کا حصول اس سے بھی ممکن ہے مگر ہے گناہ کیونکہ لغویات پر ارتکاز ہو رہا ہے۔ مگر ارتکاز کی قوت سے انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس طرح ارتکاز کا ایک اور شعبہ ہے جو

ہاتھ سے متعلق ہے اس کا نام ہے ”علم التعوذات“۔

علم التعوذات

کچھ لوگ آیات یا آیات کے اعداد پر ارتکاز کر لیتے ہیں اور وہ علم التعوذات کے ماہرین بن جاتے ہیں۔ دھرم کے تعوذات کو جنتر کہتے ہیں یعنی ہاتھ سے لکھے جانے والے اثر انگیز نقوش کو جنتر کہتے ہیں، اور زبان سے پڑھنے والے اثر انگیز فقرات کو منتر کہتے ہیں، اور ٹونے ٹونے کو تنتر کہتے ہیں یعنی ہندو عملیات جنتر منتر تنتر پر مبنی ہیں۔ پاکستان میں جنتریوں کا وجود بتا رہا ہے کہ ہندو اثرات اب بھی موجود ہیں۔ اس پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر طوالت کے پیش نظر ترک کر رہا ہوں۔

بلور بینی CRYSTALLO MANCY

یہ ایک علیحدہ علم ہے جس میں بلور کا ایک گولہ لے کر اس پر ارتکاز کیا جاتا ہے اور اس میں مستقبل دیکھا جاتا ہے۔

پتی بینی TASSO GRAPHY

یہ علم ایسا ہے کہ چائے کی پیالی میں جو چائے کی پتی رہ جاتی ہے اس پر ارتکاز کر کے مستقبل کے حالات جانے ہیں اسی طرح مسٹر تاسرو ڈاس ایک پیالے میں کوئی محلول ڈال کر اس پر ارتکاز کیا کرتا تھا اور اسے اس میں نظر آتا تھا اور اس کی ایک ہزار پیشگوئیاں آج پوری دنیا میں مشہور ہیں۔

پراسرار علوم

ریاضتِ نفس سے ہر ناممکن ممکن بن جاتا ہے کیونکہ جب نفس مسخر ہو جاتا ہے تو ہر چیز امکان میں آ جاتی ہے۔ تسخیرِ نفس سے وہ قوتیں جو نفس نے چھپا رکھی ہوتی ہیں وہ واپس مل جاتی ہیں اور یہی پراسرار علوم کہلاتے ہیں۔ کیونکہ انسان خالق کی وہ تخلیق ہے کہ جسے خود خالق ”فی احسن تقویم“ کہتا ہے کہ یہ وہ عظیم مخلوق ہے کہ اس کا قوام ہی بہترین ہے۔ اللہ نے انسان کو حسنِ تخلیق کا شاہکار بنا کر بھیجا ہے اور اس ظاہری انسان کے پردے میں سیکڑوں باطنی قوتوں کا خزانہ بھردیا ہے اور اس عظیم خزانے پر انسان نے خود ایک سیاہ ناگ بٹھا رکھا ہے جس کا نام نفس ہے اور اسی نے سبھی قوتیں دبا رکھی ہیں اور خود انسان کو بھی خبر نہیں ہونے دیتا کہ اس کے اندر کتنے دفا گین موجود ہیں۔

نفس کی پہلی اور آخری خواہش ہوتی ہے کہ ان قوتوں پر مکمل قبضہ اسی کا ہو اور ان قوتوں کے استعمال کی اسے مکمل آزادی حاصل رہے۔

انسان جیسے جیسے ارتکاز سے اسے پریشان کرتا ہے یہ موت کے خوف سے قوتیں واپس لوٹنا شروع کر دیتا ہے۔ ارتکاز چشم سے ”توہمِ نظر“ واپس کرتا ہے، ارتکازِ بید سے بید بھٹا لوٹا دیتا ہے، ارتکازِ لسان سے کھویا ہوا دم عیسیٰ مل جاتا ہے۔ اصل منزل بشر ہے۔ ان قوتوں کی آزادی یعنی انسان اپنی مخفی قوتوں کو نفس کے چنگل سے آزاد کروائے۔

ماورائے نفسیات (پیراسائیکا لوجی)

یہ علم جدید دور میں متعارف ہوا ہے، اس کی بنیاد بھی ارتکاز پر ہے اور اس سے مادی چیزوں کو ذہن کے تصور سے انتہال کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کا مظاہرہ یہاں تک ہوا ہے کہ رومی پیراسائیکا لوجرز نے تو میزائل وغیرہ بھی ذہن سے کنٹرول کر کے نارگٹ پر پہنچائے ہیں۔ اس لئے یہ علوم روسی یونیورسٹیز میں بھی پڑھائے جا رہے ہیں۔

تیسری آنکھ (Third Eye)

یہ علم امریکہ میں پڑھایا جا رہا ہے اور اس سے انسان میں ایک تیسری آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ پوری دنیا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس دور میں اس کے واقعات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ بھی ارتکاز ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

خوش حیوے سرفراز شیلتھی وچ مانچسٹر

اسے خیال خوانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے حصول سے انسان دوسروں کے دماغ میں اتر سکتا ہے یعنی دوسرے کے دماغ کی زمین میں اپنے خیالات کا شت کر سکتا ہے۔ سیکڑوں ہزاروں میل دور تک اپنے پیغامات دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ اس علم پر مارکیٹ میں بیسیوں کتب Available ہیں جن سے استفادہ ہو سکتا ہے۔ یہ قوت بھی ارتکاز کی وجہ سے انسان اپنے نفس سے حاصل کرتا ہے یعنی اس کی مشقیں بہت مشکل ہیں مگر اثرات بہت بہتر ہیں۔

اس میں شمع بینی کی جاتی ہے۔ جس دم تو ایک مشہور و معروف علم کا سرچشمہ ہے یعنی یوگا کی جملہ درزشیں اس ٹیلی تھنسی میں معاون ہیں۔ اس لئے یوگا کے ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر جس دم کو تصوف سے نکال دیا جائے تو پھر تصوف میں اثر پذیر رکھنے والا کچھ نہیں بچتا یعنی پھر تصوف بیکار ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ یہ چیزیں بنیادی طور پر تصوف کی ہیں اس لئے ان کا اس پر دعویٰ باطل ہے۔ مگر اس بات سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ارتکازِ اعضا و حواس سے قوتیں حاصل کی جاسکتی ہیں اور ارتکازِ ذہنی انسان کو بظاہر ہولی بنا دیتا ہے۔

قارئین! آپ نے علیحدہ علیحدہ اعضا و حواس کے ارتکاز سے حاصل ہونے والی قوتوں کا اندازہ کر لیا ہے، اب خود سوچیں جن لوگوں نے مکمل اعضا و حواس پر ارتکاز کر لیا ہو ان کی قوت کیا ہوگی؟

میں سمجھتا ہوں کہ اگر انسان ارتکاز نگہی حاصل کر لے اور نفس کی مقبوضہ قوتیں اس سے مکمل طور پر جھین لے تو پھر وہ کائنات پر متصرف ہو سکتا ہے۔

نافع ہوتا ہے۔ اس لئے روحانی اعمال کی منزل چاہے جو بھی ہو اس کا آغاز قیام ارتکاز سے ہوتا ہے۔

اسلام سمیت جملہ مذاہب کی روحانیت کا پہلا سبق قیام ارتکاز کا ہوتا ہے اور قیام ارتکاز کے بغیر روحانیت سیکھنا ایسا ہے جیسے کوئی حروف تہجی کے بغیر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہو۔

قیام ارتکاز اصل بنیاد ہے جس پر آپ روحانیت کی عمارت کھڑی کر سکتے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ آپ عمارت کتنی اونچائی پر لے جانا چاہتے ہیں اب یہ خود سوچ لیں۔ مگر یہ نہیں بھولنا کہ آپ عمارت کی اونچائی جتنی بڑھاتے چلے جائیں گے بنیاد کو اتنا زیادہ مضبوط کرنا پڑے گا۔ اور اگر بنیاد موجود ہی نہ ہوگی تو عمارت کے کھڑے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ عالم اسرار کے چاہے کتنے ہی چھوٹے علم کو لے لیں اس کے لیے قیام ارتکاز لازم ہوگا اور روحانیت کی آخری منزلوں تک آپ اسی ارتکاز کی مضبوطی کے مطابق جا سکیں گے۔

بات یہ ہے کہ ہر آدمی کا ذہن آوارہ خیالات کی تفریح گاہ کی طرح ہوتا ہے۔ جب اور جس وقت جس خیال کا جی چاہتا ہے اس میں بلا اجازت داخل ہو جاتا ہے اور اسے یہاں ساری بد تمیزیوں سمیت قبول بھی کیا جاتا ہے۔ اسے کوئی روکنے والا نہیں ہوتا کیونکہ ذہن عوامی تفریح گاہ کی طرح ہوتا ہے یا ایک شارع عام کی طرح ہوتا ہے قیام ارتکاز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی خیال بلا اجازت ذہن میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہجوم اور خیالات کا داخلہ بند ہو جاتا ہے تو ذہن نور روحانی کی غلظت گاہ بننے کے قابل ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی بھی اہم شخصیت چوراہے پہ چوکی ڈال کر بیٹھنا پسند نہیں کرتی۔

ایک تو خیالات کا ہجوم انسان کی یکسوئی اور توجہ کی دولت کو روند کر چلا جاتا ہے جیسے ایک جولاہے نے شارع عام پر کپڑے کا تانا بانا لگا دیا۔ جونہی وہ اس کو شروع کرنے لگا کہیں سے کوئی آوارہ گدھا آگیا، اور اس نے پھر سارا تانا بانا لگا دیا تو کہیں سے کوئی ڈرا ہوا کتا اس میں آن پھنسا تو اس کی ساری محنت برباد ہو گئی۔ اسی طرح ہوتا رہا اور وہ مدتوں کوئی چیز نہ بنا سکا اس لئے انسان کو روحانیت کا تانا بانا لگانا ہو تو ہجوم خیالات کا داخلہ بند کرنا ضروری ہوگا۔

دوستو! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب آدمی قیام ارتکاز کی مشقیں کرتا ہے تو اسے سب سے بڑی مشکل یہی درپیش ہوتی ہے کہ وہ ہجوم خیالات کا داخلہ اپنے ذہن میں بند نہیں کر سکتا اور اس پر ایک محنتی شخص کو اس ہجوم خیالات سے مکمل نجات حاصل کرتے کرتے تین ماہ لگ جاتے ہیں مگر یہ تین ماہ آئندہ کے کئی برسوں کا وقت بچاتے ہیں۔

قیام ارتکاز کی مشقیں

دوستو! قیام ارتکاز کی مشقیں جو ہیں وہ سات قسم کی ہیں اور ان کی افادیت جدا جدا ہے وہ یہ ہیں:

1- تنظر (گھورتا)

2- تذکر

یہ یاد رکھیں کہ عرفانیات کے سفر میں نفس کو قید کر لینا پہلی منزل ہے۔ تسخیر نفس انسان کو ولی بنا دیتا ہے۔ صوفیائے کرام کے اور اداؤں اور اشغال وغیرہ کو قریب سے دیکھیں تو آپ کو یہی فلسفہ نظر آئے گا کہ جو اعمال، مشاغل، جواشغال انہوں نے وضع کیے ہیں وہ نفس کی بلند فصیلوں پر کندیں ڈالنے والے ہیں، اس اجیت قوت کو زیر کر کے بہترین ذرائع ہیں کیونکہ ریاضت نفس ایک اہم ترین سنگ میل ہے جس سے منزل کا تعین آسان ہو جاتا ہے کہ ممکن ناممکن کو ممکن بنادیتا ہے۔

جب نفس کے ہاتھ سے قوتوں کے خزانے نکل جاتے ہیں تو یہ مسخر ہو جاتا ہے۔ اس کی تسخیر منزل کی طرف پہلا قدم ہے۔ ہاں اس کی تسخیر کے بھی کچھ مرحلے ہیں اس نفس کی تسخیر تک بھی چند سنگ میل ہیں جن سے اس کی تسخیر کو پہچانا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلی سیزنگ تو ہے اس کی خواہش کو سمجھنا اس کی خواہشات کی پہچان اور اس کی تسخیر کا عزم قوی۔ اس کے بعد ہے ”تزکیہ نفس“ تزکیہ نفس کے بعد ہے ”مجاہدہ نفس“ پھر ہے ”تسخیر نفس“ اور آخری منزل ہے ”قتل نفس“ اس کے بعد ہے منزل مقصود۔ لیکن یہ بات نہیں بھولنا چاہیے کہ تسخیر نفس کی منزل اتنی اونچی نہیں کہ اولیاء اللہ کے علاوہ کوئی نہ پاسکے بلکہ اس منزل تک ہر شخص بلا امتیاز مذہب و ملت پہنچ سکتا ہے۔

روحانیت کے حصول کی بنیاد نفس کو زیر کرنا ہے اور نفس کو زیر کرنے کا سب سے بڑا اور سریع الاثر نسخہ ارتکاز ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اگر انسان دماغ کا ارتکاز پیدا کرتا ہے تو یہ سب سے اعلیٰ قوت کا حامل ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص کا کبھی ارتکاز اللہ عزوجل پر ہو جائے تو کیا ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں اس کے لئے یہ پوری دنیا ایک چھوٹی سی کیندہ ہے اور اہمیت نہیں رکھتی کہ جس سے بچہ کھیلتا ہے اور وہ اسے حسب منشا لٹا پٹا سکتا ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام تو اصل نور ذات ہیں، ان کی ذات کی بات ہی نہیں کر رہا بلکہ میں ایک عام انسانی کی بات کر رہا ہوں کہ اس میں بھی اتنی صلاحیت موجود ہے کہ انسان نفس کو قابو میں لا کر تصرف کی بلند فصیلوں پر کندیں ڈال سکتا ہے۔ یعنی ارتکاز کمالی انسانیت کے دائرے سے باہر نہیں ہے کیونکہ ہاتھ کے ارتکاز کے دست تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ ارتکاز فسانہ دیم علی عطا کر دیتا ہے، ارتکاز ذہن عالم الصدور و القلوب بنا سکتا ہے۔ تنویدی کارناموں سے انسانیت کو ورطہ جہنم میں ڈالنا ممکن ہے اسی طرح اگر جملہ اعضا و حواس میں ارتکاز پیدا کر لیا جائے تو انسان کو کیا نہیں مل سکتا؟ اگرچہ جسم سے سببیت کو نکال باہر کرنا آسان نہیں ہے مگر ناممکن بھی نہیں ہے اللہ جل جلالہ کے کرم سے جس کسی پر یہ مشکل آسان ہو جائے گی تو وہ متصف باخلاق اللہ ہو سکتا ہے یعنی وہ صفات الہی کا جیتا جاگتا مظہر بن جائے گا اور اوصاف و اخلاق الہی کا مرقع بن جائے گا۔

قیام ارتکاز

دوستو! ہم اس کتاب کے عملی حصے میں داخل ہو رہے ہیں یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ ”اُمّ الاعمال“ قیام ارتکاز ہے اور یہی وہ قوتِ فعالیہ ہے جو اعمال میں روح رواں اور حیات جاری کا مقام رکھتا ہے اور اسی سے نفس

- 3- تنفس
4- تجسس
5- تصور
6- تزئین
7- تغریق

۱- ہے۔

فلاننگ flying یوگی کہتے ہیں کہ اگر تصوف کے پاس ہمارا یہ پرانا یام نہ ہوتا تو اس میں کرامات دکھانے والی کوئی چیز نہ ہوتی۔ یہ بات کچھ حد تک مانی بھی جاسکتی ہے مگر اختلاقی پوائنٹ یہ ہے کہ کیا کوئی روحانی سچائی کسی مذہب کی پراپرٹی ہو سکتی ہے؟ اس کا جواب نفی ہوگا تو یہ بات یوگیوں کی پراپرٹی نہ رہے گی۔ اس پر بہت لے دے ہوتی ہے جو ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

اس کا کلیہ بھی عرض کرتا چلوں:

اس میں ایک نتھنے سے سانس کو آہستہ آہستہ اندر لے جانا پڑتا ہے اور سانس اندر کھینچنے کا دورانیہ پہلے روز پانچ سیکنڈ کا ہوتا ہے۔ یہ بڑھتے بڑھتے دس سیکنڈ تک جاتا ہے۔

پھر سانس کو سینے میں روکنا ہوتا ہے اس کا دورانیہ پانچ سیکنڈ سے بڑھا کر پانچ منٹ تک جاتا ہے۔

پھر سانس کو خارج کیا جاتا ہے تو اس کا دورانیہ سانس لینے کے دورانیے کے برابر ہوتا ہے یعنی اگر سانس لینے کا دورانیہ پانچ سیکنڈ کا ہوگا تو سانس خارج کرنے کا دورانیہ بھی پانچ سیکنڈ کا ہوگا۔

اس میں یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ سانس اندر لے جاتے وقت جو نتھنا استعمال کریں سانس خارج کرتے وقت

دوسرے نتھنے سے خارج کریں اور جس نتھنے سے سانس خارج کریں پھر اسی سے سانس اندر کھینچیں۔ بس اسی سانس کے عمل میں وظیفہ پڑھا جاتا ہے۔

(4) تجسس (ASTHMA)

اسے جس دم اور پرانا یام بھی کہا جاتا ہے اور یہ سابقہ عمل تنفس کی آخری شکل ہے اور اس کے ماہرین تو سارا سارا دن سانس نہیں لیتے بلکہ کہا جاتا ہے کہ ہفتوں مہینوں تک سانس نہیں لیتے۔



(1) تنظر

تنظر کسی چیز کو مسلسل گھورنے کو کہتے ہیں یعنی بلا پلکیں جھپکائے دیکھتے رہنا تنظر ہوتا ہے اور قانون نظر یہ ہے کہ جب کسی شے پر نظر مرکوز ہوتی ہے تو اس کے عکس کو دماغ میں لے آتی ہے اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اسے معافی پہناتا ہے۔ جب کوئی عکس دماغ کی سکرین پر آتا ہے تو وہ چندرہ سیکنڈ تک اس پر باقی رہتا ہے۔ اگر ہم کسی چیز کو گھورتے ہیں تو اس کا نقش بار بار دماغ کی شریان پر پڑتا ہوا حافظے پر نقش ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ایک گھنٹہ ایک چیز کو دیکھیں اور پلک نہ جھپکائیں تو دماغ میں قیام عکس کا وصف پیدا ہو جاتا ہے یہ انتشارات ذہن کا خالق کہ دیتا ہے۔ اور روحانی دنیا میں قدم رکھنے کا پہلا سٹیپ Step انتشارات ذہن کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(2) تذکر (REMEMBRANCE)

کسی کی یاد کو بار بار ذہن میں دہرانا تذکر ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کا ذکر زبان پر بھی آجائے۔ یاد کا قانون یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں ایک یاد آتی ہے تو اسے عموماً قیام نہیں ہوتا اور جب ایک چیز بار بار یاد کیا جائے یا اسے یاد دلایا جائے تو اس کے ذہن پر ایک نقش بنتا چلا جاتا ہے (اسی نفسیاتی مسئلے کی بنیاد پر ایڈورٹائزنگ advertising کو متعارف کروایا گیا ہے) اور جب کسی چیز کی یاد دہانی مسلسل ہوتی ہے تو اس سے انتشارات ذہن کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔

اور یہ بھی ایک مسئلہ ہے کہ انسان کا ہر کام خیال سے شروع ہوتا ہے اور خیال ہی پر ختم ہوتا ہے اور یاد بھی ایک مستحکم بنیاد کا خیال ہوتا ہے۔

(3) تنفس (RESPIRATION)

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی زندگی سانسوں پر قائم ہے کہ جب سانس اندر آتی ہے تو روح کے قریب کر دیتی ہے اور سانس جب باہر جاتی ہے تو انسان عارضی طور پر روح سے دور ہو جاتا ہے۔

اس کلیے پر کچھ پر اسرار علوم وضع ہوئے ہیں اس میں روحانی علاج کو بھی انہی قوانین پر متعارف کروایا جا

باب دوازدهم

ہیں۔ عربی میں اس کا متبادل لفظ مراقبہ ہے۔ جو لفظ رقیب سے نکلا ہے جس کی تعریف یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ تصور یا خیال کو ایک نقطے پر مرکوز کر دینا یا دنیاوی خیالات سے کٹ کر اللہ اور اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف متوجہ ہو جانا۔ یعنی ظاہری حواس کو ایک نقطے پر قائم کر دینا اور اس طرح دنیا سے کٹ جانا کہ من کی دنیا یا اندر کے اسرار و معارف سے آگاہی ہونی شروع ہو جائے۔

آسان الفاظ میں مراقبہ کے معنی غور و فکر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ذکر و فکر جو قرآن و سنت سے ماخوذ ہے جس کا تسلسل امت میں صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک لاکھوں اولیائے کرام اور متلاشیانِ حق میں پوری طرح جاری و ساری ہے۔ تصور اسم ذات ہر دور میں صوفیائے کرام کا بنیادی شغل رہا ہے۔

کیونکہ ہر دور میں تصور اسم ذات نے زندگی پر بڑے فیصلہ کن اثرات ڈالے ہیں۔ مراقبہ میں جب سالک خدا کا تصور یا اللہ تعالیٰ کے عشق میں آنکھیں بند کر لے۔ بیٹھتا ہے تو شروع میں لاشعوری اور فکری انتشار بہت جگ کرتا ہے۔ لیکن چند دنوں کی کوشش سے یہی خیالات میں یکسانیت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور لاشعوری مزاحمت آہستہ آہستہ ختم ہونا شروع ہو جاتی اور ذہنی خیالات میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جسم و روح پر مسرت اور سرشاری کا احساس غالب ہونے لگتا ہے۔ اور یہی مراقبہ ذہنی سکون، سرشاری، ارتکا، زقوت اور دنیاوی کاموں کو خوش اسلوبی سے کرنے کا موجب بھی بن جاتا ہے۔

مراقبہ کے تسلسل سے کسی بھی فرد کی شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے کہ جو بھی اُس کے قریب آتا ہے وہ اُس کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب لوگ ایسے شخص کی قربت میں سرشاری اور ذہنی سکون کی دولت پاتے ہیں تو خود وہ فرد روحانی سکون اور سرشاری کے کس مقام پر فائز ہوگا کیونکہ اہل مراقبہ داخلی طمانیت کو Enjoy کرتے ہیں، دوسرے اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں۔ روحانی قوتوں اور حواس کو بیدار کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر ذریعہ مراقبہ ہے۔

انسان کے اندر پانچ حواس، دیکھنا، سننا، بولنا، شامہ اور لمس کام کرتے ہیں۔ ہر حس ایک مخصوص حد تک کام کرتی ہے مثلاً ہم نظر سے چند کلومیٹر تک ہی دیکھ سکتے ہیں، اور ایک خاص طول موج سے کم یا زیادہ آوازیں ہم نہیں سن سکتے، اور نہ ہی کسی چیز کے قریب جائے بغیر اُسے چھو سکتے ہیں۔ انسانوں کے یہ پانچ حواس محدود حدوں تک ہی کام کرتے ہیں جبکہ روحانی دائرے میں ان کی Range لا محدود ہو جاتی ہے۔

روحانی دنیا میں فاصلوں کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور کان پر طول اور موج کی آوازیں بھی آسانی سے سن سکتے ہیں۔ دنیا میں کام کرنے کے لیے ہمیں مختلف زبانوں کی محتاجی ہوتی ہے۔ اگر آپ زبان نہیں جانتے تو دوسرے سے بات یا معلومات کا تبادلہ نہیں کر سکتے جبکہ روحانیت میں قوتِ بیاں الفاظ کی محتاج نہیں ہے اور آپ آسانی کے ساتھ بغیر گفتگو کے بھی ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہو سکتے ہیں اور اپنے خیالات دوسروں تک بغیر کسی لفظ کے پہنچا سکتے ہیں۔

مراقبہ میں بہت دور کی چیزوں کو قریب سے دیکھا جاتا ہے یا دور بین کا خورد بین بن جانا مراقبہ ہے۔ یعنی

روحانیت اور مراقبہ

محترم قارئین! یہاں پر میں روحانیت اور تصوف کے اہم ترین نقطے کی وضاحت کرنے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔ وہ تمام روحانی طالب علم جو روحانیت کی اس پراسرار روادی میں سفر کرنا چاہتے ہیں وہ اس نقطے کو اچھی طرح ذہن میں بٹھالیں کہ اگر آپ روحانی ترقی کرنا چاہتے ہیں یا اگر آپ عرصہ دراز سے کسی بھی روحانی سلسلے سے منسلک ہیں یا آپ خود ہی روحانیت کے شوقین ہیں اور روحانی اشتغال کر رہے ہیں تو جب تک آپ مراقبہ نہیں کریں گے اُس وقت تک آپ کا روحانی سفر نہ تو جاری رہے گا اور نہ ہی آپ کے من کا اندھیرا دور ہوگا۔ میرے پاس بے شمار روحانی طالب علم اور سالکین آچکے ہیں اور ایک ہی رونا رو تے ہیں کہ بیس سال یا تیس سال ہو گئے ہیں فلاں روحانی سلسلے کے ساتھ وابستہ ہوئے یا فلاں گدی نشین کی خدمت کرتے ہوئے لیکن نہ کوئی مشاہدہ نہ ہی کوئی خواب اور نہ ہی کوئی روحانی تبدیلی یا ترقی ہوئی ہے۔ بے شمار ذکر اذکار، چلے و ٹپفے کرنے کے بعد بھی اندھے کے اندھے اور زیر پر کھڑے ہیں۔

اب جو لوگ بھی روحانیت کے اصل مغز کو سمجھنا چاہتے ہیں یا روحانی طالب علم روحانی ترقی اور انواراتِ الہی کی تجلیات اور مشاہدات کا نظارہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور مراقبہ کو اپنی زندگی اور روحانی سفر کا لازمی جز بنالیں۔

مراقبہ کا لفظ رقیب سے ماخوذ ہے اور رقیب اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں میں سے ایک نام ہے۔ میرے محترم قارئین اس اسم سے بخوبی واقف ہیں کیونکہ میرا پہلا روحانی وظیفہ اور مرشد یہی اسم پاک تھا۔

مراقبہ کے معنی ہیں نگہبان، بڑا انگران اور پاسبان۔ انگریزی میں مراقبہ کے معنی Meditation کے ہیں۔ سنسکرت میں ہزاروں سال سے اس کو دھیانا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بدھ ازم میں جھانا کا نام دیا جاتا ہے۔ چین میں جھانا۔ جاپان میں زن کہتے ہیں۔ کوریا میں زن سیون بن گیا اور ویت نام میں تھین Thien بن گیا۔ یہاں پر ایک بات واضح ہوتی گئی کہ مشرقی ممالک میں یہ دھیانا، چانا، زن سیون، جھانا، مختلف ناموں سے پکارا گیا۔ اردو میں بھی دھیان کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا ماخذ یہی لفظ بنتا ہے۔ اسی دھیان سے ہی گیان جنم لیتا ہے جس کو انگریزی میں Wisdom کہتے

آپ خود ہی دور بین ہیں اور خود ہی خورد بین ہیں، یہ مراقبہ ہے۔ مراقبہ ایک سیڑھی یا زینہ ہے۔ خود اپنے اندر مراقبہ کرنا گہرائی میں اترنا اور دیکھنا اور خود کو پھر اندر تر کر آسمانوں کی وسعتوں کی طرف چڑھنا اور دیکھنا یہ مراقبہ ہے۔ (رحمۃ اللہ علیہ) آسمان کی وسعتوں اور خفیہ گوشوں کو دیکھنا، عالم برزخ کو دیکھنا مراقبہ ہے۔ لوح محفوظ کو دیکھنا، اپنے باطن کو دیکھنا اور باطنی قوتوں کا اظہار اور عروج دیکھنا مراقبہ ہے۔ باطن کو ظاہر ہوتے دیکھنا مراقبہ ہے۔ باطن کو دیکھنا اللہ کو دیکھنا ہے۔ باطن کا اظہار اللہ کا اظہار ہے۔

تاجدار ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں (ترجمہ) کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو کائنات کا ایک چھوٹا سا ذرہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے اندر ایک بہت بڑا جہاں آباد کیا ہوا ہے۔

جب مراقبہ کے ذریعے انسان کی روح بیدار ہو جائے تو نہ صرف وہ اپنے اندر کی کائنات کی وسعتوں سے آشنا ہوتا ہے بلکہ ایسے انسان کے سامنے خارجی کائنات کی حقیقتیں بھی کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہیں یہی وہ مقام ہے جہاں کائنات کی مادرائی اور مخنی قوتیں اس کے ہر کباب اور ہمنوا بن جاتی ہیں۔ اس حقیقت کو ہی تواقبال نے اس طرح یہاں فرمایا ہے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی

بلھے شاہ:

جس بھیت پایا قلندر دا او بھیتی ہو یا اندر دا

سلطان باہو:

اے تن تیرا رب سچے دا حجرا
استھ پافقیرا چاہتی ہو
تیرے اندر آب حیاتی ہو

ایک سالک جب اپنی فطری خواہش یا مرشد کے کہنے پر جب مراقبہ شروع کرتا ہے تو اُس کے سامنے اندھیرے کی سیاہ تاریک چادر تہی ہوتی ہے لیکن اُسے پتہ ہوتا ہے کہ اس تاریک چادر کے دوسری طرف مظاہرات موجود ہیں اور اسی یقین پر جب وہ تسلسل کے ساتھ مراقبہ کرتا ہے تو آہستہ آہستہ باطنی دنیا کے مظاہرات اُس کے سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور ایک مقام پھر ایسا بھی آتا ہے جب اہل مراقبہ باطنی دنیا کے نظاروں کو ظاہری دنیا کی طرح دیکھتا ہے۔

مراقبہ کے روحانی فوائد تو بے شمار ہیں ہی، اس کے نفسیاتی اور طبی خواص بھی بے شمار ہیں جس کی وجہ سے آج اہل یورپ بھی تیزی سے مراقبہ کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔ اسلامی مراقبہ کی تاریخ غار حرا سے شروع ہوتی ہے، جبکہ اہل یورپ آج مراقبہ کی افادیت سے آگاہ ہو رہے ہیں۔

اسلامی مراقبہ کے ذریعہ کسی بھی انسان پر باطنی دنیا کے وسیع راز کھلنے لگتے ہیں اور اپنی نفسی بیماریوں اور قوتوں

کے مکر و فریب سے آشنائی ہونے لگتی ہے اور نفس کو مہذب بنانے کا آرٹ بھی آتا ہے۔ اور اسلامی شریعت کی پابندی، اخلاق حسنہ کا حامل ہونا، اللہ سے محبت، اللہ کے بندوں سے محبت اور اللہ کی مخلوق کی خدمت، اور مخلوق کو اللہ کے کعبہ کی حیثیت دینا، اور دل کی گہرائیوں سے دنیا کی چاہت اور اپنی نمود و نمائش کا نکل جانا، اور اللہ سے ساری انسانیت کی بھلائی کے لیے دعائیں کرنا، صبر، شکر، قناعت و زہد توکل جیسے اوصاف سے بہرہ ور ہونا، ایمان و یقین و اخلاص کی کیفیات میں مسلسل اضافہ ہوتے رہنا، کفر کی طاقتوں سے متاثر ہونے کے بجائے انہیں لکارنا، مستحق افراد کی مدد کرنا جیسی صلاحیتیں اہل مراقبہ میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ روحانی فوائد کے ساتھ ساتھ بے شمار طبی اور نفسیاتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ جو لوگ مختلف ذہنی اور جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں جب وہ تسلسل سے مراقبہ کو اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتے ہیں تو وہ بہت ساری نفسیاتی اور جذباتی الجھنوں پر قابو پا لیتے ہیں۔ بہت سارے منفی رجحانات اور خیالات جن کی وجہ سے فرد بہت پریشان رہتا ہے ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پالیتا ہے اور ہمہ وقت سکون اور اطمینان قلب کی لذت پانے کے ساتھ ساتھ سرور و مستی اور سرشاری کی وہ کیفیت پالیتا ہے جس کی قدر و قیمت کا حساب لگانا بہت ہی مشکل ہے۔

یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے مکہ کے قریب غار حرا میں عبادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ نام نہاد علماء اور دانشوروں سے اگر پوچھا جائے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی، کوئی نماز وغیرہ بھی نہیں تھی تو وہ غار حرا میں کیا کرنے جاتے تھے تو بہت ناگواری سے کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پورا عمار کی تنہائی میں مراقبہ کرنے جاتے تھے۔ شدید حیرت والی بات یہ ہے کہ جس مراقبہ کے دوران جبرائیل الامین تشریف لائے اور یہی وحی نازل ہوئی اور پیارے آقا نبوت سے سرفراز ہوئے۔ اُس کا ذکر کرتے ہوئے بے شمار محدثین، مفسرین اور فقہاء کو کیا مسئلہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں مراقبہ کا ذکر تک نہیں کرتے اور اگر یہی مراقبہ اہل روحانیت کرتے ہیں تو طرح طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں؟ ان بصیرتی اندھوں سے کوئی پوچھے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار حرا میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہطو پر، حضرت مریم علیہا السلام تنہائی میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صحرائیں کیوں دنیا سے کٹ کر غور و فکر یا مراقبہ کرتے تھے تو ادھر ادھر کی فضول باتیں اور اعتراضات شروع کر دیتے ہیں۔

یہاں پر ایک اور نقطہ بھی قابل توجہ ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نو جوانی سے ہی تجارت کے پیشے کے ساتھ منسلک ہو گئے تھے۔ آپ کے اخلاق اور کردار سے متاثر ہو کر مکہ کی ایک مالدار خاتون نے آپ سے شادی کر لی اور یہ شادی انتہائی کامیاب شادی قرار دی جاسکتی ہے۔ اب یہ بات سب جانتے ہیں کہ شادی کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ کی امیر ترین خاتون تھیں۔ شادی کے بعد وہ ساری دولت کدھر گئی؟ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز کس کام میں گزرتے تھے؟ تاریخ یہاں خاموش دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ یہی بتاتی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غور و فکر اور مراقبہ کے لیے غار حرا میں جایا کرتے تھے۔ یہاں پر یہ لوگ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہیں کہ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارت کے بجائے تلاش حق کے لیے غار حرا جانا زیادہ مقدم سمجھا اور یہ بات تاریخ میں ثبوت کے طور پر

موجود ہے کہ آپ کئی کئی دن بلکہ بعض اوقات مہینوں تک غار حرا میں قیام فرماتے اور اپنے ساتھ کھجوریں، پانی اور سونے کے برتنے لے جاتے اور مراقبہ کرتے۔ کیونکہ آپ ایک عظیم مشن لے کر دنیا میں آئے تھے اس لیے وہ ساری دولت کدھر گئی؟ کیونکہ ہندو تاریخ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک امیر اور دولت مند تاجر کے روپ میں نظر نہیں آتے۔ ہمیں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ساری دولت نبی پاک نے خدمتِ خلق اور دوسروں کی مدد یا خدمت میں خرچ کر دی اور اس کام میں آپ کی عزیزہ بیوی کی آپ کو مکمل حمایت حاصل تھی۔ جب بھی پہلی وحی کا ذکر ہوتا ہے تو انہی مفسرین کا بیان ہوتا ہے کہ آپ صبح کی اُس وقت عبادت میں مصروف تھے۔ یہاں پر اگر ان سے پوچھا جائے کہ کوئی عبادت کر رہے تھے تو لفظ مراقبہ کی ادائیگی میں ان کو شدید مشکل آتی ہے۔ جب بار بار اصرار کیا جائے تو بڑی مشکل سے مان جاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس وقت حالت مراقبہ میں تھے اور یہی مراقبہ آپ کی عبادت تھی۔

محترم قارئین! دین کی ہر تفریح میں مظاہرِ قدرت پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس طرح کے غور و فکر کا مقصد کسی بھی چیز میں اس حد تک کھوجانا کہ خود کو بھول جانا یا اُس میں اس طرح کھوجانا کہ ایک ساتھ ہو جانا۔ مظاہرِ فطرت میں ہم ہو جانا، مدغم ہو جانا، اصل میں خود کو پانا ہے۔ انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ کوئی خواب خیال نہیں رہتا۔ ماضی مستقبل ہنس رہتا اور انسان اپنے مرکز تک پہنچ جاتا ہے، اپنے دل میں اتر جاتا ہے۔ اپنے اندر اترنا ہی آسمان پر چڑھنا ہے۔ آسمان پر چڑھنا ہی اپنے اندر اترنا ہے۔ اپنے دل کی عمیق گہرائیوں میں یا باطن کی گہرائیوں میں اتر کر ہی آسانی و معنوں کا نفاذ ہو سکتا ہے۔ یہ میٹھی بھی بہت عجیب ہے۔ انسان چڑھتا اوپر ہے لیکن اترتا نیچے ہے۔ جاتا باہر ہے لیکن انا اندر ہے۔ انا باطن دیکھنا، آسمان دیکھنا، عروج دیکھنا، معراج دیکھنا، مراقبہ ہے۔

پہلی وحی کے وقت نبی پاکؐ حالت مراقبہ میں تھے۔ مراقبہ کا مطلب دیکھنا ہے، غور کرنا ہے، دھیان لگانا ہے۔ مراقبہ پہلے ہے اقوال بعد میں ہے۔ اسی مراقبہ کے اندر ہی باطن بیدار ہوتا ہے، قلب بیدار ہوتا ہے، سینہ کھلتا ہے، تجاہات اٹھتے ہیں، انوارات اور تجلیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ خود کے ظہور کو دیکھنا ہی تو مراقبہ ہے۔ اپنا روحانی جنم، ارتقا اور حیوان کو انسان بننے دیکھنا مراقبہ ہے۔ مراقبہ میں ہی باطن کی بیداری اور غائب کو حاضر ہوتے دیکھا جاتا ہے، یہی مراقبہ ہے۔ انسان کی روحانی قوتوں کی بیداری اور نقطہ عروج پر پہنچنا ہی مراقبہ ہے۔

اپنے من اور قلب کے اندر اترنا ہی مراقبہ ہے۔ پتہ نہیں ہم اپنے اندر اترنے سے ڈرتے کیوں ہیں؟ اپنے قلب میں جانا اور اترنا ہی مراقبہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قلب اور من کے اندر گھپ اندھیرا ہے۔ نظروں کے سامنے موٹی تاریک سیاہ چادر تھی ہے لیکن اُس تاریک چادر کے دوسری طرف ہی تو کمال ہے، روشنیاں ہیں۔ انہی روشنیوں میں کھکشانی نظام، آسمانی مخلوق، زمین و آسمان کے دلفریب نظارے، ماضی، حال اور مستقبل کی حقیقتیں ہیں، غیبی دنیا کے اسرار و رموز ہیں۔ یہاں پر ہی دوسرے سیاروں کی مخلوقات اور احوال دیکھے جاسکتے ہیں۔ جنات، ارواح اور فرشتوں سے ملاقاتیں اور مشاہدہ ہے۔ اور اسی مراقبہ میں ہی انفرادی شعور یا انفرادی ذہن کا نفاذ ذہن میں ڈھل جانا ہے۔ یہیں پر انسان کی عرفانی بیداری ہوتی ہے۔

انسانی جسم روح اور گوشت کا مجموعہ ہے۔ روح اس جسم کا اصل ہے۔ انسانی روح کو اگر بیدار کر لیا جائے تو یہ روح جسم کے بغیر بھی حرکت کر سکتی ہے۔ اگر اس مراقبہ کے ذریعے ہی اس روح کو بیدار کر کے حرکت اور سفر کے قابل بنائے۔ انسان نیند کے عالم میں خواب دیکھتا ہے یا یہی روح زمین و آسمان کے دور دراز گوشوں کی سیر کرتی ہے۔ انسان خواب میں اپنی مرضی سے پرواز نہیں کر سکتا۔ وہ بے بسی سے محو تماشا ہوتا ہے لیکن اسی مراقبہ کی بدولت ہی انسان یہ ملکہ حاصل کر لیتا ہے کہ وہ شعور بیداری کے ساتھ حالت خواب میں چلا جاتا ہے یا انسان بیدار ہوتے ہوئے خواب کی دنیا میں سفر کرتا ہے۔ اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مراقبہ کے تسلسل سے روحانی ترقی اُس مقام پر پہنچ جاتی ہے کہ خواب اور بیداری کے حواس برابری کی سطح پر آ جاتے ہیں اور انسانی شعور بیداری اور خواب کے معاملات یا صلاحیت کو اپنی مرضی سے حاصل کر سکتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کی بیداری اور اظہار کے لیے مراقبہ کیا جاتا ہے۔ انسانی دل میں کائنات کے لامحدود اسرار و رموز چھپے ہیں لیکن انسان کی بد قسمتی کے وہ اس تک رسائی پانے کی کوشش نہیں کرتا۔ یہ کوشش مراقبہ کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس قلب کے اندر روشنی اور نور کا بہت بڑا سمندر ہے۔ اُس تک جو رسائی پا جاتا ہے وہ خود بھی روشن ہو جاتا ہے اور پھر وہ سو فی کھلاتا ہے۔

ہم لوگ اندھیرے سے ڈرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اندھیرے کی انتہا سے ہی روشنی پھوٹی ہے۔ تاریکی کے بطن سے ہی نور اور روشنی کا جنم ہوتا ہے۔ رات کے اندھیرے سے ہی دن کا اجالا طلوع ہوتا ہے۔ من کے اندھیرے اور تاریکی میں ہی دل کے اندر روشنی کا سمندر ہے۔ انسان کے دو جنم ہوتے ہیں۔ پہلا جنم ماں کے پیٹ سے، دوسرا جنم اپنے باطن سے ہوتا ہے۔ مراقبہ زمان و مکان کی قید سے آزاد کر دیتا ہے۔

مراقبہ انسان کو خالی کرتا ہے، خالص کرتا ہے۔ مراقبہ شعور کو جنم دیتا ہے۔ مراقبہ کرنے والا جنت کی تلاش میں نہیں ہوتا کیونکہ جنت تو خود اُس کے اندر ہوتی ہے۔ وہ جنت کی تلاش میں نہیں ہوتا بلکہ جنت اُس کے قریب کر دی جاتی ہے۔ مراقبہ میں پہلی موت اور دوسرا جنم ہوتا ہے۔ مراقبہ وہ شیشہ ہے جس میں خدا کی تجلیات اور وہ خود نظر آتا ہے۔ اسی مراقبہ میں انسان خود سے اور اپنے خدا سے ملاقات کرتا ہے۔ اسی مراقبہ میں خود میں کھو کر ہی انسان اپنے خدا کو پاتا ہے۔ بندہ مومن کے قلب میں اللہ کے انوار جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہوتے ہیں ان تک مراقبہ کے ذریعے ہی رسائی ممکن ہوتی ہے۔ اُن انوار تک رسائی کے بعد ہی نفسی قوتوں کا مقابلہ احسن طریقے سے کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی اندھا ہے تو اس میں سورج کا کوئی قصور نہیں۔ کوئی بھی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ کے انوارات کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ مراقبہ سے فرد کے اندر دوئی اور دورگی ختم ہونے لگتی ہے اور انسان اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے جو حدیث قدسی میں بیان ہے:

میں فرد سے اتنا قریب ہو جاتا ہوں کہ میں اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھنے لگتا ہے۔ میں اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرنے لگتا ہے۔ میں اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلنے لگتا ہے۔ مراقبہ فطرت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد پاک ہے۔ اپنے رب کے نام کا ذکر کرو سب سے کث کر۔ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں قرآن مجید میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

”ہم تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔“

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں: ”وہ تمہارے نفس کے اندر موجود ہے تم دیکھتے کیوں نہیں۔“

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا: ”ہم غریب نہیں آفاق اور انفس میں اپنی نشانیں کا مشاہدہ کرائیں گے۔“

ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: ”جس نے اپنے نفس کا عرفان حاصل کر لیا اس

نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ تم جہد بھی منہ کرو وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔“

یوں بھی فرمایا: ”یہ جان لو یقین کر لو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔“

یہ بھی فرمان الہی ہے: ”اللہ ہر شے پر محیط ہے۔“

مراقبہ کے بارے میں حضرت شاہ ولی یوں کہتے ہیں: ”مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ قوت ادراک کو کسی چیز کی

طرف متوجہ کر دیا جائے۔ حق تعالیٰ کی صفات کی طرف یا جسم سے روح کے جدا ہونے کی طرف یا اسی طرح کسی دوسری چیز

کی جانب۔ اور توجہ اس طرح ہو کہ عقل و ہم خیال اور سارے حواس اس توجہ کے تابع ہو جائیں اور جو چیز محسوس نہ ہو وہ

بجائے محسوس ہونے کے معلوم ہو جائے۔“

آج کل نام نہاد دانشور اور ماڈرن صوفی جو مراقبہ اور تصوف کی تعلیمات کے خلاف بولے ہیں ان کے

میں امام غزالی کا بیان لکھنے لگا ہوں جو انہوں نے کیسے سعادت میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ موجودہ نام نہاد دانشور ابھی امام

غزالی کے ہم پلہ نہیں ہیں۔

”اے دوست یہ نہ سمجھ کہ عالم روحانی کی طرف قلب کا دروازہ موت سے پہلے نہیں کھلتا۔ یہ خیال غلط ہے۔ اگر

کوئی شخص عالم بیداری میں عبادت کرے اور خود کو تمام اخلاقی برائیوں سے بچائے، خلوت اختیار کرے، ظاہری آکسمیں

بند کر دے اور ظاہری حواس کو معطل کر کے اپنے دل کو معرفت الہی کی طرف موڑ لے اور زبان کے بجائے دل سے یعنی خیال

سے اللہ کے نام کا ورد کرے اور اس حد تک محو ہو جائے کہ دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز ہو جائے تو باطن کی گہرائی میں انسان

کے قلب کا دروازہ عالم بیداری میں بھی کھل جاتا ہے۔ عام لوگ جو کچھ خواب میں دیکھتے ہیں وہ عالم بیداری میں بھی دیکھنے

لگتا ہے تو اُس کو فرشتے نظر آتے ہیں۔ وہ نبیوں کا دیدار کرتا ہے اور اُن سے فیض یاب ہوتا ہے۔ ملائکہ زمین و آسمان اُس کو

دکھائی دینے لگتے ہیں۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس دن رات گزارے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صحرا میں چالیس

دن گزارے اور حضرت مریم علیہا السلام نے بھی خلوت گزینی اختیار کی۔

مراقبہ میں روحانی طالب علموں کی واردات اور کیفیات اور مشاہدات اکثر الگ الگ ہوتے ہیں۔ دوران

مراقبہ روحانی طالب مختلف مدارج طے کرتا ہے یا مختلف منازل سے گزرتا ہے۔

استغراق

دوران مراقبہ فرد پر کھوجانے کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہ خواب اور بیداری کی درمیانی حالت ہوتی ہے۔ جب غنودگی طاری ہو جاتی ہے اور فرد اپنے آپ سے بھی ریگانہ ہو جاتا ہے۔ استغراق کا نشہ وہی جان سکتا ہے جو اس سے گزرا ہو۔ بندہ آدھا بیدار اور آدھا سو رہا ہوتا ہے۔

روحانی تبدیلیاں

دوران مراقبہ باطن میں روشنیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ محسوس کن خوشبوئیں، نور، روشنی، جسم میں برقی لہروں کے لہرانے کا احساس، الہام، کشف، القا اور وجدانی صلاحیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ درج بالا تمام کیفیات اور مشاہدات کو میں تفصیلاً اپنے ابتدائی حصے میں بیان کر چکا ہوں۔

خوش حیلہ سر فر از شاہ وچ مانچسٹر اسلام اور مراقبہ

سورۂ احزاب میں خالق ارشاد فرما رہا ہے:

وَ كَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا (احزاب: 52)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کو نگاہ میں رکھتا ہے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک آدمی کی شکل لے کر بارگاہ نبی کریم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! ایمان کسے کہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

کہ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور تقدیر پر اچھی ہو یا بری، میٹھی ہو یا کڑوی، کو مان لینا ایمان

ہے، اس نے عرض کی، ٹھیک فرمایا۔

حضرت جریر کہتے ہیں کہ ہم اس کی اس تصدیق پر تعجب کرنے لگے کہ یہ شخص خود ہی سوال کرتا اور خود ہی نبی کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس شخص نے آپ سے دوبارہ پوچھا کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور حج بیت اللہ

شریف کرنا اسلام کہلاتا ہے۔ اس نے پھر کہا:

استقامت کے ساتھ مراقبہ کرتے رہے اور آخر انہیں گیان مل گیا۔ قصہ مختصر، دنیا کے ہر مذہب اور لہجوں میں بھی جو خدا کے وجود کے منکر ہیں وہ بھی مراقبہ کے قائل ہیں۔ یہ تمام لوگ فطری ارتکاز کی صلاحیت رکھتے ہیں اور خدا اور خدا کی بنائی ہوئی ہر چیز سے محبت کرتے ہیں اور مظاہر فطرت پر غور و فکر کرنا ان کی فطرت کا حصہ ہوتا ہے۔

مراقبہ کے فوائد

محترم قارئین! مراقبہ کے فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ اگر میں یہاں لکھنا شروع کروں تو کتاب بہت زیادہ طوالت کا شکار ہو جائے گی۔ اس لیے احقر نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مراقبہ کے موضوع پر ایک مکمل کتاب لکھوں جو روحانی طالب علموں کے لیے ایک Syllabus ہوگی۔ مراقبہ کے ساتھ کون سے ذکر و کار، سانس کی مشقیں، غذا اور باقی تمام روحانی اشغال جن پر عمل پیرا ہو کر متلاشیانِ حق اپنی منزل تک آسانی سے پہنچ سکیں لیکن مختصر مراقبہ کے فوائد درج ذیل ہیں:

مراقبہ کے فوائد کا آغاز میں مولانا رومی کے اس شعر سے کروں گا۔

بنی اندر علوم انبیا

معبود بے کتاب و اوستا

(انبیا کے علوم کا اپنے اندر میں مشاہدہ کرو بغیر رہنما، بغیر کتاب اور بغیر استاد کے)

لیکن یہاں پر ایک وضاحت کر دوں کہ قرآن و سنت کی پیروی لازمی ہے۔

مراقبہ بندہ کو خدا کے قریب کر دیتا ہے۔

☆ جب فرد کے اندر مثبت تبدیلی آئے گی تو وہ ظاہر ہی مثبت اظہار کرے گا۔

☆ مراقبہ فرد کو اسفل السافلین سے نکال کر ملکوتی دنیا میں لے جاتا ہے۔

☆ فرد کے اندر احترامِ انسانیت اور دروِ انسانیت پیدا کرتا ہے۔

☆ فرد کو مثالی انسان بناتا ہے اور یہی انسان پھر مثالی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔

☆ فرد کو روحانی اور جسمانی لذت اور سرشاری عطا کرتا ہے۔

☆ قوتِ حیات کو طاقتور بناتا ہے۔

☆ بلند پریش کے دباؤ کو ختم کرتا ہے۔

☆ بصارت اور سماعت کی کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے۔

☆ خون کی روانی کو بہتر اور پکنائی کو کنٹرول کرتا ہے۔

☆ ذہنی اور نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

☆ خوف، وہم اور ڈپریشن سے نجات مل جاتی ہے۔

آپ نے سچ فرمایا، پھر عرض کرتا ہے، مجھے بتائیے کہ احسان کیا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

تمہارا یوں عبادت کرنا جیسے تم اسے دیکھ رہے اور اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ دیکھ رہا ہے، احسان کہلاتا ہے۔ پس اگر اس نے پھر عرض کی کہ آپ نے سچ فرمایا۔“ (الحديث)

بات کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم یہاں ایک واقعہ کا سہارا لیتے ہیں۔

کسی حاکم کا ایک غلام تھا، اس کی اس غلام پر توجہ دوسرے غلاموں سے زیادہ تھی حالانکہ نہ تو وہ ان سے قیمتی اور نہ ہی شکل و شباہت میں ان سے زیادہ خوبصورت تھا۔ لوگوں نے اس بارے میں پوچھا تو اس نے ایک دن دوسروں سے اس کی زیادہ خدمت بتانے کا ارادہ کیا چنانچہ وہ اپنے نوکروں کو لے کر سوار ہوا، کچھ ہی فاصلہ پر ایک پہاڑ کے اوپر برف نظر آ رہی تھی، حکمران نے برف کو دیکھ کر سر جھکا لیا۔ غلام نے فوراً گھوڑا دوڑایا اور کسی کو بھی گھوڑا دوڑانے کی خبر نہ ہونے دی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ برف لے کر آن پہنچا۔ حکمران نے اسے کہا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں برف لینا چاہتا ہوں؟ غلام نے کہا کہ آپ نے برف کی طرف دیکھا تھا اور میں جانتا ہوں کہ حکمران کی نگاہ اٹھانا کسی صحیح ارادے کے بغیر ممکن نہیں، اس طرح حاکم بولا میری مہربانی اور توجہ اسی لیے اس پر زیادہ ہوتی ہے کہ باقی لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں لیکن یہ میری نگاہ کو دیکھتا ہے اور میرے حالات پر نظر رکھتا ہے۔

مراقبہ کی اہمیت کو سید الطائفہ جنید بغدادی واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

کہ جو شخص مراقبہ کے وقت ثابت قدم رہے اسے صرف اللہ کے ہاں ممکن حد تک اپنا حصہ نصیب ہونے کا شرف ہو سکتا ہے، کسی اور سے نہیں۔

مراقبہ اور باقی مذاہب

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مراقبہ کے بارے میں فرمان ہے: خدا کی بادشاہت تمہارے اندر موجود ہے اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صحرا میں 40 دن مراقبہ اور غور و فکر میں ہی گزارے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس راتیں کوہ طور پر گزاریں، غور و فکر اور مراقبہ کیا۔ ہندوؤں کی کتاب بھگوت گیتا میں راجا رجن نے کرشن جی سے کہا آپ ذہن پر قابو حاصل کرنے کی بات کرتے ہیں خود کو پہچاننے کی بات کرتے ہیں لیکن میں اپنے ذہن کو منتشر پاتا ہوں تو کرشن جی نے کہا۔ جو تم کہہ رہے ہو وہ ٹھیک ہے لیکن مسلسل کوشش کر کے مراقبہ کے ذریعے منتشر ذہن کو قابو یا یکسو کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح جب مہاتما بدھ اپنی بادشاہت کو چھوڑ کر معرفت اور حقیقت کی تلاش میں جنگل در جنگل تقریباً چھ سال گھومتے رہے، اپنے جسم کو روحانی مجاہدوں اور ریاضتوں سے گزارا اور آخر ”گیا“ کے مقام پر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور مسلسل 40 دن مراقبہ اور غور و فکر کیا۔ شیطانی قوتوں نے بہت حملے کیے اور روکنے کی کوشش بھی کی لیکن مہاتما بدھ

لطائفِ بدن و جسمِ دم

علومِ روحانیت میں دسترس رکھنے والے صاحبان کا کہنا ہے کہ بدنِ انسانی میں کچھ مقامات نہایت ہی فیوض و برکات کے حامل ہیں۔ ان مقامات کو وہ لطائف کا نام دیتے ہیں۔ سالک جیسے جیسے روحانی مدارج طے کرتا جاتا ہے یہ لطائف کھلتے جاتے ہیں۔
بعض عرفاء کے نزدیک ان کی تعداد پانچ اور بعض نے سات بتائی ہے۔ لیکن قول مشہور یہ ہے کہ ان کی تعداد

لطائفِ ستہ

اول: لطیفہٴ قلب

مقام اس کا دو انگشت نیچے پستان چپ کے ہے۔ اور نور اس کا سرخ ہے۔

دوم: لطیفہٴ روحی

جگہ اس کی دو انگشت نیچے پستان راست کے ہے۔ اور نور اس کا سفید ہے۔

سوم: لطیفہٴ نفس

مقام اس کا زیر ناف ہے۔ اور نور اس کا زرد ہے۔

چہارم: لطیفہٴ سَری

مقام اس کا درمیان سینہ کے ہے۔ اور نور اس کا سبز ہے۔

- ☆ فرد کو تکبر، غرور سے بچا کر رواداری اور محبت سے معمور کرتا ہے۔
- ☆ مادیت اور فرسٹریشن میں گھرے انسان کو نفسِ مطمئنہ کی دولت سے سرفراز کرتا ہے۔
- ☆ مایوسی، چڑچڑاہٹ، بے خوابی، وہم، احساسِ کمتری، خودکشی کا رجحان، منفی خیالات، جنسی ہیجان سے بچاتا ہے۔
- ☆ قوتِ برداشت میں اضافہ اور مشکلات کا مقابلہ اور حل کرنے کی ہمت دیتا ہے۔
- ☆ جادو ٹونہ، نظرِ بد، بھوت پریت اور ذہنی امراض سے نجات مل جاتی ہے۔
- ☆ مراقبہٴ دوسوسوں سے نجات دلا کر سرشاری اور سرور و مستی عطا کرتا ہے۔
- ☆ روحانی اور جسمانی صحت عطا کرتا ہے۔
- ☆ جسم سے منفی اثرات ختم کر کے مثبت اثرات پیدا کرتا ہے۔ تازہ خون پیدا ہوتا ہے۔
- ☆ بیمار یوں کے خلاف قوتِ مدافعت عطا کرتا ہے۔
- ☆ انجانے خوف اور مستقبل کے اندیشوں سے آزاد کرتا ہے۔
- ☆ عبادات میں لذت اور یکسوئی کا مزا آنا شروع ہو جاتا ہے۔
- ☆ دماغی اور جسمانی صلاحیتوں میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔
- ☆ بے پناہ یادداشت پیدا ہو جاتی ہے اور انسانی ذہن عرفانی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔



پنجم: لطیفہ خفی

مقام اس کا پیشانی یا دونوں بھنوں کے درمیان ہے اور نور اس کا نیلا ہے۔

ششم: لطیفہ انہی

مقام اس کا آتم الدماغ عین دماغ کے وسط میں ہے۔ اور نور اس کا سیاہ مثل سیاہی کے ہے۔ جیسے آگ کی سیاہی ہوتی ہے:

ان کے کہنے کے مطابق یہی چکرا انسان کی ہر قسم کی توانائی اور صلاحیتوں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اگر چیکر ان سے متعلقہ توانائی پوری طرح کام کرتی ہے۔ اگر یہ صحیح کام نہ کرتے ہوں یا بالکل بند ہوں تو ان سے متعلقہ توانائی صلاحیتیں کمزور ہوتی ہیں، یوگا میں یہ چکرا تعداد میں سات ہوتے ہیں۔ چکرا کو مشقوں کے ذریعے طاقت (Energy) دی جاتی ہے ان میں سر کے اوپر والے Crown Chakra چکرا کہتے ہیں اس کا تعلق سب دوسری توانائی کو کنٹرول کرنے سے بتایا جاتا ہے۔ یہ چکرا سب سے طاقتور کہا جاتا ہے۔ دونوں بھنوں کے درمیان پیشانی میں موجود چکرا Third-eye Chakra کہتے ہیں اس کا تعلق چھٹی حس سے بتایا جاتا ہے۔

گلے کے نچلے سرے میں موجود چکرا Throat Chakra کہتے ہیں اس کا تعلق بات چیت اور انسان کی حفاظت وغیرہ سے ہے۔ چھاتی کے درمیان موجود چکرا کو ہارٹ چکرا کہتے ہیں، اس کا تعلق دل اور روح سے اور پیار، محبت وغیرہ سے ہے۔ ناف کے نیچے موجود چکرا کو Chakra Navel کہتے ہیں، یہ جسمانی صحت سے متعلق ہے۔ دونوں اعضائے تناسل کے نیچے بھی ہندو دو اور چکرا کا بتاتے ہیں ان میں ریزہ کی ہڈی کے نچلے حصے موجود چکرا کو کنڈلینی چکرا کہتے ہیں۔

یوگا میں کہا جاتا ہے کہ اگر آپ کی کنڈلینی بیدار ہو جائے تو آپ مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک بن جاتے ہیں انکے کہنے کے مطابق کنڈلینی میں ایسی طاقت چھپی ہے کہ انسان اس کی مدد سے ہوا میں اڑ سکتا ہے، پہاڑوں کو توڑ سکتا ہے یعنی ہر طرح کے کام کر سکتا ہے۔

طبی نقطہ نظر سے اگر بدن انسانی کو دیکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ریزہ کی ہڈی کے نچلے سرے پر ہر طرح کے اعصاب ہوتے ہیں۔ جو کہ جسم کے بہت سے حصوں سے منسلک ہوتے ہیں اور ان کو طاقت دیتے اور کنٹرول کرتے ہیں۔

ہندو یوگیوں کے کہنے اور یوگا کے اصولوں کے مطابق اگر آپ کے چکرا پوری طرح صحیح ہوں تو آپ کی سب روحانی صلاحیتیں پوری Develop ہو جاتی ہیں۔

مثلاً اگر آپ کی پیشانی والا چکرا صحیح کام کر رہا ہو تو آپ کی چھٹی حس پوری طرح کام کرے گی۔ اور ہر چیز

کے بارے میں الہام ہو جائے گا۔ مستقبل قریب میں ہونے والی بات اور ہر قسم کی آدمی کے خفی حالات بھی معلوم ہو جائیں گے۔

حس دم

لطیفات بدن بیدار کرنے یا ہندو یوگیوں کے بدنی چکرا کو صحیح رکھنے کے لیے سانس کی مشقوں کی جو تمرین کروائی جاتی ہے اسے ”حس دم“ کی مشقیں کہتے ہیں۔

یہ دنیا میں روحانیت کے مختلف سکولوں میں اپنے اپنے طریقہ سے رائج ہیں۔ لیکن اس میں سب سے زیادہ کام بدھ مت اور ہندو یوگا کی مشقوں میں کیا گیا ہے۔ مسلمان صوفیا بھی اس قسم کی مشقیں کرواتے ہیں۔

حس دم کی مشقوں کے بارے میں جاننے سے پہلے ہم سانس کی طاقت کے فوائد دیکھ لیں۔ ہماری زندگی کا دار و مدار سانس پر ہے۔ اگر ہم سانس نہ لیں تو چند منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر پرسکون ہوں تو آپ کے سانس بھی گہرے اور پرسکون ہونگے۔ گہرانے کی حالت میں آپ کے سانس بھی آدھے اور جلد جلد آنے لگتے ہیں۔

دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کوشش سے گہرے اور لمبے سانس لیا کریں تو آپ خود کو پرسکون اور آرام میں محسوس کریں گے۔ جب آپ پرسکون اور ریلیکس (Relax) ہوں تو آپ کا ذہن اپنی پوری طاقت میں ہوتا ہے۔

آپ کی قوت فیصلہ صحیح ہوتی ہے اور آپ جو بھی کام اس وقت کرتے ہیں وہ بہت بہتر طریقہ سے ہوتا ہے۔ بہت سے کھیلوں کے مقابلے میں بھی دیکھا گیا کہ اگر دونوں کھلاڑی ایک ہی جسمانی قابلیت کے ہوں تو ان کے مقابلے کی صورت میں وہی جیتے گا جو زیادہ ریلیکس Relax اور پرسکون ہوگا۔ نروس ہونے والے ہار جایا کرتے ہیں۔

دوسری طرف ذہنی مقابلوں میں گہرانے والے کے جیتنے کا چانس نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ ماہر کھیلنے والے

اپنے مخالف کھلاڑی کو بڑے پلان سے نروس کرتے ہیں اور اس سے جیت جاتے ہیں۔ آپ اپنے سے بہتر کھلاڑی سے جیت جائیں گے اگر آپ اس کو نروس کر دیں۔ روحانیت کے کسی بھی کام میں ترقی کے لیے بہت ضروری ہے کہ انسان اس میں نروس نہ ہو بلکہ پرسکون رہے۔

سانس لینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ پیٹ تک سانس لیں یعنی آپ ہوا کو چھاتی سے نہ کنٹرول کریں بلکہ اسے پیٹ تک جانے دیں۔ جب آپ سوتے ہیں تو آپ کا ذہن سکون کی حالت میں آ جاتا ہے۔ اس وقت آپ پیٹ تک گہرے سانس لے رہے ہوتے ہیں جبکہ عموماً جاگتے وقت آپ صرف چھاتی سے سانس لیتے ہیں۔

بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو پیٹ تک سانس لیتا ہے جو سانس کا صحیح اور مکمل طریقہ ہے۔ جب وہ بڑا ہو جاتا ہے تو صرف چھاتی سے یعنی آدھا سانس لیتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح سانس وہ ہوتا ہے جس میں جسم کے ہر عضو میں آکسیجن پہنچے۔

پیٹ تک سانس لینے کا خصوصاً ہماری صحت پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ بدھ مت کی روحانیت میں بیان ہے انسان کے جسم میں ایک خاص توانائی (Energy) ہوتی ہے جسے وہ چی انرجی CHI کہتے ہیں۔ اگر انسان کی چی ٹھیک ہو تو وہ صحت مند

باب چہارم

روحانی پرواز

کرہ ظلمانی

دوستو جب انسان روحانیت کے حصول کے لیے اپنے سفر کا آغاز کرتا ہے تو جو کرہ سب سے پہلے اس کے سامنے آتا ہے اسے کرہ ظلمانی کہتے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر کرہ سفلی بھی کہتے ہیں یعنی جو لوگ منزل توحید کی طرف نحو پرواز ہوتے ہیں انھیں جس پہلے زون سے گزرنا پڑتا ہے وہ یہ سفلی و ظلمانی کرہ ہے۔

جب آدمی اس کرہ میں داخل ہوتا ہے تو اسے ظلمانی مخلوق نظر آنا شروع ہو جاتی ہے جیسے کوئی شخص افریقہ کے جنگل میں داخل ہوتا ہے تو اسے وہاں جانور نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ اس انسان کو دیکھ کر ڈرتے ہیں کہ یہ یہاں کسی کے شکار کے لیے آیا ہے اس لیے وہ اس سے دور بھاگتے ہیں اور انھیں خود معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس جانور کا شکار کرنا چاہتا ہے اس لیے اس سے سارے جانور ڈرتے ہیں۔

جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس کے پیچھے بھاگ رہا ہے تو باقی جانور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان مخلوق ظلمانی میں داخل ہوتا ہے تو وہ مخلوق ظلمانی یہ سمجھتی ہے کہ یہ بشر یہاں ان کے شکار کو آ نکلا ہے اس لیے وہ دیکھتے ہیں کہ یہ شاید ہم میں سے کسی کو شکار کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ مخلوق پہلے تو اسے صرف نظر کرتی ہے جب وہ انسان کو اس وادی میں اس کمرے میں مسلسل دیکھتی ہے تو وہ یقین کر لیتی ہے کہ اس کے ارادے نیک نہیں، یہ ہم میں سے کسی کو ضرور شکار کر کے جائے گا۔ اس لیے وہ مخلوق اسے اپنی حدود سے بھگانے کی کوشش کرتی ہے اور ان کے پاس ایک ہی ہتھیار ہوتا ہے یعنی ڈرانا۔ اس لیے وہ مخلوق اسے ڈراتی ہے اور جو انسان ڈر جاتا ہے تو پھر اسے مار بھگاتی ہے۔

جب انسان اس کرہ میں داخل ہوتا ہے اور وہاں کی مخلوق کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی منزل کوئی بڑی چیز نہیں تو وہ اسے بالکل نظر انداز نہیں کرتی بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا کھلونا اسے بڑی سعادت مندی سے دے دیتی ہے یعنی اس کرہ کے کھلونے اس قسم کے ہوتے ہیں مسریم ہے، پٹنا نرم ہے، ہیلنگ پاور ہے، ٹیلی پتھی ہے، تھرڈ آئی ہے۔

اس کرہ کی بڑی چیز ہمزاد ہیں اور یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمزاد و طرح کے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو

رہتا ہے بیماریاں وغیرہ کی صورت میں ہوا کرتی ہیں۔ پیٹ میں ناف کا مقام اس انرجی کا مرکز ہوتا ہے۔ کرائے اور مارشل آرٹس میں اسی انرجی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ پیٹ تک گہرا سانس لینے سے انسان میں یہ توانائی صحیح طریقے سے کام کرنے لگتی ہے۔ میرے ذاتی تجربے میں بھی آیا ہے کہ ایسا گہرا سانس لینا خاصی مفید چیز ہے۔ خصوصاً پرسکون رہنے میں یہ بڑا مددگار رہتا ہے۔ اس سے دماغ میں سوچیں خود بخود کم ہو جاتی ہیں۔ سر درد جو اکثر نمون میں آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ہوتا ہے کچھ دیر ایسے سانس لینے سے ختم ہو جاتا ہے۔ سانس کی مشقوں میں گلا، پیچھے، سانس کی نالیاں، سب صاف ہونی چاہئیں ورنہ سانس صحیح طریقے سے ہر جگہ پر نہیں جا پاتا۔ سانس کو مشق کے دوران گہرا لینا چاہئے لیکن اتنا گہرا نہیں کہ تکلیف دہ محسوس ہو۔

سانس کی مشقوں کے حوالے سے قابل غور بات یہ ہے کہ آپ گہرا اور اپنے ناف تک سانس لیں۔ ناف کی اعضا میں اپنی اہمیت ہے۔ بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اس کو غذا ناف کے ذریعے ہی ملتی ہے، بچہ شروع میں سانس بھی پیٹ کے ذریعے لیتا ہے۔ اس لئے ناف تک سانس لینے سے ناف کی جگہ اور اس کے چکر کو توانائی ملتی ہے جس کے نتیجے میں ہم پرسکون اور کچھ طاقتور بھی ہو جاتے ہیں۔ پرسکون آدمی جلدی نہیں گھبراتا اور عام لوگوں سے زیادہ دیر ہوتا ہے کیونکہ خطرے کے عالم میں بھی نہیں گھبراتا۔

اگر آپ سانس کی مشقیں کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس کا سب سے آسان اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ پنشن، چوڑی مار کر بیٹھ جائیں، اپنی کمر سیدھی کر لیں تاکہ آپ کی ریڑھ کی ہڈی پر کوئی غلط دباؤ نہ پڑے۔ اب آپ پیچھے دوں کو بالکل خالی کریں، پھر آہستہ آہستہ سانسوں سے ناک کی راہ پیٹ تک گہرا سانس لیں، پھر سانس کو کچھ دیر تک پیٹ میں روک رکھیں، پھر آپ آہستہ آہستہ سانس کو منہ کے ذریعے باہر نکال دیں اور اس وقت یہ تصور کریں کہ آپ کا سب ذہنی تناؤ ہوا کے ساتھ باہر نکل رہا ہے، پھر سانس کو ناک کی راہ اندر لائیں، روکیں اور منہ کے راستے باہر نکال دیں۔

چند بار ایسا کرنے سے آپ کی تھکن دور ہوتی جائے گی اور آپ خود کو پرسکون اور انرجی سے بھرپور محسوس کریں گے۔ بہتر ہے کہ یہ مشق آنکھیں پوری طرح بند کر کے یا نیم بند کر کے کریں۔

پیٹ تک سانس لینے سے آپ کے جسم کے نچلے دونوں چکر خود بخود بہتر ہو جاتے ہیں۔ کچھ ماہروں کے کہنے کے مطابق دوسری سانس کی مشق مہاتما بدھ نے بتائی تھی۔ اس میں بھی صرف گہرے سانس لیں اور صرف سانس کو آتے جاتے دیکھتے رہیں اور کچھ نہ کریں۔ پھر آہستہ آہستہ آپ کو سانس لینے اور نکالنے میں تھوڑے سے وقفے میں کچھ محسوس ہونے لگ جائے گا۔

جیسے آپ جسم سے علیحدہ محسوس کریں تو پھر مشق سے اس اہلیت کو بڑھایا جاسکتا ہے اور دوسری بھی بہت سی باتیں بھی معلوم کی جاسکتی ہیں جو کہ فاصلے پر ہو رہی ہوتی ہیں۔

مہاتما بدھ نے بھی صرف سانس کو اندر جاتے اور دیکھنے کا بتایا تھا۔ یہ واحد مشق تھی جو انہوں نے بتائی۔ سانس کی مشقیں روحانی تقویت اور خود اعتمادی کا سبب بن جاتی ہیں۔

انسان کا اپنا ہمزاد ہوتا ہے، دوسرا ایسے مردہ شخص کے ہمزاد کو تخیل کیا جاسکتا ہے کہ جو کسی حادثے میں مر چکا ہو۔
تخیل تو ہو جاتا ہے مگر کام لینے والوں کے لیے وہ کسی بڑے کام کا نہیں ہوتا۔

اس ہمزاد کو لطیفہ نفسی یا لطیفہ نفسی بھی کہتے ہیں اور اس کے چار اقسام ہوتے ہیں یعنی انسان کے ہمزاد ہوتے ہیں ان کے چار اقسام ہوتے ہیں جنہیں ان کی خصوصیات کے اختلاف کی وجہ سے آتش وادی و آبی اور غلامی ہمزاد کہا جاتا ہے۔

اعمالِ ظلمانی

علم الہمزاد کے ماہرین جانتے ہیں کہ اپنے ہمزاد کی تخیل کے لیے کئی طرح کے اعمال کیے جاتے ہیں۔ اس میں اولین وہ اعمال ہوتے ہیں جو آئینہ بنی کے ہوتے ہیں یعنی ایک بڑا آئینہ لے کر جس میں انسان کا چہرہ گردن و سر نظر آئے اس کے سامنے ایک چراغ یا موم بتی جلائی جاتی ہے اور اسے اس طرح آئینے کے سامنے رکھا جاتا ہے کہ وہ آئینے میں نظر نہ آئے مگر روشنی انسان کے چہرے پر پڑ رہی ہو۔ اس کے بعد انسان اس آئینہ میں اپنی آنکھوں کے درمیان مقام مجمع نور پہ نگاہوں کا ارتکا کرتا ہے۔ آنکھوں کو جھپکائے بغیر ایک گھنٹہ ریاضت کرنا پڑتی ہے اور اسی دوران دعوت ہمزاد پڑھی جاتی ہے۔

تو چالیس دنوں تک وہ مجسم ہو کر انسان کے سامنے آ جاتا ہے اور اس کی دل انسان کو ایک صاف بوتل سا دکھائی دیتی ہے اور ہمزاد انسان کے سامنے آ کر پوچھتا ہے کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس وقت اسے حکم دیا جاتا ہے کہ تم اس بوتل میں چلے جاؤ جب وہ اس میں چلا جاتا ہے تو اس پر کارک لگا دیا جاتا ہے اور اس سے عہد و پیمان ہوتے ہیں اور اطاعت کا وعدہ لیا جاتا ہے اور بلانے کا طریقہ پوچھ کر اسے رہا کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح طاقتور ہمزاد وہ ہوتا ہے جو سورج بنی یا سورج کو پشت دے کر بیٹھنے سے جو سایہ بنتا ہے اس پر نظر جما کر دعوت کے ذریعے بلایا جاتا ہے اور سحر کیا جاتا ہے۔ اگر اس کے حصول میں جلدی ہو تو پھر دن کو سایہ بنی کی جاتی ہے اور رات کو شمع پشت پر رکھ کے سایہ بنی کی جاتی ہے اس طرح روزانہ دو گھنٹے کی محنت ہو جاتی ہے تو لطیفہ نفس جلدی بیدار ہو جاتا ہے۔

مغربی دنیا کا جو سپر چوئیکل ازم (spiritualism) ہے یا اپورٹس (apports) ہے یہ اسی کام ہون منت ہے اور ماضی کا علم کہانت بھی یہی چیز تھا اور اس کی ابتدا دائرہ بھرنے سے ہوتی ہے اور مغربی تھرڈ آئی (third eye) (تیسری آنکھ) بھی یہی لطیفہ نفس کی بیداری کا نام ہے۔ لطیفہ نفس بیدار ہو کر کئی قسم کے کام کر سکتا ہے مثلاً

☆ دور دراز کی خبریں لانا

☆ مستقبل کے بارے میں درست پیش گوئیاں کرنا

☆ چوری شدہ اشیاء کے بارے میں بتانا

☆ بے موسم کے پھل وغیرہ منگوانا

☆ نفسیاتی بیماریوں کا علاج کرنا

☆ سیکڑوں میل کے فاصلے سے چیزیں منگوانا

☆ مادی چیزوں کو بند کمرے میں منگوا لینا

☆ ذہنی باتوں کو پڑھ لینا

☆ سیر الارض کر لینا

☆ پانی پہ چلنا

☆ آگ میں داخل ہونا اور آگ کا اس پر بے اثر ہونا

☆ ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے شخص کے سمت و سکنات کے بارے میں آگاہ کرنا

☆ الغرض اس طرح کے بہت سے کام انسان کر سکتا ہے بلکہ اس دور میں کر رہا ہے۔ مغربی سپر چوئیکل

ازم (spiritualism) کے کارنامے آج ساری دنیا جانتی ہے۔

یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمزاد کے یہ افعال ایک خاص مقدار تک محدود ہوتے ہیں وہ کبھی طور پر با اختیار نہیں

ہوتا۔

☆ حقیقی لوگ عالم غفل و ظلمانی کے کھلونوں پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں اور ان سے کھیلنے میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر

عرفاء یہاں ایک لمحہ بھی قیام جائز نہیں سمجھتے۔

☆ گروہ نار

جب انسان ایک اعلیٰ منزل کی طرف محو پرواز ہوتا ہے اور اس کا گزر کرہ ظلمانی سے ہوتا ہے اور یہ وہاں کی مخلوق کو فتح کرتا ہے اور وہ مخلوق اس کی اطاعت کے لیے حاضر ہوتی ہے۔ وہ تو تیس انسان سے مرعوب تو رہتی ہیں اور اس کے مقابلے میں کبھی اعلان جنگ نہیں کرتیں مگر ایک طرح سے اس سے لا تعلق بھی ہو جاتی ہیں جب انسان اس کرہ کو عبور کر کے کرہ نار میں داخل ہوتا ہے تو عالم نار میں اہل چل مچ جاتی ہے کہ یہ آدم زادہ یہاں کیسے گھس آیا ہے اس کا آنا اچھا شکون نہیں مانا جاتا اس لیے وہ مخلوق اسے دیکھنے آتی ہے تو انسان بھی اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔

یہاں بھی وہی آدمی مارکھا جاتا ہے جو ڈر جاتا ہے کیونکہ حصار چھوڑ بیٹھتا ہے اور جب وہ حصار سے نکلتا ہے تو وہ

اس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کی ایسی حالت بناتے ہیں کہ یہ پھر کبھی یہاں آنے کا نام نہ لے۔

☆ کرہ نار کی فتح کے بہت سے اعمال ہیں جو اعمال تخیل جنات کے نام سے مشہور ہیں۔ میں انہیں یہاں نہیں

لکھنا چاہتا۔

☆ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نار کی مخلوق بھی وہی کام کرتی ہے جو سفلی مخلوق کرتی تھی مگر اس کا دائرہ اختیار اور

قوت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جب قوتِ ناریہ سے قوتِ سفلی کا تصادم ہوتا ہو تو قوتِ ناریہ غالب رہتی ہے۔ یوں کہہ لیں کہ اگر کوئی قوتِ سفلیہ کا حامل کسی قوتِ ناریہ کے حامل کے مقابلے میں آجائے تو قوتِ ناریہ کا حامل اسے ایک منٹ میں خاک آٹ کر دیتا ہے۔

یہاں میں یہ بات پھر دہرائوں گا کہ قوتِ ناریہ کو ایک نان مسلم بھی حاصل کر سکتا ہے بلکہ ایک لاندہ بگ بھی یہاں تک جاسکتا ہے، اس لئے ایک عارف کے لیے یہ مقام کوئی قابلِ تحسین نہیں ہے۔ مگر کئی لوگ اس مقام پر آکر خیمہ زن ہو جاتے ہیں اور اس قوت کے شعبدوں سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور لوگوں کی تعظیم و تکریم دیکھ کر اپنی اوقات بھول جاتے ہیں اور یہیں کے ہو کے رہ جاتے ہیں۔ اور ایسا عامل یا غیر کامل مرشد جو اس منزل کا ساکن ہوتا ہے اور وہ اپنے طالب علم کو یہیں تک ہی لا کر چھوڑ دیتا ہے اور اسے یہ باور کروانے کی کوشش کرتا ہے کہ یہی آخری منزل ہے۔ کیونکہ وہ اس اگلی منزل سے نا آشنا ہوتا ہے وہ اپنے طالب علم کو آگے کیسے لے جاسکتا ہے۔ اور ان درمیانی منزلوں کے ساکنین کو بعض اوقات اگلی منزل والوں سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اگلی منزل کا ساکن اس سے اس کی ساری محنت سلب بھی کر لیتا ہے اور ساری زندگی بھٹکتے گزر جاتی ہے۔

جبکہ مرشدِ کامل ابتدا میں ہی اسے آگاہ فرما دیتے ہیں کہ اس راستے میں کیا کیا ملنے والا ہے مگر تم نے آخر منزل نگاہ رکھنا ہے اور انہیں مثالوں سے سمجھا دیتے ہیں کہ یہ قوتیں راستے کی وادیاں ہیں جنہیں آخری منزل نہیں سمجھنا چاہیے اور تمہیں ان لوگوں کی طرح نہیں ہونا چاہیے جو انہیں وادیوں میں خیمہ زن ہو جاتے ہیں اور کشف و کرامات میں مشغول ہو کر لوگوں کے درمیان ایسے جھنڈے ہیں کہ زندگی بھر اس سے نہیں نکل سکتے۔ اس لئے مرشدِ کامل کشف و کرامات میں کسی طالب کو داخل ہونے کی اجازت نہیں فرماتا۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ نان مسلم کا آخری سٹاپ ہے اس سے آگے کوئی غیر مسلم نہیں جا سکتا یا یوں سمجھیں اس سے آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اور ان کے کرم کے بغیر کوئی نہیں جاسکتا ہے۔

گرہِ روجی

جب انسان اس روحانی سفر میں پرواز کرتے کرتے مخلوقِ ناریہ سے گزرتا ہے تو وہ اسے ایک مقام پر فاتح مان لیتی ہے اور اس کی اطاعت میں آنے کے لیے عہد و پیمان کے لیے حاضر ہوتی ہے تو اس مقام پہ طائرِ اقدس بغیر عہد و پیمان لئے انہیں رخصت دے دیتے ہیں کہ ہم تو مسافر ہیں یہاں قیام نہیں رکھنا چاہتے ہیں اس لئے ہمیں آپ سے کوئی سروکار نہیں ہے اس لئے آپ جائیں۔

اس طرح جب اس کرہِ نار سے انسان اوپر جاتا ہے تو وہاں کرہِ روحی شروع ہو جاتا ہے جب انسان اس میں داخل ہوتا ہے تو عالمِ ارواح میں موجود روہیں حیران ہوتی ہیں کہ یہاں ایک جیتا جاگتا انسان کیسے داخل ہو گیا ہے؟ یہ خبر تمام عالمِ ارواح میں پھیلتی ہے تو اسے دیکھنے کے لیے ارواحِ صفیں باندھ کر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ اسے دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی ہیں مگر ایک منزل پہ انہیں بھی احساس ہوتا ہے کہ یہ یہاں کسی کے تعاقب میں آیا ہے تو

وہ اسے ڈراتی بھی ہیں مگر بعد میں اس پر فرمائش کرنا شروع کر دیتی ہیں اور بعض اوقات انسان کو پوری پوری رات اپنی نیابت میں نمازیں پڑھواتی رہتی ہیں۔

اس مقام پہ حقیقی کشفِ قبور حاصل ہوتا ہے کیونکہ کشفِ قبور دو قسم کا ہوتا ہے، ایک جزوقتی دوسرا حقیقی۔ بس یہاں حقیقی کشفِ قبور حاصل ہوتا ہے اور یہاں اولیائے کرام کی روہیں صلحاء کی روہیں اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاتی ہیں۔ کچھ لوگ اس عالم میں بیٹھ کر اس کا نظارہ کرتے ہیں تو یہاں کے ہو کے رہ جاتے ہیں اور آگے جانا بھول جاتے ہیں۔ اس عالم میں پہنچنے کے بعد انسان کو ارواحِ مومنین اور اولیائے کرام کی صحبت میسر آتی ہے کیونکہ یہ کرہِ بادی ہوتا ہے اس لئے اس میں آدمی خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس میں انسان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیوان عام میں داخلے کی اجازت بھی مل جاتی ہے اور وہاں کبھی کبھی ان کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اور انسان اسی کو اپنے لئے معراج تصور کر لیتا ہے مگر یہ تو ایک ابتدا ہے کیونکہ وہ شہنشاہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اعلانِ نبوت کے وقت موجود تھے اسی طرح آج بھی موجود ہیں۔ جس طرح اس دور میں کفار و مشرکین بھی ان کی زیارت کر سکتے تھے اسی طرح آج بھی کر سکتے ہیں مگر جس طرح ان کی موجودگی کے ظاہری زمانے میں کسی غیر عارف کو روحانی فیض نہیں ملا تھا اسی طرح آج کے مشرکین و منافقین بھی زیارت تو کر لیتے ہیں مگر اسرارِ معنوی و روحانی سے ہمیشہ محروم ہی رہتے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو کیسے پتہ چلے کہ اس نے جو زیارت کی ہے وہ معنوی فیض بخش ہے یا نہیں، یا یہ کہ اس نے کس قسم کی زیارت کی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب بھی انسان اعمالِ زیارت کرتا ہے یا روحانی سفر میں مصروف ہوتا ہے تو اسے دو طرح کی زیارت ہوتی ہے، نمبر 1: زیارتِ عامہ ہوتی ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ انسان جب ان کی زیارت کرتا ہے تو یا تو ان کی صورتِ نورانی کے خدو خال کو نہیں دیکھتا، تا، ایک غیر واضح تصور دیکھتا ہے یا پھر وہ کسی کی شکل میں خود کو ظاہر فرماتے ہیں، یا ان کی زیارت غیر متشرع صورت میں ہوتی ہے۔ یہ اسی بات کی علامت ہے کہ اس نے ان کے باطنِ نورانی کی زیارت نہیں کی بلکہ ماضی کے غیر عارفین کی طرح اس نے زیارت کی ہے۔

نمبر 2: زیارتِ خاصہ ہوتی ہے جو عرفاء و اولیاء ہی کو روحانی فیض پہنچانے کے لیے ہوتی ہے۔ اس میں ایک تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہورِ نورانی صورت میں ہوتا ہے اور ان کے خدو خال واضح ہوتے ہیں۔ زیادہ تر وہ تنہائی ظاہر ہوتے ہیں، کسی مجمع میں انہیں نہیں دیکھا جاتا یعنی وہ کسی اجتماع میں نظر نہیں آتے اور ان کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نظر نہیں آتا، بلکہ وہ صرف اسی شخص کے لیے ظاہر ہوتے ہیں جسے فیضِ روحانی پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔

ایک اور بات بھی یاد رہے کہ زیارتِ عمومی و عامہ کرہِ روحی میں جائے بنا بھی ہو جاتی ہے مگر زیارتِ خاصہ کرہِ روحی میں جائے بنا نہیں ہو سکتی اور وہاں بھی اس کی یہی دو صورتیں باقی رہتی ہیں اور اگلے گزرات میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہتی ہے یعنی زیارتِ عامہ بھی ہوتی ہے اور زیارتِ خاصہ بھی۔

جب انسان اس سفر میں کُمرہ نوری میں داخل ہوتا ہے تو عالم نور کی مخلوق اسے حیرت سے دیکھتی ہے اور اسے دیکھنے کے لیے حاضر ہوتی ہے اور انسان بھی اسمائے مورودہ کے موکلین (ملکوت) کو دیکھتا ہے اور وہ بھی سابقہ کُمرات کی مخلوق کی طرح (ڈرانے کے بعد یا ڈرائے بغیر) جب اس کی Faith مان لیتے ہیں تو اس کی اطاعت کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور عہد و پیمان کی دعوت دیتے ہیں۔ مگر عرفاء انہیں رخصت دے دیتے ہیں اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مگر کئی ناقص المعیار لوگ وہاں ساکن ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ عالم جلال ہوتا ہے اور یہاں انہیں تصرف فی الموجود حاصل ہوتا ہے، یہاں کشف و کرامات کے مظاہرے بہت معمولی بات ہوتے ہیں اور یہاں بیٹھ کر لوگ اپنی ساری محنت کا اجر اسی دنیا میں لے سکتے ہیں اور جو چاہیں کر سکتے ہیں، مگر عرفاء یہاں قیام رکھنا جائز نہیں سمجھتے کیونکہ ان کی منزل تو اس سے بہت بلند ہوتی ہے۔ یہ عالم جلال تو عالم جمال سے بھی ادنیٰ عالم ہے اور عرفاء کے لیے تو عالم جمال بھی ناکافی ہوتا ہے۔

کُمرات اسرار

جب ہم یہاں تک پہنچ گئے ہیں تو اس پردہ اسرار کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہ ہوگا کیونکہ جو شخص کُمرات اسرار تک جائے گا اسے اس کے بارے میں خود بخود معلوم ہو جائے گا۔



شیوے سرفراز شاہ و شیخ ماجسٹر

مآخذ

مصنف	نام کتاب
شیخ حارث الحامی	کتاب الرعایہ
شیخ ابوسعید خزاز	کتاب الصدیق
شیخ ابونصر سراج	کتاب الملع
شیخ ابوطالب کئی	قوت القلوب
شیخ ابوبکر بن ابواسحاق کلابازی	العرف لمدح اہل التصوف
شیخ ابوالقاسم القشیری	رسالہ قشیریہ
شیخ سید علی الجومیری	کشف المحجوب
شیخ عبداللہ انصاری الہروی	صفیہ ان
مخدوم سید جعفر زمان نقوی	اسرار العبادات
خان آصف	اللہ کے سفیر
امام محمد غزالی	احیاء العلوم
امام محمد غزالی	کیمیائے سعادت
امام محمد غزالی	منہاج العابدین
شیخ عبدالقادر جیلانی	فتوح الغیب
شیخ ضیاء الدین سہروردی	آداب المریدین
شیخ شہاب الدین سہروردی	عوارف المعارف
مولانا ابوالحسن علی ندوی	سیر الاولیاء
خواجہ نظام الدین اولیاء	فوائد القواد
پروفیسر محمد شفیع	مقالات دینی و علمی
محمد دین کلیم	تذکرہ مشائخ قادریہ
مولانا محمد منظور نعمانی	معارف الحدیث

سید العارفین
تاریخ مشائخ چشت
آب کوثر
”الاخلاق“
تفسیر الدائمہ
تفسیر الکبیر
صحیح البخاری
شرح نوح البلاغہ

حامد بن فضل اللہ جمالی
خلیق احمد نظامی
ڈاکٹر محمد اکرام
سید عبداللہ شبر (دارالکتب الاسلامی، بیروت)
عبدالرحمن جلال الدین السیوطی
محمد فخر الدین الرازی
ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری
ابن ابی الحدید

پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی صاحب سے ملاقات

کب اور کیسے؟

- ☆ پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی صاحب جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ سے رات بارہ بجے تک اپنی رہائش گاہ بمقام 234- پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور میں ملاقاتیوں سے ملتے ہیں۔
- ☆ مرد حضرات باقی ایام (اتوار کے بغیر) ان کے دفتر میں بھی ملاقات کر سکتے ہیں۔
- ☆ کیونکہ پروفیسر صاحب سے بے شمار لوگ دن رات ملتے ہیں اس لیے دوران ملاقات ان کے نمبر بند رہتے ہیں جس کی وجہ سے دوسرے شہروں سے فون کرنے والوں کو مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے لہذا ان سے درخواست ہے کہ وہ ان کے نمبر پر message کر دیں۔
- ☆ پروفیسر صاحب فارغ ہونے پر ان سے رابطہ کر لیں گے۔
- ☆ پروفیسر صاحب کی تمام تصانیف براہ راست ”ادارہ ترقیات روحانیت“ ان کی رہائش گاہ سے بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔
- ☆ دوسرے شہروں والے بذریعہ ڈاک یا message کر کے منگوا سکتے ہیں۔

ادارہ ترقیات روحانیت 234- پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون نمبرز: 0300-4352956

0333-9999156

ای میل: info@noorekhuda.org

help@noorekhuda.org

خوش جیوے سرفراز شاہ روح ماہیجست

سرمایہ درویش

(اسلامی روحانی وظائف کا انسائیکلو پیڈیا)

حیاتِ انسانی کے ہر موڑ پر بکھرے ہوئے مسئلوں اور الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے کے لیے مرد درویش پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا وہ اثاثہ حیات ہے جس میں قرآن و سنت کی مکمل سرپرستی کے ساتھ ایسے اعمال و وظائف کا مجموعہ پیش کیا گیا ہے کہ جن کو بروئے کار لا کر اب تک لاکھوں لوگ اپنی زندگی کی پریشانیوں اور ناکامیوں سے نجات پا کر مسرتوں و کامرانیوں اور شادمانیوں کی شاہراہ پر گامزن ہو چکے ہیں۔

اس کتاب میں پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی صاحب نے اپنے برس ہا برس کے اُن آزمودہ تجربات کو پیش کیا ہے جو آج کے انسان کی مسلسل ناکامیوں، گھریلو پریشانیوں، دم توڑتی امیدوں، زمین بوس ہوتی آرزوؤں، تڑپتے ارمانوں، سستی خواہشوں، روحانی نا آسودگیوں اور الجھنوں کا سرلیج التا شیر حل پیش کرتے ہیں۔

الغرض ”سرمایہ درویش“ ایک ایسا تحفہ نایاب ہے جو ہر طرح کی مشکلات کا حل اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے۔

اگر آپ بھی کامیاب اور آسودہ حال زندگی کے متغنی ہیں تو آج سے ہی ”سرمایہ درویش“ لے کر اس کا مطالعہ شروع کریں۔ اور ان بے شمار لوگوں میں شامل ہو جائیں جو اپنی محرومیوں سے کاسہ لیس زندگیوں کی کایا پلٹ کر دنیاوی ترقیوں اور روحانی لذتوں سے بہرہ مند ہو رہے ہیں۔

پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا جامع اور مجرب اعمال پر مشتمل ایک درویش، خدا مست کے روزمرہ کے معمولات اور خانہ دانی صدری رازوں پر مشتمل گنجینہ نایاب جو ہر گھر کی ضرورت ہے۔ 61 ابواب پر مشتمل لا جواب اور بے مثال لائٹانی انسائیکلو پیڈیا۔ روحانی علاج کے ساتھ ساتھ حکمت اور ہومیو پتھی کے مجرب نسخہ جات نے کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ جسمانی بیماریوں کے ایسے مجرب نسخہ جات جن سے ہزاروں لوگوں نے شفا پائی ہے۔

ابواب کے نام درج ذیل ہیں:

اسماء الحسنی کے خواص، اسم اعظم (امام ابو حنیفہ کا فرمان)، سورتوں کے خواص، قرآنی آیات کے خواص، درود

شریف کے فضائل و برکات، مسنون دعائیں، سحر (جادو) کی تعریف، حقیقت، تشخیص اور علاج، جنات کی حقیقت اور علاج، نظر بد کا علاج، روحانی ترقی کے اعمال، ملازمت کے مسائل، زیارتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اور) حضرت علی علیہ السلام کے اعمال، کشف القبور کے اعمال (صاحب مزار سے رابطے کے اعمال)، سیفِ زبان بننے کے اعمال، حل مشکلات و قضائے حاجات، حب و تنہا کے اعمال، نکاح و شادی، فراخی رزق و دستِ غیب کے اعمال، ادائے قرض کے اعمال، ترقی، حافظہ اور ذہن کی تیزی کے اعمال، زہریلے جانوروں کے کاٹنے کا علاج، مستجاب الدعوات کے اعمال، قید سے رہائی و مغرور یا گمشدہ افراد اور مسروقہ اشیاء کے اعمال، استخارہ کے اعمال، بغض و ہلاکی دشمنان کے اعمال، جلدی امراض، روحانی امراض کا علاج، جسمانی امراض کا علاج، بخار کا علاج، سردی کا علاج، امراضِ چشم کے اعمال، ناک کا نالہ کے امراض، دانتوں کے امراض، سینے اور دل کے امراض، پیٹ کے امراض، مردانہ امراض، خواتین کے امراض، گردہ و مثانہ کے امراض، بواسیر کا علاج، مرگی کا علاج، متفرق امراض، حفاظتِ جان و مال کے اعمال، خیر و برکت کے اعمال، دفعِ نحوس و سیارہ گان، متفرق وظائف، اعمالِ اکبر، جنات سے دوستی، جگر و ہپاٹائٹس اے بی، سی کا علاج، شوگر کا علاج، بلڈ پریشر کا علاج، اسمائے اصحابِ کہف، حاضرات کی حقیقت، روح سے خواب میں ملاقات کے اعمال، حروفِ مقطعات کے اعمال، عشقِ الہی کے اعمال، آیات کے فوائد، برکات اسماءِ النبی ﷺ، حصار کی اہمیت اور موٹاپے سے نجات، چہل

کاف اور حزب التحریر کے اعمال اکبر کتاب کو لاٹانی اور لا جواب بنادیا ہے۔



فکرِ درویش

راہِ سلوک کے مسافر عارف باللہ پروفیسر عبداللہ بھٹی کا حصولِ قربِ الہی پر انگیز اور مرسوز بیان، ایک درویش کے درپے فکر سے نامعلوم سے معلوم کی سمت جانے کی جاں سوز و دل گداز گفتگو، مجاز سے حقیقت تک رسائی والے ایک درویش کی آشفٹ بیانی، تصوف کے رموز و اسرار، صوفی کا مجاہدہ، مشاہدہ اور کمالات پر مبنی پراز حقائق تجربہ۔ ان روحانی معارف کا بیان جو آج تک عامۃ الناس کی نظروں سے اوجھل تھے۔ تصوف کی مکمل تاریخ، طریقت کا احوال واقعی، مرشد اور مرید سے تعلق کی باریکیاں، عالمِ ناسوت کا تذکرہ، جلال و جمال میں لپٹی وہ خوبصورت تحریر جو آپ کی جمہور طلب کو راہِ ہدایت پر گامزن کرتی ہے۔

مثلاً شیانِ حق اور سالکین کی تربیت اور تکمیل میں معاون روحانیت اور تصوف کے موضوع پر ایک درویش کا فکر انگیز بیان۔ ایک ایسی لا جواب اور لامتناہی تصنیف جس کے کئی ایڈیشن آچکے ہیں اور ہر خاص و عام میں مقبولیت کے جھنڈے گاڑ چکی ہے۔ فکرِ درویش میں وطن عزیز کے درج ذیل دانشوروں، شاعروں، ادیبوں، ناول نگاروں، کالم نگاروں کے تبصروں اور کالموں نے کتاب کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔

عطاء الحق قاسمی۔ بانو قدسیہ۔ حسن نثار۔ حبیب الرحمان شامی۔ حامد میر۔ طارق السعید ساگر۔ اجمل نیازی۔ ظفر اقبال۔ سعد و قاص۔ حامد میر۔

منجانب

ادارہ ترقیاتِ روحانیات

234۔ پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



تحفہ خاص

بزمِ درویش (زیر طبع)

روحانیت و تصوف کا مکمل اور جامع ترین انسائیکلو پیڈیا

عارف باللہ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب سے کیے گئے روحانیت اور تصوف کے انتہائی اہم سوالات کے جوابات۔ باطنی دنیا کے مشاہدات، کیفیات، نظارے اور روحانی اسرار و رموز سے لبریز ایک جامع اور دگداز کتاب۔ معرفتِ الہی حاصل کرنے کے وہ تمام روحانی سر بستہ راز جو روزِ اول سے تمام فقر اور اولیاء اللہ میں چلے آ رہے ہیں۔ حال و قال کو سمجھنے کے لیے ولایت کا مستند دستور العمل ہے۔

انسان کا روحانی اور جسمانی جسم، انسان کی اصل شان روحِ اعظم کی ایسی تشریح جو آج تک آپ کی نظر سے نہیں گزری۔ ریاضتِ سرِ ربانی، عین الایمان کا راستہ، مراقبہ اور عالمِ بیداری میں زمینی اور آسمانی سیر اور اولیاء اللہ کی زیارت۔ صوفیانہ مسائل، ریاضتیں، مشاہدات اور سلوک کی راہوں پر ایک گہری اور پُر مغز کتاب ایک ایسی کتاب جس کی ہر سالک کو تلاش ہوتی ہے۔ بزرگانِ دین کے حالات و واقعات اور کرامات ایک درویشِ خدا مست کی زبانی۔ ہر طالبِ مولا کے لیے تحفہ خاص۔

منجانب

ادارہ ترقیاتِ روحانیات

234۔ پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



ثمرات اسم اعظم (زیر طبع)

اسم اعظم کے صدیوں پرانے سر بستہ راز کھولتی ایک درویش کی سحر انگیز اچھوتی تحریر

اللہ تعالیٰ کا وہ نام جس کو پڑھ کر جو بھی دعا مانگی جائے وہ پوری ہو جاتی ہے، پڑھنے والا کن فی کون کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کو اسم اعظم کا راز پتہ چل جاتا ہے وہ ہر ناممکن کام کر جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کا مردے زندہ کرنا، آصف بن برخیا کا ملکہ بلقیس کا تخت ہزاروں میل دور سے پلک جھپکنے سے پہلے لے آنا، اسم اعظم پڑھنے والے کے لیے ناممکن کام کرنا نہایت آسان ہوتا ہے، ہوا میں اڑنا، دریاؤں سمندروں کے پانیوں پر چلنا، آگ پر چلنا، چشم زون میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جانا، لاعلاج بیماریوں کا علاج کرنا، ہر بیماری، دکھ، پریشانی اور مشکل سے مشکل کام سینکڑوں میں ہو جاتا ہے۔ اسم اعظم پڑھنے والے اللہ کے خاص بندے بن جاتے ہیں۔ اسم اعظم ہر کام کی کنجی یعنی کلید اعظم ہے جس سے ہر ناممکن سے ناممکن کام لمحوں میں ہو جاتا ہے۔ پڑھنے والا سیف زبان ہو جاتا ہے، اُس کی تمام دعائیں اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔ اسم اعظم پڑھنے والوں کو اللہ تعالیٰ شہرت کی ایسی بلندیاں عطا کرتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی ہمیشہ کے لیے زندہ اور امر ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نہ ختم ہونے والی نہ مٹنے والی ہمیشہ کی عزت شہرت مل جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے مالا مال کر دیتا ہے، پھر ایسے لوگوں کے وجود کو دوسروں کے لیے باعثِ رحمت بنا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو جو د اُس معاشرے شہر اور ملک کے لیے باعثِ شفاء اور راحت بنا دیتا ہے۔

اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا وہ سب سے بڑا بابرکت مقدس نام ہے جو فیض اور معرفت کا وہ سمندر ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے کراماتی اور کرشماتی اثرات رکھے ہیں کہ اُس کا ذکر کرنے والا روحانی، جسمانی، مالی اور ہر قسم کی دولت اور شہرت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ دین و دنیا میں لازوال کامیابی ملتی ہے۔ ذکر کو ہر قسم کی پریشانی اور مشکل سے نجات لمحوں میں مل جاتی ہے، تمام مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ تمام قسم کی روحانی، جسمانی، مالی، ظاہری، باطنی مشکلات کا خاتمہ کرنے میں اکسیر اعظم ہے۔ اسم اعظم کو مخصوص انداز، اوقات اور تعداد میں پڑھنے سے معجزانہ اثرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر کام میں

کامیابی، ہر بات میں سرخروئی اور ہر میدان میں لازوال کامیابی اور شہرت مل جاتی ہے۔ اسم اعظم کیا ہے؟ کیا ہر بندے کا ایک اسم اعظم ہے یا مختلف ہیں؟ کس وقت کتنی تعداد میں کتنا عرصہ پڑھنا ہے؟ ان تمام امور پر پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب نے سالہا سال شب و روز بزرگوں، فقیروں، قلندروں، مجذوبوں، صوفیوں اور کارِ علم کرام کی خدمت میں زندگی گزار کر اور سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد کتاب اسم اعظم تیار کی ہے۔ جو یقیناً روحانی مسافروں، متلاشیانِ حق اور عام مسلمانوں کے لیے ایک بیش بہا گنجینہ خاص ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے خاندانی بزرگوں کے بحرب اسم اعظم کے ساتھ ساتھ ساری زندگی جن عظیم بزرگوں کی صحبت اور خدمت میں رہے اور اسم اعظم پر طویل تحقیق کے بعد انتہائی آسان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ جو ایک ایسا تحفہ خاص ہے جسے اہل ذوق، عالمین اور روحانی طالب علم رہتی دنیا تک یاد رکھیں گے۔ اپنے ذاتی تجربات کے ساتھ ساتھ بے شمار اہل معرفت کے اسم اعظم اور تجربات بیان نہیں کیے۔ خدمت کے عظیم جذبہ کے تحت پروفیسر صاحب نے اسم اعظم کے تمام سر بستہ راز اس کتاب میں بیان کر دیے ہیں۔ ایک ایسی کتاب جس میں تمام روحانی، جسمانی، مالی مشکلات کا حل موجود ہے۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونی چاہیے۔

منہاج

ادارہ ترقیات روحانیت

234۔ پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



روحانی گائیڈ

مراقبہ سیکھیں (زیر طبع)

روحانیت و تصوف کے وہ مسافر جو عرصہ دراز سے اندھیروں میں ٹامک ٹوٹے مار رہے ہیں، کئی سالوں کی عبادات، ذکر اذکار اور بے شمار بزرگوں کے مزاروں کے در پر جانے کے بعد بھی اندھے کے اندھے ہیں جن کے من کا اندھیرا دور نہیں ہوا۔ جن کے باطنی حواس اور باطنی قوتیں بیدار نہیں ہوئیں۔ جن کے حجابات ابھی تک نہیں اٹھے، جو سالکین در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اب مایوسی کے اندھیروں میں ڈوب چکے ہیں، جو روحانیت اور تصوف سے باغی ہو چکے ہیں کہ باطن کی بیداری اور روحانی پرواز صرف ایک دھوکا، فراڈ یا دیوانے کا خواب ہے یا یہ ناممکن کام ہے۔ ایسے مایوس اور نا مزاد لوگوں کے لیے، راہ فقر و تصوف کے متلاشیان کے لیے اور راہ طریقت پر گامزن ہونے والے مسافروں کے لیے مشعل راہ خضر نما اور تحفہ خاص کتاب جو مرشد کریم پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کی زندگی بھر کا نچوڑ ہے۔ روحانیت کے وہ شارٹ کنس جن پر عمل پیرا ہو کر ہزاروں سالکان طریقت اور متلاشیان حق اپنے من کے اندھیرے دور کر چکے ہیں، بے شمار روحانی طالب علموں کے من کے اندھیرے دور ہو چکے ہیں، جن کی من کی دنیا روشنیوں سے آباد ہو چکی ہیں۔

تیسری آنکھ کی بیداری اور باطنی قوتوں کی بیداری کے بعد ہی اہل مزار سے رابطہ، کشف قبور کی صلاحیت حاصل کرنا، عالم ارواح، جنات، موکلات، ہمزاد کا مشاہدہ اور ملاقات ممکن ہے۔ من کی دنیا بیدار ہونے کے بعد ہی زمین کی سیر کے بعد آسمانوں کی سیر ممکن ہوتی ہے۔ گھر بیٹھے اہل مزارات سے رابطہ کرنا، دوسرے شہروں اور ملکوں میں اپنے دوستوں کو دیکھنا اور سیر کرنا۔ مراقبہ کے بعد ہی ترکیہ نفس کی منزلیں آسان ہوتی ہیں، جسم و روح کی پراگندگی دور ہو جاتی ہے اور ارواح پر پڑی گزند و صاف ہو جاتی ہے تو روح لطافت کی آخری حدوں کو کراس کر جاتی ہے، جسمی اہل مراقبہ سے کرامات اللہ کے فضل سے سرزد ہوتی ہیں۔

مراقبہ ہی روحانیت اور تصوف کی پہلی سیڑھی ہے۔ پوری دنیا میں ہر مذہب میں مراقبہ کا رواج ہے۔ اہل مراقبہ کو روحانی لذتوں، زمینی آسمانی سیر کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت، دماغی صحت مثلاً ڈپریشن، خوف سے نجات، بیماریوں کے خلاف مقابلہ، تخلیقی صلاحیتوں میں اضافہ، بے خوابی سے نجات، ذہنی اور جسمانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ جسم اور روح سے منفی اثرات ختم ہو جاتے ہیں۔ قوت فیصلہ مضبوط ہوتی ہے۔ جادو، جنات، خوف، وہم، منفی خیالات سے مکمل نجات مل جاتی

ہے۔ مندرجہ بالا خوبیوں کے علاوہ بے شمار روحانی اور جسمانی فوائد اس کتاب میں آپ کو ملیں گے۔ بازار میں موجود اکثر مراقبہ کی کتابیں مشکل اور نامکمل ہیں لہذا پروفیسر صاحب نے اپنی زندگی بھر کا نچوڑ اس کتاب میں بیان کیا ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے کس طرح روحانی بیداری کی جاسکتی ہے۔

مراقبہ کے مختلف طریقے، سانس کی مشقیں، خوارک کا استعمال، کونسے وظیفے کرنے ہیں، دن اور رات کے مختلف اوقات ذہنی اور جسمانی ایسی ورزشیں جن پر عمل پیرا ہو کر بہت جلدی تیسری آنکھ اور باطنی حواس بیدار ہو جاتے ہیں، من کا اندھیرا ختم ہو جاتا ہے، ایسے شارٹ کنس جن پر عمل کر کے بے شمار روحانی مسافر اپنے من کے اندھیرے دور کر کے روحانی دنیا، ماضی، حال، مستقبل کی سیر سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ آپ بھی اُن خوش قسمت انسانوں میں شامل ہو سکتے ہیں۔ مراقبہ پر آسان اور انتہائی مفید کتاب جو آپ کے من کی دنیا کو روشن کر دے گی، اس کتاب میں مراقبہ کا پورا سلسلہ موجود ہے، اس کے بعد آپ کو کسی کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی۔ انشاء اللہ۔

منجانب

ادارہ ترقیات روحانیات

234۔ پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



فراز شاہ وچ مانچسٹر

اجمیر شریف ریلوے اسٹیشن پر اہل ڈیوٹی اور رومالی روٹیاں، خواجہ پاک شاہ اجمیر کا فیض ہزاروں کے بدلے میں لاکھوں دیئے۔ مالیر کونلہ کی بیگم صاحبہ کا درویشوں سے عشق اور نذرانہ۔

ہندوستان کے کلچر تہذیب پر تفصیلاً گفتگو۔ ہندوؤں کی منافقتوں اور سازشوں کے احوال اور شاہ اجمیر کی مدد، واہگہ بارڈر پر گرفتاری اور رہائی کی سحر انگیز داستان۔ دوران سفر ہر لمحہ نیا موثر قیمتی دلپذیر اور روح پرور تحریر۔

سفر نامہ ہندوستان کے دوران خصوصی محافل کا تذکرہ بھی شامل ہے جہاں اُن کے چاہنے والوں نے صوفیائے کرام کی زندگی سے متعلق اُن کے خیالات جاننے کے لیے خصوصی محافل میں انہیں مدعو کیا۔ اُن محافل میں پروفیسر صاحب نے اولیائے اکرام کے حالات زندگی وجد انگیز کیفیت میں اس انداز میں بیان فرمائے جس میں آپ کو کہیں بھی مولویانہ انداز نہیں ملے گا۔ پروفیسر صاحب نے برصغیر کی ان زندہ جاوید عظیم ترین ہستیوں کی سیرت و کردار پر ایک محقق اور درویش خدا مست کے انداز میں اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ پڑھنے والوں پر ایک وجد اور سحر طاری ہو جاتا ہے۔ ایک درویش خدا مست کا سفر نامہ ہند جو اہل ذوق کے لیے یقیناً تحفہ خاص ثابت ہوگا۔

منہاب
ادارہ ترقیات روحانیات
234۔ پاک بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور



تحفہ خاص

سفر نامہ درویش (زیر طبع)

(سفر نامہ ہند)

شاہ اجمیر کا بلاوا

عارف باللہ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا سفر نامہ ہند

روحانیت، تصوف و مخفیات کا خزانہ، پراسرار سر زمین پر پراسرار رازوں کا گنجینہ خاص، ہر قدم پر حیرت، تجسس اور سسپنس سے بھرپور واقعات، شروع سے آخر تک پڑھنے والے کو اپنے گھر میں گرفتار رکھیں گے۔ مفصل حالات تو پیش سے ہی پتہ چلیں گے لیکن مختصر درج ذیل ہیں۔

دہلی میں مرزا غالب، نظام الدین اولیاء، امیر خسرو اور بھولے ناتھ اور کالی ماتا دیوی کے مندروں میں طاقتور پنڈتوں اور را کے ایجنٹوں سے آنکھ پھولی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور قطب مینار کی سیر اور کالی ماتا کی روح کی چھبڑ خانی اور قوالوں سے ملاقات، قطب صاحب کا مرید جن اور ملاقات۔

کریم ہوٹل کا کھانا، بوعلی قلندر کے مزار پر حاضری، اہل ڈیوٹی نگینہ فروش، الطاف حسین حالی کے دربار پر دعا۔ بوعلی اور نگینہ فروش کا باطنی فیض اور روحانی چادر دی، چند ہی گڑھ میں سکھوں کی میزبانی۔ شملہ کی سیر اور سکھ پولیس آفیسر سے ملاقات، شیخ سرہند مجدد صاحب کے در پر۔ ساتھی سکھ کی دیوانہ وار عقیدت اور گدی نشین سے روحانی گفتگو اور ملاقات۔

سکھ جرنیل کا ماما بھانجا بابا فرید اور صابر کلیر سے دیوانگی کی حد تک عشق۔ دہلی ہوٹل پر پولیس اور خفیہ ایجنسی راکا حملہ، گرگاؤں میں اعلیٰ پولیس آفیسر کی دعوت اور شہر کے حالات، گوجرانوالہ کی سکھ ماں کے گھر دعوت شاہ اجمیر کا کرم خاص اور ویزہ مل گیا۔

اجمیر شریف کا سفر اور بے پور میں رات اور پنک شہی کی سیر، اجمیر شریف شہنشاہ ہند کے در پر۔ 100 من اور 50 من کی دیگ پر حاضری، انا ساگر پر اہل ڈیوٹی سے ملاقات۔

بیان کی گئی ہے تاکہ عام فہم لوگ بھی اس کتاب سے بھرپور استفادہ حاصل کر سکیں۔ درج بالا خوبیوں کے علاوہ بے شمار ایسی خوبیاں اور معلومات جو پڑھنے والوں کو سرشار کر دیں گی۔

کیونکہ پروفیسر عبداللہ بھٹی صاحب کا مشن عظیم ہے کہ لوگوں کے لیے زیادہ سے زیادہ آسانیاں فراہم کی جائیں اس لیے انہوں نے وہ تمام راز اور ایسی معلومات جو عالمین اپنے ساتھ لے کر قبروں میں چلے جاتے ہیں اس کتاب میں بیان کر دیئے ہیں۔ یہ کتاب آپ اور آپ کے اہل خانہ، دوستوں اور رشتہ داروں کے لیے تحفہ خاص بلکہ سربستہ رازوں کا گنجینہ خاص ہے جس سے ہر خاص و عام اور عالمین حضرات فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ہر گھر کی ضرورت

کرشمہ نام (زیر طبع)

(ناموں کی طاقت)

منجانب

ادارہ ترقیات روحانیات

234۔ پاک بلیک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

♦♦♦♦♦

از شاہ وچ مانچسٹر

مرشدِ کریم پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی صاحب کی لاجواب تصنیف جس کو ہر گھر میں ہونا چاہیے۔ علم الاعداد، تاریخ پیدائش، ناموں کی اہمیت اور ناموں کے شخصیت پر اثرات۔ کیا آپ کا نام آپ کی تاریخ پیدائش کے مطابق ہے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کی خصوصیات، مثبت پہلو، کمزور پہلو۔ آپ کو کن بیماریوں کا خطرہ ہے۔ اگر عرصہ دراز سے پوری کوشش کے باوجود کامیاب نہیں ہو رہے تو فوری طور پر اپنا نام چیک کریں کہ آیا وہ آپ کی تاریخ پیدائش کے مطابق ہے۔ اگر نہیں ہے تو کس طرح تبدیل کرنا ہے، نام کے ساتھ کیا لگانا ہے۔ بچوں کے نام کیا رکھیں۔ کیا آپ کا، آپ کے بہن بھائیوں کی بچوں کے نام تاریخ پیدائش کے مطابق ہیں۔ آپ کا برج کونسا ہے۔ کئی نمبر کیا ہے۔ پھر کونسا سوٹ کرتا ہے۔ کونسا دن آپ کے لیے مبارک ہے، آپ کو کونسا صدقہ کس دن کرنا چاہیے۔ یہ اس کتاب میں شامل ہے۔ آپ کے نام اور تاریخ پیدائش کے مطابق آپ کاورد یعنی اسم اعظم کونسا ہے، کتنی تعداد میں پڑھنا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بہت سارے لوگوں کے نام تبدیل کئے۔ اپنے نام کا عدد معلوم کرنا۔ نام تبدیل کرنا۔ ہر تاریخ پیدائش کی پوری تفصیل۔ دنیا میں بہت سارے ایسے لوگ جن کا پیدائشی عدد کچھ اور نام کا عدد کچھ اور ہوتا ہے، ایسے لوگ ساری زندگی بھر پور جدوجہد کے باوجود کامیاب نہیں ہوتے۔ جیسے ہی اپنا نام تاریخ پیدائش کے مطابق تبدیل کیا، ناکامیاں ختم اور کامیابیاں ملنے لگیں۔ بچوں کی پیدائش پر پہلا مسئلہ بچے کا نام کیا رکھیں۔ اس کتاب میں ہزاروں اسلامی اور جدید نام معنی کے ساتھ درج ہیں۔ اپنی پسند کا نام رکھیں تاکہ بچہ خود اور گھر والوں کے لیے خوش قسمت ثابت ہو۔

لفظ ناموں سے بچے بیمار اور کند ذہن ہوتے ہیں۔ اچھے ناموں سے صحت مند اور پڑھائی میں کامیاب ہوتے ہیں، ضدی اور نافرمان بھی نہیں ہوتے۔ علم الاعداد اور ناموں کے وہ سربستہ راز جو آج تک خفیہ راز تھے پروفیسر صاحب نے خدمتِ خلق کے عظیم جذبہ کے تحت اس کتاب میں بیان کر دیئے ہیں۔

یہ کتاب آپ کو نجومیوں اور علم الاعداد کے ماہروں سے آزاد کر دے گی۔ ہر بات انتہائی آسان طریقے سے

واقعی یہ کتاب اسرار سے بھری ہوئی ہے اس میں روحانیت کے اس طویل سفر کی روداد ہے جو ہر فیصلہ صاحب کو ملنے کے لئے ہر ایک رخصت یا حج ہے۔ اس کی جامعیت اور اس کی تعلیمی ریاضت کے نتیجے میں جو ان کو ملنے والے واقعات بھی جن سے ہر فیصلہ صاحب بخوبی گزرتے کتاب کا حصہ ہیں۔ مجھے بالکل احساس نہیں ہوا کہ میں ہر اسرار و قوت کے حامل کسی شخص سے کونسا کام ہوں۔ (علامہ ارقی قاضی)

اس کتاب میں سالکوں کے لیے بہت کچھ ہے جسے روحانیت اور مصر حاضر کے باپ میں آج کے انسان کی دین سے دوسری کے اسباب بڑے مفصل انداز میں بیان کیے گئے ہیں جو ہمارے لیے فکر کا کافی سامان مہیا کرتے ہیں۔ (ڈاکٹر سید عادل خان لاہور)

ہر فیصلہ صاحب بخوبی کو بڑا دل کیا لاکھوں میں ایک کہا جاسکتا ہے۔ ان جیسا دوسرا دوسرا آدمی آسان نہیں ہے۔ ہم میں سے بہت سوں نے تصوف کے بارے میں جو کچھ پڑھا دیکھا اور صوفی کے بارے میں جو کچھ (نسل و نسل) سن رکھا ہے فیصلہ صاحب بخوبی اس پر زائد شہادت ہیں۔ ان کی تصنیف "اسرار روحانیت" پڑھنے والوں کو چونکا بلکہ چکر اڑاتی ہے۔ یہ آپ جتنی بھی ہے اور کب جتنی بھی۔ اس میں تاریخ سن آتی ہے۔ روحانی علوم کے کمالات بھی اور خود ان کے تجربے بھی۔ (عجیب الرحمن شاہی راولپنڈی پاکستان)

روزانہ سے شروع روحانی اور جسمانی امراض سے کرکڑی قلم ہر فیصلہ صاحب کے پاس آتے ہیں اور انہیں دامن خوشیوں سے بھر کر دیاں جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قلم بخوبی صاحب کو بہت اور محنت و تامل کے ساتھ انسانی زندگی کی مزید خدمت کر سکیں۔ جو لوگ مل نہیں سکتے وہ ہر فیصلہ صاحب کی کتاب "اسرار روحانیت" ضرور پڑھیں۔ (ڈاکٹر اسماعیل یازدی روزنامہ ذوالہیات)

عام لوگوں کے لیے "مختصر الحجاب" کو پڑھنا اور سمجھنا خاصا مشکل ہے لیکن اس مشکل کو ہر فیصلہ صاحب بخوبی نے آسان کر دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "اسرار روحانیت" میں کئی صوفی کی تعلیمات کو انتہائی سادہ زبان میں اکٹھا کر دیا ہے۔ ہر فیصلہ محمد عبداللہ بخوبی اپنی تحقیق اور محنت پر مہار کاوا کے ساتھ ساتھ شکریہ کے بھی مستحق ہیں۔ (حامد میر روزنامہ جنگ، لاہور، پاکستان)

تصوف کی 99 فیصد کتابیں تقویوں، کباتوں پر مشتمل ہوتی ہیں مگر فیصلہ صاحب کی کتاب روحانی ہے لیکن ان واقعات میں گہرے دلچسپی میں آپ میں سے کون ان رازوں تک پہنچتا ہے اور کون اس کتاب کی سطح پر نہز کر گہرا دہاں چلا جاتا ہے۔ جو لوگ دیکھیں کہ کون کون کر رہے ہیں وہ اللہ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور یہ کام فیصلہ صاحب سے کر رہے ہیں۔ (جاوید چوہدری لاہور ٹی وی)

بہنیں صاحب کی یہ تصنیف اور تصوف اور روحانی علوم پر انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے، انہوں نے چارے دور میں اس حوالہ سے ہونیوالی تبدیلیوں، تقاضوں کا گہرا پرکھ لیا ہے۔ روحانی مسافروں کو ان سے ضرور ملنا چاہیے یا ان کی کتاب "اسرار روحانیت" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی تلاش میں روحانی مسافر رہتے ہیں۔ (طارق سلیم ساگر، ذوالفقار)

یہ ایک عجیب و غریب اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ ہم اب تک ایک جمعی زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں جبکہ اصلی زندگی کا آغاز کرنے کا طریقہ اس حال صراحت سے بیان کیا گیا ہے نیز یہ احساس ہوتا ہے کہ اب بھی صحیح معنوں میں عین کا آغاز کیا جاسکتا ہے جس کیلئے کسی طرح کی رہنمائی اور ترک دنیا کی ضرورت نہیں۔ (شاہ ظفر اقبال)

بہنیں صاحب نے روحانیت کے اسرار و رموز کو اس کتاب میں خوبصورت آسان انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسے جیسے میں اسکو پڑھتا گیا مجھے خوشامیخت ہوتی کہ یہ انتہائی جامع و معلومات سے بھرپور روحانیت کی کتاب ہے۔ (مفتی محمد رفیع مبین، ممبئی)

اس بندۂ خدا پر اللہ کا کتنا احسان ہے، اللہ تعالیٰ کیفیات اور مشاہدات پر منتظرین کو خوشامیخت ہوتی ہے۔ بہنیں صاحب ایک بحرِ عظیم فرشتہ ہیں جس تصوف کا گہرا مطالعہ کئے والی ایک عربی شخصیت کا نام ہے۔ (مفتی محمد رمضان سیالوی انڈین بائبل سوسائٹی، لاہور)



واقی یہ کتاب اسرار سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں روحانیت کے اس طویل سفر کی روداد ہے جو پروفیسر صاحب کو ملے کر بنا رہا ہے۔ یہ ایک رصیق بیچے سے اس کیساتھ ملنے والی ریاضت اور اس کی تعلیمات کے نتیجہ میں جو ان کو اپنے دالے واقعات میں جن سے پروفیسر عبداللہ علی گزدر نے کتاب کا حصہ ہیں۔ مجھے بالکل احساس نہیں ہوا کہ میں پراسرار قوتوں کے ساحل کی شخص سے کچھ کہوں ہوں۔ (علامہ اقبال کا نامی)

اس کتاب میں سالکوں کے لیے بہت کچھ ہے جسے روحانیت اور مصر حاضر کے باب میں آج کے انسان کی دین سے دوری کے اسباب بڑے مفصل انداز میں بیان کیے گئے ہیں جو ہمارے لیے فکر کا کافی سامان مہیا کرتے ہیں۔ (باوقد سید عبداللہ خان لاہور)

پروفیسر عبداللہ بھٹی کو ہزاروں کیا لائیکوں میں ایک کہا جاسکتا ہے۔ ان جیسا دوسرا (اصول نا آسان نہیں ہے۔ ہم میں سے بہت سوں نے تصوف کے بارے میں جو کچھ چرچا کرنا اور مصوفیہ کے بارے میں جو کچھ (نسل و نسل) سن رکھا ہے عبداللہ بھٹی اس پر خود شہادت ہیں۔ ان کی تحریف "اسرار و روحانیت" پڑھنے والوں کو بچہ کاکہ پکڑا دیتی ہے۔ یہ آپ جتنی بھی ہے اور کچھ جتنی بھی اس میں تاریخ مسرت آتی ہے۔ روحانی علوم کے کالات بھی اور شوالان کے تجربے بھی۔ (عجیب الرحمن شاہی لاہور، پاکستان)

روزانہ بے شمار روحانی اور جسمانی امراض لے کر لوگ قلم پروفیسر صاحب کے پاس آتے ہیں اور اپنا دامن خوشیوں سے بھر کر واپس لے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قلم بھٹی صاحب کو بہت دور صحت و ستاکر دے اور انسانییت کی مزید خدمت کر سکیں۔ جو لوگ مل نہیں سکتے وہ پروفیسر صاحب کی کتاب "اسرار و روحانیت" ضرور پڑھیں۔ (ڈاکٹر اسماعیل یازدی، روزنامہ سرائے صحت)

عام لوگوں کے لیے "تخلف العجب" کو پڑھنا اور سمجھنا خاصا مشکل ہے لیکن اس مشکل کو پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی نے آسان کر دیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "اسرار و روحانیت" میں اس صوفی کی تعلیمات کو انتہائی سادہ زبان میں آٹھا کر دیا ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ بھٹی اپنی تحقیق اور محنت پر ہمارا کواکے ساتھ ساتھ شہریہ کے بھی مستحق ہیں۔ (حامد میر، روزنامہ جنگ، دہلی، دہلی)

تصوف کی وہ تصیر کتابیں اصول، کتابتوں پر مشتمل ہوتی ہیں مگر عبداللہ بھٹی صاحب کی کتاب واقعات ہے لیکن ان واقعات میں گہرے راز چھپے ہیں۔ آپ میں سے کون ان رازوں تک پہنچتا ہے لوگوں اس کتاب کی سطح پر آکر گہر واپس چلا جاتا ہے۔ جو لوگ دیکھ لوں گا کہ کیم کر دیتے ہیں وہاں اللہ کے نام بندے ہوتے ہیں اور یہ کام عبداللہ بھٹی محض سے کر رہے ہیں۔ (چاہید چوہدری، کالہا کراچی)

بھٹی صاحب کی یہ تحریف بڑا شریف تصوف اور روحانی علوم پر افسانہ بیڈ کی حیثیت رکھتی ہے، انہوں نے جدید دور میں اس حوالہ سے دو نیاں تہذیبیں تقاضا کی ہیں جو ہماری ہے۔ روحانی مسافروں کو ان سے ضرور ملنا چاہیے۔ آپ کی کتاب "اسرار و روحانیت" کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے جس کی تلاش میں روحانی مسافر رہتے ہیں۔ (عاطق اسماعیل ساگر، ناول نگار)

یہ ایک عجیب و غریب اور دلچسپ کتاب ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر یہ باتا کر یہ قائم ہوتا ہے کہ ہر ایک ایک جملی زندگی بسر کرتے چلے آئے ہیں جن میں اصلی زندگی کا آغاز کرنے کا طریقہ اس کتاب میں فراہم ہے۔ یہاں کیا گیا ہے نیز یہ احساس ہوتا ہے کہ اب بھی مسنون میں جینے کا آغاز کیا جاسکتا ہے جس کیلئے کسی طرح کی رہنمائی اور تڑک دینا کی ضرورت نہیں۔ (شاعر غفر اقبال)

بھٹی صاحب نے روحانیت کے اسرار و موزوں اس کتاب میں خوبصورت آسان زبان میں بیان کیا ہے۔ جیسے جیسے میں اس پر دست لگا کر مجھے غماز کرتے ہوئی کہ یہ انتہائی جامع معلومات سے بھرپور روحانیت کی کتاب ہے۔ (مفتی محمد رفیع مسین، لاہور)

اس بندہ خدا پر اللہ کا کتنا احسان ہے، انانک روحانی کیفیات اور مقامات پر غفلتوں کو غفلتوں سے بڑھتی ہے۔ بھٹی صاحب ایک محرم کفر کی نہیں تصوف کا کیمر اعلیٰ درجے کے دینی ایکہ مغربی شخصیت کا نام ہے۔ (مفتی محمد رفیع مسین، لاہور)

Rs. 995.00

www.sangmeel.com

ISBN-10 969-35-2713-0
ISBN-13 978-969-35-2713-0

